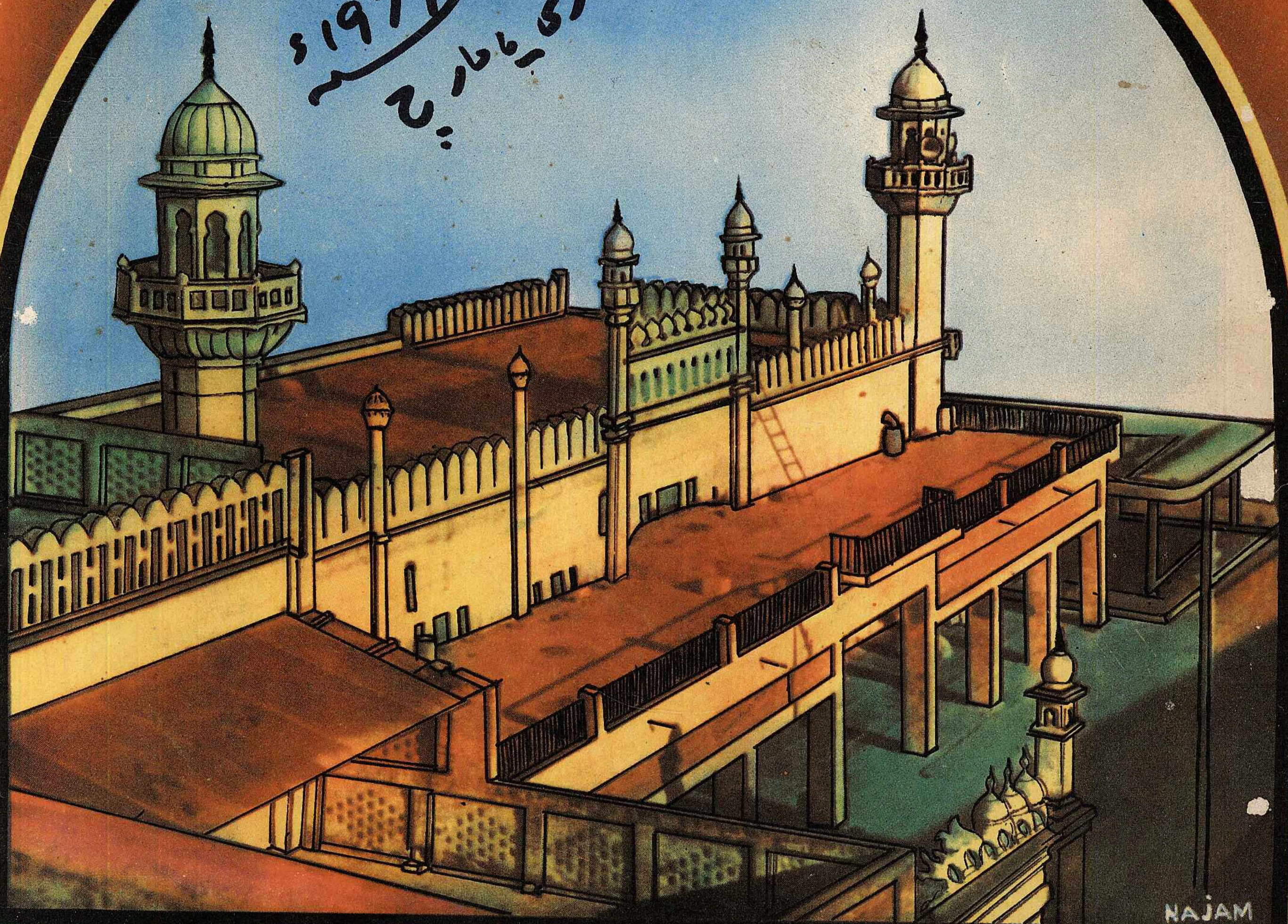
ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
وہ سپہ کی تیغ بازی، یہ نگہ کی تیغ بازی

اقبال



امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ

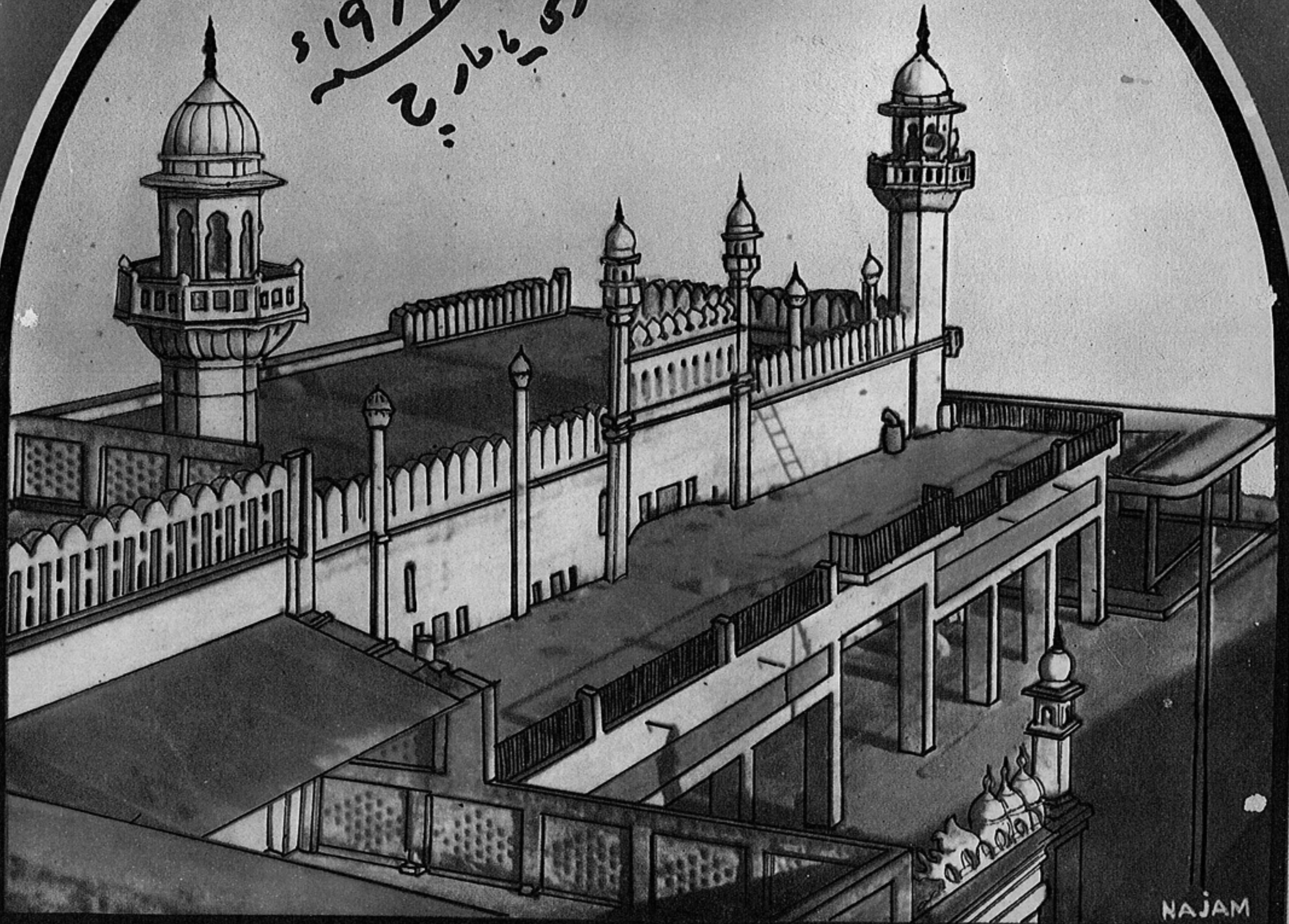
کی

شخصیت، حالات و کمالات اور مذہبی و سماجی خدمات پر ایک تاریخی دستاویز

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور
مصب

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
وہ سپہ کی تیغ بازی، یہ نگہ کی تیغ بازی

اقبال



امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ

کی

شخصیت، حالات و کمالات اور مذہبی و سماجی خدمات پر ایک تاریخی دستاویز

مطبوعات انجمن خدّام الدّین لاہور

- قرآن کریم معہ ترجمہ حضرت الامام لاہوریؒ و ربط آیات جس کو برّصغیر کے ہر مکتبِ فکر کے مستند علماء نے پسند کیا۔ ہدیہ قسم اوّل -/۷۰ روپے قسم دوم -/۵۰ روپے
- خطباتِ جمعہ: حضرت لاہوریؒ کے مشہورِ عالم خطباتِ جمعہ جسے نئے انداز سے دو حصّوں میں طبع کرایا جارہا ہے۔ (زیرِ طبع) حصّہ اوّل ۱۸/۰۰ حصہ دوم ۲۱/۰۰
- مجالس ذکر: حضرتؒ کی اصلاحی تقاریر کا قیمتی خزانہ، نیا انداز نئی ترتیب۔ حصّہ اوّل: ۱۸/۰۰ روپے۔ حصّہ دوم: ۲۱/۰۰ روپے (زیرِ طبع)۔
- اسلامی تعلیمات: حضرت مولانا عبید اللہ انور کے خطبات و مواعظ کا قیمتی مجموعہ۔ ہدیہ: ۲۴/۰۰ روپے
- ملفوظات: حضرت لاہوریؒ کے ملفوظات کا دل آویز گلدستہ۔ ۷/۲۵
- گلدستہ صد احادیث نبوی ترجمہ و تشریح حضرت لاہوریؒ۔ ۱/۵۰
- خلاصۃ المشکوٰۃ: حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ کا خلاصہ۔ حضرت لاہوریؒ کی محنت کا شاہکار۔ ہدیہ ۹/۰۰ (زیرِ طبع)
- اصلی حنفیت: مذہب حنفی کی سچی تصویر حضرت لاہوریؒ کے قلم سے۔ ۱/۵۰
- ہماری آزادی: مولانا ابوالکلام آزاد کی مشہور زمانہ کتاب کا اردو ترجمہ
- خوبصورت کتابت و طباعت اور مضبوط جلد صفحات ۵۵۰ سے زائد۔ قیمت -/۲۵ روپے
- یدِ بیضاء: حضرت لاہوری قدس سرہ کے شیخ و مربی حضرت دین پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مبسوط سوانح حیات حامد عبیدی کے قلم سے! ہدیہ -/۲۵

حضرت لاہوری قدس سرہ کے ۲۵ رسائل کا سیٹ بھی انشاء اللہ عنقریب تیار ہو جائے گا۔

المعلن: ناظم شعبہ نشر و اشاعت انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

کا

امام الاولیاءؒ
حضرت لاہوریؒ نمبر

ٹیلی فون : ۶۷۵۴۵

قیمت : ۱۸ روپے

بانی ادارہ :-
حضرت امام لاہوری قدس سرہ

رئیس ادارہ :-
حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

مدیر منتظم :-
میاں محمد اجمل قادری

مدیر :-
محمد سعید الرحمٰن علوی

مدیر معاون :-
صالح محمد حضروی

کتابت :-
عبدالحمید، محمد فضل، سعید احمد ساجد

یکے از مطبوعات
انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور

مولانا عبید اللہ انور نے پریمیئر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کیا

فہرس

کروڑوں رحمتیں ہوں شیخ لاہوری کی تربت پر — کوئی صدیوں میں ایسا صاحبِ ارشاد ہوتا ہے

مضطر گجراتی رح

ابتدا کس طرح ہوئی ؟



تاریخ 18-6-78

مکرمی محترمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا السید بنوری قدس سرہ کے متعلق خدام الدین کی خصوصی اشاعت کا جس طرح ملک بھر میں خیر مقدم کیا جا رہا ہے وہ حضرت الامام لاہوری قدس سرہ بانی ادارہ کے خلوص وللہیت، حضرت بنوری کی عنداللہ مقبولیت اور آپ کا بزرگانہ و مشفقانہ مزاج کا ثمرہ ہے اللہ تعالیٰ اس اشاعت خاص کو مجلہ بینات کار اور باقی تمام معاون دوستوں اور ادارہ کے حق میں ترقی درجات و مغفرت کا ذریعہ بنائے۔

میری خواہش یہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ کی خواہش بھی علمی احباب کے عین مطابق ہوگی کہ امسال رمضان شریف میں اسی طرح حسب مقدور بتوفیق الٰہی حضرت الامام بانی انجمن قدس سرہ کے بارہ میں ایک عظیم و ضخیم نمبر شائع کیا جائے۔ جس میں حضرت والا کی شخصیت، آپ کے کردار، دینی و جماعتی خدمات اور قائدانہ رہنما

آپ کے اساتذہ و شیوخ کا ذکرِ خیر اور انجمن کی بقدر ضرورت تاریخ
آپ کے مکاتیب وغیرہ شامل ہوں۔ آپ کی اجازت ہو تو اس
سلسلہ میں مسئلہ استعمار کی اشاعت کی فرحت فرمادیں۔ اجازت
مدیر تبلیغ و دعا آپ کی ہوتی اور کام کر سکیں تو ان شاء اللہ خانقاہ لاہور کی
میں سرخروئی کا سامان ہو جائے گا

والسلام
خویدم علم و علوم
مدیر خدام الدین





فون نمبر 67545



مدرسہ قاسم العلوم

زیر اہتمام

انجمن خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور

بانی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

مکرم و محترم علوی صاحب زید مجدکم

سلام مسنون۔ خوشا علامہ بنوری نمبر۔ اب تجاویز حضرت
کارنامے اور بعد حضرت بانی انجمن کا خاص نمبر شایان
شان پیش کرنا رہبر وقت کا تقاضا ہے؟

اس بارے میں آپ کا ارادہ بڑا مبارک

جزاکم اللہ اور حوصلہ افزا ہیں۔

بڑے شوق سے اعلان اور کام کی ابتدا فرمائیں

اللہ تعالیٰ ہر بات عظیمہ سے نوازے الداعی للخیر

احقر عبید اللہ انور
18.4.78

ادار یہ

دانائے راز

حضرت الامام ، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ —— ع زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا - ان نادرۂ روزگار افراد میں سے تھے جو اپنی ذات میں ایک انجمن ، ایک ادارہ اور ایک تحریک ہوتے ہیں۔ اس قسم کے عبقری انسان جہاں بیٹھ جائیں وہیں جنگل میں منگل کا سماں پیدا کر دیتے ہیں اور اپنے سوزِ دروں سے ایک نئی دنیا بسا لیتے ہیں۔

نومسلم باپ (الشیخ حبیب اللہ قدس سرہٗ) کا یہ فرزند —— جسے آج دنیا "الامام لاہوری"، "شیخ التفسیر" "سند العلماء" اور "مرشدِ برحق" جیسے عنوانات سے یاد کرتی ہے اور جس کی عقیدت و محبت بلاشبہ کروڑوں انسانوں کے دل میں ہے —— جب دنیا میں وارد ہوا اور شکمِ مادر کے تہہ در تہہ اندھیروں سے اس جہان رنگ و بُو میں اس نے قدم رکھا تو اس کے والدین نے "امرأۃ عمران" کی سنّتِ قدیمہ پر عمل کرتے ہوئے اس ہونہار کو "محرر" بنا دیا اور اپنی پدری و مادری محبّت و الفت کو اللہ کے لیے قربان کر دیا۔

شیخ لاہوریؒ کے والدین نے "محرر" بنانے کا رسمی اعلان نہیں کیا بلکہ عملاً ایسا کر دکھایا اور اپنے ہی ایک عزیز —— جنہیں نومسلم ہونے کا شرف حاصل تھا —— اور جنہیں آج امام انقلاب و سیّد المجاہدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے —— یعنی مولانا عبیداللہ سندھیؒ —— جن کی اسلام سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے کو عبیداللہ بن الاسلام کہتے —— کے سپرد کر دیا —— اس سپردگی سے قبل والدہ محترمہ کے پاس اور بعض دوسرے اساتذہ سے قرآنِ کریم اور کسی قدر ابتدائی تعلیم حاصل کر چکے تھے —— مولانا سندھیؒ کا اندازِ تربیّت عام لوگوں سے کسی قدر مختلف تھا اور اس میں ایک گونہ سختی کا عنصر پایا جاتا تھا —— لیکن یہ سختی "سونے" کے "پارس" بننے کے لیے از بس ضروری تھی —— اور یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ آئندہ چل کر حضرت الامام لاہوری قدس سرہٗ کو وھابِ حقیقی نے اپنی عطاء و بخشش سے جو حصّۂ وافر عطا فرمایا اس میں جہاں دینے والے کی جود و بخشش کا کمال ہے وہاں لینے والے کی طلبِ صادق کے ساتھ ساتھ اس کے والدین کے خلوص اور ابتدائی درجہ میں امامِ سندھیؒ کی تربیّت کا بڑا دخل ہے۔

سیّد العارفین ، حضرت المخدوم ، الشیخ مولانا غلام محمد صاحب جھنگوی ثم دین پوری قدس اللہ سرہٗ و برّد اللہ مضجعہ —— جو حضرت شیخ العالم ، امام المجاہدین مولانا محمود حسن دیوبندی کی تحریک کے عظیم ترین ممبر بلکہ قائد تھے - اور جن کے چہرۂ انور کی نورانیّت کی تاب حکیم الامت تھانویؒ جیسا عبقری نہ لا سکا تھا اور جن کی تربیّت کا ایک مظہر شیخ الاسلام والمسلمین مولانا السیّد حسین احمد المدنی جیسے صاحبِ صدق وصفا اور شیخِ زمن تھے —— ان کی بارگاہ علیا میں امام لاہوری کو نوعمری میں لے جانے والے امام سندھیؒ

ہی تھے ـــــ گو کہ اس وقت امام لاہوری کم عمر تھے، لیکن مرشدِ دین پوریؒ کی نگاہِ بصیرت و فراست نے بھانپ لیا کہ یہ ہونہار مستقبل کا امام و قائد بننے والا ہے۔ اور اسے دنیائے معرفت و طریقت کا شیخ اعظم بننا ہے ـــــ پھر انھوں نے اس ہونہار برِوا کو سینے سے جو لگایا تو دل کی کیفیت بدل گئی ۹ سال کی عمر میں یہ بیعت ہوئی اور اس کے ساتھ ہی امروٹ شریف ضلع سکھر میں سلسلہ قادریہ راشدیہ کے گل سرسبد اور حضرت الشیخ السیّد مولانا تاج محمودؒ قدس سرہٗ نے آپ کی بیعت کو قبول فرمایا ـــــ آپ کے دونوں مرشد ـــــ حضرت دین پوری و حضرت امروٹی ـــــ ایک ہی سلسلہ مبارکہ کے شیخ تھے، ایک ہی شیخ کے فیض یافتہ تھے۔ آپس میں یک جان و دو قالب اور سیاسی و ملّی اعتبار سے بھی ہم مشرب و ہم ذوق تھے ـــــ حضرت شیخ الہند کی تحریک ریشمی رومال سے دونوں متعلق اور آپ کے انتہائی معتمد ـــــ ان دو عظیم خانقاہوں ـــــ جو قرونِ اولیٰ کی خانقاہوں کا مظہر تھیں ـــــ کے شب و روز نے الشیخ حبیب اللہ کے بیٹے احمد علی کو اس مقام تک پہنچا دیا کہ ایک دنیا میں اس کا نام روشن ہو گیا۔ شیخ لاہوریؒ کی زندگی بلاشبہ اس شعر کا مصداق تھی کہ

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

زندگی کا ایک ایک سال، سال کا ہر مہینہ، مہینہ کا ہر دن اور دن کا ہر لمحہ ایسا گزرا کہ مقصدِ حیات بھی رقصِ ناز کرنے لگا ـــــ بلاشبہ دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں ـــــ انگلیوں پر شمار کرنے کے قابل ـــــ جو مقصدِ زندگی کے لیے اپنی صحت و آرام اور اپنا ایک ایک لمحہ نثار کر دیتے ہیں۔

امام لاہوری جن خانقاہوں اور جن مدارس ـــــ اور بالآخر جس مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے مکمل ہو کر نکلے ان کا جو مزاج و پروگرام تھا اس کے لیے شیوخ و اکابر کو ایک ایسا سپاہی ملا جو سپاہیانہ زندگی کا پوری طرح خوگر تھا ـــــ یہی سرشت و مزاج اسے دیوبند سے پیر جھنڈا لے گئی۔ جہاں اس نے چند سال مسند تدریس کو رونق بخشی ـــــ وہاں سے وہ عروس البلاد دہلی پہنچا ـــــ استاذ مکرم حضرت الشیخ محمود حسن قدس سرہٗ نے ہزار ارمانوں کے ساتھ جو درس گاہ بنائی تھی یعنی "نظارۃ المعارف القرآنیہ" اور جس کی نگرانی امام سندھیؒ کر رہے تھے، اس میں معاونت کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے دہلی آنا ہوا، یہیں دنیائے جدید کے نیک فطرت نمائندوں امام الہند محی الملۃ والدین مولانا ابوالکلام آزاد، مسیح الملک حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری رحمہم اللہ جیسے افراد سے رابطہ ہوا ـــــ ایک عرصہ تک قرآنی علوم و معارف کے جواہر لٹانے کے بعد ایسا ابتلاء آیا کہ آپ گرفتار ہو گئے ـــــ اور راھوں (جالندھر) اور شملہ میں ایام نظر بندی گزرنے کے بعد لاہور پہنچائے گئے ـــــ نولکھا تھانہ کا یہ قیدی ـــــ بظاہر قیدی تھا لیکن در اصل لاہور اور پنجاب کی قسمت جاگ اٹھی تھی۔ احمد علیؒ کی شکل میں خدا کی رحمت کا سایہ اس پر جلوہ فگن ہو چکا تھا ـــــ جوں توں کر کے اسے رہائی ملی اور پھر وہ شیرانوالہ میں آ کر مقیم ہو گیا ـــــ قدرت نے اس کے خلوص و کام کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور شیرانوالہ رشد و ہدایت کا مرکز بن گیا۔ امام لاہوریؒ نے ظلمت کدۂ لاہور میں عقائدِ صحیحہ کا چراغ روشن کیا تو انگریزی راج کے خفیہ مہروں کی توپ تکفیر حرکت میں آ گئی ـــــ انگریز سے خفیہ راہ و رسم رکھنے والے یہ لوگ بندگانِ خدا کو کافر کہنا اپنی زندگی کا مقصد بنائے ہوتے تھے۔ انھوں نے

حسبِ روایت و عادت مشغلہ تکفیر شروع کیا۔ امام لاہوری ان کے اعوان و انصار، اساتذہ و شیوخ اور تمام اہلِ حق اس کی زد میں آ گئے۔ لیکن اہلِ جنوں ان باتوں سے کب گھبراتے ہیں۔ ان کا جذبۂ عمل تو اور زیادہ بیدار ہوتا ہے۔ وہ زخم کھا کر ابھرتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ وہ خلوص کے پیکر ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی خدمتِ دین سے عبارت ہوتی ہے اس لیے وہ غوغا آرائی کی پرواہ کیے بغیر اپنا سفر جاری رکھتے ہیں اور امام لاہوریؒ کا یہ سفر نصف صدی کے قریب جاری رہا تھا اور جب اس کے شیر کی بارگاہِ قدس میں حاضری کا وقت آیا تو رمضان المبارک کی قیمتی ساعات تھیں ___ نہ کوئی ریڈیو پر بار بار اعلان تھا نہ منادی اور اخبارات میں چرچا لیکن جب جنازہ اٹھا تو عوام کے سیلِ بے کراں نے لاہور کا ٹریفک روک دیا۔ جنازہ کا جلوس دیکھ کر بڑے بوڑھوں کو غازی علم الدین شہید کا جنازہ یاد آ گیا جس نے امیرِ شریعت پیر بخاریؒ کی تقریر سے متاثر ہو کر گستاخ راجپال کو جہنم رسید کیا تھا ___ اس واقعہ کو قریباً ۱۶ سال بعد اس گنہگار آنکھوں نے امام لاہوری سے لے کر علامہ اقبال اور مسٹر جناح تک سب کو کافر قرار دینے والے کا بھی لاہور میں جنازہ دیکھا ___ جس کے لیے ریڈیو سے لے کر اخبارات تک میں ہر جگہ چرچا ہوا۔ شہر میں ٹیکسی پھری اور قدیم شہر کے ایک بڑے حصہ میں جنازہ کا جلوس پھرایا گیا لیکن پھر بھی وہ مولوی مدن والی بات نہ بن سکی ___ اور اس طرح امام صدق وصفا سیّد المجاہدین، غازی برحق، حضرت الامام السیّد احمد بن حنبل قدس سرہٗ کے مقولہ کی صداقت ایک بار پھر واضح ہو گئی کہ "ہمارا اور اہلِ بدعت کا فیصلہ جنازوں سے ہو گا"۔

امام لاہوری کو جب قبر میں اتارا جا رہا تھا تو آسمان آنسو بہا رہا تھا اور پھر دنیا نے اس کی قبر کی مٹی سے خوشبو سونگھی ___ یار لوگ یہ سمجھے کہ عقیدت مندوں یا وارثوں کی شرارت و سازش ہے وہ اپنی دکان چمکانے کی غرض سے عطر کا چھڑکاؤ کر رہے ہیں۔ لیکن ملکی لیبارٹریوں نے مٹی کا تجزیہ کیا تو معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت الامام بخاری قدس سرہٗ کی حدیثی خدمات کے صدقہ جس طرح ان کی قبر سے خوشبو آئی تھی اسی طرح اب امام لاہوری کی قبر سے ان کی قرآنی خدمات کے صدقہ خوشبو آ رہی ہے ؎

ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاءُ

امام لاہوریؒ نے جو خدمات سر انجام دیں ان کا تعارف کرنے کے لیے اس نمبر کا اہتمام کیا گیا۔ خدّامُ الدّینؔ حضرت والا نے جاری کیا ___ اس کا مقصد بنیادی طور پر آپ کے خطبہ و مجلس ذکر اور آپ کے معارف و علوم کی اشاعت تھی تا کہ جو لوگ یہاں آ کر فیض یاب نہیں ہو سکتے وہ دور رہ کر فیض یاب ہو سکیں ___ اور پھر یہ رسالہ پوری دنیا میں پہنچا، اس کی ظاہری شکل و صورت بھی کوئی ایسی نہ تھی جیسے موجودہ صحافت کے تقاضے ہیں اور مضامین بھی سادہ و عام فہم ہوتے تھے۔ لیکن امام برحق کا خلوص تھا کہ بڑے بڑے جغادری صحافی شیرانوالہ کی چٹائیوں پر بیٹھنے والے درویش کی خدمت میں آتے اور اس کی بے پناہ اشاعت کا راز معلوم کرتے ___ حضرت الامام قدس سرہٗ کے انتقال کو ۱۶ سال ہو چکے ہیں۔ اس اثنا میں ایک آدھ مرتبہ چند سرسری مضامین پر مشتمل خصوصی اشاعتیں سامنے آئیں لیکن مرحوم بانی کے شایانِ شان ایک نمبر کا ہنوز قرض تھا ___ سالِ گذشتہ

کی ابتداء میں جب قافلہ سالارِ ختمِ نبوّۃ حضرت العلام السیّد محمد یوسف البنوری قدس سرّہٗ کی یاد میں اشاعتِ خصوصی سامنے آئی ـــــ جس کو اللہ ربّ العزّت نے ہماری کمزوریوں کے باوجود شرفِ قبولیّت سے نوازا ـــــ تو ان سطور کے راقم نے ادارتی کالموں میں وعدہ کیا تھا کہ خدا نے چاہا تو حضرت لاہوریؒ سمیت دوسرے اکابر سے متعلق خصوصی نمبرات شائع کیے جائیں گے ـــــ اور اس سلسلہ کی ابتداء بانی مرحوم کے ذکرِ خیر سے ہو رہی ہے۔ حضرت الامام کے جانشین و فرزند حضرت مولانا عبیداللہ انور کی خدمت میں جب ہم نے اپنا مطمعِ نظر پیش کیا تو انھوں نے کمال محبّت و شفقت سے اجازت مرحمت فرمائی ـــــ دعاؤں سے نوازا ـــــ مشورے فرماتے اور رہنمائی فرماتی ـــــ ہم نے رمضان ۹۸ھ میں چاہا کہ نمبر سامنے آ جاتے لیکن مضامین نگار حضرات کے "کرم" نے معاملہ یہاں تک پہنچا دیا ـــــ حتیٰ کہ رائتے ونڈ کے عظیم عالمی اجتماع پر بھی نمبر نہ آ سکا۔ اور یوں سیّدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ارشاد کی قدم قدم پر صداقت سامنے آئی۔

عرفت رَبّی بفسخ العزائم

واقعہ یہ ہے کہ اس تاخیر کا بنیادی سبب وہی ہے جس کا ہم نے اوپر اشارہ کیا اور اب بھی حالت یہ ہے کہ جن پر زیادہ تکیہ و اعتماد تھا انھوں نے چپ سادھ رکھی ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے اریضہ کی رسید تک نہ ارسال کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں سینکڑوں خطوط لکھے لیکن افسوس کہ ہماری بار بار کی درخواست کو کسی نے درخورِ اعتناء نہ سمجھا اور نقل تک ارسال نہ کی۔ ـــــ خدا بھلا کرے عالمِ اسلام کے عظیم مفکّر مولانا السیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کا کہ انھوں نے البتّہ تمام خطوط کی نقل ارسال فرما دی جو شاملِ اشاعت ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے اکثر حضرات نے اپنے مربّی و مرشد کے متعلق چند الفاظ لکھ کر ارسال کرنا مناسب نہ سمجھا حتیٰ کہ خط کا جواب تک نہ دیا ـــــ تاہم ہمیں شکوہ ہے نہ شکایت اور ہم ممنون ہیں ان کے بھی جنھوں نے تعاون نہیں کیا اور ان کے بھی جنھوں نے تعاون کیا ـــــ مکرّم مولانا زاہد الحسینی اٹک، مولانا قاضی محمد شمس الدّین گوجرانوالہ، مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، جناب محمد اسحاق بھٹی ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، مولانا حافظ ریاض احمد اشرفی سینئر ایگزیکٹو روزنامہ جنگ راولپنڈی، جناب ڈاکٹر سیّد عبداللہ، ڈاکٹر وحید قریشی ڈین پنجاب یونیورسٹی، جناب منظور الحق صدیقی کیڈٹ کالج حسن ابدال، والد بزرگوار مولانا محمد رمضان علوی، جناب اعجاز احسن سنگھانوی ایم۔اے اور مولانا احمد عبدالرّحمان نوشہروی بطورِ خاص مستحقِ شکریہ ہیں۔ جنھوں نے ازرہ شفقت ہماری درخواست کو قبول کیا۔ آخرالذکر دوست "داناتے راز" کے نام سے حضرت الامام لاہوری کی سیرت مرتب کر رہے ہیں ـــــ انھوں نے اس کے لیے بعض نامی گرامی حضرات کی تحریریں من و عن ارسال فرما دیں ـــــ حتیٰ کہ ہم نے اپنے ادارتی کالموں کے لیے عنوان بھی یہی مستعار لے لیا۔ ہمیں اُمّید ہے کہ یہ کتاب بڑے اہتمام سے سامنے آئے گی اور جو حضرات ابھی تک توجہ نہیں فرما سکے وہ ان سے رابطہ قائم کریں گے۔

بیرونِ ملک کے حضرات میں حضرت العلام السیّد انور شاہ کاشمیری قدس سرّہٗ کے صاحبزادگان مولانا سیّد محمد ازہر شاہ کاشمیری اور مولانا سیّد محمد انظر شاہ کاشمیری نیز مفکّرِ ملّت علامہ خالد محمود آف برمنگھم (برطانیہ)

نے مفصل و بلسوط مقالے ارسال کیے ــــ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

حضرت کی وفات کے موقعہ پر اور اس کے بعد مختلف مواقع پر ملک کے اخبارات و رسائل نے تعبرات شائع کیے۔ جن میں سے بعض انتہائی اہم مضامین حفاظت کی غرض سے شامل کر لیے گئے ہیں واقعہ یہ ہے کہ یہ اخبار و رسائل ہمیں اپنے برادرِ محترم مولوی حافظ محمد عزیز الرحمن خورشید کی توسط سے ملے کہ انھوں نے بڑی محنت سے اسے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔

حضرت الامام لاہوریؒ کی مختلف حیثیات تھیں۔ جن میں سے ایک حیثیت جمعیۃ علماء اسلام کے موسس ثانی و امیرِ اوّل کی تھی ــــ آئندہ چل کر بعض ایسے حوادث پیش آئے جو اپنے تھے ساتھ چھوڑ گئے ــــ ان کی سیاسی راستے سے نہ ہم کل متفق تھے نہ آج ہیں ــــ ہماری سیاسی راستے آج بھی حافظ الحدیث والقرآن مرشد درخواستی ، مفکرِ اسلام ، محمود الملّت والدّین مولانا مفتی محمودؒ اور جانشین شیخ التفسیر مولانا انور کے ساتھ ہے۔ ہم کل کی طرح آج بھی جمعیۃ کے خادم ہیں۔ لیکن حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بچھڑے ہوؤں کے حافظہ میں یقیناً بہت سی باتیں تھیں اس لیے ہم نے بعض ایسے حضرات سے بھی رابطہ کیا اور ان میں سے بعض نے اپنے نگارشات ارسال کیے۔ ہم اخلاقی طور پر ان کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

اس مرحلہ پر بعض معاملات کی وضاحت از بس ضروری ہے۔

حضرت لاہوری قدس سرہٗ نے جہاں قرآن کریم کی پچاس سال تک خدمت کی ــــ اور تحریک خلافت و ہجرت سے لے کر تحریکِ ختمِ نبوّۃ و احیاء اسلام تک میں ہر جگہ مثالی کردار ادا کیا وہاں "دفاع" کے محاذ پر بھی قابلِ قدر خدمات سر انجام دیں اور یہاں بھی ان کی حیثیت قائد و رہنما کی تھی۔ انھوں نے مرزائیت کو للکارا ، رفض و سبائیت سے نبرد آزما ہوتے۔ اہل بدعت و ہوا سے پنجہ آزمائی کی ، انکارِ حدیث کے فتنہ کو موت کی نیند سلایا ، انگریز اور اس کے گماشتوں کو آڑے ہاتھوں لیا، علامہ مشرقی کے افکار پر علمی تنقید فرمائی ، لیکن جب سکندری وزارت نے خاکساروں پر ظلم توڑا اور لاہور کے اکثر علماء نے اپنی مساجد پر تالے چڑھا دیئے تا کہ خاکسار وہاں پناہ حاصل نہ کر سکیں تو آپ نے مسجد شیرانوالہ کو فراخ حوصلگی سے کھول دیا اور سکندری وزارت کو سر بازار للکارا ــــ اور آخر میں انھوں نے جماعتِ اسلامی اور اس کے امیر سابق جناب مودودی صاحب کے مزعومات پر نکتہ چینی کی اور سخت ــــ اس نکتہ چینی میں ایسے ہی خلوص تھا اور دیانت جس طرح ان کی باقی دینی خدمات میں خلوص و دیانت تھا ــــ یہ سلسلہ بڑھا بات کورٹ تک پہنچی لیکن یار لوگ سامنا نہ کر سکے ــــ اس دور میں لوا وقت نے بھی صورتحال کا تجزیہ کیا ــــ ہمیں آج کے نازک دور میں ان مسائل و معاملات کے چھیڑنے میں کوئی خوشی نہیں کیونکہ یہ دور انتہائی نازک ہے ــــ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اُدھر سے حسب معمول سنگ باری ہو رہی ہے ــــ السیّد بنوری دنیا سے رخصت ہوئے تو جماعت کے سرکاری آرگن "ایشیا" نے انھیں جی بھر کر کوسا اور انھیں ہی نہیں شیخ الاسلام مدنی اور محدثِ کبیر مولانا محمد زکریا سہارنپوری ثم مدنی سمیت کسی کو بھی معاف نہ کیا ــــ اور ابھی اکتوبر ۷۸ء ترجمان القرآن میں ــــ جو مودودی صاحب کا ذاتی پرچہ ہے ــــ "بینات" کے "بنوری نمبر" پر تبصرہ کرتے ہوئے

سیدؒ بنوری اور دوسرے علماء اور اہلِ حق کے جس طرح لتّے لیتے گئے ہیں وہ ایک المیہ سے کم نہیں۔ بعض مضامین میں ان مسائل پر تبصرہ ہے لیکن علمی اور شریفانہ انداز میں کہ ہمارا مقصد کسی کا دل دکھانا نہیں۔ اگر دوسری طرف سے خلوص و محبّت کا اظہار ہو گا تو ہم اس کی قدر کریں گے اور اس سے کہیں بڑھ کر ——— آخر میں ایک بات کا ذکر کرنا ازبس ضروری ہے وہ یہ کہ اس مرحلہ پر جہاں اتحاد کی فضا کو قائم رکھنا ازبس ضروری ہے اور ہمارے حلقہ کے اکابر و اصاغر اس معاملہ میں روایتی کردار کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ وہاں اپنی روایات و معتقدات اور اپنی تاریخ کا تحفّظ بھی ازبس ضروری ہے ——— صورت یہ ہے کہ یار لوگ تاریخ مسخ کر رہے ہیں ——— مثلاً خاندان الوری کے "محدّثِ اعظم" کے انتقال پر ایک قومی اخبار نے انہیں حکیم الامّت حضرت الامام الشاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے خاندان سے لکھ مارا۔ بعض اخبارات بُغضِ معاویہ کا کردار ادا کرتے ہوئے "پاکبازان امت" کے خلاف ژاژخائی اور خود ساختہ "پاکستانیوں" کی قصیدہ خوانی میں مصروف ہیں اور یوں نسلِ نَو کے ذہن مسموم کیے جا رہے ہیں ——— حضرت مجدّدؒ و امام ولی اللہ سے لے کر مرشد لاہوری قدس اللہ اسرارہم تک کے خدّام و معتقدین کا فرض ہے کہ وہ حالات کا رُخ پہچانیں اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں ——— مرشد لاہوریؒ نے جہاں بیگانوں سے حسنِ سلوک کی اعلیٰ روایات قائم کیں وہاں اپنے مسلک و معتقدات اور روایات کے تحفظ کے لیے مثالی کردار ادا کیا ——— ہمیں بھی یہی کچھ کرنا چاہیئے ——— اور آخر میں سُنّی کانفرنس کے عنوان سے "سوادِ اعظم" کے شور و ہنگامہ پر ہم اتنا ہی عرض کریں گے کہ

ع ایاز قدر خود بشناس

دعویٰ مشیخیّت و علم کے باوصف جو زبان استعمال کی جا رہی ہے، اس پر آپ خود ہی نظر ثانی کریں ——— ورنہ کہنے کو ہم بھی بہت کچھ کہہ سکتے ہیں ——— لیکن بہتر یہی ہو گا کہ ہم اپنے اسی مطالبہ کو دہرائیں جو ہم نے "بنوری نمبر" میں کیا تھا کہ حکومت اعلیٰ اختیارات کا ایک کمیشن بنائے "سوادِ اعظم" اور "پاکبازانِ اُمّت" کے کردار و عمل کی چھان پھٹک ہو تا کہ دنیا کو معلوم ہو سکے کہ انگریز کی چاکری کس نے کی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کس نے جنگ لڑی؟ اور تاکہ دنیا جان سکے کہ کل ملّت میں انتشار کا ذریعہ کون تھا اور آج کون ہے؟ کیا ملّت ان چونچلوں کی متحمّل ہے جس کا آج مظاہرہ کیا جا رہا ہے؟

اس مرحلہ پر "سوادِ اعظم" کے ایک مدرسہ جامعہ نظامیہ لاہور کے ایک مدرس نے ہمیں خط لکھا دوفل سکیپ صفحات پر مشتمل۔ اس خط کی زبان پڑھ کر ہمیں "اعلیٰ حضرت" یاد آ گئے جو اس قافلہ کے بانی و سالار تھے۔ ہمیں ان کے خط کے باقی حصوں سے قطع نظر صرف یہ کہنا ہے کہ آپ نے ہمارے مطالبہ "قیام کمیشن" کی تائید کی ——— ہم آپ کے ممنون ہیں ——— تاہم یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ آپ اپنی جمعیۃ علماء پاکستان اور تازہ جماعت اہلسنّت کے قائدین سے منوا لیں ——— ایسا نہ ہو کہ کل یہ حضرات اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں اور فرما دیں کہ یہ ہمارا مطالبہ نہ تھا چند افراد کی رائے تھی ——— جیسا کہ فتاویٰ تکفیر کے معاملہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ جماعتی نہیں انفرادی تھے ———

ہمارا مطالبہ اپنی جگہ ہے اور ہم دستبردار نہیں ہو رہے ـــــ دوسری طرف سے اجتماعی مطالبہ ہو جاتے تو مسئلہ آسان ہو جاتے گا۔ ویسے ہم اپنے ان مہربانوں سے گزارش کریں گے کہ اہلسنّت کے عنوان سے کانفرنسیں کر کے ان رسوائے زمانہ پی۔پی۔پی کے قریشیوں اور گردیزیوں کو جو مسلکاً شیعہ ہیں سٹیج پر لا کر آپ جو اہلسنّت کی خدمت کر رہے ہیں ـــــ اس سے اہل حق کا سفر متاثر نہیں ہو گا ـــــ اہلِ حق اور "پاکبازانِ امت" نے جس خلوص و للہیت کے ساتھ چار دانگِ عالم میں دین و علم کی خدمت کی ہے اس کا صلہ ربّ کائنات کی طرف سے انھیں مل رہا ہے اور انشاء اللہ ملتا رہے گا۔ اس صلہ کی ایک جھلک ـــــ امام لاہوریؒ کی مقبولیّت اور ان کا جنازہ تھا

ہم آپ کو دعوت دیں گے کہ آؤ "خود ساختہ بطنی مسائل" سے دستبردار ہو کر ملت کی فلاح و بہبود کے لیے مل کر کام کریں ورنہ کفر و الحاد اور کیمونزم و سوشلزم کی آندھی اہلِ دین کے لیے باعثِ عبرت ثابت ہو گی۔

اَللّٰھُمَّ الف قلوبنا ـــــ و اصلح ذات بیننا و اھدنا الیٰ سواء السبیل۔ اَللّٰھُمَّ انصر من نصر دین مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم و اجعلنا منھم و اخذل من خذل دین مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ولا تجعلنا معھم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔



الحمدللہ

الحمدللہ - کہ ایک عرصہ کے انتظار کے بعد ہم اس قابل ہو سکے کہ حضرت الامام لاہوری قدس سرہ
کے متعلق ایک دستاویزی یادگار نمبر اپنے قارئین کے سامنے پیش کریں۔

ہمارا خیال گذشتہ رمضان میں یہ نمبر پیش کرنے کا تھا لیکن ہم ایسا نہ کر سکے اسکی وجوہات کیا تھیں؟
ہمارے خیال میں ان کا ذکر مناسب نہیں۔ ویسے بھی ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے، وقت مقررہ پر کسی بھی
کام کی تکمیل قدرت اپنے مخفی ہاتھوں سے کرا دیتی ہے اور ہم نے اس کا قدم قدم پر مشاہدہ کیا۔

یہ دستاویزی نمبر اس عظیم شخصیت کی یاد میں پیش کیا جا رہا ہے جس نے نصف صدی سے زائد کا وقت اعلاء
کلمۃ الحق کیلئے مسلسل محنت کی۔ اس دوران اس عظیم انسان کو جن جن مصائب و مشکلات سے دوچار ہونا پڑا انمیں
کچھ کا ذکر آپ کو آئندہ صفحات میں ملیگا جبکہ اکثر واقعات اب بھی پردۂ خفا میں ہیں جسکی وجہ حضرت لاہوری رح
کی بے پناہ للٰہیت اور ان کا خلوص تھا۔

یہ نمبر ایسے وقت میں سامنے آ رہا ہے جب ملک میں اسلامی نظام کے سلسلہ میں پیش رفت ہو چکی ہے، اس سے حضرت
سمیت ان گنت مجاہدین و شہداء کی روحوں کو تسکین نصیب ہوگی جنہوں نے اس مقصد عزیز کیلئے جدوجہد کی
اور حضرت کو زیادہ مسرت ہوگی کیونکہ وہ اس قافلہ کے سالار و امام تھے جسکا مقصد اول و آخر یہی تھا اور یہی آرزو
مزید خوشی اس بات کی ہے کہ اس کام میں ان افراد اور جماعت کا مؤثر اور بنیادی حصہ ہے جنکا تعلق حضرت لاہوری رح
سے تھا، ہماری مراد جمعیۃ علماء اسلام اور اس کی قابل صد احترام قیادت سے ہے جو آج بھی سرگرم عمل ہے
جمعیۃ کی نشاۃ ثانیہ (۱۹۵۶) کے وقت امام لاہوری رح نے جو پودا لگایا وہ آج ثمر آور ہو چلا ہے لیکن ابھی بہت
کچھ کرنا باقی ہے اور اسکی بنیادی ذمہ داری حضرت لاہوری رح کے خدام و متوسلین اور آپ کی جماعت کے رہنماؤں
اور کارکنوں پر ہی عائد ہوتی ہے کیونکہ یہی طائفہ منصورہ کے نشان کے علمبردار ہیں جو حدیث نبوی کے مطابق قیامت تک
دین حق کی سربلندی کیلئے سرگرم عمل رہیگا۔ آج بے دین قوتیں سرگرم عمل ہیں، ملک کی سرحدات پر خاک و خون کے
بادل منڈلا رہے ہیں اور عالمی سطح پر اسلام و مسلمانان عالم کے خلاف سازشوں کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔
اس پس منظر میں اہل حق کی ذمہ داریاں دوچند ہو جاتی ہیں۔ اسلئے ہم یہ گذارش کرینگے کہ اپنے مرحوم بانی
و امام کے مشن کے مطابق ہم میں سے ہر فرد کو اپنے مقصد کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دینی چاہئے اور اپنی صفوں کو منظم
و متحد کرنے کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔

انتشار و تشتت اور فرقہ واریت کے عفریت کا سر کچلنا ہمارا فرض ہے اور اس کار فرار سے دامن بچانا ضروری!
لیکن اسکے ساتھ ہی ان افراد و عناصر کے معاملہ میں وسیع القلبی کا مظاہرہ ضروری ہے جو کسی نہ کسی درجہ میں ہمارے ساتھ مصروف عمل
ہیں لیکن وسعت قلبی میں اپنے معتقدات سے روگردانی روا نہیں۔

ہم اپنے سرپرست محترم اور جانشین شیخ رح مولانا عبید اللہ انور مدظلہم کے ساتھ ان تمام احباب و رفقاء کا شکریہ ادا کرتا ہوں
جنہوں نے اس کٹھن کام میں ہمارا ہاتھ بٹایا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو قبول فرمائیں۔

خادم اکابر اہل حق
محمد اجمل علوی
۲۵ ربیع الاول ۹۹
23.2.79

اعتذار و تشکر

ہم اپنے پروردگارِ عالم کے حضور سجدہ ریز ہیں کہ اس نے توفیق مرحمت فرمائی اور ہم اس قابل ہو سکے کہ قطب الاولیاء
حضرت مدہوجی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ نذرانہ عقیدت پیش کر سکیں
اس سلسلے میں خاصی انتظار کی زحمت ہمارے قارئین کو برداشت کرنا پڑی جس کا ہمیں شدید احساس ہے لیکن اس تاخیر کے اسباب
ایسے ہیں جنہیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔
حضرت دادا جان رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تصنیف، جلدیں، زائد از ہزار کے تذکرے، چھ سو صفحات بالکل ناکافی ہیں بلکہ یہ امر واقعہ ہے
کہ آپ کے لمحات زندگی کی روداد کیلئے اتنے کئی ضخیم مجلد بھی ناکافی ہو سکتے۔ تاہم مالک الملک نے جو توفیق مرحمت
فرمائی اس کے مطابق جو بن سکا وہ پیش خدمت ہے
اس سلسلے میں حضرت والد بزرگوار زید مجدہم ومتع اللہ المسلمین بإبقائہم اور حضرت مخدوم زادہ گرامی مولانا میاں سراج
احمد صاحب دین پوری کی شبانہ روز دعائیں ہمارا سب سے بڑا سرمایہ تھیں جن کے طفیل یہ مشکل منزل طے ہوئی۔
حضرات بزرگ و برتر کے بعد سب سے زیادہ یہی حضرات اس قابل ہیں کہ بصمیم قلب ان کا شکریہ ادا کیا جائے۔
مضمون نگار حضرات نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے پیش نظر تاخیر سے سہی لیکن واقعہ یہ ہے کہ انتہائی قیمتی
اور پُر مغز مقالے ارسال فرمائے جو انشاء اللہ حضرت مدھوری کی بارگاہ میں خوبصورت اور حسین گلدستہ کی شکل میں
پیش ہو گئے اور ان کا رب لکھنے والوں کو بہترین اجر عطا فرمائے گا۔
ہمارے مدیر محمد سعید الرحمٰن صاحب علوی کی ہمت و محنت اور اکابر و اسلاف سے ان کی سچی محبت و عقیدت نے نمبر کے سلسلے
میں قدم قدم پر نظر آئی اللہ تعالیٰ انہیں اجر جزیل عطا فرمائے اور ہم سب کی خواہش کے مطابق باقی اکابر و اسلاف کے متعلق
نمبرات کی جلد از جلد اشاعت کی توفیق مرحمت فرمائے۔
مدیر معاون مولوی صالح محمد صاحب نے پروف ریڈنگ کا کام بڑی محنت سے سرانجام دیا اس کے باوجود بشری تقاضوں کے پیش نظر خطا
و غلطی کا امکان ہے جس کیلئے امید ہے کہ ہمارے قارئین توجہ دلا کر ممنون فرمائیں گے۔
ہمارے واجب الاحترام بزرگ سید نفیس شاہ صاحب نے کتابت کے سلسلے میں جو رہنمائی فرمائی اور کچھ سرخیاں اپنے قلم سے لکھیں
یہ انہی کا کام تھا وہ واقعی اس فن کے امام ہیں اور ہم ان کے ممنون کرم ہمیشہ ہماری سرپرستی کرتے رہے ہیں۔
علاوہ ازیں سید شاہد حسن رضوی اور ان کے شاگرد عزیز محمد حمید صاحب۔ ساجد سعید صاحب۔ حفیظ الرحمٰن صاحب۔ اور محمد افضل صاحب
کی محنتوں سے کتابت کا کام پورا ہوا خدا سب کو بہترین اجر دے۔ دفتری عملہ میں گلزار صاحب، معراج شاہ صاحب اور محمد ابراہیم
کے علاوہ سراج دین صاحب کا تعاون قدم قدم پر شامل رہا۔ اشتہارات اور دوسرے تعاون کے سلسلے میں احسان الہی صاحب کے علاوہ الطاف حسین
اور جاوید منظور صاحب نے خوب تعاون فرمایا اللہ تعالیٰ سب کو اچھا اجر دے۔ قیمت کے مسئلہ میں ہم نے بڑے سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ
کیا مہنگائی اور دوسرے مسائل سے ہر کوئی واقف ہے اس لئے امید ہے کہ اسکو محسوس نہیں کیا جائے گا۔

احمد قادری
۲۳ فروری ۷۹

شیخ الاسلام —— بنام —— شیخ التفسیر

(حضرت شیخ مدنی قدس سرہٗ کا یہ
مکتوب گرامی ۳ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ کا رقم فرمودہ ہے
جو مکتوباتِ شیخ الاسلام جلد اول ص۳۱ سے ماخوذ ہے
حاشیہ سے حضرت الامام لاہوریؒ کا مکتوب گرامی بنام "مرتبِ
مکتوب" مولانا نجم الدین اصلاحی نقل کیا جا رہا ہے جس سے حضرت
الامام الشیخ مدنیؒ کے مکتوب گرامی کو سمجھنے میں آسانی بھی ہوگی اور دونوں
بزرگوں کے باہمی روابط، اعتماد، احترام اور تعلق خاطر کا بھی اندازہ ہوگا)

"حسب الحکم اعلیٰ حضرت مدنی دامت برکاتہم (جب حضرت زندہ تھے)
کے دو والا نامے ارسال خدمت ہیں —— دوسرا وہ ہے جبکہ تقسیم ملک کے بعد جمعیۃ علماء ہند
اپنے ان مرکزی اراکین کو علیحدہ کر دیا تھا جو حدود پاکستان میں آ گئے تھے اور ہماری مرکزی جمعیۃ علماء ہند نے اپنی
صوابدید کے مطابق ہمیں پاکستان میں کام کرنے کے لیے آزاد کر دیا تھا۔ اس فیصلہ کی اطلاع کے بعد میری طبیعت
بہت ہی پریشان ہوئی میں نے اعلیٰ حضرت مدنی دامت برکاتہم کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا اس میں عرض کی گئی کہ
جن بزرگوں کی دامن گیری سے مجھے قیامت کے دن نجات کا بھروسہ تھا آج انہوں نے ہمیں الگ کر دیا۔ اس عریضہ
پر اعلیٰ حضرت مدظلہم نے یہ فرمان ارسال فرمایا تھا جو ارسال خدمت ہے۔ فقط احمد علی ۲۹ شعبان ۶۹ھ ۳ جون ۵۰ء

سیدنا المحترم زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ مندرجہ
مضامین سے سخت تاثر ہوا۔ محترما! کیا آپ کے علاقہ کسی انجمن کے وجود و عدم اور اس کی ممبری پر موقوف ہے
جس پر آپ متاثر ہوتے ہیں۔ کلا واللہ! ہم اور آپ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے دربار
کے دریوزہ گر اور اس بنا پر خواجہ تاش ہیں یہ روحانی تعلق کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا۔ اگر مادی
اسباب حائل بھی ہو جائیں تو کیا ہے۔ ہماری ارواح ایک دربار گہربار کی حاضر باش
ہیں حفظنا اللہ وایاکم من کل سوء، ورزقنا جمیعاً رضاہ فی الدنیا
والآخرۃ۔ آمین ——

گھر کے لوگوں اور صاحبزادوں اور دیگر احباب پرسانِ
حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش
نہ فرمائیں۔ والسلام ——

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دیوبند
۱۳ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ



پیغامات

امیر العلماء حافظ الحدیث و القرآن

مولانا محمد عبداللہ درخواستی مد ظلہ العالی

امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

یہ معلوم کر کے از حد خوشی ہوئی کہ ادارہ خدام الدین حضرت مخدوم العلماء شیخ التفسیر مولانا **احمد علی لاہوری** قدس اللہ سرہٗ العزیز کی یاد میں ایک دستاویزی نمبر شائع کر رہا ہے خدا اس کو مبارک کرے اور مخلوق کے لیے باعث نفع بنائے۔

حضرت لاہوری کا ذکر جمیل ادارہ پر ایک حق تھا جس کی طرف توجہ کی گئی۔

اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائے۔ (آمین)



ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان و صدر پاکستان قومی اتحاد

حضرت الامام لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں خدام الدین

کا خصوصی نمبر وقت کی اشد ضرورت ہے۔ حضرت مرحوم نے

پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے جس طرح اہل حق کو ایک

پلیٹ فارم پر جمع کیا اس کے مبارک ثمرات اب ظاہر ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سمیت تمام اہل حق کی دلی خواہشات کو پورا فرمائیں

اور ہمارے ملک کو نظام عدل کی برکات سے منور فرمائیں۔

جانشین شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید اسعد مدنی

صدر جمعیت علمائے ہند

گذشتہ دورہ پاکستان کے دوران جامعہ مدنیہ لاہور میں اس سلسلہ میں حضرت سے درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ :-

حضرت والد محترم کے ساتھ شیخ التفسیر قدس سرہٗ کے مثالی تعلقات کے باوجود مجھے محض ایک مرتبہ ملاقات و زیارت کا موقع ملا۔ تاہم یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ اپنے وقت کے گرامی مرتبت شخصیت اور حضرت شیخنا المحترم شیخ الہند قدس سرہٗ کی تحریک حریت کے فعال اور متحرک کارکن ہی نہیں بلکہ قائد و رہنما تھے ان کے سلسلہ میں جتنا لکھا جائے کم ہے۔ میری دعا شامل حال ہے، اور اللہ تعالیٰ اس نمبر کے سلسلہ میں کارکنان ادارہ کا حامی و ناصر ہو۔

حضرت شمس العلما

مولانا السید شمس الحق افغانی زید مجدہم

سابق شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند

حضرة والا نے شیخ لاہوریؒ اور مولانا انورؒ کے خادم جناب مولانا احمد عبد الرحمٰن صدیقی آف نوشہرہ کی درخواست پر فرمایا کہ اپنی بیماری اور بڑھاپے کے سبب میں حضرت پر کچھ لکھنے سے قاصر ہوں تاہم دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ادارہ میں کام کرنے والوں کا حامی و ناصر ہو حضرت کی حیثیت ایک سچے اور مخلص مسلمان کی تھی جنہوں نے نصف صدی سے زائد کا وقت اللہ تعالیٰ کے بندوں کی ہدایت کے لیے خرچ کر دیا اور کبھی کسی صلہ و ستائش کی تمنا نہیں کی۔ پروردگار عالم ان کو پوری اُمت کی طرف سے بہترین اجر عطا فرمائے۔ (آمین)

ہم سب کے آقا و مولیٰ حضرت شیخ التفسیر قطب زمان مولانا لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر خیر پوری جماعت کے لیے باعث فرحت و تسکین ہے۔ مخدوم و محترم حضرت مولانا عبید اللہ انور زید عزھم کی سرپرستی میں خدام الدین کا خصوصی نمبر واقعی یادگاری اور مثالی چیز ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کارکنان ادارہ کی محنتوں کو قبول فرمائیں۔





ہمارے مخدوم و محترم اور آقا و سرتاج حضرت

امروٹی قدس سرہ کے محبوب ترین خلیفہ اور

جماعت حقہ کے سرخیل و امام حضرت لاہوری

رحمہ اللہ کے متعلق نمبر کا سن کر از حد خوشی ہوئی۔

حضرت مرحوم کے صاحبزادہ محترم مولانا عبید اللہ انور

قبلہ کی سرپرستی میں یہ کام وقت کی اہم ضرورت ہے

مجھے اور پوری جماعت کو شدت سے

انتظار رہے گا۔

شیخ طریقت

حضرۃ مولانا سید محمد شاہ صاحب

سجادہ نشین خانقاہ قادریہ راشدیہ امروٹ شریف ضلع سکھر

مولانا عبیداللہ انور

سراپا

موزوں قد و قامت پھرتیلا ورزشی جسم کھلتی ہوئی گندمی رنگت فراخ پیشانی روشن مقناطیسی آنکھیں گول چہرے پر لامبی براق داڑھی آواز میں نرمی و شیرینی اور تمکنت رفتار باوقار مشقت و ریاضت کے عادی پیراکی و نشانہ بازی میں طاق زود نویس اور خوش خطا اجلے سپید کھدر میں ملبوس تکلفات سے بے نیاز سادگی و قناعت تقوی و طہارت کی قرون اولیٰ کی چلتی پھرتی تصویر سرتاپا زہد و عبادت اور مجسمۂ علم و عمل ہمہ وقت ذاکر و شاغل حامل سنت قاطع بدعت قانون وقت اور وعدہ کے انتہائی پابند کالجوں اور دینی مدارس کے طلباء سے قلبی لگاؤ اور یکساں محبت و شفقت طبعاً گوشہ نشیں اور خلوت پسند لیکن حضر میں عقیدت مندوں مریدوں اور شاگردوں کے جھرمٹ میں ہمیشہ گھرے رہتے ماں باپ کی طرح مشفق و مہربان ہر کسی سے خندہ روئی اور لطف و مروت سے پیش آتے کثرت امراض اور عدیم الفرصتی کے باوصف پاک و ہند افغانستان و قبائل کا کوئی قابل ذکر مقام ایسا نہیں جہاں جاکر تبلیغ اور ذکر و فکر کی تلقین نہ کی ہو، علی الخصوص سرحد و بلوچستان کراچی بہاولپور اندرون سندھ تو دم واپسیں تک انکی تبلیغی سرگرمیوں کا محور و مرکز رہے عربی و فارسی اردو پنجابی اور ٹھیٹھ سندھی زبان میں بے تکلف گھنٹوں تقریر کر کے مخالفوں کو گرویدہ بنا لیتے اور انگریزی تحریر و تقریر پر بھی قدرت رکھتے بری بحری اور فضائی راستوں سے چودہ بار مع اہل و عیال زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے متعدد زبانوں میں سینکڑوں کتابوں کے مترجم و مصنف و ناشر جن کی اشاعت لاکھوں تک پہنچی اور مشرق و مغرب میں لاکھوں کی اصلاح و ہدایت کا باعث بنیں قرآن حکیم کا سندھی اردو ترجمہ و تفسیر اور احادیث نبوی کے تراجم و تشریح زیادہ مشہور و مقبول ہوئے انگریزی میں ویکلی "اسلام" انٹرنیشنل گزشتہ جنگ عظیم تک جاری رہا جس میں علامہ اقبالؒ سب سے زیادہ دلچسپی لیتے تھے

برطانوی دور میں اس کی جبری بندش کے بعد ہفتگی "خدام الدین" اور "ترجمان اسلام" جاری کئے جنہوں نے
تبلیغی و سیاسی معرکے سر کئے اور انشاءاللہ قیامت تک یہ سلسلے اسلام اور اسکی شوکت و عظمت کے
ڈنکے بجاتے رہیں گے اور یہ ہیں ہمارے ملک کی عظیم دینی و سیاسی شخصیت اور ہمارے محبوب
روحانی مرشد و قائد شیخ الاسلام امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی رح مفسر قرآن لاہوری جو اعلاء کلمۃ
الحق اور اسلام کے لئے زندہ رہے اور خدا کی آخری عظیم و مقدس کتاب قرآن پر سو جان سے نثار و قربان
ہو گئے جنہوں نے امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رح اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رح سے اکتساب علم
کیا اور ایک جہان کو قرآنی علم و حکمت سے فیض یاب کیا جنہوں نے حضرت دینپوری رح حضرت امروٹی رح کے
دست حق پرست پر بیعت جہاد کی اور منصب خلافت و امامت پر فائز ہوئے جو الحب للہ والبغض
فی اللہ کی اس دور میں زندہ مثال تھے جنہوں نے تحریک ہجرت و ریشمی رومال تحریک آزادی و استخلاص وطن
کشمیر ایجی ٹیشن اور عقیدۂ تحفظ ختم نبوت کی خاطر جوانی کا بہترین حصہ جیل ریل اور نظربندی کی نذر کر دیا اور
جن کے شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی شاہ عبدالقادر رائپوری محدث اعظم بخاری عصر علامہ انور شاہ کاشمیری
حضرت مولانا محمد صادق کراچی مفتی کفایت اللہ حکیم اجمل خان امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی
سے جگری اور مثالی تعلقات تھے اور ناموس رسالت کی حفاظت و صیانت کی لگن سے باہم خواجہ تاش تھے اور ہم مشرب و
ہم راز تھے حق تعالیٰ ان یاران حق و حریت اور حاملین دین متین اور ان کے نام لیواؤں پر ہمیشہ اپنی رحمتوں کی بارش نچھاور فرمائیں

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

احقر عبیداللہ انور

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء — ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء

مدیر کے قلم سے

★ پیدائش ۲ر رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ بروز جمعہ بمقام قصبہ جلال متصل گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

★ ابتدائی تعلیم: قرآن عزیز گھر پر والدہ محترمہ سے پڑھا۔ پھر اپنے قصبہ سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع سعد آباد نامی قصبہ میں داخل کر دیئے گئے اور جب والدین "باہو چک" آگئے تو تعلیم قصبہ تلونڈی کھجور والی کے سکول میں شروع کرا دی۔ بعد ازاں مولانا عبدالحق صاحب مرحوم خطیب گوجرانوالہ کے یہاں داخل کئے گئے۔ جہاں فارسی اور ابتدائی عربی تعلیم حاصل کی۔

★ چند ماہ بعد خوش قسمت والدین نے آپ کو دین اسلام کے لئے وقف کر کے مولانا عبیداللہ سندھی قدس سرہٗ کے سپرد کر دیا۔

★ حضرت سندھیؒ نے اپنے گھر (سیالکوٹ) سے سندھ جاتے ہوئے دین پور شریف چندے قیام کیا۔ آپ ہمراہ تھے۔ بعمر محض نو سال تھی۔ لیکن حضرت دینپوری قدس سرہٗ نے از خود بیعت فرمالیا (۱۸۹۵ء)

★ اس کے بعد حضرت سندھیؒ کے ہمراہ امروٹ شریف قیام رہا۔ وہیں مولانا سندھیؒ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔

★ ۱۳۱۹ھ میں مولانا سندھیؒ نے گوٹھ پیر جھنڈا سندھ میں "مدرسہ دار الرشاد" کی بنیاد رکھی تو آپ کو یہیں بلالیا۔ یہیں تکمیل علم ہوئی، یہیں دستار بندی ہوئی۔ دستار بندی کرانے والے شیخ حسین ابن محسن انصاری یمنی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ (۱۳۲۶ھ)

★ اس کے بعد اسی مدرسہ میں پڑھانا شروع کر دیا۔

★ یہیں پہلی شادی مولانا سندھیؒ کی صاحبزادی صاحبہ سے ہوئی۔ سال بعد حسن نامی بچہ پیدا ہوا لیکن سات دن بعد بچہ انتقال کر گیا اور دوسرے دن آپ کی اہلیہ بھی انتقال کر گئیں۔

★ ۱۳۳۰ھ میں دار العلوم دیوبند کی مسجد میں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے آپ کا دوسرا نکاح ابو محمد احمد چکوالی قدس سرہٗ کی بچی سے کیا۔

★ ۱۹۰۹ء میں مولانا سندھیؒ نے دیوبند جاکر حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے حکم سے جمعیۃ الانصار بنائی۔ ساتھ ہی "نظارۃ المعارف القرآنیہ" کی داغ بیل ڈالی۔ اس عرصہ میں گوٹھ پیر جھنڈا کے مدرسہ کے منتظم حضرت لاہوری تھے۔

★ بعد میں حضرت سندھیؒ کے حکم سے نواب شاہ میں مدرسہ بنایا۔

★ اور جب نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں منتقل ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ کے ایماء سے مولانا سندھیؒ نے آپ کو دہلی بلا لیا۔

★ دہلی قیام کے زمانہ میں مولانا سندھیؒ کے حکم سے تین حضرات نے آگرہ کا تبلیغی سفر کیا جس میں آپ بھی تھے اس سفر میں خدا نے خوب برکت دی اور بڑا دینی نفع ہوا۔

★ اسی دوران بعض علی گڑھی حضرات کی خواہش پر مولانا سندھیؒ نے آپ کو علی گڑھ بھیج دیا لیکن صرف ایک ماہ رہا۔

★ اس پورے عرصہ میں امروٹ شریف اور دین پور شریف کی حاضری رہی اور تکمیل اسباق کے بعد حضرت امروٹیؒ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ بعد میں حضرت دین پوریؒ نے بھی اور بقول موجودہ حضرت دین پوری ہمارے بڑے حضرت نے صرف آپ کو ہی مجاز قرار دیا تھا

★ ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کو کابل بھیجا تو دہلی کا سارا نظام آپ کے سپرد تھا۔

★ تحریک ریشمی رومال کے انکشاف کے بعد سب حضرات آپ بھی گرفتار ہو گئے۔ اس گرفتاری کے دوران بعض قیمتی چیزیں پولیس نے سنبھال لیں جن میں آپ کی سندات تک تھیں۔

★ دہلی سے گرفتار کر کے آپ کو کچھ عرصہ دہلی حوالات میں رکھا پھر شملہ لایا گیا شملہ سے لاہور لایا گیا اور تھانہ نولکھا کے حوالات میں رکھا گیا یہاں سے جالندھر لے جایا گیا اور کچھ دن وہاں رکھ کر راہوں (جالندھر) میں جیل میں بند کر دیا۔

★ سات دن بعد رہائی ہو گئی تو آپ کو لاہور لایا گیا اور فیصلہ ہوا کہ دو ضامن ایک ایک ہزار روپے کی ضمانت دیں تو آپ لاہور رہ سکتے ہیں۔ یہ ضامن آپ کی اہلیہ کے چچا زاد حافظ ضیاء الدین صاحب تھے جبکہ دوسرے ملک لال خاں صاحب تھے۔ جن کا انتظام حافظ صاحب نے کیا تھا کہ حضرت ان کے سوا کسی کو نہ جانتے تھے۔

★ لاہور آتے ہی درس کی ابتدا کر دی کہ استاذ مکرم مولانا سندھیؒ سے وعدہ تھا کہ اشاعتِ قرآن کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اس درس کا سلسلہ پہلے مختلف مقامات پر رہا۔ بعد میں مسجد لائن سبحان خاں شیرانوالہ میں منتقل ہو گیا اور تادمِ آخر یہیں رہا۔

★ ۱۹۱۷ء میں لاہور پہلی مرتبہ تشریف لائے۔ اس سال حج کا ارادہ کیا۔ حج کے ساتھ ہجرت کا پروگرام تھا لیکن قدرتی اسباب مانع ہوئے۔

★ حج سے واپس آئے تو خلافتی پروگرام کے پیشِ نظر کابل ہجرت کر کے چلے گئے۔ بعد میں مولانا سندھیؒ نے آپ کو واپس لاہور بھیج دیا۔

★ واپسی پر پھر درس کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ ۱۹۲۲ء میں حکیم فیروز الدین صاحب کی تحریک پر انجمن خدام الدین کی داغ بیل ڈالی گئی۔

★ انجمن کے قیام کے بعد دو درس شروع ہو گئے۔ درسِ عام صبح کی نماز کے بعد، درس خاص مغرب کی نماز کے بعد تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے۔

★ پہلا درس ۱۹۱۷ء سے تادمِ زیست حضرتؒ نے خود دیا جبکہ دوسرا ۲۵ سال دے کر چھوڑ دیا اور آپ کی جگہ مولانا حبیب اللہ صاحب علیہ الرحمۃ مہاجر حرمین نے شروع کیا۔

★ حضرت کے اندازِ تفسیر کے مطابق تحریری کام کی تجویز ۱۹۲۵ء میں ہوئی اور آپ حسبِ تجویز واہ تشریف لے گئے۔ جہاں یہ کام مکمل اور ۱۹۲۶ء میں وہ مترجم و محشی قرآن شائع ہو گیا۔

★ ۱۹۲۴ء میں انجمن کی نگرانی میں مدرسہ قاسم العلوم جاری ہوا۔ اس مدرسہ میں سالانہ نصاب کے علاوہ تفسیر کا سہ ماہی نصاب بھی شامل تھا۔ اسی سہ ماہی کورس کے لئے حضرت مدنیؒ طلباء کو ترغیب دیتے تھے۔

★ قاسم العلوم کی ذاتی عمارت ۱۹۳۴ء میں بنی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے افتتاح کیا۔ اس سے پہلے عمارت کرایہ کی تھی۔ اس مدرسہ کے شعبہ جات درس نظامی، دورہ تفسیر اور شعبہ حفظ و ناظرہ ہیں۔ ابتداء میں صنعتی شعبہ بھی تھا لیکن بعد میں وہ بند کر دیا گیا۔

★ ۱۹۴۵ء میں مدرستہ البنات بنایا جس میں ضروری تعلیم کے علاوہ امورِ خانہ داری کی مثالی تعلیم کا اہتمام ہے۔

★ ۱۳۲۵ھ میں شعبہ نشر و اشاعت قائم کیا گیا۔ اس شعبہ نے ۴۳ رسائل کا سیٹ شائع کیا۔ یہ رسائل اب تک ۱۵ لاکھ سے زائد تعداد میں مفت تقسیم ہو چکے ہیں جبکہ گیارہ موضوعات پر انگریزی رسائل کی اشاعت کا تخمینہ ۵۰ ہزار سے زائد ہے۔

★ ۱۹۵۵ء میں ہفت روزہ خدام الدین کی ابتداء ہوئی جس کا حلقہ ملک سے باہر بھی بہت وسیع ہے اور اس سے خلقِ خدا کو بہت فائدہ ہوا۔

★ بیعت کا سلسلہ بڑھ جانے کے بعد آپ نے مدرسہ قاسم العلوم کے زیریں حصہ میں مجلسِ ذکر شروع کر دی۔ نیز آپ خدام سے ہفتہ وار رپورٹ لکھنے کا فرماتے تا کہ اندازہ ہو سکے کہ کتنی ترقی ہوئی۔

★ حضرتؒ کے خلفاء کی تعداد چوبیس ہے۔

★ حضرتؒ ابتدا سے ہی انجمن حمایتِ اسلام کے رکن تھے۔ پھر ۱۹۲۳ء میں جنرل کونسل کے رکن مقرر ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں نائب صدر مقرر ہوئے اور یہ سلسلہ تا زیست رہا۔

★ ۱۹۲۱ء میں میکلیگن انجینئرنگ کالج کے انگریز پرنسپل کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق بدزبانی پر طلباء کے احتجاج کی آپ نے بھرپور حمایت کی اور ان کا مؤثر طریق سے ساتھ دیا۔ حتیٰ کہ آپ گرفتار ہو گئے لیکن حکومت کو جھکنا پڑا۔

★ مودودی صاحب کی تحریک کے متعلق حضرتؒ کے جذبات بڑے شدید تھے اور آپ اس تحریک کو خلق خدا کے لئے مضر خیال کرتے چنانچہ اس دیار میں جن بزرگوں کی محنت سے عام طور پر لوگ اس تحریک سے محفوظ رہے ان میں حضرتؒ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔

★ وصال سے ۲۵ دن پہلے ۲۹ جنوری ۱۹۶۲ء کو دیال سنگھ کالج میں فتنہ انکار حدیث کے علمبردار پرویز پر پہلی ضرب آپ ہی نے لگائی۔

★ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں آپ نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں جیل میں آپ کو زہر تک دیا گیا اور بقول حضرت رائپوریؒ آپ کا تحریک میں شامل ہونا ہی اصل کامیابی تھی۔

★ پاکستان بننے سے پہلے آپ جمعیۃ علماء ہند کے سٹیج پر کام کرتے رہے بعد میں خیال فرمایا کہ دیوبند کے دونوں حلقے (پاکستان کا حامی اور مخالف) مل کر کام کریں تاکہ ملک کو صحیح معنی میں اسلامی سٹیٹ بنایا جاسکے اور ابتدا میں کوششیں بھی ہوئیں لیکن خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تو اکتوبر ۵۶ء میں ملتان میں علماء کا اجتماع بلایا جس کے داعی آپ تھے اور منتظم حضرت مولانا مفتی محمود!، چنانچہ جمعیۃ علماء اسلام کے موسس ثانی کی حیثیت سے آپ امیر جماعت منتخب ہوئے۔

★ جمعیۃ کی سرگرمیوں کے لئے ۱۹۵۶ء میں ہفت روزہ ترجمان اسلام کا اہتمام کرایا جو اب تک جاری ہے۔

★ آزاد کشمیر میں مفتیوں کے تقرر اور اس نظام کو بہتر بنانے کے لئے آپ آزاد کشمیر حکومت کی دعوت پر وہاں گئے اور بھرپور کام کیا۔

★ ایوبی مارشل لاء کے بعد جمعیۃ علماء اسلام کا کام نظام العلماء کے نام سے ہوتا رہا اور آپ اس کے سربراہ تھے۔

★ اسی دور جبر میں عائلی قوانین کے خلاف آپ کی قیادت میں منظم جدوجہد ہوئی۔ آپ کو بھی لاہور حدود میں کئی بار نظر بند کیا گیا۔

★ علم وعمل کا یہ عظیم پیکر، معرفت و روحانیت کا بحر ذخار، تحریک حریت کا قافلہ سالار ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء بروز جمعہ کو رات ۹½ بجے اپنے خالق حقیقی سے جاملا اور لطف یہ کہ مالک کا بلاوا اس وقت آیا جب نماز عشاء کی نیت باندھی اور سر سجدہ میں تھا۔ اس دن رمضان المبارک کی ۱۷ تاریخ تھی۔ (جس مناسبت سے یہ ایڈیشن پیش خدمت ہے)

★ اگلے دن حضرت مولانا عبیداللہ انور نے عظیم باپ کی وصیت و نصیحت کے مطابق درس دیا اور قرآن کھلتے ہی کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ پر نظر پڑی۔ ابھی حضرتؒ کی تدفین عمل میں نہیں آئی تھی، لیکن حکم تھا اس لئے اس حال میں بھی درس دیا۔

★ جنازہ اگلے دن مولانا انور نے پڑھایا۔ دو لاکھ کے لگ بھگ افراد نے جنازہ پڑھا۔ مولانا انور صاحب، مولانا حمید اللہ صاحب مرحوم اور دوسرے حضرات نے قبر میں اتارا۔ قبر کی تیاری کے بعد آخری دعا حضرت درخواستی زید مجدھم نے فرمائی۔

★ اولاد میں حضرت حافظ حبیب اللہ صاحب فاضل دیوبند مہاجر مکہ ومدینہ سالہا سال حرمین شریفین میں اپنے اسلاف کے طرز پر درس دیتے رہے۔ اب انتقال فرما چکے ہیں۔

منجھلے صاحبزادے ہمارے مخدوم و مکرم مولانا عبیداللہ انور ہیں جو آپ کے علمی، عملی، روحانی اور سیاسی جانشین ہیں۔ ۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء کو آپ کو موجودہ حضرت دین پوری میاں عبدالہادی صاحب مدظلہم نے پگڑی بندھوائی ــــ مولانا حافظ حمید اللہ صاحبؒ چھوٹے صاحبزادے تھے۔ عالم، فاضل، تقویٰ وطہارت کی مجسم تصویر، انتقال فرما چکے ہیں۔ مولانا انور سے ایک صاحبزادے بڑے تھے ان کا نام بھی عبیداللہ تھا وہ فوت ہوگئے جبکہ پہلی اہلیہ کے بچے حسن تھے جو فوت ہوگئے۔ پانچ صاحبزادیاں تھیں ــــ علاوہ ازیں مدرسہ قاسم العلوم، مدرسۃ البنات، چھ مساجد، رسالہ خدام الدین، ساٹھ کے قریب مطبوعات، ترجمہ قرآن لفظی مع تفسیر و حاشیہ، ہفت روزہ ترجمان الاسلام اور جمعیۃ علماء اسلام کی موجودہ تنظیم بھی حضرت کی باقیات میں سے ہے۔ نور اللہ تعالیٰ مرقدہ و تغمدہ اللہ بغفرانہ ــــ (نوٹ:۔ اس خاکہ میں سنین کے اعتبار سے ترتیب کا زیادہ لحاظ نہیں

حضرت لاہوری علیہ الرحمۃ اور آپ کی ولادت کی سعید گھڑیاں

لال دین اخگر، ایم اے، بی ٹی

حضرت شیخ التفسیر علیہ الرحمۃ کے والدین نے دین اسلام کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنے ثمر اوّلین کی ولادت سے پیشتر حضرت مریم علیہا السلام کے والدین کی طرح آپ کو کتاب و سنت کی خدمات کے لیے وقف (محرّر) کر دیا تھا۔ خداوند عالم کو یہ نذرانہ اس قدر پسند آیا۔ اور پیش کرنے والوں نے اس قدر صدق و اخلاص سے پیش کیا کہ حضرتؒ کی زندگی کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کا شائد ہی کوئی لمحہ غفلت میں گزارا ہو۔ احقر تو حلفیہ کہا کرتا کہ حضرت والا جاہ کے روزانہ پروگرام پر عمل کرنا ہماری سہل انگار زندگی سے کوسوں دُور ہے۔

خیر! آپ کے خوش نصیب والدین نے حضرت مریم علیہا السلام کے والدین کی طرح حسرت سے نہیں بلکہ انتہائی مسرّت سے آپ کی پیدائش پر اپنی تمناؤں کو پورا ہوتے دیکھا اور فرطِ احسان مندی سے جھومتے ہوئے آپ کا نام "احمد علی" تجویز فرمایا۔ والدین کے پاکیزہ ارادے سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اس وقف شدہ نومولود کی پرورش کے ایّام کس قدر زیادہ رضائے الٰہی کے حصول کو پیش نظر رکھا ہو گا۔ والدِ مکرم کو ذوقِ عبادت کے ساتھ ساتھ اپنی روزی کے پاکیزہ ہونے کی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی ہوگی۔ اور ادھر والدہ محترمہ کو اس نذرانۂ الٰہی کی حسنِ تربیت کے لیے شبانہ روز تسبیح و تحلیل کا استغراق لازماً میسّر ہو گا تا کہ رزقِ حلال کی برکت اور جذبۂ عبادت کا کیف نورِ ایمان بن کر ہونہار بچّے کی رگ رگ میں سما جائے ۔

علم و حکمت زاید از نانِ حلال
عشق و رقت آید از نانِ حلال
مولانا روم علیہ الرحمۃ

خداوندِ عالم! تیری عطا کردہ قوّتوں سے موجودات کا جائزہ اور مشاہدہ تو ہوتا رہتا ہے۔ مگر تیری حکمتوں کے پُر اسرار گوشوں پر نظر نہیں پڑتی۔ ہم نے مانا کہ حضرت لاہوری کے والدین کے خلوص میں ایک الہامی جھلک اور ایک قدسی الاصل ولولہ موجود تھا۔ مگر اُن کو بھی کیا خبر تھی کہ یہ بچّہ ایک دن مخدوم جہانیاں بنے گا۔ پیکرِ عصمت والدۂ مکرمہ عام ماؤں کی طرح مشفقانہ لوریاں دیتیں۔ سینے سے لگاتیں، رخسار و جبیں اور دست و بازو پر بوسے دیتیں اور ہر وقت پروانہ وار جاں نثاری کرتیں۔ اُدھر پدرِ مشفق اپنے نو نہال کے ہر ڈال اور ہر پات کو دیکھ کر خوش ہوتے لیکن اگر ان کو ملہم غیبی انہی ایّام میں مطلع کر دیتا کہ آپ کا نورِ بصر ایک موقعہ پر شیخ العرب والعجم بنایا جائے گا اور دنیا کے بڑے بڑے صاحبان جاہ و ثروت۔ حاملان علوم و معارف اور سالکانِ راہِ سلوک اس کی پیشوائی کو ذریعہ نجات و کامرانی یقین کریں گے تو لازماً وہ مبارک گدڑی اپنی بوسیدہ تاروں کے ساتھ جس میں حضرت اقدس کو لٹایا جاتا تھا۔ وہ پنگوڑا جس میں آپ اِنّی عبداللہ کہتے ہوئے بیدار ہوتے تھے وہ چارپائی جس پر اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ شیر خوارگی کے ایّام بسر

کرتے تھے اور جس کے بازوؤں کو اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے تھامتے ہوئے اپنے معصوم قدموں سے چلنا سیکھتے تھے۔ آج تک وہ تمام چیزیں تبرکات کی صورت میں محفوظ و مصئون رہتیں ہیں۔

پروردگار عالم گواہ ہے وہ عفیفہ خوش اختر تھی جس نے دایہ کے فرائض ادا کئے وہ ہاتھ یمن و سعادت کے حامل تھے جنھوں نے قرابت داری اور ہمسائیگی کے لحاظ سے لوریاں دیں۔

کس کو خبر تھی کہ اس چھوٹے سے دیہاتی صحن کے ذرّوں کو کس کے قدم اور زانو رینگ رینگ کر با برکت بنا رہے ہیں۔ یہ کون ہے جو اپنے ننھے معصوم ہاتھوں سے گھر کے برتنوں کو چھو رہا ہے۔ بکھرے ہوئے کھلونے، چھوٹے چھوٹے موزے، کرتے، موسم سرما کی ٹوپیاں اور پُرعصمت مسکراہٹیں کس کی پرورش کا حصّہ بنی ہوئی ہیں۔ آپ کے افرادِ خانہ نے کیا سمجھ کر ناز برداریاں کیں۔ ان کو کون بتاتا کہ آپ میں کا ہر ایک بلند بخت ہے۔ آپ میں کا ہر ایک سعید ہے۔ کیوں کہ آپ پر ایک ایسے گوہرِ یکتا کی حفاظت کی ذمہ داری ہے، جس کا ہمسر لاکھوں میں بھی کوئی نہیں ہوگا۔ ہم اس ماں کو کس منہ سے مبارک باد کہیں جس کی گود میں قطب الاقطاب ہمک رہا ہو وہ بچّہ جس کے سینے میں اسمٰعیلی قلب و نظر ہوں۔ اس کے باپ کی سعادت و فیروز مندی کا کیا کہنا!

الٰہی! انبیاء کرام کی سعادتوں کا تذکرہ قرآن عزیز میں موجود ہے۔ جیسے عیسٰے علیہ السلام کی زبان پر تیرا کلام یوں جاری ہوا تھا۔ والسلام علیّ یوم ولدتّ و یوم اموت و یوم ابعث حیّا (مجھ پر اس دن بھی سلامتی کی بارش ہوئی۔ جس دن میں پیدا ہوا۔ وہ دن بھی برکات کا حامل ہوگا جب میں مرونگا اور وہ دن بھی سعادات سے ہمکنار ہوگا، جب میں زندہ اٹھایا جاؤں گا) کیا برکاتِ سماوی اولیاء اُمت کو بھی حیات و ممات کے مواقع پر میسّر آتی ہیں؟ کیا انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کی وساطت سے اولیاء اللہ بھی تیری نوازشاتِ قدسیہ سے نوازے جاتے ہیں؟ یقیناً! صلحائے اُمت ہی زمرۂ لایحزنون میں شامل ہیں۔ ان کے نفوسِ قدسیّہ میں سکینہ و طمانیت کی سرمدی دولت ہوتی ہے۔ یہ سعادتوں کے جلو میں آتے ہیں۔ اور سعادتوں کے جلو میں ہی راہیٔ ملکِ بقا ہوتے ہیں۔ وقتِ رخصت ان کو دربارِ الٰہی سے فردوسِ بریں کے دخول ابدی کا پیغام ملتا ہے۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربّکِ راضیۃ مرضیۃ۔ فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی (سورۂ فجر)

ہر کہ از سرِ نبیؐ گیرد نصیب
ہم بہ جبریلِ امیں گردد قریب
اقبال علیہ الرحمۃ

تقوےٰ و احتیاط

حضرت لاہوریؒ کے صاحبزادے حافظ حمید اللہ صاحب مرحوم نے یہ روایت خود مجھ سے بیان کی کہ میں تالاب پر بیٹھا روٹی کھا رہا تھا کہ حضرتؒ تشریف لائے اور پوچھا۔ یہ کھانا کہاں سے لیا؟ میں نے عرض کیا کہ طلباء کے کھانے میں سے لیا ہے۔ حضرتؒ نے مجھے ایک چپت رسید کی اور اپنی جیب خاص سے دو آنے عنایت فرمائے کہ جاکر منشی صاحب کے پاس جمع کرا کر آؤ کہ اس کھانے میں تمہارا کوئی حق نہیں۔

یاد رہے کہ یہ محض آدھی روٹی اور تھوڑا سا آلو کا سالن تھا اور یہ قیام پاکستان سے قبل کا قصہ ہے۔

بروایت چودھری محمد رفیع صاحب شیرانوالہ دروازہ لاہور

حافظ ریاض احمد اشرفی، راولپنڈی

نقوشِ زندگی

ولادت

لاہور سے راولپنڈی آنے والی ریلوے لائن پر ضلع گوجرانوالہ میں گکھڑ نام کا ریلوے سٹیشن پڑتا ہے اس سٹیشن کے مشرقی جانب چار میل کے فاصلے پر ایک قصبہ جلال نامی میں نومسلم شیخ حبیب اللہ جو نہایت دیندار اور سلسلہ عالیہ خواجہ غریب نواز ولی الہند، حضرت الامام سیدنا و مولانا معین الدین چشتی اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز سے منسلک تھے، کے ہاں اللہ رب العزت نے ۱۳۰۴ھ کے ماہ رمضان المبارک کی دوسری تاریخ کو ایک بیٹا عطا فرمایا اس کے اسم بامسمی والد ماجد نے اپنے ہونہار کا نام احمد علی رکھا۔

کہا جاتا ہے کہ شاغل شیخ حبیب اللہ نہایت متقی اور دین دار آدمی تھے وہ خود تو نومسلم تھے لیکن ان کی بیوی پیدائشی مسلمان تھیں۔ دونوں دین دار اور ذاکر شاغل تھے۔ یاد الٰہی عبادت گزاری میں وہ دونوں میاں بیوی برابر کے شریک تھے ایک روز حضرت شیخ حبیب اللہ تلاوت کر رہے تھے جب تیسرے پارہ میں اس مقام پر پہنچے

"یاد کرو وہ وقت جب عمران کی بیوی نے کہا، اے میرے پروردگار! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ میں نے صرف تیرے لئے نذر کر دیا، پس تو مجھ سے قبول فرما۔ بلاشبہ تو بہت سننے والا اور جاننے والا ہے"۔ (پ۳ رکوع ۱۲)

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ کی اس دعا سے وہ بہت متاثر ہوئے ان کے دل میں ایک عجیب سا کیف محسوس ہوا۔ وجد و حال، رقت قلب اور قبولیت حق ویسے بھی سلسلہ چشتی کی خصوصیات ہیں اگرچہ سبھی سلاسل میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں لیکن جس طرح سرعت اور تیزی سے اس سلسلہ والوں میں یہ چیزیں اثر کرتی ہیں اتنی تیزی دوسرے حضرات میں کم دیکھی گئی ہے چنانچہ دونوں میاں بیوی نے دعا کے لئے دربار الٰہی میں ہاتھ پھیلا دیئے اور یوں عرض کی۔

"اے ہمارے پروردگار! اے عمران کی بیوی کی پکار سننے والے آقا! اے موسیٰ کو فرعون سے نجات بخشنے والے مولیٰ! اے ربّ محمدؐ و کعبہ! ہم بھی اپنے بچہ کو تیرے لئے وقف کرتے ہیں تو اسے قبول فرما"۔

چنانچہ اجابت الٰہی نے اس پرخلوص دعا کا درحق سے استقبال کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو لڑکا اس مقدس ماہ میں عطا فرمایا جس کے متعلق خود حق تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ رمضان کا مہینہ ایسا ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے جو تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور نہ صرف یہ کہ خالی ہدایت ہی ہے بلکہ ہدایت کے واضح نشانات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ حق اور باطل کو الگ الگ بیان کرتا ہے۔ (پ۲ ع۳)

قرآن مجید کو رمضان کے مہینہ سے جو تعلق ہے وہ اظہر من الشمس ہے اس کا کون انکار کر سکتا ہے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا توافق فرمایا کہ اس ہونہار لڑکے نے جس کی پیدائش حتیٰ کہ وفات بھی اسی مہینہ میں ہوئی اپنے ستہتر سالہ دور میں لوگوں کو قال اللہ وقال الرسول ہی سنایا۔ اپنے وعظ میں کھری باتیں کیں۔ حق گوئی کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑا۔

باطل سے کبھی ناطہ نہ جوڑا۔ بڑی سے بڑی دنیوی شخصیت کے سامنے بھی کلمۂ حق کہہ دیا اور اس کہنے میں کسی کے ظاہری جاہ و جلال یا اس کی مادی قوت و اختیار سے کبھی بھی مرعوب نہ ہوا۔

تعلیم کا آغاز

اس لڑکے کی والدہ ماجدہ نہایت عابدہ، زاہدہ، متقیہ اور صالحہ عورت تھی۔ انہوں نے اپنے لخت جگر کی تعلیم کا آغاز خود کرایا۔ چنانچہ قرآن مجید والدہ ماجدہ نے پڑھایا۔ اس کے بعد اس بچے کو سکول میں داخل کر دیا گیا۔ قصبہ جلال سے ایک میل کے فاصلہ پر کوٹ سعد اللہ میں یہ بچہ اپنے ہم جولیوں کے ساتھ صبح سکول جاتا اور شام کو واپس آتا۔ شیخ حبیب اللہ کے رشتہ دار سب غیر مسلم تھے اس لئے ان کی اسلام دشمنی سے تنگ آکر شیخ صاحب نے اس قصبہ سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک دوسرے گاؤں میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ گاؤں جسے باہو چک کہا جاتا ہے چونکہ تعلیمی اعتبار سے کچھ بھی نہ تھا اس لئے اس ہونہار لاڈلے کو قصبہ تلونڈی کھجور والی کے سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ جہاں اس بچے نے پانچویں جماعت تک تعلیم پائی لیکن درحقیقت اس بچہ کی درس گاہ یہ نہ تھی۔ اللہ کے لئے مانی ہوئی نذر کو ان "قتلے گاہوں" سے علم نہیں مل سکتا۔ اللہ کے لئے وقف ہوئی اولاد کے لئے وہی درس گاہ ہو سکتی ہے جسے اللہ ہی کے ساتھ نسبت و تعلق ہو۔

شیخ حبیب اللہ نے اپنے لخت جگر کو سکول سے بلوا لیا اسے گوجرانوالہ کی جامع مسجد کے خطیب مولانا عبدالحق کے سپرد کر دیا۔ حضرت مولانا نے اس بچہ کی تربیت اپنے بچوں کی طرح کی اور اپنے گھر میں ہی رکھ لیا۔ اس بچہ کو گوجرانوالہ آئے چند ماہ گزرے تھے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنے پیر خانہ سندھ جاتے ہوئے اپنی والدہ سے ملنے سیالکوٹ آئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے مولانا سندھی سے شیخ حبیب اللہ صاحب کے قبول اسلام اور دیانت و تقویٰ کا بھی ذکر کیا۔ چنانچہ حضرت مولانا سندھی اپنی والدہ کے ہمراہ باہو چک آئے اور اپنے رشتہ کے بھائی سے ملے اس وقت شیخ حبیب اللہ صاحب نے اپنے لخت جگر کو حضرت مولانا سندھی کے حوالے کر دیا اور یہ بھی کہا کہ میں نے اپنے اس بچے کو اللہ کے دین کے لئے وقف کر دیا ہے آپ اس کو قبول کریں اور دین سکھائیں چنانچہ مولانا سندھی نے اس بچہ کو قبول کر لیا اور اپنے ساتھ ہی سندھ لے گئے۔

تعلیم و تربیّت

نو برس کی عمر تک بمشکل یہ ہونہار بچہ پہنچ پایا تھا کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ سندھ کے ولی کامل اور قطب وقت حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے حضرت مولانا سندھی نے اس بچہ کی والدہ سے نکاح کر لیا اس لحاظ سے حضرت سندھی مرحوم اس کے سوتیلے باپ بھی ہو گئے چنانچہ اس بچے کے دوسرے بھائیوں کی بھی تربیت مولانا سندھی کے سپرد ہو گئی ہے لیکن کچھ عرصہ بعد یہ بچہ اپنی والدہ کی شفقتوں سے بھی محروم ہو گیا وہ نکاح کے بعد کچھ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں۔

مولانا عبیداللہ کی شاگردی

مولانا سندھی سخت مزاج تھے ہر وقت اس بچے کو کام میں مصروف رکھتے گھر کی ہر ضرورت کے لئے یہی بچہ ملازم اور مزدور کا کام دیتا تھا جنگل سے لکڑیاں کاٹنے سے لے کر پانی بھرنا اور اپنے بھائیوں اور مولانا سندھی کے بچوں تک کے کپڑے دھونا وغیرہ سبھی کام اس بچہ کے ذمہ تھا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ننھی سی جان پر اتنا بوجھ ڈالنا بہت بڑی زیادتی ہے لیکن عامی کی نظر اور اہل دل کی نظر کے زاویے مختلف ہوتے ہیں۔ ہماری نظر تو یہی ہے جس کا اظہار کر دیا لیکن اہل دل کا نقطہ نظر ہمارے وہم میں بھی نہیں آ سکتا۔ اہل ظاہر اور اہل باطن کا فرق یہیں سے واضح ہو جاتا ہے پھر طرفہ تماشہ یہ کہ کھانے کو بھی پیٹ بھر کر نہیں دیا جاتا تھا۔ حضرت مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر سے دو روٹیاں آتی تھیں۔ ایک روٹی مولانا سندھی کھا لیتے اور دوسری یہ بچہ کھا لیتا اور یہ حالت اس وقت تک قائم رہی جب کہ یہ بچہ مقتدائے انام اور پیشوائے دین بن چکا تھا)

بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ جب سیر نہ ہوتی اور تقاضہ شدید صورت اختیار کرجاتا تو جنگل میں جاکر پھلیوں وغیرہ سے پیٹ بھر لیا جاتا۔

سلسلہ قادریہ میں بیعت

سندھ کے مشہور مشائخ حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کو بہت بڑا مقام حاصل ہے جب انہوں نے اس نوسالہ بچہ کو دیکھا تو ان پر اس بچہ کا آئندہ معاملہ مکشوف ہوگیا ان کے نور فراست نے جو انہیں اپنے مشائخ کی اتباع میں اللہ کی طرف سے حاصل تھا فوراً بتا دیا کہ یہ متاع گراں بہا ہے اسے نہیں چھوڑنا چاہیئے ایسے موتی روز روز نہیں ملتے چنانچہ انہوں نے خود ہی اس بچہ کو سلسلہ قادریہ میں داخل فرماکر تقویٰ و پرہیزگاری کی تلقین کے ساتھ کچھ اذکار بھی تعلیم کردیئے۔

درس نظامی کی تکمیل

ابتدائی صرف نحو عربی و فارسی کتب بھی حضرت سندھی نے پڑھائیں۔ ۱۳۱۹ھ میں گوٹھ پیر جھنڈا ضلع سکھر میں مدرسہ دارالارشاد کی بنیاد رکھی گئی۔ مولانا سندھی اس مدرسہ کے روح رواں تھے اور انہیں کی زیر نگرانی اس بچہ نے اپنی تعلیم کے چھ سال مکمل کرکے درس نظامی کی تکمیل کی۔ مدرسہ دارالارشاد سے فارغ ہونے والوں میں پہلا نام نامی اسی بچہ کا ہے جو اب بچہ نہیں بلکہ اپنی زندگی کے بائیس درجے گزار کر جوانی میں قدم رکھ چکا ہے اب احمد علی نہیں بلکہ عالم دین، فقیہہ، صرفی، نحوی، ادیب، محدث، مفتی اور مولانا احمد علی ہیں۔ ۱۳۲۶ھ میں حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو سند فراغت عطا ہوئی اور دستار فضیلت بھی باندھی گئی۔

جہادِ زندگی

اس کے بعد مولانا سندھی نے حضرت مولانا کو حکم دیا کہ اب اسی مدرسہ میں تم تعلیم بھی دو، چنانچہ حضرت نے تین سال تک اسی مدرسہ میں درس نظامی کی تعلیم دی مولانا سندھی نے اپنی پہلی زوجہ سے ایک بیٹی سے حضرت کا نکاح کردیا لیکن وہ ایک سال بعد ہی انتقال فرماگئیں اس کے بعد حضرت مولانا ابو محمد احمد صاحب خطیب صوفی مسجد کشمیری بازار لاہور کی صاحبزادی سے مولانا سندھی نے رشتہ طے کردیا چنانچہ حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی رسم نکاح خوانی ماہ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے ادا کی۔ کتنے مبارک ہیں وہ جن کو مولانا عبیداللہ سندھی جیسا مربی واستاذ، حضرت دین پوری جیسا شیخ قطب ارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ کے شاگرد مولانا ابو محمد احمد جیسا سُسر اور استاذالاساتذہ، مجاہد ملت شیخ الہند مولانا محمود حسن جیسا نکاح خواں میسر آیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

نواب شاہ میں قیام

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مصالح کی بنا پر حضرت مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے دارالارشاد سے علیحدگی اختیار کرکے نواب شاہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا یہ مدرسہ ابھی ابتدائی مراحل بھی طے نہ کرپایا تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مولانا سندھی نے حضرت مولانا کو نواب شاہ سے دہلی بلالیا۔

نظارۃ المعارف القرآنیہ

نظارۃ المعارف القرآنیہ کا قیام بھی حضرت شیخ الہند کے حکم سے ہوا تھا چنانچہ اس کا دفتر جو اس وقت دہلی کی مسجد فتحپوری میں تھا، سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی منسلک ہوگئے۔ مدرسہ جس میں قرآن مجید کی انقلابی تفسیر قرآن وسنت کی ولی اللہی تعبیر کے مطابق پڑھائی جاتی تھی حکومت برطانیہ کی نگاہ میں کھٹکتا تھا۔ اس مدرسہ کا مقصد وجود ہی مسلمانوں میں دینی ولولہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی روح پھونکنا تھا،

اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا پورا پروگرام یہ تھا کہ عالم اسلام کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کیا جائے اور انہیں اس امر پر مجبور کیا جائے کہ وہ متحد ہو کر ہندوستان پر حملہ کر کے انگریز کو مار بھگائیں اس سلسلہ میں جہاں یہ بات ضروری تھی کہ اسلامی حکومتوں کو ترغیب دلائی جائے، وہاں یہ امر بھی نہایت ضروری تھا کہ ہندوستان میں موجود مسلمانوں کو بھی اس جہاد دینی و ملی کے لئے تیار کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بارشاد مولانا سندھی مرحوم دہلی کے گرد و نواح میں تبلیغی سفر کا آغاز کر دیا جب آگرہ و مضافات آگرہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں تو صرف نام کے مسلمان ہیں ایسے مسلمانوں سے بھی واسطہ پڑا جو کلمہ بھی نہیں جانتے تھے جن کے نام بھی غیر اسلامی تھے کسی کا نام محمد سنگھ کسی کا لچھمن حسین اور کسی کا نام محمد رام وغیرہ تھے۔ بنا، اسلام الگ رہے۔ وہاں کے لوگوں میں ایسے نوجوانوں اور بوڑھوں کی تعداد کافی ملی جو مکہ اور مدینہ کے ناموں سے بھی واقف نہ تھی۔ وہاں سے استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ مسجد کا نام و نشان نہیں۔ پچیس دیہات میں صرف ایک مسجد ملی جب حضرت نے ایک سے جنازہ و نکاح کے متعلق پوچھا تو جواب ملا " اچھنیرہ سے قاضی آوے ہے اور وہی نکاح و جنازہ پڑھاوے "۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اچھنیرہ پہنچے قاضی سے ملنے گئے لیکن قاضی صاحب اپنے بڑھاپے اور علالت کے باعث نہ مل سکے صرف ان کا جانشین ملا وہ بھی عربی فارسی سے نابلد چند الفاظ تھے جو اسے طلب زر اور جلب منفعت کے لئے رٹا دیئے گئے تھے انہی الفاظ کے ہیر پھیر سے ان کی روزی چلتی تھی اس سے حضرت کو بہت صدمہ ہوا۔ حضرت نے ایک بستی میں پہنچ کر لوگوں کو اکٹھا کیا اور ایک نہایت سادہ، پراثر اور درد انگیز تقریر کی۔ تقریر میں ان کو اسلامی احکام سمجھائے اور سب کو کلمہ پڑھایا ان کے غیر اسلامی نام تبدیل کر کے صحیح اسلامی نام رکھے اس کے بعد علی گڑھ تشریف لے گئے لیکن ان تمام ہنگاموں، علمی اور تبلیغی مشاغل کے باوجود روحانی اشغال بھی بدستور جاری تھے۔ اپنے پیر خانہ کے ساتھ تار جڑا ہوا تھا۔ امروٹ شریف اور دین پور شریف میں حاضری کو ترک نہیں کیا۔ بالآخر حضرت امروٹی اور حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بالترتیب خلافت و امارت سے نواز دیا (حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ) نے صرف حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ و مجاز کیا ہے ان کے علاوہ انہوں نے کسی اور کو اجازت بیعت عطا نہیں کی۔

ریشمی رومال کی تحریک یہ لپیلیں زرد ریشمی کپڑے پر لکھی ہوتی تھیں اور یہ زرد ریشمی کپڑا تحریک انقلاب کے اراکین کا باہمی نشان تھا۔

ریشمی تحریک کے متعلق ایک ذمہ دار رکن نے ۱۹۱۴ء میں رپورٹ مرتب کی جس میں یہ درج تھا کہ آزاد حکومت ہند بنائی جا رہی ہے جس کا فوجی ہیڈ کوارٹر کابل اور کیپٹل مدینہ منورہ ہوگا۔ کمانڈر انچیف شیخ الہند ہوں گے کابل میں حکومت ہند کے نگران مولانا سندھی ہوں گے یہ رپورٹ نہایت رازداری سے مرتب کی گئی تھی لیکن بدقسمتی سے برطانوی حکومت کے ہاتھ لگ گئی اس سلسلہ میں حکومت انگلشیہ نے بڑا اودھم مچایا۔ گرفتاریاں شروع ہوگئیں۔ شیخ الہند کو حجاز ہی میں گرفتار کر لیا۔ حضرت کے پیران عظام کو بھی امروٹ اور دین پور سے گرفتار کر لیا گیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو فتحپوری دہلی سے گرفتار کر کے مکان پر لے گئے وہاں تلاشی لی اور کچھ کتابیں یا نوٹس اور درس کے شریک مسلمان سی آئی ڈی والے کی نشاندہی پر حضرت کی سند تعلیم بھی صندوق میں مقفل کر کے لے گئے یہ سامان پھر کبھی واپس نہیں کیا گیا: (۱۳۴۶ھ میں حضرت مولانا سندھی اور اور حضرت الامام مولانا مولوی سید محمد انور کاشمیری صدر مدرس دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ نے دوبارہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سندیں عطا فرمائیں)

حضرت کو گرفتار کر کے دہلی، شملہ، لاہور، جالندھر کی مختلف حوالاتوں میں کئی ماہ گزارنے کے بعد ضلع جالندھر میں تھانہ راہوں میں نظر بند کر دیا گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد رہا ہو گئے لیکن حکومت وقت نے دہلی یا سندھ جانے پر پابندی لگا دی۔ چنانچہ لاہور میں آپ کو پابند ضمانت کر کے چھوڑ دیا۔

حضرت کی اہلیہ بھی لاہور آگئیں۔ لاہور کی زندگی کا آغاز یہاں سے شروع ہوتا ہے حضرت مسجد لائن والی شیرانوالہ دروازہ سے باہر جو پولیس کے قبضے میں تھی میں نماز پنجگانہ ادا فرماتے تھے پہلے فاروق گنج کی طرف جاتے ہوئے جو مسجد ہے اس میں درس شروع کیا پھر آہستہ آہستہ تبلیغ ارشاد کا سلسلہ بڑھنا شروع ہو گیا۔

لاہور میں آکر بھی ابتدائی ایام سخت مصیبت و مشقت میں گزرے مگر آپ کی مستقل مزاجی، صبر و توکل علی اللہ نے آپ کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آنے دی اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا۔ ۱۹۱۷ء میں پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔

باوجود انتہائی راز داری اور اخفاء کے لوگوں کو معلوم ہوگیا اور حضرت کے قدموں میں انیس سو روپیہ رکھ دیا گیا۔ اس زمانہ کے اعتبار سے یہ رقم بہت زیادہ تھی۔ آٹا ۱۸ سیر فی روپیہ ملتا تھا اور تین سو روپیہ میں حج اور حاضری مدینہ منورہ حاصل ہو جاتی تھی۔

ہجرت کابل

مولانا جب حج سے فارغ ہو کر ہندوستان واپس آئے تو ہندوستان میں خلیفۃ المسلمین (ترکیہ) کی حمایت میں خلافت کمیٹیاں قائم ہو چکی تھیں اور انگریزوں کے خلاف بغاوت کا جذبہ زوروں پر تھا چنانچہ طے پایا کہ مسلمان ہندوستان کو چھوڑ دیں ادھر والئ کابل امیر امان اللہ خاں نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور ہندی مسلمان بھی انگریزوں سے نالاں تھے۔ خلیفۃ المسلمین کو انگریزوں اور فرانسیسیوں نے قید کر رکھا تھا ان سب باتوں نے اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ والی کابل امیر امان اللہ خان نے ہندی مسلمانوں کو ہجرت کر کے کابل آنے کی دعوت دی تھی۔ ایک قافلہ تیار ہوا اور اس کے میر کارواں حضرت رحمۃ اللہ علیہ مقرر کئے گئے۔ مسلمانان پنجاب نے حضرت کی خدمت میں دس ہزار روپیہ پیش کیا۔ حضرت نے اس کا سونا خرید کر کابل کے عام اجلاس میں امیر امان اللہ خان کو پیش کر دیا۔

کابل سے واپسی

شروع شروع میں مہاجرین کے لئے جو جذبہ کابلیوں اور افغانیوں نے دکھایا وہ بعد میں گھٹتے گھٹتے بالکل سرد ہو گیا۔ دراصل انگریز یہاں بھی اپنی چال بازی میں کامیاب ہو گیا۔ انگریزوں نے کابلیوں سے صلح کر لی اور مہاجرین سے متعلق ان میں غلط فہمی پھیلا دی اور بعد میں معاہدہ کر لیا جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمام ہندوستانی واپس بھیج دیئے جائیں چنانچہ اس معاہدہ کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو واپس آنا پڑا۔ اگر مولانا احمد علی یا اور کوئی مسلمان مہاجر وہاں رہنے کی کوشش بھی کرتا تو وہ کوشش کبھی بھی بار آور نہ ہوتی اس لئے کہ حکومت کابل انگریزوں سے صلح کر چکی تھی اور اسے منوانے پر مجبور تھی اگر کوئی کابل سے نہ نکلتا تو ڈنڈے کے زور سے باہر نکال دیا جاتا۔ اس واپسی نے ہندوستان کے مسلمانوں کو کابلی حکومت سے بدگمان کر دیا۔ افغانستان کی حکومت کے افسروں نے جو بے اعتنائی مہاجرین سے برتی وہ بھی مثالی ہے۔ دراصل معاہدہ سے پہلے ہی انگریز کابلی حکومت کے عمائدین سے ساز باز کر چکا تھا معاہدہ تو صرف اس ساز باز کو قانونی شکل دینے کے لئے کیا گیا تھا تاکہ کابلیوں کے راستہ سے جو خطرہ انگریزوں کو تھا اس کی راہ مسدود ہو۔

انجمن خدام الدین کی بنیاد

۱۹۲۲ء میں حکیم فیروز الدین صاحب کی تحریک پر انجمن خدام الدین کا قیام عمل میں لایا گیا۔ قرآن مجید اور سنت نبوی کی اشاعت کو انجمن کا نصب العین قرار دیا گیا۔ حضرت شیخ الکل مولانا نذیر احمد محدث دہلوی کے شاگرد مولانا فضل حق اور قطب الارشاد، شیخ العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد حضرت مولانا ابو محمد احمد بھی اس انجمن کے ممبر بنا دیئے گئے۔ انجمن نے وقتی ضروریات کے مطابق دینی، اصلاحی اور سماجی ضرورتوں کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں کئی رسالے اور کتابیں شائع کی ہیں جو سب کی سب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہیں۔ حضرت تاحیات انجمن کے امیر رہے ہیں۔

۱۹۲۴ء میں انجمن کی زیر نگرانی مدرسہ قاسم العلوم کی بنیاد رکھی گئی ابتدا میں مدرسہ کرایہ کے مکان میں تھا لیکن بعد میں مدرسہ کے لئے زمین خرید کر عمارت بنا دی گئی جس میں آٹھ کمرے ہیں اس عمارت کی رسم افتتاح حضرت شیخ الاسلام مولانا مولوی شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ۱۹۳۴ء میں ادا ہوئی۔

درس قرآن

ایک عمومی درس جو کہ نماز فجر سے ایک گھنٹہ بعد ہوتا ہے یہ ۱۹۱۷ء سے شروع ہوا اور بلا عذر شدید کبھی ترک نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے وقت بھی ان کے جانشین و منجھلے صاحبزادے حضرت مولانا عبید اللہ انور نے نہیں چھوڑا۔ والد ماجد کی نعش گھر میں رکھی ہے اور ہونہار سپوت اشکبار آنکھیں لئے قال اللہ و قال الرسول مخلوق خدا کے کانوں تک پہنچانے کا فریضہ ادا کر رہا ہے اس درس میں ہر کوئی شریک ہو سکتا ہے۔ دوسرا درس قرآن علمائے کرام کے لئے ہے اس میں صرف اس شخص کو بیٹھنے کی اجازت ہے جو درس نظامی کی تکمیل کر کے عالم دین بن کر سند فراغت حاصل کر چکا ہو یہی وہ درس ہے جس کے متعلق حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند سند فراغت دیتے وقت ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اب اگر قرآن مجید کے اسرار و رموز اور دین و شریعت کی مصلحتوں سے آشنائی کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس اور باطنی ترقی چاہتے ہو تو لاہور کے ایک کامل اور مکمل ولی اللہ و شیخ وقت کے سامنے تین ماہ تک زانوئے تلمذ تہہ کرو اس درس میں نہ صرف پاک و ہند بلکہ افغانستان، ملایا، انڈونیشیا، ایران، روس، ترکستان اور دیگر اسلامی ممالک کے فارغ التحصیل علمائے کرام شامل ہوتے تھے ان سب کے قیام و طعام کا انتظام انجمن کے ذمہ تھا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا دستور یہ رہا ہے کہ کبھی کسی سے چندہ کی اپیل نہیں کی بلکہ اپنے متعلقین و منسلکین کی اصلاح اس طرح فرمائی ہے کہ خود بخود بلا طلب لوگ روپیہ پیش کرتے ہیں اور اسے اللہ کے دین کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ ریاست بہاولپور کے ایک اہل خیر نے اپنی کوٹھی جس کی قیمت کا اندازہ سوا ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے قریب ہے، اللہ کے واسطے وقف کر دی، اور جس کی صرف نچلی منزل کا کرایہ دو سو روپیہ ماہوار کے قریب ہے اس سے لڑکیوں کے مدرسہ کا خرچ چل رہا ہے۔

لڑکیوں کے لئے مدرسہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لڑکیوں کے لئے تہتر ہزار روپیہ کے خرچ سے مدرسۃ البنات کی تعمیر کروائی۔ لطف یہ ہے کہ کسی سے چندہ نہیں مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اہل خیر کے دلوں میں اس کی تعمیر ڈال دی چنانچہ کام مکمل ہو گیا اور کسی قسم کی تنگی محسوس نہیں ہوئی۔ اس مدرسہ کے ۱۶ کمرے ہیں اس مدرسہ میں لڑکیوں کے لئے آٹھ سالہ نصاب تعلیم رائج ہے جس میں عقائد اسلامیہ، ارکان اسلام، کلام مجید، باترجمہ، حدیث، سیرت النبی و سیرت خلفاء راشدین کے ساتھ ساتھ خانہ داری اور کشیدہ کاری کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس مدرسہ میں دو قسم کی کلاسیں ہوتی ہیں ایک تو ان لڑکیوں کے لئے جو صرف اس مدرسہ میں تعلیم پاتی ہیں۔ دوسرا شعبہ ان لڑکیوں کے لئے ہے جو دوسرے سرکاری مدارس میں تعلیم حاصل کرتی ہیں اور یہاں دینی تعلیم کے لئے آتی ہیں ان کی کلاسیں مغرب کے بعد ہوتی ہیں۔

اس مدرسہ میں استانیاں بیشتر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شاگرد ہیں اور بقیہ حضرت کے شاگردوں کی شاگرد، سب رضاکارانہ کام کرتی ہیں۔ معمولی مشاہرہ ان کو دیا جاتا ہے صرف سوزنی کا کام سکھانے والی استانی کو چالیس روپیہ ماہوار دیئے جاتے ہیں مدرسہ کا خرچ انجمن کی غیر منقولہ جائداد کے کرایہ سے پورا ہو جاتا ہے۔

تبلیغی کام

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس سے زیادہ رسالے اور کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مجلس ذکر کے مواعظ اور خطبات جمعہ کی آٹھ آٹھ جلدیں ہیں۔ قرآن مجید کا ترجمہ اور حاشیہ ربط آیات بھی شائع کیا۔ ایک قرآن مجید سندھی ترجمہ و تفسیر والا شائع کیا۔ انگریزی زبان میں بھی بارہ کے قریب پمفلٹ شائع کئے جو اصلاح معاشرہ اور ملی و دینی الجھنوں پر قرآن و سنت کی روشنی میں حرف آخر کہے جا سکتے ہیں۔

ہفتہ وار "خدام الدین"

۱۹۵۵ء میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی ایک ہفتہ وار رسالہ شروع کیا گیا۔ جس میں دینی، اصلاحی، معاشرتی مضامین شائع ہوتے ہیں ابتدا میں چار سو کے قریب شائع ہوتا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے اب اس کی اشاعت دینی پرچوں میں امتیازی شان کی مالک ہے۔ سنا ہے کہ اب بیس ہزار کے لگ بھگ اشاعت ہے۔

تصرفات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور کی بالخصوص اور پنجاب کی بالعموم اصلاح کی پوری پوری کوشش کی۔ متعدد مرتبہ جیل میں گئے۔ حق گوئی آپ کا شیوہ تھا۔ وعظ میں گو الفاظ کی تکرار ہوتی تھی لیکن یہ تکرار سمجھانے کے لئے ہوتی تھی۔ سامع کے ذہن میں حضرت کی بات یوں بیٹھ جاتی تھی جیسے پتھر میں نقش ہو۔ علوم دینیہ میں رسوخ کے ساتھ باطنی علوم میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

میرا ذاتی واقعہ ہے کہ میں حضرت کی خدمت میں ایک عزیز کی بے راہروی سے نالاں حاضر ہوا۔ درس کے بعد میں نے ساری بات کی۔ کچھ توقف کے بعد حضرت نے دعا فرمائی اور ایک تعویذ دیا اس تعویذ پر میرے اس عزیز کا نام بھی تحریر فرمایا اور کہا کہ اسے بائیسکل کے پہیے کے ساتھ باندھ کر الٹا گھماؤ۔ انشاءاللہ وہ ٹھیک ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ ایسا ٹھیک ہوا کہ بائیس برس تک ٹھیک ہی رہا اور پھر اس کا انتقال ہو گیا۔

علوم باطنیہ میں کاملین بھی ان کا سکہ مانتے تھے۔ ان کے ماننے والوں میں وہ بھی شامل ہیں۔ جو مسلکاً ان سے متفق نہیں۔ لیکن ان کے علمی مقام، روحانی تصرف، درویش طبعی اور مجاہدانہ سرگرمیوں کے معترف ہیں۔ خود راقم کے ملنے والوں میں ایسے ایسے مہربان ہیں جو مولینا کو کافروں کا سردار کہا کرتے تھے (نعوذ باللہ) لیکن مولینا کے وصال کے بعد ان ہی کے منہ سے یہ بھی میں نے سنا کہ ایسا درویش اور مرد مجاہد صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے باطنی تصرفات، کرامات، کشوف ایسے نہیں ہیں کہ ان کا انکار کیا جا سکے۔ کشفِ قبور اور کشفِ قلوب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسیع نظر عطا فرمائی تھی۔

میں ایسے لوگوں سے بھی واقف ہوں، کہ جنہوں نے پُرخلوص درخواست کی کہ ہم گناہ کی زندگی میں مبتلا ہیں۔ اور اس زندگی سے نجات چاہتے ہیں حضرت نے ان کے لئے دعا کی اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے ان کی کایا پلٹ گئی۔

دورانِ درس کبھی کبھی عام لوگ بھی قادری تجلی کا بچشم ظاہری نظارہ کیا کرتے تھے۔ حضرت کو اپنے مشائخ کرام سے بہت محبت و عقیدت تھی۔ لیکن حضرت اقدس مولینا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ کے ساتھ جس طرح محبت و عقیدت تھی، اس سے بہت سے لوگ اس شبہ میں مبتلا تھے کہ شاید حضرت کو ان سے بیعت یا شاگردی کا تعلق ہے لیکن یہ حقیقت ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ چشتی صابری سلسلہ میں حضرت قطب العالم مولینا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز اور حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ قادریہ راشدیہ کے گلِ سر سبد تھے۔

عقیدت کا یہ عالم تھا کہ اپنی داڑھی مبارک کے بال اس غرض سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ کو بھیجے کہ میرے یہ بال حضرت کی لاعلمی میں ان کے جوتے میں سی دئے جائیں۔ اس سے جہاں حضرت مدنیؒ کا مقام نمایاں ہوتا ہے وہیں حضرت لاہوریؒ کی عاجزی، انکساری، تواضع اور عقیدت کا بھی ظہور ہوتا ہے۔ اہل سنت و جماعت کے تین بڑے گروہ معروف ہیں، بریلوی، دیوبندی اور اہلحدیث، بریلوی دیوبندی اور بریلوی اہلحدیث کا اختلاف سخت نوعیت کا بن چکا ہے۔ بریلوی حضرات دیوبندیوں اور اہلحدیث کو مسلمان بھی نہیں سمجھتے۔ لیکن حضرت لاہوریؒ اخلاقِ محمدیؐ کا مجسم نمونہ تھے۔ میرے بچپن کا واقعہ ہے کہ بریلی جماعت کے امام و مقتدا مولوی دیدار علی شاہ صاحب کا انتقال ہوا تو میرے والد مرحوم نے حضرت لاہوری سے اسی روز یہ واقعہ عرض کیا تو اس وقت حضرتؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے ان کی خطاؤں سے درگذر کرے اور ان کی قبر کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنائے۔ یہ الفاظ اس بزرگ عالم دین کے لئے استعمال فرمائے جو ان کی مکفّر جماعت کے سربراہ تھے۔

اسی طرح جب علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور کا انتقال ہوا تو نہ صرف یہ کہ ان کے ایصال ثواب کے لئے حضرت نے قل ہو اللہ تین مرتبہ اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر دعا مغفرت مانگی۔ بلکہ ان کی قبر پر داتا دربار تشریف لے گئے۔ اور ان کے صاحبزادہ سید محمد خلیل صاحب قادری اور ان کے برادرِ خورد سید احمد صاحب سے تعزیت کرنے یا غیبی صامد و گئے۔ علامہ ابو الحسنات کے مزار پر میں نے خود دیکھا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ کیا آپ بھی علماء بریلیہ کی طرح ان کو کافر سمجھتے ہیں تو حضرت نے فرمایا ایسا نہیں اِن کے اچھے اچھے ہیں اور بڑے بڑے ہیں کسی کو حتمی کافر نہیں کہا جا سکتا اسی قسم کے جملے تھے جو صحیح یاد نہیں رہے۔ مطلب یقیناً یہی تھا۔ ان واقعات سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلق اور حق گوئی کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی مجازین کی کافی تعداد موجود ہے ، جن میں سے چند ایک مشہور ہستیوں کے نام نامی یہ ہیں ۔

(۱) حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب مہاجر مدینہ منورہ

(۲) حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب جانشین حضرت شیخ التفسیر ۔

(۳) حضرت مولانا حمید اللہ صاحب خلف اصغر ۔ یہ تینوں حضرت کے صاحبزادے ہیں ۔

ان کے علاوہ مشہور اسلامی اور ادبی شخصیت حضرت مولانا مولوی ابو الحسن علی ندوی ، مولانا مولوی بشیر احمد صاحب خطیب جامع مسجد پسرور اور حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کے اسماء گرامی بھی آپ کے مجازین میں داخل ہیں

حضرت کو قرآن مجید کی تفسیر پر ایسا عبور تھا کہ دوسرے حضرات کے ہاں اس طرح کی آمد کم ہی نظر آتی ہے ۔ حضرت کا انداز یہ تھا کہ آیۂ کریمہ تلاوت فرما کر اس کا اردو ترجمہ بیان فرماتے اس کے بعد اس کی صرفی ، نحوی اور ادبی جامعیت و بلاغت کا ذکر فرماتے ، پھر شانِ نزول اور متعلقہ احادیث نبویہ ارشاد فرماتے ۔ اس کے بعد سب سے زیادہ ضروری اور مہتم بالشان عنوان "الاعتبار والتاویل" کے تحت حالات حاضرہ کی پیدا شدہ گتھیوں کو اس آیۂ کریمہ سے حل فرماتے ۔ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ اس امر پر خاص زور دیا کرتے کہ اس آیۂ کریمہ میں "میرے اور آپ کے لئے کیا سبق ہے" ۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے وہ کمال عطا فرمایا تھا کہ درس سننے والے ہی اس کی قدر دانی اور اعتراف کا حق ادا کر سکتے ہیں ۔

ساری زندگی سوائے کھدر اور دیسی کپڑے کے کبھی انگریزی ملوں کا بنا ہوا کپڑا زیب تن نہیں فرمایا ۔ انگریز کے سخت دشمن تھے ۔ ان کی مجالس میں حاضر باش رہنے والا ہی اس امر کا اعتراف کرے گا کہ "امورِ شرعیہ" بیان کرتے وقت بھی ان کا بیان عابدوں ، عارفوں اور صوفیوں کا کلام معلوم ہوتا تھا ان کا خلوص مانا ہوا تھا ۔ اس عالم اور مولوی کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے جو نکاح ، جنازہ اور تقریروں کے لئے نذرانے اور ہدیے کی زیادتی اور کمی کا جھگڑا کھڑا کرے ۔ ان کا اپنا عمل یہ تھا کہ خود وہ قطعاً کچھ نہ لیتے تھے ۔ جنازہ ، نکاح اور تبلیغ پر اُجرت لینے کو حرام سمجھتے تھے ان کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ امورِ عبادت ہیں اور عبادت پر اجرت لینا حرام ہے ۔

حضرت کے شاگردوں کی تعداد دنیا میں موجود ہے ، علماء کرام کے نام کہاں تک گنوائے جائیں ۔ جدید تعلیم یافتہ اہل دین میں سے صدر اسلامی مشاورتی کونسل علامہ علاؤ الدین صدیقی ایم ، اے ۔ ایل ایل بی صدر شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی ، ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ ایم اے ڈی لٹ پرنسپل یونیورسٹی اورنٹیل کالج لاہور ، چودھری عبد الرحمٰن صاحب ایم اے ایل ایل بی اور ڈاکٹر عبد اللطیف ایم بی بی ایس ، بی ڈی ایس کے ، علاوہ متعدد شاگردوں کے نام پیش کئے جا سکتے ہیں

لاہور میں حضرت امام الہند ، حکیم الامت ، مجدّد دوراں ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کا باقاعدہ درس حضرت شیخ التفسیر نے ہی دیا ہے اور اس میں صرف پڑھے لکھے اور جدید تعلیم یافتہ حضرات ہی شریک ہوتے تھے ۔ عامی اور سطحی علم والوں کو درس میں بیٹھنے کی اجازت بھی نہ تھی ۔

انگریزوں کے عہد میں متعدد مرتبہ حق گوئی اور بے باکی کے سبب جیل بھیجے گئے ۔ خاکسار تحریک کے عروج کے دور میں باوجود علامہ عنایت اللہ خان المشرقی سے دینی اور سیاسی اختلاف کے ، خاکساروں کی پشت پناہی فرماتے رہے بلکہ ان کی حمایت اور ان کے فتاویٔ تکفیر پر جو حکومتِ وقت نے مرتب کرایا تھا ۔ دستخط نہ کرنے کے سبب جیل بھیج دیئے گئے ۔ غرضیکہ آزادی اور دین خالص کے علمبردار ، بے باک ، نڈر ، حق گو عالم دین اور شیخ طریقت نے لاہور والوں کی بالخصوص اور پاک و ہند کی بالعموم زندگی بھر اصلاح کی کوشش کی ۔ اور تقریباً چھیالیس برس تک لاہور میں حق کی آواز بلند کرنے کے بعد ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ بمطابق ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء جمعہ کے دن اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی ۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ عمر مبارک ستتر سال تھی ۔ گیارہ بارہ سے زیادہ مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری دی ۔ اخلاق و عادات میں مشائخ سلف کا نمونہ تھے ان کی زبان سے کبھی بھی گندی اور لچر باتیں سننے میں نہیں آئیں ۔ طبیعت میں تشدد نہ تھا ۔ مخالف ترین آدمی بھی اگر ان سے ملنے آتا تو اس کا اعزاز و اکرام فرماتے تھے ۔

اہل قرآن کے امام مولوی حشمت علی سب کو کافر کہتے تھے ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مسلمان نہیں سمجھتے تھے لیکن وہ جب بھی حضرت کے پاس آتے تو حضرت کبھی بھی ان سے بے اعتنائی نہ برتتے بلکہ ان کے ساتھ حکمتِ دین اور موعظہ حسنہ سے کام لیتے ہوئے دعوتِ الی الحق کا فریضہ ادا فرماتے ۔

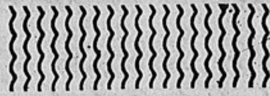
شرک و بدعات کے سایہ کو بھی پسند نہ فرماتے تھے ۔ لیکن وعظ و نصیحت میں محکمات کو سامنے رکھتے اور متشابہات کی ایسی تاویل فرماتے جو

محکمات پر منطبق ہو سکے! ور جس کا محکمات سے ٹکراؤ نہ ہو۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نمایاں وصف یہ تھا کہ بڑے سے بڑے حکومت کے عہدیدار سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ وزیروں اور گورنروں تک کو ڈانٹ دیتے تھے! ور یہ سبھی ان کی بزرگی تقویٰ اور صاف باطنی کا ثمرہ تھا پونے دو لاکھ کے قریب مسلمانوں نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت فرمائی جنازہ کی امامت باتفاق علماء کرام آپ کے منجھلے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور نے فرمائی اور لاہور کے قبرستان میانی صاحب میں مدفون ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال پر پاک و ہند کی نامور ہستیوں نے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ جا بجا ایصال ثواب و فاتحہ خوانی کی گئی، مدیران جرائد نے اداریے لکھ کر اپنی عقیدت مندی کا اظہار اور حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے علم و تقویٰ اور نور عرفان کے ساتھ ساتھ حضرت کی ملکی و ملی خدمات کا اعتراف کیا۔

پیر صاحب دیول شریف کا پیغام

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر حضرت پیر دیول شریف نے جن الفاظ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کیا۔ ان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مقام اور پیر صاحب دیول شریف کا اعتراف حق واضح ہوتا ہے، پیر صاحب نے روزنامہ جنگ راولپنڈی کے نمائندہ سے جو گفتگو فرمائی وہ روزنامہ جنگ راولپنڈی کی اشاعت مجریہ ۲۴ مارچ ۱۹۶۲ء میں یوں درج ہے، حضرت پیر صاحب نے شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ان کے ورثاء کے نام تعزیتی پیغام دیتے ہوئے کہا کہ حضرت اقدس مولانائے مکرم ایک صاحب نظر اور بہت ہی بزرگ ولی اللہ تھے۔ ان کی وفات سے روحانی دنیا میں بہت بڑا خلا ہوا ہے یہ خلا ایسا ہے کہ اس کو پُر ہوتے برسوں گذر جاتے ہیں۔ حضرت پیر صاحب نے ان کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اپنے عقیدت مندوں کے نام پیغام دیا ہے کہ سب حضرت اقدس مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر فتوح کے لئے ایصال ثواب کریں



علالت اور رحلت

قبر مبارک سے جنّت کی خوشبو

آخری ایام مولانا احمد علی رح کی ساری زندگی دین حق کی اشاعت خلق اللہ کی خدمت، عبادت الٰہی اور شب بیداری کرتے ہوئے گزری۔ اس وجہ سے جسمانی صحت درست رہنا مشکل ہے۔ حضرت اپنی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں فالج اور ذیابیطس جیسے امراض میں مبتلا تھے، لیکن اس کے باوجود حضرت کا چہرہ مبارک نورانی تھا۔ ٹانگوں کو ہاتھ لگانے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی بچے کی ٹانگیں ہیں مگر جب دربارِ خداوندی میں قیام کا وقت آتا تو جوانوں سے زیادہ سر و قدم ہو جاتے تھے اور اکثر اوقات نوافل بھی کھڑے ہو کر ادا فرماتے تھے۔ مرض آہستہ آہستہ بڑھتا رہا مگر اس کی زیادتی نے لقاء رب کے عاشق کو پریشان نہیں کیا بلکہ اور تازہ دم کر دیا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"میں نے اللہ تعالیٰ سے جو مانگا وہ مجھے دیا۔ میں اس سے راضی ہوں جب بلائے میں حاضر ہوں۔

کئی سالوں سے کھدّر کا کفن سلوا کر رکھا ہوا تھا قبر کی جگہ صاحبزادہ صاحب اور حاجی دین محمد صاحب کو بتا دی تھی بلکہ جب آخری عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو مندرجہ ذیل ارشاد فرما گئے تھے: "میں ۲۰ جولائی بروز جمعرات صبح کے وقت عمرہ کرنے مکہ جا رہا ہوں۔ ۲۱ جولائی کو جمعہ کراچی پڑھوں گا۔ حکومت نے مجھے اجازت دے دی ہے۔ میں پہلے سے جانے والا تھا اچانک میری ایڑی میں سخت درد ہونے لگا جس کی وجہ سے میں چار دن تک چل پھر نہ سکا اور جو ٹکٹ میں نے خرید رکھا تھا واپس کر دیا۔ موت کا علم نہیں کب آئے پانچ سال ہو گئے ہیں۔ میں نے درزی کو بلا کر اپنے ناپ کا کفن تیار کرا لیا تھا ہر وقت موت کے لیے تیار ہوں۔ اگر مکہ معظمہ فوت ہو گیا تو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد کسی بدعتی یا قبر پرست پیر کے پیچھے نہ لگ جانا اور گمراہ نہ ہو جانا بلکہ کسی متبع سنت اور اصلاح یافتہ عالم کی صحبت اختیار کرنا۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ سارے مولوی اور پیر ہدایت یافتہ نہیں ہوتے بلکہ اکثر گمراہ ہوتے ہیں۔

حضرت نے آخری دنوں میں جو خطبہ دیا اس میں آپ کے وصال کی اطلاع کی جھلک صاف نظر آتی تھی۔ آپ نے جنوری اور فروری ۱۹۶۲ء میں آنے والے اکثر خدام سے ایسے کلمات فرمائے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ لقائے رب کے لیے پا بہ رکاب ہیں۔ حضرت رح نے حاجی دین محمد صاحب لاہور کو وصال سے دو تین دن پہلے فرمایا۔ اب میں آپ کے پاس خطبہ دینے کے لیے نہیں رہوں گا۔

اسی جمعہ مبارک کو آپ کے خادم خاص مولانا محمد صابر صاحب نے سسرال جانے کی اجازت چاہی تو آپ نے خلاف معمول نہ دی۔

رحلت کی پیشین گوئیاں ادھر عالم بالا میں آپ کی رحلت کا اعلان ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ افراد قدسیہ جو اس کرۂ ارضی پر رہتے ہوئے بھی، بحمدہٖ و باذنہٖ تعالیٰ عالمِ بالا کی خبروں سے واقف ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے اس کی اطلاع دی تھی۔ بھائیکے کی جامع مسجد کے خطیب مفتی ابوالشفاء کا بیان ہے کہ "ہمارے ہاں ایک مجذوب نے محویت اور جذب کے عالم میں چند باتیں فرمائیں۔ اُس نے استغراق و انہماک مجذوبانہ میں پکارا

کر کہا کہ لوگو! تمہارا خیال ہے کہ لاہور میں صرف ایک علی ہجویری علیہ رحمتہ ہیں۔ آؤ اگر زندہ علی ہجویری دیکھنا ہو تو شیرانوالہ دروازہ میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ صاحب کو دیکھو۔ مگر ان کا وقت تھوڑا سا رہ گیا ہے۔"

اسی طرح حضرتؒ کے وصال سے کچھ دن پہلے مکہ مکرمہ میں ایک باخدا بزرگ نے حضرتؒ کے ایک معتقد عبدالرحمٰن صاحب سکنہ نوشہرہ کو جو حج کے لیے گئے ہوئے تھے۔ آپ کی رحلت کی اطلاع دی ــ عبدالرحمٰن صاحب کا بیان ہے۔

۱۹ر فروری ۱۹۶۲ء بروز سوموار بعد از شام عشاء ہم لوگ باب العمرہ سے باہر ایک ہوٹل میں چائے پی رہے تھے کہ ایک شخص آکر بیٹھ گیا۔ باتوں ہی باتوں میں ہم سے دریافت کرنے لگا کہ آپ کا تعلق کس ہستی سے ہے؟ میں نے شیخ التفسیر حضرت لاہوری کا نام لیا تو اُس نے کہا کہ ان کا تو انتقال ہو گیا۔ میں نے بڑی حیرت سے پُوچھا "آپ سے کس نے کہا؟ ریڈیو میں آیا یا کسی نے اطلاع دی۔" اُس نے کہا "مجھے کسی نے بتایا ہے"۔ میں نے بہت پوچھا کہ کس نے بتایا مگر اُس نے نہ بتایا۔ طبیعت از حد بے چین و مغموم ہُوئی۔ دوسرے دن باوجود کوشش کے کسی جگہ سے اطلاع نہ مل سکی۔ ہم سمجھے کہ یہ خبر درست نہیں ہے۔

۲۳ر فروری کو جمعۃ المبارک مکہ معظمہ میں پڑھ کر ۲۴ر فروری بروز ہفتہ بعد العصر مدینہ منورہ پہنچے اگلے دن صاحبزادہ مولانا حبیب اللہ صاحب سے ملے ان سے بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا مگر دوسرے دن اُنہوں نے اطلاع دی کہ حضرت کا انتقال ہو گیا ہے۔

سفرِ آخرت

حضرت مورخہ ۲۳ر فروری بروز جمعہ ۱۰ر بجے اپنے مکان سے حسب معمول مسجد لائن والی میں خطبہ جمعہ کے لیے تشریف لائے۔ حضرت اقدس ایک عرصہ سے علیل اور نحیف ہونے کے باعث گھر سے مسجد تک کار یا ٹانگہ میں تشریف لایا کرتے تھے مگر اس دن آپ نے اپنے صاحبزادہ مولانا عبید اللہ انور صاحب کو سواری لانے سے منع فرمایا۔ مولانا انور صاحب کی کی خوشی اور حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب اُنہوں نے حضرت شیخ وقت کو جوانی کی سی تیز رفتاری کے ساتھ مسجد کی طرف روانہ ہوتے دیکھا۔ اور بہت خوش ہوئے ــ مولانا انور صاحب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو حجرہ میں چھوڑ کر خود کسی اور جگہ خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے چلے گئے۔

پونے بارہ بجے حضرت شیخ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا حافظ حمید اللہ صاحب لباس تبدیل کرانے کے لیے حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچے تو آپ کی طبیعت ناساز تھی۔ پیٹ میں درد تھا اور متلی وغیرہ کی شکایت تھی۔ چنانچہ حضرت اقدس کی ناسازی طبع کے پیشِ نظر مولانا حافظ حمید اللہ صاحب ہی کو نماز جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمانا پڑا نماز جمعہ کے فوراً ہی بعد ڈاکٹر کیپٹن چودھری صاحب جو حضرت کے عشاق میں سے ہیں، شیخ العالم کی خدمت میں پہنچے۔ اُنہوں نے طبی امداد پہنچائی اور کار کے ذریعے حضرت شیخ کو گھر لے گئے۔ شام تک اُنہوں نے تین انجکشن لگائے لیکن حالت نہ سنبھل سکی۔ وہ متعدد ڈاکٹروں سے بھی مشورہ کرتے رہے، لیکن افاقہ نہ ہُوا۔ شام کو مشہور ڈاکٹر محمد یوسف صاحب بھی تشریف لائے اور حضرت اقدس کو ہسپتال لے جانے کا مشورہ دیا۔ لیکن اللہ کی حکمت اس کے برعکس تھی۔

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت اقدس نے مغرب تک کی تمام نمازیں ہوش کی حالت میں ادا کیں۔ اگرچہ بے ہوشی بھی طاری ہوتی رہی مگر نماز کے وقت ہوش آجاتا چونکہ طبیعت پر فطری طور پر صوم و صلوٰۃ کا غلبہ تھا اس لیے بے ہوشی کی حالت میں بھی توجہ نماز اور ذکر الٰہی کی طرف رہی۔

اسی دن رات کے ۹½ بجے آپ نے نمازِ عشا کی نیت باندھی اور سجدے کی حالت میں آپ کا وصال ہوگیا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون ط

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دیرینہ دُعا کو قبُول فرما لیا کہ اے اللہ! جب تک تیری دُنیا میں زندہ ہوں خدمتِ دین کرتا رہوں۔ اور میری کوئی نماز قضا نہ ہونے پائے۔ ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کا وقت ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاؤں چنانچہ جمعرات تک حضرتؒ نے اپنے تمام مشاغل معمول کے مطابق سرانجام دیئے۔ جمعہ کو روزہ رکھا اور تمام فرائض کی ادائیگی کے بعد اپنے مولا سے جا ملے۔

بارہ بجے شب آپ کے صاحبزادوں مولانا عبیداللہ انور صاحب اور حافظ حمیداللہ صاحب نے آپ کو آخری غسل دیا اور مشتاقانِ زیارت کی خواہش کے پیش نظر حضرتؒ کے مکان واقع خضری محلہ اندرون شیرانوالہ گیٹ کے نچلی منزل کے صحن میں حضرت کے وجودِ اقدس کو زیارت کے لیے رکھ دیا گیا۔ حضرتؒ کی نصیحت تھی کہ جمعہ و عیدین کے علاوہ درس کا ناغہ نہ کیا جائے، چنانچہ سعادت مند صاحبزادوں نے گھر میں باپ کا جنازہ رکھ کر تڑپتے ہوئے دل اور اشکبار آنکھوں سے اس نصیحت پر عمل کیا اور درس قرآن حکیم دیا۔ جب قرآن پاک کھولا گیا تو جس آیت پر نظر پڑی وہ تھی کل نفس ذائقۃ الموت حاضرینِ درس کی سسکیاں فزوں تر ہوتی جا رہی تھیں آخر جب درس کا اختتام ہُوا تو حاضرینِ درس بے تابانہ اپنے اس خطیب کو ایک نظر دیکھنے کے لیے دوڑے جس کی آواز سے ان کی سماعت محروم ہو چکی تھی۔ طلوع آفتاب کے ساتھ ساتھ یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی اور اخبارات نے ہر شہر اور ہر قریہ کو اس عظیم المرتبت انسان کی رحلت سے باخبر کر دیا۔ چنانچہ عقیدتمند ہوائی جہازوں، ریل گاڑیوں اور موٹروں کے ذریعے جوق در جوق شیرانوالہ دروازہ (لاہور) مردوں اور عورتوں کے گروہ باری باری اپنے محبوب شیخ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ آخر جب مکان اتنے بڑے ہجوم کا متحمل نہ ہو سکا تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس شیخ ابرار احمد صاحب نے حضرت کے صاحبزادوں سے اجازت لے کر جسدِ اطہر کو مکان کے باہر گلی میں رکھوا دیا اور اُوپر شامیانے لگا دیئے گئے صبح سے لے کر ۲½ بجے تک مشتاقانِ دید اپنے شیخ کی آخری جھلک دیکھتے رہے۔

بعد از نمازِ ظہر علمائے کرام جمع ہُوئے تو حضرتؒ کی نمازِ جنازہ کے لیے امامت کے انتخاب کا سوال اُٹھایا گیا۔ بیشتر علمائے کرام نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ حضرت نے اپنے منجھلے صاحبزادے مولانا عبیداللہ انور کو اپنا قائم مقام اور اپنے بعد امیر انجمن بنایا تھا اس لیے وہی نماز پڑھائیں۔

اس فیصلے کے بعد جنازہ اٹھایا گیا۔ بے پناہ ہجوم کی وجہ سے چارپائی سے باندھنے کے لیے تیس تیس گز لمبے بانس لائے گئے مکان سے مسجد تک جنازہ ویسے ہی لایا گیا۔ کیونکہ گلی سے طویل بانس باندھ کر جنازہ نکلنا ممکن نہ تھا۔ مسجد کے نزدیک چارپائی سے بانس دیئے گئے۔ لوگوں کی خواہش کے پیش نظر حضرت کا رُخِ انور کھُلا رکھا گیا تھا تاکہ کوئی شخص آپ کی آخری جھلک سے محروم نہ رہ جائے۔

اس کے بعد آپ کا جنازہ شیرانوالہ گیٹ سے باہر سرکلر روڈ پر لایا گیا۔ جوں جوں جنازہ آگے بڑھ رہا تھا، توں توں ہجوم میں بھی اضافہ ہو رہا تھا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے، جو پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ جنازے کے جلوس کے ہمراہ تھے یہ پیشکش کی کہ ہم ایک کھلی کار منگوائے دیتے ہیں حضرت کی چارپائی اس میں رکھ دی جائے مگر بانس بدستور اس کے ساتھ بندھے رہیں اسی طرح تمام لوگ اس بانس کو چھونے کی سعادت حاصل کر سکیں گے۔ حافظ حمیداللہ صاحب نے کہا کہ حضرتِ اقدس قوم کی امانت تھے۔ اگر قوم اس کے لیے تیار

ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن لوگوں نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔

حضرت کا جنازہ سرکلر روڈ پر براستہ دہلی گیٹ، اکبری گیٹ، شاہ عالمی گیٹ اور انارکلی، قبرستان میانی صاحب کی طرف بڑھتا گیا۔ یہاں سے پولیس کی ایک جیپ جنازے کے آگے آگے چلا دی گئی تھی تاکہ ہجوم کی وجہ سے جنازہ رُکنے نہ پائے اور آگے بڑھتا رہے۔ پولیس نے شیرانوالہ سے یونیورسٹی گراؤنڈ تک ٹریفک بند کر دیا تھا۔ حدِ نگاہ تک انسانوں کا سیلِ رواں نظر آتا تھا۔ دو رویہ مکانوں اور دوکانوں کی چھتیں عورتوں اور بچوں سے اَٹی پڑی تھیں۔ عورتیں چھتوں سے حضرتؒ کے جنازے پر پھول برسائیں۔

کم وبیش ساڑھے چار بجے کے قریب جنازے کا جلوس یونیورسٹی گراؤنڈ میں پہنچا۔ اندازاً ڈیڑھ دو لاکھ انسانوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی

نماز کے بعد گروہ عاشقاں اپنے محبوب شیخؒ کو کندھوں پر اُٹھائے قبر پر پہنچا اور اٹھارہ رمضان المبارک کی افطاری سے دس منٹ قبل حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی، مولانا عبید اللہ انور، حافظ حمید اللہ صاحب اور چند دیگر معتقدین نے حضرت قطب عالم مولانا غلام محمد صاحب دین پوری قطب الاقطاب حضرت مولانا سید تاج محمود صاحب امروٹی رحمۃ اللہ علیہما کی اس مشترکہ امانت کو لحد میں اُتار دیا اس طرح غروبِ آفتاب کے ساتھ علم وعرفان کا یہ آفتاب بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اک آسرا تھا دید کا باقی سو ہٹ گیا
سُنتے ہیں بند روزنِ دیوار کر دیا

کفن میں ملبوس وجود مبارک بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو سسکیوں نے فضا کو گھیر لیا۔ آہ و فغان بلند ہونے لگے۔ ہر شخص ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتا تھا مگر اپنی آنکھوں اور دل پر اس کو اختیار حاصل نہ تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ فضا اور ہوا شریک رنج وغم ہیں۔ بادل گرج کر اور بجلی چمک کر سلامی دے رہی تھی۔ آخر کارکنوں نے تیزی سے مٹی ڈالنا شروع کر دی۔ حضرت کے مقربین جو قبر کے نزدیک کھڑے تھے دُور کھڑے عشاق کی التجاؤں کا مرکز بنے ہوئے تھے وہ لوگ ان سے مٹی کے ڈھیلے مانگ رہے تھے تاکہ ان کے ہاتھوں سے چھوئی ہوئی قبر پر ڈالی جاسکے۔

جب قبر کا تعویذ تیار کیا جا رہا تھا تو روزہ افطار کرنے کا سائرن سُنا گیا۔ بہت سے حضرات افطاری کے لیے اشیائے خوردنی ساتھ لائے ہوئے تھے جن کو وہاں تقسیم کیا گیا۔ قبر کی تیاری کے بعد حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی نے دُعا فرمائی اور ہجوم آمین کہتا گیا۔ دُعا کے بعد مجمع گروہوں میں بٹ کر نمازِ مغرب کی ادائیگی کے لیے رخصت ہو گیا

مزارِ مبارک سے جنت کی خوشبو

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقدِ انور (قصبہ خارتنگ علاقہ سمرقند) سے خوشبو کا آنا متواتر ہے۔ آج بارہ سو سال سے وہاں کی معطر فضا زائرین کے ایمان کو تازہ کر رہی ہے۔ خداوندِ قدوس نے اپنی رحمت کا اظہار امام اولیاء مولانا احمد علی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی آرام گاہ پر بھی فرمایا۔ لاکھوں انسانوں نے اس خوشبو کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ تجزیہ اور تجربہ کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ واقعی مولانا کی قبر اور اس کے ارد گرد سے خوشبو آتی ہے۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ہر قبر اور ہر اُس جگہ سے جہاں کسی انسان کا بدن اصلی شکل میں، ذرات کی خاکی شکل میں یا مادہ سیال کی شکل میں پڑا ہو۔ وہاں سے بدبو یا خوشبو آتی ہے روحانی قوت سے مشرف حضرات اس کو محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے کہ موت فنائے کاملہ کا نام نہیں بلکہ انتقالِ

کا نام ہے۔ محدثِ عصر علامہ انور شاہ کاشمیری نے فرمایا۔

ع موت این طرف بود رستن آں طرف

اقبال مرحوم نے اسی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ؎

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دُور رہتا ہے

چنانچہ قرآن کریم نے موت کے فوراً بعد انسانی حیات قبر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: فاما ان کان من المقربین فروح و ریحان ۵ وجنت نعیم ۰ واما ان کان من المکذبین الضالین ۰ فنزل من حمیم

ترجمہ: پھر جب قیامت آئے گی اگر وہ مقربین میں سے ہے تو (اس کے لیے) راحت اور خوشبوئیں اور عیش کے باغ ہیں اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو کھولتا ہوا پانی مہمانی ہے۔

جناب رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: القبر روضۃ من ریاض الجنۃ وحفرۃ من حفر النیران (مشکوٰۃ)

ترجمہ: قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ بن جاتا ہے اور یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جاتا ہے۔

آئے دن اخبارات میں ایسے واقعات کثرت سے آتے رہتے ہیں کہ فلاں جگہ قبر سے آگ نکلی اور متواتر کئی دن تک شعلے بلند ہوتے رہے اور فلاں جگہ قبر سے آگ نکلی اور متواتر کئی دن تک شعلے بلند ہوتے رہے اور فلاں جگہ سے دھواں نکلتا رہا۔ العیاذ باللہ۔

قبر کا جنت کے باغوں میں سے باغ بن جانا بھی یقینی ہے جس کا مشاہدہ حضرت کے مزار پُر انوار سے ہو رہا ہے۔ جس وجود پاک نے ستر اسّی سال خداوند قدوس کی اطاعت میں گزارے جو تزکیۂ نفس کے اس بلند مقام پر فائز ہوا جس کی مثال اس کے معاصروں میں نہ مل سکی اس کی تربت سے خوشبو کا آنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ اسرارہم نے ارشاد فرمایا:

"وگفتہ اند کہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نوری از ایشاں بارہا نور دیدہ شد و بسیار خواص وعوام از مقابر صلحاء و شہدا نور مرتفع می بینند و ایں نور نفس زاکیہ ایشانست کہ چوں کار نفس عالی بود نور او در بدن سرایت می کند و طبع مزاج بدن می گردد و بانہ اگر نفس از بدن مفارق ہم می شود و تاہم آں جسد منبع انوار و منقد آں می باشد چنانچہ در حالت حیات و بقاء نفس بود۔"

(ص۸۶ از کتاب امداد السلوک مؤلفہ حضرت قطب الارشاد)

یعنی جو بدن اس دُنیا میں اطاعت خداوندی اور تزکیۂ نفس کے اعلیٰ مقام پر فائز رہتا ہے وہ اس جہان فانی سے چلے جانے کے بعد بھی انہی صفات کے ساتھ موصوف رہتے ہوئے مطلع انوار بن جاتا ہے۔ اس لیے اکثر اولیاء اللہ کے مزارات سے "نور" کا مشاہدہ عام و خاص لوگوں کو ہوتا رہتا ہے۔

انسان زندگی میں جن اعمال کا پابند رہا ہو موت کے بعد اس کی قبر سے وہ اعمال برزخی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم نور ہے تو عامل بالقرآن کے مزار پُر انوار سے نور کا ظاہر ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ حدیث میں عامل بالقرآن کو اس نارنگی سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا مزہ بھی لذیذ اور خوشبو بھی دل پسند ہوتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک صحابی نے ایک قبر سے سورہ ملک کو اتنی دفعہ سُنا کہ سُن سُن کر حفظ کر لی۔ (ترمذی)

مولانا عبیدُاللہ صاحب انور کی دستار بندی

یادگار سلف، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین حضرت مولانا عبدالہادی صاحب دامت برکاتہم سجادہ نشین دین پوری شریف (خلف اکبر، حجۃ اللہ فی الارض شیخ المشائخ غوث الاعظم حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری قدس سرہ العزیز) نے سُلطان الاولیاء قطب الاقطاب شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کی وصیت اور سلسلہ قادریہ راشدیہ کی روایت کے مطابق شیخ التفسیر علیہ رحمۃ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب

---

[1] حضرت اقدس رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ کو عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ قدس اللہ سرہٗ ۱۲۔

مدظلہ العالی کو ۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء کو بعد از نماز فجر باقاعدہ پگڑی بندھوائی اور حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کے متوسلین کو جملہ معاملات اور منازل سلوک میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے آپ سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔

سلسلہ قادریہ راشدیہ میں دستار بندی کا طریق شیخ المشائخ غوث زماں حضرت مولانا محمد ارشد صاحب قدس سرہ کے وقت سے چلا آتا ہے۔

بمئے سجّادہ رنگیں کُن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسمِ منزلہا

اکابر کے آخری لمحات

مولانا ظفر احمد وانگہ

حضرت مولانا حاجی امداد اللہ قدس سرہ

مرض وفات میں استغراق کے ساتھ ضعف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ کروٹ بدلنا دشوار تھا۔ بھوک بالکل جاتی رہی تھی۔ آخر ۱۳ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء کو چہارشنبہ کے دن فجر کی آذان کے وقت چوراسی سال کی عمر میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اور جنت معلیٰ میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے سادہ تاریخِ وفات نکالا۔ حیّ دخل الخلد ۱۳۱۷ھ

بیس بڑے مسلمان ص۱۰۱۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ چوتھی جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ جمعرات کو بعد نماز ظہر دم آخر ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ سانحہ کئی ہفتوں کے مرض کے بعد ہوا تھا۔ ایک قیامت بپا ہوگئی۔ گھر میں وسعت نہ تھی۔ مدرسہ میں لاکر جنازہ رکھا بعد غسل وکفن باہر شہر ایک قطعہ زمین کا حکیم مشتاق احمدؒ نے خاص قبرستان کے لیے اس وقت وقف کر دیا تھا وہاں اول حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دفن کیا (پھر اس قبرستان میں شیخ الہند حضرت مدنیؒ بھی دفن ہوئے ارشد) نماز جنازہ باہر شہر ہوئی۔ اتنا مجمع اِن بستیوں میں دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ بعد مغرب اس خزانہ خوبی کو سپرد زمین کر دیا اور ہاتھ جھاڑ کر چلے آئے (حوالہ بالا ص۱۳۲) کیا چراغ گل ہوا۔ مادہ ہائے وفات ــــ حضرت مولانا یعقوبؒ صاحب ــــ مصیبت پر مصیبت آئی ــــ مولوی فضل الرحمٰن دیوبندیؒ ــــ

(نوٹ یہی تاریخ اور دن وقت حضرت مدنیؒ کی وفات کا ہے)

قطب الارشاد سید الطائفہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ

کا حادثہ جو ۸ یا ۹ جمادی الثانی علی اختلاف رویتہ الہلال ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء جمعہ کے دن چاشت کے وقت ہوا وہ منظر اب تک آنکھوں کے سامنے ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد تدفین عمل میں آئی۔ صبح کے بعد سے جنازہ کے اٹھنے تک اس قدر سناٹا تھا کہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں آدمی کی آواز ہی نہیں کسی جانور کی آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی۔ لب ہر شخص کے ہل رہے تھے۔ اس قدر مکمل سکوت کہ قرآن شریف کی بھی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ حفاظ بھی قرآن پڑھ رہے تھے۔ ناظر خواں بھی مسجد میں بیٹھ کر تلاوت کثرت سے کر رہے تھے نماز جنازہ حضرت صاحبزادہ کے حکم سے حضرت شیخ الہندؒ نے پڑھائی تھی۔ (حضرت شیخ کی آپ بیتی ص۲۵)

تاریخ ہائے وفات

حیّ دخل الخلد ــــ حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ ــــ اِنہ فی الاخرۃ لمن الصالحین ــــ شیخ الہندؒ ــــ کنت حمید مُت شہیداً شاہ عبدالرحیمؒ۔ (بیس بڑے مسلمان ص۲۲۵)

شاہ عبد الرحیم رائے پوری قدس سرہٗ

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ میں حضرت اقدس قطب الانقیاء حضرت شاہ عبدالرحیم نور اللہ مرقدہ کا وصال ہوا۔ حضرت اقدس سہارنپوری نے ایک شب پہلے خواب دیکھا کہ چاند گرہن ہو گیا ہے دیکھتے ہی بے چینی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اماں جی مرحومہ نے حضرت سے عرض کیا۔ کیا بات

ہوئی حضرت سہارنپوری نے فرمایا۔ خواب دیکھا ہے۔ مولانا شیخ الہند محمود الحسن اور حضرت شاہ عبدالرحیم عرصے سے بیمار ہیں اللہ ہی خیر فرمائے۔ علیٰ الصبح حضرت نے جانے کا ارادہ فرمایا۔ مجھے یہ خواب اسی طرح یاد ہے۔ تذکرہ الخلیل صفحہ ۲۹۷ میں کچھ معمولی تغیر خواب نقل ہے دوسرے دن حضرت کا وصال ہو گیا جنازہ رائے پور تشریف گیا۔ (آپ بیتی حضرت شیخ صفحہ ۲۵۱)

حضرت اقدس شیخ الہند محمود الحسن قدس سرہ

حضرت شیخ الہند کی بیماری تو پہلے ہی تھی اسی طرح بیمار ہی ایک جلسہ کی صدارت کے لیے تشریف لائے (ظفر) ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ بوم سہ شنبہ کو ۳۰ نومبر کو طبیعت میں انقطاع عن الدنیا توجہ الی الآخرۃ الی رفیق الاعلیٰ کا گمان غالب آنے لگا۔ چار پائی کے گرد حاضرین خاموشی سے اور آہستگی سے ذکراللہ میں مشغول تھے اسی حالات میں حضرت نے اس غیر فانی اور واجب الوجود ہستی کو یاد کیا جس کے نام پر اپنے آپ کو محو کر دیا تھا۔ یعنی بلند آواز سے تین مرتبہ اللہ اللہ اللہ فرمایا حضرت مولانا شبیر احمد کا بیان ہے کہ حضرت نے تھوڑی دیر آنکھ کھول کر چھت کی طرف دیکھا پھر فرمایا مرنے کا کچھ افسوس نہیں ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ بستر پر مر رہا ہوں۔ تمنا یہ تھی کسی میدان جہاد میں ہوتا اور اعلاء کلمۃ الحق کے جرم میں میرے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاتے اس کے بعد بلند آواز سے اللہ اللہ سات مرتبہ کہا آٹھویں مرتبہ آواز بند ہو گئی حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی نے سورہ یٰسین شروع کی مگر وہ جوش گریہ سے پوری نہ ہو سکی۔ اس لیے مولوی حافظ الیاس صاحب نے پڑھنا شروع کیا سورۃ قریب الختم ہوئی تو حضرت نے خود بخود حرکت کر کے اپنا بدن سیدھا کر لیا ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر سیدھی کر لیں۔ اور ۸ بجے جب مولوی صاحب بالکل آخر پر پہنچے تو حضرت نے آنکھ کھول کر اور تصدیق قلبی کی تصدیق کیلئے زبان کو حرکت دی اور خاص الیہ راجعون کی آواز پر قبلہ رُخ ہو کر ہمیشہ کے لیے آنکھ بند کر لی (بیس بڑے مسلمان صفحہ ۳۰۱)

حضرت مولانا خلیل احمد قدس سرہ

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ناکارہ حضرت اقدس کے ساتھ سفراً حضراً ہر وقت کا حاضر باش۔ لیکن وصال کے وقت دور کر دیا ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ میں مدینہ منورہ سے واپسی ہوئی۔ اور ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ بروز چہارشنبہ جب کہ عرب کی ۱۶ اور ہندوستان کی ۱۵ تاریخ تھی۔ میرے حضرت اقدس قدس سرہ نے مدینہ پاک میں وصال فرمایا۔ مولانا طیب مغربی صدر مدرس مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ نے مصلی الجنائز میں نماز پڑھائی۔ اور وہیں دفن ہوئے (آپ بیتی صفحہ ۲۵۸)

حضرت اقدس حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ

حضرت تھانوی نے دوشنبہ بعد نماز مغرب پوچھا اپنی چھوٹی رفیقہ حیات سے کہ کیا میں دونوں کا ماہوار خرچ دے چکا ہوں یاتسلی دلائی گئی کہ ہمیں بہت کچھ مل چکا ہے۔ آپ دے چکے ہیں۔ بے فکر رہیں۔ پھر فرمایا آج تو ہم جا رہے ہیں۔ گھر والوں نے عرض کیا کیا فرمایا تم نہیں جانتی۔ اس کے بعد پھر جو غشی طاری ہوئی۔ تو سوا گھنٹہ تک ہوش نہ آیا۔ سانس تیزی سے اوپر آتا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی درمیانی انگلی کے بیچ سے اور شہادت کی انگلی کے بیچ سے ایک ایسا نور تیز روشنی نکلتی تھی کہ جلتے ہوئے قمقمے ماند پڑ جاتے تھے۔ یہ روشنی سانس کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ آتی تھی۔ اور جاتی تھی۔ جب آپ رخصت ہوئے تو یہ روشنی بھی غائب ہو گئی۔ آپ کا وصال سہ شنبہ کی (یعنی ۱۹، ۱۷ رجب ۱۳۶۲ھ ۲۰، ۱۹ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی رات ۸۲ سال ۳ ماہ اور ۱۱ دن کی عمر پا کر وصال فرمایا (اشرف السوانح صفحہ ۲۲)

رئیس المبلغین بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہ

حضرت شیخ عزیزہ فرماتے ہیں کہ میرے چچا جان کا وصال ۲۱ رجب ۶۳ھ اور ۱۳ جولائی ۴۴ء بروز پنجشنبہ بوقت اذان صبح ہوا (آپ بیتی صفحہ ۲۴۳)

حضرت مولانا محمد یوسف عرف حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ

مورخہ ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۶۵ء بروز جمعۃ المبارک لاہور بلاک پارک میں ہوا جنازہ دہلی لے جایا گیا۔

حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال بھی حضرت نانوتوی والی تاریخوں میں یعنی ۱۳ جمادی الاولیٰ بروز جمعرات بعد نماز ظہر ہوا

نشر ہو گئی پہ نزے ملک سے لوگ آ رہے تھے ۔ قریب کے آ رہے تھے ۔ مگر تاخیر سے پہنچنے کے لئے حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے ایماء پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی ۔ قبرستان اگرچہ ایک فرلانگ کے فاصلہ پر تھا مگر بیس پچیس ہزار انسانوں کے جم غفیر کو میت کے ساتھ وہاں پہنچتے پہنچتے دو گھنٹے لگ گئے ۔ بالآخر حضرت شیخ الاسلام کا جنازہ اپنے دو عظیم پیش رؤں حضرت نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے پاس پہنچ گیا ۔ اور عین اس وقت کہ خاص تہجد کے وقت جو کہ خدا کا اپنے بندوں سے ملاقات کا خصوصی وقت ہے دفن ہوئے (بیس بڑے مسلمان صـ۵۱)

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت شیخ التفسیر سیدنا مرشدنا مولانا احمد علی قدس سرہٗ کے آخری لمحات مولانا عبید اللہ انور کی زبانی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے قبل تیمم فرمایا ۔ اور نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے ۔ پھر دعا کرتے رہے ۔ پھر فرمایا روزہ افطار ہو گیا ہے ہم نے عرض کیا جی ہاں ۔ فرمایا میرا روزہ افطار کراؤ ۔ پانی لاؤ والدہؒ نے کہا پانی پی لیں فرمایا اچھی بات ہے ۔ پینے میں پہلے نماز پڑھ لیں اس حالت میں رہے ۔ جیسے حضرتؒ کی دعا تھی کہ یا اللہ نماز قضاء نہ ہو درس کا ناغہ نہ ہو اسی طرح ہوا ۔ نماز تو کوئی قضاء نہ ہوئی اس دن تراویح نہ پڑھ سکے ۔ نوافل پڑھتے پڑھتے بیچ میں اٹھ کر معانقہ کرنے لگتے اور مصافحہ کیا ۔ والدہؒ فرمانے لگیں کسی سے مل رہے ہیں ۔ میں نے عرض کیا آپ بھی دیکھ رہی ہیں ۔ جب آپ مسکرا کر ملا کرتے تھے تو ایک دانت نظر آتا تھا پھر یہی کیفیت پیدا ہوئی ۔ اس کے بعد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر قبلہ رخ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ۔ (۲ جولائی کا خدام الدین صـ ۱۹۷۱ء)

میرے حضرت پیرو مرشد مفتی بشیر احمد نقشبندی قادری خطیب شاہی مسجد پسرور کا انتقال ۸ ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ اور ۲۲ دسمبر ۱۹۷۴ء کو ہوا حضرت اقدس مفتی بشیر احمد صاحبؒ کو دل کی تکلیف تھی ۔ آخری وقت میں آپ نے اللہ اکبر کہا اور روح پرواز کر گئی انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ جناب صاحبزادہ قاری مولوی رشید احمد صاحب اسی سال حج پر گئے ہوئے تھے وہ میدان عرفات میں دعاؤں میں مشغول تھے ادھر اباجی کے جنازہ کی تیاری ہو رہی تھی حضرت کا جنازہ مولانا عبدالقیوم صاحب استاذ الحدیث نصرۃ العلوم نے پڑھائی لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا ۔ دکانیں بند ہو گئیں پسرور کی تاریخ میں اس طرح کا جنازہ پسرور والوں نے نہ دیکھا تھا ۔ جنازہ سے پہلے مولانا فیروز خان صاحب نے کچھ تقریر فرمائی تو لوگوں کی آنکھوں سے برسات کی طرح آنسو بہہ رہے تھے ۔ مجھے واہگہ فون پر اطلاع ہوئی صبح ہی پسرور پہنچ گیا دیکھا کہ حضرت کا حسین جمیل چہرہ سفید کفن میں ملبوس گویا سوئے ہوئے ہیں لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا ایک طرف لائین سے مرد عورتیں بچے ، بوڑھے آتے اور زیارت کر کے گزر جاتے تھے ۔ ہر ایک آنکھ پر نم تھی ۔ جب شام کو جنازہ دفن کر کے فارغ ہوئے تو ایک شخص نے یہ کہا تو گویا جس کسی نے حضرت کا کچھ دینا ہو وہ تو قاری رشید احمدؒ آئیں گے تو دینا ہاں جس نے کچھ لینا ہو تو میں حاضر ہوں ۔ مجمع بہت تھا مگر کوئی بولنے والا نہیں تھا ۔ کچھ دور والے حضرات کے پینے کھانے کا انتظام بھی تھا میرا اور مولانا محمد اسحاق صاحب باغبانپورہ والوں کا روزہ تھا ہم نے بس میں روزہ کھولا اور لاہور واپس آ گئے ۔

یہ امیر خسروؒ کا شعر جو انھوں نے اپنے پیرو مرشد محبوب الٰہی سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین کی قبر پر کہا تھا ۔ یہ میری زبان پر تھا اور واقعی اس حال میں ہم سب تھے ۔

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر اپنے سانجھ بھئی چودیس

شمارہ جنوری ۱۹۷۵ء خدام الدین نے اس طرح اطلاع کی ۔

شمع محفل بجھ گئی

قارئین خدام الدین یہ خبر نہایت رنج و الم کے ساتھ پڑھیں گے کہ قطب عالم حضرت لاہوریؒ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا بشیر احمدؒ پسروری انتقال فرما گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون موصوف حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے

شاگردوں میں اور حضرت لاہوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ سنت رسولؐ کے پابند اور نمونہ اسلاف تھے (تمت بالخیر)

قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ

آخر یہ آفتاب حکمت ہدایت زندگی کی تقریباً نوے منزلیں طے کرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء کو لاہور کے مقام پر حضرتؒ کا انتقال ہو گیا۔ جنازہ لاہور سے ڈھڈیاں لایا گیا۔ نماز جنازہ لاہور، لائل پور، سرگودھا اور ڈھڈیاں چار مقامات پر پڑھی گئی۔ اور اور پنج شنبہ جمعہ کی درمیانی رات کو ڈھڈیاں شریف میں مسجد کے پہلو میں سحری کے وقت دفن کیے گئے۔

مادہ تاریخہائے قطبِ ملت شاہ رائپوری، (۱۳۸۲ھ)

ے عارف رانما شاہ رائے پوری ــــ قطبِ ملت دوراں مولانا عبدالقادر

ے واصلِ حق شد مرشدِ ما | واصل حق شد قطبِ ملت
سال وصالش ہدر بگفتہ | در تہ صفش شیخ الامت

ــــ ۱۳۸۲ھ ــــ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ

۲ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ کو آخر شب کے آخری حصہ میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ (ولادت ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء وفات ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء بیس بڑے مسلمان ص ۳۶۹)

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء وفات ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء میں ہوئی (بیس بڑے مسلمان)

ماخوذ از اخبار نئی دنیا یکم جنوری ۱۹۵۳ء ستر کروڑ مسلمانوں کے مذہبی پیشوا

مفتیٔ اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی وفات کی خبر رات کو جوں ہی شہر میں پھیلی سناٹا چھا گیا۔ نماز جنازہ مولانا احمد سعیدؒ نے پڑھائی نماز جنازہ ایک لاکھ آدمیوں نے پڑھی جبکہ جنازہ جا رہا تھا تو دہلی دروازہ تک ڈیڑھ لاکھ آدمی شریک تھے۔ ولادت ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء وفات ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ

ولادت ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۵ء کو ہوئی اور وفات ۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء کو ہوئی ہے۔ دنیا میں کوئی زمانہ رہ جاتے گا علامہ عثمانیؒ اس پیری میں کام کرنے کے قابل نہ تھے۔ اس پر مزید آئے دن بیماری کے حملے۔ چنانچہ قدرت نے آپؒ سے جو کام لینا تھا اس کی تکمیل کے بعد آپ بتاریخ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء اپنے جوار رحمت میں بلا لیا۔ آپ کا مزار کراچی میں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور

ولادت ۱۲۶۵ھ / ۱۸۷۸ء ہے اور وفات ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء کو ہوئی آپ کی وفات یکم جون ۱۹۶۱ء بروز جمعرات ساڑھے بارہ بجے ہوئی

امام الہند حضرت مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء وفات ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء کو ہوئی۔ ۱۹ فروری ۱۹۵۸ء کو پانچ بجے صبح حسب معمول امام الہندؒ چائے پی کر غسل خانہ میں گئے یکایک جسم کے دائیں حصہ پر فالج نے حملہ کر دیا۔ اور بے بس ہو گئے۔ اور بالآخر ۲۲ فروری کی درمیانی شب میں دو بج کر دس منٹ پر موت نے اس عظیم انسان کے لیے اپنا دامن وا کر دیا جو اس دور میں سب سے بڑا مسلمان۔ سب سے بڑا انسان سب سے بڑا ہندوستانی تھا (بیس بڑے مسلمان ص ۷۷۹)

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء وفات ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء حضرت مولانا گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے ہوئے تھے۔ وہیں وفات ہوئی۔ اور بیت المقدس میں جگہ ملی بیت المقدس مسجد عمرؓ کے پاس دفن ہیں (تاریخ وفات ۴ جنوری ۱۹۳۱ء ہے بیس بڑے مسلمان ص ۸۲۵)

مورخ اسلام حضرت مولانا سید محمد سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ

ولادت ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء وفات ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء ہوئی۔ حیات مستعار کے آخری ایام میں سید صاحب رح کی صحت کافی گر گئی تھی خوراک برائے نام رہ گئی تھی۔ جس کے نتیجے میں کچھ عرصہ بعد تنفس کی شکایت پیدا ہو گئی۔ جو بعد میں ہمیشہ کے لیے رہ گئی اور بعد میں جان لیوا ثابت ہوئی اتوار ۱۴ ربیع الاول مطابق ۲۲ نومبر کی رات آنکھوں میں کٹی اگلے دن شام اللہ کو پیارے ہو گئے۔

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح

ولادت ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۱ء وفات ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء ہوئی اور ملتان میں دفن ہوئے۔

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمتہ اللہ علیہ

ولادت ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۱ء اور وفات ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء میں ہوئی

حضرت استاذ المحدثین والمفسرین مولانا محمد رسول خان رحمتہ اللہ علیہ

حضرت اقدس کو یکم رمضان کو معمولی سا بخار آیا پہلے دن کھڑے ہو کر دوسرے تیسرے دن بیٹھ کر نمازیں ادا کیں آپ کے نواسے کی روایت ہے کہ آخری وقت میں فرمایا جگہ خالی کر دیں معزز مہمان آتے ہیں پھر خود ان سے مصافحہ بھی فرماتے رہے۔ آخری وقت میں لیٰس کی تلاوت شروع فرما دی اپنے نواسے شفیق الرحمٰن سے بھی فرمایا تم بھی لیٰسین پڑھو۔ میں تمہارے ساتھ پڑھتا ہوں کہیں غلطی نہ ہو جائے۔ چنانچہ پوری سورت پڑھ کر یہ کلمہ فرمایا واللّٰہ خیرٌ حافظًا وّھو ارحم الرّٰحمین اور یہ پڑھتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی ۳ رمضان ۱۳۹۱ھ کو وفات ہوئی نماز جنازہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان نے پڑھائی۔ (سوانح مولانا رسول خان ص۱۱۴)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رح

حضرت رح ۱۷ اکتوبر بروز پیر وار پانچ بجے کے قریب دل کا ایک سخت دورہ پڑا۔ جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اس وقت کے موجودہ سٹاف سے حضرت نے فرمایا۔ ہمیں تو مہمان لینے کے لیے آ گئے بس ہم تو چلے پھر زور سے کلمہ پڑھا۔ اور السلام علیکم کہہ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنے حقیقی مالک سے جا ملے (خدام الدین بنوری نمبر ص۱۹۳)

احسان بی اے

حضرت کا سفرِ آخرت

اعلان کیا گیا تھا کہ مولانا احمد علی مرحوم کی نمازِ جنازہ ۳ بجے بعد دوپہر یونیورسٹی گراؤنڈ میں پڑھی جائے گی میں جب گراؤنڈ میں حاضر ہوا بہت بڑا ہجوم گراؤنڈ کی وسعتوں میں منتشر تھا بوڑھے تھے جوان تھے نوخیز لڑکے تھے اور اس کے علاوہ مستورات کی خاصی بڑی تعداد اس مردِ درویش کے آخری دیدار کرنے کے لئے حاضر ہوئی تھی جنازہ ابھی نہیں پہنچا تھا اور لوگوں کی کثیر تعداد دو بجے سے انتظار میں تھی اس روز نوجوانوں کی تعداد بھی بزرگوں کے شانہ بشانہ عصر کی نماز پڑھ رہی تھی جگہ جگہ سیدھی دور دور تک کھینچی ہوئی صفیں قائم تھیں جھکے ہوئے سیاہ بادلوں کی "سقفِ رواں" کے نیچے گذشتہ رات کی بارش میں بھیگی ہوئی گھاس پر لاہور کے نیک بندے قبلہ رو کھڑے تھے اس سے ذرا ہٹ کر ایک بہت بڑا ہجوم جمع تھا لاؤڈ سپیکر پر دین پوری مدرسہ فکر کے رہنما مولانا عبداللہ درخواستی تقریر فرما رہے تھے تھوڑی دیر بعد مجمع سے کسی نے مولانا کو وقت کی طرف متوجہ کیا مولانا نے تقریر بند کر دی، اذان دی گئی اور اللہ کے ہزاروں بندے اظہارِ عبودیت کے لئے صفیں درست کرنے لگے وہ روح جس نے مولانا احمد علی کو عظیم بنا دیا تھا یونیورسٹی گراؤنڈ کے ہر ذرّے پر زندہ اور تابندہ دکھائی دے رہی تھی۔

آواز بلند ہوئی جنازہ آ رہا ہے اور لوگ سڑک کی جانب دوڑ پڑے۔ میں گراؤنڈ کے مغربی کنارے پر بنی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھ گیا بے پناہ اور بے انداز ہجوم گراؤنڈ کی طرف آنے والی ہر سڑک پر برساتی نالے کے سے جوش و شور کے ساتھ بہتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ جین مندر کے قریب سے آنے والی سڑک پر آدمیوں کا حلقہ بڑھتا دکھائی دیا جنہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے بسیں بند ہو گئیں، موٹریں ٹھہر گئیں تانگے دوسرے راستوں پر چلے گئے ٹریفک کلی طور پر معطل ہو گئی حلقہ گراؤنڈ کے قریب والی سڑک پر چلتا ہوا سیڑھیوں کے عقب کی طرف بڑھا اور انسانی سروں کی ایک بہت بڑی چادر بڑھتی ہوئی دکھائی دی جو کبھی درختوں کی شاخوں اور تنوں کی اوٹ میں آ جاتی کبھی دکھائی دینے لگتا۔ میرے ارد گرد کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ جنازہ آ گیا لیکن میرے علاوہ کئی اور بھی تھے جن کی نگاہیں اس بات کی تصدیق کرنے سے عاجز تھیں اور آخر ایک آدمی نے ہمیں دکھایا "وہ بانس دکھائی دے رہا ہے" "کلمہ پڑھو" اور سینکڑوں آوازوں نے کلمہ طیبہ کا ذکر شروع کر دیا سروں کی چادر سیڑھیوں کے عقب کی طرف سے مڑی اور چارپائی صاف نظر آنے لگی لمبے بانسوں کے نیچے بے شمار کندھوں پر آہستہ آہستہ ڈولتی ڈالتی ہماری طرف بڑھ رہی تھی جنازے کے ساتھ آنے والوں کی آواز قریب سے قریب تر ہو کر صاف ہو گئی آسمان سے زمین تک "لا الٰہ الا اللہ" کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

چارپائی ہمارے قریب آئی اور قریب! آگے کھڑے لوگوں کو بٹھا دیا گیا اور میں نے دیکھا سرخ گلاب کے پھولوں کی چادر میں سے نکلا ہوا سر جس کے دودھ جیسے سفید لمبے بال کنگھی کر کے پیچھے کی طرف سنوار دیئے گئے تھے مولانا احمد علی مرحوم کا جسدِ خاکی ارادت گزاروں کے کندھوں پر ہلکے ہولے ہلکورے لیتا ہوا میری نگاہوں سے قریب تر ہوتا چلا گیا اور پھر مجھے پیشانی نظر آئی۔ کشادہ خوبصورت پیشانی جس پر ستر سال کے سجدوں کے نشان مرتسم تھے میرے دل نے بڑی ہی بلند آواز میں پکارا۔ کون کہتا ہے کہ دنیا چھوڑنے کے بعد آدمی سب کچھ یہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے سکندر بادشاہ جب دنیا سے چلا تو اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے لیکن فقیر مولوی احمد علی اپنی زندگی بھر کی کمائی اپنے ساتھ لے کر جا رہے تھے یہ دنیا ان کی کمائی کا ایک حبّہ تک چھیننے میں ناکام رہی تھی۔

جنازہ ہمارے قریب سے گزر گیا ہم لوگ نیچے اترے، انتشار سمٹنے لگا صفیں درست ہونے لگیں اور لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہوا کہ علماء پاکستان کے متفقہ فیصلہ کے مطابق مولانا مرحوم کے صاحبزادے مولانا عبیداللہ انور نمازِ جنازہ پڑھائیں گے اور چند لمحوں میں نمازِ جنازہ ادا ہو گئی ہجوم چھٹنے اور بکھرنے لگا لاتعداد انسان اپنی اپنی راہوں پر چل دیئے

جنازہ میانی صاحب میں حضرت طاہر بندگیؒ کے احاطہ میں پہنچ گیا ہجوم بے انداز تھا اور اگر پولیس کا ایک جتھہ اسے خوش اسلوبی کے ساتھ قابو میں نہ رکھتا تو یقیناً بدنظمی پیدا ہو جاتی۔ مولانا کی فقیرانہ زندگی کے سادہ ساتھی قبر تک ساتھ آئے تھے۔ افطار سے چند منٹ قبل مرحوم کو آغوشِ لحد میں سلا دیا گیا۔



میانی صاحب کا شہرِ خموشاں

محمود شام

لاہور بڑا شہر ہے۔

لاہور قدیم، تاریخی روایات کا شہر ہے۔

لاہور اٹھیس لاکھ کی آبادی پر مشتمل ہے۔

لاہور میں بڑے بڑے لوگ منتخب علمی ہستیاں، مقتدر دانشور، عظیم سیاستداں رہتے ہیں۔

لیکن لاہور کے اندر ایک لاہور سے بھی بڑا شہر آباد ہے۔

جس کی روایات لاہور سے بھی قدیم ہیں۔

جس کی آبادی لاہور سے بھی زیادہ ہے۔

جہاں وہ منتخب روزگار علمی ہستیاں، معزز دانشور، اور باکمال سیاستداں خوابیدہ ہیں جن سے آج کی مقتدر شخصیتوں نے اکتساب فیض کیا جو آج کے علمی و ادبی بزرگوں کے لئے روشنی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ شہر خاموشاں جس کی آبادی اب کروڑوں میں ہے میانی صاحب کا قبرستان کہلاتا ہے۔ ۶۴۶۰ مربع ایکڑ کو محیط اس شہر میں ہماری عظمت رفتہ دفن ہے۔ لاہور کے اس خاموش علاقے میں پاکستان کا تابناک ماضی ابدی نیند سو رہا ہے۔

ایک طرف لاہور کے روحانی و دینی رہنما مولانا احمد علی خوابیدہ ہیں تو دوسری طرف اُردو کے سرپرست سر عبدالقادر آرام فرما ہیں شاعرِ رومان اختر شیرانی بھی بہن بیٹی کو سینے سے لگائے دنیائے تخیل آباد کئے ہوئے ہیں اور ایک گوشے میں اردو کا سب سے بڑا افسانہ نگار سعادت حسن منٹو خود ایک لافانی افسانہ بن کر محو استراحت ہے۔ ادھر آئیے، یہ دیکھئے غازی علم دین شہید کی روح ہمیں اپنی طرف بلا رہی ہے۔ ہاں اس مقام پر منوں مٹی کے نیچے ایک ایسا جسم دفن ہے جس نے عشقِ رسول کا حق ادا کر دیا۔ اور محبت کی قربان گاہ پر اپنی جان کی قربانی دے دی جب اللہ اور رسول کے نام لیوا یہاں سے گزرتے ہیں تو ان کے سر عقیدت سے جھک جاتے ہیں۔ اور وہ علامہ تاجور نجیب آبادی کا آشیانہ ہے۔ اردو کے ایک قابلِ قدر شاعر، اردو کے محسن اب اس جگہ آرام فرماتے ہیں۔ ان کے پہلو میں ان کے جوان مرگ بھانجے ذکا درانی کا گھر ہے۔ ذکا درانی، جوان سال و جوان عزم ذکا۔ جسے اس شہر خاموشاں نے وقت سے بہت پہلے اپنے پاس بلا لیا۔ وہ لاہور ٹیلی ویژن پائلٹ سنٹر کے سابقون الاولون میں سے تھا اس شہر خاموشاں نے اپنا ایک گھر آباد کر لیا لیکن ادھر ایک گھر اور نہ جانے کتنے دل برباد کر دیئے۔

ذرا چند قدم اور ادھر چلئے۔ اردو کے شیکسپیئر، اردو میں سٹیج ڈرامہ کی بنیاد ڈالنے والے آغا حشر بھی ایک طرف خود ایک ڈرامے کا کردار بنے ہوئے ہیں۔ ایک طویل خاموش اداکاری میں مصروف ہیں۔ یہ ایک سڑک کے کنارے ایک خاموش گھنے درخت کے نیچے سطح زمین سے ذرا بلند اردو کے بے باک صحافی حمید نظامی مرحوم کی آخری آرام گاہ ہے۔ پہلے یہاں ایک تختی نصب تھی۔ آخری آرام گاہ حمید

اداریہ

دانائے راز

حضرت الامام ، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ ـــــ ع زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا۔ ان نادرۂ روزگار افراد میں سے تھے جو اپنی ذات میں ایک انجمن ، ایک ادارہ اور ایک تحریک ہوتے ہیں۔ اس قسم کے عبقری انسان جہاں بیٹھ جائیں وہیں جنگل میں منگل کا سماں پیدا کر دیتے ہیں اور اپنے سوزِ دروں سے ایک نئی دنیا بسا لیتے ہیں۔

نومسلم باپ (الشیخ حبیب اللہ قدس سرہٗ) کا یہ فرزند ـــــ جسے آج دنیا "الامام لاہوری"، "شیخ التفسیر" "سند العلماء" اور "مرشدِ برحق" جیسے عنوانات سے یاد کرتی ہے اور جس کی عقیدت و محبت بلاشبہ کروڑوں انسانوں کے دل میں ہے ـــــ جب دنیا میں وارد ہوا اور شکمِ مادر کے تہہ در تہہ اندھیروں سے اس جہان رنگ و بُو میں اس نے قدم رکھا تو اس کے والدین نے "امرأۃ عمران" کی سنّتِ قدیمہ پر عمل کرتے ہوئے اس ہونہار کو "محررٌ" بنا دیا اور اپنی پدری و مادری محبّت و الفت کو اللہ کے لیے قربان کر دیا۔

شیخ لاہوریؒ کے والدین نے "محرر" بنانے کا رسمی اعلان نہیں کیا بلکہ عملاً ایسا کر دکھایا اور اپنے ہی ایک عزیز ـــــ جنہیں نومسلم ہونے کا شرف حاصل تھا ـــــ اور جنہیں آج امامِ انقلاب و سیّد المجاہدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ـــــ یعنی مولانا عبیداللہ سندھیؒ ـــــ جن کی اسلام سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے کو عبیداللہ بن الاسلام کہتے ـــــ کے سپرد کر دیا ـــــ اس سپردگی سے قبل والدہ محترمہ کے پاس اور بعض دوسرے اساتذہ سے قرآنِ کریم اور کسی قدر ابتدائی تعلیم حاصل کر چکے تھے ـــــ مولانا سندھیؒ کا اندازِ تربیّت عام لوگوں سے کسی قدر مختلف تھا اور اس میں ایک گونہ سختی کا عنصر پایا جاتا تھا ـــــ لیکن یہ سختی "سونے" کے "پارس" بننے کے لیے از بس ضروری تھی ـــــ اور یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ آئندہ چل کر حضرت الامام لاہوری قدس سرہٗ کو وھابِ حقیقی نے اپنی عطاء و بخشش سے جو حصّۂ وافر عطا فرمایا اس میں جہاں دینے والے کی جود و بخشش کا کمال ہے وہاں لینے والے کی طلبِ صادق کے ساتھ ساتھ اس کے والدین کے خلوص اور ابتدائی درجہ میں امامِ سندھیؒ کی تربیّت کا بڑا دخل ہے۔

سیّد العارفین ، حضرت المخدوم ، الشیخ مولانا غلام محمد صاحب جھنگوی ثم دین پوری قدس اللہ سرہٗ و برّد اللہ مضجعہٗ ـــــ جو حضرت شیخ العالم ، امام المجاہدین مولانا محمود حسن دیوبندی کی تحریک کے عظیم ترین ممبر بلکہ قائد تھے۔ اور جن کے چہرۂ انور کی نورانیّت کی تاب حکیم الامت تھانویؒ جیسا عبقری نہ لا سکا تھا اور جن کی تربیّت کا ایک مظہر شیخ الاسلام والمسلمین مولانا السیّد حسین احمد المدنی جیسے صاحبِ صدق و صفا اور شیخ زمن تھے ـــــ ان کی بارگاہ علیا میں امام لاہوری کو نوعمری میں لے جانے والے امام سندھیؒ

ہی تھے ــــ گو کہ اس وقت امام لاہوری کم عمر تھے، لیکن مرشدِ دین پوریؒ کی نگاہِ بصیرت و فراست نے بھانپ لیا کہ یہ ہونہار مستقبل کا امام و قائد بننے والا ہے۔ اور اسے دنیائے معرفت و طریقت کا شیخِ اعظم بننا ہے ــــ پھر اُنھوں نے اس ہونہار بروا کو سینے سے جو لگایا تو دل کی کیفیّت بدل گئی ۹ سال کی عمر میں یہ بیعت ہوئی اور اس کے ساتھ ہی امروٹ شریف ضلع سکھر میں سلسلہ قادریہ راشدیہ کے گل سرسبد اور حضرت الشیخ السیّد مولانا تاج محمود قدس سرہٗ نے آپ کی بیعت کو قبول فرمایا ــــ آپ کے دونوں مرشد ــــ حضرت دین پوری و حضرت امروٹی ــــ ایک ہی سلسلہ مبارکہ کے شیخ تھے، ایک ہی شیخ کے فیض یافتہ تھے۔ آپس میں یک جان و دو قالب اور سیاسی و ملّی اعتبار سے بھی ہم مشرب و ہم ذوق تھے ــــ حضرت شیخ الہند کی تحریک ریشمی رومال سے دونوں متعلق اور آپ کے انتہائی معتمد ــــ ان دو عظیم خانقاہوں ــــ جو قرونِ اولیٰ کی خانقاہوں کا مظہر تھیں ــــ کے شب و روز نے الشیخ حبیب اللّٰہ کے بیٹے احمد علی کو اس مقام تک پہنچا دیا کہ ایک دنیا میں اس کا نام روشن ہو گیا۔ شیخ لاہوریؒ کی زندگی بلاشُبہ اس شعر کا مصداق تھی کہ

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں ؎
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

زندگی کا ایک ایک سال، سال کا ہر مہینہ، مہینہ کا ہر دن اور دن کا ہر لمحہ ایسا گزرا کہ مقصدِ حیات بھی رقصِ ناز کرنے لگا ــــ بلاشُبہ دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں ــــ انگلیوں پر شمار کرنے کے قابل ــــ جو مقصدِ زندگی کے لیے اپنی صحت و آرام اور اپنا ایک ایک لمحہ نثار کر دیتے ہیں۔

امام لاہوری جن خانقاہوں اور جن مدارس ــــ اور بالآخر جس مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے مکمل ہو کر نکلے ان کا جو مزاج و پروگرام تھا اس کے لیے شیوخ و اکابر کو ایک ایسا سپاہی ملا جو سپاہیانہ زندگی کا پوری طرح خُوگر تھا ــــ یہی سرشت و مزاج اسے دیوبند سے پیر جھنڈا لے گئی۔ جہاں اس نے چند سال مسند تدریس کو رونق بخشی ــــ وہاں سے وہ عروس البلاد دہلی پہنچا ــــ استاذ مکرم حضرت الشیخ محمود حسن قدس سرہٗ نے ہزار ارمانوں کے ساتھ جو درس گاہ بنائی تھی یعنی "نظارۃ المعارف القرآنیہ" اور جس کی نگرانی امام سندھیؒ کر رہے تھے، اس میں معاونت کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے دہلی آنا ہوا، یہیں دنیائے جدید کے نیک فطرت نمائندوں امام الہند محی الملۃ والدین مولانا ابوالکلام آزاد، مسیح الملک حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری رحمہم اللّٰہ جیسے افراد سے رابطہ ہوا ــــ ایک عرصہ تک قرآنی علوم و معارف کے جواہر لٹانے کے بعد ایسا ابتلاء آیا کہ آپ گرفتار ہو گئے ــــ اور راھوں (جالندھر) اور شملہ میں ایّامِ نظر بندی گزرنے کے بعد لاہور پہنچائے گئے ــــ نولکھا تھانہ کا یہ قیدی ــــ بظاہر قیدی تھا لیکن در اصل لاہور اور پنجاب کی قسمت جاگ اٹھی تھی۔ احمد علیؒ کی شکل میں خدا کی رحمت کا سایہ اس پر جلوہ فگن ہو چکا تھا ــــ جوں توں کر کے اسے رہائی ملی اور پھر وہ شیرانوالہ میں آ کر مقیم ہو گیا ــــ قدرت نے اس کے خلوص و کام کو شرفِ قبولیّت سے نوازا اور شیرانوالہ رشد و ہدایت کا مرکز بن گیا۔ امام لاہوریؒ نے ظلمت کدۂ لاہور میں عقائدِ صحیحہ کا چراغ روشن کیا تو انگریزی راج کے خفیہ مہروں کی توپ تکفیر حرکت میں آ گئی ــــ انگریز سے خفیہ راہ و رسم رکھنے والے یہ لوگ بندگانِ خدا کو کافر کہنا اپنی زندگی کا مقصد بنائے ہوتے تھے۔ انھوں نے

حسب روایت و عادت مشغلہ تکفیر شروع کیا۔ امام لاہوری ان کے اعوان و انصار، اساتذہ و شیوخ اور تمام اہلِ حق اس کی زد میں آ گئے۔ لیکن اہلِ جنوں ان باتوں سے کب گھبراتے ہیں۔ ان کا جذبۂ عمل تو اور زیادہ بیدار ہوتا ہے۔ وہ زخم کھا کر ابھرتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ وہ خلوص کے پیکر ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی خدمت دین سے عبارت ہوتی ہے اس لیے وہ غوغا آرائی کی پرواہ کیے بغیر اپنا سفر جاری رکھتے ہیں اور امام لاہوریؒ کا یہ سفر نصف صدی کے قریب جاری رہا تھا اور جب اس کے شیر کی بارگاہِ قدس میں حاضری کا وقت آیا تو رمضان المبارک کی قیمتی ساعات تھیں ــــ نہ کوئی ریڈیو پر بار بار اعلان تھا نہ منادی اور اخبارات میں چرچا لیکن جب جنازہ اٹھا تو عوام کے سیلِ بے کراں نے لاہور کا ٹریفک روک دیا۔ جنازہ کا جلوس دیکھ کر بڑے بوڑھوں کو غازی علم الدّین شہید کا جنازہ یاد آ گیا جس نے امیرِ شریعت پیر بخاریؒ کی تقریر سے متاثر ہو کر گستاخ راجپال کو جہنّم رسید کیا تھا ــــ اس واقعہ کو قریباً ۱۶ سال بعد اس گنہگار آنکھوں نے امام لاہوری سے لے کر علامہ اقبال اور مسٹر جناح تک سب کو کافر قرار دینے والے کا بھی لاہور میں جنازہ دیکھا ــــ جس کے لیے ریڈیو سے لے کر اخبارات تک میں ہر جگہ چرچا ہوا۔ شہر میں ٹیکسی پھری اور قدیم شہر کے ایک بڑے حصّہ میں جنازہ کا جلوس پھرایا گیا لیکن پھر بھی وہ مولوی مدن والی بات نہ بن سکی ــــ اور اس طرح امام صدق وصفا سیّد المجاہدین، غازی برحق، حضرت الامام السیّد احمد بن حنبل قدس سرہٗ کے مقولہ کی صداقت ایک بار پھر واضح ہو گئی کہ "ہمارا اور اہلِ بدعت کا فیصلہ جنازوں سے ہو گا"۔

امام لاہوری کو جب قبر میں اتارا جا رہا تھا تو آسمان آنسو بہا رہا تھا اور پھر دنیا نے اس کی قبر کی مٹی سے خوشبو سونگھی ــــ یار لوگ یہ سمجھے کہ عقیدت مندوں یا وارثوں کی شرارت و سازش ہے وہ اپنی دکان چمکانے کی غرض سے عطر کا چھڑکاؤ کر رہے ہیں۔ لیکن ملکی لیبارٹریوں نے مٹی کا تجزیہ کیا تو معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت الامام بخاری قدس سرہٗ کی حدیثی خدمات کے صدقہ جس طرح ان کی قبر سے خوشبو آئی تھی اسی طرح اب امام لاہوری کی قبر سے ان کی قرآنی خدمات کے صدقہ خوشبو آ رہی ہے ؎

ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یّشاءُ

امام لاہوریؒ نے جو خدمات سر انجام دیں ان کا تعارف کرانے کے لیے اس نمبر کا اہتمام کیا گیا۔ خدّام الدّین حضرت والا نے جاری کیا ــــ اس کا مقصد بنیادی طور پر آپ کے خطبہ و مجلس ذکر اور آپ کے معارف و علوم کی اشاعت تھی تا کہ جو لوگ یہاں آ کر فیض یاب نہیں ہو سکتے وہ دور رہ کر فیض یاب ہو سکیں ــــ اور پھر یہ رسالہ پوری دنیا میں پہنچا، اس کی ظاہری شکل و صورت بھی کوئی ایسی نہ تھی جیسے موجودہ صحافت کے تقاضے ہیں اور مضامین بھی سادہ و عام فہم ہوتے تھے۔ لیکن امام برحق کا خلوص تھا کہ بڑے بڑے جغادری صحافی شیرانوالہ کی چٹائیوں پر بیٹھنے والے درویش کی خدمت میں آتے اور اس کی بے پناہ اشاعت کا راز معلوم کرتے ــــ حضرت الامام قدس سرہٗ کے انتقال کو ۱۶ سال ہو چکے ہیں۔ اس اثنا میں ایک آدھ مرتبہ چند سرسری مضامین پر مشتمل خصوصی اشاعتیں سامنے آئیں لیکن مرحوم بانی کے شایانِ شان ایک نمبر کا ہنوز قرض تھا ــــ سال گذشتہ

کی ابتدا۔ میں جب قافلہ سالارِ ختمِ نبوّۃ حضرت العلام السیّد محمد یوسف البنوری قدس سرہٗ کی یاد میں اشاعتِ خصوصی سامنے آئی ——جس کو اللہ ربّ العزّت نے ہماری کمزوریوں کے باوجود شرفِ قبولیّت سے نوازا——تو ان سطور کے راقم نے ادارتی کالموں میں وعدہ کیا تھا کہ خدا نے چاہا تو حضرت لاہوریؒ سمیت دوسرے اکابر سے متعلق خصوصی نمبرات شائع کیے جائیں گے—— اور اس سلسلہ کی ابتدا، بانیٔ مرحوم کے ذکرِ خیر سے ہو رہی ہے۔ حضرت الامام کے جانشین و فرزند حضرت مولانا عبیداللہ انور کی خدمت میں جب ہم نے اپنا مطمع نظر پیش کیا تو انھوں نے کمال محبّت و شفقت سے اجازت مرحمت فرمائی——دعاؤں سے نوازا——مشورے فرماتے اور رہنمائی فرمائی——ہم نے رمضان ۹۸ھ میں چاہا کہ نمبر سامنے آ جاتے لیکن مضامین نگار حضرات کے "کرم" نے معاملہ یہاں تک پہنچا دیا——حتّٰی کہ راتے ونڈ کے عظیم عالمی اجتماع پر بھی نمبر نہ آ سکا۔ اور یوں سیّدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ارشاد کی قدم قدم پر صداقت سامنے آئی۔

عرفت ربّی بفسخ العزائم

واقعہ یہ ہے کہ اس تاخیر کا بنیادی سبب وہی ہے جس کا ہم نے اوپر اشارہ کیا اور اب بھی حالت یہ ہے کہ جن پر زیادہ تکیہ و اعتماد تھا انھوں نے چپ سادھ رکھی ہے۔ حتّٰی کہ ہمارے عریضہ کی رسید تک نہ ارسال کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں سینکڑوں خطوط لکھے لیکن افسوس کہ ہماری بار بار کی درخواست کو کسی نے درخورِ اعتنا۔ نہ سمجھا اور نقل تک ارسال نہ کی۔ ——خدا بھلا کرے عالمِ اسلام کے عظیم مفکّر مولانا السیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کا کہ انھوں نے البتہ تمام خطوط کی نقل ارسال فرما دی جو شاملِ اشاعت ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے اکثر حضرات نے اپنے مربّی و مرشد کے متعلق چند الفاظ لکھ کر ارسال کرنا مناسب نہ سمجھا حتّٰی کہ خط کا جواب تک نہ دیا——تاہم ہمیں شکوہ ہے نہ شکایت اور ہم ممنون ہیں ان کے بھی جنہوں نے تعاون نہیں کیا اور ان کے بھی جنہوں نے تعاون کیا——مکرّم مولانا زاہد الحسینی اٹک، مولانا قاضی محمد شمس الدّین گوجرانوالہ، مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، جناب محمد اسحاق بھٹی ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، مولانا حافظ ریاض احمد اشرفی سینئر ایگزیکٹو روزنامہ جنگ راولپنڈی، جناب ڈاکٹر سیّد عبداللہ، ڈاکٹر وحید قریشی ڈین پنجاب یونیورسٹی، جناب منظور الحق صدیقی کیڈٹ کالج حسن ابدال، والد بزرگوار مولانا محمد رمضان علوی، جناب اعجاز الحسن سنگھانوی ایم۔اے اور مولانا احمد عبدالرّحمان نوشہروی بطورِ خاص مستحقِ شکریہ ہیں۔ جنہوں نے ازرہ شفقت ہماری درخواست کو قبول کیا۔ آخرالذکر دوست "دانائے راز" کے نام سے حضرت الامام لاہوری کی سیرت مرتب کر رہے ہیں——انھوں نے اس کے لیے بعض نامی گرامی حضرات کی تحریریں من و عن ارسال فرما دیں——حتّٰی کہ ہم نے اپنے ادارتی کالموں کے لیے عنوان بھی یہی مستعار لے لیا۔ ہمیں اُمّید ہے کہ یہ کتاب بڑے اہتمام سے سامنے آئے گی اور جو حضرات ابھی تک توجہ نہیں فرما سکے وہ ان سے رابطہ قائم کریں گے۔

بیرونِ ملک کے حضرات میں حضرت العلام السیّد انور شاہ کاشمیری قدس سرہٗ کے صاحبزادگان مولانا سیّد محمد ازھر شاہ کاشمیری اور مولانا سیّد محمد انظر شاہ کاشمیری نیز مفکّرِ ملّت علامہ خالد محمود آف برمنگھم (برطانیہ)

نے مفصّل و بلسوط مقالے ارسال کیے ـــــ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

حضرت کی وفات کے موقعہ پر اور اس کے بعد مختلف مواقع پر ملک کے اخبارات و رسائل نے نمبرات شائع کیے۔ جن میں سے بعض انتہائی اہم مضامین حفاظت کی غرض سے شامل کر لیے گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ اخبار و رسائل ہمیں اپنے برادرِ محترم مولوی حافظ محمد عزیزالرحمٰن خورشید کی توسط سے ملے کہ انھوں نے بڑی محنت سے اسے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔

حضرت الامام لاہوریؒ کی مختلف حیثیات تھیں۔ جن میں سے ایک حیثیت جمعیۃ علمار اسلام کے مؤسس ثانی و امیرِ اوّل کی تھی ـــــ آئندہ چل کر بعض ایسے حوادث پیش آئے جو اپنے تھے ساتھ چھوڑ گئے ـــــ ان کی سیاسی راتے سے نہ ہم کل متفق تھے نہ آج ہیں ـــــ ہماری سیاسی رائے آج بھی حافظ الحدیث والقرآن مرشد درخواستی، مفکرِ اسلام، محمود الملّت والدّین مولانا مفتی محمود اور جانشین شیخ التفسیر مولانا انور کے ساتھ ہے۔ ہم کل کی طرح آج بھی جمعیۃ کے خادم ہیں۔ لیکن حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بچھڑے ہوؤں کے حافظہ میں یقیناً بہت سی باتیں تھیں اس لیے ہم نے بعض ایسے حضرات سے بھی رابطہ کیا اور ان میں سے بعض نے اپنے نگارشات ارسال کیے۔ ہم اخلاقی طور پر ان کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

اس مرحلہ پر بعض معاملات کی وضاحت از بس ضروری ہے۔

حضرت لاہوری قدس سرہٗ نے جہاں قرآن کریم کی پچاس سال تک خدمت کی ـــــ اور تحریک خلافت و ہجرت سے لے کر تحریکِ ختمِ نبوّۃ و احیاء اسلام تک میں ہر جگہ مثالی کردار ادا کیا وہاں "دفاع" کے محاذ پر بھی قابلِ قدر خدمات سر انجام دیں اور یہاں بھی ان کی حیثیت قائد و رہنما کی تھی۔ انھوں نے مرزائیت کو للکارا، رفض و سبائیت سے نبرد آزما ہوتے۔ اہل بدعت و ہوا سے پنجہ آزمائی کی، انکارِ حدیث کے فتنہ کو موت کی نیند سلایا، انگریز اور اس کے گماشتوں کو آڑے ہاتھوں لیا، علامہ مشرقی کے افکار پر علمی تنقید فرمائی، لیکن جب سکندری وزارت نے خاکساروں پر ظلم توڑا اور لاہور کے اکثر علماء نے اپنی مساجد پر تالے چڑھا دیئے تاکہ خاکسار وہاں پناہ حاصل نہ کر سکیں تو آپ نے مسجد شیرانوالہ کو فراخ حوصلگی سے کھول دیا اور سکندری وزارت کو سربازار للکارا ـــــ اور آخر میں انھوں نے جماعتِ اسلامی اور اس کے امیر سابق جناب مودودی صاحب کے مزعومات پر نکتہ چینی کی اور سخت ـــــ اس نکتہ چینی میں ایسے ہی خلوص تھا اور دیانت جس طرح ان کی باقی دینی خدمات میں خلوص و دیانت تھا ـــــ یہ سلسلہ بڑھا بات کورٹ تک پہنچی لیکن یار لوگ سامنا نہ کر سکے ـــــ اُس دور میں نوائے وقت نے بھی صورتحال کا تجزیہ کیا ـــــ ہمیں آج کے نازک دور میں ان مسائل و معاملات کے چھیڑنے میں کوئی خوشی نہیں کیونکہ یہ دور انتہائی نازک ہے ـــــ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اُدھر سے حسب معمول سنگ باری ہو رہی ہے ـــــ السیّد بنوری دنیا سے رخصت ہوئے تو جماعت کے سرکاری آرگن "ایشیا" نے انھیں جی بھر کر کوسا اور انھیں ہی نہیں شیخ الاسلام مدنی اور محدّث کبیر مولانا محمد زکریا سہارنپوری ثم مدنی سمیت کسی کو بھی معاف نہ کیا ـــــ اور ابھی اکتوبر ۱۹۷۸ء ترجمان القرآن میں ـــــ جو مودودی صاحب کا ذاتی پرچہ ہے ـــــ "بیّنات" کے "بنوری نمبر" پر تبصرہ کرتے ہوتے

سیّد بنوری اور دوسرے علماء اور اہلِ حق کے جس طرح لتّے لیتے گئے ہیں وہ ایک المیہ سے کم نہیں۔ بعض مضامین میں ان مسائل پر تبصرہ ہے لیکن علمی اور شریفانہ انداز میں کہ ہمارا مقصد کسی کا دل دکھانا نہیں۔ اگر دوسری طرف سے خلوص و محبّت کا اظہار ہو گا تو ہم اس کی قدر کریں گے اور اس سے کہیں بڑھ کر—آخر میں ایک بات کا ذکر کرنا از بس ضروری ہے وہ یہ کہ اس مرحلہ پر جہاں اتحاد کی فضا کو قائم رکھنا از بس ضروری ہے اور ہمارے حلقہ کے اکابر و اصاغر اس معاملہ میں روایتی کردار کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ وہاں اپنی روایات و معتقدات اور اپنی تاریخ کا تحفّظ بھی از بس ضروری ہے—صورتِ یہ ہے کہ یار لوگ تاریخ مسخ کر رہے ہیں—مثلاً خاندان الوری کے "محدّثِ اعظم" کے انتقال پر ایک قومی اخبار نے انہیں حکیم الامّت حضرت الامام الشاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے خاندان سے لکھ مارا۔ بعض اخبارات بُغضِ معاویہ کا کردار ادا کرتے ہوئے "پاکبازان امت" کے خلاف ژاژخائی اور خود ساختہ "پاکستانیوں" کی قصیدہ خوانی میں مصروف ہیں اور یوں نسلِ نَو کے ذہن مسموم کیے جا رہے ہیں—حضرت مجدّد و امام ولی اللہ سے لے کر مرشد لاہوری قدس اللہ اسرارہم تک کے خدّام و معتقدین کا فرض ہے کہ وہ حالات کا رُخ پہچانیں اور اپنی ذمّہ داریوں کو محسوس کریں—مرشد لاہوریؒ نے جہاں بیگانوں سے حسنِ سلوک کی اعلیٰ روایات قائم کیں وہاں اپنے مسلک و معتقدات اور روایات کے تحفظ کے لیے مثالی کردار ادا کیا—ہمیں بھی یہی کچھ کرنا چاہیئے—اور آخر میں سُنّی کانفرنس کے عنوان سے "سوادِ اعظم" کے شور و ہنگامہ پر ہم اتنا ہی عرض کریں گے کہ

ع ایاز قدرِ خود بشناس

دعویٰ مشیخیّت و علم کے باوصف جو زبان استعمال کی جا رہی ہے، اس پر آپ خود ہی نظر ثانی کریں—ورنہ کہنے کو ہم بھی بہت کچھ کہہ سکتے ہیں—لیکن بہتر یہی ہو گا کہ ہم اپنے اسی مطالبہ کو دہرائیں جو ہم نے "بنوری نمبر" میں کیا تھا کہ حکومت اعلیٰ اختیارات کا ایک کمیشن بنائے "سوادِ اعظم" اور "پاکبازانِ اُمّت" کے کردار و عمل کی چھان پھٹک ہو تاکہ دنیا کو معلوم ہو سکے کہ انگریز کی چاکری کس نے کی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کس نے جنگ لڑی؟ اور تاکہ دنیا جان سکے کہ کل ملّت میں انتشار کا ذریعہ کون تھا اور آج کون ہے؟ کیا ملّت ان چونچلوں کی متحمل ہے جس کا آج مظاہرہ کیا جا رہا ہے؟

اس مرحلہ پر "سوادِ اعظم" کے ایک مدرسہ جامعہ نظامیہ لاہور کے ایک مدرس نے ہمیں خط لکھا دوفل سکیپ صفحات پر مشتمل۔ اس خط کی زبان پڑھ کر ہمیں "اعلیٰ حضرت" یاد آ گئے جو اس قافلہ کے بانی و سالار تھے۔ ہمیں ان کے خط کے باقی حصوں سے قطع نظر صرف یہ کہنا ہے کہ آپ نے ہمارے مطالبہ "قیام کمیشن" کی تائید کی—ہم آپ کے ممنون ہیں—تاہم یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ آپ اپنی جمعیۃ علماء پاکستان اور تازہ جماعت اہلسنّت کے قائدین سے منوا لیں—ایسا نہ ہو کہ کل یہ حضرات اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں اور فرما دیں کہ یہ ہمارا مطالبہ نہ تھا چند افراد کی رائے تھی—جیسا کہ فتاویٰ تکفیر کے مقابلہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ جماعتی نہیں انفرادی تھے—

ہمارا مطالبہ اپنی جگہ ہے اور ہم دستبردار نہیں ہو رہے ــــ دوسری طرف سے اجتماعی مطالبہ ہو جائے تو مسئلہ آسان ہو جاتے گا۔ ویسے ہم اپنے ان مہربانوں سے گزارش کریں گے کہ اہلسنّت کے عنوان سے کانفرنسیں کر کے ان رسوائے زمانہ پی۔پی کے قریشیوں اور گردیزیوں کو جو مسلکاً شیعہ ہیں سٹیج پر لا کر آپ جو اہلسنّت کی خدمت کر رہے ہیں ــــ اس سے اہل حق کا سفر متاثر نہیں ہو گا ــــ اہلِ حق اور "پاکبازانِ امت" نے جس خلوص و للہیت کے ساتھ چار دانگِ عالم میں دین و علم کی خدمت کی ہے اس کا صلہ ربِّ کائنات کی طرف سے انھیں مل رہا ہے اور انشاء اللہ ملتا رہے گا۔ اس صلہ کی ایک جھلک ــــ امام لاہوریؒ کی مقبولیّت اور ان کا جنازہ تھا

ہم آپ کو دعوت دیں گے کہ آؤ "خود ساختہ بطنی مسائل" سے دستبردار ہو کر ملت کی فلاح و بہبود کے لیے مل کر کام کریں ورنہ کفر و الحاد اور کمیونزم و سوشلزم کی آندھی اہل دین کے لیے باعثِ عبرت ثابت ہو گی۔

اَللّٰھُمَّ الف قلوبنا ــــ و اصلح ذات بیننا و اھدنا الی سواء السبیل۔ اللّٰھُمَّ انصر من نصر دین مُحَمَّدٍ صَلی اللہ تعالیٰ عَلَیہِ وَسَلَّمَ و اجعلنا مِنھُم و اخذل من خذل دین مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَسَلَّمَ وَلَا تجعلنا معھم رَبَّنَا تَقَبَّل مِنَّا اِنَّکَ اَنتَ السَّمِیعُ العلیم وتب عَلَینَا اِنَّکَ انت التَّوَّابُ الرَّحِیم۔



الحمدللہ

الحمدللہ - کہ ایک عرصہ کے انتظار کے بعد ہم اس قابل ہو سکے کہ حضرت الامام لاہوری قدس سرہ
کے متعلق ایک دستاویزی یادگار نمبر اپنے قارئین کے سامنے پیش کریں۔

ہمارا خیال گذشتہ رمضان میں یہ نمبر پیش کرنے کا تھا لیکن ہم ایسا نہ کر سکے اسکی وجوہات کیا تھیں؟
ہمارے خیال میں ان کا ذکر مناسب نہیں۔ ویسے بھی ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے، وقت مقررہ پر کسی بھی
کام کی تکمیل قدرت اپنے مخفی ہاتھوں سے کرا دیتی ہے اور ہم نے اس کا قدم قدم پر مشاہدہ کیا۔

یہ دستاویزی نمبر اس عظیم شخصیت کی یاد میں پیش کیا جا رہا ہے جس نے نصف صدی سے زائد کا وقت اعلائے
کلمۃ الحق کیلئے مسلسل محنت کی۔ اس دوران اس عظیم انسان کو جن جن مصائب و مشکلات سے دوچار ہونا پڑا ان میں
کچھ کا ذکر آپ کو آئندہ صفحات میں ملے گا جبکہ اکثر واقعات اب بھی پردۂ خفا میں ہیں جسکی وجہ حضرت لاہوری رح
کی بے پناہ للّٰہیت اور ان کا خلوص تھا۔

یہ نمبر ایسے وقت میں سامنے آ رہا ہے جب ملک میں اسلامی نظام کے سلسلہ میں پیش رفت ہو چکی ہے، اس سے حضرت
سمیت اُن اَن گنت مجاہدین و شہداء کی روحوں کو تسکین نصیب ہوگی جنہوں نے اس مقصد عزیز کیلئے جدوجہد کی
اور حضرت کو زیادہ مسرت ہوگی کیونکہ وہ اس قافلہ کے سالار و امام تھے جنکا مقصد اول و آخر یہی تھا اور یہی ہے
مزید خوشی اس بات کی ہے کہ اس کام میں ان افراد اور جماعت کا مؤثر اور بنیادی حصہ ہے جنکا تعلق حضرت امام لاہوری
سے تھا، ہماری مراد جمعیۃ علماء اسلام اور اس کی قابل صد احترام قیادت سے ہے جو آج بھی سرگرم عمل ہے

جمعیۃ کی نشاۃ ثانیہ (۱۹۵۶ء) کے وقت امام لاہوری رح نے جو پودا لگایا وہ آج ثمر آور ہو چلا ہے لیکن ابھی بہت
کچھ کرنا باقی ہے اور اسکی بنیادی ذمہ داری حضرت لاہوری رح کے خدام و متوسلین اور آپ کی جماعت کے رہنماؤں
اور کارکنوں پر ہی عائد ہوتی ہے کیونکہ اسی طائفہ منصورہ کے مشن کے علمبردار ہیں جو حدیث نبوی کے مطابق قیامت تک
دین حق کی سربلندی کیلئے سرگرم عمل رہیگا۔ آج بے دین قوتیں سرگرم عمل ہیں، ملک کی سرحدات پر خاک و خون کے
بادل منڈلا رہے ہیں اور عالمی سطح پر اسلامیان عالم کے خلاف سازشوں کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔

اس پس منظر میں اہل حق کی ذمہ داریاں دوچند ہو جاتی ہیں۔ اسلئے ہم یہ گذارش کریں گے کہ اپنے مرحوم بانی
و امام کے مشن کے مطابق ہم میں سے ہر فرد کو اپنے مقصد کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دینی چاہئے اور اپنی صفوں کو منظم
و متحد کرنے کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔

انتشار و تشتت اور فرقہ واریت کے عفریت کا سر کچلنا ہمارا فرض ہے اور اس خار زار سے دامن بچانا ضروری!
لیکن اسکے ساتھ ہی ان افراد و عناصر کے معاملہ میں وسیع القلبی کا مظاہرہ ضروری ہے جو کسی نہ کسی درجہ میں ہمارے ساتھ مصروف عمل
ہیں لیکن وسعت قلبی میں اپنے معتقدات سے روگردانی روا نہیں۔

میں اپنے سرپرست محترم اور جانشین شیخ حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہم کے ساتھ ان تمام احباب و رفقاء کا شکریہ ادا کرتا ہوں
جنہوں نے اس کٹھن کام میں ہمارا ہاتھ بٹایا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو قبول فرمائیں ـــ خادم اکابر اہل حق

محمد اجمل علوی
۲۵ ربیع الاول ۹۹
23.2.79

اعتذار و تشکر

ہم اپنے پروردگار عالم کے حضور سجدہ ریز ہیں کہ اس نے توفیق مرحمت فرمائی اور ہم اس قابل ہو سکے کہ قطب الاولیاء
حضرت بدہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ نذرانہ عقیدت پیش کر سکیں
اس سلسلے میں خامی انتظار کی زحمت ہمارے قارئین کو برداشت کرنا پڑی جسکا ہمیں شدید احساس ہے لیکن اس تاخیر کے اسباب
ایسے ہیں جنہیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔
حضرت دادا جان رحمہ اللہ تعالیٰ کی نصف صدی سے زائد زندگی کے تعارف کیلئے چھ سو صفحات بالکل ناکافی ہیں بلکہ یہ امر واقعہ ہے
کہ آپ کے لمحات زندگی کی روداد کیلئے اتنے کئی ضخیم نمبر بھی ناکافی ہو سکتے۔ تاہم مالک الملک نے جو توفیق مرحمت
فرمائی اس کے مطابق جو بن سکا وہ پیش خدمت ہے
اس سلسلے میں حضرت والد بزرگوار زید مجدہم و متع اللہ المسلمین بالتقائہم اور حضرت مخدوم زادہ گرامی مولانا میاں سراج
احمد صاحب دین پوری کی شبانہ روز دعائیں ہمارا سب سے بڑا سرمایہ تھیں جن کے طفیل یہ نمبر تکمیل سے ہمکنار ہوا۔
خوائے بزرگ و برتر کے بعد سب سے زیادہ یہی حضرات اس قابل ہیں کہ بصمیم قلب ان کا شکریہ ادا کیا جائے۔
مضمون نگار حضرات نے اپنے بے پناہ مصروفیات کے پیش نظر تاخیر سے سہی لیکن واقعہ یہ ہے کہ انتہائی قیمتی
اور پُرمغز مقالے ارسال فرمائے جو انشاء اللہ حضرت بدہوری کی بارگاہ میں خوبصورت اور حسین گلدستہ کی شکل میں
پیش ہو گئے اور ان کا رب لکھنے والوں کو بہترین اجر عطا فرمائیگا۔
ہمارے مدیر محمد سعید الرحمٰن صاحب علوی کی ہمت و محنت اور اکابر و اسلاف سے ان کی سچی محبت و عقیدت نے نمبر کے سلسلے
میں قدم قدم پر نظر آئی اللہ تعالیٰ انہیں اجر جزیل عطا فرمائے اور ہم سب کی خواہش کے مطابق باقی اکابر و اسلاف کے متعلق
نمبرات کی جلد از جلد اشاعت کی توفیق مرحمت فرمائے۔
مدیر معاون محمد صالح صاحب نے پروف ریڈنگ کا کام بڑی محنت سے سرانجام دیا اسکے باوجود بشری تقاضوں کے پیش نظر خطا
و غلطی کا امکان ہے جسکیلئے امید ہے کہ ہمارے قارئین توجہ دلا کر ممنون فرمائیں گے۔
ہمارے واجب الاحترام بزرگ سید نفیس شاہ صاحب نے کتابت کے سلسلے میں جو رہنمائی فرمائی اور کئی بنیادی چیزیں اپنے قلم سے لکھیں
یہ انہی کا کام تھا وہ واقعی اس فن کے امام ہیں اور ہم ان کے ممنون کرم ہیں ہمیشہ ہماری سرپرستی کرتے رہے ہیں۔
علاوہ ازیں سید شاہد حسن رضوی اور ان کے شاگرد نیز عبد الحمید صاحب۔ ساجد سعید صاحب حفیظ الرحمٰن صاحب اور محمد افضل صاحب
کی محنتوں سے کتابت کا کام پورا ہوا خدا سب کو بہترین اجر دے۔ دفتری عملہ میں گلزار صاحب معراج حسین صاحب اور محمد رفیع
کے علاوہ سراج دین صاحب کا تعاون قدم قدم پر شامل رہا۔ اشتہارات اور دوسرے تعاون کے سلسلے میں احسان الوارم صاحب کے علاوہ الحاج
اور جاوید شکور صاحب نے خوب تعاون فرمایا اللہ تعالیٰ سب کو اچھا اجر دے۔ قیمت کے مسئلہ میں ہم نے بڑے سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ
کیا مہنگائی اور دوسرے مسائل سے ہر کوئی واقف ہے اس لئے امید ہے کہ اسکو محسوس نہیں کیا جائیگا۔

احمد قادری
۲۳ فروری ۷۹

شیخ الاسلام ــــ بنام ــــ شیخ التفسیر

(حضرت شیخ مدنی قدس سرہٗ کا یہ
مکتوب گرامی ۳ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ کا رقم فرمودہ ہے
جو مکتوباتِ شیخ الاسلام جلد اول ص۳۱ سے ماخوذ ہے
حاشیہ سے حضرت الامام لاہوریؒ کا مکتوب گرامی بنام "مُرَتّبِ
مکتوب" مولانا نجم الدین اصلاحی نقل کیا جا رہا ہے جس سے حضرت
الامام الشیخ مدنیؒ کے مکتوب گرامی کو سمجھنے میں آسانی بھی ہوگی اور دونوں
بزرگوں کے باہمی روابط، اعتماد، احترام اور تعلق خاطر کا بھی اندازہ ہوگا)

"حسب الحکم اعلیٰ حضرت مدنی دامت برکاتہم (جب حضرت زندہ تھے)
کے دو والا نامے ارسال خدمت ہیں ــــ دوسرا وہ ہے جبکہ تقسیم ملک کے بعد جمعیۃ علماء ہند
اپنے ان مرکزی اراکین کو علیحدہ کر دیا تھا جو حدود پاکستان میں آ گئے تھے اور ہماری مرکزی جمعیۃ علماء ہند نے اپنی
صوابدید کے مطابق ہمیں پاکستان میں کام کرنے کے لیے آزاد کر دیا تھا۔ اس فیصلہ کی اطلاع کے بعد میری طبیعت
بہت ہی پریشان ہوئی میں نے اعلیٰحضرت مدنی دامت برکاتہم کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا اس میں عرض کی گئی کہ
جن بزرگوں کی دامن گیری سے مجھے قیامت کے دن نجات کا بھروسہ تھا آج انہوں نے ہمیں الگ کر دیا۔ اس عریضہ کا
اعلیٰحضرت مدظلہم نے یہ فرمان ارسال فرمایا تھا جو ارسال خدمت ہے۔ فقط احمد علی ۲۹ شعبان ۶۹ھ ۳ جون ۵۰ء"

سیدنا المحترم زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ مندرجہ
مضامین سے سخت متاثر ہوا۔ محترما! کیا آپ کے علاقہ کسی انجمن کے وجود و عدم اور اس کی ممبری پر موقوف ہے
جس پر آپ متاثر ہوتے ہیں۔ کلّا واللہ! ہم اور آپ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے دربار
کے دریوزہ گر اور اس بنا پر خواجہ تاش ہیں یہ روحانی تعلق کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا۔ اگر مادی
اسباب حائل بھی ہو جائیں تو کیا ہے۔ ہماری ارواح ایک دربار گہربار کی حاضر باش
ہیں حفظنا اللہ وایاکم من کل سوء، ورزقنا جمیعًا رضنا لافی الدنیا
والآخرۃ۔ آمین ــــــــ

گھر کے لوگوں اور صاحبزادوں اور دیگر احباب پرسانِ
حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش
نہ فرمائیں۔ والسلام ــــــــ

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، دیوبند
۱۳ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ



پیغامات

امیر العلماء حافظ الحدیث و القرآن

مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ العالی

امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

یہ معلوم کر کے از حد خوشی ہوئی کہ ادارہ خدام الدین

حضرت مخدوم العلماء شیخ التفسیر مولانا **احمد علی لاہوری**

قدس اللہ سرہٗ العزیز کی یاد میں ایک دستاویزی

نمبر شائع کر رہا ہے خدا اس کو مبارک کرے اور مخلوق

کے لیے باعث نفع بنائے۔

حضرت لاہوری کا ذکر جمیل ادارہ پر ایک حق

تھا جس کی طرف توجہ کی گئی۔

اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائے۔ (آمین)



ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان و صدر پاکستان قومی اتحاد

حضرت الامام لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں خُدام الدّین

کا خصوصی نمبر وقت کی اشد ضرورت ہے۔ حضرت مرحوم نے

پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے جس طرح اہلِ حق کو ایک

پلیٹ فارم پر جمع کیا اس کے مُبارک ثمرات اب ظاہر ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سمیت تمام اہل حق کی دلی خواہشات کو پورا فرمائیں

اور ہمارے مُلک کو نظام عدل کی برکات سے منوّر فرمائیں۔

جانشین شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید اسعد مدنی

صدر جمعیت علماء ہند

گذشتہ دورہ پاکستان کے دوران جامعہ مدنیہ لاہور میں اس سلسلہ میں حضرت سے درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ :-

حضرت والد محترم کے ساتھ شیخ التفسیر قدس سرہ کے مثالی تعلقات کے باوجود مجھے محض ایک مرتبہ ملاقات و زیارت کا موقع ملا۔ تاہم یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ اپنے وقت کے گرامی مرتبت شخصیت اور حضرت شیخنا المحترم شیخ الہند قدس سرہ کی تحریک حریت کے فعال اور متحرک کارکن ہی نہیں بلکہ قائد و رہنما تھے ان کے سلسلہ میں جتنا لکھا جائے کم ہے۔ میری دعا شامل حال ہے، اور اللہ تعالیٰ اس نمبر کے سلسلہ میں کارکنان ادارہ کا حامی و ناصر ہو۔

حضرت شمس العلماء

مولانا السید شمس الحق افغانی زید مجدہم

سابق شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند

حضرۃ والا نے شیخ لاہوریؒ اور مولانا انورؒ کے خادم جناب مولانا احمد عبدالرحمٰن صدیقی آف نوشہرہ کی درخواست پر فرمایا کہ اپنی بیماری اور بڑھاپے کے سبب میں حضرتؒ پر کچھ لکھنے سے قاصر ہوں تاہم دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ادارہ میں کام کرنے والوں کا حامی و ناصر ہو حضرت کی حیثیت ایک سچے اور مخلص مسلمان کی تھی جنہوں نے نصف صدی سے زائد کا وقت اللہ تعالیٰ کے بندوں کی ہدایت کے لیے خرچ کر دیا اور کبھی کسی صلہ و ستائش کی تمنا نہیں کی۔ پروردگار عالم ان کو پوری اُمت کی طرف سے بہترین اجر عطا فرمائے۔ (آمین)

ہم سب کے آقا و مولیٰ حضرت شیخ التفسیر قطب زمان

مولانا لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر خیر پوری جماعت

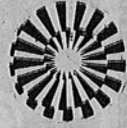
کے لیے باعث فرحت و تسکین ہے۔ مخدوم و محترم حضرت

مولانا عبید اللہ انور زید عزھم کی سرپرستی میں خدام الدین

کا خصوصی نمبر واقعی یادگاری اور مثالی چیز ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کارکنان ادارہ کی محنتوں کو قبول فرمائیں۔

بسمہ تعالیٰ



ہمارے مخدوم و محترم اور آقا و سرتاج حضرت
امروٹی قدس سرہٗ کے محبوب ترین خلیفہ اور
جماعت حقہ کے سرخیل و امام حضرت لاہوری
رحمہ اللہ کے متعلق نمبر کا سن کر از حد خوشی ہوئی۔
حضرت مرحوم کے صاحبزادہ محترم مولانا عبید اللہ انور
قبلہ کی سرپرستی میں یہ کام وقت کی اہم ضرورت ہے
مجھے اور پوری جماعت کو شدت سے
انتظار رہے گا۔

شیخ طریقت
حضرت مولانا سید محمد شاہ صاحب
سجادہ نشین خانقاہ قادریہ راشدیہ امروٹ شریف ضلع سکھر

مولانا عبیداللہ انور

سراپا

موزوں قد و قامت پھرتیلا ورزشی جسم کھلتی ہوئی گندمی رنگت فراخ پیشانی روشن
مقناطیسی آنکھیں گول چہرے پر لامبی براق داڑھی آواز میں نرمی و شیرینی اور تمکنت رفتار باوقار
مشقت و ریاضت کے عادی پیراکی و نشانہ بازی میں طاق زود نویس اور خوش خطا جلے سپید
کھدر میں ملبوس تکلفات سے بے نیاز سادگی و قناعت تقوی و طہارت کی قرون اولیٰ کی چلتی پھرتی تصویر
سرتا پا زہد و عبادت اور مجسمۂ علم و عمل ہمہ وقت ذاکر و شاغل حامل سنت قاطع بدعت قانون وقت اور وعدہ
کے انتہائی پابند کالجوں اور دینی مدارس کے طلباء سے قلبی لگاؤ اور یکساں محبت و شفقت طبعاً
گوشہ نشین اور خلوت پسند لیکن ہر وقت عقیدت مندوں مریدوں اور شاگردوں کے جھرمٹ میں ہمیشہ
گھرے رہتے ماں باپ کی طرح شفیق و مہربان ہر کسی سے خندہ روئی اور لطف و مروت سے پیش آتے
کثرت امراض اور عدیم الفرصتی کے باوصف پاک و ہند افغانستان و قبائل کا کوئی قابل ذکر مقام ایسا نہیں جہاں
جاکر تبلیغ اور ذکر و فکر کی تلقین نہ کی ہو، علی الخصوص سرحد و بلوچستان کراچی بہاولپور اندرون
سندھ تو دم واپسیں تک انکی تبلیغی سرگرمیوں کا محور و مرکز رہے عربی و فارسی اردو پنجابی اور ٹھیٹھ
سندھی زبان میں بے تکلف گھنٹوں تقریر کر کے مخالفوں کو گرویدہ بنا لیتے اور انگریزی تحریر و تقریر پر بھی قدرت
رکھتے بری بحری اور فضائی راستوں سے چودہ بار مع اہل و عیال زیارت حرمین شریفین سے مستفیض و مشرف
ہوئے متعدد زبانوں میں سینکڑوں کتابوں کے مترجم و مصنف و ناشر جن کی اشاعت لاکھوں تک پہنچی
اور مشرق و مغرب میں لاکھوں کی اصلاح و ہدایت کا باعث بنیں قرآن حکیم کا سندھی اردو ترجمہ و
تفسیر اور احادیث نبوی کے تراجم و تشریح زیادہ مشہور و مقبول ہوئے انگریزی میں ویکلی "اسلام"
انٹرنیشنل گزشتہ جنگ عظیم تک جاری رہا جس میں علامہ اقبال سب سے زیادہ دلچسپی لیتے تھے

برطانوی دور میں اس کی جبری بندش کے بعد ہفتگی "خدام الدین" اور "ترجمان اسلام" جاری کئے جنہوں نے تبلیغی و سیاسی معرکے سر کئے اور انشاءاللہ قیامت تک یہ سلسلے اسلام اور اسکی شوکت وعظمت کے ڈنکے بجاتے رہیں گے اور یہ ہیں ہمارے ملک کی عظیم دینی و سیاسی شخصیت اور ہمارے محبوب روحانی مرشد ونائد شیخ الاسلام امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی رح مفسر قرآن لاہوری جو اعلاء کلمۃ الحق اور اسلام کے لئے زندہ رہے اور خدا کی آخری عظیم و مقدس کتاب قرآن پر سوجان سے نثار وقربان ہوگئے جنہوں نے امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رح سے اکتساب علم کیا اور ایک جہان کو قرآنی علم وحکمت سے فیض یاب کیا جنہوں نے حضرت دینپوری رح حضرت امروٹی رح کے دست حق پرست پر بیعت جہاد کی اور منصب خلافت وامامت پر فائز ہوئے جو الحب للہ والبغض فی اللہ کی اس دور میں زندہ مثال تھے جنہوں نے تحریک ہجرت ریشمی رومال تحریک آزادی واستخلاص وطن کشمیر ایجی ٹیشن اور عقیدۂ تحفظ ختم نبوت کی خاطر جوانی کا بہترین حصہ جیل ریل اور نظربندی کی نذر کردیا اور جن کے شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی شاہ عبدالقادر رائپوری محدث اعظم بخاری عصر علامہ انور شاہ کاشمیری حضرت مولانا محمد صادق کراچی مفتی کفایت اللہ حکیم اجمل خان امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی سے جگری اور شالی تعلقات تھے اور ناموس رسالت کی حفاظت وصیانت کی لگن سے باہم خواجہ تاش تھے اور ہم مشرب و ہم راز تھے حق تعالی ان یاران حق وحریت اور حاملین دین متین اور ان کے نام لیواؤں پر ہمیشہ اپنی رحمتوں کی بارشیں نچھاور فرمائیں

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

احقر عبیداللہ انور

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۰۴ھ — ۱۳۸۱ھ
۱۸۸۷ء — ۱۹۶۲ء

مدیر کے قلم سے

★ پیدائش ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ بروز جمعہ بمقام قصبہ جلال متصل گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

★ ابتدائی تعلیم: قرآن عزیز گھر پر والدہ محترمہ سے پڑھا۔ پھر اپنے قصبہ سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع سعد آباد نامی قصبہ میں داخل کر دیئے گئے اور جب والدین "باہوچک" آگئے تو تعلیم قصبہ تلونڈی کھجور والی کے سکول میں شروع کرا دی۔ بعد ازاں مولانا عبدالحق صاحب مرحوم خطیب گوجرانوالہ کے یہاں داخل کئے گئے۔ جہاں فارسی اور ابتدائی عربی تعلیم حاصل کی۔

★ چند ماہ بعد خوش قسمت والدین نے آپ کو دین اسلام کے لئے وقف کر کے مولانا عبیداللہ سندھی قدس سرہ کے سپرد کر دیا۔

★ حضرت سندھیؒ نے اپنے گھر (سیالکوٹ) سے سندھ جاتے ہوئے دین پور شریف چندے قیام کیا۔ آپ ہمراہ تھے۔ عمر محض نو سال تھی۔ لیکن حضرت دینپوری قدس سرہ نے از خود بیعت فرمایا (۱۸۹۵ء)

★ اس کے بعد حضرت سندھیؒ کے ہمراہ امروٹ شریف قیام رہا۔ وہیں مولانا سندھیؒ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔

★ ۱۳۱۹ھ میں مولانا سندھیؒ نے گوٹھ پیر جھنڈا سندھ میں "مدرسہ دارالرشاد" کی بنیاد رکھی تو آپ کو یہیں بلا لیا۔ یہیں تکمیل علم ہوئی، یہیں دستار بندی ہوئی۔ دستار بندی کرانے والے شیخ حسین ابن محسن انصاری یمنی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ (۱۳۲۶ء)

★ اس کے بعد اسی مدرسہ میں پڑھانا شروع کر دیا۔

★ یہیں پہلی شادی مولانا سندھیؒ کی صاحبزادی صاحبہ سے ہوئی۔ سال بعد حسن نامی بچہ پیدا ہوا لیکن سات دن بعد بچہ انتقال کر گیا اور دوسرے دن آپ کی اہلیہ بھی انتقال کر گئیں۔

★ ۱۳۲۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے آپ کا دوسرا نکاح ابو محمد احمد چکوالی قدس سرہ کی بچی سے کیا۔

★ ۱۹۰۹ء میں مولانا سندھیؒ نے دیوبند جا کر حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے حکم سے جمعیۃ الانصار بنائی۔ ساتھ ہی "نظارۃ المعارف القرآنیہ" کی داغ بیل ڈالی۔ اس عرصہ میں گوٹھ پیر جھنڈا کے مدرسہ کے منتظم حضرت لاہوری تھے۔

★ بعد میں حضرت سندھیؒ کے حکم سے نواب شاہ میں مدرسہ بنایا۔

★ اور جب نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں منتقل ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ کے ایماء سے مولانا سندھیؒ نے آپ کو دہلی بلا لیا۔

★ دہلی قیام کے زمانہ میں مولانا سندھیؒ کے حکم سے تین حضرات نے آگرہ کا تبلیغی سفر کیا جس میں آپ بھی تھے اس سفر میں خدا نے خوب برکت دی اور بڑا دینی نفع ہوا۔

★ اسی دوران بعض علی گڑھی حضرات کی خواہش پر مولانا سندھیؒ نے آپ کو علی گڑھ بھیج دیا لیکن صرف ایک ماہ رہا۔

★ اس پورے عرصہ میں امروٹ شریف اور دین پور شریف کی حاضری رہی اور تکمیل اسباق کے بعد حضرت امروٹیؒ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ بعد میں حضرت دین پوریؒ نے بھی اور بقول موجودہ حضرت دین پوری ہمارے بڑے حضرت نے صرف آپ کو ہی مجاز قرار دیا تھا

★ ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کو کابل بھیجا تو دہلی کا سارا نظام آپ کے سپرد تھا۔

★ تحریک ریشمی رومال کے انکشاف کے بعد سب حضرات آپ بھی گرفتار ہو گئے۔ اس گرفتاری کے دوران بعض قیمتی چیزیں پولیس نے سنبھال لیں جن میں آپ کی سندات تک تھیں۔

★ دہلی سے گرفتار کرکے آپ کو کچھ عرصہ دہلی حوالات میں رکھا پھر شملہ لایا گیا۔ شملہ سے لاہور لایا گیا اور تھانہ نولکھا کے حوالات میں رکھا گیا یہاں سے جالندھر لے جایا گیا اور کچھ دن وہاں رکھ کر راہوں (جالندھر) میں جیل میں بند کر دیا۔

★ سات دن بعد رہائی ہوگئی تو آپ کو لاہور لایا گیا اور فیصلہ ہوا کہ دو ضامن ایک ایک ہزار روپے کی ضمانت دیں تو آپ لاہور رہ سکتے ہیں۔ یہ ضامن آپ کی اہلیہ کے چچا زاد حافظ ضیاء الدین صاحب تھے جبکہ دوسرے ملک لال خاں صاحب تھے۔ جن کا انتظام حافظ صاحب نے کیا تھا کہ حضرت ان کے سوا کسی کو نہ جانتے تھے۔

★ لاہور آتے ہی درس کی ابتدا کر دی کہ استاذ مکرم مولانا سندھیؒ سے وعدہ تھا کہ اشاعتِ قرآن کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اس درس کا سلسلہ پہلے مختلف مقامات پر رہا۔ بعد میں مسجد لائن سبحان خاں شیرانوالہ میں منتقل ہوگیا اور تادمِ آخر یہیں رہا۔

★ ۱۹۱۷ء میں لاہور پہلی مرتبہ تشریف لائے۔ اس سال حج کا ارادہ کیا۔ حج کے ساتھ ہجرت کا پروگرام تھا لیکن قدرتی اسباب مانع ہوئے۔

★ حج سے واپس آئے تو خلافتی پروگرام کے پیشِ نظر کابل ہجرت کر کے چلے گئے۔ بعد میں مولانا سندھیؒ نے آپ کو واپس لاہور بھیج دیا۔

★ واپسی پر پھر درس کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ ۱۹۲۲ء میں حکیم فیروز الدین صاحب کی تحریک پر انجمن خدام الدین کی داغ بیل ڈالی گئی۔

★ انجمن کے قیام کے بعد دو درس شروع ہوگئے۔ درسِ عام صبح کی نماز کے بعد، درس خاص مغرب کی نماز کے بعد تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے۔

★ پہلا درس ۱۹۱۷ء سے تادمِ زیست حضرتؒ نے خود دیا جبکہ دوسرا ۲۵ سال دے کر چھوڑ دیا اور آپ کی جگہ مولانا حبیب اللہ صاحب علیہ الرحمۃ مہاجر حرمین نے شروع کیا۔

★ حضرت کے اندازِ تفسیر کے مطابق تحریری کام کی تجویز ۱۹۲۵ء میں ہوئی اور آپ حسبِ تجویز واہ تشریف لے گئے۔ جہاں یہ کام مکمل اور ۱۹۲۷ء میں وہ مترجم و محشی قرآن شائع ہوگیا۔

★ ۱۹۲۴ء میں انجمن کی نگرانی میں مدرسہ قاسم العلوم جاری ہوا۔ اس مدرسہ میں سالانہ نصاب کے علاوہ تفسیر کا سہ ماہی نصاب بھی شامل تھا۔ اسی سہ ماہی کورس کے لئے حضرت مدنیؒ طلباء کو ترغیب دیتے تھے۔

★ قاسم العلوم کی ذاتی عمارت ۱۹۳۴ء میں بنی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے افتتاح کیا۔ اس سے پہلے عمارت کرایہ کی تھی۔ اس مدرسہ کے شعبہ جات درس نظامی، دورہ تفسیر اور شعبہ حفظ و ناظرہ ہیں۔ ابتداء میں صنعتی شعبہ بھی تھا لیکن بعد میں وہ بند کر دیا گیا۔

★ ۱۹۴۵ء میں مدرسۃ البنات بنایا جس میں ضروری تعلیم کے علاوہ امورِ خانہ داری کی مثالی تعلیم کا اہتمام ہے۔

★ ۱۳۲۵ھ میں شعبہ نشر و اشاعت قائم کیا گیا۔ اس شعبہ نے ۴۳ رسائل کا سیٹ شائع کیا۔ یہ رسائل اب تک ۱۵ لاکھ سے زائد تعداد میں مفت تقسیم ہو چکے ہیں جبکہ گیارہ موضوعات پر انگریزی رسائل کی اشاعت کا تخمینہ ۵۰ ہزار سے زائد ہے۔

★ ۱۹۵۵ء میں ہفت روزہ خدام الدین کی ابتداء ہوئی جس کا حلقہ ملک سے باہر بھی بہت وسیع ہے اور اس سے خلقِ خدا کو بہت فائدہ ہوا۔

★ بیعت کا سلسلہ بڑھ جانے کے بعد آپ نے مدرسہ قاسم العلوم کے زیریں حصہ میں مجلسِ ذکر شروع کر دی۔ نیز آپ خدام سے ہفتہ وار رپورٹ لکھنے کا فرماتے تا کہ اندازہ ہو سکے کہ کتنی ترقی ہوئی۔

★ حضرتؒ کے خلفاء کی تعداد چوبیس ہے۔

★ حضرتؒ ابتدا سے ہی انجمن حمایتِ اسلام کے رکن تھے۔ پھر ۱۹۳۳ء میں جنرل کونسل کے رکن مقرر ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں نائب صدر مقرر ہوئے اور یہ سلسلہ تا زیست رہا۔

★ ۱۹۲۱ء میں میکلیگن انجینئرنگ کالج کے انگریز پرنسپل کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق بدزبانی پر طلباء کے احتجاج کی آپ نے بھرپور حمایت کی اور ان کا مؤثر طریق سے ساتھ دیا۔ حتیٰ کہ آپ گرفتار ہوگئے لیکن حکومت کو جھکنا پڑا۔

★ مودودی صاحب کی تحریک کے متعلق حضرتؒ کے جذبات بڑے شدید تھے اور آپ اس تحریک کو خلق خدا کے لئے مضر خیال کرتے چنانچہ اس دیار میں جن بزرگوں کی محنت سے عام طور پر لوگ اس تحریک سے محفوظ رہے ان میں حضرتؒ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔

★ وصال سے ۲۵ دن پہلے ۲۹ جنوری ۱۹۶۲ء کو دیال سنگھ کالج میں فتنہ انکار حدیث کے علمبردار پرویز پر پہلی ضرب آپ ہی نے لگائی۔

★ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں آپ نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں جیل میں آپ کو زہر تک دیا گیا اور بقول حضرت رائپوریؒ آپ کا تحریک میں شامل ہونا ہی اصل کامیابی تھی۔

★ پاکستان بننے سے پہلے آپ جمعیۃ علماء ہند کے سٹیج پر کام کرتے رہے بعد میں خیال فرمایا کہ دیوبند کے دونوں حلقے (پاکستان کا حامی اور مخالف) مل کر کام کریں تاکہ ملک کو صحیح معنی میں اسلامی سٹیٹ بنایا جاسکے اور ابتدا میں کوششیں بھی ہوئیں لیکن خاطرخواہ فائدہ نہ ہوا تو اکتوبر ۵۶ء میں ملتان میں علماء کا اجتماع بلایا جس کے داعی آپ تھے اور منتظم حضرت مولانا مفتی محمود!، چنانچہ جمعیۃ علماء اسلام کے موسس ثانی کی حیثیت سے آپ امیر جماعت منتخب ہوئے۔

★ جمعیۃ کی سرگرمیوں کے لئے ۱۹۵۷ء میں ہفت روزہ ترجمان اسلام کا اہتمام کرایا جو اب تک جاری ہے۔

★ آزاد کشمیر میں مفتیوں کے تقرر اور اس نظام کو بہتر بنانے کے لئے آپ آزاد کشمیر حکومت کی دعوت پر وہاں گئے اور بھرپور کام کیا۔

★ ایوبی مارشل لاء کے بعد جمعیۃ علماء اسلام کا کام نظام العلماء کے نام سے ہوتا رہا اور آپ اس کے سربراہ تھے۔

★ اسی دور جبر میں عائلی قوانین کے خلاف آپ کی قیادت میں منظم جدوجہد ہوئی۔ آپ کو بھی لاہور حدود میں کئی بار نظر بند کیا گیا۔

★ علم و عمل کا یہ عظیم پیکر، معرفت و روحانیت کا بحر زخار، تحریک حریت کا قافلہ سالار ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء بروز جمعہ کو رات ۹½ بجے اپنے خالق حقیقی سے جاملا اور لطف یہ کہ مالک کا بلاوا اس وقت آیا جب نماز عشاء کی نیت باندھی اور سرسجدہ میں تھا۔ اس دن رمضان المبارک کی ۱۷ ء تاریخ تھی۔ (جس مناسبت سے یہ ایڈیشن پیش خدمت ہے)

★ اگلے دن حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ نے عظیم باپ کی وصیت و نصیحت کے مطابق درس دیا اور قرآن کھلتے ہی کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ پر نظر پڑی۔ ابھی حضرتؒ کی تدفین عمل میں نہیں آئی تھی، لیکن حکم تھا اس لئے اس حال میں بھی درس دیا۔

★ جنازہ اگلے دن مولانا انور نے پڑھایا۔ دو لاکھ کے لگ بھگ افراد نے جنازہ پڑھا۔ مولانا انور صاحب، مولانا حمیداللہ صاحب مرحوم اور دوسرے حضرات نے قبر میں اتارا۔ قبر کی تیاری کے بعد آخری دعا حضرت درخواستی زید مجدھم نے فرمائی۔

★ اولاد میں حضرت حافظ حبیب اللہ صاحب فاضل دیوبند مہاجر مکہ و مدینہ سالہا سال حرمین شریفین میں اپنے اسلاف کے طرز پر درس دیتے رہے۔ اب انتقال فرما چکے ہیں۔

منجھلے صاحبزادے ہمارے مخدوم و مکرم مولانا عبیداللہ انور ہیں جو آپ کے علمی، عملی، روحانی اور سیاسی جانشین ہیں۔ ۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء کو آپ کو موجودہ حضرت دین پوری میاں عبدالہادی صاحب مدظلہم نے پگڑی بندھوائی ــــ مولانا حافظ حمیداللہ صاحبؒ چھوٹے صاحبزادے تھے۔ عالم، فاضل، تقویٰ و طہارت کی مجسم تصویر، انتقال فرما چکے ہیں۔ مولانا انور سے ایک صاحبزادے بڑے تھے اُن کا نام بھی عبیداللہ تھا وہ فوت ہو گئے جبکہ پہلی اہلیہ کے بچے حسن تھے جو فوت ہو گئے۔ پانچ صاحبزادیاں تھیں ــــ علاوہ ازیں مدرسہ قاسم العلوم، مدرسۃ البنات، چھ مساجد، رسالہ خدام الدین، ساٹھ کے قریب مطبوعات، ترجمہ قرآن لفظی مع تفسیر و حاشیہ، ہفت روزہ ترجمان الاسلام اور جمعیۃ علماء اسلام کی موجودہ تنظیم بھی حضرت کی باقیات میں سے ہے۔ نور اللہ تعالیٰ مرقدہ و تغمدہ اللہ بغفرانہ ــــ (نوٹ:۔ اس خاکہ میں سنین کے اعتبار سے ترتیب کا زیادہ لحاظ نہیں

حضرت لاہوری علیہ الرحمۃ اور آپ کی ولادت کی سعید گھڑیاں

لال دین اخگر، ایم اے، بی ٹی

حضرت شیخ التفسیر علیہ الرحمۃ کے والدین نے دین اسلام کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنے ثمر اوّلین کی ولادت سے پیشتر حضرت مریم علیہا السلام کے والدین کی طرح آپ کو کتاب وسنت کی خدمات کے لیے وقف (محرّر) کر دیا تھا۔ خداوند عالم کو یہ نذرانہ اس قدر پسند آیا۔ اور پیش کرنے والوں نے اس قدر صدق و اخلاص سے پیش کیا کہ حضرتؒ کی زندگی کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کا شائد ہی کوئی لمحہ غفلت میں گزارا ہو۔ احقر تو حلفیہ کہا کرتا کہ حضرت والا جاہ کے روزانہ پروگرام پر عمل کرنا ہماری سہل انگار زندگی سے کوسوں دُور ہے۔

خیر! آپ کے خوش نصیب والدین نے حضرت مریم علیہا السلام کے والدین کی طرح حسرت سے نہیں بلکہ انتہائی مسرّت سے آپ کی پیدائش پر اپنی تمناؤں کو پورا ہوتے دیکھا اور فرطِ احسان مندی سے جھومتے ہوئے آپ کا نام "احمد علی" تجویز فرمایا۔ والدین کے پاکیزہ ارادے سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اس وقف شدہ نومولود کی پرورش کے ایام کس قدر زیادہ رضائے الٰہی کے حصول کو پیش نظر رکھا ہوگا۔ والدِ مکرم کو ذوقِ عبادت کے ساتھ ساتھ اپنی روزی کے پاکیزہ ہونے کی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی ہوگی۔ اور ادھر والدہ محترمہ کو اس نذرانۂ الٰہی کی حسنِ تربیت کے لیے شبانہ روز تسبیح و تحلیل کا استغراق لازماً میسّر ہوگا تاکہ رزقِ حلال کی برکت اور جذبۂ عبادت کا کیف نور ایمان بن کر ہونہار بچّے کی رگ رگ میں سما جائے ؎

علم و حکمت زاید از نانِ حلال
عشق و رقت آید از نانِ حلال
مولانا روم علیہ الرحمۃ

خداوندِ عالم! تیری عطا کردہ قوتوں سے موجودات کا جائزہ اور مشاہدہ تو ہوتا رہتا ہے۔ مگر تیری حکمتوں کے پُر اسرار گوشوں پر نظر نہیں پڑتی۔ ہم نے مانا کہ حضرت لاہوری کے والدین کے خلوص میں ایک الہامی جھلک اور ایک قدسی الاصل ولولہ موجود تھا۔ مگر اُن کو بھی کیا خبر تھی کہ یہ بچّہ ایک دن مخدوم جہانیاں بنے گا۔ پیکرِ عصمت والدۂ مکرمہ عام ماؤں کی طرح مشفقانہ لوریاں دیتیں۔ سینے سے لگاتیں، رخسار و جبیں اور دست و بازو پہ بوسے دیتیں اور ہر وقت پروانہ وار جاں نثاری کرتیں۔ اُدھر پدر مشفق اپنے نو نہال کے ہر ڈال اور ہر پات کو دیکھ کر خوش ہوتے لیکن اگر ان کو ملہم غیبی انہی ایّام میں مطلع کر دیتا کہ آپ کا نورِ بصر ایک موقعہ پر شیخ العرب والعجم بنایا جائے گا اور دنیا کے بڑے بڑے صاحبان جاہ و ثروت۔ حاملان علوم و معارف اور سالکانِ راہِ سلوک اس کی پیشوائی کو ذریعہ نجات و کامرانی یقین کریں گے تو لازماً وہ مبارک گدڑی اپنی بوسیدہ تاروں کے ساتھ جس میں حضرت اقدس کو لٹایا جاتا تھا۔ وہ پنگوڑا جس میں آپ اِنّی عبداللہ کہتے ہوئے بیدار ہوتے تھے وہ چارپائی جس پر اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ شیر خوارگی کے ایّام بسر

کرتے تھے اور جس کے بازوؤں کو اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے تھامتے ہوئے اپنے معصوم قدموں سے چلنا سیکھتے تھے۔ آج تک وہ تمام چیزیں تبرکات کی صورت میں محفوظ و مصئون رہتیں۔

پروردگار عالم گواہ ہے وہ عفیفہ خوش اختر تھی جس نے دایہ کے فرائض ادا کئے وہ ہاتھ یمن و سعادت کے حامل تھے جنھوں نے قرابت داری اور ہمسائیگی کے لحاظ سے لوریاں دیں۔

کس کو خبر تھی کہ اس چھوٹے سے دیہاتی صحن کے ذرّوں کو کس کے قدم اور زانو رینگ رینگ کر بابرکت بنا رہے ہیں۔ یہ کون ہے جو اپنے ننّھے معصوم ہاتھوں سے گھر کے برتنوں کو چھو رہا ہے۔ بکھرے ہوئے کھلونے، چھوٹے چھوٹے موزے، کرتے، موسم سرما کی ٹوپیاں اور پرعصمت مسکراہٹیں کس کی پرورش کا حصّہ بنی ہوئی ہیں۔ آپ کے افرادِ خانہ نے کیا سمجھ کر ناز برداریاں کیں۔ ان کو کون بتاتا کہ آپ ہیں کا ہر ایک بلند بخت ہے۔ آپ ہیں کا ہر ایک سعید ہے۔ کیوں کہ آپ پر ایک ایسے گوہر یکتا کی حفاظت کی ذمہ داری ہے، جس کا ہمسر لاکھوں میں بھی کوئی نہیں ہوگا۔ ہم اس ماں کو کس منہ سے مبارک باد کہیں جس کی گود میں قطب الاقطاب ہمک رہا ہو وہ بچّہ جس کے سینے میں اسماعیلی قلب و نظر ہوں۔ اس کے باپ کی سعادت و فیروز مندی کا کیا کہنا!

الٰہی! انبیاء کرام کی سعادتوں کا تذکرہ قرآن عزیز میں موجود ہے۔ جیسے عیسٰے علیہ السلام کی زبان پر تیرا کلام یوں جاری ہوا تھا۔ والسلام علیّ یوم ولدتّ و یوم اموت و یوم ابعث حیّا (مجھ پر اس دن بھی سلامتی کی بارش ہوئی۔ جس دن میں پیدا ہوا۔ وہ دن بھی برکات کا حامل ہوگا جب میں مرونگا اور وہ دن بھی سعادات سے ہمکنار ہوگا، جب میں زندہ اٹھایا جاؤں گا) کیا برکاتِ سماوی اولیاء امّت کو بھی حیات و ممات کے مواقع پر میسّر آتی ہیں؟ کیا انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کی وساطت سے اولیاءاللہ بھی تیری نوازشاتِ قدسیہ سے نوازے جاتے ہیں؟ یقیناً! صلحائے امّت ہی زمرۂ لایحزنون میں شامل ہیں۔ ان کے نفوسِ قدسیّہ میں سکینہ و طمانیت کی سرمدی دولت ہوتی ہے۔ یہ سعادتوں کے جلو میں آتے ہیں۔ اور سعادتوں کے جلو میں ہی راہیٔ ملکِ بقا ہوتے ہیں۔ وقتِ رخصت ان کو دربار الٰہی سے فردوسِ بریں کے دخول ابدی کا پیغام ملتا ہے۔ یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربّکِ راضیۃ مرضیۃ۔ فادخلی فی عبٰدی و ادخلی جنتی (سورۂ فجر)

ہر کہ از سرِ نبیؐ گیرد نصیب
ہم بہ جبریلِ امیں گردد قریب

اقبال علیہ الرحمۃ

تقوےٰ و احتیاط

حضرت لاہوریؒ کے صاحبزادے حافظ حمید اللہ صاحب مرحوم نے یہ روایت خود مجھ سے بیان کی کہ میں تالاب پر بیٹھا روٹی کھا رہا تھا کہ حضرتؒ تشریف لائے اور پوچھا ـــ یہ کھانا کہاں سے لیا؟ میں نے عرض کیا کہ طلباء کے کھانے میں سے لیا ہے۔ حضرتؒ نے مجھے ایک چپت رسید کی اور اپنی جیب خاص سے دو آنے عنایت فرمائے کہ جاکہ منشی صاحب کے پاس جمع کرا کر آؤ کہ اس کھانے میں تمہارا کوئی حق نہیں۔

یاد رہے کہ یہ محض آدھی روٹی اور تھوڑا سا آلو کا سالن تھا اور یہ قیام پاکستان سے قبل کا قصّہ ہے۔

بروایت چودھری محمد رفیع صاحب شیرانوالہ دروازہ لاہور

حافظ ریاض احمد اشرفی، راولپنڈی

نقوشِ زندگی

ولادت

لاہور سے راولپنڈی آنے والی ریلوے لائن پر ضلع گوجرانوالہ میں گکھڑ نام کا ریلوے سٹیشن پڑتا ہے اس سٹیشن کے مشرقی جانب چار میل کے فاصلے پر ایک قصبہ جلال نامی میں نو مسلم شیخ حبیب اللہ جو نہایت دیندار اور سلسلہ عالیہ خواجہ غریب نواز ولی الہند، حضرت الامام سیدنا و مولانا معین الدین چشتی اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز سے منسلک تھے، کے ہاں اللہ رب العزت نے ۱۳۰۴ھ کے ماہ رمضان المبارک کی دوسری تاریخ کو ایک بیٹا عطا فرمایا اس کے اسم بامسمی والد ماجد نے اپنے ہونہار کا نام احمد علی رکھا۔

کہا جاتا ہے کہ شاغل شیخ حبیب اللہ نہایت متقی اور دین دار آدمی تھے وہ خود تو نو مسلم تھے لیکن ان کی بیوی پیدائشی مسلمان تھیں۔ دونوں دین دار اور ذاکر شاغل تھے۔ یاد الٰہی عبادت گزاری میں وہ دونوں میاں بیوی برابر کے شریک تھے ایک روز حضرت شیخ حبیب اللہ تلاوت کر رہے تھے جب تیسرے پارہ میں اس مقام پر پہنچے

"یاد کرو وہ وقت جب عمران کی بیوی نے کہا، اے میرے پروردگار! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ میں نے صرف تیرے لئے نذر کر دیا، پس تو مجھ سے قبول فرما۔ بلاشبہ تو بہت سننے والا اور جاننے والا ہے۔" (پ۳ رکوع ۱۲)

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ کی اس دعا سے وہ بہت متاثر ہوئے ان کے دل میں ایک عجیب سا کیف محسوس ہوا۔ وجد و حال، رقت قلب اور قبولیت حق ویسے بھی سلسلہ چشتی کی خصوصیات ہیں اگرچہ سبھی سلاسل میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں لیکن جس طرح سرعت اور تیزی سے اس سلسلہ والوں میں یہ چیزیں اثر کرتی ہیں اتنی تیزی دوسرے حضرات میں کم دیکھی گئی ہے چنانچہ دونوں میاں بیوی نے دعا کے لئے دربار الٰہی میں ہاتھ پھیلا دیئے اور یوں عرض کی۔

"اے ہمارے پروردگار! اے عمران کی بیوی کی پکار سننے والے آقا! اے موسیٰ کو فرعون سے نجات بخشنے والے مولیٰ! اے رب محمدؐ و کعبہ! ہم بھی اپنے بچہ کو تیرے لئے وقف کرتے ہیں تو اسے قبول فرما۔"

چنانچہ اجابت الٰہی نے اس پر خلوص دعا کا درحق سے استقبال کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو لڑکا اس مقدس ماہ میں عطا فرمایا جس کے متعلق خود حق تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ رمضان کا مہینہ ایسا ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے جو تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور نہ صرف یہ کہ خالی ہدایت ہی ہے بلکہ ہدایت کے واضح نشانات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ حق اور باطل کو الگ الگ بیان کرتا ہے۔ (پ۲ ع۳)

قرآن مجید کو رمضان کے مہینہ سے جو تعلق ہے وہ اظہر من الشمس ہے اس کا کون انکار کر سکتا ہے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا توافق فرمایا کہ اس ہونہار لڑکے نے جس کی پیدائش حتیٰ کہ وفات بھی اسی مہینہ میں ہوئی اپنے ستر سالہ دور میں لوگوں کو قال اللہ وقال الرسول ہی سنایا۔ اپنے وعظ میں کھری باتیں کیں۔ حق گوئی کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑا۔

باطل سے کبھی ناطہ نہ جوڑا۔ بڑی سے بڑی دنیوی شخصیت کے سامنے بھی کلمۂ حق کہہ دیا اور اس کہنے میں کسی کے ظاہری جاہ و جلال یا اس کی مادی قوت و اختیار سے کبھی بھی مرعوب نہ ہوا۔

تعلیم کا آغاز

اس لڑکے کی والدہ ماجدہ نہایت عابدہ، زاہدہ، متقیہ اور صالحہ عورت تھی۔ انہوں نے اپنے لختِ جگر کی تعلیم کا آغاز خود کرایا۔ چنانچہ قرآن مجید والدہ ماجدہ نے پڑھایا۔ اس کے بعد اس بچے کو سکول میں داخل کر دیا گیا۔ قصبہ جلال سے ایک میل کے فاصلہ پر کوٹ سعد اللہ میں یہ بچہ اپنے ہم جولیوں کے ساتھ صبح سکول جاتا اور شام کو واپس آتا۔ شیخ حبیب اللہ کے رشتہ دار سب غیر مسلم تھے اس لئے ان کی اسلام دشمنی سے تنگ آکر شیخ صاحب نے اس قصبہ سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک دوسرے گاؤں میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ گاؤں جسے باہو چک کہا جاتا ہے چونکہ تعلیمی اعتبار سے کچھ بھی نہ تھا اس لئے اس ہونہار لاڈلے کو قصبہ تلونڈی کھجور والی کے سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ جہاں اس بچے نے پانچویں جماعت تک تعلیم پائی لیکن درحقیقت اس بچہ کی درس گاہ یہ نہ تھی۔ اللہ کے لئے مانی ہوئی نذر کو ان "درقتل گاہوں" سے علم نہیں مل سکتا۔ اللہ کے لئے وقف ہوئی اولاد کے لئے وہی درس گاہ ہو سکتی ہے جسے اللہ ہی کے ساتھ نسبت و تعلق ہو۔

شیخ حبیب اللہ نے اپنے لختِ جگر کو سکول سے بلوا لیا اسے گوجرانوالہ کی جامع مسجد کے خطیب مولانا عبدالحق کے سپرد کر دیا۔ حضرت مولانا نے اس بچہ کی تربیت اپنے بچوں کی طرح کی اور اپنے گھر میں ہی رکھ لیا۔ اس بچہ کو گوجرانوالہ آئے چند ماہ گزرے تھے کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنے پیر خانہ سندھ جاتے ہوئے اپنی والدہ سے ملنے سیالکوٹ آئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے مولانا سندھی سے شیخ حبیب اللہ صاحب کے قبول اسلام اور دیانت و تقویٰ کا بھی ذکر کیا۔ چنانچہ حضرت مولانا سندھی اپنی والدہ کے ہمراہ باہو چک آئے اور اپنے رشتہ کے بھائی سے ملے اس وقت شیخ حبیب اللہ صاحب نے اپنے لختِ جگر کو حضرت مولانا سندھی کے حوالے کر دیا اور یہ بھی کہا کہ میں نے اپنے اس بچے کو اللہ کے دین کے لئے وقف کر دیا ہے آپ اس کو قبول کریں اور دین سکھائیں چنانچہ مولانا سندھی نے اس بچہ کو قبول کر لیا اور اپنے ساتھ ہی سندھ لے گئے۔

تعلیم و تربیّت

نو برس کی عمر تک بمشکل یہ ہونہار بچہ پہنچ پایا تھا کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ سندھ کے ولی کامل اور قطب وقت حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے حضرت مولانا سندھی نے اس بچہ کی والدہ سے نکاح کر لیا اس لحاظ سے حضرت سندھی مرحوم اس کے سوتیلے باپ بھی ہو گئے چنانچہ اس بچے کے دوسرے بھائیوں کی بھی تربیت مولانا سندھی کے سپرد ہو گئی ہے لیکن کچھ عرصہ بعد یہ بچہ اپنی والدہ کی شفقتوں سے بھی محروم ہو گیا وہ نکاح کے بعد کچھ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں۔

مولانا عبید اللہ کی شاگردی

مولانا سندھی سخت مزاج تھے ہر وقت اس بچے کو کام میں مصروف رکھتے گھر کی ہر ضرورت کے لئے یہی بچہ ملازم اور مزدور کا کام دیتا تھا جنگل سے لکڑیاں کاٹنے سے لے کر پانی بھرنا اور اپنے بھائیوں اور مولانا سندھی کے بچوں تک کے کپڑے دھونا وغیرہ سبھی کام اس بچہ کے ذمہ تھا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ننھی سی جان پر اتنا بوجھ ڈالنا بہت بڑی زیادتی ہے لیکن عامی کی نظر اور اہل دل کی نظر کے زاویے مختلف ہوتے ہیں۔ ہماری نظر تو یہی ہے۔ جس کا اظہار کر دیا لیکن اہل دل کا نقطہ نظر ہمارے وہم میں بھی نہیں آسکتا۔ اہل ظاہر اور اہل باطن کا فرق یہیں سے واضح ہو جاتا ہے پھر طرفہ تماشہ یہ کہ کھانے کو بھی پیٹ بھر کر نہیں دیا جاتا تھا۔ حضرت مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر سے دو روٹیاں آتی تھیں۔ ایک روٹی مولانا سندھی کھا لیتے اور دوسری یہ بچہ کھا لیتا اور یہ حالت اس وقت تک قائم رہی جب کہ یہ بچہ مقتدائے انام اور پیشوائے دین بن چکا تھا،

بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ جب سیر نہ ہوتی اور تقاضہ شدید صورت اختیار کر جاتا تو جنگل میں جاکر پھلیوں وغیرہ سے پیٹ بھر لیا جاتا۔

سلسلہ قادریہ میں بیعت

سندھ کے مشہور مشائخ حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کو بہت بڑا مقام حاصل ہے جب انہوں نے اس نو سالہ بچہ کو دیکھا تو ان پر اس بچہ کا آئندہ معاملہ مکشوف ہوگیا ان کے نور فراست نے جو انہیں اپنے مشائخ کی اتباع میں اللہ کی طرف سے حاصل تھا فوراً بتا دیا کہ یہ متاع گراں بہا ہے اسے نہیں چھوڑنا چاہیئے ایسے موتی روز روز نہیں ملتے چنانچہ انہوں نے خود ہی اس بچہ کو سلسلہ قادریہ میں داخل فرما کر تقویٰ و پرہیز گاری کی تلقین کے ساتھ کچھ اذکار بھی تعلیم کر دیئے۔

درس نظامی کی تکمیل

ابتدائی صرف نحو عربی و فارسی کتب بھی حضرت سندھی نے پڑھائیں ۔ ۱۳۱۹ھ میں گوٹھ پیر جھنڈا ضلع سکھر میں مدرسہ دارالارشاد کی بنیاد رکھی گئی۔ مولانا سندھی اس مدرسہ کے روح رواں تھے اور انہیں کی زیر نگرانی اس بچہ نے اپنی تعلیم کے چھ سال مکمل کر کے درس نظامی کی تکمیل کی۔ مدرسہ دارالارشاد سے فارغ ہونے والوں میں پہلا نام نامی اسی بچہ کا ہے جو اب بچہ نہیں بلکہ اپنی زندگی کے بائیس درجے گزار کر جوانی میں قدم رکھ چکا ہے اب احمد علی نہیں بلکہ عالم دین، فقیہہ، صرفی، نحوی، ادیب، محدّث، مفتی اور مولانا احمد علی ہیں۔ ۱۳۲۶ھ میں حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو سند فراغت عطا ہوئی اور دستار فضیلت بھی باندھی گئی۔

جہادِ زندگی

اس کے بعد مولانا سندھی نے حضرت مولانا کو حکم دیا کہ اب اسی مدرسہ میں تم تعلیم بھی دو، چنانچہ حضرت نے تین سال تک اسی مدرسہ میں درس نظامی کی تعلیم دی مولانا سندھی نے اپنی پہلی زوجہ سے ایک بیٹی سے حضرت کا نکاح کر دیا لیکن وہ ایک سال بعد ہی انتقال فرما گئیں اس کے بعد حضرت مولانا ابو محمد احمد صاحب خطیب صوفی مسجد کشمیری بازار لاہور کی صاحبزادی سے مولانا سندھی نے رشتہ طے کر دیا چنانچہ حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی رسم نکاح خوانی ماہ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے ادا کی۔ کتنے مبارک ہیں وہ جن کو مولانا عبیداللہ سندھی جیسا مربی واستاذ، حضرت دین پوری جیسا شیخ قطب ارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ کے شاگرد مولانا ابو محمد احمد جیسا سُسر اور استاذ الاساتذہ، مجاہد ملت شیخ الہند مولانا محمود حسن جیسا نکاح خواں میسر آیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

نواب شاہ میں قیام

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مصالح کی بنا پر حضرت مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے دارالارشاد سے علیحدگی اختیار کر کے نواب شاہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا یہ مدرسہ ابھی ابتدائی مراحل بھی طے نہ کر پایا تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مولانا سندھی نے حضرت مولانا کو نواب شاہ سے دہلی بلا لیا۔

نظارۃ المعارف القرآنیہ

نظارۃ المعارف القرآنیہ کا قیام بھی حضرت شیخ الہند کے حکم سے ہوا تھا چنانچہ اس کا دفتر جو اس وقت دہلی کی مسجد فتحپوری میں تھا، سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی منسلک ہو گئے۔ مدرسہ جس میں قرآن مجید کی انقلابی تفسیر قرآن وسنت کی ولی اللّٰہی تعبیر کے مطابق پڑھائی جاتی تھی حکومت برطانیہ کی نگاہ میں کھٹکتا تھا۔ اس مدرسہ کا مقصد وجود ہی مسلمانوں میں دینی ولولہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی روح پھونکنا تھا،

اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا پورا پروگرام یہ تھا کہ عالم اسلام کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کیا جائے اور انہیں اس امر پر مجبور کیا جائے کہ وہ متحد ہو کر ہندوستان پر حملہ کر کے انگریز کو مار بھگائیں اس سلسلہ میں جہاں یہ بات ضروری تھی کہ اسلامی حکومتوں کو ترغیب دلائی جائے، وہاں یہ امر بھی نہایت ضروری تھا کہ ہندوستان میں موجود مسلمانوں کو بھی اس جہاد دینی و ملی کے لئے تیار کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بارشاد مولانا سندھی مرحوم دہلی کے گرد و نواح میں تبلیغی سفر کا آغاز کر دیا جب آگرہ و مضافات آگرہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں تو صرف نام کے مسلمان ہیں ایسے مسلمانوں سے بھی واسطہ پڑا جو کلمہ بھی نہیں جانتے تھے جن کے نام بھی غیر اسلامی تھے کسی کا نام محمد سنگھ کسی کا لچھمن حسین اور کسی کا نام محمد رام وغیرہ تھے۔ بنا، اسلام الگ رہے۔ وہاں کے لوگوں میں ایسے نوجوانوں اور بوڑھوں کی تعداد کافی ملی جو مکہ اور مدینہ کے ناموں سے بھی واقف نہ تھی۔ وہاں سے استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ مسجد کا نام و نشان نہیں۔ پچیس دیہات میں صرف ایک مسجد ملی جب حضرت نے ایک سے جنازہ و نکاح کے متعلق پوچھا تو جواب ملا " اچھنیرہ سے قاضی آوے ہے اور وہی نکاح و جنازہ پڑھاوے "۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اچھنیرہ پہنچے قاضی سے ملنے گئے لیکن قاضی صاحب اپنے بڑھاپے اور علالت کے باعث نہ مل سکے صرف ان کا جانشین ملا وہ بھی عربی فارسی سے نابلد چند الفاظ تھے جو اسے طلب زر اور جلب منفعت کے لئے رٹا دیئے گئے تھے انہی الفاظ کے ہیر پھیر سے ان کی روزی چلتی تھی اس سے حضرت کو بہت صدمہ ہوا۔ حضرت نے ایک بستی میں پہنچ کر لوگوں کو اکٹھا کیا اور ایک نہایت سادہ، پر اثر اور درد انگیز تقریر کی۔ تقریر میں ان کو اسلامی احکام سمجھائے اور سب کو کلمہ پڑھایا ان کے غیر اسلامی نام تبدیل کر کے صحیح اسلامی نام رکھے اس کے بعد علی گڑھ تشریف لے گئے لیکن ان تمام ہنگاموں، علمی اور تبلیغی مشاغل کے باوجود روحانی اشغال بھی بدستور جاری تھے۔ اپنے پیر خانہ کے ساتھ تار جڑا ہوا تھا۔ امروٹ شریف اور دین پور شریف میں حاضری کو ترک نہیں کیا۔ بالآخر حضرت امروٹی اور حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بالترتیب خلافت و امارت سے نواز دیا (حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ) نے صرف حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ و مجاز کیا ہے ان کے علاوہ انہوں نے کسی اور کو اجازت بیعت عطا نہیں کی۔

ریشمی رومال کی تحریک یہ چٹھیاں زرد ریشمی کپڑے پر لکھی ہوتی تھیں اور یہ زرد ریشمی کپڑا تحریک انقلاب کے اراکین کا باہمی نشان تھا۔

ریشمی تحریک کے متعلق ایک ذمہ دار رکن نے ۱۹۱۴ء میں رپورٹ مرتب کی جس میں یہ درج تھا کہ آزاد حکومت ہند بنائی جا رہی ہے جس کا فوجی ہیڈ کوارٹر کابل اور کیپٹل مدینہ منورہ ہو گا۔ کمانڈر انچیف شیخ الہند ہوں گے کابل میں حکومت ہند کے نگران مولانا سندھی ہوں گے یہ رپورٹ نہایت رازداری سے مرتب کی گئی تھی لیکن بدقسمتی سے برطانوی حکومت کے ہاتھ لگ گئی اس سلسلہ میں حکومت انگلشیہ نے بڑا اودھم مچایا۔ گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ شیخ الہند کو حجاز ہی میں گرفتار کر لیا۔ حضرت کے پیران عظام کو بھی امروٹ اور دین پور سے گرفتار کر لیا گیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو فتحپوری دہلی سے گرفتار کر کے مکان پر لے گئے وہاں تلاشی لی اور کچھ کتابیں یا نوٹس اور درس کے شریک مسلمان سی آئی ڈی والے کی نشاندہی پر حضرت کی سند تعلیم بھی صندوق میں مقفل کر کے لے گئے یہ سامان پھر کبھی واپس نہیں کیا گیا: (۱۳۴۶ھ میں حضرت مولانا سندھی اور اور حضرت الامام مولانا مولوی سید محمد انور کاشمیری صدر مدرس دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ نے دوبارہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سندیں عطا فرمائیں)

حضرت کو گرفتار کر کے دہلی، شملہ، لاہور، جالندھر کی مختلف حوالاتوں میں کئی ماہ گزارنے کے بعد ضلع جالندھر میں تھانہ راہوں میں نظر بند کر دیا گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد رہا ہو گئے لیکن حکومت وقت نے دہلی یا سندھ جانے پر پابندی لگا دی۔ چنانچہ لاہور میں آپ کو پابند ضمانت کر کے چھوڑ دیا۔

حضرت کی اہلیہ بھی لاہور آ گئیں۔ لاہور کی زندگی کا آغاز یہاں سے شروع ہوتا ہے حضرت مسجد لائن والی شیرانوالہ دروازہ سے باہر جو پولیس کے قبضے میں تھی میں نماز پنجگانہ ادا فرماتے تھے پہلے فاروق گنج کی طرف جاتے ہوئے جو مسجد ہے اس میں درس شروع کیا پھر آہستہ آہستہ تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ بڑھنا شروع ہو گیا۔

لاہور میں آکر بھی ابتدائی ایام سخت مصیبت و مشقت میں گزرے مگر آپ کی مستقل مزاجی، صبر و توکل علی اللہ نے آپ کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آنے دی اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا۔ ۱۹۱۷ء میں پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔

باوجود انتہائی راز داری اور اخفاء کے لوگوں کو معلوم ہوگیا اور حضرت کے قدموں میں انیس سو روپیہ رکھ دیا گیا۔ اس زمانہ کے اعتبار سے یہ رقم بہت زیادہ تھی۔ آٹا ۱۸ اسیر فی روپیہ ملتا تھا اور تین سو روپیہ میں حج اور حاضری مدینہ منورہ حاصل ہو جاتی تھی۔

ہجرت کابل

مولانا جب حج سے فارغ ہو کر ہندوستان واپس آئے تو ہندوستان میں خلیفۃ المسلمین (ترکیہ) کی حمایت میں خلافت کمیٹیاں قائم ہو چکی تھیں اور انگریزوں کے خلاف بغاوت کا جذبہ زوروں پر تھا چنانچہ طے پایا کہ مسلمان ہندوستان کو چھوڑ دیں ادھر والئی کابل امیر امان اللہ خاں نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور ہندی مسلمان بھی انگریزوں سے نالاں تھے۔ خلیفۃ المسلمین کو انگریزوں اور فرانسیسیوں نے قید کر رکھا تھا ان سب باتوں نے اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ والی کابل امیر امان اللہ خان نے ہندی مسلمانوں کو ہجرت کر کے کابل آنے کی دعوت دی تھی۔ ایک قافلہ تیار ہوا اور اس کے میر کارواں حضرت رحمۃ اللہ علیہ مقرر کئے گئے۔ مسلمانان پنجاب نے حضرت کی خدمت میں دس ہزار روپیہ پیش کیا۔ حضرت نے اس کا سونا خرید کر کابل کے عام اجلاس میں امیر امان اللہ خان کو پیش کر دیا۔

کابل سے واپسی

شروع شروع میں مہاجرین کے لئے جو جذبہ کابلیوں اور افغانیوں نے دکھایا وہ بعد میں گھٹتے گھٹتے بالکل سرد ہوگیا۔ دراصل انگریز یہاں بھی اپنی چال بازی میں کامیاب ہوگیا۔ انگریزوں نے کابلیوں سے صلح کر لی اور مہاجرین سے متعلق ان میں غلط فہمی پھیلا دی اور بعد میں معاہدہ کر لیا جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمام ہندوستانی واپس بھیج دیئے جائیں چنانچہ اس معاہدہ کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو واپس آنا پڑا۔ اگر مولانا احمد علی یا اور کوئی مسلمان مہاجر وہاں رہنے کی کوشش بھی کرتا تو وہ کوشش کبھی بھی بارآور نہ ہوتی اس لئے کہ حکومت کابل انگریزوں سے صلح کر چکی تھی اور اسے منوانے پر مجبور تھی اگر کوئی کابل سے نہ نکلتا تو ڈنڈے کے زور سے باہر نکال دیا جاتا۔ اس واپسی نے ہندوستان کے مسلمانوں کو کابلی حکومت سے بدگمان کر دیا۔ افغانستان کی حکومت کے افسروں نے جو بے اعتنائی مہاجرین سے برتی وہ بھی مثالی ہے۔ دراصل معاہدہ سے پہلے ہی انگریز کابلی حکومت کے عمائدین سے ساز باز کر چکا تھا معاہدہ تو صرف اس ساز باز کو قانونی شکل دینے کے لئے کیا گیا تھا تاکہ کابلیوں کے راستہ سے جو خطرہ انگریزوں کو تھا اس کی راہ مسدود ہو۔

انجمن خدام الدین کی بنیاد

۱۹۲۲ء میں حکیم فیروز الدین صاحب کی تحریک پر انجمن خدام الدین کا قیام عمل میں لایا گیا۔ قرآن مجید اور سنت نبوی کی اشاعت کو انجمن کا نصب العین قرار دیا گیا۔ حضرت شیخ الکل مولانا نذیر احمد محدث دہلوی کے شاگرد مولانا فضل حق اور قطب الارشاد، شیخ العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد حضرت مولانا ابو محمد احمد بھی اس انجمن کے ممبر بنا دیئے گئے۔ انجمن نے وقتی ضروریات کے مطابق دینی، اصلاحی اور سماجی ضرورتوں کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں کئی رسالے اور کتابیں شائع کی ہیں جو سب کی سب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہیں۔ حضرت تاحیات انجمن کے امیر رہے ہیں۔

۱۹۲۴ء میں انجمن کی زیر نگرانی مدرسہ قاسم العلوم کی بنیاد رکھی گئی ابتدا میں مدرسہ کرایہ کے مکان میں تھا لیکن بعد میں مدرسہ کے لئے زمین خرید کر عمارت بنا دی گئی جس میں آٹھ کمرے ہیں اس عمارت کی رسم افتتاح حضرت شیخ الاسلام مولانا مولوی شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ۱۹۳۴ء میں ادا ہوئی۔

درس قرآن

ایک عمومی درس جو کہ نماز فجر سے ایک گھنٹہ بعد ہوتا ہے یہ ۱۹۱۷ء سے شروع ہوا اور بلا عذر شدید کبھی ترک نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے وقت بھی ان کے جانشین و منجھلے صاحبزادے حضرت مولانا عبید اللہ انور نے نہیں چھوڑا۔ والد ماجد کی نعش گھر میں رکھی ہے اور ہونہار سپوت اشکبار آنکھیں لئے قال اللہ و قال الرسول مخلوق خدا کے کانوں تک پہنچانے کا فریضہ ادا کر رہا ہے اس درس میں ہر کوئی شریک ہو سکتا ہے۔ دوسرا درس قرآن علمائے کرام کے لئے ہے اس میں صرف اس شخص کو بیٹھنے کی اجازت ہے جو درس نظامی کی تکمیل کر کے عالم دین بن کر سند فراغت حاصل کر چکا ہو یہی وہ درس ہے جس کے متعلق حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند سند فراغت دیتے وقت ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اب اگر قرآن مجید کے اسرار و رموز اور دین و شریعت کی مصلحتوں سے آشنائی کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس اور باطنی ترقی چاہتے ہو تو لاہور کے ایک کامل اور مکمل ولی اللہ و شیخ وقت کے سامنے تین ماہ تک زانوئے تلمذ تہہ کرو اس درس میں نہ صرف پاک و ہند بلکہ افغانستان، ملایا، انڈونیشیا، ایران، روس، ترکستان اور دیگر اسلامی ممالک کے فارغ التحصیل علمائے کرام شامل ہوتے تھے ان سب کے قیام و طعام کا انتظام انجمن کے ذمہ تھا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا دستور یہ رہا ہے کہ کبھی کسی سے چندہ کی اپیل نہیں کی بلکہ اپنے متعلقین و منسلکین کی اصلاح اس طرح فرمائی ہے کہ خود بخود بلا طلب لوگ روپیہ پیش کرتے ہیں اور اسے اللہ کے دین کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ ریاست بہاولپور کے ایک اہل خیر نے اپنی کوٹھی جس کی قیمت کا اندازہ سوا ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے قریب ہے، اللہ کے واسطے وقف کر دی۔ اور جس کی صرف نچلی منزل کا کرایہ دوسو روپیہ ماہوار کے قریب ہے اس سے لڑکیوں کے مدرسہ کا خرچ چل رہا ہے۔

لڑکیوں کے لئے مدرسہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لڑکیوں کے لئے تہتر ہزار روپیہ کے خرچ سے مدرسۃ البنات کی تعمیر کروائی۔ لطف یہ ہے کہ کسی سے چندہ نہیں مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اہل خیر کے دلوں میں اس کی تعمیر ڈال دی چنانچہ کام مکمل ہو گیا اور کسی قسم کی تنگی محسوس نہیں ہوئی۔ اس مدرسہ کے ۱۶ کمرے ہیں اس مدرسہ میں لڑکیوں کے لئے آٹھ سالہ نصاب تعلیم رائج ہے جس میں عقائد اسلامیہ، ارکان اسلام، کلام مجید، باترجمہ، حدیث، سیرت النبی و سیرت خلفاء راشدین کے ساتھ ساتھ خانہ داری اور کشیدہ کاری کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس مدرسہ میں دو قسم کی کلاسیں ہوتی ہیں ایک تو ان لڑکیوں کے لئے جو صرف اس مدرسہ میں تعلیم پاتی ہیں۔ دوسرا شعبہ ان لڑکیوں کے لئے ہے جو دوسرے سرکاری مدارس میں تعلیم حاصل کرتی ہیں اور یہاں دینی تعلیم کے لئے آتی ہیں ان کی کلاسیں مغرب کے بعد ہوتی ہیں۔

اس مدرسہ میں استانیاں بیشتر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شاگرد ہیں اور بقیہ حضرت کے شاگردوں کی شاگرد، سب رضاکارانہ کام کرتی ہیں۔ معمولی مشاہرہ ان کو دیا جاتا ہے صرف سوزن کا کام سکھانے والی استانی کو چالیس روپیہ ماہوار دیئے جاتے ہیں مدرسہ کا خرچ انجمن کی غیر منقولہ جائداد کے کرایہ سے پورا ہو جاتا ہے۔

تبلیغی کام

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس سے زیادہ رسالے اور کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مجلس ذکر کے مواعظ اور خطبات جمعہ کی آٹھ آٹھ جلدیں ہیں۔ قرآن مجید کا ترجمہ اور حاشیہ ربط آیات بھی شائع کیا۔ ایک قرآن مجید سندھی ترجمہ و تفسیر والا شائع کیا۔ انگریزی زبان میں بھی بارہ کے قریب پمفلٹ شائع کئے جو اصلاح معاشرہ اور ملی و دینی الجھنوں پر قرآن و سنت کی روشنی میں حرف آخر کہے جا سکتے ہیں۔

ہفتہ وار "خدام الدین"

۱۹۵۵ء میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی ایک ہفتہ وار رسالہ شروع کیا گیا۔ جس میں دینی، اصلاحی، معاشرتی مضامین شائع ہوتے ہیں ابتدا میں چار سو کے قریب شائع ہوتا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے اب اس کی اشاعت دینی پرچوں میں امتیازی شان کی مالک ہے۔ سنا ہے کہ اب بیس ہزار کے لگ بھگ اشاعت ہے۔

تصرفات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور کی بالخصوص اور پنجاب کی بالعموم اصلاح کی پوری پوری کوشش کی۔ متعدد مرتبہ جیل میں گئے۔ حق گوئی آپ کا شیوہ تھا۔ وعظ میں گو الفاظ کی تکرار ہوتی تھی لیکن یہ تکرار سمجھانے کے لئے ہوتی تھی۔ سامع کے ذہن میں حضرت کی بات یوں بیٹھ جاتی تھی جیسے پتھر میں نقش ہو۔ علوم دینیہ میں رسوخ کے ساتھ باطنی علوم میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

میرا ذاتی واقعہ ہے کہ میں حضرت کی خدمت میں ایک عزیز کی بے راہروی سے نالاں حاضر ہوا۔ درس کے بعد میں نے ساری بات کی۔ کچھ توقف کے بعد حضرت نے دعا فرمائی اور ایک تعویذ دیا اس تعویذ پر میرے اس عزیز کا نام بھی تحریر فرمایا اور کہا کہ اسے بائیسکل کے پہیے کے ساتھ باندھ کر الٹا گھماؤ۔ انشاءاللہ وہ ٹھیک ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ ایسا ٹھیک ہوا کہ بائیس برس تک ٹھیک ہی رہا اور پھر اس کا انتقال ہوگیا۔

علوم باطنیہ میں کاملین بھی ان کا سکہ مانتے تھے۔ ان کے ماننے والوں میں وہ بھی شامل ہیں جو مسلکاً ان سے متفق نہیں۔ لیکن ان کے علمی مقام، روحانی تصرف، درویش طبعی اور مجاہدانہ سرگرمیوں کے معترف ہیں۔ خود راقم کے ملنے والوں میں ایسے ایسے مہربان ہیں جو مولینا کو کافروں کا سردار کہا کرتے تھے (نعوذ باللہ) لیکن مولینا کے وصال کے بعد ان ہی کے منہ سے یہ بھی میں نے سنا کہ ایسا درویش اور مرد مجاہد صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے باطنی تصرفات، کرامات، کشوف ایسے نہیں ہیں کہ ان کا انکار کیا جا سکے۔ کشفِ قبور اور کشفِ قلوب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسیع نظر عطا فرمائی تھی۔

میں ایسے لوگوں سے بھی واقف ہوں، کہ جنہوں نے پُرخلوص درخواست کی کہ ہم گناہ کی زندگی میں مبتلا ہیں۔ اور اس زندگی سے نجات چاہتے ہیں حضرت نے ان کے لئے دعا کی اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے ان کی کایا پلٹ گئی۔

دورانِ درس کبھی کبھی عام لوگ بھی قادری تجلی کا بچشم ظاہری نظارہ کیا کرتے تھے۔ حضرت کو اپنے مشائخ کرام سے بہت محبت وعقیدت تھی۔ لیکن حضرت اقدس مولینا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ کے ساتھ جس طرح محبت وعقیدت تھی، اس سے بہت سے لوگ اس شبہ میں مبتلا تھے کہ شاید حضرت کو ان سے بیعت یا شاگردی کا تعلق ہے لیکن یہ حقیقت ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ چشتی صابری سلسلہ میں حضرت قطب العالم مولینا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز اور حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ قادریہ راشدیہ کے گل سر سبد تھے۔

عقیدت کا یہ عالم تھا کہ اپنی داڑھی مبارک کے بال اس غرض سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ کو بھیجے کہ میرے یہ بال حضرت کی لاعلمی میں ان کے جوتے میں سی دئے جائیں۔ اس سے جہاں حضرت مدنیؒ کا مقام نمایاں ہوتا ہے وہیں حضرت لاہوریؒ کی عاجزی، انکساری، تواضع اور عقیدت کا بھی ظہور ہوتا ہے۔ اہل سنت و جماعت کے تین بڑے گروہ معروف ہیں، بریلوی، دیوبندی اور اہلحدیث، بریلوی دیوبندی اور بریلوی اہلحدیث کا اختلاف سخت نوعیت کا بن چکا ہے۔ بریلوی حضرات دیوبندیوں اور اہلحدیث کو مسلمان بھی نہیں سمجھتے۔ لیکن حضرت لاہوریؒ اخلاق محمدی کا مجسم نمونہ تھے۔ میرے بچپن کا واقعہ ہے کہ بریلی جماعت کے اہم و مقتدر مولوی دیدار علی شاہ صاحب کا انتقال ہوا تو میرے والد مرحوم نے حضرت لاہوری سے اسی روز یہ واقعہ عرض کیا تو اس وقت حضرتؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے ان کی خطاؤں سے درگذر کرے اور ان کی قبر کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنائے۔ یہ الفاظ اس بزرگ عالم دین کے لئے استعمال فرمائے جو ان کی مکفر جماعت کے سربراہ تھے۔

اسی طرح جب علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور کا انتقال ہوا تو نہ صرف یہ کہ ان کے ایصال ثواب کے لئے حضرت نے قل ہو اللہ تین مرتبہ اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر دعا مغفرت مانگی۔ بلکہ ان کی قبر پر داتا دربار تشریف لے گئے۔ اور ان کے صاحبزادہ سید محمد خلیل صاحب قادری اور ان کے برادرِ خورد سید احمد صاحب سے تعزیت کرنے باغیچی صاحب گئے۔ علامہ ابوالحسنات کے جنازہ میں نے خود دیکھا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ آیا آپ بھی علماء بریلیہ کی طرح ان کو کافر سمجھتے ہیں تو حضرت نے فرمایا ایسا نہیں اِن کے اچھے اچھے ہیں اور بڑے بڑے ہیں کسی کو حتمی کافر نہیں کہا جا سکتا اسی قسم کے جملے تھے جو صحیح یاد نہیں رہے بمطلب یقیناً یہی تھا۔ ان واقعات سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلق اور حق گوئی کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی مجازین کی کافی تعداد موجود ہے، جن میں سے چند ایک مشہور ہستیوں کے نام نامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب مہاجر مدینہ منورہ

(۲) حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب جانشین حضرت شیخ التفسیر۔

(۳) حضرت مولانا حمیداللہ صاحب خلف اصغر۔ یہ تینوں حضرت کے صاحبزادے ہیں۔

ان کے علاوہ مشہور اسلامی اور ادبی شخصیت حضرت مولانا مولوی ابوالحسن علی ندوی، مولانا مولوی بشیر احمد صاحب خطیب جامع مسجد پسرور اور حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کے اسماء گرامی بھی آپ کے مجازین میں داخل ہیں

حضرت کو قرآن مجید کی تفسیر پر ایسا عبور تھا کہ دوسرے حضرات کے ہاں اس طرح کی آمد کم ہی نظر آتی ہے۔ حضرت کا انداز یہ تھا کہ آیۂ کریمہ تلاوت فرما کر اس کا اردو ترجمہ بیان فرماتے اس کے بعد اس کی صرفی، نحوی اور ادبی جامعیت و بلاغت کا ذکر فرماتے، پھر شانِ نزول اور متعلقہ احادیث نبویہ ارشاد فرماتے۔ اس کے بعد سب سے زیادہ ضروری اور مہتم بالشان عنوان "الاعتبار والتاویل" کے تحت حالات حاضرہ کی پیدا شدہ گتھیوں کو اس آیۂ کریمہ سے حل فرماتے۔ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ اس امر پر خاص زور دیا کرتے کہ اس آیۂ کریمہ میں "میرے اور آپ کے لئے کیا سبق ہے"۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے وہ کمال عطا فرمایا تھا کہ درس سننے والے ہی اس کی قدر دانی اور اعتراف کا حق ادا کر سکتے ہیں۔

ساری زندگی سوائے کھدر اور دیسی کپڑے کے کبھی انگریزی ملوں کا بنا ہوا کپڑا زیب تن نہیں فرمایا۔ انگریز کے سخت دشمن تھے۔ ان کی مجالس میں حاضر باش رہنے والا ہی اس امر کا اعتراف کرے گا کہ "امورِ شرعیہ" بیان کرتے وقت بھی ان کا بیان عابدوں، عارفوں اور صوفیوں کا کلام معلوم ہوتا تھا ان کا خلوص مانا ہوا تھا۔ اس عالم اور مولوی کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے جو نکاح، جنازہ اور تقریروں کے لئے نذرانے اور ہدیے کی زیادتی اور کمی کا جھگڑا کھڑا کرے۔ ان کا اپنا عمل یہ تھا کہ خود وہ قطعاً کچھ نہ لیتے تھے۔ جنازہ، نکاح اور تبلیغ پر اجرت لینے کو حرام سمجھتے تھے ان کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ امورِ عبادت ہیں اور عبادت پر اجرت لینا حرام ہے۔

حضرت کے شاگردوں کی تعداد دنیا میں موجود ہے، علماء کرام کے نام کہاں تک گنوائے جائیں۔ جدید تعلیم یافتہ اہل دین میں سے صدر اسلامی مشاورتی کونسل علامہ علاؤالدین صدیقی ایم۔ اے۔ ایل ایل بی صدر شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ ایم اے ڈی لٹ پرنسپل یونیورسٹی اورنٹیل کالج لاہور، چودھری عبدالرحمٰن صاحب ایم اے ایل ایل بی اور ڈاکٹر عبداللطیف ایم بی بی ایس، بی ڈی ایس کے، علاوہ متعدد شاگردوں کے نام پیش کئے جا سکتے ہیں

لاہور میں حضرت امام الہند، حکیم الامت، مجدد دوراں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کا باقاعدہ درس حضرت شیخ التفسیر نے ہی دیا ہے اور اس میں صرف پڑھے لکھے اور جدید تعلیم یافتہ حضرات ہی شریک ہوتے تھے۔ عامی اور سطحی علم والوں کو درس میں بیٹھنے کی اجازت بھی نہ تھی۔

انگریزوں کے عہد میں متعدد مرتبہ حق گوئی اور بے باکی کے سبب جیل بھیجے گئے۔ خاکسار تحریک کے عروج کے دور میں باوجود علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی سے دینی اور سیاسی اختلاف کے، خاکساروں کی پشت پناہی فرماتے رہے بلکہ ان کی حمایت اور ان کے فتاویٰ تکفیر پر جو حکومتِ وقت نے مرتب کرایا تھا۔ دستخط نہ کرنے کے سبب جیل بھیج دیئے گئے۔ غرضیکہ آزادی اور دین خالص کے علمبردار، بے باک، نڈر، حق گو عالم دین اور شیخ طریقت نے لاہور والوں کی بالخصوص اور پاک و ہند کی بالعموم زندگی بھر اصلاح کی کوشش کی۔ اور تقریباً چھیالیس برس تک لاہور میں حق کی آواز بلند کرنے کے بعد ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ بمطابق ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء جمعہ کے دن اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ عمر مبارک ستتر سال تھی۔ گیارہ بارہ سے زیادہ مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری دی۔ اخلاق و عادات میں مشائخ سلف کا نمونہ تھے ان کی زبان سے کبھی بھی گندی اور لچر باتیں سننے میں نہیں آئیں۔ طبیعت میں تشدد نہ تھا۔ مخالف ترین آدمی بھی اگر ان سے ملنے آتا تو اس کا اعزاز و اکرام فرماتے تھے۔

اہل قرآن کے امام مولوی حشمت علی سب کو کافر کہتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مسلمان نہیں سمجھتے تھے لیکن وہ جب بھی حضرت کے پاس آتے تو حضرت کبھی بھی ان سے بے اعتنائی نہ برتتے بلکہ ان کے ساتھ حکمتِ دین اور موعظہ حسنہ سے کام لیتے ہوئے دعوتِ الی الحق کا فریضہ ادا فرماتے۔

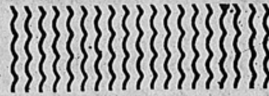
شرک و بدعات کے سایہ کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ لیکن وعظ و نصیحت میں محکمات کو سامنے رکھتے اور متشابہات کی ایسی تاویل فرماتے جو

محکمات پر منطبق ہو سکے! ورجس کا محکمات سے ٹکراؤ نہ ہو۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نمایاں وصف یہ تھا کہ بڑے سے بڑے حکومت کے عہدیدار سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ وزیروں اور گورنروں تک کو ڈانٹ دیتے تھے! ور یہ سبھی ان کی بزرگی تقویٰ اور صاف باطنی کا ثمر تھا پورے دو لاکھ کے قریب مسلمانوں نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت فرمائی جنازہ کی امامت بالاتفاق علماء کرام آپ کے منجھلے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور نے فرمائی اور لاہور کے قبرستان میانی صاحب میں مدفون ہوئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پُر ملال پر پاک و ہند کی نامور ہستیوں نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ جا بجا ایصال ثواب و فاتحہ خوانی کی گئی، مدیران جرائد نے اداریے لکھ کر اپنی عقیدت مندی کا اظہار اور حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے علم و تقویٰ اور نور عرفان کے ساتھ ساتھ حضرت کی ملکی و ملی خدمات کا اعتراف کیا۔

پیر صاحب دیول شریف کا پیغام

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر حضرت پیر دیول شریف نے جن الفاظ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کیا۔ ان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مقام اور پیر صاحب دیول شریف کا اعترافِ حق واضح ہوتا ہے۔ پیر صاحب نے روزنامہ جنگ راولپنڈی کے نمائندہ سے جو گفتگو فرمائی وہ روزنامہ جنگ راولپنڈی کی اشاعت مجریہ ۲۰ مارچ ۱۹۶۲ء میں یوں درج ہے۔ حضرت پیر صاحب نے شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ان کے ورثاء کے نام تعزیتی پیغام دیتے ہوئے لکھا کہ حضرتِ اقدس مولانائے مکرم ایک صاحب نظر اور بہت ہی بزرگ ولی اللہ تھے۔ ان کی وفات سے روحانی دنیا میں بہت بڑا خلا ہوا ہے یہ خلا ایسا ہے کہ اس کو پُر ہوتے برسوں گذر جاتے ہیں۔ حضرت پیر صاحب نے ان کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے اپنے عقیدت مندوں کے نام پیغام دیا ہے کہ سب حضرتِ اقدس مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر فتوح کے لئے ایصال ثواب کریں



علالت اور رحلت

قبر مبارک سے جنّت کی خوشبو

آخری ایام

مولانا احمد علیؒ کی ساری زندگی دین حق کی اشاعت، خلق اللہ کی خدمت، عبادت الٰہی اور شب بیداری کرتے ہوئے گزری۔ اس وجہ سے جسمانی صحت درست رہنا مشکل ہے۔ حضرت اپنی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں فالج اور ذیابیطس جیسے امراض میں مبتلا تھے، لیکن اس کے باوجود حضرت کا چہرہ مبارک نورانی تھا۔ ٹانگوں کو ہاتھ لگانے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی بچّے کی ٹانگیں ہیں مگر جب دربارِ خداوندی میں قیام کا وقت آتا نوجوانوں سے زیادہ سرو قدم ہو جاتے تھے اور اکثر اوقات نوافل بھی کھڑے ہو کر ادا فرماتے تھے۔ مرض آہستہ آہستہ بڑھتا رہا مگر اس کی زیادتی نے لقاءِ رب کے عاشق کو پریشان نہیں کیا بلکہ اور تازہ دم کر دیا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"میں نے اللہ تعالیٰ سے جو مانگا وہ مجھے دیا۔ میں اس سے راضی ہوں جب بلائے میں حاضر ہوں۔

کئی سالوں سے کھدّر کا کفن سلوا کر رکھا ہوا تھا قبر کی جگہ صاحبزادہ صاحب اور حاجی دین محمّد صاحب کو بتا دی تھی بلکہ جب آخری عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو مندرجہ ذیل ارشاد فرما گئے تھے: "میں ۲۰ جولائی بروز جمعرات صبح کے وقت عمرہ کرنے مکہ جا رہا ہوں۔ ۲۱ جولائی کو جمعہ کراچی پڑھوں گا۔ حکومت نے مجھے اجازت دے دی ہے۔ میں پہلے سے جانے والا تھا اچانک میری ایڑی میں سخت درد ہونے لگا جس کی وجہ سے میں چار دن تک چل پھر نہ سکا اور جو ٹکٹ میں نے خرید رکھّا تھا واپس کر دیا۔ موت کا علم نہیں کب آئے پانچ سال ہو گئے ہیں۔ میں نے درزی کو بلا کر اپنے ناپ کا کفن تیار کرا لیا تھا ہر وقت موت کے لیے تیّار ہوں۔ اگر مکّہ معظمہ فوت ہو گیا تو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد کسی بدعتی یا قبر پرست پیر کے پیچھے نہ لگ جانا اور گمراہ نہ ہو جانا بلکہ کسی متبع سُنت اور اصلاح یافتہ عالم کی صحبت اختیار کرنا۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ سارے مولوی اور پیر ہدایت یافتہ نہیں ہوتے بلکہ اکثر گمراہ ہوتے ہیں۔

حضرت نے آخری دنوں میں جو خطبہ دیا اس میں آپ کے وصال کی اطلاع کی جھلک صاف نظر آتی تھی۔ آپ نے جنوری اور فروری ۱۹۶۲ء میں آنے والے اکثر خدام سے ایسے کلمات فرمائے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ لقائے ربّ کے لیے پا بہ رکاب ہیں۔ حضرتؒ نے حاجی دین محمّد صاحب لاہور کو وصال سے دو تین دن پہلے فرمایا۔ اب میں آپ کے پاس خطبہ دینے کے لیے نہیں رہوں گا۔

اسی جمعہ مبارک کو آپ کے خادم خاص مولانا محمّد صابر صاحب نے سُسرال جانے کی اجازت چاہی تو آپ نے خلاف معمول نہ دی۔

رحلت کی پیشین گوئیاں

ادھر عالم بالا میں آپ کی رحلت کا اعلان ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ افراد قدسیہ جو اس کُرّہ ارضی پر رہتے ہوئے بھی، بحمدہٖ و باذنہٖ تعالیٰ عالمِ بالا کی خبروں سے واقف ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے اس کی اطلاع دی تھی۔ بھالیکے کی جامع مسجد کے خطیب مفتی ابوالشفاء کا بیان ہے کہ "ہمارے ہاں ایک مجذوب نے محویت اور جذب کے عالم میں چند باتیں فرمائیں۔ اُس نے استغراق و انہماک مجذوبانہ میں پکارا:

کر کہا کہ لوگو! تمہارا خیال ہے کہ لاہور میں صرف ایک علی ہجویری علیہ رحمۃ ہیں۔ آؤ اگر زندہ علی ہجویری دیکھنا ہو تو شیرانوالہ دروازہ میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ صاحب کو دیکھو۔ مگر ان کا وقت تھوڑا سا رہ گیا ہے۔"

اسی طرح حضرتؒ کے وصال سے کچھ دن پہلے مکہ مکرمہ میں ایک باخدا بزرگ نے حضرتؒ کے ایک معتقد عبدالرحمٰن صاحب ساکنہ نوشہرہ کو جو حج کے لیے گئے ہوئے تھے۔ آپ کی رحلت کی اطلاع دی — عبدالرحمٰن صاحب کا بیان ہے۔

۱۹ر فروری ۱۹۶۲ء بروز سوموار بعد از شام عشاء ہم لوگ باب العمرہ سے باہر ایک ہوٹل میں چائے پی رہے تھے کہ ایک شخص آکر بیٹھ گیا۔ باتوں ہی باتوں میں ہم سے دریافت کرنے لگا کہ آپ کا تعلق کس ہستی سے ہے؟ میں نے شیخ التفسیر حضرت لاہوری کا نام لیا تو اُس نے کہا کہ ان کا تو انتقال ہو گیا۔ میں نے بڑی حیرت سے پوچھا" آپ سے کس نے کہا؟ ریڈیو میں آیا یا کسی نے اطلاع دی"۔ اُس نے کہا "مجھے کسی نے بتایا ہے"، میں نے بہت پوچھا کہ کس نے بتایا مگر اُس نے نہ بتایا۔ طبیعت از حد بے چین و مغموم ہوئی۔ دوسرے دن باوجود کوشش کے کسی جگہ سے اطلاع نہ مل سکی۔ ہم سمجھے کہ یہ خبر درست نہیں ہے۔

۲۳ر فروری کو جمعۃ المبارک مکہ معظمہ میں پڑھ کر ۲۴ر فروری بروز ہفتہ بعد العصر مدینہ منورہ پہنچے اگلے دن صاحبزادہ مولانا حبیب اللہ صاحب سے ملے ان سے بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا مگر دوسرے دن اُنہوں نے اطلاع دی کہ حضرت کا انتقال ہو گیا ہے۔

سفرِ آخرت

حضرت مورخہ ۲۳ر فروری بروز جمعہ ۱۰ بجے اپنے مکان سے حسب معمول مسجد لائن والی میں خطبہ جمعہ کے لیے تشریف لائے۔ حضرت اقدس ایک عرصہ سے علیل اور نحیف ہونے کے باعث گھر سے مسجد تک کار یا ٹانگہ میں تشریف لایا کرتے تھے مگر اس دن آپ نے اپنے صاحبزادہ مولانا عبید اللہ انور صاحب کو سواری لانے سے منع فرمایا۔ مولانا انور صاحب کی کی خوشی اور حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب اُنہوں نے حضرت شیخ وقت کو جوانی کی سی تیز رفتاری کے ساتھ مسجد کی طرف روانہ ہوتے دیکھا۔ اور بہت خوش ہوئے — مولانا انور صاحب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو حجرہ میں چھوڑ کر خود کسی اور جگہ خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے چلے گئے۔

پونے بارہ بجے حضرت شیخ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا حافظ حمید اللہ صاحب لباس تبدیل کرانے کے لیے حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچے تو آپ کی طبیعت ناساز تھی۔ پیٹ میں درد تھا اور متلی وغیرہ کی شکایت تھی۔ چنانچہ حضرت اقدس کی ناسازی طبع کے پیشِ نظر مولانا حافظ حمید اللہ صاحب ہی کو نماز جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمانا پڑا نماز جمعہ کے فوراً ہی بعد ڈاکٹر کیپٹن چودھری صاحب جو حضرت کے عشاق میں سے ہیں، شیخ العالم کی خدمت میں پہنچے۔ اُنہوں نے طبی امداد پہنچائی اور کار کے ذریعے حضرت شیخ کو گھر لے گئے۔ شام تک اُنہوں نے تین انجکشن لگائے لیکن حالت نہ سنبھل سکی۔ وہ متعدد ڈاکٹروں سے بھی مشورہ کرتے رہے، لیکن افاقہ نہ ہوا۔ شام کو مشہور ڈاکٹر محمد یوسف صاحب بھی تشریف لائے اور حضرت اقدس کو ہسپتال لے جانے کا مشورہ دیا۔ لیکن اللہ کی حکمت اس کے برعکس تھی۔

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت اقدس نے مغرب تک کی تمام نمازیں ہوش کی حالت میں ادا کیں۔ اگرچہ بے ہوشی بھی طاری ہوتی رہی مگر نماز کے وقت ہوش آجاتا چونکہ طبیعت پر فطری طور پر صوم و صلوٰۃ کا غلبہ تھا اس لیے بے ہوشی کی حالت میں بھی توجہ نماز اور ذکرِ الٰہی کی طرف رہی۔

اسی دن رات کے ۹½ بجے آپ نے نمازِ عشا کی نیت باندھی اور سجدے کی حالت میں آپ کا وصال ہوگیا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون ؕ

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دیرینہ دُعا کو قبول فرما لیا کہ اے اللہ! جب تک تیری دُنیا میں زندہ رہوں خدمتِ دین کرتا رہوں۔ اور میری کوئی نماز قضا نہ ہونے پائے۔ ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کا وقت ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاؤں چنانچہ جمعرات تک حضرتؒ نے اپنے تمام مشاغل معمول کے مطابق سرانجام دیئے۔ جمعہ کو روزہ رکھا اور تمام فرائض کی ادائیگی کے بعد اپنے مولا سے جا ملے۔

بارہ بجے شب آپ کے صاحبزادوں مولانا عبید اللہ انور صاحب اور حافظ حمید اللہ صاحب نے آپ کو آخری غسل دیا اور مشتاقانِ زیارت کی خواہش کے پیشِ نظر حضرتؒ کے مکان واقع خفری محلہ اندرون شیرانوالہ گیٹ کے نچلی منزل کے صحن میں حضرت کے وجودِ اقدس کو زیارت کے لیے رکھ دیا گیا۔ حضرتؒ کی نصیحت تھی کہ جمعہ و عیدین کے علاوہ درس کا ناغہ نہ کیا جائے، چنانچہ سعادت مند صاحبزادوں نے گھر میں باپ کا جنازہ رکھ کر تڑپتے ہُوئے دل اور اشکبار آنکھوں سے اس نصیحت پر عمل کیا اور درس قرآن حکیم دیا۔ جب قرآن پاک کھولا گیا تو جس آیت پر نظر پڑی وہ تھی کل نفس ذائقۃ الموت حاضرینِ درس کی سسکیاں فزوں تر ہوتی جارہی تھیں آخر جب درس کا اختتام ہُوا تو حاضرینِ درس بے تابانہ اپنے اس خطیب کو ایک نظر دیکھنے کے لیے دوڑے جس کی آواز سے ان کی سماعت محروم ہو چکی تھی۔ طلوع آفتاب کے ساتھ ساتھ یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی اور اخبارات نے ہر شہر اور ہر قریہ کو اس عظیم المرتبت انسان کی رحلت سے باخبر کردیا۔ چنانچہ عقیدتمند ہوائی جہازوں، ریل گاڑیوں اور موٹروں کے ذریعے جوق در جوق شیرانوالہ دروازہ (لاہور) مردوں اور عورتوں کے گروہ باری باری اپنے محبوب شیخ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ آخر جب مکان اتنے بڑے ہجوم کا متحمل نہ ہوسکا تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس شیخ ابرار احمد صاحب نے حضرت کے صاحبزادوں سے اجازت لے کر جسدِ اطہر کو مکان کے باہر گلی میں رکھوا دیا اور اُوپر شامیانے لگا دیئے گئے صبح سے لے کر ۲½ بجے تک مشتاقانِ دید اپنے شیخ کی آخری جھلک دیکھتے رہے۔

بعد از نمازِ ظہر علمائے کرام جمع ہُوئے تو حضرتؒ کی نمازِ جنازہ کے لیے امامت کے انتخاب کا سوال اُٹھایا گیا۔ بیشتر علمائے کرام نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ حضرت نے اپنے منجھلے صاحبزادے مولانا عبید اللہ انور کو اپنا قائم مقام اور اپنے بعد امیر انجمن بنایا تھا اس لیے وہی نماز پڑھائیں۔

اس فیصلے کے بعد جنازہ اٹھایا گیا۔ بے پناہ ہجوم کی وجہ سے چارپائی سے باندھنے کے لیے تیس تیس گز لمبے بانس لائے گئے مکان سے مسجد تک جنازہ ویسے ہی لایا گیا۔ کیونکہ گلی سے طویل بانس باندھ کر جنازہ نکلنا ممکن نہ تھا۔ مسجد کے نزدیک چارپائی سے بانس دیئے گئے۔ لوگوں کی خواہش کے پیش نظر حضرت کا رُخِ انور کھُلا رکھا گیا تھا تاکہ کوئی شخص آپ کی آخری جھلک سے محروم نہ رہ جائے۔

اس کے بعد آپ کا جنازہ شیرانوالہ گیٹ سے باہر سرکلر روڈ پر لایا گیا۔ جوں جوں جنازہ آگے بڑھ رہا تھا، توں توں ہجوم میں بھی اضافہ ہو رہا تھا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے، جو پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ جنازے کے جلوس کے ہمراہ تھے یہ پیشکش کی کہ ہم ایک کھلی کار منگوائے دیتے ہیں حضرت کی چارپائی اس میں رکھ دی جائے مگر بانس بدستور اس کے ساتھ بندھے رہیں اسی طرح تمام لوگ اس بانس کو چھونے کی سعادت حاصل کرسکیں گے۔ حافظ حمید اللہ صاحب نے کہا کہ حضرتؒ اقدس قوم کی امانت تھے۔ اگر قوم اس کے لیے تیار

ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن لوگوں نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔

حضرت کا جنازہ سرکلر روڈ پر براستہ دہلی گیٹ، اکبری گیٹ، شاہ عالمی گیٹ اور انار کلی، قبرستان میانی صاحب کی طرف بڑھتا گیا۔ یہاں سے پولیس کی ایک جیپ جنازے کے آگے آگے چلا دی گئی تھی تاکہ ہجوم کی وجہ سے جنازہ رکنے نہ پائے اور آگے بڑھتا رہے۔ پولیس نے شیرانوالہ سے یونیورسٹی گراؤنڈ تک ٹریفک بند کر دیا تھا۔ حدِ نگاہ تک انسانوں کا سیلِ رواں نظر آتا تھا۔ دو رویہ مکانوں اور دوکانوں کی چھتیں عورتوں اور بچوں سے اٹی پڑی تھیں۔ عورتیں چھتوں سے حضرتؒ کے جنازے پر پھول برسائیں۔

کم وبیش ساڑھے چار بجے کے قریب جنازے کا جلوس یونیورسٹی گراؤنڈ میں پہنچا۔ اندازاً ڈیڑھ دو لاکھ انسانوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ نماز کے بعد گروہ عاشقاں اپنے محبوب شیخؒ کو کندھوں پر اٹھائے قبر پر پہنچا اور اٹھارہ رمضان المبارک کی افطاری سے دس منٹ قبل حضرت مولانا عبد اللہ صاحب درخواستی، مولانا عبید اللہ انور، حافظ حمید اللہ صاحب اور چند دیگر معتقدین نے حضرت قطب عالم مولانا غلام محمد صاحب دین پوری قطب الاقطاب حضرت مولانا سید تاج محمود صاحب امروٹی رحمۃ اللہ علیہما کی اس مشترکہ امانت کو لحد میں اتار دیا اس طرح غروبِ آفتاب کے ساتھ علم وعرفان کا یہ آفتاب بھی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

اک آسرا تھا دید کا باقی سومٹ گیا
سنتے ہیں بند روزنِ دیوار کر دیا

کفن میں ملبوس وجود مبارک بھی نظروں سے اوجھل ہوگیا تو سسکیوں نے فضا کو گھیر لیا۔ آہ و فغاں بلند ہونے لگے۔ ہر شخص ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتا تھا مگر اپنی آنکھوں اور دل پر اس کو اختیار حاصل نہ تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ فضا اور ہوا شریک رنج وغم ہیں۔ بادل گرج کر اور بجلی چمک کر سلامی دے رہی تھی۔ آخر کارکنوں نے تیزی سے مٹی ڈالنا شروع کر دی۔ حضرت کے مقربین جو قبر کے نزدیک کھڑے تھے دور کھڑے عشاق کی التجاؤں کا مرکز بنے ہوئے تھے وہ لوگ ان سے مٹی کے ڈھیلے مانگ رہے تھے تاکہ ان کے ہاتھوں سے چھوئی ہوئی قبر پر ڈالی جا سکے۔

جب قبر کا تعویذ تیار کیا جا رہا تھا تو روزہ افطار کرنے کا سائرن سنا گیا۔ بہت سے حضرات افطاری کے لیے اشیائے خوردنی ساتھ لائے ہوئے تھے جن کو وہاں تقسیم کیا گیا۔ قبر کی تیاری کے بعد حضرت مولانا عبد اللہ صاحب درخواستی نے دعا فرمائی اور ہجوم آمین کہتا گیا۔ دعا کے بعد مجمع گروہوں میں بٹ کر نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے رخصت ہوگیا۔

مزارِ مبارک سے جنت کی خوشبو

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقدِ انور (قصبہ خارتنگ علاقہ سمرقند) سے خوشبو کا آنا متواتر ہے۔ آج بارہ سو سال سے وہاں کی معطر فضا زائرین کے ایمان کو تازہ کر رہی ہے۔ خداوندِ قدوس نے اپنی رحمت کا اظہار امام اولیاء مولانا احمد علی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی آرام گاہ پر بھی فرمایا۔ لاکھوں انسانوں نے اس خوشبو کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ تجزیہ اور تجربہ کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ واقعی مولانا کی قبر اور اس کے ارد گرد سے خوشبو آتی ہے۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ہر قبر اور ہر اس جگہ سے جہاں کسی انسان کا بدن اصلی شکل میں، ذرات کی خاکی شکل میں یا مادہ سیال کی شکل میں پڑا ہو۔ وہاں سے بدبو یا خوشبو آتی ہے روحانی قوت سے مشرف حضرات اس کو محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے کہ موت فنائے کاملہ کا نام نہیں بلکہ انتقالِ کا نام ہے۔ محدثِ عصر علامہ انور شاہ کاشمیری نے فرمایا۔

ع۔ موت ایں طرف بود زیستن آں طرف

اقبال مرحوم نے اسی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ؎

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دُور رہتا ہے

چنانچہ قرآن کریم نے موت کے فوراً بعد انسانی حیات قبر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: فاما ان کان من المقربین فروح و ریحان ٥ وجنت نعیم ٥ واما ان کان من المکذبین الضالین ٥ فنزل من حمیم

ترجمہ: پھر جب قیامت آئے گی اگر وہ مقربین میں سے ہے تو (اس کے لیے) راحت اور خوشبوئیں اور عیش کے باغ ہیں اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو کھولتا ہوا پانی مہمانی ہے۔

جناب رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: القبر روضۃ من ریاض الجنۃ وحفرۃ من حفر النیران (مشکوٰۃ)

ترجمہ: قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ بن جاتا ہے اور یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جاتا ہے۔

آئے دن اخبارات میں ایسے واقعات کثرت سے آتے رہتے ہیں کہ فلاں جگہ قبر سے آگ نکلی اور متواتر کئی دن تک شعلے بلند ہوتے رہے اور فلاں جگہ قبر سے آگ نکلی اور متواتر کئی دن تک شعلے بلند ہوتے رہے اور فلاں جگہ سے دھواں نکلتا رہا۔ العیاذ باللہ۔

قبر کا جنت کے باغوں میں سے باغ بن جانا بھی یقینی ہے جس کا مشاہدہ حضرت کے مزار پُرانوار سے ہو رہا ہے۔ جس وجود پاک نے ستر اسی سال خداوند قدوس کی اطاعت میں گذارے جو تزکیۂ نفس کے اس بلند مقام پر فائز ہوا جس کی مثال اس کے معاصروں میں نہ مل سکی اس کی تربت سے خوشبو کا آنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ اسرارہم نے ارشاد فرمایا:

"وگفتہ اند کہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نوری از ایشاں بارہا نور دیدہ شد و بسیار خواص و عوام از مقابر صلحاء و شہدا نور مرتفع می بینند و ایں نور نفس زاکیہ ایشانست کہ چوں کار نفس عالی بود نور او در بدن سرایت می کند و طبع مزاج بدن می گردد و بانہ اگر نفس از بدن مفارق ہم می شود و تاہم آں جسد منبع انوار و منقد آں می باشد چنانچہ در حالت حیات و بقاء نفس بود۔"

(ص۸۶ از کتاب امداد السلوک مؤلفہ حضرت قطب الارشاد)

یعنی جو بدن اس دُنیا میں اطاعتِ خداوندی اور تزکیۂ نفس کے اعلیٰ مقام پر فائز رہتا ہے وہ اس جہان فانی سے چلے جانے کے بعد بھی انہی صفات کے ساتھ موصوف رہتے ہوئے مطلع انوار بن جاتا ہے۔ اس لیے اکثر اولیاء اللہ کے مزارات سے "نور" کا مشاہدہ عام و خاص لوگوں کو ہوتا رہتا ہے۔

انسان زندگی میں جن اعمال کا پابند رہا ہو موت کے بعد اس کی قبر سے وہ اعمال برزخی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم نور ہے تو عامل بالقرآن کے مزار پُر انوار سے نور کا ظاہر ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ حدیث میں عامل بالقرآن کو اس نارنگی سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا مزہ بھی لذیذ اور خوشبو بھی دل پسند ہوتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک صحابی نے ایک قبر سے سورہ ملک کو اتنی دفعہ سُنا کر سُن سُن کر حفظ کر لی۔ (ترمذی)

مولانا عبیدُاللہ صاحب انور کی دستار بندی

یادگار سلف، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین حضرت مولانا عبدالہادی صاحب دامت برکاتہم سجادہ نشین دین پوری شریف (خلف اکبر، حجۃ اللہ فی الارض شیخ المشائخ غوث الاعظم حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری قدس سرہ العزیز) نے سلطان الاولیاء قطب الاقطاب شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی وصیت اور سلسلہ قادریہ راشدیہ کی روایت کے مطابق شیخ التفسیر علیہ رحمۃ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب

۱؎ حضرت اقدس رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ کو عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ قدس اللہ سرہٗ ۱۲۔

مدظلہ العالی کو ۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء کو بعد از نماز فجر باقاعدہ پگڑی بندھوائی اور حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کے متوسلین کو جملہ معاملات اور منازل سلوک میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے آپ سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔

سلسلہ قادریہ راشدیہ میں دستار بندی کا طریق شیخ المشائخ غوث زماں حضرت مولانا محمد ارشد صاحب قدس سرہٗ کے وقت سے چلا آتا ہے۔

بمئے سجّادہ رنگیں کُن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسمِ منزلہا



اکابر کے آخری لمحات

مولانا ظفر احمد واہگہ

حضرت مولانا حاجی امداد اللہ قدس سرہ

مرض وفات میں استغراق کے ساتھ ضعف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ کروٹ بدلنا دشوار تھا۔ بھوک بالکل جاتی رہی تھی۔ آخر ۱۳ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء کو چہارشنبہ کے دن فجر کی آذان کے وقت چوراسی سال کی عمر میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اور جنت مُعلیٰ میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے سادہ تاریخِ وفات نکالا۔ جیئُ دخلِ الخلد ۱۳۱۷ھ (بیس بڑے مسلمان ص۱۱)۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ چوتھی جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ جمعرات کو بعد نماز ظہر دم آخر ہوا إنا لله وإنا إليه راجعون۔ یہ سانحہ کئی ہفتوں کے مرض کے بعد ہوا تھا۔ ایک قیامت بپا ہوگئی۔ گھر میں وسعت نہ تھی۔ مدرسہ میں لاکر جنازہ رکھا بعد غسل وکفن باہر شہر ایک قطعہ زمین کا حکیم مشتاق احمدؒ نے خاص قبرستان کے لیے اس وقت وقف کر دیا تھا وہاں اول حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دفن کیا (پھر اس قبرستان میں شیخ الہند حضرت مدنیؒ بھی دفن ہوئے ارشد) نماز جنازہ باہر شہر ہوئی۔ اتنا مجمع ان بستیوں میں دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ بعد مغرب اس خزانہ خوبی کو سپرد زمین کر دیا اور ہاتھ جھاڑ کر چلے آئے (حوالہ بالہ ص۱۴۲) کیا چراغ گل ہوا۔ مادہ تاریخ وفات ــــ حضرت مولانا یعقوبؒ صاحب ــــ مصیبت پر مصیبت آئی ــــ مولوی فضل الرحمن دیوبندیؒ ــــ

(نوٹ یہی تاریخ اور دن وقت حضرت مدنیؒ کی وفات کا ہے)

قطب الارشاد سیّد الطائفہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ

کا حادثہ جو ۸ یا ۹ جمادی الثانی علی اختلاف رویۃ الہلال ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء جمعہ کے دن چاشت کے وقت ہوا وہ منظر اب تک آنکھوں کے سامنے ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد تدفین عمل میں آئی۔ صبح کے بعد سے جنازہ کے اٹھنے تک اس قدر سناٹا تھا کہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں آدمی کی آواز ہی نہیں کسی جانور کی آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی۔ لب ہر شخص کے ہل رہے تھے۔ اس قدر مکمل سکوت کہ قرآن شریف کی بھی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ حفاظ بھی قرآن پڑھ رہے تھے۔ ناظرہ خواں بھی مسجد میں بیٹھ کر تلاوت کثرت سے کر رہے تھے نماز جنازہ حضرت صاحبزادہ کے حکم سے حضرت شیخ الہندؒ نے پڑھائی تھی۔ (حضرت شیخ کی آپ بیتی ص۲۵۰)

تاریخ ہائے وفات

حیفٌ دخل الخلد ــــ حضرت مفتی عزیز الرحمنؒ ــــ إنه في الآخرة لمن الصالحين ــــ شیخ الہندؒ ــــ کنت جنید مثت شہیدا شاہ عبدالرحیمؒ۔ (بیس بڑے مسلمان ص۲۲۵)

شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ میں حضرت اقدس قطب الاتقیاء حضرت شاہ عبدالرحیم نور اللہ مرقدہ کا وصال ہوا۔ حضرت اقدس سہارنپوری نے ایک شب پہلے خواب دیکھا کہ چاند گرہن ہوگیا ہے دیکھتے ہی بے چینی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اماں جی مرحومہ نے حضرت سے عرض کیا۔ کیا بات

ہوئی حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا۔ خواب دیکھا ہے۔ مولانا شیخ الہند محمود الحسن اور حضرت شاہ عبدالرحیمؒ عرصے سے بیمار ہیں اللہ ہی خیر فرمائے۔ علی الصبح حضرت نے جانے کا ارادہ فرمایا۔ مجھے یہ خواب اسی طرح یاد ہے۔ تذکرۃ الخلیل ص۲۹۷ میں کچھ معمولی تغیر خواب نقل ہے دوسرے دن حضرت کا وصال ہوگیا جنازہ رائے پور شریف گیا۔ (آپ بیتی حضرت شیخ ص۲۵۱)

حضرت اقدس شیخ الہند محمود الحسن قدس سرہٗ

حضرت شیخ الہند کی بیماری تو پہلے ہی تھی اسی طرح بیمار ہی ایک جلسہ کی صدارت کے لیے تشریف لائے (ظفر) ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ بیوم سہ شنبہ کو ۳۰ نومبر کو طبیعت میں انقطاع عن الدنیا توجہ الی الاخرۃ الی رفیق الاعلیٰ کا گمان غالب آنے لگا۔ چارپائی کے گرد حاضرین خاموشی سے اور آہستگی سے ذکر اللہ میں مشغول تھے اسی حالات میں حضرت نے اس غیر فانی اور واجب الوجود ہستی کو یاد کیا جس کے نام پر اپنے آپ کو محو کر دیا تھا۔ یعنی بلند آواز سے تین مرتبہ اللہ اللہ اللہ فرمایا حضرت مولانا شبیر احمدؒ کا بیان ہے کہ حضرت نے تھوڑی دیر آنکھ کھول کر چھت کی طرف دیکھا پھر فرمایا مرنے کا کچھ افسوس نہیں ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ بستر پر مر رہا ہوں۔ تمنا یہ تھی کسی میدان جہاد میں ہوتا اور اعلاء کلمۃ الحق کے جرم میں میرے ٹکڑے کئے جاتے اس کے بعد بلند آواز سے اللہ اللہ سات مرتبہ کہا آٹھویں مرتبہ آواز بند ہوگئی حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی نے سورہ یٰسین شروع کی مگر وہ جوش گریہ سے پوری نہ ہوسکی۔ اس لیے مولوی حافظ ایاس صاحبؒ نے پڑھنا شروع کیا سورۃ قریب الختم ہوئی تو حضرت نے خود بخود حرکت کرکے اپنا بدن سیدھا کر لیا ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر سیدھی کر لیں۔ اور ۸ بجے جب مولوی صاحب بالکل آخر پر پہنچے تو حضرت نے آنکھ کھول کر اور تصدیق قلبی کی تصدیق کیلئے زبان کو حرکت دی اور خاص الیہ راجعون کی آواز پر قبلہ رخ ہوکر ہمیشہ کے لیے آنکھ بند کر لی (بیس بڑے مسلمان ص۳۰۱)

حضرت مولانا خلیل احمد قدس سرہٗ

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ناکارہ حضرت اقدسؒ کے ساتھ سفراً حضراً ہر وقت کا حاضر باش۔ لیکن وصال کے وقت دور کر دیا ذیقعدہ ۳۵ھ میں مدینہ منورہ سے واپسی ہوئی۔ اور ربیع الثانی ۴۶ھ بروز چہار شنبہ جب کہ عرب کی ۱۶ اور ہندوستان کی ۱۵ تاریخ تھی۔ میرے حضرت اقدسؒ قدس سرہ نے مدینہ پاک میں وصال فرمایا۔ مولانا طیب مغربی صدر مدرس مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ نے مصلی الجنائز میں نماز پڑھائی۔ اور وہیں دفن ہوئے (آپ بیتی ص۲۵۸)

حضرت اقدس حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ

حضرت تھانویؒ نے دوشنبہ بعد نماز مغرب پوچھا اپنی چھوٹی رفیقہ حیات سے کہ کیا میں دونوں کا ماہوار خرچ دے چکا ہوں یاد دلائی گئی کہ ہمیں بہت کچھ مل چکا ہے۔ آپ دے چکے ہیں۔ بے فکر رہیں۔ پھر فرمایا آج تو ہم جا رہے ہیں۔ گھر والوں نے عرض کیا کیا فرمایا تم نہیں جانتی۔ اس کے بعد پھر جو غشی طاری ہوئی۔ تو سوا گھنٹہ تک ہوش نہ آیا۔ سانس تیزی سے اوپر آتا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی درمیانی انگلی کے بیچ سے اور شہادت کی انگلی کے بیچ سے ایک ایسا نور تیز روشنی نکلتی تھی کہ جلتے ہوئے قمقمے ماند پڑ جاتے تھے۔ یہ روشنی سانس کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ آتی تھی۔ اور جاتی تھی۔ جب آپ رخصت ہوئے تو یہ روشنی بھی غائب ہوگئی۔ آپ کا وصال سہ شنبہ کی (یعنی ۱۹۔۱۷ رجب ۱۳۶۲ھ ۱۹، ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی رات ۸۲ سال ۳ ماہ اور ۱۱ دن کی عمر پاکر وصال فرمایا (اشرف السوانح ص۲۴)

رئیس المبلغین بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہٗ

حضرت شیخ عزیز فرماتے ہیں کہ میرے چچا جان کا وصال ۲۱ رجب ۶۲ھ اور ۱۳ جولائی ۴۴ء بروز پنج شنبہ بوقت اذان صبح ہوا (آپ بیتی ص۲۴۳)

حضرت مولانا محمد یوسف عرف حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ

مورخہ ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۶۵ء بروز جمعۃ المبارک لاہور بلاک پارک میں ہوا جنازہ دہلی لے جایا گیا۔

حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال بھی حضرت نانوتویؒ والی تاریخوں میں یعنی ۱۳ جمادی الاول بروز جمعرات بعد نماز ظہر ہوا

نشر ہو گئی پورے ملک سے لوگ آرہے تھے۔ قریب کے آرہے تھے۔ مگر تاخیر سے پہنچنے کے لئے حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے ایماء پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قبرستان اگرچہ ایک فرلانگ کے فاصلہ پر تھا مگر بیس پچیس ہزار انسانوں کے جم غفیر کو میت کے ساتھ وہاں پہنچتے پہنچتے دو گھنٹے لگ گئے۔ بالآخر حضرت شیخ الاسلام کا جنازہ اپنے دو عظیم پیش رؤوں حضرت نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے پاس پہنچ گیا۔ اور عین اس وقت کہ خاص تہجد کے وقت جو کہ خدا کا اپنے بندوں سے ملاقات کا خصوصی وقت ہے دفن ہوئے (بیس بڑے مسلمان صفحہ ۵۱۰)

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت شیخ التفسیر سیدنا مرشدنا مولانا احمد علی قدس سرہٗ کے آخری لمحات مولانا عبید اللہ انور کی زبانی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے قبل تیمم فرمایا۔ اور نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ پھر دعا کرتے رہے۔ پھر فرمایا روزہ افطار ہو گیا ہے ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا میرا روزہ افطار کراؤ۔ پانی لاؤ والدہؒ نے کہا پانی پی لیں فرمایا اچھی بات ہے۔ پہلے میں پہلے نماز پڑھ لیں اس حالت میں رہے۔ جیسے حضرتؒ کی دعا تھی کہ یا اللہ نماز قضاء نہ ہو درس کا ناغہ نہ ہو اسی طرح ہوا نماز تو کوئی قضاء نہ ہوئی اس دن تراویح نہ پڑھ سکے۔ نوافل پڑھتے پڑھتے بیچ میں اٹھ کر معانقہ کرنے لگتے اور مصافحہ کیا۔ والدہؒ فرمانے لگیں کس سے مل رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ بھی دیکھ رہی ہیں۔ جب آپ مسکرا کر ملا کرتے تھے تو ایک دانت نظر آتا تھا پھر ہی کیفیت پیدا ہوئی۔ اس کے بعد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر قبلہ رخ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ (۲ جولائی کا خدام الدین صفحہ ۱۹۷۱ء)

میرے حضرت پیرو مرشد مفتی بشیر احمد نقشبندی قادری خطیب شاہی مسجد پسرور کا انتقال ۸ ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ اور ۲۲ دسمبر ۱۹۷۴ء کو ہوا حضرت اقدس مفتی بشیر احمد صاحبؒ کو دل کی تکلیف تھی۔ آخری وقت میں آپ نے اللہ اکبر کہا اور روح پرواز کر گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جناب صاحبزادہ قاری مولوی رشید احمد صاحب اسی سال حج پر گئے ہوئے تھے وہ میدان عرفات میں دعاؤں میں مشغول تھے ادھر اباجی کے جنازہ کی تیاری ہو رہی تھی حضرت کا جنازہ مولانا عبدالقیوم صاحب استاذ الحدیث نصرۃ العلوم نے پڑھائی لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ دکانیں بند ہو گئیں پسرور کی تاریخ میں اس طرح کا جنازہ پسرور والوں نے نہ دیکھا تھا۔ جنازہ سے پہلے مولانا فیروز خان صاحب نے کچھ تقریر فرمائی تو لوگوں کی آنکھوں سے برسات کی طرح آنسو بہہ رہے تھے۔ مجھے واگہ فون پر اطلاع ہوئی صبح ہی پسرور پہنچ گیا دیکھا کہ حضرت کا حسین جمیل چہرہ سفید کفن میں ملبوس گویا سوئے ہوئے ہیں لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا ایک طرف لائن سے مرد عورتیں بچے بوڑھے آتے اور زیارت کرکے گزر جاتے تھے۔ ہر ایک آنکھ پر نم تھی۔ جب شام کو جنازہ دفن کر کے فارغ ہوئے تو ایک شخص نے یہ کہا لوگو۔ جس کسی نے حضرت کا کچھ دینا ہو وہ تو قاری رشید احمدؒ آئیں گے تو دینا ہاں جس نے کچھ لینا ہو تو میں حاضر ہوں۔ مجمع بہت تھا مگر کوئی بولنے والا نہیں تھا۔ کچھ دور والے حضرات کے پینے کھانے کا انتظام بھی تھا میرا اور مولانا محمد اسحاق صاحب باغبانپورہ والوں کا روزہ تھا ہم نے بس میں روزہ کھولا اور لاہور واپس آ گئے۔

یہ امیر خسروؒ کا شعر جو انہوں نے اپنے پیرو مرشد محبوب الٰہی سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین کی قبر پر کہا تھا۔ یہ میری زبان پر تھا اور واقعی اس حال میں ہم سب تھے۔

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس۔
چل خسرو گھر اپنے سانجھ بھئی چو دیس

شمارہ جنوری ۱۹۷۵ء خدام الدین نے اس طرح اطلاع کی۔

شمع محفل بجھ گئی

قارئین خدام الدین یہ خبر نہایت رنج و الم کے ساتھ پڑھیں گے کہ قطب عالم حضرت لاہوریؒ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا بشیر احمدؒ پسروری انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون موصوف حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے

شاگردوں میں اور حضرت لاہوری کے خلیفہ مجاز تھے۔ سنت رسولؐ کے پابند اور نمونہ اسلاف تھے (تمت بالخیر)

قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ

آخر یہ آفتاب حکمت ہدایت زندگی کی تقریباً نوے منزلیں طے کرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء کو لاہور کے مقام پر حضرتؒ کا انتقال ہوگیا۔ جنازہ لاہور سے ڈھڈیاں لایا گیا۔ نماز جنازہ لاہور، لائل پور، سرگودھا اور ڈھڈیاں چار مقامات پر پڑھی گئی۔ اور اور پنج شنبہ جمعہ کی درمیانی رات کو ڈھڈیاں شریف میں مسجد کے پہلو میں سحری کے وقت دفن کیے گئے۔

مادہ تاریخہائے قطبِ ملت شاہ رائپوری) (۱۳۸۲ھ)

ے عارف راہنما شاہ رائے پوری ـــ قطب ملت دوراں مولانا عبدالقادر

ے واصلِ حق شُد مرشدِنا — واصل حق شُد قطبِ ملت

سال وصالش بدر بگفتہ — در تو صفش شیخ الامت

ـــ ۱۳۸۲ھ ـــ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ

۲ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ کو آخر شب کے آخری حصہ میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ (ولادت ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء وفات ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء بیس بڑے مسلمان ص۳۶۹)

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء وفات ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں ہوئی (بیس بڑے مسلمان)

ماخوذ از اخبار نئی دنیا یکم جنوری ۱۹۵۳ء ستر کروڑ مسلمانوں کے مذہبی پیشوا

مفتیٔ اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی وفات کی خبر رات کو جوں ہی شہر میں پھیلی سناٹا چھاگیا۔ نماز جنازہ مولانا احمد سعیدؒ نے پڑھائی نماز جنازہ ایک لاکھ آدمیوں نے پڑھی جبکہ جنازہ جارہا تھا تو دہلی دروازہ تک ڈیڑھ لاکھ آدمی شریک تھے۔ ولادت ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء وفات ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ

ولادت ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۵ء کو ہوئی اور وفات ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء کو ہوئی ہے۔ دنیا میں کوئی زمانہ رہ جاتے گا علامہ عثمانیؒ اس پیری میں کام کرنے کے قابل نہ تھے۔ اس پر مزید آئے دن بیماری کے حملے۔ چنانچہ قدرت نے آپؒ سے جو کام لینا تھا اس کی تکمیل کے بعد آپ بتاریخ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء اپنے جوار رحمت میں بلا لیا۔ آپ کا مزار کراچی میں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور

ولادت ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء ہے اور وفات ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء کو ہوئی آپ کی وفات یکم جون ۱۹۶۱ء بروز جمعرات ساڑھے بارہ بجے ہوئی

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء وفات ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء کو ہوئی۔ ۱۹ فروری ۱۹۵۸ء کو پانچ بجے صبح حسب معمول امام الہندؒ چائے پی کر غسل خانہ میں گئے یکایک جسم کے دائیں حصہ پر فالج نے حملہ کر دیا۔ اور بے بس ہو گئے۔ اور بالآخر ۲۲ فروری کی درمیانی شب میں دو بج کر دس منٹ پر موت نے اس عظیم انسان کے لیے اپنا دامن وا کر دیا جو اس دور میں سب سے بڑا مسلمان۔ سب سے بڑا انسان سب سے بڑا ہندوستانی تھا (بیس بڑے مسلمان ص۷۷۹)

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء وفات ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء حضرت مولانا گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے ہوئے تھے۔ وہیں وفات ہوئی۔ اور بیت المقدس میں جگہ ملی بیت المقدس مسجد عمرؓ کے پاس دفن ہیں (تاریخ وفات ۴ جنوری ۱۹۳۱ء ہے بیس بڑے مسلمان ص۸۲۵)

مورخ اسلام حضرت مولانا سید محمد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء وفات ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء ہوئی۔ حیات مستعار کے آخری ایام میں سید صاحبؒ کی صحت کافی گر گئی تھی خوراک برائے نام رہ گئی تھی۔ جس کے نتیجے میں کچھ عرصہ بعد تنفس کی شکایت پیدا ہو گئی۔ جو بعد میں ہمیشہ کے لیے رہ گئی اور بعد میں جان لیوا ثابت ہوئی اتوار ۱۴ ربیع الاول مطابق ۲۲ نومبر کی رات آنکھوں میں کٹی اگلے دن شام اللہ کو پیارے ہو گئے۔

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

ولادت ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۱ء وفات ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء ہوئی اور ملتان میں دفن ہوئے۔

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء اور وفات ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں ہوئی

حضرت استاذ المحدثین والمفسرین مولانا محمد رسول خان رحمۃ اللہ علیہ

حضرت اقدس کو یکم رمضان کو معمولی سا بخار آیا پہلے دن کھڑے ہو کر دوسرے تیسرے دن بیٹھ کر نمازیں ادا کیں آپ کے نواسے کی روایت ہے کہ آخری وقت میں فرمایا جگہ خالی کر دیں معزز مہمان آتے ہیں پھر خود ان سے مصافحہ بھی فرماتے رہے۔ آخری وقت میں یٰسین کی تلاوت شروع فرمادی اپنے نواسے شفیق الرحمٰن سے بھی فرمایا تم بھی یٰسین پڑھو۔ میں تمہارے ساتھ پڑھنا ہوں کہیں غلطی نہ ہو جائے۔ چنانچہ پوری سورت پڑھ کر یہ کلمہ فرمایا واللہ خیرٌ حافظاً وھو ارحم الراحمین اور یہ پڑھتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی ۳ رمضان ۱۳۹۱ء کو وفات ہوئی نماز جنازہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان نے پڑھائی۔ (سوانح مولانا رسول خان ص۱۱۴)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

حضرت ۱۷، اکتوبر بروز پیر دار پانچ بجے کے قریب دل کا ایک سخت دورہ پڑا۔ جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اس وقت کے موجودہ سٹاف سے حضرت نے فرمایا۔ ہمیں تو مہمان لینے کے لیے آگئے بس ہم تو چلے پھر زور سے کلمہ پڑھا۔ اور السلام علیکم کہہ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنے حقیقی مالک سے جاملے (خدام الدین بنوری ص۱۹۳)

احسان بی اے

حضرت کا سفرِ آخرت

اعلان کیا گیا تھا کہ مولانا احمد علی مرحوم کی نمازِ جنازہ ۳ بجے بعد دوپہر یونیورسٹی گراؤنڈ میں پڑھی جائے گی میں جب گراؤنڈ میں حاضر ہوا بہت بڑا ہجوم گراؤنڈ کی وسعتوں میں منتشر تھا بوڑھے تھے جوان تھے نوخیز لڑکے تھے اور اس کے علاوہ مستورات کی خاصی بڑی تعداد اس مردِ درویش کے آخری دیدار کرنے کے لئے حاضر ہوئی تھی جنازہ ابھی نہیں پہنچا تھا اور لوگوں کی کثیر تعداد دو بجے سے انتظار میں تھی اس روز نوجوانوں کی تعداد بھی بزرگوں کے شانہ بشانہ عصر کی نماز پڑھ رہی تھی جگہ جگہ سیدھی دور دور تک کھینچی ہوئی صفیں قائم تھیں جھکے ہوئے سیاہ بادلوں کی "سقفِ رواں" کے نیچے گذشتہ رات کی بارش میں بھیگی ہوئی گھاس پر لاہور کے نیک بندے قبلہ رو کھڑے تھے اس سے ذرا ہٹ کر ایک بہت بڑا ہجوم جمع تھا لاؤڈ سپیکر پر دین پوری مدرسہ مکرم کے رہنما مولانا عبداللہ درخواستی تقریر فرما رہے تھے تھوڑی دیر بعد مجمع سے کسی نے مولانا کو وقت کی طرف متوجہ کیا مولانا نے تقریر بند کر دی، اذان دی گئی اور اللہ کے ہزاروں بندے اظہارِ عبودیت کے لئے صفیں درست کرنے لگے وہ روح جس نے مولانا احمد علی کو عظیم بنا دیا تھا یونیورسٹی گراؤنڈ کے ہر ذرّے پر زندہ اور تابندہ دکھائی دے رہی تھی۔

آواز بلند ہوئی جنازہ آرہا ہے اور لوگ سڑک کی طرف دوڑ پڑے۔ میں گراؤنڈ کے مغربی کنارے پر بنی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھ گیا بے پناہ بے انداز ہجوم گراؤنڈ کی طرف آنے والی ہر سڑک پر برساتی نالے کے سے جوش و شور کے ساتھ بہتا ہوا چلا آرہا تھا۔ جین مندر کے قریب سے آنے والی سڑک پر آدمیوں کا حلقہ بڑھتا دکھائی دیا جنہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے بسیں بند ہو گئیں، موٹریں ٹھہر گئیں تانگے دوسرے راستوں پر چلے گئے ٹریفک کلی طور پر معطل ہو گئی حلقہ گراؤنڈ کے قریب والی سڑک پر چلتا ہوا سیڑھیوں کے عقب کی طرف بڑھا اور انسانی سروں کی ایک بہت بڑی چادر بڑھتی ہوئی دکھائی دی جو کبھی درختوں کی شاخوں اور تنوں کی اوٹ میں آجاتی کبھی دکھائی دینے لگتا۔ میرے ارد گرد کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ جنازہ آگیا لیکن میرے علاوہ کئی اور بھی تھے جن کی نگاہیں اس بات کی تصدیق کرنے سے عاجز تھیں اور آخر ایک آدمی نے ہمیں دکھایا "وہ بانس دکھائی دے رہا ہے" "کلمہ پڑھو" اور سینکڑوں آوازوں نے کلمہ طیبہ کا ذکر شروع کر دیا سروں کی چادر سیڑھیوں کے عقب کی طرف سے مڑی اور چارپائی صاف نظر آنے لگی لمبے بانسوں کے نیچے بے شمار کندھوں پر آہستہ آہستہ ڈولتی ڈالتی ہماری طرف بڑھ رہی تھی جنازے کے ساتھ آنے والوں کی آواز قریب سے قریب تر ہو کر صاف ہو گئی آسمان سے زمین تک "لا الٰہ الا اللہ" کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

چارپائی ہمارے قریب آئی اور قریب! آگے کھڑے لوگوں کو بٹھا دیا گیا اور میں نے دیکھا سرخ گلاب کے پھولوں کی چادر میں سے نکلا ہوا سر جس کے دودھ جیسے سفید لمبے بال کنگھی کر کے پیچھے کی طرف سنوار دیئے گئے تھے مولانا احمد علی مرحوم کا جسدِ خاکی ارادت گزاروں کے کندھوں پر ہلکے ہولے ہلکورے لیتا ہوا میری نگاہوں سے قریب تر ہوتا چلا گیا اور پھر مجھے پیشانی نظر آئی۔ کشادہ خوبصورت پیشانی جس پر ستر سال کے سجدوں کے نشان مرتسم تھے میرے دل نے بڑی ہی بلند آواز میں پکارا۔ کون کہتا ہے کہ دنیا چھوڑنے کے بعد آدمی سب کچھ یہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے سکندر بادشاہ جب دنیا سے چلا تو اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے لیکن فقیر مولوی احمد علی اپنی زندگی بھر کی کمائی اپنے ساتھ لے کر جا رہے تھے یہ دنیا ان کی کمائی کا ایک حبّہ تک چھیننے میں ناکام رہی تھی۔

جنازہ ہمارے قریب سے گزر گیا ہم لوگ نیچے اترے، انتشار سمٹنے لگا صفیں درست ہونے لگیں اور لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہوا کہ علماءِ پاکستان کے متفقہ فیصلہ کے مطابق مولانا مرحوم کے صاحبزادے مولانا عبیداللہ انور نمازِ جنازہ پڑھائیں گے اور چند لمحوں میں نمازِ جنازہ ادا ہو گئی ہجوم چھٹنے اور بکھرنے لگا لاتعداد انسان اپنی اپنی راہوں پر چل دیئے

جنازہ میانی صاحب میں حضرت طاہر بندگی کے احاطہ میں پہنچ گیا ہجوم بے انداز تھا اور اگر پولیس کا ایک جتھہ اسے خوش اسلوبی کے ساتھ قابو میں نہ رکھتا تو یقیناً بدنظمی پیدا ہو جاتی۔ مولانا کی فقیرانہ زندگی کے سادہ ساتھی قبر تک ساتھ آئے تھے۔ افطار سے چند منٹ قبل مرحوم کو آغوشِ لحد میں سلا دیا گیا۔



میانی صاحب کا شہرِ خموشاں

محمود شام

لاہور بڑا شہر ہے۔

لاہور قدیم، تاریخی روایات کا شہر ہے۔

لاہور اٹھائیس لاکھ کی آبادی پر مشتمل ہے۔

لاہور میں بڑے بڑے لوگ منتخب علمی ہستیاں، مقتدر دانشور، عظیم سیاستداں رہتے ہیں۔

لیکن لاہور کے اندر ایک لاہور سے بھی بڑا شہر آباد ہے۔

جس کی روایات لاہور سے بھی قدیم ہیں۔

جس کی آبادی لاہور سے بھی زیادہ ہے۔

جہاں وہ منتخب روزگار علمی ہستیاں، معزز دانشور، اور باکمال سیاستداں خوابیدہ ہیں جن سے آج کی مقتدر شخصیتوں نے اکتسابِ فیض کیا جو آج کے علمی و ادبی بزرگوں کے لئے روشنی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ شہر خاموشاں جس کی آبادی اب کروڑوں میں ہے میانی صاحب کا قبرستان کہلاتا ہے۔ ۶۴۶۰ مربع ایکڑ کو محیط اس شہر میں ہماری عظمتِ رفتہ دفن ہے۔ لاہور کے اس خاموش علاقے میں پاکستان کا تابناک ماضی ابدی نیند سو رہا ہے۔

ایک طرف لاہور کے روحانی و دینی رہنما مولانا احمد علی خوابیدہ ہیں تو دوسری طرف اُردو کے سرپرست سر عبدالقادر آرام فرما ہیں شاعرِ رومان اختر شیرانی بھی یہیں مٹی کو سینے سے لگائے دنیائے تخیل آباد کئے ہوئے ہیں اور ایک گوشے میں اردو کا سب سے بڑا افسانہ نگار سعادت حسن منٹو خود ایک لافانی افسانہ بن کر محو استراحت ہے۔ ادھر آئیے یہ دیکھئے غازی علم دین شہید کی روح ہمیں اپنی طرف بلا رہی ہے۔ ہاں اس مقام پر منوں مٹی کے نیچے ایک ایسا جسم دفن ہے جس نے عشقِ رسول کا حق ادا کر دیا۔ اس محبت کی قربان گاہ پر اپنی جان کی قربانی دے دی جب اللہ اور رسول کے نام لیوا یہاں سے گزرتے ہیں تو ان کے سر عقیدت سے جھک جاتے ہیں۔ اور وہ علامہ تاجور نجیب آبادی کا آشیانہ ہے۔ اردو کے ایک قابلِ قدر شاعر، اردو کے محسن اب اس جگہ آرام فرماتے ہیں۔ ان کے پہلو میں ان کے جواں مرگ بھانجے ذکا درانی کا گھر ہے۔ ذکا درانی، جواں سال و جواں عزم ذکا۔ جسے اس شہر خاموشاں نے وقت سے بہت پہلے اپنے پاس بلا لیا۔ وہ لاہور ٹیلی ویژن پائلٹ سنٹر کے سابقون الاولون میں سے تھا اس شہر خاموشاں نے اپنا ایک گھر آباد کر لیا لیکن ادھر ایک گھر اور نہ جانے کتنے دل برباد کر دیئے۔

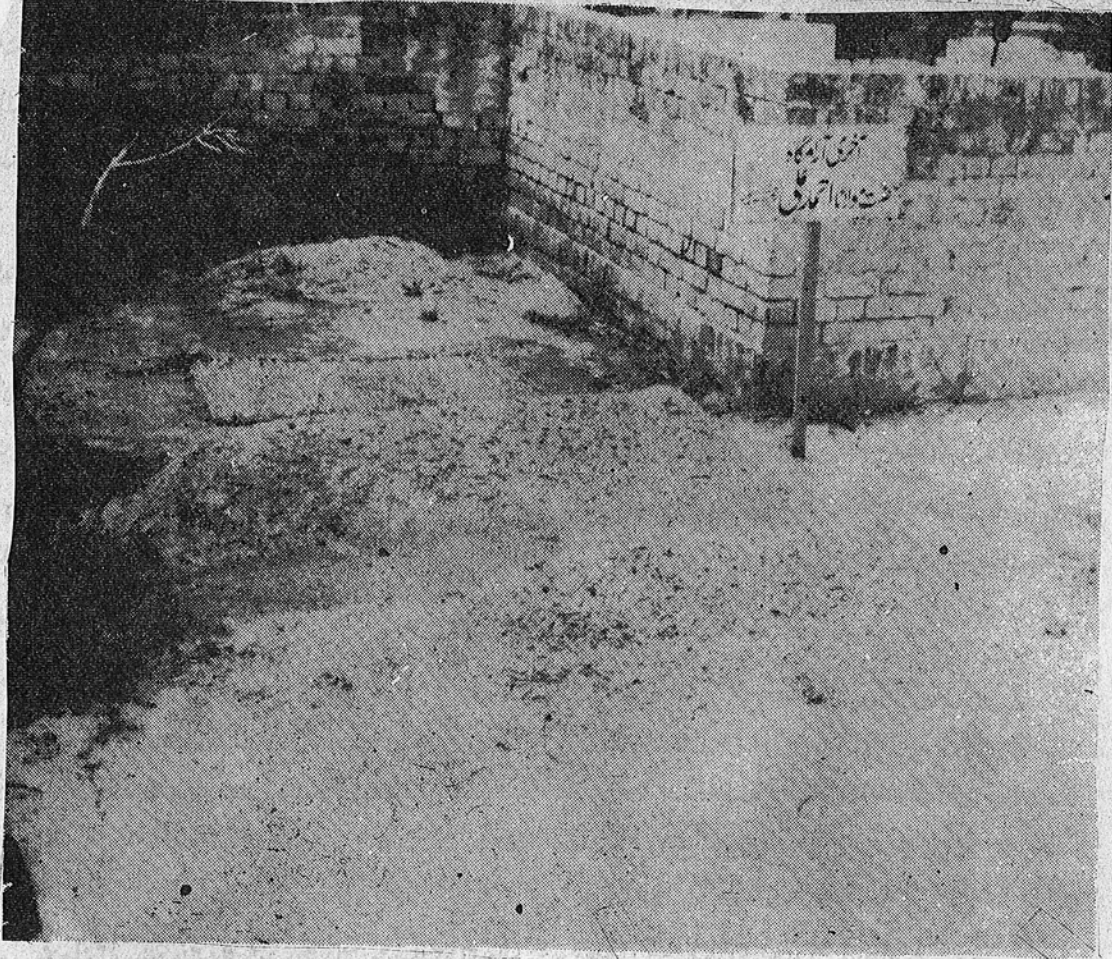
ذرا چند قدم اور ادھر چلئے۔ اردو کے شیکسپیئر، اردو میں سٹیج ڈرامہ کی بنیاد ڈالنے والے آغا حشر بھی ایک طرف خود ایک ڈرامے کا کردار بنے ہوئے ہیں۔ ایک طویل خاموش اداکاری میں مصروف ہیں۔ یہ ایک سڑک کے کنارے ایک خاموش گھنے درخت کے نیچے سطحِ زمین سے ذرا بلند اردو کے بے باک صحافی حمید نظامی مرحوم کی آخری آرام گاہ ہے۔ پہلے یہاں ایک تختی نصب تھی۔ آخری آرام گاہ حمید

نظامی مرحوم اب وہ استدادِ زمانہ کا شکار ہو گئی ہے۔ تختی کے چلے جانے کے بعد اب عوام کی حمایت کرنے والے کی قبر بھی عوام کی قبروں جیسی ہو گئی ہے۔ وہ امتیاز ختم ہو گیا ہے۔ ہاں اس بستی میں کیا امتیاز؟ یہاں سب ایک جیسے ہیں۔ یہاں اسلامی مساوات کی روایت اپنی اصل شکل میں جلوہ گر ہے یہاں عام محنت کش بھی سو رہے ہیں اور کروڑ پتی بھی۔ یہ دیکھیے پھولوں کے غلاف میں لپٹی ہوئی قبر میاں محمد سعید سہگل کی ہے۔ کوہ نور ملز والے سعید سہگل، جنہیں خدا نے دولت و شہرت سے نوازا تھا۔ وہ بھی اپنے دوسرے ہموطنوں کے ساتھ ہی آرام کر رہے ہیں۔

اردو ادب کے دوسرے بلند پایہ ادیب بھی یہیں دن گزار رہے ہیں۔ مولانا چراغ حسن حسرت، مولانا صلاح الدین احمد جیسے منتخب روزگار تھے اور جن کے نام کا مطلب اردو کی سربلندی تھا۔ یہاں بڑے بڑے صحافی بھی محوِ استراحت ہیں۔

میانی صاحب کی حدود لاہور کے پانچ محلوں سے ملی ہوئی ہیں مسلم گنج، اسلامیہ پارک، چوبرجی، نیا مزنگ، سمن آباد، لٹن روڈ اور سعدی پارک، رقبہ ۶۴۶ مربع ایکڑ کے قریب ہے۔ لاہور کے بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ نام اس بستی کا پہلے "پنج ڈھیرا" تھا۔ وجہ تسمیہ اس کی معلوم نہیں، شاید شروع میں یہاں صرف پانچ قبریں بنی ہوں۔ ان "ڈھیروں" کے اعتبار سے اسے لوگ پنج ڈھیرا کہنے لگے ہوں۔

شہرِ خاموشاں بننے سے پیشتر یہاں علماء کی ایک بستی ہوتی تھی جس کی بنیاد اکبر اعظم کے دور میں پڑی۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ یہاں سے نقل مکانی کرتے گئے اور یہاں آخری آرام گاہیں بننے لگیں۔ اب یہاں صرف علماء ہی نہیں، ہر مکتبِ خیال کے لوگ خوابیدہ ہیں۔ علماء بھی، فضلاء بھی شعراء بھی، ادباء بھی، عام بھی، خاص بھی، مرد بھی، خواتین بھی، فوجی بھی، سول بھی، بڑے بھی، چھوٹے بھی، ایک محتاط اندازے کے مطابق یہاں اس وقت بیس کروڑ قبریں ہیں۔ کون جانے کہ ایک قبر میں کتنے جسم دفن ہیں۔ وقت بیت جاتا ہے۔ قبریں زمین بوس ہو جاتی ہیں۔ پھر موت کی گرفت میں آئے ہوئے کسی گھر کے لوگ یہاں پہنچتے ہیں اور خالی جگہ دیکھ کر اپنے



بچھڑنے والے کو یہاں دفنا کر چلے جاتے ہیں کسے خبر کہ اب اس شہر کی آبادی کتنی ہو گی۔؟

پاکستان کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بھی بڑے بڑے قبرستان موجود ہیں لیکن میانی صاحب کے قبرستان کو ایک انفرادیت حاصل ہے یہاں ہمارے ماضی کی تابناک شخصیتیں دفن ہیں۔ وہ تابناک شخصیتیں جو ہماری تاریخ کا گرانقدر سرمایہ ہیں۔ تاریخ پاکستان، تحریک پاکستان کے افق پر جتنے بڑے بڑے نام چمکتے ہیں جن کے کارنامے ہماری تاریخ کے زرّیں صفحات کی زینت ہیں۔ وہ لوگ جنھوں نے اس برصغیر کو

انگریز سامراج کے شکنجے سے آزاد کروانے کے لئے اپنی جان و مال کی بازی لگائی وہ اہلِ دل جو اس داتا کی نگری میں روشنی پھیلاتے رہے۔ اب یہاں آرام فرما ہیں۔

اس بستی کے دامن میں کیا نہیں ہے، اہلِ قلم، اہلِ دل، اہلِ سیاست، اہلِ دول۔ میں یہاں گرمیوں کی ایک دوپہر کو اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ گھوم رہا تھا جو اس خاموش بستی کے خاموش مکانوں کو اپنے کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر رہا تھا۔ لوگ کہتے ہیں دوپہر کو قبرستان میں نہیں جانا چاہیئے مگر ہم اپنے آباؤ اجداد کے آخری گھروں کے آس پاس اس وقت گھوم رہے تھے جب سورج عین نصف النہار پر تھا۔ یہ ایک عجیب ماحول تھا۔ اس وقت سایوں کا وجود بہت کم تھا۔ گرمی حد سے زیادہ تھی میانی صاحب کے وسیع و عریض قبرستان میں سے کئی سڑکیں مختلف سمتوں میں جاتی ہیں۔ ان پر گزرتے رکشے، ٹیکسیاں، بسیں اور دوسری گاڑیاں کبھی کبھی اس پرسکون فضا میں شور و غل مچا دیتیں۔ ورنہ ایک خاموشی میں یہاں پہلے بھی کئی مرتبہ آچکا تھا۔ اپنے جدا ہونے والے بزرگوں اور ساتھیوں کو اس وسیع شہر کے سپرد کرنے، اس شہر کا دامن کتنی وسعت رکھتا ہے۔ برسوں سے ہمارے بزرگ اور ساتھی یہاں آرہے ہیں۔ سما رہے ہیں۔ لیکن اس کی وہی ایک صدا ہے "ھل من مزید"۔ آج میں یہاں اپنے کسی بچھڑنے والے کو سپرد خاک کرنے نہیں آیا تھا۔ بلکہ اپنے دفنائے ہوئے موتیوں، ہیروں اور جواہر کے آخری گھر دیکھنے آیا تھا۔ ایک ایک کتبہ، ایک ایک مٹی کا ڈھیر کتنی کہانیاں چھپائے ہوئے ہے۔ ایک قبر دیکھ کر جانے کیا کیا یاد آجاتا ہے۔ ایک پورا عہد۔ جوش و جذبہ، علم و عمل، جرأت و حوصلہ سے معمور عہد نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔

ان بیس کروڑ قبروں کے چاروں طرف زندہ لوگ بستے ہیں اونچے اونچے مکانوں اور بلند و بالا کوٹھیوں میں۔ وہ جن کے لئے اب موت روزانہ کا معمول بن چکی ہے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہر روز بیسیوں جنازے گزرتے ہیں۔ وہ روزانہ سینکڑوں آنسو بھری آنکھیں دیکھتے ہیں کبھی کوئی باپ روتا ہوا اپنے جوان بیٹے کو اس شہر کے سپرد کرنے آتا ہے۔ کبھی کوئی بیٹا اپنے شفقت و محبت کے مجسمے! اپنے باپ کا آخری دیدار کر کے اسے منوں مٹی نیچے دبا جاتا ہے، کبھی کوئی شوہر اپنی محبوب بیوی کی جدائی میں اشکبار دکھائی دیتا ہے۔

محمود احمد جو یہاں بیس برس سے پھول بیچ رہا ہے خود ایک کہانی ہے۔ چونکہ جنازگاہ میں مسجد کے باہر اونچی سی جگہ پر اس نے پھولوں کا سٹال لگا رکھا ہے۔ اس کا اندازہ ہے کہ یہاں دن بھر میں کم از کم پچاس اور زیادہ سے زیادہ سو جنازے آتے ہیں۔ اسے کوئی جنازہ دیکھ کر اب خوشی ہوتی ہے نہ غم، وہ کہنے لگا۔

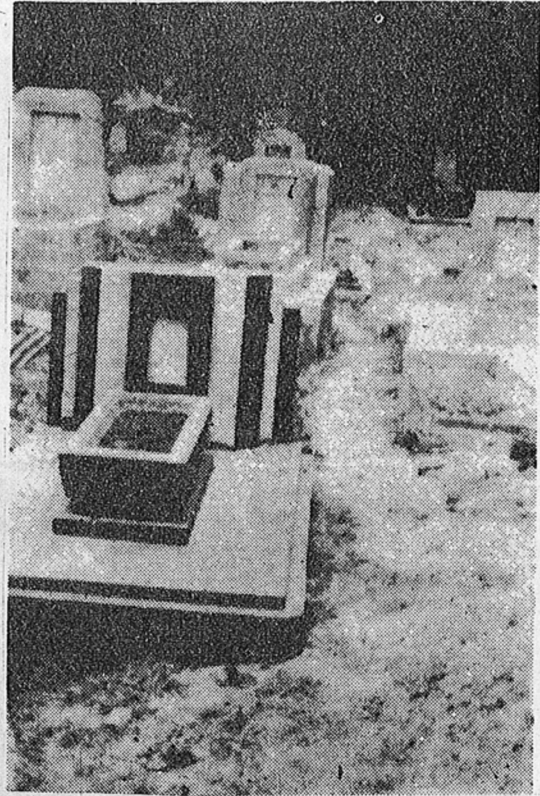
"باؤجی جدوں روز ای ایہو دیکھنا تے کی خوشی تے کی دکھ"

جب محمود احمد بچہ تھا تو اس کا باپ یہاں پھول بیچتا تھا۔ اس سے پہلے اس کا دادا۔ ایک روز اس کے باپ نے اپنے باپ کی قبر پر پھول چڑھائے تھے۔ یہ روایت کئی برسوں سے جاری ہے۔ محمود احمد نے کہا کہ "باؤجی ایک دن سب کو مرنا ہے۔ پھر کام تو اپنے اعمال آتے ہیں۔ یہ پھول تو قبر کو ظاہری طور پر خوبصورت بنا دیتے ہیں۔ قبر کے اندر کا حال تو خدا جانے"۔ پھولوں کی قیمت کے بارے میں پوچھا، تو محمود احمد نے بتایا کہ ایک بابو صاحب جو باقاعدگی سے ہر ہفتے اپنی بیوی کی قبر پر پھول چڑھانے آتے ہیں۔ اگر میری یادداشت درست ہے تو گذشتہ نو برس سے میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔ ان کا کہنا ہے کہ پھول پہلے سے بہت مہنگے ہو گئے ہیں لیکن باؤجی یہ تو دل کا معاملہ ہے۔ اس سے پیسوں کا کیا تعلق۔" محمود احمد سے دن بھر میں پھول خریدنے والے ڈیڑھ سو سے اوپر ہی ہوں گے۔

بڑے شہر میں جینا جتنا مشکل ہے مرنا اس سے بھی دشوار مرنے کے بعد لواحقین کو جنازہ قبرستان تک لے جانے میں جتنی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ان لوگوں ہی کو پتہ ہے جو میانی صاحب کے قبرستان سے دور رہتے ہیں۔ ایک جنازے پر پرچی سمیت کم از کم پندرہ روپے تو اٹھ ہی جاتے ہیں۔ یہ صرف اس وقت کا خرچہ ہے جب جنازہ قبرستان میں پہنچ جاتا ہے لیکن اس سے پہلے کفن، دفن، غسل کے اخراجات اپنی جگہ ہیں جو سوا سو سے ڈیڑھ سو تک ہوتے ہیں۔

سنا ہے کہ اب بڑے ملکوں میں ایسے ادارے بن گئے ہیں جو تکفین سے لے کر تدفین تک کے تمام مراحل مناسب معاوضے کے عوض طے کر دیتے ہیں۔ وہاں صرف مرنے کی اطلاع دینے کی ضرورت ہے اگرچہ یہ معاوضہ بہت زیادہ ہے لیکن ان ملکوں میں مایا بہتی ہے۔ اس لئے ان کے لئے سینکڑوں، ہزاروں روپے کوئی وقعت نہیں رکھتے لیکن وہاں بھی غریب بستے ہیں! ان بے چاروں کا کوئی مر جائے تو ان پر جو گزرتی ہے وہ بھی کچھ کم دردانگیز نہیں ہے، اپنے ہاں بھی اب بڑے شہروں میں بھی ہونے لگا ہے ابھی تجہیز و تکفین کے باقاعدہ ادارے قائم نہیں ہوئے لیکن غریبوں کے لئے مرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ اس لئے دوسرے شہروں سے تلاش معاش کے سلسلے میں آئے لوگ خداوندکریم سے یہی دعا کرتے رہتے ہیں کہ ہمیں بڑے شہر میں موت نہ دیجیو۔ وہ ذرا بیمار ہوں تو اپنے چھوٹے شہر کا رخ کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کے لئے یہ شہر خاموشاں آمدنی کا ذریعہ بھی ہیں اس لئے ان کی دعا ظاہر ہے جو کچھ ہوتی ہو گی۔ تجہیز و تکفین کے علاوہ مرنے کے بعد ضرورت کچھ سوگواروں کی بھی ہوتی ہے! اپنے وطن میں ہوتا آئے اور مرحوم لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے والا ہو تو جنازے کے ساتھ ماتمی لوگوں کی تعداد خاصی ہوتی ہے۔ ورنہ چند ایک لوگ ساتھ ہوتے ہیں اور بس۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ حقیقت کا انکشاف ہوا کہ لندن



بیں بعض ایسے ادارے بھی ہیں جو باقاعدہ ماتم کرنے والے مہیا کرتے ہیں،
آپ بس اطلاع دے دیجئے کہ فلاں وقت جنازہ اٹھے گا اور اتنے افراد
چاہئیں۔ وقت مقررہ پر جنازے میں شرکت کرنے والے آجائیں گے۔
دوسرے ملکوں سے لندن میں جاکر تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ یہ کام

جز وقتی پیشے کے طور پر کرتے ہیں۔ ماتمی افراد مہیا کرنے والے اداروں
میں انھوں نے اپنے نام لکھوا دیئے ہیں۔ اور وقت پڑنے پر انہیں
اطلاع مل جاتی ہے اور وہ رونی صورت بناکر جنازہ میں جا پہنچتے ہیں
یہ ادارے انہیں فی کس کچھ روپیہ عطا کردیتے ہیں۔ اپنے ہاں شکر
ہے کہ یہاں تک نوبت نہیں پہنچی۔ محمود احمد گل فروش کا کہنا ہے کہ یہاں
اس نے ایسے ایسے جنازے بھی دیکھے ہیں جن کے ساتھ لاکھوں افراد
ہوتے ہیں! سے مولانا احمد علی کے جنازے کا منظر یاد ہے سوگواروں
کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا جو میّت کے ساتھ ساتھ چلا آرہا تھا،
اور بڑے بڑے لوگ ہمیشہ ہزاروں لاکھوں کندھوں پر میانی صاحب
تک پہنچے ہیں۔

اور جب ہم گنجہائے گرانمایہ کی اس بستی سے نکل رہے تھے،
ہمارے دل عقیدت سے معمور تھے۔ ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ
ہم علماء و فضلا، ادبا و شعرا کی ایک محفل سے اٹھ کر آئے ہیں ہم علم و
فضل کے سمندر میں غوطہ زنی کر کے آرہے ہیں۔ کیا کیا ہستیاں تھیں۔ جن
کی قربت میں ہم کچھ دیر رہے! اور یہ کیا بستی ہے جس کے دامن میں
ہماری صدیاں دفن ہیں جس کی وسعتوں میں ہمارے چمکتے دمکتے موتی
کھوئے ہیں۔ میں نے غالب کی طرح اس خاک سے نہ پوچھا کہ

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے

کیونکہ مجھے علم ہے کہ میانی صاحب کی خاک نے ہمارے
ماضی کے موتیوں کو بہت سنبھال کر اور سینے سے لگا کر رکھا
ہوا ہے۔



مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

شیخ التفسیر کے

اہل و عیال

ماسٹر لال دین صاحب اخگر
ایم اے

اولاد کا وجود والدین کے لئے امیدوں کا سہارا ہوتا ہے۔ نبوت سے لے کر ولایت تک اور ولایت سے عام انسانوں کے گروہ تک کسی شخص کا دل بھی اولاد کی طلب سے خالی نہیں ہے۔ چونکہ یہ ایک فطری جذبہ ہے لہذا اس کی حفاظت وصیانت کا کام ایک اہم فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے اولاد کی تمنا ہے کہ جینا اور خدا تعالیٰ سے اس ثمر روح افزا کی خواہش کرنا کوئی سفلہ وحقیر عمل نہیں ہے کیونکہ قرآنی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے پروردگار عالم کے حضور میں اپنی ضعیفی و نقاہت اور دین حقہ کی وراثت کی حفاظت کا مسئلہ یوں پیش کیا تھا۔ فھب لی من لدنک ولیاً یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعلہ رب رضیاً۔

"اے پروردگار مجھ کو اپنی رحمت سے ایک لڑکا عطا فرما جو میرے دین اور آل یعقوبؑ کے دین کا سچا جانشین و محافظ ہو۔ اے پروردگار! وہ بچہ تیرا مقبول ومحبوب بندہ ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا فرزند ارجمند کی بشارت دی۔ نام بھی رکھا اور احسان و امتنان کے انداز میں ارشاد ہوا کہ اے زکریاؑ تیرے بیٹے کی انفرادیت وامتیاز کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہم نے اولادِ آدم میں آج تک اس نام کا کوئی پیدا نہیں کیا۔ دعا کا پہلا حصہ پورا ہوا تو دوسرے حصے میں بچے کی اہلیت کا پیغمبرانہ سوال تھا لہذا خدائے برتر نے حضرت یحییٰؑ کی نبوت کی دستار بندی کا اعلان ان الفاظ میں پیش کر دیا۔

واتیناہ الحکم صبیاً وحناناً من لدنا وزکوٰۃ وکان تقیاً وبراً بوالدیہ ولم یکن جباراً عصیاً۔

"ہم نے اس کو کمسنی میں حکم کا مرتبہ عطا کیا اور اپنی طرف سے شوق اور پاکیزگی فطرت مرحمت فرمائی وہ پرہیزگار تھا والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا اور ان کے حق میں سرکش اور نافرمان نہیں تھا۔"

قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے فرزند عزیز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین سمجھتے تھے اور یہی حقیقت سیدنا یعقوب علیہ السلام کی مبارک زندگی کا نچوڑ تھی حضرت نوح علیہ السلام کی پدرانہ شفقت کی داستان بھی پیغمبر وقت کے باپ ہونے کے منصب کو اجاگر کرتی ہے اور ادھر سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زانو پر جب آپ کے نور بصر سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر موت کی غشی طاری ہوئی تھی تو آپ کی نبوت افروز آنکھیں حزن و ملال سے سرشک آلود ہو گئی تھیں۔ یہ اور باقی سینکڑوں واقعات انبیاء کرام کے پدرانہ مناصب شفقت و رافت کے جذبات اور تعلیم و تربیت کے اسلوب پر روشنی ڈالتے ہیں۔

حضرتؒ کا مبارک گھرانا

این خانہ ہمہ آفتاب است ——— ولایت کا ہر سانس نبوت ورسالت کی مکمل زندگی کے بڑی حد تک تابع ہوتا ہے انبیاء کرام کے معجزات کا ذکر اور اولیاء کرام کے کشف و کرامات کا

بیان سامعین اور قارئین کو ضرور ورطۂ حیرت میں ڈالتا ہے اور خدائے عز وجل کی قدرت واسعہ کا معترف بننے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ مگر ان حضرات کی زندگی کے وہ پہلو جن کا تعلق عبادات و معاملات سے ہو ان کا تذکرہ عام خلقِ خدا کی ہدایت کا موجب بنتا ہے۔ لہٰذا آج ہم حضرت شیخ التفسیر رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے افرادِ خانہ میں راعی اور فردِ اکبر کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

اس گئے گزرے زمانے میں جب تہذیب مغرب نے اکثر مسلمانوں کو کتاب و سنت کی تعلیم سے بے بہرہ اور عمل سے محروم کر دیا ہے۔ خدائے ذو المنن نے حضرت قطب الاقطاب رحمتہ اللہ علیہ کے گھرانے کو وہ مجددانہ شرف بخشا ہے کہ اس جگہ اسلام بڑی حد تک اپنے عملی رنگ میں نظر آتا ہے اس نمایاں امتیاز و فوق کی اصل حضرت رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کی اہلیہ مکرمہ کے بزرگ والدین تھے جن کی حسنِ نیت کا نتیجہ رحمتِ خداوندی بن کر ظہور پذیر ہوا اور یہ خاندان نورِ اسلام سے جگمگا اُٹھا حضرت اقدس کے والدین ماجدین نے آپ کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کو دین کی خدمت کے لئے (محرّر) وقف کرنے کی نذر مان رکھی تھی اور ادھر ہماری عفیفہ و صدیقہ امّاں جان ادامہا اللہ فیوضہا کے ماں باپ نے آپ کی تربیت میں حضرت زکریا علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چل کر آپ کو مریم زمانی بنانے کا فریضہ ادا کرنے کا تہیّہ کیا ہوا تھا۔ لہٰذا جب قدرت خداوندی کے فیصلے کے مطابق ازدواجی زندگی کا یہ مقدس امتزاج ظہور میں آیا تو پروردگار عالم کی فیاضیوں نے اس گھر کو اپنی رحمتوں کا نشیمن بنا لیا۔

ننھے میاں جناب "حسن" کی پیدائش اور وفات

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی ابتدا سے تا زندگی حضرت شیخ التفسیر مرحوم کے سرپرست رہے۔ حضرت سندھی مرحوم نے جہاں ہمارے آقائے روحانی کو علوم ظاہری کا تاجدار اور حریت و آزادیٔ فکر کا علمبردار بنایا وہاں اپنی صاحبزادی کو بھی آپ کے عقد میں مرحمت فرمایا تقریباً ایک سال کے بعد حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں بفضلِ ایزدی بچہ پیدا ہوا۔ "حسن" نام رکھا گیا۔ مگر گلشنِ شباب کا یہ پہلا غنچہ ابھی مسکرانے بھی نہیں پایا تھا کہ بادِ اجل نے غنچے کو اور شاخ غنچہ کو نخل حیات سے جدا کر دیا۔ صاحبزادہ حسن صرف سات دن تک جیتا اور اپنی والدہ ماجدہ کی انگلی پکڑ کر فردوس کو سدھارا اور زمرہ غلمان میں داخل ہو گیا۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون ٭ بچے نے اپنی ماں اور ماں نے بچے کا ساتھ نہ چھوڑا مگر جانے والوں اور روٹھنے والوں کی دائمی جدائی نے حضرت والا جاہ کے دل کو ضرور مجروح کیا۔

محترمہ و مکرمہ عائشہ بی بی کی ولادت

اس سانحہ ارتحال کے ایک سال بعد آپ کا نکاح ثانی ہوا۔ اور اس وقت بھی فطرت کی داد و دہش نے آپ کے سر پر رحمت کے پھول برسائے حضرت ابو محمد احمد جو اپنے وقت کے جید عالمِ دین اور پاک باز صوفی منش بزرگ تھے۔ آگے بڑھے اور حضرت شیخ التفسیر کو ہزار شفقت سے اپنی دامادی میں لے لیا قدرت الٰہی کے اقتضا کے مطابق حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے گھر لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام عائشہ بی بی رکھا گیا۔ عائشہ بی بی نے اپنی مریم صفت والدہ ماجدہ کا دودھ پیا اور جنید وقت باپ کی شفقت بھری نگاہوں میں رہ کر پرورش پائی اور وہ اب تک حیات ہے راقم الحروف کو ان کی دامادی کا شرف حاصل ہے۔ کمترین کو حضرت شیخ التفسیر رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ ولایت میں تقریباً پندرہ سال حاضر ہونے کا موقعہ ملتا رہا ہے اب جس وقت احقر اپنی عصمت مآب نسبتی والدہ (ساس) کے حضور مادرانہ میں حاضر ہوتا ہے تو اس بتولِ ولایت کی سیرت میں قطب الاقطاب باپ کے قدسی کردار اور مشفقانہ تربیت کے نمایاں نقوش نظر آتے ہیں۔ القصہ! یہ حیا و پاکدامنی کا مرقع اور نسوانیت کے شرف کی جیتی جاگتی تصویر اپنے ہر خد و خال اور اسلوب و اطوار میں اپنے باپ کے انوار کا عکس لئے ہوئے ہے اور جب حضرت والا تبار نے اپنی اس لختِ جگر کا نکاح حضرت مولانا نور اللہ دام اقبالہٗ سے کیا تھا تو سنا ہے کہ فقط اتنا ہی فرمایا تھا کہ "بیٹا! علماء کرام کی اس جماعت میں با جماعت نماز پڑھنے والوں میں آپ اول نمبر پر آئے ہیں لہٰذا میں اپنی دختر نیک اختر آپ کے عقد میں دیتا ہوں"۔ اللہ اللہ! ایک درویش صورت، سادہ پوش طالب علم کو اپنی دامادی میں قبول کیا جا رہا ہے مگر اس کے نسب و حسب، جاہ و ثروت ذریعہ معاش اور رہائشی مکان کا ذکر تک بھی نہیں کیا جاتا ہے۔ احیائے سنت کا یہ زریں نقشہ اور کتاب اللہ کی تعلیم کا یہ احترام کتنے لوگ ہیں جن کو فی زمانہ ہذا حاصل ہے؟ ع

ان کی قسمت میں ہے جو لوگ ہیں قسمت والے

حضرت حافظ حبیب اللہ مہاجر مدنی کی ولادت باسعادت

حضرت عائشہ بی بی کی ولادت کے بعد پروردگارِ عالم نے حضرت اقدسؒ کے گھر ایک بچہ پیدا کیا جس کو کسی حد تک عصرِ حاضر میں وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا کا مصداق مانا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا ان مبارک گھڑیوں کی قدسی برکات کا کیونکر ذکر کیا جا سکے ہاں قرآنِ حکیم نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے دورِ حیات کو یوں بیان فرمایا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا

ترجمہ: "سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن مجھ کو دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا۔"

یہ انبیاء کرام کا ذکر ہے لیکن اولیاء کرام کو بھی اس کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور ملتا ہے ع ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ہمارے مرحوم و مغفور والدِ روحانی نے جس طرح اپنی بیٹی کی تعلیم و تربیت میں اسلامی اقدار کو نگاہ میں رکھا تھا اسی طرح اور عین اسی طرح چمنستانِ ولایت کے نونہال کی بھی پرورش شروع ہو گئی یہ بچہ ماں کی دعاؤں کا نچوڑ تھا لہٰذا اس کے وجود سے والدین کی ہزاروں مسرتیں وابستہ تھیں۔ اب پہلی دعائیں خدائے ذوالمنن کی اس نعمتوں کی مسلسل بارش نے اس مقدس جوڑے کو خالقِ اکبر کی عبادت سے غافل نہیں کیا بلکہ پہلے سے کئی گنا زیادہ توفیقِ عجز و نیاز عطا فرمائی۔ ہماری اماں جان جو آج پیرانہ سالی میں ہر روز ایک منزل قرآن مجید کی پڑھ کر دوسرا کام کرتی ہیں (آپ کے فرزند ارجمند حضرت عبید اللہ انور صاحب نے ایک دن درس قرآن مجید میں فرمایا تھا کہ اماں جان کے تلاوت کے والہانہ شغف نے ہم کو ہمیشہ ناشتے سے محروم رکھا ہے) ان کے آج کے چالیس سال پہلے کے ذوقِ عبادت تلاوتِ قرآن مجید اور باقی اُمورِ دینی کے انہماک کا اندازہ خود کر لیجئے کہ کہاں تک ہوگا وہ مذاکرہ و شاغلہ جس کی نمازِ تہجد ساری عمر شاید ہی قضا ہوئی ہو جس کے فرائض کی ادائیگی میں فکرِ عبودیت اور نوافل گزاری میں عارفانہ جذب و سوز ہو جس کو فطرت کی بے پایاں عنایتوں نے عابدانہ صلاحیتوں سے نوازا ہو جس کے گھر میں ساری زندگی قرآنی نغمات اور شام و سحر "اللہ، اللہ" کی صدائیں آتی رہی ہوں جس کا آقا و سرپرست صدقِ مقالی اور رزقِ حلال کا فطری طور پر خوگر ہو اس کی آغوشِ رحمت میں جو بچہ پرورش پائے گا اور اس کے سینے سے چمٹ کر اپنی معصومانہ خوراک حاصل کرے گا وہ یقیناً ایک دن اسلافِ کرام کا مثیل ہوگا۔ دینِ حقہ کے لئے اس کا وجود حجت و برہان ہوگا اور الہامی سعادتوں کا نقیب اور اسلامی اقدار کا محافظ بنے گا۔ علمی رفعتیں اور صابرانہ توکل و غنا کے انوار اس کی جبینِ نیاز کو تابندہ و درخشاں رکھیں گے ؎

جوان مردے کہ خود را فاش بیند ؛ جہانِ کہنہ را باز آفرینید
ہزاران انجمن اندر طوافش ؛ کہ او با خویشتن خلوت گزیند
(اقبال مرحوم)

والدین کی سعید روحوں نے اس خوش نصیب بچے کی اسلامی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا سب سے پہلے قرآنِ عزیز کے حفظ کا انتظام کیا گیا۔ قدرت نے حافظ حبیب اللہ صاحب کو جو کتاب و سنت کی فہم و ادراک کے لئے ذہنِ رسا عطا فرمایا تھا۔ اس کو والدین کی دعاؤں نے اور بھی جلا بخشی۔ لہٰذا ذہانت و فطانت کا یہ پیکر علوم متداولہ میں خوب مہارت پیدا کرنے لگا باپ کی عارفانہ صحبت نے دین کا ذوق عطا کیا اور اب ضروری کتب کی تحصیل کے بعد آپ کو مرکزِ اخیار و ابرار اور مرجعِ علماء و مشائخ دارالعلوم دیوبند میں بھیجا گیا وہاں کی علمی و روحانی فضا نے اس جوہرِ قابل کو فردوسی تابانی بخشی اور ہم اس حقیقت کو مکرر عرض کرنے میں باک نہیں رکھتے ہیں کہ بزرگ والدین کی پاکیزہ دعاؤں نے کندن بننے میں اس کی خوب دستگیری کی دارالعلوم میں ہزاروں طلباء تھے مگر حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کا نورِ نظر اپنے اساتذہ کرام (اولیاء کرام) کی آنکھوں کا تارا تھا۔ کیوں کہ قطب، دوراں حضرت مولانا مرحوم ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا! پچاس فیصد حصولِ علم اور پچاس فیصد اساتذہ کرام کا ادب ملحوظِ خاطر رہے مدرسہ میں اس وقت حضرت سید محمد انور شاہ قدس سرہٗ جیسے یکتائے روزگار علامہ حضرت مدنیؒ جیسے مجاہد کبیر اور شارحِ حدیث مردِ حق آگاہ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے دانائے رموزِ قرآنی موجود تھے لہٰذا ہمارے آقا ہمارے مکرم حافظ موصوف نے ان ہادیانِ دینِ متین سے خوب دل کھول کر کسبِ ضیا کیا اور آخر کار

جامعیت کی بلاغت فانحرہ دریر کیلئے دارالعلوم سے لاہور واپس آئے محنت شاقہ ، وہیوں اور سیفوں کا ولولوں کا طالب علمانہ دور ختم ہوا مگر

دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ ؛ دیکھیں کیا گزرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک (مرزا غالبؔ)

قیام لاہور میں ابھی ہزاروں منزلیں باقی تھیں جن میں کسی مردِ کامل کی رہنمائی کی ضرورت تھی گھر میں حضرت والا تبارؒ کے علاوہ حضرت مولانا سندھیؒ کی آمد ورفت جذبۂ حریت کو تیز کرنے ۔ تہذیبِ مغرب سے تنفر میں سید العارفین امام روحانیاں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فلسفۂ اسلام کی ترویج واشاعت کو لائحۂ عمل بنانے اور ظاہری اسباب وعلل سے مستغنی ہو کر زندگی بسر کرنے کا درس دینے کے لئے کافی وشافی تھی ۔ کیونکہ مولانا موصوف ایک انقلابی قلب ونظر کے حامل تھے ان کے کردار میں آسمانوں کی رفعت تھی ان کے عزائم میں کوہساروں کی پختگی تھی ان کے سینے میں شیروں کی بے خوفی تھی وہ کسی کی رہنمائی قبول کرنے کو تیار نہ تھے ان کے سامنے شمس العارفین حضرت شیخ الہندؒ کی مجاہدانہ زندگی کے ابواب کھلے ہوئے تھے اور ان کی اپنی ضمیر ان کو پکار پکار کر کہتی رہتی تھی ۔

عصرِ حاضر با تو مے جوید ستیز ؛ نقشِ حق بر لوحِ ایں کافر بریز

نقشِ حق داری ؟ جہاں نخچیر تست ؛ ہم عنانِ تقدیر با تدبیر تست

ہم نشینوں سے پوچھئے کہ حضرت مولانا سندھیؒ کیا تھے ؟ اور ان کے ذوقِ پرواز کی فلک پیمائیاں کیا تھیں ؟ وہ ان تھک ہمتوں کے مالک تھے وہ ماحول کی تاریکیوں سے خائف ہونے کی بجائے ان میں بکھرتے پھرتے تھے ۔ وہ بڑا مردانہ اقدام کے عادی تھے وہ سنتے تھے اور کوئی ان کو ہر وقت کہتا رہتا تھا ۔ شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا ؛ پُر دم ہے اگر تو تو نہیں خطرۂ افتاد یہ حضرت سندھیؒ کی مجذوبانہ ، متوکلانہ اور سرفروشانہ داستانِ حیات تھی جو کسی نہ کسی حد تک اپنے حلقۂ بگوشی کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی ۔ حضرت شیخ التفسیر آپ کی بڑی عزت وتوقیر کرتے تھے اور آپ کی اولاد بھی اسی طرح فرزندانہ تعظیم سے پیش آتی تھی ۔

حافظ حبیب اللہ صاحب اب اپنے والد بزرگوار کی تجویز کردہ راہوں پر چل رہے تھے ۔ اور درس وتدریس کا کام بڑے انہماک سے ہو رہا تھا جب کہ آپ ۱۹۴۷ء میں حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور اس سے پیشتر بھی ایک دفعہ حج کیا تھا ۔ لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد آپ اب تک حِین تنہا مدینۃ الرسول میں مقیم ہیں تقریباً ۱۷ سال سے حجازِ مقدس کی مبارک فضائیں آپ کی پرورش کر رہی ہیں ۔ روضۂ رسول انس وجاں صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرور بہاریں اور یزدان افروز محفلیں آپ کی طمانیت خاطر کا سامان مہیا کرتی ہیں حج کے ایام میں آپ مکہ مکرمہ تشریف لاتے ہیں اور اردو زبان میں ہند وپاک کے حجاج کرام کو درس قرآن مجید دیتے ہیں اور حج کے فوراً بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے جاتے ہیں اور مسجد نبویؐ کے باب صدیقؓ میں بیٹھ کر عربی زبان میں مدینہ والوں کو درس دیتے ہیں حضرت شیخ التفسیرؒ متعدد دفعہ حج وعمرہ کے لئے ان کے پاس تشریف لے جاتے رہے ہیں اور آپ کے ہمراہ ہماری محسنہ وصدیقہ اماں جان اور صاحبزادہ مولانا عبید اللہ انور صاحب یا حافظ حمید اللہ صاحب جاتے رہے ہیں اب حضرت والا شان کے عالم جاودانی کو سدھارنے کے بعد اور پہلے بھی بے شمار احباب اور عقیدتمندوں نے بہ ہزار اخلاص عرض کیا ہے کہ آپ (حافظ حبیب اللہ صاحب) لاہور واپس تشریف لے آئیں مگر آپ مدینہ منورہ کی فردوسی و ملکوتی فضاؤں کو چھوڑنے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہیں راقم الحروف نے بھی ایک طویل عریضہ محترم حافظ صاحب کی خدمت اقدس میں بھیجا تھا جس کے جواب سے واضح ہوتا تھا کہ آپ رضائے الٰہی کے مطابق مدینہ منورہ میں مقیم ہیں محترمہ ومکرمہ اماں جان کی طرف سے بھی مادرانہ تقاضے پیش کئے گئے ہیں مگر ان کی طرف سے صبر کی تلقین آخرت کی ملاقات کے وعدے مدینہ منورہ کی مشکبار فضاؤں کے تذکرے کے سوا کوئی جواب نہیں ہوتا ۔ اور حقیقت ہے کہ اس مقام کی سعادات کا کیا کہنا مسجد نبویؐ کا مقدس ماحول فرشتگانِ ارض وسما کی منزل رحمتوں کا مہبط ۔ انوارِ الٰہی کی دنیا تاجدارِ رسالتؐ کی آخری آرام گاہ ۔ ذروں میں آفتاب پنہاں چپہ چپہ پر صحابۂ کرامؓ اور شہدائے عظام کے خون کی آمیزش ۔ اصفیاء واتقیا کا مکتب خسروی ودرویشی کا مرکز اسلامیانِ ادوار کا ملجا

دماوی اور ایک صاحبِ دل مقبولِ خدا کی زبان سے ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر ٭ نفس گم کردہ مے آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

برکتوں اور رحمتوں کی بستی کو چھوڑ کر محروم دنیا میں کون قدم رکھے طالبانِ صادق کے لئے تو علامہ اقبال مرحوم فرما گئے ہیں ؎

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی ٭ اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگ لاتخف (اقبالؒ)

زہے نصیب! ایک نہ دو تین چار فرزند ایک ہی مادری تنزاد - ان فضاؤں میں پلا ہوا والدین کی مادری زبان پنجابی مگر فضلِ ایزدی کی بے پایانی پر غور کیجئے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مسجدِ نبوی میں بیٹھ کر کتاب و سنت کی خدمت کے لئے اپنا ہر لمحۂ حیات وقف کئے ہوئے ہے ؎

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ رازفاش ٭ لاکھ حکیم سر بجیب - ایک کلیم سر بکف

یہ چیزیں عقل و خرد کے پیمانوں سے نہیں ماپی جاسکتیں - ان کا تعلق وجدانِ صحیح اور روحِ مطمئنہ سے ہے ہم تو اندھوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں - بقول حضرت شیخ التفسیرؒ "یہ پاگلوں کا جہان ہے"۔ ہاں قیامت کے دن اولادِ آدم کے اجتماع میں چودھویں صدی کے اس لادینی کے دور کے جب تمام افراد اکٹھے کئے جائیں گے اور ہم کو بفضلِ ایزد متعال ہمارے آقا حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے فرزندِ جلیل حضرت حافظ حبیب اللہ مہاجر مدنی کا دیدار نصیب ہوگا اور ان کے چہروں پر نَضْرَۃَ النَّعِیْم کے انوار ہوں گے تو ہم کور باطنوں، ہوس پرستوں اور تہذیبِ حاضرہ کے متوالوں کو یقین آجائے گا کہ ہم نے اپنی اولاد کو امریکہ اور لندن بھیج کر ان کو اور اپنے آپ کو قعرِ جہنم میں دے مارا ہے اور حضرت شیخ التفسیر قطب دوراں نے تمام دنیا کی خرافات سے منہ موڑ کر دینِ حنیف پر گامزن ہوتے ہوئے مرسلانہ استقامت سے اپنے نورِ بصر کو دیارِ رسول اللہ ﷺ میں خدمت دین کے لئے بھیجا اور آج آپ کو اور اپنے فرزندِ ارجمند کو جنتِ فردوس کا وارث بنالیا ؎

ایں رازہے مردانِ حُر کی درویشی ٭ کہ جبریلؑ سے ہے اس کو نسبتِ خویشی (اقبالؒ)

حضرت حافظ حبیب اللہ صاحب کے بعد اس مبارک گھر میں اور بچوں نے بھی جنم لیا جن میں صاحبزادہ حفیظ اللہؒ اور صاحبزادہ عبید اللہؒ بھی تھے جو ابتدائے بہاریں ہی مرجھا گئے اور اسی طرح دو بچیاں بلوغت کے قریب پہنچ کر اللہ کو پیاری ہوئیں اور ایک صاحبزادی جو کہ حضرت مولانا عبدالمجید مرحوم کے عقد میں تھیں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا عبدالوحید نامی چھوڑ کر ملکِ عدم کو سدھاریں اس موقعہ پر یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ حضرت والاجاہ اپنے مغموم دل سے ان بچوں میں سے بعض کی قبور پر تشریف لے گئے اور حالتِ کشف میں جو گفتگو ہوئی اس کو حضرت اماں جان سے آکر پیش کرتے رہے۔

جانشین حضرت شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انور صاحب

اب حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب کا ذکرِ خیر نہایت اختصار سے پیش کیا جاتا ہے آپ اپنے برادرِ عزیز حافظ حمید اللہ صاحب سے بڑے ہیں اور اپنے قطب الاقطاب والدِ محترمؒ کے جانشین ہیں۔ آپ کو فرشتہ سیرت والدین نے ابتدائی کتبِ متداولہ کی تحصیل کے بعد دارالعلوم دیوبند بھیجا۔ وہاں آپ نے اکابرِ دین کی سرپرستی میں دورۂ حدیث کے علاوہ باقی ضروری علوم کی سندات حاصل کیں اور واپس آکر آخر وقت اپنے والدین کی خدمتِ عالیہ میں حاضر رہے اور تھوڑا سا عرصہ کراچی میں بھی قیام پذیر رہے اب حضرت اقدس کے ارشاداتِ گرامی کے مطابق آپ مسندِ خلافت پر رونق افروز ہیں وہ فرائض جن کی ذمہ داری حضرت کی ذاتِ والاصفات پر تھی وہ اب آپ کے ذمہ ہیں جن کو حسبِ توفیق بطریقِ احسن سرانجام دے رہے ہیں۔ للہ الحمد اس خاندان کا فطری جوہر ہے کہ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ ان کا آبائی ورثہ ہے۔ صبح کا عام درس علمائے کرام کی جماعت کو یکم رمضان سے یکم ذوالحجہ تک تفسیر پڑھانا جمعہ کا خطبہ۔ ذکرِ جہر کی حاضری عقیدت کیشوں سے ملاقات اور اندرونِ شہر اور بیرونِ شہر پاکستان کے مختلف مقامات پر رضائے الٰہی کے لئے تبلیغی مشن پر تشریف لے جانا یہ اور باقی دینی امور جو ایسی بابرکت ہستیوں سے وابستہ ہوتے ہیں کو پورا کرنا آپ کے لائحہ عمل میں شامل ہے آپ کی سیرت تمام اخلاقِ حمیدہ کی آئینہ دار ہے رشباب کے باوجود زبان میں بزرگانہ شیریں مقال۔ اطوار و کردار میں

مرتبیانہ مروت۔ بشرہ پر ذہانت کے انوار آنکھوں میں پاکیزگی فطرت کی جھلک حلم وحیا میں عثمانی صفت، اقرباء واعزہ میں ہر دلعزیز اخیار میں ممدوح وموصوف اور اس پر طرہ یہ کہ لاکھوں مہجوروں کے والدِ مشفق حضرت شیخ التفسیر مرحوم کی جیتی جاگتی نشانی ہے

اے گل بتو خورسندم تو بوئے کسے داری —— جس کسی سے ایک دفعہ مخاطب ہوتے ہیں وہ محبت کرنے لگ جاتا ہے فطرت کے جوہری نے آپ کو دو درخشندہ گوہر عطا فرمائے ہیں ایک کا نام اجمل ہے اور دوسرے کا نام اکمل ہے یہ اپنے محترم دادا جان مرحوم اور دادی جان کی دعاؤں کا حاصل ہیں دعاء ہے اللہ تعالےٰ ان کو مجاہدانہ زندگیاں عطا فرمائے۔ آمین یا الہ العلمین۔

جناب حافظ حمید اللہ صاحب مدظلہ العالی

اپنے بھائی بندوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ فارغ التحصیل عالم دین ہونے کے علاوہ حافظ قرآن بھی ہیں صوم وصلوٰۃ کے بڑی سختی سے پابند ہیں حضرت والا جاہ مرحوم آپ سے بڑی مروت وعفو سے پیش آتے تھے حضرت کی وفات پر آپ کی بے بسی بڑی جگر پاش تھی حضرت کے عطا کردہ پروگرام کے مطابق آپ بچوں کو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھاتے ہیں اور وقتاً فوقتاً امتحان بھی لیتے رہتے ہیں اللہ تعالےٰ نے دو بچیوں کے بعد آپ کو ایک فرزند خوش اختر عطا فرمایا ہے دعا ہے کہ خدائے ذوالمنن آپ کو اور آپ کے بچوں کو حیات طیبہ اور خدمتِ دین کی توفیق ارزاں فرمائے۔ آمین!

حضرت لاہوریؒ کا مہاجر بیٹا

ماخوذ

آپ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ کے فرزند ارجمند اور مولانا عبید اللہ صاحب انور مدظلہ کے بڑے بھائی ہیں حضرت لاہوریؒ کے پہلا خلیفہ مجاز ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد ارض مقدسہ کی طرف ہجرت کی اور چوبیس سال تک وہاں کی برکات سمیٹتے رہے اور اسی پاک زمین میں مدفون ہوئے۔

ولادت: ۱۹۱۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم: ابتدائی تعلیم مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ میں حاصل کی۔ حافظ مہاب الدین صاحب (آف یکی دروازہ) سے قرآن مجید حفظ کیا۔ ساتھ ہی مڈل تک کا نصاب بھی پڑھ لیا۔

اعلیٰ تعلیم: اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے ۱۹۳۷ء میں دورہ حدیث شریف پڑھا۔

تدریس: فراغت کے بعد حضرت مولانا محمد صادق صاحبؒ مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی کی خواہش پہ تدریس کا آغاز کیا۔ ضروریات کے لئے اخراجات حضرت لاہوریؒ بھجواتے تھے۔

روحانی تربیت: اپنے والد محترم سے روحانی تربیت حاصل کی اور ۱۹۴۶ء میں جب حضرت لاہوریؒ نے استخارہ کیا تو سب سے پہلے خلفاء میں آپ کا نام آیا حالانکہ (حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور کی روایت کے مطابق) حضرتؒ نے آپ کا نام سب سے آخر میں رکھا تھا۔ دوسرے خلفاء جن کو آپ کے ساتھ خلافت ملی وہ حضرت مولانا عبدالہادی صاحب دین پوری حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالعزیز صاحبؒ ساہیوال اور حضرت مولانا مفتی بشیر احمد صاحب پسروری ہیں۔

ہجرت: قیام پاکستان کے بعد آپ نے "دیار حبیبؐ" کا رُخ کیا۔ پہلے ہر سال کے لئے حضرتؒ سے اجازت لیتے رہے۔ پھر وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ سال کا کچھ حصہ مکہ مکرمہ میں اور کچھ مدینہ منورہ میں گزارتے تھے۔ وہاں عمر بھر فی سبیل اللہ درس دیتے رہے اور پھر ان مبارک جگہوں کے ساتھ ایسی محبت ہوگئی کہ ان سے چند لمحوں کی جدائی بھی ناقابل برداشت ہوگئی۔

جناب الحاج محمد یوسف صاحب (کراچی والے) آپ کے بے تکلف احباب میں سے ہیں انہوں نے چار حج آپ کے ساتھ کئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ "حضرت کے پاس ایک چھوٹی سی نوٹ بک تھی، اس میں سال بھر میں جتنا ذکر کرتے اس کی تعداد اربوں کے حساب سے درج ہوتی، وہ کسی سے زیادہ گفتگو بھی اس لئے نہیں کرتے تھے کہ بات چیت میں ذکر رہ جائے گا وہ سخت طبیعت نہ تھے، بلکہ قیمتی گھڑیوں کو ذکر اللہ کے علاوہ کہیں اور صرف کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔" وہ یہ سمجھتے تھے کہ ؎

صرفِ عصیاں ہوا وہ لحظہ عمر
جو تری یاد میں بسر نہ ہوا

وہ فرماتے تھے کہ یہ سرزمین آخرت بنانے کے لئے ہے۔ بیت اللہ اور مسجد نبویؐ سے غرض! یہاں کی کوئی ساعت ذکر اللہ سے غفلت میں گزرنی نہ چاہیئے۔ ذکر اللہ میں مشغول رہتے اور اسی میں ان کی خوشی ہوتی، شاعر نے کہا ہے ؎

وہی دن ہے ہماری عید کا دن
جو تری یاد میں گزرتا ہے

اور حضرت فرماتے تھے کہ " دنیا کی بادشاہت حاصل کر لینا بہت آسان ہے مگر جہنم کی آگ سے بچنا بہت مشکل "۔

اس فکر آخرت نے آپ کو دنیا کی فکر سے بیگانہ کر دیا۔ والدہ ماجدہ نے شادی کرانے کے لئے بلائیں لیں لیکن آپ نے نہایت ادب سے معذرت کر دی کہ میں طواف اور زیارت اور دیگر جو دینی کام کر رہا ہوں ان سے مجھے لمحہ بھر کی فرصت نہیں۔ آپ کا خلوت کدہ بھی ساری دنیا سے الگ تھلگ تھا۔ وہ بیت اللہ العظیم کے تہ خانوں کے زمرے میں شمار ہونے والے حجروں میں سے ایک الگ حجرہ تھا، جس میں بجلی کا انتظام اور زمزم کے پانی کی نالی ۲۴ گھنٹے جاری رہتی۔ اسی زمزم کو استعمال کرتے، طواف پہ طواف کرتے سخت دھوپ میں طواف کرنے سے رنگت کالی ہو گئی تھی لیکن آپ کو رنگت سے کیا غرض ؎

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے، تیرے فکر سے، تیری یاد سے، ترے نام سے

ماڈل ٹاؤن لاہور کے ایک بزرگ الحاج میاں شیر محمد صاحب نے مجھے بتایا کہ حضرت کا طواف بھی عجیب ہوتا تھا۔ بہت ہی آہستہ آہستہ طواف کرتے چلے جاتے اور ایک ایک چکر میں سوا پارہ قرآن مجید کا پڑھتے تھے۔

وہی بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سے درخواست کی کہ مجھے سیر کرائیں، فرمایا، "کل عصر کے بعد انشاءاللہ چلیں گے"۔ دوسرے روز عصر کے بعد مجھے ان جگہوں میں لے گئے جن میں دل کی آبادیاں تھیں۔ دل کو سکون ملتا تھا، مجھ سے رہا نہ گیا پوچھ لیا، حضرت اس جگہ کی سیر دل کو فرحت بخش رہی ہے کیا ماجرا ہے؟ فرمانے لگے اسی راہ سے اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیر کو تشریف لے جاتے تھے۔ آپ کے حجرہ کا قالین کالا ہو چکا تھا، اس پر تھوڑی دیر آرام کیا کرتے پھر اپنے معمولات کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

آپ کی والدہ محترمہ نے یکم ستمبر ۱۹۶۲ء کو ایک خط لکھا کہ " آپ کے استخارہ جات آپ کو ادھر (پاکستان) آنے کی اجازت نہیں دیتے لیکن میں ماستا کو کیسے دباؤں"؟ اس کے جواب میں درج ذیل خط تحریر فرمایا، " یہ امر واقع ہے کہ میں ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ارضِ مقدس حجاز میں پہنچا تھا اور مرحوم ومغفور لہ اعلیٰ حضرت قبلہ اباجان رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً کا وصال ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو ہوا یعنی کہ ان کے انتقال پر ملال سے ٹھیک چودہ برس قبل (۱۴ برس سے دو ماہ کم ہوتے ہیں) میں ارضِ مقدس میں پہنچ گیا تھا۔ اس چودہ برس کے عرصہ میں انہوں نے سینکڑوں مرتبہ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس احسانِ عظیم پر شکر کرنے کی تلقین فرمائی کہ " شکر کرو سارے لاہور میں ایک ماں ایسی نہیں جس کے بیٹے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے المسجد النبوی الشریف میں بیٹھ کر قال اللہ وقال الرسول کی خدمت کی توفیق بخشی ہو بلکہ پورے پاکستان کا ایک فرد بھی ایسا نہیں جو عربی زبان میں الحرم النبوی الشریف میں دین کی خدمت کے شرف سے مشرف ہو۔ پورے پاکستان میں اللہ نے اس شرف سے مجھ عبدِ حقیر وفقیر کو نوازا ہے۔ وہ مرحوم ومغفور لہ بار بار اسی لئے آپ کو تلقین فرماتے تھے کہ اس کی مفارقت اور جدائی پر صبر کرنا اور صبر پر اللہ تعالیٰ سے اجر کی توقع رکھنا۔ صبر کا جو درس چودہ برس تک انہوں نے آپ کو پڑھایا ابھی ان کے وصال کو ایک سال بھی پورا نہیں گزرا کہ وہ سبق آپ بھول گئے۔ اگر انسان کی ساری خوشیاں اور مرادیں دنیا میں ہی پوری ہونے لگ جائیں تو وہ کیا دنیا ہوئی وہ تو جنت ہو گئی۔ اب دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنی ہوگی۔

ا: یا تو محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی ہدایت ومغفرت اور اپنے والدین ماجدین کی مغفرت ونجاتِ آخرت کے لئے المسجد النبوی الشریف میں بیٹھ کر دین کی خدمت کروں۔

ب: یا پھر ان تمام سعادتوں سے محروم ہو کر صرف آپ کی ملاقات کے لئے لاہور آجاؤں۔

قبلہ اباجانؒ نے تو پہلی بات اختیار کرنے کی آپ کو چودہ برس تلقین فرمائی۔ اب آپ ان کی روح پُرفتوح کو بھی ناراض کرنا چاہتے ہیں۔ آپ تھوڑا سا صبر فرمائیں، صبر پر اللہ نے بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ " ہر عمل کا اجر قیامت کے دن ماپ تول کر ملے گا الاّ واحد عمل۔ اور وہ صرف صبر کا عمل ہے بے صبری میں آکر اپنے آپ کو اور ہم کو سعادت دارین کے شرف سے محروم نہ کیجئے۔ مرحوم ومغفور اعلیٰ حضرت قبلہ اباجان رحمۃ اللہ علیہ نے چودہ برس سے

تک جس صبر کی آپ کو تلقین فرماتی ہے، تمام عمر اس پر قائم رہیں اور وہ سبق بقیۃ العمر بھولنے نہ پائے۔"

ایک اور مکتوب سے آپ کی دلی تمنا اور آرزو کا پتہ چلتا ہے، اس کی چند سطریں بھی ملاحظہ ہوں۔ "یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے جو وجدان سے تعلق رکھتی ہے، یہ استدلالی چیز نہیں۔ مجھ کو المدینۃ المنورۃ کے قیام میں جو روحانی سرور نشاط، جو قلبی سکون و طمانیت میسر ہے اور علی حسب ماقدر اللہ لی الخیر والسعادۃ والتوفیق۔ جو عبادات کی توفیق من جانب اللہ حاصل ہے، دنیا کی سب نعمتوں کو اس پر قربان کر سکتا ہوں لیکن اس روحانی سرور و نشاط اور اس قلبی سکون و طمانیت کو دنیا کی نعمت پر قربان نہیں کر سکتا۔ میرے دل کی یہی پیاس ہے کہ بقیۃ العمر اللہ تبارک وتعالیٰ حسن ادب پر قائم رہتے ہوئے المدینۃ المنورہ ہی میں قیام کا شرف بخشے اور اس شرف سے محروم نہ فرمائے۔ لاہور میں میرے دو بھائی ہیں۔ میں ان کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت اپنے غیب کے فیض سے ان کی تائید نصرت فرمائے اور وہ ابا جان کی مسند پر بیٹھ کر رشد و ہدایت کے اس سلسلہ کو جاری رکھ سکیں، آمین۔

یہ امر واقع ہے کہ مجھ عبد حقیر وفقیر پر جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل و احسان ہے، دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور شہنشاہوں پر اللہ کا وہ انعام نہیں ہوا ——— ہندوستان کے جتنے مغل سلاطین گزرے ہیں ان میں کسی ایک مغل شہنشاہ کو اس دربار کی حاضری کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ ان کے قلعے، ان کے مقبرے، ان کی جامع مسجدیں دنیا میں ایسی یادگار ہیں کہ ایک مرتبہ ایک ایرانی سفیر نے کہا تھا کہ "شاہان ہند شاہی نمی کنند، خدائی میکنند"۔ آخرت میں ان کے قلعے، مقبرے اور پر شکوہ عمارتیں کام نہیں آئیں گی۔ اگر یہاں کی حاضری کا شرف حاصل ہو جاتا تو وہ آخرت میں ضرور ان کے کام آتا حتیٰ کہ جتنے سلاطین آل عثمان گزرے ہیں ان سب خلفاء کو بھی حرمین الشریفین کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ حالانکہ حرمین الشریفین ان کی قلمرو میں تھا اور ہمیشہ جمعہ کے دن امام خطبہ میں آٹھ سو برس تک یہ پڑھتے رہے ہیں،

بیہقی کی روایت میں ہے کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے آسمان سے دن کو اور اسی طرح ستر ہزار فرشتے رات کو روضۂ اطہر پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ آسمان سے ملائکہ عظام جس مقام کی تقدیس و تبریک حاصل کرنے کے لئے نازل ہوتے ہیں وہاں پر مجھ عبد حقیر و فقیر و مذنب (گنہگار) کا قیام میرے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک بہت ہی بے بہا انعام ہے،

جس مقدس مقام پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر بسجدہ دعائیں فرمائیں اور تمام حضرات خلفاء الراشدین اور سب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دعائیں کیں اور تمام عالم اسلام کے صلحاء شرقاً و غرباً جبار پر ہر سال صدیوں سے جمع ہو کر دعائیں فرماتے ہیں اس مقام کو قبولیت دعا کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ میں اس مقام پر خصوصیت کے ساتھ آپ حضرات، والدین ماجدین کے لئے اور اپنے خاندان کے سب افراد کے لئے دن رات بہت دعائیں بامید قبولیت کرتا رہتا ہوں"۔

وصال:

۲۲ جولائی ۱۹۷۲ء کے اخبارات میں پی پی آئی کے حوالہ سے آپ کے وصال کی خبر ان الفاظ میں شائع ہوئی:۔

"حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے فرزند اور حضرت عبید اللہ انور مدظلہ العالی نائب امیر جمعیۃ علمائے اسلام پاکستان کے بڑے بھائی حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ حال ہی میں حجاز مقدس میں انتقال فرما گئے۔

مولانا حبیب اللہ ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے اور دینی مدارس میں اعلیٰ دینی علوم کی تحصیل کی۔ آپ گزشتہ چوبیس ۲۴ برس سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بلاکسی معاوضہ کے درس قرآن اور درس حدیث دے رہے تھے۔

آپ مکہ مکرمہ کے بلند ترین زہاد (زاہد کی جمع) میں شمار کئے جاتے تھے۔ سابق شاہ سعود آپ کے درس قرآن اور درس حدیث میں شرکت کی سعادت حاصل کیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ سے مولانا حبیب اللہ مکہ معظمہ میں مقیم تھے اور آپ علیل رہا کرتے تھے۔ آپ کی رحلت

لے افسوس کہ ۱۸ نومبر ۱۹۷۶ء کو حضرت مولانا حافظ حمید اللہ صاحب انتقال فرما گئے۔ اب حضرت انور ہی حضرت لاہوری ؒ کی نشانی ہیں۔

کی اطلاع[۵] حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب کو بذریعہ خط ملی"۔

مکہ مکرمہ سے وصال کا خط: آپ کے خادم خاص مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب نے حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب کو لکھا کہ "حضرت (مولانا حبیب اللہ صاحبؒ) نے قرآن مجید کی مختلف آیات پڑھتے ہوئے فرمایا، "میرا کام بن گیا" اور کلمہ طیبہ پڑھتے پڑھتے ابدی نیند سو گئے"۔

حافظ محمد اسحاق صاحب کے مکتوب کے ساتھ ہی دارالعلوم حرم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے نائب مہتمم جناب مولانا محمد مسعود شمیم صاحب کا مفصل تعزیتی مکتوب موصول ہوا۔

"برادر مکرم و محترم فضیلت مآب قدوۃ السلف جناب مولانا عبید اللہ انور صاحب متع اللہ المسلمین بحیاتہ، آمین۔

سلام مسنون! ذات باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ ہر طرح مع الخیر ہوں گے، نہایت رنج و ملال کے ساتھ یہ اطلاع دے رہا ہوں کہ کل جمعرات کے مبارک دن ۹ رجمادی الثانی ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۰ رجولائی ۱۹۷۲ء عصر سے آدھا گھنٹہ قبل (یعنی مکہ مکرمہ کے عربی وقت سے ساڑھے آٹھ بجے) ہمارے قابل قدر بزرگ اور آپ کے برادر محترم مولانا حبیب اللہ صاحب اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے،

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ٥

اور نماز عشاء میں در کعبہ کے سامنے نماز جنازہ ہوئی۔ لاکھوں ساکنان حرم نے اس میں من جانب اللہ شرکت کی اور اکابر دارالعلوم مدرسہ صولتیہ کے تاریخی اور مبارک احاطہ میں حضرت اقدس مجاہد اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے برابر دفن ہوئے۔

اب سے دس دن قبل منگل کے دن قلب کی تکلیف شروع ہوئی تھی۔ باوجود احباب کے اصرار کے ڈاکٹر سے علاج نہیں کرایا اور فرمایا کرتے تھے کہ "یہ دوائیں مشکوک ہیں، اعدائے اسلام کے ہاتھ کی بنائی ہوئی دوائیں استعمال کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ ان دواؤں کے استعمال سے نور کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے"۔ اپنی یونانی دوائیں اور خمیرہ جات استعمال کرتے رہے۔ ایک حکیم صاحب بھی معائنہ اور تشخیص کے لئے آتے تھے۔ جمعرات کو یعنی وفات کے دن ظہر سے قبل خود غسل کیا، کپڑے بدلے، بستر کی چادر بدلوائی، ظہر کی نماز (پوری) نہایت اطمینان سے پڑھی، غسل کر کے عطر بھی لگایا۔ وفات سے ایک گھنٹہ قبل اپنے خادم بھائی اسماعیل گجراتی سے فرمایا، "اب تک تو مجھے درد تھا مگر اب اللہ کا شکر ہے کہ اطمینان ہے"۔ اس کے بعد چہرے پر بے حد اطمینان اور نور ظاہر ہونے لگا۔ بستر پر لیٹے ہوئے زیر لب کچھ پڑھتے رہے۔ پھر اچانک اذان عصر کا دریافت کیا، جب بتایا گیا کہ آدھا گھنٹہ باقی ہے تو خاموشی کے ساتھ زیر لب تلاوت میں مشغول ہو گئے اور اسی حالت میں باوضو نماز کے انتظار میں بحالت ذکر و تلاوت پوری طہارت و پاکی کے ساتھ جان جان آفریں کے سپرد کر دی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ"

عصر کے بعد حافظ ارشاد صاحب کا مدرسہ صولتیہ میں اطلاعی فون آیا جس نے ہم سب کو بے قرار کر دیا۔ اسی وقت مشورہ ہوا کہ مولانا حبیب اللہ صاحب جیسی بزرگ اور قابل قدر ہستی کو بزرگان مدرسہ صولتیہ کے پہلو اور پڑوس میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ میں نے سب کو مطلع کر دیا کہ قبر کا انتظام مدرسہ صولتیہ کی طرف سے ہوگا۔ مولانا حبیب اللہ صاحب کے تمام تجہیز و تکفین کے انتظامات اور نگرانی ہمارے مکرم و محترم حافظ

---

[۵] حضرت مولانا عبید اللہ صاحب پر صدموں پر صدمے آ رہے ہیں۔ ۲۳ رفروری ۱۹۶۲ء کو آپ کے والد حضرت لاہوریؒ کا وصال ہوا۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۶۳ء کو والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا۔ ۱۸ رنومبر ۱۹۷۰ء کو آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا حافظ حمید اللہ صاحب کی رحلت ہوئی۔ ۴ رجون ۱۹۷۱ء کو آپ کی بھاوج (زوجہ حافظ حمید اللہ صاحب) نے دنیا سے کوچ کیا۔ اور ۲۰ رجولائی ۱۹۷۲ء کو آپ کے برادر بزرگ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ مکہ مکرمہ میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان تمام صدموں پر حضرت انور کو صبر کرنے کی وجہ سے اجر جزیل عطا فرمائے اور ہم گنہگاروں پر ان کا سایہ قائم رکھے آمین یا الہ العالمین۔

ارشاد صاحب نے کی۔ اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ مولانا غلام رسول صاحب نے نہایت اہتمام سے سنت کے مطابق غسل دیا۔ سارے ہی تبلیغی احباب، مدرسہ صولتیہ کے اکثر لوگ اور مکہ معظمہ کے تقریباً دو سو مہاجرین ومتوسلین جنازہ میں شریک تھے۔ اور سب ہی اشکبار تھے۔ مولانا حبیب اللہ صاحب جیسے خدا رسیدہ اور تارک الدنیا تھے، اسی قدر لوگ ان کی ذات سے تقویت محسوس کرتے تھے۔ آپ خیر سلف کے خیر خلف تھے اور صالحین کا نمونہ۔

اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور تمام اعزہ ومتوسلین کو اور آپ کو صبر وہمت عطا فرمائے، آمین۔ حضرت والد صاحب قبلہ مولانا محمد سلیم صاحب آپ کو بعد سلام مسنون اور دعائیں لکھوا رہے ہیں۔ حج کے موقع پر جو احباب مولانا حبیب اللہ صاحب کے مزار کی زیارت کرنا چاہیں وہ مدرسہ صولتیہ میں تشریف لائیں۔ آپ کب عمرہ یا حج کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ اس سال تو عام اجازت ہے۔ یہاں آپ کا گھر موجود ہے۔ وَالسَّلَامُ مَعَ الْاِکْرَامِ۔

محمد مسعود شمیم نائب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ"

ولی ابن ولی

ماخوذ

مولانا عبید اللہ انور

☐★★★☐★★★☐★★★☐★★★☐★★★☐★★★☐★

ولادت:- آپ ۱۲ اگست ۱۹۲۶ء کو شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم:-

قرآن مجید والدہ ماجدہ سے پڑھا، پھر حضرت لاہوریؒ نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو دارالعلوم دیوبند خط لکھا کہ ہمارے یہاں کوئی قاری بھجوا دیں جو صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن مجید پڑھائے۔ انہوں نے قاری عبدالکریم دیوبندی کو بھجوا دیا۔ لاہور میں وہ پہلے قاری تھے۔ انہی سے آپ نے علم قرأت کی تحصیل کی۔ تقسیم ملک کے بعد وہ ہندوستان واپس چلے گئے۔

اسی اثناء میں آپ نے جماعت چہارم کا امتحان دیا۔ حضرت لاہوریؒ نے فرمایا کہ "اگر اوّل آؤ گے تو جو کچھ مانگو گے وہی ملے گا"۔ خدا کی قدرت کہ آپ اوّل آگئے۔ حضرت نے آپ سے پوچھا کہ "کس چیز کی خواہش ہے؟" آپ نے جواب دیا، "مجھے گھڑی، گھوڑا اور ایک چھاتہ خرید کر دیا جائے نیز دہلی کی جامع مسجد اور علی گڑھ دکھلا دیں"۔ حضرتؒ نے آپ کی ان عجیب وغریب خواہشات کو سنا تو آپ کی والدہ ماجدہ سے کہا، "انور سے یہ ہمارا پہلا وعدہ ہے اسے ضرور پورا کرنا چاہیئے، ورنہ بچے کے ذہن پر برا اثر پڑے گا"۔ چنانچہ حضرتؒ نے اپنے ایک خادم چاند خاں (عبدالرحمن) کے ساتھ آپ کو بھیج دیا اور خادم کو فرمایا کہ "انور کو دہلی کی جامع مسجد اور علی گڑھ دکھلاؤ، اور واپس آتے ہوئے دارالعلوم دیوبند بھی ہوتے آنا"۔ اس وقت دیوبند میں آپ کے برادر بزرگ حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب زیر تعلیم تھے۔ وہاں کے ماحول سے آپ بہت متاثر ہوئے اور دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ آپ نے اپنے اس ارادہ سے والدہ صاحبہ کو مطلع کیا تو والدین نے بخوشی آپ کو دارالعلوم دیوبند بھیج دیا۔ وہاں آپ کی تعلیم کا آغاز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے فرزند مولانا اسعد میاں کے ساتھ ہوا۔ آپ کی تعلیم کی "بسم اللہ" حضرت مدنیؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری قاری اصغر علی صاحب نے کرائی۔ ابھی آپ دونوں نے چار پانچ پارے ہی حفظ کئے تھے کہ والدین سے ملنے لاہور چلے آئے۔ اس دوران کچھ بیمار ہوگئے اور مکمل حفظ نہ کر سکے۔ ادھر سید اسعد بھی بیمار ہوگئے۔ وہ بھی حفظ نہ کر سکے۔

۳۲-۱۹۳۳ء کی بات ہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حضرت لاہوریؒ کے پاس تشریف لائے تو حضرت لاہوریؒ کا خیال ہوا کہ آپ کو ندوہ بھیج دوں لیکن حضرتؒ نے مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب سے وہاں کا تعلیمی نصاب دیکھ کر فرمایا کہ "میں اپنے بچے کو عالم باعمل بنانا چاہتا ہوں ایڈیٹر بنانا میرا مقصد نہیں ہے"۔ چنانچہ حضرتؒ نے آپ کو مظاہر العلوم سہارنپور مولانا سید ظہور الحق صاحب کے پاس بھجوادیا۔ آپ وہاں پڑھتے رہے۔ ۱۹۳۸ء میں حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی جلاوطنی کے بعد وہاں تشریف لے گئے تو آپ کی ڈیوٹی ان کی خدمت کرنے کی لگ گئی۔ حضرت سندھیؒ کی خدمت کے ساتھ ان سے تقریباً تین چار سال علم بھی حاصل کیا۔ حضرت سندھیؒ نے آپ کو دارالعلوم دیوبند بھجوادیا اور تعارفی کارڈ پر داخلہ کے لئے لکھا، جسے قاری محمد طیب صاحب نے آنکھوں سے لگایا۔ ایک ملاقات میں حضرت سندھیؒ نے ڈاکٹر ذاکر حسین سے کہا کہ انور جب دیوبند سے فارغ ہوں گے تو انہیں آپ کے سپرد کروں گا کہ آپ نے برلن سے اقتصادیات کی ڈگری حاصل کی ہے، انور کو الٰہیات کی ڈگری دلوائیں (حضرت سندھیؒ فرماتے تھے کہ بی اے تک کی انگریزی کی استعداد ضروری ہے تاکہ انگریزی سے نجات مل سکے)

اعلیٰ تعلیم: آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تکمیل کتب کے بعد ۱۹۴۷ء میں دورہ حدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھا اور سندِ فراغت حاصل کی۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد حضرت لاہوریؒ نے آپ کو اور آپ کے برادرِ بزرگ کو مولانا محمد صادق صاحب کی خواہش پر مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی تدریس کے لئے بھجوادیا۔ آپ پڑھاتے وہاں تھے اور خرچہ لاہور سے جاتا تھا۔ ساتھ ہی دو دوستوں کے ساتھ آپ نے کپڑے کا کاروبار شروع کیا۔ پانچ، چھ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا جس میں خاطر خواہ نفع ہوا۔ اچانک حضرت لاہوریؒ نے آپ کو فوری بلا بھیجا آپ آگئے اور پھر کبھی نہیں گئے۔ چالیس ہزار کے قریب آپ کی رقم بنتی تھی وہ دوست آپ کو بلاتے بھی رہے کہ حساب کر کے رقم لے جائیں لیکن آپ نے پھر اس طرف توجہ ہی نہ کی۔ خود فرماتے ہیں کہ "اس کا نہ مجھے کبھی خیال آیا نہ ملال ہوا نہ توجہ"۔

لاہور میں حضرتؒ نے آپ کو مصری شاہ اینٹوں کے ایک چبوترہ پر درس دینے کی خدمت سپرد کی۔ وہاں آپ نے دس سال تک درسِ قرآن دیا۔ قرآن مجید کی برکت سے شاندار مسجد بھی بن گئی۔ ساتھ ہی اچھرہ کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کی خدمت بھی سپرد کر دی یہ سب خدمات اعزازی طور پر تھیں۔

رُوحانی تربیت: حضرت لاہوریؒ سے بیعت ہوئے۔ انہوں نے تربیت فرمائی۔ کھانا سامنے ہوتا تو حضرتؒ فرماتے توجہ دو کیسا ہے (حلال ہے یا حرام؟) گوشت کیسا ہے؟ دودھ کیسا ہے؟ فروٹ کیسا ہے؟ حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام میں امتیاز کرنے کا یہ خاص نور عطا فرما رکھا تھا وہ نور اُن سے آپ کی طرف بھی منتقل ہوا اور ہمیشہ ٹیسٹ میں کامیاب رہے۔ آپ کی والدہ صاحبہ کو گواہ بنا کر حضرتؒ نے فرمایا کہ "تم گواہ رہو کہ میں نے دونوں (مولانا انور و حافظ حمید اللہ) کو خلافت دے دی ہے"۔ خلافت میں نمبر ا مولانا حبیب اللہ[1] کا ہے۔ دوسرا نمبر مولانا انور کا اور تیسرا مولانا حافظ حمید اللہ صاحب کا۔

حضرتؒ نے آخر میں جامع فاروق گنج اور مصری شاہ جامع مسجد کی ذمہ داری حافظ حمید اللہ صاحب کے سپرد کر دی اور اچھرہ اور شیرانوالہ کی آپ کے سپرد کی تاکہ بھائیوں میں کبھی اختلاف نہ ہو۔

---

[1] حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ حضرت کے بڑا خلیفہ تھے۔ حضرتؒ نے ۱۹۴۶ء میں استخارہ کیا تو مولانا حبیب اللہ، مولانا عبدالہادی صاحب، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالعزیز صاحب ساہیوال اور حضرت پسروریؒ کو اجازت ملی۔ ان میں بھی پہلا نمبر مولانا حبیب اللہ صاحبؒ کا تھا۔

شادی اور اولاد: آپ کی شادی اپنے ماموں جناب ڈاکٹر عبدالقوی لقمان ایم بی بی ایس (حال گلبرگ لاہور) کے گھر سے ہوئی۔ اولاد میں جناب محمد اجمل صاحب، محمد اکمل صاحب اور ایک بچی عاصمہ رشیدہ ہے۔ محمد اجمل صاحب گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور محمد اکمل صاحب میڈیکل کالج بہاولپور میں زیر تعلیم ہیں

حضرت کی جانشینی: ۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء کو بعد از نماز فجر حضرت مولانا عبدالہادی صاحب دین پوری نے جانشینی کی باقاعدہ پگڑی بندھوائی اور حضرتؒ کے متوسلین کو جملہ معاملات اور منازل سلوک میں رہنمائی حاصل کرنے کے لئے آپ سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ شیخ التفسیرؒ کے وصال کے دن ہی حضرت کی وصیت اور مغربی پاکستان کے تمام علماء کے فیصلہ کے مطابق "جانشین شیخ" قرار دیئے جا چکے تھے اور محض اسی منصب کی وجہ سے حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی نے حضرتؒ کی نماز جنازہ آپ سے پڑھوائی تھی لیکن حضرت مولانا عبدالہادی صاحب نے سلسلہ قادریہ کی روایت کے مطابق آپ کی باقاعدہ دستار بندی فرمائی۔ آپ اس جانشینی کا حق خوب ادا کر رہے ہیں۔

حق گوئی و بے باکی: آپ اپنے والدؒ کے صحیح جانشین ہیں۔ ان کی طرح حق گوئی و بیباکی کی صفات بدرجہ اتم موجود ہیں، ایوبی آمریت کے خلاف جب آپ میدان میں نکلے تو کوئی روک نہ سکا۔ پولیس کے ایک افسر ڈی ایس۔ پی چیمہ نے آپ پر اتنا تشدد کیا کہ جس کی معذرت سابق صدر محمد ایوب خان کو اپنی تقریر میں کرنا پڑی۔ آپ ایک عرصہ تک اس تشدد کی وجہ سے ہسپتال میں رہے، پولیس افسر کے خلاف مقدمہ ہوا، اس نے بھری عدالت میں معافی مانگی اور قدموں پر گر پڑا، حضرت نے فاضل جج سے کہا کہ جب انہوں نے مجھ پر تشدد کی انتہا کر دی تھی میں تو اسی وقت ان کو معاف کر دیا تھا۔ یہ تو دوستوں نے مقدمہ کر دیا، ورنہ میں تو انہیں پہلے ہی سے معاف کر چکا ہوں۔ آپ کے اخلاقِ فاضلہ کی تعریف فاضل جج کو بھی عدالت میں کرنا پڑی۔

تحریر و تقریر: آپ اچھا لکھتے اور بولتے ہیں، ریڈیو پاکستان لاہور سے "ہدایت کی راہ" میں آپ کی بیسیوں تقاریر اور خدام الدین کی ادارت اس پر شاہد ہیں۔ ان کا ایک مجموعہ "اسلامی تعلیمات" کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے۔

سیاسی مسلک: آپ جمعیۃ علمائے اسلام پاکستان کے نائب امیر چلے آتے ہیں۔ بے شمار ذمہ داریاں آپ کے کندھوں پر ہیں جنہیں آپ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔

حج:- آپ کئی بار حج کر چکے ہیں، یہ سعادت آپ کو بار بار مل جاتی ہے۔

امن کمیٹی: آپ امن کمیٹی کے صدر ہیں۔ حال ہی میں امن کمیٹی کا اجلاس بلغاریہ میں ہوا وہاں آپ نے شرکت کی اور اسلام کا پیغام پہنچایا۔ وہاں کے پادری نے آپ کی تقریر کی تعریف کی۔

ہفت روزہ "جہاں نما" لاہور بابت ماہ ۲۰ دسمبر ۱۹۶۷ء میں سعید اظہر خان سعید کے قلم سے آپ کا مفصل انٹرویو شائع ہوا اس انٹرویو کی چند سطریں ملاحظہ ہوں:-

"برصغیر میں دارالعلوم دیوبند نے اسلام کی تجدید واحیاء، غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے اور بین الاقوامی سطح پر اسلامی نظام حیات کو متعارف کرانے کے لئے جو بے پایاں اور تاریخی خدمات سرانجام دی ہیں اگر ان کا سرسری سا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے

کہ اس وقت نہ صرف پاک و ہند میں بلکہ دنیا کے ہر گوشے میں ایسے افراد موجود ہیں جنہوں نے دیوبند سے حصولِ علم کیا اور آج دورِ حاضر کے پیدا کردہ گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اسلام کی قندیل روشن کئے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل شخصیات کو شمار کیا جائے تو ان کی تعداد بلاشبہ بہت زیادہ ہے۔

حضرت مولانا عبیداللہ انور لاہور میں دیوبندی مکتبِ فکر کی ایک ممتاز شخصیت ہیں۔ آپ حضرت مولانا احمد علیؒ کے صاحبزادے اور انجمن خدام الدین کے صدر ہیں۔"

"مولانا عبیداللہ انور صاحب نے مولانا مودودی کے متعلق جو کچھ کہا اس پر تبصرہ کا یہ مقام نہیں اور نہ ہی ہمارا یہ مقصد ہے، البتہ ہم اس قدر رائے زنی ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا کا اندازِ اختلاف اشتعال انگیز نہیں اور نہ ہی وہ اخلاقی حدود سے آگے بڑھتے ہیں اور یہ ایک قابلِ ستائش بات ہے۔ ان کا طریق وہی ہے جو سنجیدہ طریقے سے اختلاف کرنے والے حضرات کا ہوتا ہے اور جو قوم میں باعثِ فساد نہیں بنتا۔"[1] (جہاں نما ص ۱۳ تا ۱۵)

اخلاق و کردار:

آپ نہایت حلیم الطبع بزرگ ہیں۔ بڑوں کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم کی موجودگی میں فرمایا کہ "حضرت والد صاحبؒ نے ہمیں یہ تعلیم بھی دی تھی کہ بزرگوں کے سامنے نظریں نیچی رہیں"۔ چھوٹوں پر بے حد شفیق ہیں مجھ گنہگار پر آپ کی شفقت کا اندازہ آپ کے اس دستی گرامی نامہ سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے مجھے لاہور سے کراچی جاتے وقت الحاج محمد یوسف صاحب[2] کے لئے دیا تھا۔ خط کی عبارت دیکھیں:-

"انجمن خدام الدین، شیرانوالہ دروازہ لاہور

حوالہ نمبر ———— ۱۱ محرم الحرام ۱۳۹۴ھ ، تاریخ پیر ۴ فروری ۱۹۷۴ء

کرم فرما لطف مجسم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

از احقر عبیداللہ انور

حاملِ عریضہ جناب قاری فیوض الرحمٰن صاحب جن کے بیشتر مضامین خدام الدین کے صفحات کی زینت بنتے رہتے ہیں، اور جناب والا نے بھی ضرور ملاحظہ فرمائے ہوں گے، میرے مخلص دوست اور علمائے دیوبند کے سچے خادم ہیں اور حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ اور مرحوم برادر معظم (مولانا حبیب اللہ صاحب) سے قلبی ارادت رکھتے ہیں بلکہ موصوف اسی سلسلہ میں آپ کے نیاز بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ از راہِ شفقت اپنے مصروف اور قیمتی اوقات میں سے چند لمحات انہیں ضرور عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

اُمید ہے کہ آپ مع متعلقین بخیریت اور مشاغلِ عزیز میں مصروف ہوں گے۔

الحمدللہ یہاں بھی عافیت ہے، بچوں کو دعا۔

گھر میں سے آپ کے گھر والوں کو سلام نیاز کہتے ہیں۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ"

الغرض آپ کے اخلاق سنتِ نبوی کا بہترین نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر کامل صحت کے ساتھ سلامت رکھے۔

---

[1] "مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ انور نے مندرجہ بالا باتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں کیں جن میں ایک حیرت انگیز بات یہ بھی تھی کہ حضرت مولانا احمد علیؒ جب بھی مولانا مودودی کے خلاف کوئی تحریر لکھتے تو اس کا آغاز دعا سے کرتے اور دعا پر ہی ختم کرتے اور جب کبھی مولانا مودودی سے ملتے تو انہیں "حضرت مولانا مودودی کہہ کر مخاطب کرتے" اس بات سے مولانا عبیداللہ انور کا مقصد یہ تھا کہ حضرت مولانا احمد علیؒ مولانا کی نیت پر شبہ نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی بعض علمی باتوں پر صرف اس لئے گرفت کرتے تھے کہ وہ انہیں قرآن وحدیث کے خلاف تصور کرتے تھے۔" (جہاں نما ص ۱۵)

[2] حضرت رحؒ کے مخلص مریدین میں سے ہیں۔

فقر و درویشی کی زندہ تصویر!

مولانا حافظ حمید اللہ رح

ماخوذ

ولادت: آپ ۱۹۲۸ء میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب سے کوئی ڈیڑھ برس چھوٹے تھے۔

ابتدائی تعلیم: قرآن مجید ناظرہ والدہ ماجدہ سے پڑھا۔ حافظ مہاب الدین صاحب یکی دروازہ والوں سے حفظ کیا۔ چھٹی جماعت میں پڑھ رہے تھے کہ آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا عبید اللہ صاحب ششماہی امتحان کے موقع پر دارالعلوم دیوبند سے لاہور آئے۔ اس وقت آپ کی داڑھی پھوٹ رہی تھی۔ حضرت لاہوری رح رات کا کھانا گھر والوں کے ساتھ اکٹھے کھایا کرتے تھے۔ والدہ صاحبہ نے دارالعلوم دیوبند بھیجنے کی تجویز رکھی اور دلیل یہ دی کہ "اگر اس وقت انہیں بھیجا نہ گیا اور سکول کے ماحول سے متاثر ہو کر انہوں نے داڑھی منڈوا دی تو آپ کی کیا عزت ہو گی"۔ آپ کی والدہ کی یہ دلیل مؤثر ثابت ہوئی اور حضرت لاہوری رح نے آپ کو بڑے بھائی مولانا عبید اللہ انور کے ساتھ دارالعلوم دیوبند بھجوا دیا، یہ ۱۹۴۳ء کی بات ہے۔

اعلیٰ تعلیم: آپ نے دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ سے درس نظامی کی کتابیں پڑھیں ابھی دورہ حدیث باقی تھا کہ ملک تقسیم ہو گیا۔ پاکستان کے کسی مدرسہ میں آپ کی طبیعت نہیں لگتی تھی خیر المدارس ملتان میں بھی دل نہ لگا۔ فرماتے کہ "یہ ایسے ہے جیسے کوئی کسی کو سمندر سے نکال کر جوہڑ میں ڈال دے"۔ بالآخر جامعہ اشرفیہ میں داخلہ لیا اور یہیں دورہ حدیث شریف پڑھا۔ اساتذہ میں مولانا ضیاء الحق صاحب اور حضرت مولانا حافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

رُوحانی مسلک: اپنے والد رح سے بیعت ہوئے اور انہیں سے اسباق کی تکمیل کر کے خلافت حاصل کی آپ میں جذب کی کیفیت بہت زیادہ تھی اس کی وجہ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور نے یہ بتائی کہ "حضرت والد صاحب رح نے ہمیں مجذوب کا جھوٹا نہار منہ کھانے سے روکا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب رح دارالعلوم دیوبند سے ہمارے ہاں تشریف لائے اور چند دن قیام فرمایا۔ حافظ صاحب مرحوم نے ان کا جھوٹا کھایا، اس کا اثر یہ ہوا کہ حافظ صاحب مجذوب ہو گئے۔ پھر رفتہ رفتہ قدرے ٹھیک ہوئے مگر دنیا سے بے رغبتی اسی طرح قائم رہی۔

شادی اولاد: آپ کی شادی اپنے ماموں کے گھر چکوال سے ہوئی۔ ان سے آپ کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ لڑکوں کے نام سعید اللہ، حلیم اللہ اور حبیب اللہ ہیں۔

حج: آپ تقریباً ہر سال مع اہل و عیال حج کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

جہاد: جہاد کی تڑپ رکھتے تھے۔ آپ کے پاس کئی بندوقیں اور پستول تھے۔ عبدالمجید صاحب سیفی کے کہنے پر چار پانچ میل روزانہ پیدل چلنے کا معمول تھا۔ عصر کی نماز کے بعد حضرت لاہوریؒ کے مزار پر پیدل جانے کا معمول تھا۔

درس: حضرت لاہوریؒ نے مصری شاہ اور فاروق گنج کی مساجد کی ذمہ داری آپ کو سونپ رکھی تھی۔ حضرتؒ کے وصال کے بعد جامع شیرانوالہ میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔ مولانا انور مدظلہٗ کی عدم موجودگی میں مجلس ذکر اور خطبہ جمعہ بھی دیا کرتے تھے۔

انتقال: آپ کو ذیابطیس کی تکلیف تھی۔ اس کے باوجود صبح کے درس قرآن کا کبھی ناغہ نہ کیا۔ جب تکلیف بڑھی تو آپ کو زبردستی ہسپتال لے جایا گیا۔ وہاں آپ کو چارپائی پر ہی نماز پڑھنے کی تاکید کی گئی۔ آپ کو چارپائی پہ نماز پڑھنا اچھا معلوم نہ ہوا۔ نیچے نماز ادا کی، چارپائی پہ جانے لگے تو دل کے ہاتھوں انتقال کیا۔

رمضان المبارک کی ۱۷ تاریخ تھی اور مغرب وعشاء کا درمیانی وقت تھا۔ ایمبولینس کے ذریعہ آپ کو گھر لایا گیا۔ حضرت مولانا انور مدظلہٗ کسی جلسہ سے واپس آئے تو ایمبولینس کھڑی دیکھی۔ لیکن انہیں شبہ نہ ہوا۔ اندر جا کر معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔

تعزیتی نوٹ: ۲۰ نومبر ۱۹۷۱ء کے ہفت روزہ "خدام الدین" میں "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" کے تحت لکھا ہے کہ "قارئین خدام الدین نہایت دکھ کے ساتھ یہ خبر پڑھیں گے کہ حضرتؒ کے فرزند اصغر حضرت مولانا حافظ حمید اللہ صاحب جو قریباً ایک ماہ سے میو ہسپتال میں بعارضہ ذیابطیس زیر علاج تھے آج بروز بدھ ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ ۸ بجے شب وفات پا گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

موصوف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر عمل پیرا رہے۔ جامع مسجد شیرانوالہ میں درس قرآن اور مدرسہ قاسم العلوم میں بعد نماز مغرب سکول و کالج کے زیر تعلیم اور فارغ التحصیل تشنگان تفسیر قرآن کی پیاس بجھاتے رہے نیز جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور مدظلہ العالی کی عدم موجودگی میں وعظ و تبلیغ و مجلس ذکر وغیرہ کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ قدرت نے غضب کی فراست، اٹل ارادہ اور انتہائے استغناء کی دولت سے سرفراز فرما رکھا تھا۔ حافظ صاحب کی بے وقت رحلت حضرت مدظلہٗ کے لئے جانکاہ صدمے سے کم نہیں۔ حضرت کی ذمہ داریوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔

ادارہ خدام الدین حضرت مدظلہٗ اور ان کے جملہ متوسلین کے غم میں برابر کا شریک ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا کہ مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور قبر بستان جنت ہو۔ آمین

ماہ نامہ "الحق" اکوڑہ خٹک ضلع پشاور کے مدیر مولانا سمیع الحق صاحب لکھتے ہیں کہ "مرشدزادہ و استادزادہ محترم مولانا حافظ حمید اللہ صاحب ابن مولانا احمد علی لاہوریؒ جوان سالی میں پچھلے دنوں انتقال فرما گئے۔ خاندان لاہوریؒ کا گل سرسبد گیا۔ ایک ہم سے جدا ہو گیا۔ حق تعالیٰ رفیق اعلیٰ سے نوازے اور پورے خاندان کو صبر جمیل نصیب ہو۔" (الحق جمادی الاول ۱۲۹۱ھ)

نیز ۱۹ فروری ۱۹۷۱ء کے خدام الدین میں حاجی عطا محمد عرائض نویس کے قلم سے آپ پر ایک تعزیتی مضمون شائع ہوا ہے۔

۴ اگست ۱۹۷۲ء کے "ترجمان اسلام" لاہور میں مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب نے "ہمہ گریاں واد خنداں" کے عنوان سے آپ پر ایک صفحہ سے زائد تعزیتی اداریہ لکھا جس میں مرحوم کی خدمات دینیہ کو خراج تحسین پیش کیا اور متعلقین سے اظہار ہمدردی۔

اخلاق و عادات: مولانا ہزاروی، مولانا امین الحق، مولانا عبید الرحمٰن سے خوب تعلق خاطر تھا۔ حق گو عالم تھے، جو کہنا ہوتا منہ پر کہہ دیتے، غیبت سے کوسوں دور رہتے۔ اگر کوئی دوست ہے تو من کل الوجوہ اور نہیں تو من کل الوجوہ، تکبیر اولیٰ کے پابند، درس قرآن کا ناغہ نہ کرنے والے تھے۔ نہایت سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ بہت زیادہ ذکر کرنے والے تھے۔

آفتاب

مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ

شجرۂ خاندان عالیہ قادریہ راشدیہ

مقام		ملک
روضہ مطہرہ مدینہ منورہ	الٰہی بحرمت شمس الضحٰی نور الہدیٰ مجتبیٰ مصطفیٰ احمد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	عرب شریف
مزار نجف شریف غالباً	الٰہی بحرمت باب العلوم اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ	عراق عرب
بصرہ	الٰہی بحرمت حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
بصرہ	الٰہی بحرمت حضرت خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت عبد الواحد تمیمی رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
طرطوس	الٰہی بحرمت حضرت ابو الفرح طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ	اندلس
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ ابو الحسن ہنکاری قرشی رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شاہ محی الدین عبد القادر جیلانی اولؒ رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ سیف الدین عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید صفی الدین صوفی رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
حلب شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید ابو العباس احمد رحمۃ اللہ علیہ	شام
حلب شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید مسعود رحمۃ اللہ علیہ	شام
حلب شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید علی رحمۃ اللہ علیہ	شام
حلب شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید شاہ میر رحمۃ اللہ علیہ	شام
حلب شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید شمس الدین جیلانی بغدادی حلبی اولؒ رحمۃ اللہ علیہ	شام
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید محمد غوث گیلانی الحسنی حلبی اُچی رحمۃ اللہ علیہ	ضلع بہاولپور
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید عبد القادر ثانی رحمۃ اللہ علیہ	ضلع بہاولپور
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ	ضلع بہاولپور
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید حامد گنج بخش کلان رحمۃ اللہ علیہ	ضلع بہاولپور
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید عبد القادر ثالثؒ رحمۃ اللہ علیہ	ضلع بہاولپور
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید عبد القادر رابعؒ رحمۃ اللہ علیہ	ضلع بہاولپور
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید حامد گنج بخش ثانیؒ رحمۃ اللہ علیہ	ضلع بہاولپور
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید شمس الدین ثانی رحمۃ اللہ علیہ	ضلع بہاولپور
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ	ضلع بہاولپور
پیرکوٹ سدہانہ	الٰہی بحرمت حضرت سید عبد القادر جیلانی خامسؒ رحمۃ اللہ علیہ	ضلع جھنگ
پیر گوٹھ پگارا	الٰہی بحرمت حضرت سید محمد بقا رحمۃ اللہ علیہ	ضلع سکھر
پیر گوٹھ پگارا	الٰہی بحرمت حضرت سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ	ضلع سکھر
سونی شریف	الٰہی بحرمت حضرت شاہ حسن رحمۃ اللہ علیہ	ضلع سکھر
بھرچونڈی شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ	ضلع سکھر
مزار دین پور شریف ضلع بہاولپور	الٰہی بحرمت حضرت شیخ المشائخ مرشدنا خلیفہ غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ	
	الٰہی بحرمت حضرت قطب الاقطاب سید مولانا مولوی ابو محمود رحمۃ اللہ علیہ	مزار امروٹ شریف ضلع سکھر
مقیم لاہور شہر	الٰہی بحرمت حضرت مرشدنا مولانا احمد علی صاحب شیخ التفسیر مدظلہ العالی	مغربی پاکستان

ناشر سلسلہ قادریہ راشدیہ دروازہ شیرانوالہ لاہور

طریقہ ذکر

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بعد اوّل گیارہ دفعہ سورہ اخلاص پڑھی جائے پھر ہاتھ اٹھا کر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح کو ثواب پہنچایا جائے۔ اور مندرجۂ ذیل تین دعائیں کی جائیں۔

(۱) اے اللہ! تو مجھے اپنا شوق نصیب فرما

(۲) اے اللہ! تو مجھے اپنا نام نصیب فرما

(۳) اے اللہ! مجھ سے وہ کام کرا۔ جن میں تو راضی ہو۔ اس کے بعد ذکر شروع کیا جائے۔ اور تسبیح کے دانے ساتھ ہی پھیرنے شروع کر دئے جائیں۔ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تین دفعہ پورا کلمہ پڑھنے کے بعد۔ پھر فقط لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا کلمہ زبان سے کہا جائے۔ دس تسبیح اس کلمہ کی پھیری جائیں اس کے بعد اِلَّا اللّٰہُ کی دس تسبیح پھیری جائیں اس کے بعد اَللّٰہُ کا ذکر کیا جائے۔ پہلی تین مرتبہ میں جَلَّ شَانُہٗ کا لفظ بھی کہا جائے بعد میں فقط اَللّٰہُ کافی ہے۔

اس کے بعد ھُوْ کا ذکر کیا جائے۔ اس کی بھی دس تسبیح پھیری جائیں۔

اس کے بعد مراقبہ کرے۔ ۳ یا ۵ یا ۷ یا ۹ مرتبہ لفظ اَللّٰہُ لطیفہ قلبی پر ضرب لگائے

اس کے بعد یہ دعا پڑھیں ——

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ۔

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْنِیْ بِسَتْرِکَ الْجَمِیْلِ۔

وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِکَ۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ

اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَکَرَاتِ الْمَوْتِ۔

رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَاجْعَلْ اٰخِرَتَنَا خَیْرًا مِّنَ الْاُوْلٰی۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ دروازہ شیرانوالہ لاہور

ملنے کا پتہ

دفتر انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور

مناظر حسین نظر

حضرت لاہوری کے

شیوخِ روحانی

قطب الاقطاب حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ طریقت کا تذکرہ چھیڑنے سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ تصوف سے متعلق پیدا شدہ بعض غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا جائے۔ آج کل اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض کم فہم اور عاقبت نا اندیش لوگ محض حصول اقتدار کی خاطر اسلام کا نام استعمال کر کے مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں گرفتار کرنا چاہتے ہیں اور تصوف کو "چنیا بیگم" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اسلام کے حقیقی مفہوم تک سے ناآشنا ہیں اور اس کی روح سے دور کا تعلق بھی نہیں رکھتے۔ عنوان بالا کے تحت تصوف کی وضاحت اور بھی زیادہ ضروری ہو جاتی ہے کیونکہ تصوف یا احسان ہی انسان کو درجہ مشیخیت تک پہنچاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص تصوف، احسان یا تزکیہ کی دولت سے بے بہرہ ہو تو وہ شیخ یا پیر کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تصوف ہی بے معنی چیز ہو کر رہ جائے تو مشائخ روحانی کا تذکرہ چھیڑنے سے فائدہ؟ چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر میں نے مناسب سمجھا کہ تصوف کا مفہوم پہلے واضح کیا جائے تاکہ اہل نظر کو حضرت شیخ التفسیر کے مشائخ روحانی کا درجہ اور مقام سمجھنے میں آسانی ہو۔

قرآن عزیز کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے چار کام سپرد کئے گئے تھے۔ (۱) رسول کا پہلا کام اپنی امت کے سامنے تلاوت آیات ہوتا ہے یعنی اللہ کا کلام پہنچانا گویا رسولؐ کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہوتی ہے۔ یتلوا علیہم ایتہ (۲) رسول کا کام محض تبلیغ و پیغام رسانی تک ختم نہیں ہو جاتا اس کا کام کتاب الٰہی کی تبلیغ کے بعد اس کی تعلیم کا بھی ہے۔ اس لئے تعلیم کے اندر کتاب کی شرح، ترجمانی، تعمیم میں تخصیص، تخصیص میں تعمیم سب کچھ آ گئی اور یہیں سے ان کج فہمیوں کی تردید بھی ہو گئی جو رسول کا منصب (معاذ اللہ) صرف ڈاکیہ یا قاصد کا سمجھے ہوئے ہیں۔ گویا رسول کی دوسری حیثیت معلم اعظم کی ہوتی (یعلّمھم الکتاب) پھر رسولؐ تعلیم محض کتاب ہی کی نہ دیں گے بلکہ حکمت و دانائی کی تلقین بھی امت کو کریں گے۔ احکام و مسائل دین کے قاعدے اور آداب عوام و خواص سب کو سکھائیں گے۔ اور خواص کی رہنمائی اسرار امور میں بھی کریں گے۔ گویا رسول کی تیسری حیثیت مرشد اعظم کی ہوتی۔ (الحکمتہ)

۴۔ تزکیہ سے مراد دلوں کی صفائی رسول کا کام محض الفاظ اور احکام ظاہر کی تشریح تک محدود نہیں رہے گا۔ بلکہ وہ اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کے فرائض بھی سرانجام دیں گے۔ رسولؐ کی چوتھی حیثیت مصلح اعظم کی ہوتی (تزکیھم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا فریضہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ حضور کی روحانی طاقت سے اہل ایمان کے دلوں کے میل کچیل دور ہو جاتے تھے۔ ان کے فیضان صحبت سے دلوں کی دنیا بدل جاتی تھی غیر اللہ کی صحبت، ماسوا اللہ کا خوف اور ہر قسم کی برائی دور ہو جاتی تھی۔ تزکیہ نفس کی دولت سے انسان بہرور ہو جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا یہ اثر تھا کہ جب آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوتے تھے۔ تو ہر چیز روشن معلوم ہوتی تھی جب تک آپ رہے سب چیزیں روشن معلوم ہوتی رہیں اور آپ کے بعد ہمیں دل اوپرے سے معلوم ہونے لگے۔

درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روحانیت کے آفتاب تھے۔ ان کی روحانی طاقت دل اور دماغ روشن کرنے والی اور مادی آفتاب سے کہیں زیادہ طاقتور تھی۔ جو آپ کی مجلس میں ایک مرتبہ سلامتی ایمان کے ساتھ حاضر ہوتا اس کا ظاہر و باطن پاک و صاف ہو جاتا اور وہ صرف اللہ کا ہو جاتا۔ قوت و اقتدار اعلیٰ فقط اسی کا تسلیم کرتا۔ حاکم و بادشاہ، شہنشاہ، واضع قانون، شارع و قانون ساز صرف اسی ذات واحد کو مانتا اور یہ

یقین اس کے دل و دماغ میں راسخ ہو جاتا کہ سوائے خدا کے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کے سامنے سرِ نیاز خم کیا جائے اور اپنی پیشانیوں کو جھکایا جائے تسلیم کے قابل فقط اسی کا قانون ہو سکتا ہے اور وہی ہے جو ہر وقت ہمارے سامنے ہے اور ہمیں ہر گھڑی دیکھ رہا ہے

اگر یہ کیفیت انسان کو حاصل ہو جائے کہ انسان ہر گھڑی خدا کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم وہ انسان کی ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے تو انسان سے برائی سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص حاکم مطلق کو دیکھ بھی رہا ہو اور اس کے احکام کی خلاف ورزی بھی کرے اور اگر حاکم محکوم کو دیکھ رہا ہو تو پھر بھی ناممکن ہے کہ اس کی موجودگی میں کوئی گناہ سرزد ہو۔ چنانچہ اس کیفیت کو زبان نبوت میں احسان اور آج کل کی اصطلاح میں تصوف کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تعلیمات اسلامی کی روح اور انتہا ہے اب اگر کوئی شخص غلط پیروں نقلی درویشوں ٹھگ اور بہروپیے درویشوں اور تکیہ نشینوں کے باعث تصوف کو بھی ہدف تنقید بنائے اور اس کی تنقیص کرے تو قصور اس کے اپنے دماغ کا ہے تصوف کا نہیں۔

درحقیقت اصل تصوف کا حامل ہی ولی اللہ درویش ہوگا، عارف کامل ہوگا۔ درویشی درحقیقت نبوت کا عکس جمیل ہے۔ فضائل نبوت کا روشن مظہر ہے تصوف کی اصطلاح میں ولی وہ ذات ہے جو ہر وقت حق کی طرف بھی متوجہ رہے اور خلق خدا پر بھی نظر رکھے۔ حق کی طرف توجہ کرتے سے خلق خدا کی طرف سے اس کی توجہ کم نہ ہو۔ اور خلق کی بدعات یہ تمام موضوع ہیں جن پر ان کے رسائل آج بھی لاکھوں کی تعداد میں تقسیم ہوتے ہیں۔ مولانا ان موضوعات پر جب قلم اٹھاتے تو وہ عام سیدھے سادے مسلمانوں کو خطاب کرتے۔ اس میں وہ ادب کی چاشنی اور عالمانہ انداز جان بوجھ کر اختیار نہیں کرتے تھے۔ یہی اسلوب ان کا تقریر اور خطبوں میں بھی ہوتا تھا مولانا حالانکہ مجلس احرار کے ہم مسلک رہے ہیں اور ان کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود انہیں نے کبھی بھی مجلسِ احرار کی مخصوص طرزِ خطابت کو اپنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان کا اپنا طرزِ خطابت تھا۔ اور وہ ایک بات کو بار بار دہرا کر ذہن نشین کراتا اور اس کے بعد اس کے حق میں ہاتھ کھڑے کرواتا تھا۔ انہوں نے اپنے اسی طرزِ خطابت کی بدولت ہزاروں اور لاکھوں مسلمانوں کو مختلف بدعات عاداتِ قبیحہ سے تائب ہوئے پر مجبور کر دیا۔

مولانا آج ہم میں نہیں ہیں۔ لیکن انجمن خدام الدین اور ان کا قائم کیا ہوا مدرسہ قاسم العلوم اب بھی ان کی روایات کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ خانوادہ شاہ ولی اللہ کی طرح مولانا کی اولاد بھی صاحب علم وفضل ہے۔ مولانا کے بڑے صاحبزادے، مولانا حبیب اللہ بھی پندرہ برس سے مسجد نبوی میں حدیث کا درس دے رہے ہیں۔ اور ان کے علم وفضل کا سکہ پوری عرب دنیا میں مانا جاتا ہے منجھلے لڑکے مولانا عبید اللہ انور آج بھی اپنے والد کی مسندِ رشد و ہدایت پر متمکن ہیں وہ انجمن خدام الدین کے بھی امیر ہیں۔ تیسرے صاحبزادے مولانا حافظ اللہ حبیب مسجد مصری شاہ کے متولی ہیں اور ان کا اس کا انتظام ان کے سپرد ہے۔

خدا کا خیال حق کی لگن میں خلل انداز نہ ہو۔ نبی ہر آن حق سے بھی واصل ہوتا ہے اور خلق میں بھی شامل ہوتا ہے۔ اسی ایک نکتہ میں نبوت کے سارے فضائل و کمالات جمع ہیں۔

اب جو انسان اس صفت میں جتنا نبی سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ وہ درجہ ولائت کے اتنے ہی بلند مقام پر فائز ہوتا ہے۔

اسلام سے پہلے اور آج بھی ایک طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ خدا کے بندوں کو چھوڑ کر خدا کی دنیا کو چھوڑ کر حق کی لگن میں پہاڑوں اور ویرانوں میں مراقبے کرنا ولائت ہے۔ یا پھر سسکتی ہوئی انسانیت، ظلم واستبداد میں دبے سماج اور اسٹیبلشمنٹ کی بے انصافیوں میں تڑپنے والے عوام سے بے تعلق ہو کر گوشہ عافیت میں بیٹھنا دلوں کے تزکیہ کے لئے محض اوراد و وظائف کی تعلیم دینا۔ بیروزگاری اور جن بھوت اتارنے کے نقش تقسیم کرنا۔ اور نذر نذرانے وصول کرنا بس یہی ولایت ہے۔

حالانکہ یہ بات مقصود اصلی اور اتباع نبوت سے بہت بعید ہے۔ ولی جہاں توجہ الی الحق کی وجہ سے عبادت اور ریاضت کرتا ہے۔ شب بیداری میں خدا کو یاد کرتا ہے۔ ذکر الٰہی کی خلوتوں کا سکون تلاش کرتا ہے وہاں وہ خلق خدا پر بھی کامل نظر رکھتا ہے۔ غرض فرعونی اقتدار ہو یا ہامانہ قوتوں کا استبداد اس سے مظلوم انسانیت کو نجات دلانے کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کرتا ہے۔ سماجی بے انصافیوں کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔

ہمارے نزدیک وہ ولی نہیں۔ جو انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں سے بھاگتا ہو۔ ظلم واستبداد کے خلاف کشمکش کرنے سے گریز کرتا ہو۔ تمدن و سیاست کے ہنگاموں سے گھبراتا ہو۔

جب یہ بات صاف ہوگئی کہ ولایت وہ ہے کہ اللہ اللہ بھی ہو اور عوام کی خدمت بھی اور دین خداوند عبادت بھی ان دو چیزوں یعنے ہے بحقوق اللہ کی ادائیگی اور حقوق العباد کی ادائیگی تو دونوں میں جو فرق کرے گا۔ وہ ولی نہیں ہوسکتا۔

عبادت بجز خدمت خلق نیست　　　به تسبیح و سجادہ و دلق نیست

چنانچہ ہمارے اکابر کا سلسلہ تمام کا تمام ان دونوں صفتوں سے متصف نظر آئے گا ـــــ آیئے اس معیار پر حضرت شیخ التفسیرؒ کے دونوں مربیوں شیخ المشائخ ابو الحسن شاہ سید تاج محمود امروٹیؒ اور شیخ المشائخ خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوریؒ کو پرکھیں ـــــ ہمارا دعویٰ ہے کہ دونوں اکابر اولیاء جہاں ایک طرف آسمان رشد و ہدایت کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ وہاں خدمت خلق، جہاد فی سبیل اللہ، حق گوئی و بے باکی اور تاریخ حریت کے بھی رخشندہ ستارے تھے۔ توجہ الی الحق اور خدمت خلق کے ساتھ ساتھ ایک قدم بھی شریعت و سنت کے خلاف نہ اٹھتا تھا۔ ایک لمحہ یاد خداوندی سے خالی نہ جاتا تھا ـــــ پھر توجہ الی الخلق کا یہ عالم تھا کہ بندگان الٰہی کو انگریزی سامراج کے ظلم کی چکی میں پستا ہوا دیکھا تو پوری قوت سے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔　ذکر الٰہی اور محبت رسول کی تلقین کی تو دلوں کی دنیا بدل کر رکھ دی۔ اور سامراج کے مذموم ارادوں اور انسانیت سوز مظالم پر زبان کھولی تو کمزوروں میں حریت و آزادی کی تڑپ پیدا کردی۔ ان دونوں بزرگوں نے جنگ وطن آزادی میں نہایت اہم رول ادا کیا۔

چنانچہ حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی امیر جمعیۃ العلمائے اسلام پاکستان راوی ہیں کہ جنگ آزادی کے سلسلے میں مجاہدین امروٹ شریف میں تیار ہوتے تھے اور اسلحہ دین پور کے تہ خانوں سے تقسیم ہوتا تھا۔ دونوں ہی جنگ آزادی اور ریشمی رومال تحریک کے دو اہم ترین مراکز رہے ہیں اس کے علاوہ جو تحریک ہندوستان سے ظلم و استبداد کے خلاف اور اسلام کی سربلندی کے لئے اٹھتی رہی دونوں بزرگ اس کی پوری سرپرستی و اعانت فرماتے رہے حتیٰ کہ ریشمی رومال کی تحریک کے دوران حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری کو گرفتار کر لیا گیا حضرت دین پوری جمالی طبیعت کے تھے اور تسلیم و رضا کے خوگر قید و بند کی سختیاں جھیلتے رہے اور بالآخر مدت قید پوری ہونے کے بعد رہا کر دیئے گئے ـــ حضرت امروٹی جلالی طبیعت کے تھے انہیں کھلم کھلا گرفتار کرنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی کسی بہانے سے کراچی لے جاکر نظربند کر دیئے گئے ـــ لیکن کرنا خدا کا آپ کی نظربندی کے دوران کراچی کا انگریز چیف کمشنر بیمار ہوا ـــ اٹھارہ بڑے بڑے ڈاکٹروں نے علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا ـــ بالآخر کسی نے چیف کمشنر سے کہا اس اللہ والے سے دعا کرایئے تو شفا ہو جائے گی چیف کمشنر اپنی اہلیہ کو لے کر جیل میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا عرض کر کے دعا کی درخواست کی حضرت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہ خداوندی میں التجا کی "اے اللہ! یہ تو تیرے دین کے دشمن مگر اس سفید داڑھی کی لاج رکھ لے۔

یہ کہنا تھا کہ مریضہ کو شفا ہوگئی۔ چیف کمشنر دل ہی دل میں ڈر گیا۔ کہ ابھی اس درویش کو نظربند کیا ہی تھا کہ بیوی کی جان پر بن گئی۔ اب اگر اسے کچھ دن اور جیل میں رکھا گیا تو نہ جانے ہم پر کیا مصیبت ٹوٹ پڑے۔ اس نے فوراً رہائی کے احکام صادر کر دیئے۔ اور اس طرح حضرت امروٹیؒ چند دن نظربند رہنے کے بعد رہا ہوگئے۔ پھر کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی کہ حضرت کو گرفتار کرنے کی جرأت کرے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان ڈی ایس پی اس مقصد سے امروٹ شریف گیا کہ حضرت کو گرفتار کرے۔ لیکن جب وہ امروٹ کی حدود میں داخل ہوتا آنکھوں سے اندھا ہو جاتا اور حضرت کو نہ دیکھ پاتا۔ لیکن جب حدود خانقاہ سے باہر نکل کر دیکھتا۔ حضرت وہیں تشریف فرما نظر آتے۔ بالآخر اس نے معافی مانگی اور واپس آگیا۔

اس تمہید کے بعد اب اور مذکورہ معیار کی روشنی میں شیخ التفسیرؒ کے ہر دو شیوخ کے حالات زندگی علیحدہ علیحدہ درج کئے جاتے ہیں۔

حضرت دین پوری اور حضرت امروٹی دونوں بزرگ اپنے وقت میں دنیائے تصوف کے مہر و ماہ اور اپنے اپنے مقام پر نقطۂ کمال پر تھے یہ دونوں اولیائے عظام اور اقطاب زماں ایک ہی سرچشمہ علم و معرفت سید العارفین حافظ محمد صدیق صاحب قدس سرہ بھرچونڈی شریف کے فیض یافتہ اور خلیفۂ مجاز تھے، امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی نے بھی آپ کے ہی دست حق پرست پر اسلام قبول کیا اور آپ سے ہی

بیعت کی تھی حضرت دین پوری کے متوسلین امروٹ شریف اور حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید دین پور شریف فیوض و برکات حاصل کرنے بلاجھجک جاتے تھے یہی وجہ ہے کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی نور اللہ مرقدہ کو بھی دونوں نے اپنے فیوض و برکات سے نوازا اور دونوں بزرگوں نے ہی سلسلہ قادریہ میں خرقہ خلافت سے سرافراز فرمایا حضرت شیخ التفسیر دونوں کی نظروں میں ہی محبوب تھے۔

شیخ المشائخ سلطان العارفین

خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوریؒ

حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کے والد ماجد کا اسم گرامی نور محمد خاں تھا آپ کا وطن مالوف موضع عالماں ضلع جھنگ تھا اس موضع کا نام آپ کے دادا عالماں خاں کے نام پر ہے۔ یہ آپ کے خاندان کی بہت بڑی موروثی جاگیر تھی جس کی کافی زمین دریا برد ہو چکی ہے۔ وہاں آپ کے قریبی رشتہ دار اب بھی رہائش پذیر ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں آپ کی عمر ۳۷ کے قریب تھی حضرت حافظ محمد صدیق صاحب سے بیعت کے بعد طبیعت ذکر الہٰی کی طرف زیادہ مائل ہو گئی۔ اس لئے علوم ظاہری کی تکمیل نہ ہو سکی حضرت کی طبع جمالی تھی ہر معاملہ میں راضی برضا تھے۔ صبر و ضبط اور تحمل و بردباری کا یہ عالم تھا کہ بڑے سے بڑے دشمن کے خلاف بھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے۔ بلکہ الٹا انہیں اپنی محبت و شفقت سے نوازتے۔ دشمن کی گالیوں کے عوض سنت نبویؐ کے مطابق دعائیں دیتے۔ روحانی اعتبار سے آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے حضرت شیخ التفسیر فرمایا کرتے تھے کہ میرے دونوں مربیوں کا درجہ خواجہ نظام الدین اولیاء سے کم نہیں اور یہ میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں" پہلی عالمگیر جنگ کے دوران برطانوی حکومت نے آپ کو پابہ زنجیر کیا۔ کیونکہ آپ کی خانقاہ آزادی پسندوں کی آماجگاہ تھی، علماء حق مصنفہ مولانا محمد میاں، نقش حیات مصنفہ مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کی ڈائری میں اس کا ذکر موجود ہے۔ سید العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی بھی آپ سے سلسلہ قادریہ میں مجاز تھے آپ کے ہاں اب تک نماز مغرب کے بعد خاندان قادریہ کے دستور کے مطابق حلقہ ذکر بالالتزام ہوتا ہے۔

آخر عمر میں ہر وقت یاد الٰہی کے باعث استغراق رہتا تھا لیکن کیا مجال جو ایک نماز بھی چھوٹی ہو چنانچہ اسی استغراق کی حالت میں آپ نے مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۳۵ء ۲ بجے رات ۱۱۴ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار دین پور (خانپور ضلع رحیم یار خاں) میں آج بھی مرجع خواص و عوام ہے۔ آپ کے پائنتی کی سمت قدموں میں امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی آخری نیند سو رہے ہیں۔

قطب الاقطاب سید تاج محمود امروٹیؒ

آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید بہلول شاہ تھا بہلوال کے معنی سندھی میں بہت خوبصورت کے ہیں والدین نے پیار سے آپ کا یہ نام رکھ دیا تھا۔ اصل وطن آپ کا الرا تحصیل روہڑی ضلع سکھر تھا۔ لیکن آپ کے بزرگ نقل مکانی کر کے دیوانی ریاست خیرپور میرس میں آباد ہو گئے تھے۔ امروٹیؒ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے تھے آپ نے ہمایوں پٹھواری تحصیل روہڑی اور ملتان میں تحصیل علم کی ـــــ آپ بھی مفسر قرآن تھے ـــــ آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ سندھی زبان میں کیا جس کے چھ ایڈیشن حضرت مولانا احمد علی صاحب آخر وقت تک چھپوا چکے تھے آپ اپنے وقت میں بہت ہی اونچے مقام ولایت پر فائز تھے۔ روحانی نظام میں جس قدر اصحاب خدمت، مجذوب اور اولیاء اللہ تھے ان کا مختلف مقامات میں تعین اور تبادلہ آپ ہی فرمایا کرتے تھے۔ اسی لئے آپ کو قطب الاقطاب کہتے ہیں۔ آپ کی طبع مبارک جلالی تھی۔ انگریز کے عہد میں بلا لائسنس بندوقیں اور اسلحہ رکھا کرتے تھے جہاد کی غرض سے گھوڑے پال رکھے تھے صرف اپنے حصہ کو دارالاسلام اور تمام ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے۔ انگریزی حکومت کو للکار للکار کر کہتے تھے کہ اگر تم ایک گولی پہلے میرے خطہ میں چلا دو تو میں سید کا تخم نہیں اگر تمہیں سندھ سے نکال باہر نہ کروں ـــــ حضرت شیخ التفسیر فرمایا کرتے تھے کہ انگریز اگرچہ خداشناس نہیں تھا لیکن مردم شناس ضرور تھا

حضرت میں وہ قوت تھی کہ انگریز کو روحانی طاقت کے بل بوتے پر سندھ سے نکال باہر کرتے اور ایک مرتبہ تو آپ نے اعلان جہاد کر بھی دیا تھا

لیکن انگریز ٹل گیا۔۔۔ ریشمی رومال کی تحریک کے سلسلے میں حضرت امروٹی کو امیر سندھ و بلوچستان مقرر کیا گیا تھا۔

ایک مرتبہ انگریزوں نے سندھ میں ایک نہر نکالنے کی تجویز کی۔ راستے میں ایک مسجد پڑتی تھی لوگوں نے حضرت امروٹی سے جاکر یہ معاملہ پیش کیا۔ فرمایا کہ مجھے وہاں لے چلو۔ آپ اپنے مجاہدین سمیت اس مسجد میں چلے گئے انگریزوں کا منشا تھا کہ حضرت امروٹیؒ کو کسی طرح اپنے عزم سے ناکام کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے کچھ سرکاری حکام کو آپ کے پاس بھیجا۔ سرکاری حکام پولیس کی معیت میں مسجد کی طرف آرہے تھے کہ راستہ میں آپ کے درویش نے انہیں روکا۔ حکام نے سوال کیا۔

تمہارا نام کیا ہے؟

مجاہد نے کہا۔ میرا نام تلوار ہے۔

سوال:۔ کیا کام کرتے ہو؟

مجاہد:۔ جہاد فی سبیل اللہ۔

سوال:۔ کہاں رہتے ہو؟

مجاہد:۔ فنا کے ٹیلے پر۔

سوال:۔ تمہارے پاس سامان کیا ہے۔

مجاہد:۔ بھنے ہوئے چنے۔

سوال:۔ کس کے ساتھ ہو؟

مجاہد:۔ وہ ہمارے شیخ بیٹھے ہیں ہم ان کے جاں نثار ہیں۔

آخر اس معاملہ میں بھی حکومت کو جھکنا پڑا اور انہوں نے نہر مسجد سے ہٹا کر کھدوائی۔ یہ ایک مکالمہ پتہ دیتا ہے کہ حضرت امروٹی کے مریدوں پر کس درجہ رنگ چڑھا ہوا تھا اور وہ کس قدر بہادر اور انگریز دشمن تھے حضرت امروٹی ۳۲ جمادی الاوّل ۱۳۴۸ ہجری ۷۲ سال کی عمر میں راہی ملک بقا ہوئے۔ آپ کا مزار مبارک امروٹ شریف ضلع سکھر میں ہے۔ انتہائی کم وقت اور عجلت میں یہ مختصر سے حالات ہیں جو میں نے برادر مکرم عبداللہ ملک صاحب کے حکم کی تعمیل میں سپرد قلم کر دیئے۔ ورنہ میں اس قدر مصروف تھا کہ ایک حرف بھی نہ لکھ سکتا۔

بہر حال یہ مختصر حالات مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر حاضر خدمت ہیں۔۔۔ گر قبول افتد زہے عزوشرف۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار   گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

اگرچہ ان بزرگوں کے ہزاروں محاسن اور کمالات میرے صفحہ ذہن پر نقش ہیں جو قلت وقت کے باعث زیب قرطاس نہیں بنا سکا۔ لیکن اس کے باوجود ان ہر دو بزرگوں کی اگر کوئی خوبی بھی میرے سامنے نہ ہوتی تو ان کا یہ کمال کیا کم تھا کہ انہوں نے شیخ التفسیرؒ سا گوہر تابندہ اور جوہر بے بہا عالم اسلام کو عطا کیا کہ جس کی نظیر آج کے دور میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔

مرشدِ اوّل

حضرت دِینپوری قدس سرہٗ

بلال زبیری مرحوم

حضرت خواجہ غلام محمد صاحب کا اصل مولد اور وطن موضع غالماں شرقی چاہ فتح خان کوٹ ملدیو تحصیل و ضلع جھنگ ہے آپ وقت کے ولی کامل تھے آپ سے امام انقلاب حضرت عبید اللہ سندھی اور حضرت مولا احمد علی لاہوریؒ ایسے بزرگوں نے فیض حاصل کیا آپ کا خاندان کیانی بلوچوں کی ایک شاخ رندسے تعلق رکھتا ہے۔ محمد بن قاسم کے حملہ سندھ کے دوران آپ کے بزرگ سندھ اور پنجاب آگئے تھے۔ بعد میں ڈیرہ غازی خاں میں اقامت اختیار کی۔ لیکن مغل تاجدار نصیر الدین محمد ہمایوں نے جب ایران سے واپسی پر شیر شاہ سوری سے اقتدار حکومت چھینا اس مہم میں خواجہ صاحب کے ایک بزرگ عالم خان نے ہمایوں کی فوجی امداد کی۔ جس کے صلہ میں ہمایوں نے ان کو دریائے جہلم کے کنارے وسیع جاگیر عطا کی یہی جاگیر آج تک عالم خاں کی اولاد کے پاس موجود ہے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں جب پنجاب میں دارالشکوہ نے بغاوت کی تھی تو اس خاندان کے ایک سردار عاقل خان نے عالمگیر کی فوجی امداد کی جس کے صلہ میں اسے موضع کوٹ عیسیٰ شاہ کے قریب وسیع جاگیر ملی۔ کیانی بلوچوں کے پاس اس وقت جس قدر زرعی اراضی موجود ہے وہ عالم خان اور عاقل خاں کے توسط سے ان تک پہنچی ہے حضرت خواجہ غلام محمد صاحب کے بزرگ سردار نور محمد خان جو اپنے خاندان کے سربراہ تھے اور جاگیر کے منتظم اعلیٰ بھی، مگر بڑھاپے کی وجہ سے انہوں نے فصلوں کی بٹائی وغیرہ کا انتظام اپنے بڑے لڑکے محمد اسماعیل خان کے سپرد کیا ہوا تھا سردار نور محمد خان کی اولاد میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں محمد اسماعیل خان بڑے تھے وہ جاگیر کے منتظم مقرر ہوئے۔ حضرت خواجہ غلام محمد منجھلے اور غلام رسول چھوٹے تھے۔

خواجہ صاحب کی ولادت ۱۲۶۲ھ میں ہوئی ابھی سات ہی برس کے تھے کہ آپ کے والد کو ایک واقعہ سے سخت روحانی و ذہنی صدمہ پہنچا جس کے بعد انہوں نے جھنگ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ محمد اسماعیل خاں مزارعین سے بٹائی لے رہے تھے۔ دیہاتوں میں صدیوں سے ایک رواج چلا آرہا ہے کہ جب فصل کے ڈھیر لگ جاتے ہیں اور بٹائی شروع ہوتی اس وقت دیہات کے فقراء اور غرباء بھی پہنچ جاتے ہیں اور ان کو بھی حصہ فصل سے ادا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ بہت سے غریب لوگ بٹائی کے وقت موجود تھے لیکن تقسیم میں کچھ تنازعہ ہونے کی وجہ سے غربا کو کافی دیر انتظار کرنا پڑا اس دوران سردار نور محمد خان بھی موقع پر پہنچ گئے انہوں نے غربا کو دیکھ کر اپنے بیٹے سے کہا کہ پہلے ان لوگوں کو فارغ کرو جو صبح سے بیٹھے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا حق مخصوص فرمایا ہے لیکن محمد اسماعیل خان نے والد کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور مزارعین سے حساب کرنے میں مصروف رہے آپ کو اپنے بیٹے کی یہ روش سخت ناگوار گزری، عالم ناراضگی میں گھر آئے اور حکم دیا کہ میں حج کی نیت سے جا رہا ہوں چنانچہ چند روز کے بعد اپنی اہلیہ دو بچوں اور دو لڑکیوں کو لے کر سفرِ حج پر روانہ ہوگئے۔ جب یہ قافلہ ریاست بہاولپور کے قصبہ "بٹی کرائی" پہنچا تو تھکان اتارنے کے لئے یہاں چند روز قیام کیا قیام کے دوران مولانا عبدالقادر جو بستی "مولویاں" بہاولپور کے عالم خاندان سے تھے سے ملاقات ہوئی دونوں میں تعلقات پیدا ہوگئے جو جلد ہی گہرے ہوتے چلے گئے، بٹی کرائی میں قیام کے دوران سردار نور محمد خان بیمار ہوئے۔ یہیں وفات پائی اور اسی قصبہ میں دفن ہوئے۔

اب اس قافلہ میں دو کم سن بچے" دو لڑکیاں اور ان کی والدہ تھیں۔ خواجہ صاحب کی والدہ نے بٹی کرائی میں سکونت اختیار کرلی حضرت کی والدہ محترمہ محنت مزدوری کرتیں اور اپنے بچوں کا پیٹ، پالتی تھیں" بستی مولویاں" میں ایک جامع مسجد تھی جس سے ملحق عربی مدرسہ تھا جس میں درس نظامی کا انتظام تھا حضرت خواجہ صاحب کو اس مدرسہ میں داخل کرا دیا گیا بعد میں آپ کی والدہ ماجدہ نے بٹی کرائی سے سکونت ترک کرکے بستی مولویاں میں رہائش اختیار کرلی خواجہ صاحب مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے اور والدہ محترمہ کے ساتھ محنت مزدوری بھی کرتے۔ اس طرح یہ روحانی لعل وگوہر عرفان کی منزلیں طے کرتا رہا خواجہ صاحب ابھی شرح جامی پڑھ رہے کہ اتفاق سے حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈی شریف سندھ والے بستی مولویاں تشریف لائے اور مدرسہ میں طالب علموں کو دیکھا۔ حضرت خواجہ صاحب کو دیکھنے کے بعد آپ نے دریافت کیا کہ یہ لڑکا کس کا ہے؟ جواب ملا یتیم۔ آپ نے فرمایا دریتیم!

اسے میرے حوالہ کردیں اس بچہ کی پیشانی مستقبل کے ولی کامل کی علامت ہے چنانچہ خواجہ صاحب اپنے خاندان سمیت حافظ محمد صدیق کے ساتھ بھرچونڈی روانہ ہوگئے اور پھر بیس سال تک بھرچونڈی کے لنگر خانہ میں خدمت انجام دیتے رہے اس مدت میں حافظ صاحب نے خواجہ صاحب کو بیعت کرلیا اور مجاز کے حقوق عطا کئے خواجہ صاحب کی والدہ محترمہ بھی صاحب مجاز تھیں اور ایک روایت کے مطابق جنات انکی بیعت میں داخل تھے

آپ ابھی بھرچونڈی شریف میں ہی تھے کہ مولانا عبدالقادر جن سے بٹی کرائی میں آپ کے والد محترم کے تعلقات استوار ہوئے تھے حافظ محمد صدیق صاحب کی خدمت میں آکر بیعت ہوئے اب مولانا عبدالقادر اور حضرت خواجہ صاحب پیر بھائی بھی بن گئے۔ دونوں کے خاندانوں میں تعلقات مزید گہرے ہوئے چنانچہ حضرت خواجہ صاحب کی پہلی شادی مولانا عبدالقادر کے مشورے سے ایک سفیر کی بیٹی سے ہوئی لیکن یہ اہلیہ کچھ مدت کے بعد وفات پاگئیں، حافظ محمد صدیق نے حضرت خواجہ کو ہدایت کی کہ بہاولپور میں رہائش اختیار کرکے مخلوق خدا کو دین کی دعوت دیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ صاحب مرشد کی ہدایات اور اجازت سے قصبہ خان پور ضلع رحیم یار خان چلے آئے کچھ عرصہ بستی گھوٹہ میں رہے مگر یہاں کا ماحول ان کے مزاج کے خلاف تھا لہٰذا جلد ہی اس بستی کو چھوڑ کر موجودہ قصبہ دین پور شریف میں آگئے۔ یہاں وسیع اور گھنا جنگل تھا آس پاس کوئی آبادی نہ تھی آپ اسی جنگل میں رہائش پذیر ہوگئے یہ علاقہ جو ایک عورت کی ملکیت تھا آپ نے باقاعدہ طور پر خرید کر ایک جھونپڑا تیار کیا یہاں کے لوگ جنگلی درندوں کے خوف سے یہاں سے گزرتے ہوئے بھی ڈرتے تھے خواجہ صاحب نے سرکنڈوں کی باڑھ لگا کر مسجد کے لئے رقبہ مخصوص کرلیا ذکروفکر کی مجلس شروع ہوگئی۔ جنگل میں منگل کی مثال صادق ہوئی کچھ عرصہ بعد مولانا عبدالقادر صاحب بھی حضرت کے پاس آگئے۔ دونوں بزرگوں نے اپنے ہاتھوں سے مٹی کھود کر گارا تیار کرکے اینٹیں بنائیں اور بھٹی میں پکا کر ان سے مسجد تیار کی جو اب تک موجود ہے۔ رفتہ رفتہ آبادی بڑھنے لگی تو آپ نے اس جگہ کا نام دین پور شریف رکھا۔ یہاں قیام کے دوران ہی مولانا عبدالقادر صاحب کی اہلیہ وفات پاگئیں ان کے بطن سے ایک بیٹا مولوی محمد عبداللہ تھے جن کے صاحبزادے مولوی عبدالشکور دین پوری ہیں۔

حضرت خواجہ غلام محمدؒ صاحب نے اپنی بڑی لڑکی مولانا عبدالقادر کے نکاح میں دے دی اس خاتون کے بطن سے متعدد اولاد ہوئی مگر اس میں سے صرف ایک مولانا عبدالمنان زندہ ہیں کچھ مدت بعد آپ کی بڑی لڑکی کا انتقال ہوگیا تو آپ نے چھوٹی بیٹی مولانا عبدالقادر کے نکاح میں دے دی اس سے مولانا محمد بشیر۔ عبدالرحمٰن۔ حبیب الرحمٰن اولاد نرینہ اس وقت موجود ہے۔

دین پور شریف میں دین کی باغ وبہار کی خبریں سن کر حضرت خواجہ صاحب کے بڑے بھائی محمد اسماعیل خان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑی منت سماجت کی کہ آپ جھنگ واپس چلیں اور مستقل طور پر رہائش اختیار کریں۔ نیز اپنی جدی جائیداد کا ورثہ بھی لیں مگر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا مجھے مرشد نے حکم دیا ہے کہ میں اسی جگہ رہ کر دین کی خدمت کروں جدی جائیداد کے حقوق میں نے آپ کو بخش دیئے ہیں۔

حضرت خواجہ غلام محمد صاحب علمائے دیوبند سے گہرے مراسم رکھتے تھے اور آپ کا آنا جانا بھی تھا۔ دیوبند کی مجالس میں ہی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا مولانا انور شاہ کاشمیری۔ مولانا حسین احمد مدنی۔ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی سے تعلقات پیدا ہوئے جو آخری تک رہے مولانا سندھی آپ سے بیعت ہوئے اور جب مولانا سندھی کابل روانہ ہونے لگے تو سب سے پہلے دین پور تشریف

لائے اپنے مرشد حضرت خواجہ صاحب کو وہ سیاسی نقشہ بتایا جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے ہندوستان کی آزادی کے لئے مرتب کیا تھا اور پھر مرشد کی اجازت سے کابل روانہ ہو گئے کابل کو روانگی سے قبل حضرت مولانا سندھی نے اپنا مختصر گھریلو سامان اور بچی مولانا عبدالقادر کے حوالہ کر کے فرمایا کہ جب میری بچی جوان ہو جائے تو کسی نیک نہاد مرد صالح سے بیاہ دینا اس کا بس اختیار دے رہا ہوں مولانا عبدالقادر نے مولانا سندھی کی دختر کو قرآن و حدیث، فقہ و ترجمہ سے آراستہ کیا۔ یہ بچی نہایت عقیل و ذہین بھی بہت جلد علوم اسلامیہ پر حاوی ہو گئی اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت خواجہ غلام محمد صاحب کی دوسری اہلیہ محترمہ جن کے بطن سے مولانا عبدالہادی صاحب موجودہ سجادہ نشین دین پور شریف ہوئے وفات پا گئیں تو مولانا عبدالقادر نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کی دختر کا نکاح حضرت خواجہ صاحب سے کر دیا۔ اس عظیم المرتبت خاتون کے بطن سے خواجہ صاحب کے دو لڑکے ہوئے میاں عبدالحق وفات پا چکے ہیں اور میاں ظہیر الحق صاحب زندہ ہیں۔ مولانا سندھی کی دختر بھی بقید حیات ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب کی علمی روحانی اور فکری عظمت کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی اور حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری ایسے بزرگوں نے ان سے اکتساب علم کیا۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بھی مناسب ہو گا کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب کے والد ماجد نے وفات پائی تو حضرت خواجہ صاحب نے مولانا احمد علی کی والدہ کا نکاح حضرت مولانا سندھی سے کر دیا تھا۔

حضرت خواجہ غلام محمد صاحب نے ۱۳۵۳ھ میں ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنے پیچھے لاکھوں عقیدتمند چھوڑ گئے حضرت خواجہ صاحب کے مختصر حالات زندگی کے ساتھ آپ کی روحانی عظمت اور سیاسی خدمات کے بارے میں بھی کچھ تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں اور اس سلسلہ میں برصغیر کے مشاہیر کی آراء پر اکتفا کروں گا۔

حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی شریف فرماتے ہیں کہ مولانا سندھی مجھ سے بیعت ہوئے چونکہ وہ جلالی تھے ان کی تربیت جمالی کی ضرورت تھی اس لئے بس غوث زماں حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری کے سپرد کرتا ہوں جو سراسر جمال ہیں اور ان کی تربیت حضرت مولانا سندھی پر جمالیانہ اثر انداز ہو گی۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا اور محدث اعظم علامہ انور شاہ کاشمیری فرماتے تھے کہ حضرت دین پوری اپنے زمانے کے عارف کامل اور ولی بے بدل تھے ان کے چہرے پر صرف نظر ڈالنے سے کئی مقامات و لایت طے ہو جاتے تھے۔

شیخ العرب حضرت حسین احمد مدنی فرماتے ہیں کہ حضرت دین پوری روحانیت کی اس منزل پر ہیں جہاں انسانیت کا نکتہ عروج ہے اسی لئے حضرت موصوف حضرت دین پوری سے سلسلہ قادریہ میں تبرکاً مجاز تھے۔ [1]

ایک دفعہ مولانا عبیداللہ سندھی کی معیت میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دین پور تشریف لے گئے حکیم الامت گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت دین پوری ان کی پیشوائی کے لئے سڑک پر تشریف لائے ابھی دونوں میں کئی گز کا فاصلہ تھا جب حکیم الامت کی نظر حضرت دین پوری کے چہرہ پر پڑی تو فوراً گھوڑے سے اتر گئے اور فرمایا عبیداللہ تم نے مجھے مار ڈالا، یہ کیوں نہ بتایا کہ یہاں اس درجہ کا ولی رہتا ہے۔

حضرت شیر محمد شرقپوری فرماتے ہیں کہ خواجہ غلام محمد صاحب کی ایک نگاہ ہی انسان کی تقدیر بدل دیتی ہے۔

حضرت خواجہ صاحب ایک دردمند انسان تھے اور انگریز سے نفرت ان کا ایمان تھا اس لئے علماء دیوبند سے ان کے روابط قائم ہوئے۔ خواجہ صاحب نے متعدد بار دیوبند کی مجالس میں شرکت فرمائی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ جمعیۃ الانصار جس کی تنظیم کے انچارج مولانا سندھی تھے آپ ہی کے مشورہ سے شروع ہوئی۔ خواجہ صاحب تحریک ریشمی رومال کے سلسلہ میں گرفتار ہوئے اور جالندھر جیل میں ایک عرصہ قید رہے اسی جیل میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری بھی قید کے دن گزار چکے مگر مرشد اور مرید دونوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے۔

مشہور رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق تحریک ریشمی رومال کا مقصد یہ تھا ہندوستان کو آزاد کرایا جائے اس کے لئے ایک فوج حزب اللہ

کے نام سے قائم کی گئی تھی جس کے کمانڈر شیخ الہند مولانا محمود الحسن تھے ۱۹۱۶ء میں اس تحریک آزادی کا انکشاف ہوا۔ اس کا دفتر کابل اور بڑا مرکز مدینہ منورہ میں قائم تھا۔ برطانوی حکومت نے علماء دیوبند اور حضرت دین پوری کو گرفتار کر لیا مولانا حسین احمد مدنیؒ نقش حیات میں لکھتے ہیں کہ حضرت دین پوری کی گرفتاری پر عوام میں اس قدر اشتعال پیدا ہوا کہ حکومت ان کو رہا کرنے پر مجبور ہوگئی

حضرت مولانا ابوالحسن سید تاج محمود امروٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اعجاز احمد خاں سنگھانوی ایم اے (تاریخ اسلام، اسلامیات، عربی)

ابتدائی حالات: آپ کے اجداد عرب سے ہجرت کر کے آئے تھے اور مستقل طور پر سندھ میں آباد ہوگئے تھے آپکے والد سید عبدالقادر صاحبؒ تھے۔

نام اور کنیت: آپ کا نام سید تاج محمود اور کنیت ابوالحسن تھی۔ آپ کی پیدائش قصبہ دیوانی نزد گاڑھی موری ضلع خیرپور میرس (سابقہ تعلقہ روہڑی ضلع سکھر) میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش کی صحیح تاریخ کا تعین بہت مشکل ہے۔ البتہ آپ کی عمر کے اندازے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے نصف آخر کے شروع میں آپ پیدا ہوئے۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا سید عبدالقادر صاحبؒ سے حاصل کی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ پیر صاحب پاگارو کے گاؤں میں فارسی کی کتابیں پڑھتے رہے۔ عربی علوم کی تحصیل آپنے مولانا حاجی عبدالقادر صاحب پہنواری (تعلقہ رہڑی) سے کی۔ علوم اسلامیہ سے فراغت کے بعد ملتان کے قرب وجوار کے علماء سے خاص خاص علوم میں مہارت حاصل کرنے کے لئے سفر کیا لیکن والد صاحب کی وفات کے سبب زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکے۔

سلوک: درسی کتابوں سے فراغت حاصل کر کے اپنے والد ماجد ہی کے پاس کچھ عرصہ سلوک کی تعلیم حاصل کی۔ ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ والد صاحب کا وصال ہوگیا۔ لیکن زندگی ہی میں انہوں نے اشارۃً بتادیا تھا کہ سندھ کے مشرق میں ایک قطب موجود ہیں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرنا۔ حضرت امروٹی اسی الجھن کا شکار تھے کہ رات کو ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا۔ آپ ان کی تلاش میں بھرچونڈی (تعلقہ میرپور ماتھیلو) روانہ ہوگئے جہاں قطب زماں حافظ محمد صدیق صاحب اپنے فیوض وبرکات سے لوگوں کو فیض یاب فرما رہے تھے جب حضرت امروٹی وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ شیخ وقت اپنے مرشد سے ملاقات کے لئے سوئی (گاؤں) تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت سیدھے سوئی پہنچے جب حافظ محمد صدیق صاحب پر نظر پڑی تو اندازہ ہوا کہ یہی وہ بزرگ ہستی ہے جس کو خواب میں دیکھا تھا۔ جب حضرت امروٹی عصر کی نماز میں مشغول ہوئے تو حضرت قطب زماں حافظ محمد صدیق صاحب اونٹ پر بیٹھ کر بھرچونڈی چلے آئے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت امروٹی بھی پیدل ہی بھرچونڈی کی طرف روانہ ہوگئے اور رات کو پہنچے اور شیخ وقت حافظ محمد صاحب سے ملاقات کی۔

حضرت حافظ محمد صدیق صاحبؒ نے قیام کا حکم دیا۔ پورے چالیس دن قیام کرنے کے بعد خلافت سے نوازا اور حکم دیا کہ امروٹ (قصبہ) میں جاکر قیام کرو۔ امروٹ تعلقہ گڑھی یاسین ضلع سکھر میں ایک پرانا قصبہ ہے جہاں حضرت امروٹی کے اجداد کے مزارات تھے۔ جن پر بدعات کا عام دور دورہ تھا۔ قریب کے مسلمان اور ہندو اپنے بچوں کی منتوں کی جھنڈیاں لہراتے تھے اور چڑھاوے چڑھاتے تھے قبروں کو سجدہ گاہ بنادیا تھا۔ حالانکہ احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات موجود ہیں جن سے ان بدعات وخرافات کی سخت ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا۔ لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجدا ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ جس وقت حضرت امروٹ تشریف لائے بالکل اکیلے تھے آپ کا کوئی معاون ومددگار ساتھی نہ تھا۔ حضرت نے شیخ المشائخ کی قبروں کے نزدیک ہی ایک کچی مسجد اور ایک معمولی مکان بنایا اور عوام کی اصلاح کا کام شروع کردیا۔ شروع میں آپ نے فقط عقائد کی

تصحیح پر زور دیا اس کے بعد آپ نے یہ بات شدت سے محسوس کی کہ اصل انقلاب تعلیم کے ذریعہ سے آئے گا جبکہ آدمی علم کی روشنی میں صحیح اور غلط کی شناخت کر سکے۔

حضرت نے بھنگ نوشی کے اڈے کو ختم کیا اور دین کی اشاعت کا کام شروع فرما دیا۔ جب چند فقراء اور طلبہ جمع ہو گئے تو مستی خان ول نے جو ایک نیک خصلت زمیندار مقاصبں کی خواہش یہ تھی کہ فقراء اور طلبہ اور واردین و صادرین کے طعام کا انتظام اسے سونپ دیا جائے لیکن حضرت کی توکل شعار طبیعت نے اسے منظور نہ فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے دین کی خدمت کرنے والوں پر غیبی فتوحات کا دروازہ کھول دیا۔ شروع کے کچھ عرصہ ایسا بھی ہوا کہ جنگل سے ساگ پات توڑ کر اس کو خالی پانی میں پکا کر کھا لیا لیکن حالت زیادہ عرصہ قائم نہ رہی اور فتوحات شروع ہو گئیں اور لوگوں کے دلوں میں آپ کی عظمت و بزرگی کا سکہ بیٹھ گیا اور چاروں طرف سے لوگ جوق در جوق خدمت اقدس میں حاضر ہونا شروع ہوئے، سندھ، پنجاب اور بلوچستان سے آ کر فیض حاصل کرنے لگے۔

مدرسہ:۔ آپ نے دینی تعلیم کے ذریعہ سے انقلاب برپا کرنے کا عہد کیا اور امروٹ ہی میں ایک ابتدائی مدرسہ حفظ قرآن اور تعلیم قرآن پاک کے لئے قائم فرمایا۔ جب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر امروٹ تشریف لائے تو آپ کے حکم سے ایک عظیم دار العلوم کی بنیاد رکھدی گئی اور قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ دیگر علوم کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا۔

پریس کا قیام:۔ حضرت امروٹی نے یہ محسوس کیا کہ دین کی آواز دور دراز علاقوں میں پہنچانے کے لئے نشر و اشاعت کے ذرائع ضروری ہیں۔ اس زمانہ میں سندھ اپنے جغرافیائی اور لسانی اسباب کی بنا پر برٹش گورنمنٹ کے دیگر علاقوں سے کٹا ہوا تھا۔ ذرائع نشر و اشاعت پر غیر مسلموں اور ہندوؤں کا قبضہ تھا یہاں تک کہ مسلمانوں کی دینی و مذہبی کتب کے علاوہ قرآن شریف بھی انہی کے پریس میں شائع ہوتا تھا۔

حضرت امروٹی کے حکم سے مولانا عبید اللہ سندھی نے ایک پریس "محمود المطابع" کے نام سے قائم کیا جس میں سندھی زبان کی بہت سی کتب شائع ہوئیں۔ ایک ماہوار رسالہ "ہدایت الاخوان" کے نام سے سندھی میں جاری کیا۔ یہ سندھی رسالہ کچھ عرصہ جاری رہا لیکن پیسے کی کمی اور احباب کی سرد مہری سے بند کرنا پڑا۔

علمی خدمات:۔ حضرت مولانا امروٹی صاحبؒ عالم و فاضل تھے اللہ تعالیٰ نے روشن دل عطا فرمایا تھا آپ یہ جانتے تھے کہ اس بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح صرف قرآن کریم کی تعلیم ہی سے ہو سکتی ہے۔ اور مسلمانوں میں تعمیری انقلاب لانے کا فقط ایک ہی ذریعہ ہے کہ یہ قوم قرآن کریم کے معنی و مفہوم سے آشنا ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے آپ نے قرآن کریم کو عام فہم اور آسان و شیریں سندھی زبان میں ترجمہ کرنے کا پختہ ارادہ کیا۔ سب سے پہلے آپ نے سورہ "الرحمٰن" کا آسان ترجمہ شائع کیا اسے لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی بہت زیادہ پذیرائی کی۔ حضرت نے اس کے بعد بقیہ قرآن مجید کے ترجمہ کو مکمل کرنے کا عزم کیا اور جید علماء کی ایک جماعت جمع کی اور ساتھ ہی سندھی کے ادیب اساتذہ کو جمع کیا اور ترجمہ کا کام شروع کر دیا۔ ترجمہ کے سلسلے میں آپ کی یہ کوشش رہتی تھی کہ ترجمہ عام فہم اور سلیس زبان میں ہو اور قرآن کے مفہوم و مطالب سے دور نہ جائے۔ آپ سندھی اساتذہ کی طرف رجوع فرماتے اور بحث مباحثے کے بعد ایسے مناسب الفاظ انتخاب فرماتے جن کی سلاست پر سب متفق ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا امروٹی صاحبؒ کا ترجمہ قرآن شریف جہاں ایک طرف سندھی زبان کی خدمت ہے وہیں ایک عظیم دینی خدمت بھی ہے۔ یہ سندھی زبان کا ترجمہ بہت مقبول عام ہوا اور اس کے بعد جتنے بھی سندھی ترجمے ہوئے یہ ترجمہ ان کا رہبر ثابت ہوا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوبصورت شکل میں عمدہ طباعت کے ساتھ کئی مرتبہ انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ سے شائع کیا۔

ادبی خدمات:۔ حضرت امروٹی ایک طرف عالم دین اور شیخ المشائخ تھے تو دوسری طرف بہترین ادیب و شاعر بھی تھے آپ کا قرآن شریف کا سندھی ترجمہ سندھی نثر نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ اسی طرح سندھی زبان میں شعر و شاعری میں آپ کی تحریر کردہ کتاب "پریت نامو" اور "مولود شریف" ایک عظیم شاہکار ہیں۔ پریت نامہ میں "یوسف علیہ السلام زلیخا" کے قصے کو جس سوز و گداز سے لکھا ہے وہ خاص انہی کا حصہ تھا۔ حضرت

نے بظاہر "یوسف زلیخا" کے افسانہ کو قلمبند فرمایا ہے لیکن اس کے پردہ میں عشق کے باریک نکات اور صوفیانہ مسائل ذہن نشین کرائے ہیں۔

شاعری:- آپ کی شاعری کے دو نمونے اوپر ذکر کیئے گئے اس کے علاوہ بھی آپ نے بہت سی نظمیں اور غزلیں کہی ہیں آپ کا تخلص "حسن" تھا۔ آپ ایک عظیم شاعر تھے آپ کا نعتیہ کلام بہت بلند ہے۔ آپ کا کلام آسان اور سنگین ہے۔ کلام کی روانی اور رنگینی پڑھنے سے معلوم ہوتی ہے۔ آپ آزادی کے علمبردار تھے اور انگریزوں سے سخت آپ کو نفرت تھی۔

مجاہدانہ سرگرمیاں:- ایک زمانہ میں ہندوستان میں شدھی کی تحریک زوروں پر تھی اور بہت سے نو مسلم بھی اس کا شکار ہو گئے اور اسلام کی نعمت کو چھوڑ کر کفر کی ظلمت میں پھنس گئے۔ لیکن یہ حضرت امروٹیؒ کی کھلی کرامت تھی کہ جو بھی ایک مرتبہ مسلمان ہوا وہ اسلام کی حقانیت کا قائل ہو گیا اور اس نے اسلام کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اسی سلسلے میں ہندوؤں نے حضرت امروٹی کی سخت مخالفت کی جھگڑے ہوئے یہاں تک کہ حضرت پر باگڑجی ریلوے اسٹیشن پر حملہ کر دیا مگر آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ ان مشہور لوگوں میں جو آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے گڑھی خیری جاگی کے ایک ہندو زمیندار مھری مل کے لڑکے تھے جن کا اسلامی نام شیخ عبداللہ رکھا گیا۔ اب شیخ عبداللہ صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور ان کے صاحبزادے میاں شاہنواز صاحب سکھر میں مارکیٹ والی مسجد کے نزدیک عرائض نویسی کرتے ہیں۔ دوسرے شیخ انوار الحق صاحب ہیں جو ایک ہندو سنار کے لڑکے ہیں۔ یہ عالم فاضل اور حیات ہیں آج کل سندھ یونیورسٹی کیمپس میں مقیم ہیں ان کے صاحبزادے ڈاکٹر نور مصطفیٰ صاحب ہیں جو سندھ یونیورسٹی جامشورو میں پروفیسر ہیں۔

حضرت کو جہاد کا بہت شوق تھا اور اسی جذبہ سے مجبور ہو کر آپ نے بہت سے گھوڑے پال رکھے تھے محض اس وجہ سے کہ کبھی جہاد میں ان کی ضرورت پیش آئے۔ نیز یہ کہ جہاد کے متعلق گفتگو بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنتے تھے۔

۱۳۲۳ھ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو سندھ سے کابل ہجرت کرنے اور وہاں انگریزوں کے خلاف کام کرنے کا حکم دیا۔ حضرت امروٹی نے اس سلسلہ میں مولانا سندھی کی پوری مدد کی۔ تحریک ہجرت کے دوران سندھ سے بہت سے قافلے ہجرت کر کے کابل روانہ ہوئے حضرت مولانا امروٹی نے ان قافلوں کی روانگی میں پوری پوری مدد کی اور لوگوں کو پشاور تک پہنچانے تشریف لے گئے۔ کچھ عرصے یہ تحریک جاری رہی اس کے بعد کابل گورنمنٹ اور انگریز حکومت کے درمیان معاہدہ ہو جانے پر یہ تحریک ناکام ہو گئی۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی نے کابل سے امروٹ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایک خط جو حضرت امروٹی کے نام تھا انگریزوں کو اس کی اطلاع ملی تو حضرت امروٹی کو نظر بند کر کے کراچی بلا یا گیا۔ کراچی کے کمشنر نے حضرت امروٹی سے مختلف سوالات کیئے لیکن پختہ ثبوت نہ ہونے کی بنا پر آپ کو رہا کر دیا۔ یہیں سے آپ کی سیاسی جدوجہد کا آغاز ہوا۔

جنگ عظیم اوّل میں برطانیہ اور اس کے حلیف ایک طرف تھے اور جرمنی، ترکی اور اس کے حلیف دوسری طرف۔ اس دور میں ترکی خلافت عثمانیہ کا مرکز تھی۔ مسلمانوں کا قلبی جھکاؤ خلافت عثمانیہ کی طرف تھا۔ ترکی پر سخت آزمائش کا دور آیا تو مسلمانوں نے اس کی بھرپور مدد کی چندے کئے اور اس کی اخلاقی اور مادی دونوں طرح سے خوب مدد کی۔ انہی دنوں بمبئی کے کچھ سوداگروں نے "مجلس خلافت" کے نام سے ایک جماعت قائم کی جو آگے چل کر "کل ہند خلافت کمیٹی" میں تبدیل ہو گئی اور اس کا مرکزی دفتر بمبئی میں قائم ہوا۔ ۲۸ مئی ۱۹۲۰ء کو بمبئی میں خلافت کمیٹی کا اجلاس ہوا اور اس میں "عدم تعاون" کا بل پاس ہوا۔ جمعیت علماء ہند نے اس کی تائید میں ایک فتویٰ شائع کیا اور اسے مذہبی تائید سے تقویت پہنچائی ۱۹۲۰ء میں سندھ کے مرکزی مقام کراچی میں خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا جس کی صدارت مولانا محمد علی جوہر نے کی۔ اس اجلاس میں سندھ کے جلیل القدر علماء کے ساتھ حضرت امروٹیؒ بھی شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں "عدم تعاون" کی تائید میں تحریر کردہ فتویٰ پڑھ کر سنایا گیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ سندھ کے عوام بھی ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔

خلافت تحریک کے دور میں امروٹ سندھ عظیم سیاسی مرکز بن گیا تھا۔ آپ نے تحریک خلافت کو کامیاب بنانے کے لئے بمبئی دہلی، علی گڑھ، دیوبند، میرٹھ، ناگپور، اجمیر اور کلکتہ تک کا سفر فرمایا۔ ۱۹۲۲ء میں آپ جمعیت علماء ہند کے سالانہ اجلاس کے صدر منتخب ہوئے جو کلکتہ میں ہوا تھا جمعیۃ علماء سندھ کے قائم ہونے پر حضرت کو سندھ میں جمعیت کا صدر مقرر کیا گیا اور تاحیات صدر رہے

شریف حسین والئ حجاز نے جب اپنی خلافت کا اعلان کیا تو سندھ کی انگریز سرکار نے ایک چھوٹا سا رسالہ شائع کیا جس کا عنوان "تحقیق الخلافۃ" تھا اور جسے مولوی فیض الکریم موری والے نے لکھا تھا اور انگریز پرست پیروں اور مولویوں نے اس کی تصدیق کی تھی حضرت امروٹیؒ نے مولانا دین محمد وفائیؒ کو طلب فرمایا اور ان سے اس کی تردید میں "اظہار الکرامت" نامی رسالہ لکھوایا جس پر بہت سے عالموں کے تصدیقی دستخط تھے ۔

آپ کی عمر کے آخری دور میں سکھر بیراج سے نکالی جانے والی اکثر نہروں کی زد میں بہت سی مساجد آرہی تھیں جنہیں گورنمنٹ منہدم کرنا چاہتی تھی حضرت امروٹیؒ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور آپ نے اور آپ کے خدام نے اس سلسلے میں پوری پوری جان کی بازی لگا دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مساجد آج بھی نہروں کے درمیان موجود ہیں ۔

وفات :۔ اسلام کی خدمت سرانجام دیتے ہوئے ۳ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ مطابق ۵ نومبر ۱۹۲۹ء کو رات ایک بجے اس دنیا سے رخصت ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

خلفاء :۔ (۱) حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ (۲) حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجی رحمتہ اللہ علیہ (۳) مولانا حاجی عبدالعزیز صاحب تھرپارکری (۴) خلیفہ حاجی محمد صالح بانیچی (۵) مولانا عبدالکریم صاحب واعظ الاسلام وغیرہ

جانشین :۔ آپ کے کوئی نسبی اولاد نہ تھی اور نہ ہی آپ نے عام پیری فقیری کے دستور کے بموجب کسی کو اپنا جانشین مقرر کیا خانقاہ کے انتظام کے لئے آپ کے بھتیجے میاں نظام الدین شاہ صاحب کو مقرر کیا گیا ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند حضرت مولانا سید محمد شاہ صاحب مقرر ہوئے مسجد کی امامت کے لئے مولوی حاجی عبدالعزیز صاحب مقرر ہوئے مگر ایک سال بعد مولوی عبدالعزیز صاحب چلے گئے ۔



جامعیّت

از نبوّت تا ولایت

از جناب ماسٹر لال دین اخگر ایم اے، بی ٹی

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم نے درسِ قرآن میں ضمناً حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی جامعیت کا تذکرہ کیا تو حضرت درخواستی مدظلہ العالی کی تقریر کا اقتباس میں نے محترم المقام ماسٹر لال دین اخگر صاحب سے عرض کیا۔ چنانچہ انہوں نے ذیل کی سطور اپنے رنگ میں تحریر کر کے خدام الدین کو بھیجی ہیں۔ ہم شکریہ کے ساتھ انہیں ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ اصل میں یہ خیالات حضرت درخواستی کے ہیں اور الفاظ محترم ماسٹر جی کے۔

حضرت درخواستی مدظلہ العالی جن کو پروردگارِ عالم نے سوزِ دل عطا فرمایا۔ وہ اپنے عارفانہ انداز میں قرآن عزیز کے موثرات کو بایں الفاظ پیش کر رہے تھے یا یوں سمجھئے نیرّ قرآن کی اُن تابانیوں کا ذکر ہو رہا تھا جنہوں نے چودہ سو برس کی انسانی تاریخ میں قلوب وارواح کی بستیوں کو منور فرمایا تھا۔ وہ در و دیوار نہ تھے، وشت وجبل کی پہنائیاں نہ تھیں جن پر مہرِ قرآن کے انوار کی بارش ہوئی بلکہ وہ حاصلِ قرآن پیغمبر انس و جاں صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی وہ قدسی الاصل جماعت تھی جس نے مکتبِ نبوی میں رہ کر کلام الٰہی کی ضیا پاشیوں کے سامنے اپنے دلوں کے دامن کو پھیلا دیا تھا۔ وہ زبانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیاتِ قرآنی کو سماعت فرماتے۔ دلوں میں ایک فردوسی سرور کو محسوس کرتے اور ہادیٔ اعظم کے پُرنور چہرہ پر دزدیدہ نگاہیں ڈالتے تو سنی ہوئی آیات کا عملی نقشہ اسوۂ حسنہ کی صورت میں سامنے آجاتا تھا۔ لہٰذا بار بار آزمانے پر اُن کو یقین ہو گیا تھا کہ کلام الٰہی کا ادراک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب ہی سے حاصل ہو گا۔ لہٰذا انہوں نے آیاتِ قرآنی جہاں کے مطالب و مفاہیم ہی تدبر و تفکر کو اپنا لائحہ عمل بنا لیا وہاں ہادیٔ برحق کے ہر لمحۂ حیات کو قرآن عزیز کی تفسیری و تشریحی جلوہ گری سمجھ کر استفادہ کیا۔

قرانِ عزیز اپنے خصائص معنوی کے لحاظ سے جلالِ خداوندی اور جمالِ کبریائی کے امتزاج کا نام ہے ــــ وہ شوکتِ خسروانہ اور طبع درویشانہ کے کمالات کو دنیا میں پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ لہٰذا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مُبارک زندگی قرآنِ حکیم کی صوری حیات ہے۔ اور یہی حقیقت ایمان و ایقان کا سرمایہ بھی ہے۔ اب اس جامعیت کی ضوگستری تا قیامت ہوتی رہے گی۔ کیونکہ ارشادِ نبوی ہے کہ میری اُمت کے علماء خیر بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کی طرح ہوں گے اور میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کا مہرِ تاباں جب سرزمین عرب میں چمکا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کی پہلی کرن کے سامنے گردن تسلیم جھکا دی اور یہی وہ عمل ہے جس کو صدیقیت

کے نام سے تعبیر کیا گیا۔

اب اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی استعداد کو جانتا ہے۔ لہٰذا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے اس مُبارک انسان کے بعد شانِ جلال اور نورِ جمال کو کبھی علیحدہ علیحدہ اور کبھی جامعیت کی صورت میں مختلف ادوار میں مختلف پاکباز ہستیوں کو ودیعت کیا گیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے مقامِ جلیلہ پر قریب سے جو نظریں پڑتی ہیں۔ اُن کو حضرت عثمان ذوالنورین کی حیاتِ طیبہؓ سے جداگانہ پہلو نظر آئے گا۔ اب معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جامعیت کے تمام انوار کو اپنے اندر سمیٹ لیا تھا اور آگے مشیتِ ایزدی نے جلالی انوار کو فاروق اعظم کے لئے مختص کر دیا اور اُسی مشیت نے حضرت عثمان ذوالنورین کو جمال کی صفت سے نوازا۔ اصحابہ کبار کی جماعت کی تقسیم ان اصولوں پر کی جائے۔ تو ایک طویل داستان کی صورت اختیار کر جائے گی بلکہ تمام سعید روحوں سے قطع نظر ہم حجۃ اللہ فی الارض سیدنا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی حیاتِ بابرکات کو دیکھتے ہیں۔ تو جامعیت کے تمام عکس لئے ہوئے ہے وہاں صرف عالمانہ تبحر ہی نہیں بلکہ حُریّت اپنے پورے زور سے کارفرما ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز مرحوم سے پروردگارِ عالم نے چونکہ کتاب وسنت کی ترویج اور طالبانِ حق کے قلوب کے تزکیہ کا کام لینا تھا لہٰذا اُن کے فرقِ اقدس پر بھی جامعیت کا امتیازی تاج پہنایا گیا۔ اب انہی کے نام لیواؤں میں سے سیدنا محمد اسماعیل مرحوم اور سید احمد دہلوی کو مجاہدانہ جلال عطا فرما کر جہاد جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے منتخب کر لیا۔ ہند کی غلام آباد سرزمین میں ان بے باک مجاہدوں نے اپنے حلقۂ اثر کے نوجوان مسلمانوں کو "ہر آنکہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست" کا درسِ حُریّت دینا شروع کیا۔ ان کے قلوب آلائش دنیاوی سے پاک تھے۔ اور ان کی روحیں جذبۂ جہاد سے سرشار تھیں۔ آخر کار باطل کے مقابلہ میں جامِ شہادت نوش فرما کر علیینؔ کو سدھارے۔ مگر اپنے نام لیواؤں اور شیداؤں میں فدائیت کی روح پھونک گئے۔ اس قبیلۂ مجاہدین کے دو مقدس فرد (مولانا محمد اسحاق شاہؒ اور حضرت محمد یعقوبؒ) مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے اس خلا کو سنت اللہ اور عادۃ اللہ نے اس طرح پورا کیا کہ جامعیّت کا خرقہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو عطا فرمایا اور حضرت رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو ان کی جلالی اور جمالی صفات کا مظہر اتم قرار دیا۔ یہ قرآن حکیم کی عملی تفسیریں تھیں۔ جن کو اپنوں اور غیروں سے اسلام کی صداقت کا اعتراف کرانا تھا اسی سلسلے کی کڑیوں کو قیامت تک پہنچانے کے لئے حضرت شیخ الہند جامعیت کی علمبرداری کے لئے بھیجے گئے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور امام انقلاب حضرت عبیداللہ سندھی اسلام کی جلالی شان کے ترجمان اور حضرت مفتی اعظم کفایت اللہ اور حضرت انور شاہ مرحوم جمالی عظمت کے روح رواں بنائے گئے۔

اب اس دورِ فتن میں جامعیت کی مشعل برداری کے لئے حضرت حسین احمد مدنی کو مالک وقضائے قدر نے تجویز فرمایا اور حضرت امروٹی شہبازِ منزلِ قطبیت کو جلالی صفات کی مکمل جلوہ گری اور حضرت دین پوری کو جمالی خصائل کی کارفرمائی کے لئے منتخب کیا گیا۔ جب آسمانوں سے برطانوی سامراج کے سب فتنوں کے دھارے کھل گئے اور زمین سے باطل کی سوتوں کو پھوٹ پڑنے کا پورا موقعہ میسّر آیا۔ اپنوں نے غیروں کی جوتیوں کو مال وجاہ کی ہوس کا شکار ہو کر سر آنکھوں پر جگہ دی اور بیگانوں کو اسلام کے حصار کے گرد وپیش اپنی تمام طاغوتی اور قہرمانی طاقتوں کو لاکھڑا کرنے کا موقعہ ہاتھ آیا۔ سرزمین ہند کو ابلیس لعین نے اپنی تباہکاریوں کا مرکز تجویز کیا اور زندگی کے تمام شعبوں سے اسلام کی روح نکالنے کے بے پناہ منصوبے تیار کئے گئے۔ مگر مشیت ایزدی اس دشمن ازلی کی ہاؤ ہو پر حقارت سے تبسّم کناں ہوئی۔ اور حضرت لاہوری قدس سرّہ جن کو امروٹ اور دین پور کے خدائی آدم گروں نے اپنی روحانی پھونکوں سے کندن بنا دیا تھا۔ فقط اپنے ازلی فیصلے کی تکمیل کے لئے لاہور جیسے اُمّ القریٰ میں لاکھڑا کیا۔ فرعون مصر اور اس کے مشیروں کی طرح فرعون برطانیہ اور اس کے ہم نشینوں کا خیال کتنا غلط ثابت ہوا کہ شاید اس مجاہد اکبر کی حریّت کا جذبۂ حاکمانہ مروّت کی چھینٹوں سے ماند پڑ جائیگا مگر ان کو کیا خبر تھی کہ یہ کلیم دوراں عصائے موسوی اور یدِ بیضا کی جلالی اور جمالی عظمتوں سے نوازا گیا ہے۔ اور ایک نہ ایک دن اپنے قافلے کو رودِ نیل سے ہزار سلامتی کے ساحلِ مراد تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لہٰذا باطل کی تمام طاقتوں نے بابائے حریّت کی پچاس سالہ مجاہدانہ زندگی میں حصار اسلام پر بار بار حملے کئے مگر ہر موقعہ پر منہ کی کھائی۔ ہزاروں بھگوڑوں نے اس شمع رشد وہدایت کے علمبردار کو شکست دینے کی کوشش کی۔ مگر اس منہاجِ نبوت پر چلنے والے اولوالعزم نے اپنی الہامی قوتوں سے اپنے قافلے کو رواں دواں رکھا۔ اور منزل المقصود تک پہنچا کر ہی دم لیا۔ علامہ اقبال مرحوم نے انجمن حمایت اسلام کے چند ایک اجلاس میں اس مجاہد کبیر کی جبین موسوی پر نگاہ ڈال کر بے ساختہ فرمایا تھا۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے　　　　وہ مرد درویش جس کو بخشے ہیں حق نے انداز خسروانہ

اس موقعہ پر حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہٗ کی عظمتِ شان کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقعہ پر حضرت امروٹیؒ کو کسی تقریب پر اپنے ہاں مدعو فرمایا حضرت امروٹیؒ کے تمام جسم پر اس وقت پھوڑے نکلے ہوئے تھے اور یہ اس زہر کا اثر تھا جو آپ کو انگریزی حکومت کے ہوا خواہوں کے ذریعے سے دلوایا گیا تھا۔ اس علالت میں سفر کا وہم و گمان بھی مشکل تھا۔ مگر ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ جلالی قوتوں نے جمالی انوار کے اشاروں کی تعمیل میں ہی اپنی سعادت سمجھی ہے۔ لہٰذا حضرت امروٹیؒ عازم دین پور شریف ہوئے اگرچہ حضرت دین پوریؒ نے حضرت امروٹیؒ کو دین پور گاؤں تک پہنچانے کے لئے اسٹیشن پر آدمی بھیجے ہوئے تھے مگر آپ کوئی اور چار آدمیوں کے سہارے سے وہاں پہنچ گئے۔ مسجد میں معتقدین کا بڑا اجتماع تھا۔ حضرت امروٹیؒ کو حسب ارشاد اب منبر کے پاس لانے کی بھی چند خدام نے سعادت حاصل کی۔ اور آپ نے منبر پر بیٹھ کر محمد رسول اللہ۔ والذین معہ . . . الخ کی تلاوت فرمائی اور لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا بھائیو! آپ حضرات کو خیال ہوگا کہ میری بیوی اور بچہ فوت ہو چکا ہے۔ مجھ کو ان کی جدائی کا غم ہوگا۔ خدا شاہد ہے کہ مجھ کو اپنی بیوی اور بچےؒ کا غم نہیں ہے بلکہ دین احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غم ہے ؎

بے کسے با دین احمد ہیچ اُو را یار نیست　　　　ہر کسے با کار خود با دین احمدؐ کار نیست

اللہ۔ اللہ! اس وقت اس الہامی آواز کے بلند کرنے والے مجاہد اسلام نے مجمع پر تہورانہ نگاہیں ڈالیں۔ اور تمام حاضرین چشم زدن میں بے ہوش پڑے تھے۔ کچھ وقت کے بعد جب چار آدمیوں نے آپ کو منبر سے اتارا۔ تو آپ حضرت لاہوری کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے پُٹ احمد علی تم پان چنو (بیٹا احمد علی شروع میں نے کر دیا ہے اب تکمیل تم کرو) بالفاظ دیگر حضرت امروٹیؒ اور حضرت دین پوری جیسے وحید العصر جلالی اور جمالی ظہورات کے حامل اپنے مناصب جلیلہ کی تکمیل کے لئے حضرت لاہور قدس سرہٗ کو منتخب فرما رہے تھے۔

سبحان اللہ! حضرت امروٹیؒ، دین پور شریف میں حاضر ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ میرا جلال دین پور شریف کے جمال افروز ماحول میں مات پڑ جاتا ہے۔

حضرت امروٹیؒ کا ایک واقعہ اس وقت حسن خاتمہ کا باعث ہوگا۔ انگریزوں نے سندھ میں ایک نہر نکالنے کی تجویز کی۔ رستے میں ایک مسجد پڑتی تھی۔ لوگوں نے حضرت امروٹیؒ سے جا کر یہ معاملہ پیش کیا۔ فرمایا کہ مجھ کو وہاں لے چلو آپ اپنے مجاہدین سمیت اُس مسجد میں چلے گئے۔ انگریزوں کا تہیہ تھا کہ حضرت امروٹیؒ کو اپنے عزم سے کسی نہ کسی طرح باز رکھا جائے۔ لہٰذا اُس کے چند آدمی وفد کے طور پر حاضر ہونے کے لئے مسجد کے پاس آ رہے تھے آپ کے درویشوں میں سے ایک کے ساتھ یوں ہمکلام ہوئے۔

افراد وفد :۔ تمہارا نام کیا ہے؟
مجاہد :۔ میرا نام تلوار ہے۔
سوال :۔ کیا کام کرتے ہو؟
جواب :۔ جہاد فی سبیل اللہ
سوال :۔ کہاں رہتے ہو؟
جواب :۔ فنا کے ٹیلے پر۔
سوال :۔ تمہارے پاس سامان کیا ہے؟
جواب :۔ بھنے ہوئے چنے۔
سوال :۔ کس کے ساتھ ہو؟
جواب :۔ وہ ہمارے شیخ بیٹھے ہوئے ہیں ان سے دریافت کرو۔

افراد وفد حضرت امروٹیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنا مقصد عرض کیا۔ فرمایا مسجد خدا کا گھر ہے۔ اور ہم اس گھر کے پاسبان بنائے گئے ہیں۔ فرشتگان قضا و قدر اس وقت پکار رہے تھے ؎

علی الصبح چوں مرداں بکار و بار روند　　　　بلاکشان محبت بکوئے یار روند

کمالاتِ

حضرت سلطان المشائخ

حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری خلیفہ مجاز حضرت لاہوریؒ

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو جو صفات حسنہ بخشے ہیں، ان میں سے ایک صفت زہد ہے۔ زُہد اسے کہتے ہیں کہ عزت اور ناموس بھی برقرار رہے اور اس کے ساتھ مال و دولت بھی فراوانی سے جمع کیا جا سکے۔ لیکن انسان ذخیرہ اندوزی اور دولت اکٹھی کرنے سے کنارہ کش رہے اور کھانے پینے اور پہننے میں قناعت اور سادگی سے زندگی بسر کرے۔ یہ صفت تمام انبیاء کرامؑ میں بدرجہ کمال موجود تھی۔ ان کے کامل محبین اور متوسلین میں بھی یہ صفت منتقل ہوتی چلی آئی ہے۔ مشہور اولیائے کرام کی سیرت سے خبر رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ زُہد میں ان کا مقام کتنا بلند رہا۔ حضرت سلطان المشائخ کا زُہد بے مثال تھا۔ سردی اور گرمی کے موسم میں ہمیشہ گاڑھے کا لباس پہنتے۔ حتیٰ کہ دستار مبارک بھی کھدر کی ہوا کرتی تھی۔ کھانا نہایت ہی سادہ ہوا کرتا تھا۔ حجرہ مبارک میں نشست گاہ میں سادگی تھی۔ اگر چاہتے تو اپنی اولاد امجاد کے لئے لاکھوں کی جائیداد غیر منقولہ بنا سکتے تھے لیکن سوائے مختصر مکان کے کوئی جائیداد نہیں بنائی۔

دستِ کرم:

بیواؤں اور یتیموں، مسکینوں اور محتاجوں کی ہمیشہ سرپرستی فرماتے رہے۔

علمی فیضان:

تبلیغی رسالے لاکھوں کی تعداد میں ہند اور دیگر ممالک میں مفت تقسیم فرماتے رہے۔ قرآن کریم کا اردو اور سندھی میں ترجمہ کیا اور ہزاروں کی تعداد میں اس کی اشاعت کا انتظام کیا ــــــ مدرسۃ البنات میں ہزاروں کی تعداد میں دخترانِ اسلام نے دینی تعلیم اور اسلامی تربیت حاصل کی ــــــ اخبار خدام الدین کے ذریعے سے لاکھوں انسانوں تک پیغام حق پہنچ رہا ہے۔ یہ تمام خدمات حسبتاً للہ کی گئیں۔ ان کی آمدنی میں سے حضرت سلطان المشائخ کچھ نہیں لیا کرتے تھے۔

چھتیس برس کے عرصہ میں مجھے سینکڑوں دفعہ خلوت اور جلوت میں حضرت کی قدم بوسی کا شرف نصیب ہوا۔ لیکن اتنی لمبی مدت میں ان کی مبارک زبان سے کسی فرد کی غیبت نہیں سُنی۔ ہاں صرف ایک دفعہ تنہائی میں صرف اتنی بات انتہائی دکھ کے ساتھ ارشاد فرمائی کہ جو لوگ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بُرے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، وہ اللہ کو کیا جواب دیں گے۔ جہاں کہیں تشریف لے جایا کرتے تھے، اولیائے کرام کے مزارات معلوم کرکے وہاں ایصالِ ثواب کے لئے تشریف لے جاتے، اور کہیں مراقبہ بھی فرمایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ دود ہو چک تشریف لے جارہے تھے۔ ایک سادہ اور پرانا مقبرہ راستے میں آیا جب تانگہ آگے بڑھا تو فرمایا "مولوی بشیر احمد یہ قبر بالکل خالی ہے"۔ میں نے عرض کیا "حضرت مجھے معلوم نہیں" کہ کس کا مقبرہ ہے اور کتنی مدت سے ہے۔ جب دود ہو چک پہنچے تو میں نے اپنے محترم پیر بھائی مولوی حکیم عبدالحق صاحب سے دریافت کیا کہ فلاں دائرے میں جو قبر ہے اس میں کون صاحب ہیں اور کب سے دفن کیے گئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نزدیک والے پنڈ کا ایک بے دین بھنگی، چرسی، پوستی، افیونی ملنگ تھا۔ جس کی موت ضلع لائل پور کے کسی چک میں ہوئی تھی اور وہاں ہی دفن کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے چیلے چانٹوں نے باہمی مشورہ کیا کہ سائیں جی کی ڈھیری یہاں بھی بنا لیتے ہیں اور اس پر میلہ کر لیا کریں گے۔

کرامت:

میرے ہاں تین لڑکے اور آٹھ لڑکیاں کل گیارہ بچے چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے۔ میں نے انتہائی پریشانی میں حضرت اقدس قدس سرہ کے سامنے اپنے دکھ کی کہانی سنائی۔ حضرت سلطان الاولیاءؒ نے دعائے خیر کے علاوہ ایک تعویذ بھی مرحمت فرمایا اور حضرت سلطان المشائخؒ کی توجہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک فرزند مرحمت فرمایا جس کا نام رشید احمد رکھا گیا۔ وہ اس وقت دینی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

اس قسم کی کرامتیں سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ حضرت کی دعاؤں سے مفلوک الحال خوشحال ہو گئے اور بے اولاد اولاد والے ہو گئے۔

دوسری کرامت:

شاگردوں، مریدوں اور متعلقین سے ملی جلی زندگی میں سینکڑوں غلطیاں ہوا کرتی ہیں۔ جن پر طبیعت میں رنج اور غصے کا آنا معمولی بات سمجھی جاتی ہے لیکن چھتیس برس میں کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت نے کسی کو ڈانٹا ہو یا سختی برتی ہو۔ ہزاروں کی تعداد میں گمراہوں نے توبہ کی۔ بھٹکے ہوئے راہِ راست پر آئے۔ غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ منکرینِ حدیث صراطِ مستقیم پر آئے۔ مختلف مقامات پر ذکر کی مجلسیں ہوتی ہیں جہاں ذوق و شوق کے ساتھ ذکر الٰہی کیا جاتا ہے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

حضرت شیخؒ کا توکل



کیپٹن غازی خدا بخش صاحب لاہور

عملی پہلو

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا عملی پہلو سب سے نمایاں پہلو ہے ۔ تاریخ کی ورق گردانی کریں تو ہمیں متعدد رہنما ایسے نظر آئیں گے ، جنہوں نے شاندار نظریے پیش کئے زریں اقوال کے بیش بہا موتی لنڈھائے لیکن ان کی اپنی زندگی یکسر کردار سے خالی رہی۔

حضرتؒ نے تمام عمر کا سرمایہ تعلیم و تدریس قرآن عزیز میں صرف کر دیا اور قرآنی احکام پر ہی عمل پیرا رہے ۔ قرآن عزیز نے سکھایا :

اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ (المومن ع ۷) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے آگے سر جھکاؤں ۔

حضرت نے فرمان خداوندی کے مطابق اور اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جائز سے جائز اور ظالم سے ظالم حاکم کے خلاف شرع حکم کے سامنے کبھی سر تسلیم خم نہ کیا بلکہ ہمیشہ اللہ جل شانہ کے حکم کے آگے سر جھکایا آپ کے ورود لاہور پر ہی غور کریں کہ دہلی سے گرفتار کر کے آپ کو لاہور لایا گیا ، پاؤں بیڑی سے فگار ہیں تو ہاتھ ہتھکڑی سے زخم دار ہیں ، لیکن کافر حاکم کی اطاعت کے انکار کا سودا ہمہ میں سمایا ہوا ہے ۔ اور یہ حالت وقتی نہیں بلکہ تا حین حیات مخالف اسلام انگریز کی دشمنی کا ثبوت دیتے رہے قید و بند کے مصائب و آلام جھیلتے رہے ۔ لیکن کتمان حق کو کبھی اپنا شیوہ نہ بنایا ۔ اسلام کے نام لیواؤں نے ذاتی ایذائیں پہنچائیں تو کوئی انتقام نہ لیا لیکن اسلام دشمنوں کے مقابلے میں کبھی مہر سکوت بدہن نہیں ہوئے بعض اوقات اپنوں کی تکلیف سے ہم بلبلا اٹھے کہ حضرت ! ہمیں بھی جواب کی اجازت دیجئے ۔ لیکن حضرت نے فوراً روک دیا اور صبر کی تلقین کی ، چنانچہ تعمیل حکم میں ہم خاموش ہو گئے ۔

حضرتؒ خود اسیر فرنگ ہو جاتے ، اور اعلان حق سے کبھی باز نہ آتے حق کہتے اور بآواز بلند کہتے ، کبھی ڈھکی چھپی نہ رکھتے ، کہتے اور اعلانیہ کہتے ۔ اسے کہتے ہیں قول کے مطابق فعل ۔ اسے کہتے ہیں قال کے ساتھ حال تعلیم قرآن کے ذریعے انگریز کی غلامی کا جوا اتارنے میں اپنے مربیؒ اور استاد حضرت مولانا سندھیؒ کو سرگرداں دیکھا تو پھر یہی کہا ۔

از غلامے لذت ایماں مجو
گرچہ باشد حافظ قرآں مجو

یہ تھا صبغۃ اللہ ، یہ تھا اللہ کا رنگ جو حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ پر چڑھا ہوا تھا ۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنا رنگ ایسا چڑھایا تھا کہ انگریز کی غلامی کا جوا اتارنے میں اپنی زندگی میں کامیاب ہو کر گئے اور گئے تو ایسے گئے کہ اب بھی اللہ کے بندوں کو ان کی قبر کی مٹی سے اسلام دوستی کی خوشبو آ رہی ہے ۔ چنانچہ بعض جاہلوں نے تو قبر سے مٹی لی جانی شروع کر دی ۔

حضرتؒ کے عقیدت مند حضرت کی قبر سے مٹی نہ لے جائیں بلکہ حضرتؒ نے جو قرآنی تعلیم عمر بھر دی اسے دل میں جگہ دیں اور کردار کے غازی بنیں محض گفتار کے غازی نہ رہیں انگریزی تہذیب کے غلام نہ بنیں بلکہ ان کی اسلام دشمنی کے مقابلے میں ، اپنی صحیح اسلام دوستی کے ثبوت

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو مع اہل وعیال ہوائی جہاز میں لے گیا۔

دوسرا واقعہ سنئے!

راقم آثم اور مولانا عبیداللہ انور موجودہ امیر انجمن کو خیال آیا کہ حضرت نے مسجدیں تو کئی بنوا دیں لیکن اس وقت ان کے مرمت فنڈ میں قلت ہے۔ دونوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ اور جمعہ میں اپیل کی درخواست کی فرمایا:

"میرے کام تو سب توکل پر چلتے ہیں پچھلے دنوں اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کو بھیجا انہوں نے کہا ہم کچھ رقم اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ انجمن خدام الدین عکسی قرآن عزیز چھپوانا چاہتی ہے اس کی آمدنی میں نہ کوئی میرا حصہ ہے نہ میرے بچوں کا لہٰذا یہی اس وقت کار خیر سامنے ہے۔ آپ چھپوا دیں انہوں نے کہا کیا اندازہ ہوگا آپ نے فرمایا اندازہ لگوا دیا جائے گا۔ چند دنوں کے بعد وہ دونوں حضرات پھر آئے اور عرض کیا "کیا اندازہ ہے" حضرت نے فرمایا "پچاس ہزار روپیہ کا اندازہ پریس والوں نے لگایا ہے"۔ چنانچہ انہوں نے پچاس ہزار روپیہ پیش کر دیا۔ بیٹو! میں کوئی اپیل نہیں کرتا میرے کام تو اسی طرح توکل پر چلتے ہیں۔"

اب اسی عکسی قرآن عزیز پر تقریباً ایک لاکھ روپیہ صرف ہو کر شائع ہوا ہے۔

دوستو! حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن عزیز کی سورۃ انفال سے قانون جنگ کی پہلی دفعہ یہ پڑھائی تھی آیہ: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ" ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جب تم کافروں سے میدان جنگ میں ملو تو ان سے پیٹھیں نہ پھیرو۔"

چنانچہ تعلیم قرآن کے ذریعہ جو جہاد کفر و شرک، الحاد و زندقہ کے خلاف شروع کیا وہ ۱۶ رمضان المبارک تک جاری رکھا آپ نے فارغ التحصیل علماء کرام کو دوسرا پارہ شروع کرایا تھا۔ ۱۷ رمضان المبارک کو یوم تعطیل تھا جمعۃ المبارک تھا کہ اعلیٰ علیین کو سدھار گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ط

یہ تھا جہاد کا حق ادا کرنا کہ فرصت کے آخری دن تک باطل کے خلاف بنیان مرصوص بن کر قرآن عزیز ہاتھ میں لئے کھڑے رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے۔

آمین ثم آمین

حضرت شیخؒ کے خلفاء

۱۔ مولانا الحاج حافظ محمد حبیب اللہ صاحبؒ خلف اکبر، مدینہ منورہ۔
۲۔ مولانا الحاج عبدالہادی جانشین سلطان العارفین حضرت دین پوریؒ، خانپور۔
۳۔ مولانا الحاج ابوالحسن علی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء۔
۴۔ مولانا الحاج عبدالعزیز صاحبؒ مسجد نور، ساہیوال۔
۵۔ مولانا الحاج بشیر احمد صاحبؒ، جامع مسجد پسرور، سیالکوٹ۔
۶۔ جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور، لاہور۔
۷۔ مولانا الحاج الحافظ حمید اللہ صاحبؒ۔ لاہور۔
۸۔ حضرت مولانا محمد شعیب صاحب، میاں علی شیخوپورہ۔
۹۔ مولانا قاضی زاہد الحسینی، جامعہ مدنیہ، اٹک
۱۰۔ مولانا عرض محمدؒ کوئٹہ۔
۱۱۔ مولانا سید احمد شاہ بخاریؒ، چوکیرہ، سرگودھا۔
۱۲۔ مولانا محمد ہارون صاحب بھرچپانی۔ سکھر۔
۱۳۔ مولانا گل محمد صاحب، ایران۔
۱۴۔ مولانا محمد حسن، خانیوال۔
۱۵۔ مولانا قاضی عبداللطیف۔ جہلم۔
۱۶۔ مولانا غلام رسول ڈیرہ اسمٰعیل خاں
۱۷۔ قاری عبدالکریم ترکستانی حال مکہ معظمہ
۱۸۔ مولوی محمد علی صاحبؒ، کھیڑہ۔ گھروٹ، سرگودھا
۱۹۔ مولوی عبدالمجید صاحب، رحیم یارخاں۔
۲۰۔ مولوی احمد شاہ دیوانی۔ سندھ۔
(۲۱) حاجی میر محمد صاحب چونگل۔
(۲۲) حضرت الحاج امین الحق صاحب شیخوپورہ
(۲۳) مولانا غلام قادر ملتان
(۲۴) مولوی محمد حسن سندھ

سیاسی و ملّی

خدمات

حضرت لاہوری

خدمات کا ایک خاکہ

ریشمی رومال کی تحریک

• جمعیۃ الانصار[1] دیوبند • نظارۃ المعارف دہلی اور ریشمی خطوط کی تحریکیں دراصل اس عظیم انقلابی پروگرام کی تین اہم کڑیاں تھیں جنہیں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے اتحاد عالم اسلام اور آزادئ ہند کے لئے تجویز فرمایا تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا سندھی کو کابل میں، آپؒ کو دہلی میں چھوڑ کر خود حجاز تشریف لے گئے، مولانا محمد میاں انصاری تحریک کے رابطہ افسر ہونے کے علاوہ ہندوستان اور آزاد قبائل میں تحریک آزادی کے نقیب اور محرک قرار پائے۔

۱۹۱۴ء میں حضرت شیخ الہندؒ اپنی تحریک کی تائید میں غازی انور پاشا اور حجاز کے گورنر غالب پاشا کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، ان اکابر نے افغانستان اور آزاد قبائل کے باشندگان سے برطانیہ کے خلاف جہاد کی اپیلیں جاری کیں جو ایک حد تک کامیاب رہیں۔

حضرت مولانا محمد میاں انصاری تحریک کے آخری مراحل میں ان اکابر کے پیغامات لے کر حجاز سے ہندوستان آئے اور انہوں نے ہندوستان، قبائلی علاقہ اور افغانستان میں نہایت وسیع پیمانہ پر ان اپیلوں کی تشہیر کی۔ یہ اپیلیں زرد ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی تھیں۔ تحریک کے تمام کارکن آپس میں زرد ریشمی کپڑے پر تحریر کر کے ارسال کیا کرتے تھے۔ ۹ر جولائی ۱۹۱۴ء کو مولانا محمد میاں نے تحریک سے متعلق ایک مفصل رپورٹ حیدر آباد سندھ کے شیخ عبدالرحیم کی معرفت حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حجاز روانہ کی۔ یہ رپورٹ بھی زرد ریشمی رومال پر تحریر تھی اور اس میں ترک وفود کے ورود کابل، مجاہدین ہند کی نقل و حرکت اور اشاعت تحریک جہاد کی نسبت تفصیلات درج تھیں۔ رپورٹ میں آزاد حکومتِ ہند کے قیام کی تجویز اور خدائی فوج کی مجوزہ تشکیل کا پورا خاکہ بھی درج تھا، اس فوج کا ذیلی ہیڈ کوارٹر اور مرکز مدینہ منورہ تھا (۴) کمانڈر انچیف حضرت شیخ الہند تھے۔ کابل میں تمام کام مولانا سندھیؒ کی زیر سرکردگی ہونا طے پایا تھا۔ ان کے علاوہ بارہ کمانڈروں اور بہت سے اعلیٰ فوجی افسروں کے نام بھی مذکور تھے۔

یہ اہم دستاویز بدقسمتی سے برطانوی حکومت کے ہاتھ لگ گئی اور اسطرح اگست ۱۹۱۴ء میں اس تحریکِ جہاد کا انکشاف ہو گیا۔ جسے انگریزوں نے ریشمی خطوط کی سازش کا نام دیا۔

تحریک کے انکشاف کے بعد سرکردہ رہنماؤں اور چیدہ چیدہ کارکنوں کی گرفتاریوں اور نظر بندیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کو

---

[1] ۱۹۰۹ء میں مولانا سندھیؒ دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں حضرت شیخ الہندؒ کے مشورے سے "جمعیۃ الانصار" کی بنیاد ڈالی، اس کا مقصد ملک اور بیرونِ ملک میں موجود فضلائے دیوبند کی تنظیم کرنا تھا۔ مولانا سندھیؒ اور ان کے رفقاءِ کار کی کوششوں سے جمعیۃ بیحد مقبول ہوئی۔ ۱۵ر ۱۶ر ۱۷ر اپریل ۱۹۱۱ء کو مراد آباد میں جمعیۃ کے زیر اہتمام عظیم جلسے منعقد ہوئے جنمیں تقریباً تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی، اتنا عظیم اجتماع پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

حجاز میں گرفتار کر لیا گیا اور آپ کو دہلی سے گرفتار کر کے مختلف مقامات (دہلی، جالندھر وغیرہ) میں نظر بند رکھا گیا، اسی طرح آپ کے ہر دو شیوخ جو اپنے اپنے مراکز کے امیر تھے، گرفتار کر لئے گئے۔ یہ سب گرفتاریاں بیک وقت اس طرح عمل میں لائی گئیں کہ کوئی بھی ایک دوسرے کو اطلاع نہ پہنچا سکا۔ آپ کی گرفتاری عین اس وقت عمل میں آئی جبکہ آپ شیخ التفسیر جامع مسجد فتحپوری میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے تحت درس قرآن دے رہے تھے۔ وہاں سے آپ کو آپ کے مکان واقع کٹڑہ برڑیاں لے جایا گیا، آپ کے اہل و عیال کو چھت پر چڑھا دیا گیا اور خانہ تلاشی کر کے یہاں سے بھی آپ کی قلمی تحریریں متعلقہ قرآن مجید اور کتابیں جو اس عملے نے مخدوش سمجھیں ایک ٹرنک میں بھر دی گئیں۔ آپ کی سندیں جو مکان کی چھت میں ٹین کی ایک نلکی میں تھیں، ایک شریک درس مسلمان سی، آئی، ڈی کی نشاندہی پر اتروا کر ٹرنک میں رکھوائی گئیں اور ٹرنک کو مقفل کر کے مُہر لگا دی گئی، یہ سامان پھر کبھی واپس نہ ہوا۔ ۱۳۴۶ھ میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور مولانا عبید اللہ سندھی صاحب نے آپ کو دوبارہ سندیں عطا فرمائیں۔

آپ کو دہلی سے ہتھکڑی لگا کر شملہ اور پھر لاہور، جالندھر وغیرہ مختلف مقامات کی حوالاتوں میں کئی ماہ تک کے لئے رکھنے کے بعد ضلع جالندھر کے جیل "راہوں" میں لے جایا گیا۔ وہاں حوالات کے بعد نظر بندی کا حکم سُنایا گیا۔ راہوں کے تھانہ میں شب بسری کے لئے آپ کے پاس ایک عبا کے سوا اور کچھ نہ تھا، نومبر اور دسمبر کی راتیں اسی میں بسر کیں۔

وہیں ایک بزرگ جنہوں نے اپنا نام "سلطان الاذکار" بتایا آپ سے ملے اور ایک وظیفہ تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے سات دن تک مسلسل بعد از نماز عشاء، باقاعدگی سے پڑھیئے، انشاء اللہ آپ رہا ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب آپ نے ساتویں روز وہ ختم کیا تو اسی رات آپ کو رہائی کی خبر مل گئی اور دوسرے دن آپ کو "راہوں" سے لاہور لایا گیا۔

لاہور میں

لاہور میں آپ کو سی، آئی، ڈی کے ایک انگریز آفیسر کے سامنے پیش کیا گیا جس نے کہا کہ گورنمنٹ آپ کو صوبہ سندھ یا دہلی بھیجنے پر تیار نہیں اگر آپ ایک سال کے لئے دو ضامن ایک ایک ہزار روپے کے بطور ضمانت پیش کر دیں، تو گورنمنٹ آپ کو لاہور رہنے کی اجازت دے دے گی۔ پولیس جانتی تھی کہ دہلی اور سندھ میں آپ کا کافی اثر ہے۔ وہ آپ کو ایسے علاقہ میں رکھنا چاہتی تھی جہاں آپ کو کوئی جاننے والا نہ ہو اور آپ کی ذات سے انہیں کوئی خطرہ نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ پنجاب میں مجھے جانتا کوئی نہیں مگر افسران وہاں (سندھ، دہلی) کے ضامن لینے پر رضامند نہ ہوئے۔

آپ نے غور کیا تو آپ کو مولانا قاضی حافظ ضیاء الدین صاحب ایم۔ اے فاضل دیوبند کا نام یاد آیا۔ موصوف آپ کی اہلیہ محترمہ کے چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ نظارۃ المعارف دہلی میں انگریزی کے استاذ رہ چکے تھے۔ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے وہ بخوشی ضمانت دینے پہ تیار ہو گئے دوسرے ضامن کے لئے قاضی صاحب نے خود ہی ملک لال خاں صاحب کا نام تجویز کیا، ملک صاحب نے بھی اسے سعادت سمجھا۔ قاضی صاحب اور ملک صاحب کی ضمانت پر پولیس نے ہزار کے بجائے پانچ پانچ سو کی ضمانت ایک سال کے لئے لے کر آپ کو رہا کر دیا۔

جب آپ کو لاہور میں پابند کیا گیا تو آپ نے اپنے اہل و عیال کو بھی لاہور بُلا لیا جو اُن دنوں نواب شاہ میں تھے۔

درسِ قرآن کا آغاز

زمانہ قیام دہلی کے دوران حضرت سندھیؒ نے آپ سے عمر بھر اشاعت قرآن کا عہد لیا تھا، اس وعدہ کو پورا کرنے کے لئے آپ نے مولوی عبدالعزیز دکاندار سریانوالہ بازار لاہور اور میاں عبدالرحمٰن صاحب امام مسجد سریانوالہ بازار کو ترجمۂ قرآن پڑھانا شروع کیا۔ نماز پنجگانہ کے لئے آپ مسجد لائن سبحان خان میں تشریف لے جاتے، پھر کچھ عرصہ کے بعد کٹڑہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں درس کا آغاز کیا۔ سامعین کی تعداد بڑھنے پر مسجد سے ملحقہ یک منزلہ دکانوں کی چھت پر درس شروع کر دیا۔ جب یہاں حلقہ میں وسعت ہوئی تو حفظ ماتقدم کے تحت کہ سی آئی ڈی کا کوئی آدمی آپ کے خلاف رپورٹ کر کے آپ کے ضامنوں کی ضمانت ضبط کروا دے، وہاں درس کا سلسلہ بند کر کے مولانا عبدالحق مرحوم کے مکان کی بیٹھک (واقع نواں محلہ شیرانوالہ) کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ کچھ عرصہ بعد مولوی عبدالحق صاحب کو جب اس کمرہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے بغیر کسی تحریک کے وہ کمرہ چھوڑ دیا اور مسجد لائن سبحان خان میں درس کا آغاز کیا۔ یہ مسجد دراصل پولیس لائن کی مسجد تھی، اسمیں پولیس والے نماز پڑھا کرتے تھے۔ پولیس لائن کے اٹھ جانے کے بعد یہ مسجد ویران تھی۔ حاجی فضل

دین صاحب اس کی خدمت کیا کرتے۔ آپ کی آمد کے بعد اس کی رونق میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور حاجی فضل دین صاحب اس میں توسیع کرتے چلے گئے۔

اسی دوران میں آپ مولوی امام الدین صاحب کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ آپ خود تحریر فرماتے ہیں کہ "مولوی امام الدین پرائمری سکول کے مدرس تھے، اکبری منڈی کے پاس ان کے تین مکان تھے، ایک دن میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ "مجھے خواب میں حکم ہوا ہے کہ ایک مکان آپ کو دے دوں"۔ میں نے "بہت اچھا" کہا اور وہ چلے گئے، کچھ عرصہ بعد پھر آئے اور کہا کہ مجھے دوبارہ حکم ہوا ہے، میں نے پھر بہت اچھا کہہ دیا اور معاملہ ختم ہو گیا، کچھ مدت کے بعد پھر آئے کہ آج مجھے ڈانٹا گیا ہے کہ کیا تمہیں اپنی زندگی پر بھروسہ ہے جو حکم کی تعمیل نہیں کرتے، اب چلئے چل کر مکان پسند کر لیجئے"۔

چنانچہ ان کے اصرار پر میں نے جاکر ایک مکان پسند کر لیا۔ مولوی صاحب نے اس کی رجسٹری کروا دی اور میں نے اس مکان میں رہائش اختیار کر لی، میں عام طور پر وقت دیکھ کر نماز کے لئے آیا کرتا تھا۔ جب گھر سے نکلتا تو راستہ میں کبھی کوئی مل جاتا اور کبھی کوئی۔ اس طرح میری کبھی ایک رکعت اور کبھی دو رکعتیں چھوٹ جاتیں۔ میں نے مولوی صاحب کو بلا کر کہا کہ آپ نے اشاعتِ دین کے لئے مکان دیا مگر میرے دینی پروگرام میں خلل پیدا ہو رہا ہے۔ آپ یا تو مجھے مکان بیچ کر لائن سبحان خان میں دوسرا مکان خریدنے کی اجازت دیں یا اپنا مکان واپس لے لیں، مولوی صاحب نے خوشی سے مجھے اجازت دے دی اور ان کے مکان کو بیچ کر میں نے اپنے موجودہ مکان کا ایک حصہ بنا لیا"۔

(مردِ مومن صفحہ ۴۶)

ذریعہ معاش: لاہور میں آپ نے رہائش تو اختیار کر لی تھی مگر ذریعۂ معاش کوئی نہ تھا اور حکومت کے باغی ہونے کی وجہ سے لوگ بھی بہت کم التفات کرتے تھے۔ گھر میں کئی کئی روز فاقہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت دین پوری سے عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "گھر کے برتن مانجھ کر رکھ دیا کرو، اور دو رکعت نماز نفل پڑھ کر بدستور اللہ اللہ کرتے رہو۔ خدا مسبب الاسباب ہے"۔

آپ کا ابتدائی زمانہ بڑی عسرت میں گزرا، لیکن بعد میں کتب فروشوں نے مولانا ابو محمد احمد صاحب سے تعلق کی بناء پر کاپیوں کی تصحیح کا کام دینا شروع کر دیا، اس کے علاوہ آپ دوسرے کام بھی کر لیا کرتے تھے۔

جناب قاضی محمد عدیل عباسی ایڈیٹر "زمیندار" ۱۹۲۲ء لاہور اپنے ایک مضمون "حضرت مولانا احمد علی" میں لکھتے ہیں کہ جمعرات کا پورا دن اور جمعہ کی نماز تک ان ۱½ دنوں میں مولانا اپنی معاش کا بندوبست کرتے تھے، کبھی صابن بناتے اور کبھی عربی کتابوں کی کتابت کی تصحیح فرماتے تھے، میں نے خود ان کو صابن بناتے تو نہیں دیکھا۔ اس کا اہتمام شاید گھر کے اندر رہتا ہو لیکن کتابت کی اصلاح میں مشغول دیکھا ہے۔ یہ کام مسجد کے حجرہ میں انجام پاتا تھا، چنانچہ جو کچھ ان ۱½ دنوں میں آمدنی ہو جاتی تھی اُسے ہفتہ بھر کھاتے تھے۔ یہ آمدنی کتنی ہوتی تھی اس کا میں کوئی اندازہ نہیں بتلا سکتا لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ بہت قلیل تھی۔ میں نے سُنا ہے کہ بعض دن پورے گھر نے صرف چنے چبا کر گزر کیا، مگر بایں ہمہ یہ ممکن نہ تھا کہ ان کی شانِ خودداری اور فقر و استغناء کی آن میں کوئی بھی فرق ڈال سکے"۔ (ماہنامہ الفرقان لکھنؤ بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ صفحہ ۵۴)

قاضی صاحب موصوف اپنے اسی مضمون کے آخر میں ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "مولانا کی زندگی کا ایک واقعہ مجھے قابلِ ذکر ملا ہے، لاہور سے کلکتہ جمعیۃ علماء کی مجلسِ عاملہ کی شرکت کے لئے تشریف لے جانا ہوا، واپسی میں گورکھ پور کے اسٹیشن پر کچھ لوگ آئے اور سخت اصرار کیا کہ مولانا انجمن اسلامیہ کے جلسہ میں شرکت فرمائیں۔ آپ نے منظور کر لیا اور ایک تقریر کی جس میں درسِ قرآن کو عام کرنے پر زور دیا، اس انوکھی بات سے لوگ حد درجہ متاثر ہوئے۔ یہ ایک تعمیری پروگرام تھا اور زمانہ کی روش سے ایک علیحدہ چیز تھی۔ جب آپ واپس اسٹیشن پہنچے تو منتظمین انجمن نے پچاس روپے پیش کئے، مولانا نے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟

کسی کی یہ ہمت تو ہوئی نہیں کہ کہہ دے کہ نذر ہے لوگوں نے یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ کرایہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ "لاہور سے کلکتہ اور کلکتہ سے لاہور تک کا کرایہ جمعیت علماء نے مجھ کو دے دیا ہے۔ آپ اپنے تانگے پر لے گئے، اپنے ہاں کھانا کھلایا، میرا کچھ خرچ نہیں ہوا تو کرایہ کیسا؟ تب لوگ

مجبور ہوتے اور کہنے لگے نذر سمجھ کر رکھ لیجئے۔ مولانا نے فرمایا "میں نذر نہیں لیتا اور انکار کر دیا"۔ مولانا کے اس بلند کردار اور اخلاق کا عرصہ تک گورکھ پور میں چرچا رہا"۔ (ص ۵۶)

"انہیں ایام کا ذکر ہے کہ ایک تاجر کتب نے جو اپنا نام بتانا پسند نہیں کرتے تھے آپ کی تنگدستی کو دیکھ کر لفافہ میں ایک سو روپے کا نوٹ ڈال کر آپ کو ارسال کیا۔ آپ نے ڈاک کھولی تو لفافے میں سو روپے کا نوٹ دیکھ کر سوچ میں پڑ گئے اور پھر فرمایا، نہ جانے اس شخص نے کس مقصد کے لئے یہ روپیہ بھیجا ہے؟ یہ کہا اور تمام رقم دینی کام کے لئے وقف کر دی۔ اس میں سے ایک پائی بھی اپنے مصرف میں نہ لائے"۔

(مرد مومن ص ۴۸)

حج کی سعادت :

سنہ ۱۹۱۷ء میں آپ لاہور لائے گئے۔ اسی سال کے آخر میں آپ نے حج کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالےٰ نے غیب سے اسباب پیدا کر دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بار بار آپ کو یہ سعادت عطا فرمائی حتیٰ کہ آپ اللہ کے اس انعام کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ "یہ اللہ کا فضل ہے کہ اُس نے مجھے چودہ مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف فرمایا"۔

ہجرتِ کابل اور واپسی :

آپ حج سے واپس آئے تو تحریک خلافت زوروں پر تھی۔ کراچی اترنے کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ ہندوستان میں ترکی کے خلیفۃ المسلمین کی حمایت میں خلافت کمیٹیاں قائم ہو چکی ہیں اور مسلمان اس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لے رہے ہیں۔

اسی دوران میں والئ کابل امیر امان اللہ خان نے انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ ہندوستانی مسلمان پہلے ہی اشتعال میں تھے۔ امیر امان اللہ نے انہیں ہجرت کرکے افغانستان آنے کی دعوت دی۔ اس دعوت پر ہندی مسلمانوں کے قافلے جانا شروع ہو گئے۔ پنجاب کے مسلمانوں کا جو قافلہ کابل کے لئے تیار ہوا اُس کے امیر آپ تھے۔ پنجاب کے مسلمانوں نے دس ہزار روپیہ کی پہلی قسط امیر امان اللہ کے لئے آپ کے ہاتھ بھیجی۔ آپ نے لاہور سے دس ہزار کا سونا خرید کیا اور کابل پہنچ کر عام اجلاس میں امیر امان اللہ خان کو وہ امانت پہنچا دی۔ حضرت سندھیؒ کو آپ کی آمد کی اطلاع پہلے سے تھی اس لئے کرایہ کا ایک مکان پہلے ہی سے لے لیا تھا۔ مکان چونکہ کافی کھلا تھا، اس لئے آپ نے دو اور خاندانوں (شیخ میراں بخش اور میاں عبد اللہ) کو بھی اسی مکان میں ٹھہرا لیا۔ آپ بالائی منزل میں مقیم تھے اور نچلی منزل کے دونوں حصّوں میں ان حضرات کے کنبے رہتے تھے۔

حکومتِ افغانستان نے شروع میں مہاجرین کی آبادکاری کا خاص خیال رکھا بعد میں کچھ بے اعتنائی برتنے لگی۔ انہی دنوں انگریزوں نے حکومتِ افغانستان کے ساتھ صلح کر لی۔ شرائطِ صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمام مہاجرین کو ہندوستان واپس کر دیا جائے۔ آپ واپس آنا نہیں چاہتے تھے لیکن مولانا سندھیؒ نے آپ کو اس پر راضی کر لیا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ اپنی "ذاتی ڈائری" کے ص ۱۳۴ پر لکھتے ہیں کہ "مولوی احمد علی کو ہم نے ہندوستان بھیجنا ہی مناسب خیال کیا، منت سے ہم اسے اس پر راضی کر سکے"۔ چنانچہ آپ پشاور سے ہوتے ہوئے لاہور واپس تشریف لے آئے اور مولانا سندھیؒ آپ کے دوسرے بھائی کو لے کر روس چلے گئے۔

انجمن خدّام الدین کا قیام :

سنہ ۱۹۲۲ء کا واقعہ ہے کہ ہجرتِ کابل سے واپسی کے بعد آپ نے معمول کے مطابق درسِ قرآن مجید شروع کر دیا ایک دن صبح کے درس سے فارغ ہونے کے بعد حکیم فیروز الدین صاحب اٹھے، اور حاضرین مجلس کو مخاطب کرکے کہا آپ لوگ مولانا احمد علی سے اکثر سنتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کسی منظم طریق پر ہونی چاہیئے اور یہ کام کسی ایسے ٹھوس طریقے پر کیا جائے جو مفید ہونے کے علاوہ دیرپا بھی ہو۔ لہٰذا آپ کو چاہیئے کہ ایک انجمن کی بنیاد رکھنے میں حضرت کی مدد فرمائیں۔

سامعین نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور آپ نے اس انجمن کا نام "خدام الدین" تجویز فرمایا۔ قرآن کریم اور سنت نبویؐ کی اشاعت کو انجمن کا نصب العین قرار دیا گیا۔ مولانا فضل حق تلمیذ مولانا نذیر احمد محدث دہلوی اور مولانا ابو محمد احمد تلمیذ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس کے ممبر بنا دیئے گئے۔ مولانا فضل حق نہ صرف ممبر بلکہ انجمن کے ناظم بھی تھے۔ امارت باصرار آپ کے سپرد کر دی گئی۔

اب آپ نے قرآن مجید کے دو درس بعد از نماز فجر و مغرب دینے شروع کر دیئے۔ پہلا درس آپ سنہ ۱۹۱۷ء سے لے کر آخری وقت تک خود دیتے رہے

اور دوسرا درس پچیس سال دینے کے بعد آپ کے فرزند ارجمند مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب فاضل دیوبند دینے لگے ۔ پہلا درس عام مسلمانوں کے لئے اور دوسرا درس تعلیم یافتہ طبقے کے لئے مخصوص تھا ۔

قرآن کی تفسیر: ۱۹۲۵ء میں آپ کے بعض احباب نے اسی درس قرآن کو تحریری شکل میں طبع کرانے کی خواہش ظاہر کی، اس کام کے لئے پُرسکون مقام کی ضرورت تھی ۔ چنانچہ ضلع کیمبل پور کی بستی "واہ" کا انتخاب ہوا ۔ آپ ایک ماہ کیلئے "واہ" تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے ترجمۃ القرآن کا کام شروع کیا ۔ اس طرح ۱۹۲۷ء میں یہ مترجم اور محشی قرآن حکیم انجمن خدام الدین کی طرف سے شائع ہوا ۔ اس پر مختلف مکاتیب فکر کے ممتاز علماء کی تقاریظ ہیں جن میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مدنیؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ اس ترجمہ کی خصوصیات میں سے عام فہم زبان میں اردو ترجمہ، ربط آیات اور آیات و رکوع کے خلاصے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں ۔ تفصیل کے لئے راقم کی کتاب "تعارف قرآن" میں اس ترجمہ کی خصوصیات مطالعہ کی جاسکتی ہیں ۔

مدرسہ قاسم العلوم کی بنیاد: ۱۹۲۴ء میں آپ نے انجمن کے زیر اہتمام ایک عربی مدرسہ کے قیام کی تجویز پیش کی جسے مجلس منتظمہ نے بالاتفاق پاس کیا اور مدرسہ کا نام "قاسم العلوم" رکھا گیا ۔ پہلے کرایہ کے مکان میں اس کا آغاز ہوا ۔ پھر انجمن نے لائن سبحان خان میں ایک قطعۂ زمین خرید کر اس پر مدرسہ کی عمارت تعمیر کروائی ۔ یہ عمارت پندرہ کمروں پر مشتمل ہے ۔ ہال ان کے علاوہ ہے ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے رسم افتتاح ادا فرمائی ۔

دورۂ تفسیر[1] کے لئے آنے والے طلباء کی رہائش و خوراک کا انتظام اسی مدرسہ میں ہوتا ہے، مصارف کی کفیل انجمن خدام الدین ہوتی ہے ۔

مدرسۃ البنات: ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں انجمن خدام الدین نے طالبات کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا ۔ یہ مدرسہ بھی شیرانوالہ میں ہے اس کے سولہ کمرے ہیں ۔ اس کے دو طرف کارپوریشن کا باغ ہے ۔ ایک طرف مسجد لائن سبحان خان ہے اور دوسری طرف سڑک ہے ۔

مدرسہ میں طالبات کے لئے آٹھ سالہ نصاب رائج ہے جس میں اسلامی عقائد و ارکان، کلام پاک مع ترجمہ، درس حدیث، سیرۃ النبی و خلفائے راشدین شامل ہیں ۔ اسلامی تعلیمات کے ساتھ امور خانہ داری کی بھی مکمل تربیت دی جاتی ہے ۔ مدرسہ میں پڑھنے والی دو قسم کی ہیں ۔ باقاعدہ اور جُز وقتی باقاعدہ طالبات صرف اسی مدرسہ میں تعلیم پاتی ہیں جبکہ جُز وقتی طالبات دوسرے سکولوں میں تعلیم پانے کے بعد اس مدرسہ میں دوسرے وقت دینی تعلیم پاتی ہیں مدرسہ میں طالبات سے کوئی فیس نہیں لی جاتی ۔ اس مدرسہ میں پانچ سو سے زائد طالبات زیر تعلیم رہتی ہیں ۔ تیرہ استانیاں ہیں ۔ جن میں چند ایک آپ کی شاگرد باقی اُن کی شاگرد ہیں ۔

شعبہ نشر و اشاعت: ۱۳۴۵ھ میں انجمن خدام الدین کے زیر اہتمام ایک شعبہ نشر و اشاعت قائم کیا گیا ۔ جس نے اُردو میں چونتیس پمفلٹ مختلف اسلامی موضوعات پر شائع کئے ۔ ۱۹۶۴ء میں ان کی اشاعت گیارہ لاکھ چھپن ہزار تھی ۔ انگریزی زبان میں بھی گیارہ مختلف موضاعات پر پمفلٹ شائع کئے گئے ۔ جن کی ۱۹۶۴ء میں اشاعت ۴۶ ہزار تھی اکثر رسائل فری تقسیم کئے گئے اور اب بھی دفتر خدام الدین سے فری دستیاب ہوتے ہیں، چند ایک کی قیمت برائے نام درج ہوتی ہے ۔

یہ رسائل آپ کی کاوش فکر کا نتیجہ ہیں ۔ رسائل کی فہرست ذیل میں پڑھیے ۔

(۱) تذکرۃ الرسوم الاسلامیہ (۲) اسلام میں نکاح بیوگان (۳) ضرورۃ القرآن (۴) خلق محمدی (۵) خلاصۂ اسلام (۶) توحید مقبول (۷) پیغام رسول (۸) فلسفۂ عید قربان (۹) اسلام ہند خطرہ میں (۱۰) فلسفۂ روزہ (۱۱) اسلام کا فوجی نظام (۱۲) خدا کی نیک بندیاں (۱۳) پیرو مُرید کے فرائض (۱۴) فلسفۂ زکوٰۃ (۱۵) علمائے اسلام اور علامہ مشرقی (۱۶) خدا کی مرضی (۱۷) استحکام پاکستان ،

---

[1] تقسیم سے پہلے دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم اور دیگر مدارس کے فارغ التحصیل حضرات دورہ تفسیر کے لئے آیا کرتے تھے ۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان کے ممتاز دارالعلوموں کے منتہی یا فارغ التحصیل حضرات اس میں شریک ہوتے رہے اور اب بھی ہوتے ہیں ۔

(۱۸) شہادۃ النحاریر علی حرمتہ المزامیر (۱۹) احکام شب برات (۲۰) اصلی حنفیت (۲۱) وظیفے (۲۲) مالِ میراث میں حکم شریعت،
(۲۳) فوٹو کا شرعی فیصلہ (۲۴) تحفہ میلاد النبیؐ (۲۵) معراج النبیؐ (۲۶) شرح اسماء اللہ الحسنیٰ (۲۷) فلسفہ نماز (۲۸) بہشتی اور دوزخی
(۲۹) مسلمان عورت کے فرائض (۳۰) گلدستہ صد احادیث (۳۱) اسلام اور ہتھیار (۳۲) مقصدِ قرآن (۳۳) نجاتِ دارین کا پروگرام
(۳۴) مرزائیت سے نفرت کے اسباب۔

ان رسائل کے علاوہ درج ذیل کتابیں بھی شائع ہوئیں:۔ (یہ بھی آپ ہی کی لکھی ہوئی ہیں)

(۱) خلاصہ مشکوٰۃ (۲) خطبات جمعہ (۸ جلدیں) (۳) مجلسِ ذکر کے مواعظ (۸ جلدیں) (۴) مجموعہ تفاسیر (۵) ترجمہ قرآنِ مجید
(۶) قرآن مجید باحاشیہ۔

انگریزی رسائل:۔

(1) Islam and Ahmadism (2) Wisdom of the Quran I (3) Wisdom of the Quran II (4) Quran and Science (5) Quranic conceptions of national solidarity and International Peace (6) Preaching of Islam (7) Reforms of Muslim society (8) Spirit of Islamic culture (9) The Quranic origin of the Islamic Polity (10) The secret of inviolable of the five Prayers (11) Islam's solution of the basic Economic Problems.

پندرہ روزہ اسلام: پندرہ روزہ انگریزی مجلہ جو ہر ماہ کی ۷ را ور ۲۲ رتاریخ کو شائع ہوتا تھا، اس کا رجسٹر نمبر ۳۵۷۵، زیرِ نظر شمارہ ۴، ر رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۳۶ء کا ہے۔ اس پر انگریزی زبان میں لکھا ہوتا تھا۔

Organ of the Anjaman-e-Khuddam-ud-Din, Lahore.

اس کے ایڈیٹر کے لے وحید اور ناشر (M.R. Vine) تھے اس کے پہلے ہی صفحہ پر آپ کا شملہ کی دستور ساز اسمبلی کے ممبروں کے نام کھُلا خط[1] موجود ہے، ملاحظہ فرمایئے۔

An open letter to the Muslim Members of the legislative Assembly, Simla.

Dear Sir,

As you are aware, the Sheriat bill is coming up for consideration before the Legislative Assembly on the 22nd instant. You have no doubt carefully studied the provisions of the bill and I am sure you will agree with me that the bill fulfils a long felt want and dserves the support of every Mussalman. The demand to have the matters of muslims relating marriage, divorce, inheritance etc. decided according to their personal

---

[1] جس میں مسلمان ممبروں کو شریعت بل کی مکمل حمایت کے لئے اُبھارا گیا ہے اور انہیں یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ دوسرے ممبروں کا تعاون بھی اس سلسلہ میں آپ کو حاصل کرنا چاہیئے۔ ۱۲

law is such that it should meet with no opposition and I am writing this to request that you will not only give the bill your own support but will also induce your fellow members to do the same.

Yours truly,

19.9.1936 Ahmad Ali,

Amir, Anjaman-e-Khuddam-ud-Din LHR.

آپ کی زبان اردو ہوگی۔ یہ اس کا انگریزی ترجمہ ہے۔ بتانا یہ ہے کہ یہ پندرہ روزہ اسلام انگریزی پڑھے لکھے طبقہ کیلئے کتنی اہم خدمات انجام دیتا تھا، اسی شمارہ میں "اسلام" پر جو اداریہ ہے وہ اس قابل ہے کہ اسے لفظ بلفظ نقل کیا جائے لیکن طوالت کے خوف سے چھوڑا جاتا ہے۔ اسی شمارہ کے صہ پر آپ کے مترجم و محشی قرآن مجید کا اردو میں اشتہار بھی موجود ہے۔

آپ کی ملکی و ملی خدمات

آپ تقسیم سے پہلے جمعیت العلمائے ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے، تقسیم ملک کے بعد جمعیۃ علماء ہند نے فیصلہ کیا کہ جمعیۃ کے جو ارکان پاکستان میں رہتے ہیں وہ اپنی الگ جماعت بنالیں، ان کا اب جمعیۃ علمائے ہند سے کوئی تعلق نہیں۔ اس پر آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ جن حضرات کے دامن سے وابستہ ہو کر ہمیں قیامت کے دن نجات کا بھروسہ تھا انہوں نے ہی ہمیں الگ کر دیا۔ حضرت مدنی رح نے جواباً لکھا کہ سیدنا المحترم زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا۔ مندرجہ ذیل مضامین سے سخت متاثر ہوا۔ محترم! کیا آپ سے علاقہ کسی انجمن کے وجود وعدم اور اس کی ممبری پر موقوف ہے جس پر آپ متاثر ہوتے ہیں۔

کلّا واللہ! ہم اور آپ حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کے دربار کے دریوزہ گر اور اسی بناء پر خواجہ تاش ہیں، یہ روحانی تعلق کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا۔ اگر مادی اسباب حائل بھی ہو جائیں تو کیا ہے۔

ہماری ارواح ایک ہی دربارِ دُربار کی حاضر باش ہیں۔ گھر کے لوگوں اور صاحبزادوں اور دیگر احباب پرسانِ حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

از دارالعلوم دیوبند ۳ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

یہ مکتوب "مکتوبات شیخ الاسلام" میں شائع ہو چکا ہے۔

جمعیّت علمائے اسلام پاکستان کی تنظیم

۸، ۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو سندھ، سرحد، بلوچستان، کراچی، پنجاب اور بہاولپور وغیرہ اطراف ملک سے ۱۷۷ جید علماء کی ملتان میں مجلسِ مشاورت منعقد ہوئی، جس میں بالاتفاق آپ کو جمعیۃ علمائے اسلام مغربی پاکستان کا امیر چن لیا گیا۔ آپ آخری وقت تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ آپ کی رہنمائی میں صرف ایک سال کے قلیل عرصہ میں جمعیۃ علمائے اسلام کی (مغربی پاکستان میں) تین سو شاخیں قائم ہو گئیں جون ۱۹۵۷ء میں جمعیۃ کا آرگن ـــ "ترجمانِ اسلام" لاہور سے آپ کی سرپرستی میں شائع ہونے لگا۔ (جو اب تک جاری ہے)

جمعیۃ علمائے اسلام نے آپ کی سرپرستی میں جو انتخابی منشور مرتب کیا تھا وہ اسلام کی صحیح ترجمانی کرتا تھا۔ جو حضرات اس کا خلاصہ پڑھنے کے متمنی ہوں وہ "مردِ مومن" کا ص ۱۰۶ سے ص ۱۱۱ تک مطالعہ فرمالیں۔

ناموسِ رسالت کا تحفظ :

۱۹۳۱ء کے اوائل میں میکلیگن انجینئرنگ کالج کے انگریز پرنسپل نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدزبانی کرکے مسلمان طلبہ کے دلوں کو زخمی کیا، طلباء نے احتجاج کیا لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی ہندو اور سکھ طلباء نے اپنی تنگ نظری اور کوتاہ فہمی کا ثبوت دیتے ہوئے انگریز پرنسپل کی حمایت کی، یوں محسوس ہوتا تھا کہ مسلمان طلبہ کا احتجاج نہ صرف بے اثر ہوگا بلکہ ان کا مستقبل بھی تاریک ہوجائے گا ۔

آپ کو علم ہوا تو فوراً مسلمان طلباء کی حمایت پر اتر آئے، کسی خطرہ کی پرواہ کئے بغیر ان کی بھرپور مدد کی، پھر علامہ اقبال بھی اس تحریک سے متاثر ہوکر میدانِ عمل میں آگئے۔ طلباء کی حمایت واعانت کے لئے ایک امدادی کمیٹی بنائی گئی۔ آپ نے اس میں سرگرم حصہ لیا۔ آپ نے جون، جولائی اور اگست میں متعدد تقریریں کیں، پنجاب کے مسلمانوں میں جوش وخروش پھیل گیا۔ آپ کی گوناگوں قائدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے اس واقعہ نے تحریک کی صورت اختیار کرلی۔ حکومت نے آپ کو گرفتار کرلیا لیکن آپ کی گرفتاری سے اور آگ بھڑک اٹھی، مسلمانوں کے آہنی عزم کے آگے حکومت کو جھکنا پڑا۔ چنانچہ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۱ء کو حکومت نے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کردی۔ مسلمان طلباء کو باعزت واپس بلایا گیا اور آپ کو اور دیگر قیدیوں کو رہا کردیا گیا۔

انجمن حمایت اسلام کی سرپرستی :

آپ انجمن کے عام ممبروں میں عرصہ سے شامل تھے۔ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو بحیثیت عالمِ دین انجمن کی جنرل کونسل کے رکن مقرر ہوئے، اس کے بعد انجمن کے معاملات میں گہری دلچسپی لینے کی بناء پر ۱۷ر نومبر ۱۹۵۵ء کو انجمن کے وائس پریزیڈنٹ (نائب صدر) منتخب ہوئے اور تازیست اس عہدہ پر فائز رہے۔ آپ نے انجمن کی ترقی کے سلسلہ میں شاندار خدمات انجام دیں۔

آپ اور جماعتِ اسلامی :

جماعتِ اسلامی کے مخصوص نظریات جملہ اکابر علمائے حق کے ہاں قابلِ اعتراض ہیں جن پر علمائے ملت نے اپنے مواعظ اور تصانیف[1] میں کافی روشنی ڈالی ہے، آپ نے بھی اس تحریک کے ساتھ علمی اختلاف کیا اور کتاب وسنت کی روشنی میں تنقید کی۔ اس سلسلہ میں آپ کے مضامین اور پمفلٹ انجمن خدام الدین شیرانوالہ گیٹ سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب کی روایت ہے کہ "آپ جب بھی مولانا مودودی صاحب کے خلاف کوئی تحریر لکھتے تو اس کا آغاز دعا سے کرتے اور دعا پر ہی ختم کرتے اور جب کبھی مولانا مودودی سے ملتے تو انہیں "حضرت مولانا مودودی" کہہ کر مخاطب کرتے"۔

(جہاں نما ۲۰ر دسمبر ۱۹۶۷ء)

ہفت روزہ "جہاں نما" لاہور کے رپورٹر سعید اظہر خان سعید لکھتے ہیں کہ "اس بات سے مولانا عبید اللہ انور کا مقصد یہ تھا کہ حضرت مولانا احمد علیؒ مولانا (مودودی) کی نیت پر شبہ نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی بعض علمی باتوں پر صرف اس لئے گرفت کرتے تھے کہ وہ انہیں قرآن اور حدیث کے خلاف تصور کرتے تھے"۔ (جہاں نما ص ۱۵ ۔ ۲۰ر دسمبر ۱۹۶۷ء)

آپ نے ہمیشہ جرأت کے ساتھ اعلانِ حق کیا، جس بات یا نظریہ کو قرآن وسنت کے خلاف سمجھا اس کی برملا دلائل کے ساتھ تردید کی لیکن شخصی حملوں سے ہمیشہ اجتناب فرمایا، آپ نے اپنی پوری زندگی میں جن باطل نظریوں کی مخالفت کی لوجہ اللہ کی، ذاتیات سے ہمیشہ ہٹ کر کی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طبقہ کے ہاں آپ قابلِ احترام تھے۔

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات کا ایک زریں باب "فتنوں کی سرکوبی" ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان سے دین اسلام کی بہت بڑی خدمت لی ہے۔ مرزائیت ہو یا پرویزیت، خاکساریت ہو یا مودودیت سب گروہوں کا چٹان کی

---

[1] ان میں سے پاکستان کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (کراچی) کی کتاب "مقام صحابہ" اور ان کے نامور فرزند مولانا محمد تقی عثمانی صاحب ایم اے ایل ایل بی مدیر ماہنامہ البلاغ کراچی کی کتاب "امیر معاویہ اور تاریخی حقائق" قابلِ مطالعہ ہیں۔ یہ خالص علمی رنگ میں ہیں ۱۲

طرح مقابلہ اور احقاق حق کی خاطر آرام وسکون کو چھوڑ کر میدان میں نکل آئے۔ مضامین ومقالات کے علاوہ تقریر کے ذریعہ بھی سٹیج پر اسلام میں رخنہ ڈالنے اور مسلمانوں میں دینی انتشار پیدا کرنے والوں کا مقابلہ کیا۔

آخری دور میں "حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب" ایک مستقل رسالہ کی شکل میں شائع فرمائے۔ یہ رسالہ ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ فہرست مضامین پر ایک نظر ڈالئے تو رسالہ کے مندرجات کی اہمیت کا اجمالی اندازہ ہو جائے گا۔

(۱) مودودی صاحب محمدی اسلام کا ایک ایک ستون گرا رہے ہیں۔

(۲) مودودی صاحب کا عقیدہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلط باتیں فرمایا کرتے تھے۔

(۳) مودودی صاحب کی عبارات میں اللہ تعالیٰ کی توہین۔

(۴) دربار نبوی ﷺ سے خلافت حضرت عثمان رضؓ کی تعظیم اور مودودی صاحب کی طرف سے توہین۔

(۵) اسلام کے متعلق مودودی صاحب کے غلط تصورات، ایک جلیل القدر صحابی کی توہین۔

(۶، ۷) مودودی صاحب کی طرف سے تمام محدثین اور تمام مفسرین کی توہین۔

(۸) مودودی صاحب کی طرف سے تمام مجددین کی توہین۔

(۹) مودودی صاحب کا اتباع سنت کا نظریہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں سے الگ ہے۔

(۱۰) مودودیت کا پول کھولنے کی ضرورت۔

افسوس ہے کہ طوالت کے خوف سے ہم یہاں مودودی صاحب کی وہ عبارات پیش نہیں کر سکتے جن سے بقول سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اور حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمہم اللہ،

"مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے کتب کے مندرجہ بالا حوالہ جات سے فی الواقع ایسے نتائج نکلتے ہیں جن سے اسلام کی بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ علم۔"

(ناراضگی کے اسباب ص۱۰۱)

ہماری گزارش ہے کہ قارئین یہ رسالہ ضرور ملاحظہ فرمائیں کیونکہ اس میں آپ ان ۵۴ علمائے کرام کے خیالات سے بھی آگاہ ہوں گے، جو انہوں نے مودودی صاحب کے متعلق اس رسالہ کے تصدیق کے طور پر ظاہر فرمائے ہیں۔ جن میں وقت کے بڑے بڑے علماء، مفتیان کرام، اور شیخ الحدیث شامل ہیں۔

حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اور حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمہما اللہ کی تصدیق ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ ذیل میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب مفتی ومدرس خیر المدارس ملتان، حضرت مولانا عبدالحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے چند جملے ان کے اپنے تصدیقی الفاظ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ان تینوں حضرات نے تحریر فرمایا ہے،

"ہم ان مضامین کے متعلق اپنی یہ رائے ظاہر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت مولانا مدظلہ العالی نے مودودی صاحب پر جو گرفتیں فرمائی ہیں وہ صحیح ہیں، واقعی مولانا مودودی صاحب نے ایسی پوزیشن اختیار کر لی ہے۔ وہ ایک جدید فرقہ کے بانی اور نئے اسلام کے داعی ظاہر ہوتے ہیں۔" الخ

آگے چل کر تحریر فرمایا ہے،

"اس تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس کا اسلام (ما انا علیہ واصحابی) کو چھوڑ کر وہ ایک جدید اسلام امت کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی نظر میں یہ صحیح اسلام ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ گمراہی ہے اس سے جتنا ممکن ہو سکے جلد از جلد توبہ کر کے سواد اعظم میں شمولیت کر لینا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ مخدوم العلماء حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ کو جزائے خیر عطا فرماویں کہ انہوں

نے مودودی صاحب اور ان کے متبعین کو بروقت متنبہ فرمایا ہے اور ان کی اصلاح کی کوشش فرمائی ہے۔ فقط

بندہ عبداللہ عفرلہٗ خادم الافتاء والتدریس خیر المدارس ملتان، العبد عبدالحق عفی عنہ مہتمم دارالعلوم

حقانیہ اکوڑہ خٹک، العبد محمد شفیع عفرلہٗ مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم ملتان۔

(ناراضگی کے اسباب ص۱۲۷، ۱۲۸)

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے جس خلوص و دردمندی کے ساتھ "حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب" تحریر فرمائے ہیں وہ خلوص و دردمندی اس شخص کی تحریر میں نہیں ہو سکتی جس کا شیوہ مخالفت برائے مخالفت ہو۔ چنانچہ ایک مشفق ناصح کے انداز میں مودودی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مودودی صاحب میں آپ کے حق میں صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں، اے اللہ! مودودی صاحب کو اس گمراہی کے گڑھے سے نکال۔ انہیں اپنے اس من گھڑت اسلام سے توبہ کی توفیق عطا فرما اور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام والے اسلام کا عقیدتمند اور عامل ہونے کی توفیق عطا فرما آمین یا الٰہ العٰلمین۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ تو مسلمانوں کو اس گمراہی سے بچا۔ اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین آمین (ناراضگی کے اسباب ص۴۷)

واقعہ یہ ہے کہ مودودی لٹریچر میں اقامتِ دین، اسلامی نظام وغیرہ کے الفاظ دیکھ کر اور پھر مودودی صاحب کے خیالات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق پڑھ کر بے اختیار یہ شعر زبان پر آجاتا ہے ؎

صورتِ دین را کہ می سازند تحسین می کنم معنیٔ دین را کہ می سوزند خلق آگاہ نیست

خاکسار تحریک:

خاکسار تحریک کے عروج کے زمانہ میں بزمانہ جنگ ۱۹۳۹ء جب حکومتِ وقت نے بعض مصالح کی بناء پر بعض علماء سے بانی تحریک خاکسار جماعت کے خلاف تکفیر کا فتویٰ حاصل کر لیا تو اس کی تکمیل کے لئے اس وقت کے وزیرِاعظم نے آپ کو چائے پر بلایا اور چائے پیش کرتے ہوئے یہ فتویٰ دستخط کے لئے آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ اگرچہ بانی تحریک کے تحریر کردہ عقائد کے بارے میں جملہ علمائے اسلام سے متفق تھے مگر عام خاکساروں کی (جو صرف عسکری افادیت کے پیشِ نظر شریکِ جماعت تھے) تکفیر کے لئے تیار نہ تھے۔ آپ نے چائے پینے سے انکار کر دیا اور یہ کہتے ہوئے واپس تشریف لے آئے، "وزیرِاعظم! ہوش میں آؤ! تم چائے کی ایک پیالی پر احمد علی کا ایمان خریدنا چاہتے ہو"۔ چنانچہ اس کی پاداش میں آپ کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی وارنٹ گرفتاری پہنچ چکے تھے، گھر پہنچتے ہی خاکسار تحریک کی حمایت کا الزام دے کر آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔

فتنۂ انکارِ حدیث پر پہلی کاری ضرب:

پاکستان میں فتنۂ انکارِ حدیث کی سرپرستی کرنے والے مسٹر غلام احمد پرویز ہیں۔ حدیث — حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ زندگی کا ریکارڈ ہے، اس پر اعتماد نہ کرنا کفر ہے، اس لئے کہ اللہ کے رسول کو رسول ماننے کا یہی مطلب ہے کہ ان کی بات مانی جائے۔ انہی کی زبان مبارک سے یہ اعلان ہوا کہ یہ اللہ کا کلام قرآن ہے۔ اگر اس مبارک زبان پر اعتماد نہیں تو قرآن پر کلام اللہ ہونے کی دلیل کیا ہے؟ آپ نے ۲۹ جنوری ۱۹۶۲ء کو دیال سنگھ کالج لاہور کے ایک عظیم الشان اجلاس کی صدارت کی اور صدارتی خطبہ میں اس فتنۂ انکارِ حدیث پر یہ کہتے ہوئے پہلی کاری ضرب لگائی۔

"یہاں بہت سی تقریریں ہوئی ہیں لیکن کسی مقرر نے وہ بات نہیں کہی جو میں کہتا ہوں۔ میں کہتا ہوں منکرِ حدیث منکرِ قرآن ہے، منکرِ قرآن خارج از اسلام یعنی بے ایمان ہے"۔

اس تاریخی اجلاس پر روزنامہ کوہستان لاہور ۲۹ جنوری ۱۹۶۲ء میں جناب احسان بی اے نے اپنے تاثرات تفصیل سے لکھے تھے۔ آپ کے اس اعلان کے بعد تمام علمی و دینی حلقوں کی طرف سے بالاتفاق "حدیث کے منکروں" پر فتویٰ کفر لگا دیا گیا۔

تحریکِ ختمِ نبوّت

ختم نبوت مسلمانوں کا اجتماعی اور بنیادی عقیدہ ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک مومن و مسلم نہیں ہو سکتا جب تک وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی کا اقرار نہ کرے۔

پنجاب کے ضلع گورداس پور" قادیان" کے رہنے والے ایک شخص مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا سرکار برطانیہ نے اس کی سرپرستی کی۔"عیار انگریز اس بات سے آگاہ تھے کہ برصغیر کے مسلمان مذہب کے بارے میں بیحد حساس ہیں اور یہ صرف اسلام ہی تھا جس نے انہیں متحد کر کے ایک عظیم طاقت بنا دیا تھا۔ اس لئے انگریزوں نے سوچا کہ اگر کسی طرح مسلمانوں کے اتحاد کو ختم کر کے ان کا شیرازہ بکھیر دیا جائے تو انہیں غلام بنانا زیادہ آسان ہو جائے گا، انگریزوں کو مرزا غلام احمد میں وہ تمام خصوصیات مل گئیں جو مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کے لئے ضروری تھیں۔ یہ بات ثبوت کی محتاج نہیں کہ مرزا غلام احمد انتشار و افتراق پیدا کرنے کیلئے انگریزوں کے آلہ کار تھے مسٹر جسٹس منیر اور مسٹر جسٹس کیانی نے بھی ۱۹۵۳ء میں پنجاب کے فسادات کے متعلق اپنی رپورٹ میں جو عام طور پر منیر رپورٹ کہلاتی ہے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے"۔

("احمدی مسلمان نہیں" ص۱۸ فیصلہ شیخ محمد رفیق صاحب سول جج جیمس آباد)

مرزا غلام احمد سے علماء کی ٹھن گئی۔" تردید و مخالفت کرنے والوں میں مشہور عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری مدیر "اہلِ حدیث" پیش پیش اور نمایاں تھے، مرزا صاحب نے ۵ / اپریل ۱۹۰۷ء میں اشتہار جاری کیا جس میں مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔ اگر میں ایسا ہی کذاب و مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی ہی میں ہلاک ہو جاؤں گا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذّاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت و حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔

اور اگر میں کذاب و مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے اُمید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے، پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے یعنی طاعون ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں"۔

(تبلیغ رسالت جلد دہم ص۱۲۰)

اس اشتہار کے ایک سال بعد ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب بمقام لاہور بعد عشاء اسہال میں مبتلا ہوئے اسہال کے ساتھ استفراغ

ف۱ ختم نبوت کا مسئلہ اسلامی تاریخ کے کسی دور میں مشکوک و مشتبہ نہیں رہا اور نہ اس پر بحث کی ضرورت سمجھی گئی، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد عطا نبوت کا دروازہ بند ہے۔ قرآن کی ایک سو آیتیں اور دو سو حدیثیں اس پر شاہد ہیں۔ علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون لکھتے ہیں کہ "اس امت میں پہلا اجماع دعویٰ نبوت کی وجہ سے مسیلمہ کذاب کے کفر پر ہوا اور اس کی دیگر برائیاں صحابہؓ کو اس کے قتل کے بعد معلوم ہوئیں اور اسی طرح کا اجماع بلا فصل قرناً بعد قرن مدعی نبوت کے کفر و ارتداد اور قتل پر جاری رہا اور تشریعی اور غیر تشریعی نبوت کی کوئی فصل نہیں پوچھی گئی۔ (بحوالہ خاتم النبیین علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ ص۳۳) علامہ قاری شرح فقہ اکبر مجتبائی ص۲۰۲ میں لکھتے ہیں۔ دعوی النبوۃ بعد نبینا کفرٌ بالاجماع ——— ہمارے نبی کے بعد دعویٰ نبوت بالاجماع کفر ہے۔

ف۲ مرزا غلام احمد ۱۸۳۹ یا ۱۸۴۰ء میں گورداسپور کے قصبہ قادیان میں پیدا ہوئے، انہوں نے خود لکھا ہے کہ میں ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے وقت سولہ سترہ برس کا تھا (حاشیہ کتاب البریہ ص۱۴۶) تعلیم گھر پہ حاصل کی پھر ۱۸۶۴ء میں ڈسٹرکٹ کورٹ سیالکوٹ میں کلرک کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔ ۱۸۶۸ء تک وہاں ملازمت کی، اسی زمانہ میں انہوں نے مختاری کا امتحان دیا لیکن اس میں ناکام رہے۔ (سیرت المہدی ص۱۵۶) ۱۸۶۸ء میں ملازمت سے استعفیٰ دیکر قادیان آگئے ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کیا (سیرۃ المہدی) پھر ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ (سیرۃ المہدی فصل سوم ص۱۲)

ف۳ مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم نے مرزا صاحب کی وفات کے پورے چالیس سال بعد ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء میں اسی برس کی عمر میں وفات پائی۔

بھی تھا۔ رات ہی کو علاج کی تدبیر کی گئی لیکن ضعف بڑھتا گیا اور حالت دگرگوں ہو گئی بالآخر ۲۶ مئی سہ شنبہ کو دن چڑھے مرزا صاحب نے انتقال کیا، مرزا صاحب کے خسر میر ناصر نواب صاحب کا بیان ہے، "حضرت مرزا صاحب جس رات کو بیمار ہوئے اس رات کو میں اپنے مقام پر جاکر سو چکا تھا، جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا تھا، جب میں حضرت صاحب کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے خطاب کرکے فرمایا میر صاحب! مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی یہاں تک کہ دوسرے دن دس بجے کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔" (حیات ناصر مرتبہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)

نعش قادیان لے جائی گئی۔ ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کو تدفین عمل میں آئی۔

مرزا صاحب کے اشتہار کے مطابق وبائی امراض طاعون، ہیضہ سے مولانا ثناء اللہ صاحب کا سالم و محفوظ رہنا اور خود مرزا صاحب کا ہیضہ سے مرجانا ان کے خدا کی طرف سے نہ ہونے اور کذاب ہونے کی بہت مضبوط دلیل ہے مگر مرزا صاحب کی جھوٹی نبوت انگریز سرکار کی سرپرستی میں کسی نہ کسی حد تک پروان چڑھتی رہی۔

قیام پاکستان کے بعد قادیانیوں نے پاکستان کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا۔ ان کی ان سرگرمیوں سے فرزندان اسلام کو تشویش ہوئی چنانچہ مسلمانوں کے تمام فرقوں نے مل کر حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ یہ ملک جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغیوں کو پنپنے کی اجازت نہ دی جائے۔ حکومت نے لیت ولعل سے کام لیا تو یہی مسئلہ تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ اس تحریک کو منظم کرکے تحریک شروع کی گئی۔

اس تحریک کے روح رواں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ دیگر علماء بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت لاہوریؒ نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اپنی مجاہدانہ اور بیباکانہ تقاریر سے مسلمانوں کے سوئے ہوئے جذبات کو بیدار کیا۔ آپ کی گرفتاری سے تحریک میں جان پڑ گئی، ازاں بعد ہزاروں مسلمانوں نے اپنی گرفتاریاں پیش کیں مغربی پاکستان کی جیلیں ناموس رسولﷺ کے تحفظ کرنے والے ان مجاہدوں سے بھر گئیں۔ آپ کو پیرانہ سالی کے باوجود جیل میں طرح طرح کی تکالیف دی گئیں، حتیٰ کہ زہر بھی دیا گیا، مگر اللہ تعالیٰ نے بچالیا، آپ کے پائے استقامت میں رائی بھر لغزش نہ آئی۔

قطب العالم حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے تھے کہ "امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ کا تحریک میں شامل ہونا اور گرفتاری پیش کرنا ہی دراصل تحریک کی کامیابی تھی۔"

بالآخر حکومت جھک گئی اور آپ کو رہا کر دیا۔ حکومت کا یہ جھکاؤ مطالبات تسلیم کرنے کے متعلق نہ تھا بلکہ رہائی کی حد تک تھا۔ ملک میں مارشل لاء لگا کر اس تحریک کو دبانے کی کوشش میں ہزاروں مجاہدوں نے جام شہادت نوش کیا۔

جہادِ کشمیر:

جہاد کشمیر میں افرادی قوت کی کمی نہ تھی بلکہ سامان جنگ اور دیگر ضروریات کی کمی تھی۔ اس جہاد میں حصہ لینے کی خاطر ہزاروں روپے کی وہ رقم جو شیرانوالہ مرکز میں جمع ہوتی آپ خود لے کر روانہ ہوتے اور اس وقت کی ذمہ دار شخصیت کے سپرد کر دیتے اور واپس آکر اس کا باقاعدہ اعلان کر دیتے۔ شب و روز اہمیت جہاد کے تذکرے ہوتے۔ فرماتے تھے، "دل کی تمنا یہی ہے کہ ڈوگروں کے مقابلے پر فرنٹ پر پہنچ کر صف اوّل میں شریک ہو جاؤں! سینے میں گولی لگے اور شہادت نصیب ہو جائے۔"

مجاہدین کو ضروریات مہیا کرنا بھی جہاد ہے جس میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

آزاد کشمیر میں میر واعظ محمد یوسف اور کرنل سید احمد علی شاہ کی کوششوں سے افتاء کا کام جاری ہوا کہ ہر تحصیل، ضلع اور صوبہ میں ایک ایک مفتی ہو تاکہ موجودہ نظام کو اسلامی نظام کے قریب تر لایا جاسکے، آپ کو مظفر آباد دعوت دی گئی۔ آپ حکومت آزاد کشمیر کے مہمان تھے۔ لیکن اپنے دیرینہ عقیدتمند جناب غازی خدا بخش صاحب کے ہیڈ کوارٹر پر بھی تشریف لے گئے۔

آزاد کشمیر میں مفتیوں کے تقرر کے طریق کار کو حکومت کشمیر نے آپ پر چھوڑ دیا۔ آپ نے امیدواروں کا تحریری امتحان لے کر انتخاب فرمایا ان کو گزیٹڈ آفیسر کی حیثیت دی۔ اس کام میں کرنل علی احمد شاہ بھی آپ کے ساتھ رہے۔

قرآنِ مجید کی عظیم خدمت :

آپ نے عمر بھر قرآن مجید کی لفظاً و معناً جو خدمت کی وہ آپ کی زندگی کے تجدیدی کارناموں میں سے ایک عظیم الشان کارنامہ ہے ۱۳۵۴ھ میں آپ نے قرآن مجید کے حفظ و ناظرہ کا اہتمام فرمایا اور اس کے لئے حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب کی روایت کے مطابق علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کو دارالعلوم دیوبند لکھا کہ ہمارے یہاں کوئی قاری بھجوا دیں جو علم قرأت کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیم دے سکیں۔ انہوں نے قاری عبد الکریم صاحب دیوبندی کو بھجوا دیا۔ لاہور میں وہ پہلے قاری تھے جنہوں نے تجوید و ترتیل کی ابتدا کی۔ موصوف سے مسلمان بچوں نے صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھا۔ یہیں سے حضرت الحاج محمد یوسف صاحب سیٹھی چیرمین تدریس القرآن ٹرسٹ[۱] راہوالی ضلع گوجرانوالہ اور ان کے والد متاثر ہوئے اور انہوں نے اس شعبہ کی خدمت کو اپنے اوپر لازم کر لیا۔ سیٹھی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ "۱۹۱۸،۱۹ء میں جب کہ میں لاہور کے اسلامیہ ہائی سکول بالمقابل مسجد لائن سبحان خان میں پڑھ رہا تھا تو حضرت (لاہوریؒ) کے مدرسے کا سالانہ جلسہ ہوا جس میں ایک بچے معظم نامی نے قرآن حکیم کی چند آیات با تجوید تلاوت فرمائیں جن کا مجھ پر اور میرے مرحوم والد شیخ حبیب اللہ رحمہ اللہ پر اتنا اثر ہوا کہ ہم نے قرآن حکیم کی یہ عظیم خدمت کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ انجمن حمایت اسلام کے اجلاس ۱۹۳۲ء میں ہم نے اپنے خرچ سے دار القرآن تعمیر کیا اور ایک قاری مقرر کیا، جہاں آج بحمد اللہ تعالیٰ درس جاری ہے۔"

جناب سیٹھی صاحب نے اس کے بعد ملک میں تجوید القرآن کے مدارس کا جال پھیلا دیا۔ اپنے اوقات قرآن مجید کی اس خدمت کیلئے وقف کر دیئے۔ اوقات کے ساتھ مال و دولت بھی نہایت فیاضی کے ساتھ خرچ کر رہے ہیں۔ پاکستان کے بعد سعودی عرب میں انہوں نے اس کام کا تعارف کرایا۔ وہاں پر سینکڑوں کی تعداد میں "تحفظ القرآن" کے نام سے مدارس چل رہے ہیں۔ موصوف کی مخلصانہ جدوجہد کی بناء پر انجمن تحفیظ القرآن الکریم مکہ مکرمہ کا انہیں مؤسس اور صدر منتخب کر لیا گیا۔ پانچ سال گزرنے کے بعد سیٹھی صاحب نے یہ کام انہیں کے سپرد کر دیا۔ لیکن بحیثیت بانی اب بھی آپ کا نام لکھا جاتا ہے۔ سعودی عرب میں اس کام کو چلانے کے بعد سیٹھی صاحب نے افریقہ کا رخ کیا ہے۔ نیز آپ نے ہی رابطہ عالم اسلامی سے ۱۳۹۳ھ میں تمام دنیا میں اس کام کو چلانے کی قرارداد بالاتفاق پاس کرالی۔

صوبہ سرحد اور پنجاب کے سکولوں میں حکومت سے قاریوں کا تقرر کرانے کی جدوجہد کا سہرا بھی انہی کے سر ہے حکومت آزاد کشمیر سے بھی آرڈر موصوف ہی نے کروایا ہے۔

آج ملک و بیرونِ ملک یہ کام جتنا پھیلا ہے اس کا سہرا شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ کے سر ہے کہ لاہور میں آپ ہی اس کے بانی تھے اور یہیں سے متاثر ہو کر جناب سیٹھی صاحب نے اس کام کو بڑھایا اور پھیلایا۔

قرآن مجید کی اس لفظی خدمت کے ساتھ آپ نے معنی و تفسیر کی جو خدمت کی وہ بھی ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

درسِ عام :

آپ نے عام مسلمانوں کو قرآن مجید سمجھانے کے لئے روزانہ نماز فجر کے بعد ایک گھنٹہ درسِ قرآن کا رکھا ہوا تھا۔ اس میں مردوں کے علاوہ مستورات بھی شریک ہوتی تھیں۔ ان کے لئے بیٹھنے کی الگ با پردہ جگہ ہوتی تھی اس میں سبھی قسم کے مسلمان شریک ہوتے تھے۔

درسِ خاص :

درسِ خاص میں مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل یا منتہی طلبا شریک ہوتے تھے۔ یکم رمضان سے یہ درس شروع ہوتا اور تین ماہ میں سارے قرآن کی انہیں تفسیر پڑھا دی جاتی تھی (اب بھی پڑھائی جاتی ہے) طلباء کے تمام مصارف انجمن خدام الدین برداشت کرتی ہے اور رہائش مدرسہ قاسم العلوم میں دی جاتی ہے۔ تفسیر کے اختتام پر باقاعدہ سندات دی جاتی تھیں اور

۱؎ تعلیم القرآن یا تدریس ٹرسٹ راہوالی نے اس کے بعد ملک اور بیرونِ ملک قرآن مجید کی جو عظیم خدمت کی ہے، علمائے حجاز نے اسے اس دور کا تجدیدی کارنامہ کہا ہے۔ سیٹھی صاحب نے ملک اور بیرونِ ملک تجوید القرآن کے مدارس کا جال پھیلا رکھا ہے۔ آج کل افریقہ کی طرف متوجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے کہ وہ قرآن کی اور خدمت کر سکیں۔

اب بھی دی جاتی ہیں ۔

درسِ خاص الخاص

درس خاص کی تکمیل کے بعد جو حضرات مزید تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند ہوتے انہیں آپ چار ماہ میں فلسفہ شریعت اور حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" پڑھاتے تھے ۔ ۱۹۴۰ء میں حجۃ اللہ البالغہ کا درس دینا جو آپ نے شروع کیا پھر زندگی کے آخری ایام تک اسے جاری رکھا ۔ اس میں شریک ہونے والوں میں سے چند ایک حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں :-

۱۔ حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب فاضل دیوبند خلف اکبر حضرت لاہوری
۲۔ علامہ علاء الدین صدیقی ایم اے، ایل ایل بی صدر شعبہ علوم اسلامی پنجاب یونیورسٹی و وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی (سابقاً)
۳۔ چودھری عبدالرحمٰن خاں صاحب ایم اے، ایل ایل بی (مرحوم)
۴۔ جناب مولانا بشیر احمد صاحب بی اے (مرحوم)
۵۔ چودھری عطاء اللہ خاں صاحب بی اے
۶۔ حافظ فضل الٰہی صاحب ایم اے
۷۔ مولانا غازی خدا بخش صاحب منشی فاضل
۸۔ مولانا عبدالعزیز مرحوم مالک الہلال بک ایجنسی
۹۔ ڈاکٹر عبداللطیف صاحب ایم بی بی ایس، بی ڈی ایس
۱۰۔ مولانا سیف الدین صاحب بہاری فاضل امروہہ
۱۱۔ جناب محمد مقبول عالم صاحب بی اے

اس درس میں عوام کے مطلب کی کوئی بات نہیں ہوتی تھی اور نہ وہ اسے سمجھ سکتے تھے اس لئے اس میں ان کو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی ۔

درسِ قرآن برائے خواتین

آپ نے خواتین کے لئے درس قرآن کا آغاز میاں غلام حسین صاحب ناظم خدام الدین کے مکان واقع قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں کیا ۔ یہ درس دو برس سے زائد عرصہ تک جاری رہا ۔ یہی درس بعد میں مدرسۃ البنات کی شکل اختیار کر گیا ۔ آپ سے درس لینے والی خواتین میں سے بعض مدرسۃ البنات سے متعلق ہو گئیں اور بعض نے اپنے اپنے گھروں میں قرآن کے درس جاری کر دیئے ۔ ان درسوں کے بارے میں دورِ جدید کے مشہور عالم دین اور مایہ ناز انشا پرداز حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مہتمم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا بیان پڑھئے ۔

"مولانا نے تقریباً نصف صدی تک قرآن مجید کی خدمت و اشاعت اور دینی دعوت و اصلاح کا کام کیا ۔ اس بارے میں ایسے انہماک، شغف و محویت، ثبات و استقامت کا ثبوت دیا جو بغیر اعلیٰ درجہ کی عزیمت، یقین و للہیت اور روحانی قوت کے مشکل ہے جب انگریزی حکومت نے ان کو دہلی سے جلاوطن کر کے (جہاں وہ مولانا عبیداللہ صاحب کے جانشین کی حیثیت سے قرآن مجید کے مضامین کی اشاعت اور جہاد و حریت کی تلقین کر رہے تھے) لاہور پہنچایا تو آپ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر درسِ قرآن کا آغاز کیا ۔ رفتہ رفتہ آپ شیرانوالہ دروازہ میں اس مسجد میں منتقل ہوئے جو لائن والی مسجد یا سبحان خاں کی مسجد کے نام سے مشہور ہے ۔ اس مسجد کا مسقف حصہ نہایت مختصر تھا جو اب بھی موجود ہے ۔ رفتہ رفتہ آپ کے درس نے شہر میں عام مقبولیت حاصل کرنی شروع کی اور پھر وہ پنجاب کا سب سے بڑا درس بن گیا ۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے آپ ہی کی وجہ سے پنجاب میں درس قرآن کا ذوق عام ہوا اور جگہ جگہ اس کی بنیاد پڑی ۔ یہاں تک کہ کسی بڑی مسجد اور پڑھے لکھے مسلمان محلہ کیلئے درس قرآن ایسا ضروری ہو گیا جس کے بغیر مسجد آباد اور خطیب کامیاب اور مفید نہیں سمجھا جاتا ۔ معمولاً آپ کے درس کے دو اوقات تھے، ایک فجر کی نماز کے کچھ دیر بعد، یہ عام درس تھا اور ایک مغرب کے بعد، یہ انگریزی دان طبقے، کالجوں کے طلبا کے لئے مخصوص تھا ۔ اس درس میں صرف جمعہ کے دن ناغہ ہوتا تھا یا جب

مولانا سفر میں ہوں۔ اس کے علاوہ چھٹی یا ناغہ کا کوئی دستور نہ تھا۔ بعض اوقات گھر میں میت رکھی ہوئی ہے اور مولانا اپنے درس کا معمول پورا فرما رہے ہیں۔ درس کے بعد حادثہ کی اطلاع دیتے ہیں اور لوگ میت کے جنازے میں شریک ہوتے ہیں۔

آخر شعبان سے ایک نئے درس کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ "علمائے کرام کی کلاس" کہلاتی تھی۔ یہ آخر شعبان سے شروع ہو کر غالباً آخر شوال میں ختم ہوتا تھا۔ یہ درس تین تین، چار چار گھنٹے جاری رہتا تھا۔ مولانا کا معمول تھا کہ پہلے امتحان لیتے پھر سبق پڑھاتے۔ اس درس میں صرف مدارس عربیہ کے فارغین اور آخری درجوں کے مستند طالبعلم لئے جاتے تھے۔ ان کی تعداد معمولاً پچاس وسو کے درمیان ہوتی تھی۔ آخر میں آخری امتحان ہوتا تھا اور پھر کسی صاحب نسبت بزرگ کے ہاتھ سے سندیں دی جاتی تھیں۔ یہ سند مطبوعہ ہوتی تھی۔ اس کا مضمون جو عربی میں تھا حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کا لکھا ہوا تھا۔ اس پر حضرت شاہ صاحب، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور غالباً حضرت مفتی کفایت اللہ[1] صاحب کے دستخط تھے۔

کبھی کبھی اثناء سال میں حجۃ اللہ البالغہ کا درس ہوتا تھا۔ مولانا کو اس کتاب کا بھی بڑا ذوق تھا اور انہوں نے بڑی محنت سے اس کو اپنے استاذ و مربی مولانا عبید اللہ صاحب سندھی سے پڑھا تھا اور بڑے جوش اور ولولے سے پڑھاتے تھے یہ درس بھی طویل ہوتا تھا اور کئی گھنٹے مسلسل جاری رہتا تھا۔ آخر میں اس کا بھی لاہور کے کوئی ممتاز عالم دین امتحان لیتے تھے اور نمبر دیتے تھے۔ راقم سطور کو بھی اس درس میں شرکت کرنے اور امتحان دینے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حجۃ اللہ کے علاوہ شاہ صاحب کی "الفوز الکبیر" اور موطا امام مالک کا درس بھی بڑے ذوق و شوق سے دیتے تھے۔

قرآن مجید کے درس میں مولانا اپنے استاذ مولانا عبید اللہ سندھی کے پورے متبع اور پیرو تھے اور ان کو ان کے طرز پر بڑا اعتماد تھا، اس طرز کی خصوصیت الاعتبار والتاویل کے طرز پر (جس کی مثالیں صوفیائے کرام کی کتابوں اور ان کے متصوفانہ نکات اور استنباطات میں بہت نمایاں نظر آتی ہیں) سیاست اور واقعات حاضرہ کے نقطۂ نظر سے قرآن مجید پر غور و فکر کرنا اور اس سے سیاسی اشارات اور رہنمائی حاصل کرنا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس طرز میں وہ صاف اثرات جھلکتے ہیں جو تحریک خلافت کے دور کی انگریز دشمنی اور اسلامی حکومت کے قیام اور آزادی کی والہانہ خواہش کا نتیجہ تھے، اور ان سے وہ سیاسی استغراق ظاہر ہوتا تھا جو اس عہد کی خصوصیت ہے۔ ان استنباطات کی علمی و تفسیری قدر و قیمت کے متعلق خواہ کوئی کتنا ہی تشبہ کرے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا احمد علی صاحب کی گہری روحانیت، باطنی تاثیر اور ان کا جذبہ اس پر ایسا حاوی تھا کہ وہ درس روحانی و اخلاقی طور پر طلباء کے لئے بڑے بڑے علمی درسوں سے کہیں زیادہ مفید اور موثر ثابت ہوتا تھا۔ خاص طور پر مولانا جب توحید خالص کا مضمون بیان کرتے (جس کی تقریب مولانا اپنے دعوتی جذبے کی بناء پر اکثر پیدا فرما لیا کرتے اور قرآن مجید کے مضامین ان کی مدد کرتے) اہل اللہ خصوصاً اپنے سلسلہ کے مشائخ کے تعلق باللہ، توکل اور روحانیت کے واقعات بیان کرتے یا الحبُّ للّٰہ البغض للّٰہ کا مضمون بیان فرماتے اور اس سلسلہ میں اشداء علی الکفار کی تفسیر بیان فرماتے اور حکومت برطانیہ کی اسلام دشمنی کا تذکرہ کرتے تو قلب پر عجیب اثر ہوتا اور یہی اس درس کی اصل قدر و قیمت تھی، اہل اللہ کے واقعات میں ایسا سوز و گداز ہوتا کہ اس سلسلہ کے مضامین بجلی کا اثر رکھتے تھے۔ اور ان سے ذکر الٰہی و خدا طلبی کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ راقم سطور کو جو اس سے پہلے ایک خالص ادبی، علمی ماحول میں رہا تھا۔ مردان خدا کی خدمت میں حاضر ہونے، ان سے تعلق پیدا کرنے اور اپنے نفس کی اصلاح کا شوق اسی درس سے پیدا ہوا اور یہ اس درس کا احسان عظیم ہے۔ بعد میں جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ترجمہ اور تفسیر قرآن کے اسباق سپرد ہوئے تو اس سے مجھے مدد ملی۔"

(ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ماہ شوال ۱۳۸۱ھ ص ۱۸-۲۰)

---

[1] حضرت مفتی صاحب کے دستخط سند پر نہیں تھے۔ باقی حضرات کے اس وقت بھی تھے اور اب بھی ہیں۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ دورۂ حدیث کے اختتام پر جب فارغ التحصیل علماء کو دستارِ فضیلت بندھواتے تو فرمایا کرتے تھے "علم کی تحصیل آپ نے آٹھ سال دیوبند میں رہ کر کی لیکن تکمیل آپ کی لاہور جاکر حضرت مولانا احمد علی کے دورۂ تفسیر میں ہوگی، اللہ کا ایک شیر لاہور کے دروازہ شیرانوالہ میں بیٹھا ہوا اللہ اللہ کی ضربوں سے کائنات کا دل مسخر کرنے میں مصروف ہے، وہ اللہ کا ایسا مقبول بندہ ہے کہ اس کے درسِ قرآن میں شمولیت جنت کی ضمانت ہے"۔

جناب قاضی محمد عدیل عباسی ایڈووکیٹ ایڈیٹر روزنامہ زمیندار (سابقاً) جو آپ کے بہت قریب رہے اور ان درسوں میں بھی شریک رہے لکھتے ہیں کہ "دیوبند وغیرہ کے کثیر التعداد فارغ التحصیل طلباء مولانا سے "ترتیبِ آیات" پڑھنے آیا کرتے تھے اور مولانا ان کو صرف یہ سبق دیتے تھے کہ ایک آیت کا دوسری آیت سے کیا ربط ہے ...... اس درس میں چار پانچ سو آدمیوں سے کم کبھی نہیں ہوتے تھے اور انگریز کے سی، آئی، ڈی علانیہ تقریر نوٹ کرتے رہتے تھے، بایں ہمہ مولانا کی حق گوئی و بے باکی ہمیشہ عروج پر رہی اور اس حد تک کہ بسا اوقات ہم لوگوں کو جو اس وقت جوان تھے اور تحریکِ خلافت میں حصہ لے رہے تھے سخت حیرت ہوتی ...... یہ لوگ (آپ سے پڑھنے والے) اس درجہ متاثر ہوتے تھے کہ کبھی کبھی ان لوگوں میں سے کوئی انگریزی اخبارات میں فضائل اسلام پر مضمون بھی لکھتا جو شائع بھی ہوتے تھے، اس طرح پورا دن گزر جاتا تھا۔ بجز کلام پاک کی تعلیم کے اور کوئی مشغلہ نہ تھا، صرف ایک ذوق تھا کہ مسلمان قرآن یا مطلب پڑھیں اور اس کا پیغام سمجھیں اور اپنے آپ کو اس تعلیم کے سانچہ میں ڈھالیں گویا ؏

ازتاک بادہ گیرم و در ساغر افگنم، کے مصداق بنیں۔ ان کے ہاں قرآن کی تعلیم کے سلسلہ میں کسی معاوضہ کا کوئی سوال نہ تھا، بس خالصۃً لوجہ اللہ تعلیم دیتے تھے۔ ایک دن ایک نکاح کی تقریب تھی بہت لوگ جمع تھے، وہاں ایک بیرسٹر صاحب جو مسلمان تھے کہنے لگے کہ "دیکھئے قرآن نے شروع میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ ہے کتاب جس میں کوئی شک نہیں، دعویٰ بلا دلیل"۔ مولانا کچھ دور بیٹھے سُن رہے تھے، سکوت اختیار فرمایا پھر بیرسٹر صاحب کے قریب آئے اور ان سے کہا کہ "میں قانون پڑھنا چاہتا ہوں مگر انگریزی نہیں جانتا آپ مجھے اردو کی کچھ کتابیں بتا دیں تاکہ میں قانون کا ماہر بن جاؤں"۔ بیرسٹر صاحب بھڑک اٹھے کہنے لگے "قانون سمجھنے کے لئے اس ٹریننگ کی ضرورت ہوتی ہے، متعلقہ علوم کا مطالعہ ضروری ہے، صرف ترجمہ سے آپ قانون کیسے سمجھ لیں گے"۔ مولانا اصرار فرماتے رہے اور وہ شدت سے مخالفت کرتے رہے۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو مولانا نے کہا کہ "انسانوں کے بنائے قوانین کے فہم و ادراک پر تو اس درجہ پابندیاں ہیں تو کیا خدا کے بنائے ہوئے قوانین یونہی ترجمہ سے آپ سمجھ لیں گے جو آپ ابھی اعتراض فرما رہے تھے"۔ بیرسٹر صاحب بہت خفیف ہوئے اور دیر تک معذرت کرتے رہے اور مولانا سے قرآن پڑھنے کی بھی خواہش ظاہر کی، مولانا تو اس کے لئے تیار ہی تھے۔ مگر بیرسٹر صاحب کے پاس مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے کا وقت نہ تھا۔ تو مولانا نے خود پیش کش کی کہ وہ ان کے مکان پر جاکر تعلیم دیا کریں گے، مگر جب بیرسٹر صاحب نے کہا کہ وہ اپنا موٹر بھیج دیں گے تو مولانا نے انکار کیا اور کہا کہ کسی قسم کا معاوضہ تعلیم کے لئے میں قبول نہیں کر سکتا۔ میں اپنی سائیکل پر آپ کے گھر آکر آپ کو قرآن پڑھاؤں گا، ہر گھر میں درسِ قرآن کے پھیلانے کا ایسا ہمہ گیر جذبہ تھا کہ کوئی بڑی سے بڑی مشقت ان کے لئے گراں نہ تھی"۔

(ماہنامہ الفرقان لکھنو بابت ماہ ذیعقدہ ۱۳۸۱ھ ص ۵۲-۵۴)

مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب نے فارغ التحصیل شرکاء درس کی تعداد پچاس اور سو کے درمیان لکھی ہے جب کہ قاضی محمد عدیل عباسی صاحب نے چار پانچ سو۔ یہ فرق زمانہ کی وجہ سے ہے۔ جس وقت اور زمانہ کی تعداد مولانا ابوالحسن ندوی نے پچاس اور سو کے درمیان لکھی، اس وقت یقیناً اتنی ہی تعداد ہوگی۔ قاضی صاحب موصوف کے وقت حلقۂ درس خاصا وسیع ہوجانے کی وجہ سے شرکاء درس کی تعداد چار پانچ سو ہوجانا کوئی مستبعد نہیں۔ آپ کی اتنی قرآنی خدمت سے متاثر ہوکر ماسٹر لال دین اخگر نے "خدام الدین" میں "شہیدِ قرآن" کے عنوان کے تحت مضامین لکھے جو بعد میں "انوارِ ولایت" کی صورت میں شائع ہوتے اور جناب محمد یوسف صاحب ایم اے پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور چھاؤنی نے "ایک مفسرِ قرآن" کتاب لکھی۔

آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ تلامذہ بھی دو قسم کے اور نہایت باکمال۔ آپ سے تلمّذ جیّد علماء کو بھی تھا اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کو بھی۔ اس وقت ان میں سے صرف ممتاز ترین حضرات ہی کے نام لکھے جائیں گے ۔

۱۔ علامہ سیّد ابوالحسن علی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو (صاحب تصانیف کثیرہ) و ممبر رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرّمہ ۔

۲۔ حضرت مولانا محمدؐ طاہر صاحب قاسمی (مرحوم) نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند (سابقاً)

۳۔ حضرت مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی فاضل دیوبند (مرحوم) خطیب و مہتمم دارالعلوم عثمانیہ ورکشاپی محلہ راولپنڈی ۔

۴۔ حضرت مولانا کفیل احمد صاحب بجنوری استاد مدرسہ انصاریہ کلکتہ ۔

۵۔ حضرت مولانا ابوالبیان حماد صاحب ۔

۶۔ حضرت مولانا مفتی بشیر احمد صاحب پسروری مدظلہ ۔

۱۔ علامہ علاء الدین صدیقی صاحب وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی (سابقاً)

۲۔ جناب خواجہ عبدالوحید صاحب ایڈیٹر "الاسلام" (انگلش) کراچی ۔

۳۔ جناب ڈاکٹر سیّد عبداللہ صاحب ہزاروی (ایم اے، پی ایچ ڈی) پرنسپل اورینٹل کالج لاہور (سابقاً) صدر دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور (حالاً)

۴۔ جناب ڈاکٹر محمدؐ فاروق صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی پروفیسر دیال سنگھ کالج لاہور

۵۔ جناب شیخ محمدؐ عظیم اللہ صاحب ایڈووکیٹ لاہور

۶۔ جناب پروفیسر سعادت علی خاں صاحب ایم اے پرنسپل (ریٹائرڈ)

۷۔ جناب مولوی بشیر احمد صاحب لدھیانوی بی اے (مرحوم)

۸۔ جناب محمدؐ مقبول عالم صاحب بی اے ۔

۹۔ حافظ فضل الٰہی صاحب ایم اے ۔

۱۰۔ جناب ڈاکٹر عبداللطیف ایم بی بی ایس، بی ڈی ایس ۔

۱۱۔ چودہری عبدالرحمن خان صاحب ایم اے، ایل ایل بی ۔

پاکستان میں تحریک احیائے اسلام اور جہاد حریت کی ایک ناقابل فراموش



مولوی عبیداللہ احرار، جامعہ فاروقیہ کراچی

برصغیر کی تاریخ میں انیسویں صدی کا نصف آخر عالم اسلام کے لئے بڑا ہی پُر آشوب دَور تھا۔ یہ وہ دَور تھا۔ جب انگریز مسلمانوں کا نام ونشان تک مٹا دینے پر تلا ہوا تھا۔ جب برصغیر پاک وہند کے مسلمان اپنے مستقبل کے افق پر سیاہ گھٹائیں اور تاریک وتند آندھیاں دیکھ رہے تھے۔ علمائے کرام اور بڑے بڑے صلحائے اُمت کو چن چن کر تختہ دار پر لٹکایا جا رہا تھا۔ عام حق پرستوں کو ذلیل اور دینی اداروں کو تباہ وبرباد کیا جا رہا تھا۔ ہرطرف مایوسی اور خوف وہراس کا دَور دورہ تھا۔ فرزندانِ توحید جنہوں نے صدیوں برصغیر پرعظمتِ اسلام کے پرچم بلند کئے تھے۔ صبر آزما مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ اپنے آپ کو راہِ حق پر قربان کرنا تو جانتے تھے۔ لیکن انہیں ضرورت تھی۔ ایک ایسے سپہ سالار کی جو اللہ الامر کا پرچم لے کر آگے بڑھے اور بکھرے ہوئے سپوتوں کی پھر سے صف بندی کرے۔ ابھی چند ہی انتظار کی گھڑیاں بیتی تھیں کہ اتنے میں ایک مردِ مجاہد حق و صداقت کا پیکر۔ انسانیت کا علمبردار، علم وفکر کا معلم محبوبِ خدا کا سچا عاشق۔ تکلفات سے بے نیاز۔ قناعت تقویٰ وطہارت میں بے مثال۔ سرتاپا زہد وعبادت۔ مجسمہ علم وعمل۔ قاطع شرک وبدعت عالمِ آب وگل میں تشریف لاتے ہیں۔ یہ ہیں ہمارے محبوب قائد مولانا احمد علی لاہوری جن کی شخصیت رہتی دنیا تک مشعلِ راہ رہے گی اور بھٹکے ہوئے راہی اس چراغ سے روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔

بڑی مدت کے بعد ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور مئے خانہ

آپ کی ولادت باسعادت ۲/ رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک ۱۳۰۴ھ ہجری کو ہوئی۔ آپ کے والد صاحب کا نام شیخ حبیب اللہ ہے۔ آبائی وطن قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ ہے۔ یہ قصبہ ریلوے اسٹیشن گکھڑ سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ کے والد صاحب نہایت دیندار اور بزرگ آدمی تھے اور نسبت چشتیہ میں بلند مقام کے مالک تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ پیدائشی مسلمان اور پابند صوم وصلوۃ تھیں۔ آپ کے والدین نے نذر مانی تھی کہ اگر بیٹا پیدا ہوا تو اسے دینِ اسلام کے لئے وقف کر دینگے۔ جیسا کہ حضرت مریم علیہ السلام کی والدہ نے جناب ربِ کریم سے منت مانی تھی کہ رب انی نذرت لك ما فی بطنی محررا (آل عمران ۳۵)

قدرت خداوندی ہے کہ جس ذات برکات نے دنیا میں معلم القرآن ومفسرِ قرآن ہو کر قرآنی علوم ومعارف کی اشاعت کا مقدس فریضہ سرانجام دینا تھا۔ اس کی تعلیم کا آغاز بھی قرآن پاک پڑھنے سے ہوا پھر احسان یہ کہ آپ کو اس کائنات ارضی پر پیدا بھی ایک ایسے ماہِ مبارک میں فرمایا گیا۔ جس میں قرآن پاک کا نزول ہوتا ہے۔ بچپن کی حالت میں آپ کی والدہ ماجدہ خود آپ کو قرآن پاک پڑھاتی ہیں۔ پھر کچھ دنوں کے بعد آپ کو سکول میں داخل کرا دیا جاتا ہے۔ یہ سکول آپ کے شہر سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ اپنے ہم جولیوں کے ساتھ روزانہ صبح سکول جاتے اور شام کو واپس آجاتے۔ آپ کے والد صاحب کے باقی تمام رشتہ دار غیر مسلم تھے۔ وہ آپ کو ہر وقت ستاتے رہتے اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے اس گاؤں کو چھوڑ دیا اور موضع باہو چک میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ چک قصبہ جلال سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ لیکن اس چک میں تعلیم کا کوئی انتظام نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے والد صاحب نے آپ کو دوسرے قصبہ تلونڈی کھجور والی کے سکول میں داخل کر وا دیا۔ آپ پانچ سال تک اس سکول میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ لیکن درحقیقت آپ کی درسگاہ

یہ نہ تھی۔ کیونکہ اللہ کے لئے مانی ہوئی نذر کو اِن قتل گاہوں سے مسلم نہیں مل سکتا۔ اللہ کے لئے وقف کی ہوئی اولاد کے لئے وہی درسگاہ ہو سکتی ہے جسے اللہ کے ساتھ نسبت تعلق ہو۔ آخر کار شیخ حبیب اللہ صاحب نے آپ کو سکول سے بلوا کر مولانا عبد الحق خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ کے حلقہ درس میں شامل کر دیا۔ جہاں نصاب فارسی سے آپ کی دینی تعلیم کا آغاز ہوا۔ خوش بخت استاد نے خوش نصیب لڑکے کو اپنے پاس ہی رکھا۔ آپ دورانِ تعلیم گوجرانوالہ میں ہی مقیم رہے۔ مگر گاہے گاہے اپنے والدین سے ملنے کے لئے گاؤں تشریف لے جاتے کچھ عرصہ یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ کے والد ماجد نے اپنے لختِ جگر کو حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ یہ بچہ میں نے دین کے لئے وقف کیا ہے۔ اسے قبول کیجئے۔ مولانا سندھیؒ نے خوشی سے گلے لگا لیا اور جاتے ہوئے اپنے ساتھ سندھ لے گئے۔ اب تربیت کی تمام تر ذمہ داری حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے کندھوں پر ہے اور سچ تو یہ ہے کہ استاد اور شاگرد دونوں نے اپنی اپنی ذمہ داریاں جس طرح پوری زندگی میں نبھائیں۔ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ایک لمحہ بھر کے لئے بھی کسی نے اپنی ذمہ داری سے انحراف نہیں کیا۔ پھر اس بچے نے اپنے والدین کے نیک ارادوں اور نیک تمناؤں کو جس طرح پورا کیا۔ اس کے متعلق چودہویں صدی کے سب سے بڑے خطیب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری فرمایا کرتے تھے۔ لوگو تم نے قرآن کو چھوڑ دیا تو اللہ نے سکھوں کے خاندان میں احمد علی کو پیدا کر دیا۔

آپ نو برس کے تھے کہ آپ کے والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اس وقت آپ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے ساتھ شیخ المشائخ حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوریؒ کے ہاں مقیم تھے۔ مولانا سندھیؒ اور حضرت کے والد ویسے بھی رشتہ دار تھے۔ چنانچہ اس بنا پر حضرت دین پوریؒ نے حضرت کی والدہ کا نکاح مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے کرا دیا۔ تاکہ حضرت کے چھوٹے بھائیوں کی صحیح طور پر نگہداشت ہو سکے۔ لیکن شومئے قسمت کہ آپ کی والدہ ماجدہ بھی حضرت سندھیؒ کے عقد میں آنے کے بعد زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکیں۔ آخر مولانا کو کم سنی ہی میں ماں کی شفقت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہونا پڑا۔ حضرت کے بچپن کا زمانہ بڑا ہی پُرمشقت اور مصائب سے آراستہ تھا۔ اسی وجہ سے حضرت کی تمام عمر کی سخت کوشی مصائب کو خندہ پیشانی اور جرات سے جھیلنے کا بے پناہ جذبہ اسی بچپن کی تربیت نے ہی پیدا کی تھی اور اس میں مولانا سندھیؒ کی سخت گیر طبیعت کا بہت بڑا دخل تھا۔ آپ کو ہر وقت کام میں مصروف رکھتے۔ آپ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے۔ گھر کا پانی بھرتے۔ چھوٹے بھائیوں کے کپڑے دھوتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ سالہا سال تک آپ یہ کام سرانجام دیتے رہے۔ لیکن کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں آیا۔ اس کے علاوہ بھی مولانا کافی مدت تک ایک روٹی پر ہی گزارہ کرتے رہے۔ حضرت سندھیؒ کے گھر سے دو روٹیاں آتیں ایک آپ خود کھا لیتے اور ایک حضرت کو دے دیتے اگرچہ اس ایک روٹی سے بھوک پوری طرح نہیں مرتی تھی۔ لیکن پھر بھی آپ نے نہ تو کبھی شکوہ کیا اور نہ ہی شکایت میں لب ہے۔ یہ سلسلہ خدمتات قیام دہلی اور نظارۃ المعارف میں تدریس کی ابتداء تک رہا۔

ہر تربیت آنے والی مجاہدانہ اور سرفروشانہ زندگی کی تیاری تھی ------ آپ کے شیوخ قطب الاقطاب ولی اللہ بزرگ حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ اور حضرت مولانا دین پوریؒ نے خود ہی حضرت کو نورِ فراست سے پہچان لیا اور سلسلہ قادریہ میں بیعت کر لیا۔ حضرت اس وقت بیعت کے مفہوم سے بھی ناآشنا تھے۔ چونکہ آپ اس وقت عمر کے اعتبار سے چھوٹے تھے۔ تقریباً نو سال کے لگ بھگ آپ کی عمر ہو گی۔ حضرت کی تعلیم کتاب اللہ اور تزکیہ باطن دونوں ساتھ ساتھ شروع ہوئے۔ ۱۳۱۹ ہجری میں گوٹھ پیر جھنڈا میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنے دستِ مبارک سے ایک مدرسہ دار الرشاد کھولا۔ مولانا سندھیؒ پہلے تو اکیلے ہی گوٹھ پیر جھنڈا تشریف لے گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد حضرتؒ کو بھی بلا لیا اور یہاں حضرت نے تعلیم حاصل کی۔ تقریباً چھ سال کے عرصہ میں درسِ نظامی کی تکمیل کر لی۔ مدرسہ دار الرشاد میں سب سے پہلے فارغ ہونے والے پانچ طلبا میں سے آپ ایک تھے اس جماعت کی دستار بندی کا جلسہ ہوا تو پیر جھنڈا نے جلسہ کی صدارت کے لئے شیخ حسین ابن محسن انصاری یمنی کو ریاست بھوپال سے بلوایا۔ یہ دستار بندی تقریباً ۱۳۲۷ھ کی ابتداء میں ہوئی۔ تکمیل علم کے بعد آپ کو حضرت سندھیؒ نے اسی مدرسہ میں مدرس مقرر کر دیا۔ یہاں آپ نے تین سال تک تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ آپ حضرت مولانا سندھیؒ کے بہت ہی منظور نظر تھے۔ آپ نے جب مدرسہ دار الرشاد

میں کام شروع کیا تو اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا سندھیؒ نے اپنی صاحبزادی سے آپ کا نکاح کر دیا۔ آپ کا ایک بیٹا پیدا ہوا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد فوت ہوگیا اور اس کے بعد حضرت کی گھر والی بھی اس دار فانی سے رخصت ہوگئیں۔ پھر آپ کا نکاح حضرت مولانا ابو محمد احمد صاحب کی لڑکی سے ہوا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں آپ کا نکاح پڑھا۔ آپ نے حضرت سندھیؒ کے حکم سے نواب شاہ صوبہ سندھ میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ کچھ عرصہ یہاں آپ تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے۔ اس کے بعد حضرت سندھیؒ نے دہلی میں مدرسہ نظارۃ المعارف قائم کیا تو آپ کو نواب شاہ سے دہلی بلوا لیا۔ یہ مدرسہ فرنگی کی نظروں میں کانٹے کی طرح چبھتا تھا۔ کیونکہ مدرسہ ہٰذا سے مقصود ہندوستانی مسلمانوں میں مذہبی ولولہ اور جنگی جوش پیدا کرنا اور ان کو فرائضِ جہاد کی ادائیگی پر آمادہ کرنا تھا۔ مولانا سندھیؒ کو بعض احباب نے مشورہ دیا کہ گاہے بگاہے علماء کی جماعت کو دیہاتوں میں تبلیغی اصلاحی غرض سے بھیجنا چاہیئے تاکہ تبلیغ کے ساتھ ساتھ علماء پیدل سفر کرنے اور اس کے علاوہ وہ سفر کی مشکلات سہہ سکیں۔ چنانچہ اس تجویز کے تحت پہلے ایک شہر آگرہ کے دیہاتوں کے لئے حضرت کو بمعہ تین دوسرے احباب کے بھیجا گیا۔ آپ نے پچیس دیہات کا دورہ کیا۔ مگر سوائے ایک بستی کے کسی اور جگہ مسجد نہ پائی۔ ان دیہاتوں کے باشندے اسلامی تعلیم و تربیت سے بالکل ناآشنا تھے۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ تو کجا مکہ مکرمہ کے نام تک سے ناواقف تھے

جہالت کا یہ عالم تھا کہ ان کے نام کچھ اس طرح کے تھے۔ محمد رام۔ محمد سنگھ وغیرہ وغیرہ ان کا تمدن اسلام سے دور اور بالکل ہندوانہ تھا۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارے نکاح جنازے وغیرہ کون پڑھاتا ہے۔ انہوں نے ایک جگہ کا نام بتایا۔ آپ اس جگہ تشریف لے گئے اور اُس آدمی کو تلاش کیا۔ جوان کو نمازیں وغیرہ پڑھاتا تھا۔ اس کے ملنے پر آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ قاضی صاحب کیا آپ نے عربی پڑھی ہوئی ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا۔ فارسی جانتے ہو تو اس نے کہا نہیں۔ آخر فرمایا کچھ پڑھے ہوئے ہو تو اس نے جواب دیا کہ سوائے خط پڑھنے کے اور کچھ نہیں جانتا۔ آپ نے یہ حالات سُن کر بہت افسوس کا اظہار فرمایا۔ واپس آکر اُن لوگوں سے پوچھا کہ تم کو کلمہ آتا ہے۔ سب نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپ نے سب کو کلمہ پڑھایا اور ان کے غیر اسلامی نام تبدیل کر کے اسلامی نام رکھے۔ یہ تھا آپ کا تبلیغی سفر آگرہ کے دیہاتوں کا۔ ----------

تحریک ریشمی رومال میں حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم کارنامے

---------- دراصل جمعیت انصار۔ نظارۃ المعارف دہلی اور ریشمی خطوط کی سازش اس عظیم انقلابی پروگرام کی اہم کڑیاں تھیں جسے حضرت شیخ الہندؒ نے اتحاد عالم اسلام اور آزادیٔ ہند کے لئے تجویز فرمایا تھا۔ جب حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھی کو کابل اور حضرت رحمتہ علیہ کو دہلی میں تعینات فرمایا تو خود حجاز تشریف لے گئے۔ مولانا محمد میاں انصاریؒ اس عظیم تحریک کے رابطہ افسر ہونے کے علاوہ ہندوستان اور آزاد قبائل میں تحریک آزادی کے نقیب اور محرک قرار پائے۔ ۱۹۱۴ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی تحریک کی تائید میں غازی انور پاشا اور حجاز کے گورنر غالب پاشا کی حمایت حاصل کی۔ ان اکابر نے افغانستان اور آزاد قبائل کے باشندوں برطانیہ کے خلاف جہاد کرنے کی اپیلیں جاری کیں۔ جو کسی حد تک کامیاب رہیں۔

حضرت مولانا محمد میاں انصاری صاحب تحریک کے آخری مراحل میں ان اکابر کے پیغامات لے کر حجاز سے ہندوستان آئے اور

آپ نے ہندوستان و قبائلی علاقے اور افغانستان میں نہایت وسیع پیمانے پر ان اپیلوں کی تشہیر کی۔ یہ اپیلیں زرد رنگ کے ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی تھیں۔ تحریک کے تمام جیالے کارکن آپس میں زرد ریشمی کپڑے پر تحریر کر کے ارسال کیا کرتے تھے۔ آٹھ رمضان المبارک ۹ / جولائی ۱۹۱۴ء میں مولانا محمد میاں نے تحریک سے متعلق ایک مفصل رپورٹ حیدرآباد سندھ کے شیخ عبدالرحیم کی معرفت حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حجاز روانہ کیں۔ یہ رپورٹ زرد ریشمی رومال پر تحریر تھی اور اس میں ترک وفد کے ساتھ کابل مجاہدین ہند کی نقل و حرکت اور اشاعت تحریک کی وجوہات درج تھیں۔ نیز اس رپورٹ میں آزاد حکومت ہند کی تجویز اور خدائی فوج کی تشکیل کا خاکہ رقم تھا۔ لیکن شومیٔ قسمت

کہ یہ اہم دستاویزات برطانوی حکومت کے ہاتھ لگیں، اور اس طرح اگست ۱۹۱۴ء میں اس تحریکِ جہاد کا انکشاف ہوگیا۔ اس کے بعد سرکردہ رہنماؤں اور جانثار کارکنوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کو حجاز میں اور حضرت رحمتہ اللہ علیہ کو دہلی سے گرفتار کر کے مختلف مقامات پر نظر بند کر دیا گیا اور انگریز ملعون نے سب کو بیک وقت اس طرح گرفتار کیا کہ ایک دوسرے کو خبر نہ ہو سکی۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی گرفتاری

حضرت ایک دن حسبِ معمول صبح کی نماز کے بعد نظارۃ المعارف القرانیہ میں درس قرآن پاک دے رہے تھے کہ اتنے میں ایک انگریز سپرنٹنڈنٹ اور دو مجسٹریٹ درسگاہ میں پہنچ گئے۔ سپرنٹنڈنٹ آگے بڑھا اور وارنٹ گرفتاری دکھا کر گرفتار کر لیا۔ پولیس کمرہ کو مقفل کر کے آپ کے مکان پر لے گئی۔ وہاں آپ کے بال بچوں کو مکان کی چھت پر چڑھا دیا اور گھر کی تلاشی شروع کر دی۔ مولانا کی قلمی تحریریں قرآن مجید اور وہ کتابیں جو انگریز نے مخدوش سمجھیں ایک ٹرنک میں بند کر دیں۔ سی. آئی. ڈی کے ایک مسلمان ملازم جو روزانہ حضرت کے پاس درسِ قرآن مجید میں شرکت کے لئے آیا کرتا تھا۔ چھت کی طرف تجسسانہ نگاہ ڈالی۔ چھت کی لکڑیوں میں ٹین کی ایک چمکتی ہوئی نلکی اسکو نظر آئی اور اس نے وہ اُتار لی۔ حضرت کے گھر کی تلاشی کے بعد پولیس واپس آپ کو مدرسہ لے گئی۔ یہاں مدرسہ کی تلاشی شروع کر دی۔ مدرسہ میں سوائے کتابوں کے اور کیا ہوتا۔ لیکن پولیس نے سمجھا کہ یہی کتابیں ان کا اصل اسلحہ ہیں۔ یہ تمام کتابیں جمع کر کے ایک ٹرنک میں جمع کر دیں اور اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت کو تھانہ کوتوالی لے گئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت کی اپنی تلاشی لی۔ حتیٰ کہ جو کوٹ آپ نے پہن رکھا تھا۔ اسکو بھی اتار لیا اور جگہ جگہ سے اُدھیڑ کر دیکھا کہ کہیں اس میں سازشی خطوط تو نہیں۔ حضرت کچھ عرصہ دہلی حوالات میں رہے۔ پھر آپ کو شہر سے باہر منتقل کر دیا گیا۔ چند دن کے لئے شملہ لے جایا گیا اور شملے آپ کو اس حالت میں لے گئے کہ آپ کو ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔ آپ ایک افسر کے سامنے پیش کئے گئے۔

اس نے حکم دیا کہ ملزم کو شملہ حوالات میں بند کر دیا جائے۔ اتفاق سے جیل کا سپرنٹنڈنٹ کچھ شریف طبع تھا۔ اس نے ماتحت عملے کو حکم دیا کہ حضرت کو وضو کرنے کے لئے بغیر ہتھکڑی جانے دیا جائے۔ چونکہ مسجد تھانے سے باہر تھی۔

کچھ عرصہ بعد پولیس نے حکام اعلیٰ کی تعمیل پر حضرت کو ہتھکڑی لگا کر لاہور بھیج دیا۔ کچھ دن آپ نے لاہور میں گزارے۔ پھر لاہور سے جالندھر منتقل کر دیئے گئے۔ ۲۵ دن آپ یہاں ٹھہرے۔ آپ کو جالندھر شہر کی ایک جیل میں رکھا گیا۔ یہاں معلوم ہوا کہ حضرت شیخؒ بھی گرفتار ہیں کچھ دنوں بعد جالندھر سے راہوں جیل میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں ابھی آپ کو چند گھنٹے ہی گزرے تھے۔ کہ جالندھر کا ڈپٹی کمشنر آیا اور اس نے حضرت کو کہا کہ گورنمنٹ آپ کو راہوں میں نظر بند کرتی ہے اور تم اس قصبہ سے باہر نہیں جا سکتے اور نہ ہی تم کو کوئی بیرونی آدمی مل سکتا ہے اور تم کو پندرہ روپے جیل سے خورد الاؤنس کے لئے ملا کرینگے۔ اسی سے آپ نے کھانا ہوگا۔ اس جیل میں آپ کچھ عرصہ ٹھہرے۔ جیل کے متصل ایک مسجد تھی۔ آپ دن بھر مسجد میں رہتے اور رات کو پھر جیل چلے جاتے اس جیل کا انسپکٹر پولیس ایک سکھ تھا۔ اس نے مسلمان سپاہیوں کو حکم دیا کہ تم حضرت سے پیسے لے کر حضرت کے طعام و قیام کا بندوبست کیا کرو۔ کچھ عرصہ اسی طریقے سے آپ کے طعام و قیام کا بندوبست ہوتا رہا۔ اس کے بعد آپ نے منع فرما دیا کہ میں سپاہیوں کی طرف سے عنایت قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ اُن کے مال میں اور اُن کی ہر چیز میں رشوت کی ملاوٹ ہے۔ واضح رہے کہ اس وقت حضرت کے جسم مبارک پر صرف ایک باریک کپڑے کا کرتا تھا اور آپ کے اوڑھنے بچھونے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ ایک بزرگ نے حضرت سے عرض کیا کہ میں آپ کو بستر وغیرہ لا کر دیتا ہوں، حضرت انکار فرماتے رہے۔ لیکن آخر اس نے ایک دن لا کر رکھ دیا تو اس کے بعد بظاہر آپ کے کھانے پکانے کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ ایک پارسا اور صالحہ عورت عصر کے بعد مکئی کے بھنے ہوئے دانے اور کچھ گڑ حضرت کو دے دیتی اور حضرت اسی پہ گزارہ کر لیتے۔ راہوں جیل کے بعد پھر آپ کو لاہور پہنچایا گیا اور یہ کہا گیا کہ آپ کو ضمانت پہ رہا کیا جاتا ہے یہ وہ زمانہ تھا کہ جب لاہور میں حضرت کی ضمانت دینے والا بھی کوئی نہیں تھا آخر گوجرانوالہ کے علاقے سے ایک آدمی نے حضرت کی ضمانت دی۔ حضرت کی پوری زندگی اسلام کے لئے وقف تھی۔ آپ نے مسلمانوں کی دینی، دنیاوی اور ہر طرح کی رہبری فرمائی اور خدا سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو ملانے کی کوشش کی۔ دینی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ نے زمانہ حیات میں جو ملکی و ملیؔ خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ رہتی دنیا

تک یاد رہیں گی۔

گوری سرکار کو برصغیر سے نکالنے اور عوام میں جذبہ حریت و آزادی پیدا کرنے کے لئے آپ نے بڑے ہی مجاہدہ اور عظیم استقلال سے کام کیا ہے۔ یومِ آزادی میں حضرت کو بارہا قید و بند کی صعوبتیں اٹھانا پڑیں۔ مگر یہاں ہر سزا کے بعد ذوقِ جرم بڑھتا ہی گیا۔ زمانہ قیامِ دہلی میں حضرت مولانا سندھیؒ نے حضرت سے عہد لیا تھا کہ وہ اپنی تمام عمر میں اشاعت قرآن پاک کرتے رہیں گے۔ اس لئے اگرچہ حضرت لاہوریؒ قید و بند کی صعوبتوں میں رہے۔ مگر پھر بھی آپ نے اس وعدے کو پورا کیا اور جیل میں بھی درس دیتے رہے۔ لاہور میں آپ نے سب سے پہلے ایک چھوٹی سی مسجد میں درس شروع کیا۔ لیکن جوں جوں آپ کی صداقت خلوص و پاک بازی اور اسلامی اخوت کا لوگوں کو پتہ چلا تو تعداد دن بدن زیادہ ہوتی گئی۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے مولانا عبدالحق کے مکان پر اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، پھر اسکو چھوڑ کر مسجد لائن سبحان خان میں درس شروع کر دیا۔ جب یہاں آپ نے درس کا سلسلہ شروع کیا تو امام دین نامی ایک شخص متعدد بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ مجھے خواب میں حکم ہوا ہے کہ میں اپنا مکان آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ بارہا اس کے اصرار پر حضرت نے وہ قبول کر لیا۔ کچھ عرصہ اس میں رہے لیکن یہ مکان مسجد سے کچھ فاصلے پر تھا۔ جب آپ مسجد کی طرف نماز کے لئے تشریف لاتے تو راستے میں لوگ اتنی کثرت سے ملتے کہ کبھی کبھی حضرت کی ایک آدھ رکعت رہ جاتی۔ آپ نے حاجی صاحب کو ایک دن فرمایا کہ بھائی آپ نے تو مجھے یہ مکان دینِ اسلام کی اشاعت کے لئے دیا ہے لیکن یہاں تو میرے دینی کاموں میں خلل واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ نے اس کی اجازت سے اس مکان کو بیچ کر مسجد کے قریب دوسرا مکان خریدا جو آج کل حضرت کا مسکن ہے اور اللہ والوں کا سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ جہاں بھی جائیں، پہلے اللہ کا گھر بنائیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت نے جب لاہور میں قدم رنجہ فرمایا تو آپ نے مختلف مساجد تعمیر کروائیں اور یہ مسجد جس میں حضرت درس دیا کرتے تھے۔ یہ بھی بالکل چھوٹی تھی۔ اس کی تعمیر میں بھی حضرت نے توسیع فرمائی۔

۱۹۱۷ء کے آخر یا ۱۹۱۸ء کے شروع میں آپ نے پہلا حج کیا جب آپ حج سے واپس تشریف لائے تو تحریک خلافت کا دور دورہ تھا کراچی ائیرپورٹ پر معلوم ہوا کہ ہندوستان میں خلیفۃ المسلمین کی حمایت میں خلافت کمیٹیاں قائم ہو چکی ہیں۔ مسلمان بڑے زور شور سے اس میں شامل ہو رہے ہیں۔ اسی اثناء میں امیر امان اللہ خان والی کابل نے انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ مسلمان انگریزوں کے خلاف بڑے مشتعل ہو گئے کیونکہ فرانسیسی اور انگریزی فوجوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا اور خلیفۃ المسلمین ان کی قید میں تھے امیر امان اللہ خان نے یہاں کے مسلمانوں کو افغانستان آنے کی دعوت دی۔ مسلمان لوگوں کے قافلے در قافلے افغانستان روانہ ہوئے۔

جب آپ نے انگریز کی مسلمانوں کے خلاف یہ حالت دیکھی تو آپ بھی انگریز کے خلاف جہاد کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ چنانچہ آپ پنجاب کے مسلمانوں کے میر کارواں کی حیثیت سے قافلہ کی قیادت کرتے ہوئے افغانستان جاتے ہیں۔ آپ کا یہ قافلہ پشاور سے گزرتا ہوا کابل پہنچتا ہے اور وہاں کچھ لوگ اس سے پہلے موجود ہوتے ہیں۔ کچھ عرصہ یہاں قیام ہوتا ہے۔ اس کے بعد حکومت افغانستان اور انگریزوں کا معاہدہ ہو جاتا ہے اور مہاجرین واپس آجاتے ہیں اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ جو کہ پہلے سے کابل موجود ہوتے ہیں۔ وہ آپ کو واپس جانے کا حکم فرماتے ہیں۔ مگر حضرت کا خیال یہ ہوتا ہے کہ میں حضرت سندھیؒ کی خدمت میں ہی رہوں۔ لیکن مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ جو معاہدہ طے پایا گیا ہے۔ اس کی روح سے آپ کو واپس جانا پڑے گا۔ جیسا کہ حضرت سندھیؒ اپنی ذاتی ڈائری میں فرماتے ہیں کہ مولوی احمد علی کو ہم نے واپس ہندوستان بھیجنا ہی مناسب سمجھا اور بڑی منت سے ہم اسے راضی کر سکے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چنانچہ حضرتؒ واپس تشریف لاتے ہیں۔ ۱۹۴۲ء میں انجمن خدام الدین کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ انجمن کا نصب العین اشاعت قرآن حکیم اور اشاعت سنت نبی کریمؐ قرار پاتا ہے۔ انجمن کے تحت حضرت کے لکھے ہوئے دینی مسائل پر مشتمل مختلف رسائل شائع کئے جاتے ہیں۔ پہلا درس ۱۹۱۷ء سے لے کر تا دم زیست بلاناغہ دیتے ہیں اور پچیس سال تک درس دینے کے بعد آپ اس دارِ فانی سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

تفسیر قرآن پاک

۱۹۲۵ء میں حضرتؒ کو بعض معتقدین کی درخواست پر ایک خیال ہوتا ہے کہ اسی درس قرآن کریم کو تحریر کی شکل میں لا کر طبع کرا دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے یہ محسوس کیا کہ لاہور میں کثرت اشتغال کی وجہ سے اس عظیم مقصد میں رکاوٹ

ہو گئی ہے۔ اس لئے کسی پر سکون جگہ میں جا کر یہ کام کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اسی سال ایک ماہ کے لئے حضرتؒ ضلع کیمبل پور کے ایک قصبہ واہ میں تشریف لے جاتے ہیں اور وہاں ترجمۃ القرآن کا کام شروع فرماتے ہیں۔ یہ کام ۱۹۲۷ء تک مکمل ہو جاتا ہے۔

مدرسہ قاسم العلوم

۱۹۲۴ء میں حضرتؒ یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ انجمن کی زیر نگرانی عربی مدرسہ قائم ہونا چاہیئے۔ چنانچہ مجلس منتظمہ اس رائے کو قبول کرتے ہوئے مدرسہ قائم کرتی ہے۔ جس کا نام قاسم العلوم رکھا جاتا ہے۔ جس میں عام عربی پڑھنے والے طلبار کے علاوہ فارغ التحصیل طلبا بھی آکر فیض حاصل کرتے ہیں۔

درس قرآن مجید

درس کا پہلا دور آٹھ سال میں مکمل ہوا۔ دوسرا پندرہ سال میں مکمل ہوا اور تیسرا دور حضرتؒ کے وصال تک۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک روز کا ناغہ بھی نہیں فرماتے تھے ہر سال رمضان المبارک میں ایک سہ ماہی درس تفسیر ہوتا ہے۔ جس میں پورے برصغیر کے دینی مدارس کے فارغ التحصیل علمار شریک ہوتے ہیں۔ آپ کے مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبہ نہ صرف اندرون ملک دینی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ بلکہ وہ بیرونی ممالک میں بھی اسلام کی خدمت کرتے ہیں۔

مدرسۃ البنات

۱۹۴۵ء میں انجمن خدام الدین کے تحت حضرتؒ مدرسۃ البنات کی بنیاد رکھتے ہیں۔ جس میں دینی تعلیم کا آٹھ سالہ نصاب رائج ہوتا ہے۔ اسلامی عقائد و ارکان کلام اللہ مع ترجمہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کشیدہ کاری بھی نصاب میں شامل ہے۔

ہفتہ وار خدام الدین رسالہ

۱۹۵۵ء میں حضرت کی سرپرستی میں انجمن خدام الدین کے تحت ایک پرچہ شائع کیا جاتا ہے۔ جس کا نام خدام الدین تجویز کیا جاتا ہے۔ جو کہ پاکستان سے بیرونی ممالک میں بھی جاتا ہے۔ اس رسالہ کی تبلیغی سرگرمیوں کے زیر اثر اکثر لوگ گمراہی سے تائب ہو کر اللہ کے نیک بندے بن جاتے ہیں اور کافی غیر مسلم اسلام لے آتے ہیں۔

حضرت کی روحانی تربیت

علوم باطنیہ : جن علمار کرام نے علوم ظاہریہ کے ساتھ علوم باطنیہ بھی حاصل کیے۔ وہ مطلع علم و عمل اور آسمانی ولایت پر آفتاب بن کر چمکے۔ حضرت شیخ التفسیرؒ علوم باطنیہ میں بھی اس قدر بلند تھے کہ جس کی نظیر اس دور میں نہیں ملتی۔

حضرت کی عملی تربیت

حضرت نے مدرسہ قاسم العلوم کے زیریں حصہ میں مجلس ذکر شروع کی اور مریدوں کی عملی طور پر تربیت فرمائی۔ آپ ہر مرید کی ہفتہ بھر کی رپورٹ لکھتے کہ اس نے اس ہفتہ میں کس قدر اطاعت خداوندی کی ہے۔ حضرت تربیت روحانی کے معلم ہونے کی حیثیت میں بھی ممتاز شخصیت تھے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سائنس سے بڑی نعمتیں حاصل ہیں۔ اُن میں سے ایک دل کی بصیرت ہے۔ اس علاوہ حضرت نے ہر دور میں اصلاح قلب کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ جس حیثیت میں بھی رہے۔ مقصد وحید یہی رہا کہ لوگوں کو خدا تعالیٰ سے ملایا جائے۔ حضرت نے اپنے مشائخ حضرت دین پوریؒ اور حضرت امروٹیؒ کے وصال کے بعد شیخ الطریقت کی حیثیت سے مخلوق خدا کی خدمت کی۔ حضرت شیخ التفسیرؒ نے ملی خدمات کے سلسلہ میں بھی ما انا علیہ واصحابی کی بنیاد کو استوار رکھتے ہوئے ہر آنے والے فتنہ کی سرکوبی کی ہے۔ اشاعت سنت تحفظ ختم نبوت تحفظ حدیث نبی کریمؐ کے سلسلہ میں بڑی سرفروشانہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی سیاسی خدمات بھی سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ پاک و ہند کی تقسیم سے قبل مرکزی جمعیۃ العلما ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے اور پاکستان بننے کے بعد جمعیۃ العلمار اسلام کے امیر منتخب ہوئے۔ انجمن حمایت الاسلام میں پہلے بحیثیت عالم دین انجمن کی جنرل کونسل کے رکن رہے۔ اس کے بعد آپ نائب صدر مقرر کئے گئے اور اس عہدے پر آپ پوری زندگی فائز رہے انجمن حمایت الاسلام کی ترقی کے سلسلہ میں بہت سی خدمات سرانجام دی۔

ناموس رسالت کا تحفظ

۱۹۳۱ء میں میکلیگن انجینئرنگ کالج کے انگریز پرنسپل نے رسول کریمؐ کی شان میں بدزبانی کی اور مسلم طلبار کے جذبات کو مجروح کیا۔ طلبار نے احتجاج کیا۔ لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی آخر طلبا

نے ہڑتال کر دی۔ ہندو اور سکھ اپنی تنگ نظری کی بنا پر انگریز پرنسپل کی حمایت کرنے لگے۔ حضرت کو خبر ہوئی تو فوراً مسلمانوں کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے اور ہر طرح کے خطرات سے بے نیاز ہو کر ان کی امداد کی۔ قائدانہ صلاحیتوں اور بے پناہ قوتِ عمل نے اس واقعہ کو ایک تحریک کی صورت میں بدل دیا۔ آپ نے متعدد بار تقاریر فرمائیں۔ اور مسلمانانِ پنجاب میں جوش پیدا کر دیا۔ حکومت نے حضرتؒ کو گرفتار کر لیا۔ لیکن عوام کا یہ ریلا ان سے تھم نہ سکا۔ بالآخر حکومت جھک گئی اور حضرت مولانا احمد علیؒ اور دیگر اسیران کو رہا کر دیا گیا۔

فتنہ انکار حدیث

جس طرح حضورِ اکرمؐ کے نامہ مبارک کو خسرو پرویز شاہ ایران نے پھاڑ کر ہمیشہ کے لئے جہنم خرید لی تھی۔ اسی طرح آج کے دور میں بھی اس کا ہم نام پرویز انکار حدیث رسول اللہ کو لغویات سے تعبیر کر کے پرزے پرزے کرتا ہے۔ حالانکہ علماء کرام نے انفرادی طور پر اس کی تردید کی۔ مگر اجتماعی طور پر یہ کام حضرتؒ کے حصہ میں آیا۔ آپ نے ۱۹۶۲ء میں وصال سے پچیس دن پہلے دیال سنگھ کالج لاہور کے ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے ببانگ دہل فرمایا کہ منکر حدیث، منکر قرآن ہے اور منکر قرآن خارج از اسلام ہے۔ یہ وہ پہلی ضرب تھی۔ جو آپ نے پرویزیت کے قلعہ پہ لگائی۔ اس کے بعد پورے ملک میں اس کے خلاف تحریک شروع ہو گئی۔

تحریک ختم نبوت

مسلمانوں کے ضمیر میں یہ بات داخل ہے کہ وہ مصائب کا سامنا کر سکتا ہے۔ جان کی بازی لگا سکتا ہے لیکن حضورِ اکرمؐ کی شان میں کوئی گستاخی کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ۱۸۸۰ء میں جب مرزا غلام احمد قادیانی نے ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تو علماء حق سے اس کی جنگ ٹھن گئی۔ علماء کرام نے بڑھ چڑھ کر مرزا کے خلاف تقاریر کیں۔ ۱۹۵۳ء میں مرزائیوں کی تمام سازشوں کو ناکام بنانے اور ان کے تمام عزائم کو خاک میں ملانے کیلئے ایک منظم تحریک شروع ہوتی ہے۔ اور حضرتؒ اس تحریک کے روحِ رواں ہوتے ہیں۔ حضرتؒ یہ نہیں کہ صرف مسلمانوں کو تحریک میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں۔ بلکہ خود قید و بند کی آزمائشوں کو قبول کرتے ہیں۔ لاہور کے گلی کوچے مغربی اور مشرقی پاکستان جگہ جگہ تقریریں کرتے ہیں اور اکثر جگہوں پر آپ گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ان کی اس منظم تحریک سے مسلمانوں کا ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ عاشقانِ ختم الرسل اپنی جانوں کو ہتھیلی پہ رکھ کر میدانِ عمل میں آپ کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں اور گرفتاریاں پیش کرتے ہیں۔ حضرتؒ کو باوجود پیرانہ سالی کے جیلوں میں طرح طرح کی تکالیف دی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ آپ کو زہر تک دیا جاتا ہے۔ لیکن آپ اس مقصدِ عظیم سے ذرہ بھی کوتاہی نہیں فرماتے اور کسی قسم کی تکلیف سے دل برداشتہ نہیں ہوتے۔

جہاد کشمیر

اس جہاد میں حصہ لینے کے لئے حضرتؒ ہزاروں روپے کی وہ رقوم جو شیرانوالہ کے مرکز میں جمع ہوتی ہے اس تحریک میں خرچ کرتے ہیں۔ آپ کے دل کی تمنا یہ ہے کہ میں ڈوگروں کے مقابلہ میں فرنٹ پہ پہنچ کر صفِ اول میں شریک ہو جاؤں۔ سینہ میں گولی لگے اور شہید ہو جاؤں۔ حضرتؒ کو علماء اور مفتیوں کی فلاح و بہبود کے لئے مظفر آباد دعوت دی گئی۔ آپ وہاں تشریف لے جاتے ہیں اور آزاد کشمیر میں مفتیوں کا تقرر اپنی ثواب دید پر کرتے ہیں اور ہر طرح کی قربانی فرماتے ہیں۔ آپ کو قرآن پاک سے بے پناہ عشق ہے۔

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں آپ کو سخت تکلیف ہو جاتی ہے۔ اسہال شروع ہیں۔ سینہ اور کمر پٹیاں باندھ رکھی ہیں۔ ڈاکٹر آپ کو بات کرنے تک کی اجازت نہیں دیتے۔ مگر جب نماز کا وقت آتا ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت کو گویا تکلیف ہی نہیں۔ حسب معمول نماز کے بعد درس شروع فرما دیتے ہیں۔ چونکہ حضرت کو قرآن کیساتھ اتنا عشق و پیار تھا۔ پھر اسکا اثر بھی یہ تھا کہ جو ایک دفعہ آپ کے درس میں شامل ہو جاتا۔ خالی دامن نہ جاتا آپ سندھی جاننے والوں کو اگر وہ اردو نہ جان سکیں تو سندھی میں اور فارسی جاننے والوں کو فارسی میں درس دیتے اور اس کو کبھی بار نہیں سمجھا۔ آپ انگریزی تحریر و تقریر پر بھی قدرت رکھتے تھے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کے ان کارناموں کی روشنی میں اپنی زندگی سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مجاہدِ حریت



انتظار حسین اسعد
بھیروی

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ جید عالم دین اور مفسر قرآن قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ مولانا عبدالحق اور مولانا عبیداللہ سندھی سے دینی تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں مولانا سندھی آپ کو اپنے ہمراہ دہلی لے گئے۔ اور اپنی جانشینی کی سند عطا کی ۱۹۱۷ء میں مولانا احمد علیؒ نے لاہور آ کر بیرون شیرانوالہ میں سکونت اختیار کی۔ اور مسجد لائن سبحان خان میں درس قرآن شروع کیا۔ ۱۹۲۱ء میں ہجرت کر کے کابل چلے گئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد واپس آ گئے۔ اور دوبارہ درس و تدریس میں مصروف ہو گئے ۱۹۲۲ء میں انجمن خدام الدین اور ۱۹۲۴ء میں مدرسہ قاسم العلوم کی بنیاد رکھی۔ مفسرین قرآن میں مولانا کا پایہ بہت بلند ہے پاکستان اور بیرونی ممالک تقریباً چار پانچ ہزار علمائے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آپ کی تفسیر قرآن ان چند تفاسیر میں سے ہے جنہیں مستند اور جامع و مانع سمجھا جاتا ہے۔ درس و تدریس اور اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ مولانا نے جنگ آزادی میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ اور اس سلسلہ میں سات مرتبہ قید ہوئے۔ ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو لاہور میں انتقال کیا۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری جو اپنے شرہ آفاق درس قرآن اصلاح عقائد کے عظیم الشان کام مؤثر مقبول مواعظ اور مخلصانہ دینی خدمات کی بنا پر پاکستان میں مقبول عام خاص تھے۔ اپنے زمانہ کے بہت بڑے شیوخ طریقت میں سے تھے۔ قوت نسبت باطنی ادراک اور روشن ضمیری میں ان کی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے۔ مولانا کی زندگی مسلمان عالم کے لیے ایک پیغام ہے۔ وہ ایک خود آگاہ و خدامست عالم صوفی اور درویش تھے انہوں نے اپنی مثال کا ایسا نمونہ چھوڑا ہے۔ جس کی تقلید پر مسلمان کے لیے باعث فخر قرار دی جاسکتی ہے زمانے میں بڑے بڑے لوگ آتے رہیں گے مگر احمد علی کم پیدا ہوں گے اللہ تعالے نے پنجاب کے دو ملحقہ اضلاع گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کے ایک ہی خاندان کے دو غیر مسلم گھرانوں کو اسلام کی دولت سے نوازا قصبہ جلال گوجرانوالہ کے یہ نو مسلم بزرگ شیخ حبیب اللہ صاحب کو اللہ تعالے نے چار فرزند عطا فرما دیے جن میں سے سب سے زیادہ شہرت سب سے بڑے فرزند شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری نے پائی۔

ابھی آپ نو سال کے تھے کہ حضرت کے والد صاحب انتقال فرما گئے چونکہ آپکے والد صاحب اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے درمیان قرابت داری کے تعلقات تھے اس لئے ان کی وفات کے بعد سندھ کے ولی کامل حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوریؒ نے آپ کی والدہ ماجدہ کا نکاح ثانی حضرت سندھی سے کر دیا اور اسطرح حضرت سندھی آپکے سوتیلے باپ بھی ہو گئے آپکے دوسرے بھائی بھی بچپن ہی سے حضرت سندھی کی تربیت میں آ گئے۔

حضرت سندھی سخت مزاج تھے ہر وقت آپ کو مصروف رکھتے گھر کی ہر ضرورت کے لیے آپ ہی کو کام کرنا پڑتا۔ جنگل سے لکڑیاں لانا پانی بھرنا اپنے چھوٹے بھائیوں اور مولانا سندھی کے کپڑے دھونا۔ یہ سب کام آپ کے فرائض میں داخل تھے مولانا سندھی کے گھر سے صرف دو روٹیاں آتیں ایک وہ خود کھا لیتے دوسری آپ کو دے دیتے جب کبھی آپ کی طبیعت سیر نہ ہوتی اور تقاضہ شدید صورت اختیار کر لیتا تو جنگل کی پھلیاں کھا کر پیٹ بھر لیتے۔

ناموس رسالتؐ کا تحفظ

جمعیۃ الانصار دیوبند نظارۃ المعارف دہلی اور ریشمی خطوط کی تحریکیں دراصل اس عظیم انقلابی پروگرام کی تین اہم کڑیاں تھیں جنہیں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ صاحب نے اتحاد عالم اسلام اور آزادی ہند کے لئے تجویز فرمایا تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا سندھیؒ کو کابل میں اور آپ کو دہلی میں چھوڑ کر خود حجاز تشریف لے گئے مولانا محمد میاں انصاری تحریک کے رابطہ افسر ہونے کے علاوہ ہندوستان اور آزاد قبائل میں تحریک آزادی کے نقیب اور محرک قرار پائے۔

۹ رجولائی ۱۹۱۴ء کو مولانا محمد میاں نے تحریک سے متعلق ایک مفصل رپورٹ حیدر آباد، سندھ کے شیخ عبدالرحیم کی معرفت حضرت شیخ الہند کی خدمت میں حجاز روانہ کی یہ رپورٹ بھی زرد ریشمی رومال پر تحریر تھی اور اس میں ترک وفود کے ورود کابل، مجاہدین کی نقل و حرکت اور اشاعت تحریک جہاد کی نسبت تفصیلات درج تھیں رپورٹ میں آزاد حکومت ہند کے قیام کی تجویز اور آزاد فوج کی مجوزہ تشکیل کا پورا،

خاکہ بھی درج تھا اس فوج کا ذیلی ہیڈ کوارٹر کابل اور مرکز مدینہ منورہ تھا (۴۱) کمانڈر انچیف حضرت شیخ الہندؒ تھے کابل میں تمام کام مولانا سندھیؒ کے زیر سرکردگی ہونا طے پایا تھا ان کے علاوہ بارہ کمانڈروں اور بہت سے اعلیٰ فوجی افسروں کے نام بھی مضبوط تھے یہ اہم دستاویز بد قسمتی سے برطانیہ حکومت کے ہاتھ لگ گئی اس طرح اگست ۱۹۱۴ء میں اس تحریک جہاد کا انکشاف ہوگیا جسے انگریزوں نے ریشمی خطوط کی سازش کا نام دیا۔

تحریک کے انکشاف کے بعد سرکردہ رہنماؤں اور چیدہ چیدہ رہنماؤں کی گرفتاریوں اور نظر بندیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کو حجاز میں گرفتار کر لیا گیا اور آپ کو دہلی سے گرفتار کر کے مختلف مقامات دہلی، جالندھر وغیرہ میں نظر بند رکھا گیا۔ آپ کی گرفتاری عین اس وقت عمل میں آئی جب آپ بطور شیخ التفسیر جامع مسجد فتحپوری میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے تحت درس قرآن دے رہے تھے وہاں سے آپ کے مکان واقع کٹڑہ لڑیاں لے جایا گیا آپ کے اہل وعیال کو چھت پر چڑھا دیا گیا اور خانہ تلاشی کر کے آپ کی قلمی تحریریں متعلقہ قرآن مجید اور کتابیں جو اس عملے نے مخدوش سمجھیں ایک ٹرنک میں بھر دی گئیں آپ کی سندیں جو مکان کی چھت میں ٹین کی ایک نلکی میں تھیں ایک شریک درس مسلمان سی۔ آئی۔ ڈی کی نشاندھی پر اتروا کر ٹرنک میں رکھ لی گئیں اور ٹرنک کو مقفل کر کے مہر لگا دی گئی یہ سامان پھر کبھی واپس نہ کیا گیا۔

آپ کو دہلی سے ہتھکڑی لگا کر شملہ اور پھر لاہور، جالندھر وغیرہ مقامات کی مختلف حوالاتوں میں کئی ماہ تک قبضہ رکھنے کے بعد ضلع جالندھر کی جیل راہوں میں لے جایا گیا وہاں حوالات کے بعد نظر بندی کا حکم سنایا گیا راہوں کے تھانہ میں شب بسری کے لئے آپ کے پاس ایک عبا کے سوا کچھ نہ تھا۔ نومبر اور دسمبر کی راتیں اسی میں بسر کیں جب رہائی کے بعد آپ کو لاہور لایا گیا۔ لاہور میں آپ کو سی۔ آئی۔ ڈی کے ایک انگریز آفیسر کے سامنے پیش کیا گیا جس نے کہا گورنمنٹ آپ کو صوبہ سندھ، دہلی بھیجنے پر تیار نہیں اگر آپ اس سلسلے کے لئے دو ضامن ایک ایک ہزار روپے کے بطور ضمانت پیش کر دیں تو گورنمنٹ آپ کو لاہور رہنے کی اجازت دے دے گی۔ پولیس جانتی تھی کہ دہلی اور سندھ میں آپ کا کافی اثر ہے وہ آپ کو ایسے علاقے میں رکھنا چاہتی تھی جہاں آپ کو کوئی جاننے والا نہ ہو اور آپ کی ذات سے کوئی خطرہ نہ ہو آپ نے فرمایا پنجاب میں مجھے کوئی جانتا نہیں۔ مگر افسران وہاں (دہلی، سندھ) کے ضامن لینے پر رضامند نہ ہوئے۔ آپ نے ضمانت کیلئے مولانا قاضی حافظ ضیاء الدین صاحب ایم۔ اے فاضل دیوبند کا نام تجویز کیا۔ دوسرے ضامن کے لئے قاضی صاحب نے خود ہی ملک لال خان کا نام تجویز کیا۔ قاضی صاحب اور ملک صاحب کی ضمانت پر پولیس نے ہزار کی بجائے پانچ پانچ صد روپے کی ضمانت ایک سال کے لئے لے کر آپ کو رہا کر دیا۔

جب آپ کو لاہور میں پابند کیا گیا تو آپ نے اپنے اہل وعیال کو بھی لاہور بلا لیا۔ لاہور میں آپ نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ مگر ذریعہ معاش کوئی نہ تھا اور حکومت کا باغی ہونے کی وجہ سے لوگ بھی بہت کم التفات کرتے تھے گھر میں کئی کئی روز فاقہ ہوتا تھا ایک دفعہ حضرت دین پوری سے عرض کیا تو انہوں نے فرمایا گھر کے برتن ما نجھ کر رکھ دیا کرو اور دو رکعت نماز نفل پڑھ کر بدستور اللہ اللہ کیا کرو اس کے ساتھ خدا مسبب الاسباب ہے۔

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری جمعرات کا پورا دن اور جمعہ کی نماز تک ڈیڑھ دن میں اپنی معاش کا بندوبست کرتے کبھی صابن بناتے کبھی عربی کتابوں کی کتابت کی تصحیح فرماتے تھے۔ چنانچہ جو کچھ ڈیڑھ دنوں میں آمدنی ہو جاتی تھی اسے ہفتہ بھر کھاتے تھے آمدنی کتنی ہوتی تھی۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں بتلا سکتا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ بہت قلیل تھی۔ بعض دن پورے گھر میں صرف چنے چبا کر گزر کیا۔

آپ کی ملکی اور ملّی خدمات

آپ تقسیم سے پہلے جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے تقسیم ملک اور جمعیت علماء ہند نے فیصلہ کیا کہ جمعیت کے جو ارکان پاکستان میں رہتے ہیں۔ وہ اپنی الگ جماعت بنالیں چنانچہ ۱۹۱۸/۱۰ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو سندھ، سرحد، بلوچستان، پنجاب وغیرہ اطراف ملک سے ۱۷۷ جید علماء کی ملتان میں مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔ جس میں باتفاق آپ کو جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کا امیر چن لیا گیا آپ آخری عہدہ تک اسی عہدے پر فائز رہے۔

جون ۱۹۵۷ء میں جمعیت کا آرگن "ترجمان اسلام" لاہور سے آپ کی سرپرستی میں شائع ہونے لگا۔ جو اب تک جاری ہے۔ جمعیت علماء

اسلام نے آپ کی سرپرستی میں جو انتخابی منشور مرتب کیا تھا۔ وہ اسلام کی صحیح ترجمانی کرتا تھا۔

ناموس رسالت کا تحفظ

۱۹۳۱ء میں انجینئرنگ کالج کے انگریز پرنسپل نے رسول اکرمؐ کی شان میں بدزبانی کر کے مسلمان طلباء کے دلوں کو زخمی کیا طلباء نے احتجاج کیا لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی یوں محسوس ہوتا تھا کہ مسلمان طلباء کا احتجاج نہ صرف بے اثر ہو گا بلکہ بالکل ان کا مستقبل بھی تاریک ہو جائے گا آپ کو علم ہوا تو فوراً مسلمان طلباء کی حمایت پر اتر آئے کسی خطرہ کی پرواہ کئے بغیر بھرپور مدد کی پھر علامہ اقبالؒ بھی اس تحریک سے متاثر ہو کر میدان عمل میں آئے۔ آپ نے اس میں سرگرم حصہ لیا آپ نے جون، جولائی، اگست میں متعدد تقریریں کیں آپ کی گوناں گوں قائدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے اس واقعہ نے تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ حکومت نے آپ کو گرفتار کر لیا لیکن آپ کی گرفتاری سے اور آگ بھڑک اٹھی مسلمانوں کے آہنی عزم کے آگے حکومت کو جھکنا پڑا چنانچہ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۱ء کو حکومت نے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر دی۔ مسلمان طلباء کو باعزت واپس بلایا گیا۔ اور آپ کو اور دیگر قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔

انجمن حمایت اسلام کی سرپرستی

آپ انجمن کے عام ممبروں میں عرصہ سے شامل تھے۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو بحیثیت عالم دین انجمن کی جنرل کونسل کے رکن مقرر ہوئے اس کے بعد انجمن کے معاملات میں گہری دلچسپی لینے کی بنا پر، ۷ نومبر ۱۹۵۸ء کو انجمن کے وائس پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ اور تازیست اس عہدہ پر فائز رہے آپ نے انجمن کی ترقی کے سلسلہ میں شاندار خدمات انجام دیں۔

تحریک ختم نبوت

قیام پاکستان کے بعد قادیانیوں نے پاکستان کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا۔ ان کی ان سرگرمیوں سے فرزندان اسلام کو تشویش ہوئی چنانچہ مسلمانوں کے تمام فرقوں سے مل کر حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ یہ ملک جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے اس میں رسول اللہؐ کے باغیوں کو پنپنے کی اجازت نہ دی جائے حکومت نے لیت و لعل سے کام لیا۔ تو یہی مسئلہ تحریک کی شکل اختیار کر گیا اس تحریک کے روح رواں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے حضرت لاہوریؒ نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اپنی مجاہدانہ اور بیباکانہ تقاریر سے مسلمانوں کے سوئے ہوئے جذبات کو بیدار کیا آپ کی گرفتاری سے تحریک میں جان پڑ گئی بعد ازاں ہزاروں مسلمانوں نے اپنی گرفتاریاں پیش کیں مغربی پاکستان کی جیلیں ناموس رسولؐ کے تحفظ کرنے والوں سے بھر گئیں آپ کو پیرانہ سالی کے باوجود جیل میں طرح طرح کی تکالیف دی گئیں حتیٰ کہ زہر بھی دیا گیا اللہ تعالٰے نے بچا لیا آپ کے پائے استقلال میں رائی بھر لغزش نہ آئی قطب العالم حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری فرماتے تھے کہ امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ کا تحریک میں شامل ہونا اور گرفتاری پیش کرنا ہی دراصل تحریک کی کامیابی تھی۔

قرآن مجید کی عظیم خدمت

آپ نے عام مسلمانوں کو قرآن مجید سمجھانے کے لیے روزانہ نماز فجر کے بعد ایک گھنٹہ درس قرآن کا رکھا ہوا تھا۔ اس میں مردوں کے علاوہ مستورات بھی شریک ہوتی تھیں درس خاص میں مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل طلباء شریک ہوئے تھے یکم رمضان سے یہ درس شروع ہوتا اور تین ماہ میں انہیں سارے قرآن کی تفسیر پڑھا دی جاتی تھی طلباء کے تمام مصارف انجمن خدام الدین برداشت کرتی ہے تفسیر کے اختتام پر باقاعدہ سندات دی جاتی تھیں اور اب بھی دی جاتی ہیں۔

شیخ التفسیرؒ کی خصوصیت

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرا ایک پاؤں گاڑی کے پائیدان پر ہو اور دوسرا پلیٹ فارم پر اسی حالت میں مجھے کوئی آواز دے کہ احمد علی ذرا گاڑی میں سوار ہونے سے پہلے یہ بتا دیجیے کہ پورے قرآن کا خلاصہ کیا ہے تو میں کہہ دوں گا کہ پورے قرآن کا خلاصہ یہ ہے اللہ کو عبادت سے خوش رکھو اور انبیاء کو اطاعت سے خوش رکھو صحابہ کرام کو محبت سے خوش رکھو اور مخلوق خدا کو خدمت خلق سے خوش رکھو یہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے۔

ملفوظات طیبات

کامل مومن وہ ہے۔ جس کا تعلق خالق اور مخلوق سے ہے خالق کا راضی کرنا آسان ہے لیکن مخلوق کو بہت مشکل، مخلوق کو خوش کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ان کا حق ادا کر دے اور اپنا حق طلب نہ کرے۔

★ میں بارہا مکہ معظمہ گیا ہوں اہل اللہ کے جھنڈ کے جھنڈ ہوتے ہیں۔ مگر میں نے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مرتبے کا کوئی ولی نہیں دیکھا۔

★ میں آپ کو بیدار کر رہا ہوں پٹواری سے لے کر گورنر تک آپ کا کوئی بھی خیر خواہ نہیں ہے اگر آپ کا کوئی خیر خواہ ہے تو وہ اللہ والا ہے۔ جو آپ سے کھانے کو نہ مانگے دروازہ محمدی کا غلام ہو اس کے ہاتھ میں قرآن ہو دوسرے ہاتھ میں مشعل حدیث خیر الانام ہو اور وہ ان دونوں نوروں کی روشنی میں آپ کی رہنمائی کرے۔

★ جو نماز نہ پڑھے وہ بدمعاش جو روزہ نہ رکھے وہ بدمعاش میں فتوٰی دیتا ہوں جاؤ علماء سے جا کر کہہ دو کہ احمد علیؒ اس طرح کہتا ہے عربی میں دو لفظ ہیں فاسق و فاجر ہماری زبان میں اس کا ترجمہ ہے بدمعاش وہ بدمعاش ہے جس کی زندگی اسلامی قوانین کے خلاف ہو۔

★ جب لال قلعے دہلی کے سامنے عصمتیں لٹنے لگیں اللہ تعالٰی کو غیرت آئی اور لاکھوں میل دور سے چوہڑے (انگریز) لایا اور تم پر مسلط کر دیئے۔

★ تم کو مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھ کر قرآن مجید سننے میں عار آتی ہے تو تمہاری کوٹھیوں بنگلوں میں چل کر جانا ہمارے جوتے کی بھی توہین ہے۔

★ جو تم سے روٹی مانگے وہ تم کو حق بات نہیں کہہ سکتا تم کہتے ہو ملا ہے ایمان تم نے انگریزوں کے سامنے اپنی لڑکیاں پیش کیں تمہارا مئہ کالا چکلے تمہارے دم سے آباد سینماؤں میں تمہارا اتفاق وہاں وہابی، سنی، شیعہ تمام متفق وہاں تم بیویاں اور بیٹیاں لے کر جاتے ہو یا مولوی رے کر جاتے ہیں اگر مولوی سوکھے ٹکڑے کھا کر قرآن کو سینے سے نہ لگاتا تو ہندوستان میں اسلام ختم ہو جاتا۔

★ اسلام اور سیاست دو مختلف چیزیں نہیں اسلام تا قیامت آنے والی نسلوں کے لیے ایک جامع پروگرام حیات ہے اس میں ہر شعبہ زندگی کے لیے قوانین و ہدایات موجود ہیں چنانچہ سیاست بھی اسلام کا ایک اہم جزء ہے اور اسلام ہر حالت میں حکومت کی بھاگ دوڑ اپنے ہاتھ میں چاہتا ہے۔

★ میں سی۔ آئی۔ ڈی سے کہتا ہوں کہ حکومت کو میرے الفاظ من وعن پہنچا دیں کہ ملک میں جو کچھ بھی غیر اسلامی اور غیر شرعی حرکات و افعال ہوتے ہیں ان کی حکومت ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن ان حکمرانوں کو جواب دہ ہونا ہوگا۔

★ میں دستور ساز اسمبلی کے ارکان کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ یاد رکھو اگر تم نے قرآن کے مطابق دستور نہ بنایا تو مسلمان اس کو کبھی نہیں مانیں گے اور اس کے بعد جو حشر ہوگا وہ تم کو معلوم نہیں آئندہ آنے والی نسلیں تم پر لعنت بھیجیں گی۔ گنبد خضرا سے تم پر لعنت آئے گی۔ اور خدا کی طرف سے تم پر پھٹکار پڑے گی۔

★ میں سی۔ آئی۔ ڈی سے کہتا ہوں کہ پبلک کی آواز حکومت تک پہنچائی جائے۔ اگر انہوں نے نہ پہنچائی تو خود بھی مجرم ہوں گے یہ پولیس، وزراء اور حکام پبلک کے خادم اور اس کے ملازم ہیں۔ جب وہ پاکستان کے مسلمانوں کا مال کھاتے ہیں۔ تو پھر انہیں مسلمانوں کے مطالبہ کو پورا کرنا چاہیے ورنہ قیامت کے روز چھٹکارا مشکل ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں تمہاری بھلائی کے لیے کہتا ہوں خدا سے ڈرو اور قبر میں جانے سے پہلے خدا سے ایک معاملہ صاف کر لو تم کو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ ہم ملاں ازم قائم نہیں ہونے دیں گے یہ ملاں ازم کیا چیز ہے؟ ملاں تو یہ کہتا ہے کہ پاکستان کا قانون قرآن اور شریعت اسلامی کے سوا اور کوئی نہ ہو۔

کشف و کرامات

★ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ فرماتے تھے میرا بازو ٹوٹ گیا۔ ڈاکٹر امیر الدین جیسے ماہر سرجن نے کہہ دیا تھا کہ بغیر آپریشن کے درست نہیں ہو سکے گا میں نے حضرت لاہوریؒ سے ملتان جیل میں ذکر کیا تو حضرت نے اپنا ہاتھ پھیرا اور دم کر دیا صبح اٹھا تو بازو ٹھیک تھا۔ اور اب تک ٹھیک ہے ہاتھ پھیرتے ہوئے حضرت نے یہ کلمات فرما دیے اللہ تعالٰی قادر ہے وہ ہر مشکل کو آسان کر سکتا ہے شفاء اسی کی رحمت سے وابستہ ہے۔

★ آپ نے فرمایا کہ مجھے شاہی قلعہ لاہور کی غربی دیوار کے پاس ایک خاص قسم کی خوشبو آتی ہے وہاں میں ایک ولی اللہ کو مدفون پاتا ہوں۔ مجھے ان کے سر اور پاؤں کا بھی علم ہے میں باطن کی آنکھ سے دیکھ چکا ہوں مگر بتلاتا اس لیے نہیں کہ لوگ اسے بھی سجدہ گاہ بنا لیں گے

★ آپ کا کشف اس قدر صحیح ہوتا تھا کہ ایک بار فرمایا اگر ایک آدمی غسل خانہ میں غسل کر رہا ہو تو میں اس کے بدن سے اترے ہوئے پانی کو دیکھ کر یہ بتلا سکتا ہوں کہ غسل کرنے والا مقرب الٰہی ہے، یا راندہ ہوا درگاہ خداوندی سے

★ مولانا قاضی عبدالکریم سے آف کلاچی ڈیرہ اسمٰعیل خان کا بیان ہے کہ ٹانک میں ہمارے ایک عزیز نے حضرت مدنی سے اپنی نسبت ارادت ظاہر کرتے ہوئے حضرت سے بیعت ہونے کی درخواست کی اس کے جواب میں حضرت لاہوریؒ نے فرمایا کہ بیعت مدنیؒ اولیٰ کافی ہے اس کے بعد حضرت نے دریافت فرمایا کہ حضرت مدنیؒ نے جو وظیفہ بتلایا تھا وہ پڑھا کرتے ہو انہوں نے کہا پڑھا کرتا ہوں اس پر حضرت نے کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر لیں اور فرمایا عزیز جھوٹ نہ بولو تم نے وظیفہ جاری نہیں رکھا تمہارا دل سویا ہوا ہے۔

حضرت شیخ التفسیرؒ علماء اور اکابر ملت کی نظر میں

آپ فوراً تمام اکابر کا احترام کرتے تھے کسی کو دکھ نہ دینا آپ کی تعلیمات کا ایک اہم اصول تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طبقہ کے اکابر نے آپ کو سر آنکھوں پر بٹھایا ذیل میں چند مشاہیر کے ارشادات درج کیا جاتے ہیں۔

میاں شیر محمد شرقپوریؒ

قطب دوراں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری اکثر و بیشتر آپ کے درس قرآن میں شرکت کیا کرتے تھے انہوں نے بارہا فرمایا کہ احمد علی اللہ کا نور ہے میں شیرانوالہ کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے فرش زمین سے عرش بریں تک نور کی قندیلیں روشن ہیں اور دنیا کو منور کر رہی ہیں آج سے تقریباً پچاس برس پہلے جب شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ شرقپور تشریف لے گئے تو میاں صاحبؒ نے بصد اصرار آپ کو منبر پر بٹھایا اور آپ کی اقتداء میں نماز پڑھ کر آپ کے امام وقت ہونے کا اعلان کیا۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ

جن کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا۔
"نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں" آپکے کارہائے نمایاں کو اپنے اوپر احسان سے تعبیر فرمایا کرتے تھے اور قیام لاہور کے دوران آپ کے ہاں ہی ٹھہرتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

اللہ کا ایک شیر لاہور کے شیرانوالہ دروازہ میں بیٹھا ہوا اللہ اللہ کی ضربوں سے کائنات کا دل مسخر کرنے میں مصروف ہے وہ اللہ کا ایسا مقبول بندہ ہے کہ اس کے درس قرآن میں شمولیت جنت کی ضمانت ہے قاضی عبدالرحمن بانی جامعہ مسجد عثمانیہ اوکاڑہ ضلع ساہیوال کا بیان ہے کہ میں نے حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی خدمت میں بیعت ہونے کی درخواست کی تو انہوں نے ارشاد فرمایا لاہور میں قطب زمانہ موجود ہیں آپ ان سے بیعت کر لیجیے۔

شیخ الشیوخ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ

آپ کے وصال کا سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور بے قراری کے عالم میں فرمایا مجھے لاہور لے چلو اگر ڈاکٹروں کا مشورہ مانع نہ ہوتا تو اسی وقت لاہور آجاتے چنانچہ وہیں سے آپ نے درجہ ذیل تعزیتی پیغام خدام الدین کے نام بھیجا یا حضرت مرحوم بہت ہی بڑے بزرگ اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔ ہمیں اس بات کا شدید صدمہ ہے کہ وہ ہم سے اوجھل ہو گئے مگر کیا کریں یہ بات ایک نہ ایک دن سب کو پیش آنے والی ہے حق تعالےٰ ہم کو بھی خاص الخاص قرب سے نوازے اور اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

حضرت حاجی دین محمد صاحب فرماتے ہیں میں نے حضرت شاہ جی سے حضرت لاہوریؒ کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا کہ آپ کے شیخ کا رتبہ کیا عرض کروں ایک سو سال پہلے اور ایک سو سال بعد تک مجھے ان جیسی کوئی شخصیت نظر نہیں آتی۔

وقت کی اہم ضرورت "اتحادِ امت"

- کیمونزم مذاہب عالم بالخصوص اسلام کی ضد ہے۔ جس کا دیو استبداد افغانستان کو ہڑپ کر چکا ہے۔ کابل کے در و دیوار پر ایسے نقشے آویزاں ہیں جن پر وطن عزیز پاکستان کے علاقے سرحد اور بلوچستان کو افغانستان کا حصہ ظاہر کیا گیا ہے۔
- برادر ہمسایہ ملک ایران شاہ اور عوام کے تصادم میں جاں بلب ہے۔ جو ملک دنیا بھر میں تیل برآمد کرنے والے ملکوں کا ہراول دستہ تھا۔ ہنگاموں اور ہڑتالوں کے باعث نہ صرف تیل، پٹرول ہی کی قلت بلکہ ہر طرح کی بربادی اور تباہی کا شکار ہے۔
- تیسرا اسلامی برادر ملک ٹرکی بھی نظر بد کا شکار ہو چکا ہے۔
- عالم عرب کا باہمی خلفشار اسرائیل ایسی مسلم دشمن قوت کو مزید جارحانہ کارروائیوں کی دعوت دے رہا ہے۔
- وطن عزیز پاکستان میں پناہ گزینوں کے نام پر ہزاروں کی تعداد میں سکوٹر سوار نوجوانوں کی آمد بیان کی جاتی ہے۔ جو آنیوالے خطرے کا الارم ہے

کیا

ایسے وقت میں سیاسی پارٹیوں کی آویزش۔ مذہبی فرقوں کی چپقلش، دیوبندی، بریلوی۔ شیعہ سنی علماء کی ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی، زہر قاتل نہیں۔

جبکہ

۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت اور ۷۷ء کی بدترین آمر کے خلاف اسلامیان پاکستان کی متحدہ قربانی میں امت مسلمہ کا اتحاد بہترین نتائج ظاہر کر چکا ہے آج علاقائی تعصب اور مذہبی فرقوں کا تصادم تحریک ختم نبوّت اور نظام مصطفیٰ میں شہید ہونے والے مسلمانوں کے خون سے غداری ہے۔ خدارا قادیانیوں کمیونسٹوں اور دہریوں کے آلہ کار نہ بنیے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت "اتحاد امت" کی علمبردار ہے۔ اور تمام مسلمانان پاکستان بالخصوص نوجوانان اسلام سے اپیل کرتی ہے۔ کہ وہ اتحاد امت کے ذریعہ حالات کی اس سنگین ظلمت کو روشنی سے بدلنے کے لئے آگے بڑھیں۔

(حضرت مولانا) خان محمد (صاحب) امیر مجلس تحفظ ختم نبوّت پاکستان

ہمارے امیر و امام

مولانا محمد اجمل خان لاہور

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ سے ۴ میل کے فاصلہ پر قصبہ جلال آباد میں ایک نہایت نیک نفس، دین دار اور صوفی منش نو مسلم بزرگ حضرت شیخ حبیب اللہ کے گھر پیدا ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی حضرت شیخ التفسیر کے استاد ہیں۔ حضرت ابھی ماں کے پیٹ میں تھے کہ والد بزرگوار نے انہیں خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیا اور یہ بات غور کرنے کی ہے کہ ماں کے پیٹ میں جو فرض حضرت کے سپرد کیا گیا حضرت اپنی عمر کے آخری لمحہ تک اس کی تکمیل میں مصروف رہے اس پاکیزہ زندگی کا کوئی ایک لمحہ ایسا نہ تھا جس میں اس فرض کی تکمیل سے کوتاہی کی گئی ہو اپنے فرائض کی تکمیل پر اس ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہنے کی سعادت دنیا میں بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئی ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اسی قصبہ میں حاصل کی ۱۴ سال کی عمر میں حضرت عبیداللہ سندھی نے حضرت مرحوم کو اپنے دائرہ تربیت میں لے لیا اور اپنے ساتھ لے گئے زمین زرخیز تھی اور نگرانی کرنے والا اپنے وقت کا بہت بڑا معلم اور انقلابی، آپ نے تعلیم مکمل کی۔ دستارِ فضیلت حاصل کی اور اپنے استاد کے ساتھ دہلی چلے گئے۔

اس وقت دہلی تاریخ کے اہم دور سے گزر رہی تھی اسی زمانہ میں حضرت شیخ الہند نے انگریزی استعمار کے خلاف خفیہ جہاد کرنے کی ایک مرکزی جماعت کی تشکیل کی تھی اس جماعت کا نام ثمرۃ التربیت تھا۔ جسے بعد میں جمعیت الانصار کا نام دیا گیا اس جماعت کے منشور میں دو باتیں شامل تھیں (۱) ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کے خلاف انقلاب برپا کر دیا جائے (۲)۔ بیرونی ممالک کے مسلمان بادشاہوں سے مدد لی جائے اور انگریزی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔

اس جماعت کا مرکز دہلی تھا اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھی اس خفیہ تنظیم کی قیادت کے لئے دہلی تشریف لے گئے تھے نوجوان مولانا احمد علی کا ساتھ ہونا اپنی تفسیر آپ ہے اس جماعت نے ترکی کے مجاہد انور پاشا سے ایک خفیہ معاہدہ طے کیا فیصلہ ہوا کہ افغانستان میں اس تحریک کا ایک مرکز قائم کیا جائے اس سلسلہ میں دس نکاتی منصوبہ بنایا گیا جس میں مندرجہ ذیل مقاصد شامل تھے۔

(۱) ہندو مسلم اتحاد ۲:۔ جدید تعلیم یافتہ لوگ اور علماء کرام کا اتحاد ۳:۔ جاپان چین برما، فرانس اور امریکہ کے ساتھ معاہدے ۴:۔ نقشہ جنگ کی تیاری، فوج اور سی آئی ڈی میں اپنے ہم خیال نوجوانوں کو شامل کرنے کی کوشش ۵:۔ عبوری حکومت کے خاکے کی تیاری ۶:۔ خفیہ مراکز کا قیام ۷:۔ کابل، انقرہ اور برلن میں رضا کاروں کی بھرتی ۸:۔ ۱۹ فروری ۱۹۱۷ء کو حملہ اور جہاد کا اعلان۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن نے خفیہ خطوط کی نقول کو تمام حکومت تک پہنچانے کا اہتمام کیا و ور ترکی، سعودی عرب اور افغانستان کے ساتھ عبوری حکومت کے معاہدات کی تفصیلات طے کیں اس مجموعہ کو تاریخ ''انور نامہ'' کے نام سے یاد کرتی ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی اس انقلابی حکومت کے اغراض و مقاصد بیان کرنے کے لئے افغانستان تشریف لے گئے مولانا عبیداللہ سندھی اس عرصہ میں دہلی میں ایک مدرسہ جس کا نام '' نظارۃ المعارف القرانیہ'' تھا قائم کیا۔ یہ مدرسہ دین کے طالب علم اور انقلاب کے داعی پیدا کرنے کے لئے مختص تھا۔ افغانستان روانہ ہونے سے قبل حضرت مولانا عبیداللہ سندھی نے حضرت مولانا احمد علی صاحب کو علم اور انقلاب کے اسی مرکز میں استاد مقرر فرمایا اور انہیں تعلیم و تعلم کی اجازت دی '' مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کی معلمی اپنی ذات میں ایک بڑا بلند آواز واقعہ ہے جس کی تفسیر کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت مرحوم کافی دنوں تک اس مدرسہ میں حضرت عبیداللہ سندھی کے نظریۂ انقلاب کی تبلیغ فرماتے رہے اور آخر ایک دن آیا کہ حضرت عبیداللہ سندھی کے تمام رشتہ دار اور رفقاء گرفتار کر دیئے گئے گرفتار ہونے والوں میں مولانا احمد علی بھی شامل تھے گرفتاری کی وجہ یہ تھی ایک "ریشمی رومال" پکڑا گیا تھا جس کے ذریعے ایک بڑی "سازش" کا انکشاف ہوا تھا انگریزوں کے نقطہ نظر سے یہ یقیناً سازش تھی؛

"لیکن یہ ہماری جدوجہد آزادی کا روشن ترین باب ہے اور ہمیں فخر ہے کہ وہ ہمیں تھے جنہوں نے اس برصغیر میں آزادی کی جنگ جاری رکھی اور اس وقت جاری رکھی جب ہندو انگریزوں کی کاسہ لیسی میں مصروف تھا"

اس اجمال کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ حضرت عبیداللہ سندھی نے افغانستان حکومت کو اپنے نقطہ نظر کا قائل بنا لیا اور دونوں میں معاہدہ ہو گیا حضرت مولانا عبیداللہ سندھی نے ہندوستان کی انقلابی حکومت کے نمائندے کے طور پر دستخط کئے اور افغانستان کی طرف سے اس وقت کے افغان بادشاہ حبیب اللہ اور اس کے تینوں بیٹوں امان اللہ، نصراللہ اور عنایت اللہ نے دستخط کئے اس معاہدے کی رو سے افغانستان نے یہ عہد کیا کہ وہ ترکوں کو افغانستان کے راستے ہندوستان میں آنے کا راستہ دے گا اس میں جنگ کی تفصیل اور حملہ کی تاریخ بھی طے کر لی گئی یہ پورا معاہدہ دستخطوں کے ساتھ ایک گز لمبے اور ایک گز چوڑے زرد رنگ کے ریشمی رومال کی صورت میں تیار کیا گیا اور اسے معتمد آدمیوں کے ذریعے براستہ ہندوستان شیخ الہند کی خدمت میں روانہ کر دیا جو اس وقت مدینہ منورہ میں مقیم تھے یہ رومال مختلف ذرائع سے ہوتا ہوا دین پور کے سجادہ نشین خواجہ غلام محمد تک پہنچا اور پھر آگے روانہ کیا گیا۔ لیکن اس کا شیخ الہند تک پہنچنا مقدر نہ تھا راستے میں برطانوی سی آئی ڈی نے چھاپہ مارا رومال پکڑا گیا "سازش" کھل گئی اور وہ تمام علماء گرفتار ہو گئے جو حضرت عبیداللہ سندھی کے رفیق تھے مقدمہ چلایا گیا۔ لیکن ہندوستان میں گرفتار ہونے والوں کے جرم کا کوئی ثبوت نہ مل سکا اس لئے رہا کر دیئے گئے مولانا احمد علی مرحوم بھی انہی رہا ہونے والوں میں سے ایک تھے لیکن مقدمہ میں ثبوت کا نہ ملنا یقیناً اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ بزرگ اس عظیم الشان انقلابی تحریک میں شامل نہ تھے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ تحریک انتہائی اور پوری ذمہ داری کے ساتھ چلائی جا رہی تھی اور کوشش کی جا رہی تھی کہ اس کا ایک فرد غیر ضروری الجھن میں مبتلا نہ ہونے پائے اور ناکامی کی صورت میں بھی یہ تحریک زندہ رہے یہ کوشش پوری ہوئی کہ حضرت مولانا احمد علی قید سے رہا ہوئے لیکن سندھ اور دہلی میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا اور ضمانت لے کر لاہور میں پابند کر دیا گیا۔

لاہور میں تشریف آوری

لاہور میں حضرت مولانا نے شیرانوالہ دروازے کے باہر منور سٹریٹ سے ملحق ایک چھوٹی سی مسجد میں درس قرآن مجید دینا شروع کیا۔ اول اول سی آئی ڈی والے ان کا تعاقب کرتے تھے ان سے بچنے کے لئے یہ درس بند کمرے میں دیا جاتا تھا لیکن جب ضمانت کی مدت ختم ہو گئی تو درس کے دروازے سب پر کھول دیئے گئے آہستہ آہستہ اس درس کا شہرہ دور و نزدیک پھیلنے لگا اور قرآن حکیم کے معانی اور تفسیر کا شوق رکھنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی اس ضرورت کے پیش نظر حضرت نے مسجد لائن سبحان خان والی کو درس و تدریس کا مرکز بنا لیا اول اول حضرت نے بہت سے درس شروع کئے۔ نماز فجر سے ایک گھنٹہ بعد درس قرآن پاک ہوتا مغرب کی نماز کے بعد نئے تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے درس دیا جاتا اسے گریجویٹوں کا درس کہا جاتا تھا اور اس میں علامہ علاؤالدین صدیقی، ڈاکٹر سید عبداللہ، شیخ عظیم اللہ، پروفیسر ڈاکٹر سعادت جیسے لوگوں نے شمولیت کی اور مولانا مرحوم کے وسیع اور عریض دستر خوانِ علم سے خوشہ چینی کی ہے یہ درس کیا ہوتے تھے اور ان کو کس طریقے سے اسلام کی روح انقلاب کو سننے والوں کے ذہن کی تار و پود میں شامل کر دیا جاتا تھا اس کا عکس ان لوگوں کے افکار اور اعمال میں آپ کو دکھائی دے گا جو ان درسوں میں شامل ہوتے تھے اوپر کی سطور میں چند نام نشاندہی کی غرض سے پیش کئے گئے ہیں اگر مولانا احمد علی کے فکر کو عمل میں دیکھنا چاہیں تو آپ ان لوگوں سے ضرور ملیں۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کا اجازت نامہ

اس سے کم محنت طلب اور مولانا کے درس قرآن کے اغراض و

مقاصد کو واضح کر دینے والی ایک چیز حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کا ایک اجازت نامہ ہے جو حضرت مغفور نے اپنے شاگرد اور اپنے نظریات کے علمبردار کو عطا کیا اس اجازت نامے کے ایک حصہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"وہ تمام تعریفوں کا مستحق وہی اللہ تعالیٰ ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتیں اور سلام ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے اما بعد۔ سید صالح مولوی احمد علی صاحب لاہوری جو میرے بڑے بھائی حبیب اللہ بن اسلام کے بیٹے ہیں جو میری تربیت میں اس نذر کی وجہ سے رہے جو ان کے والدین نے مانی تھی یہ میرے پاس اس وقت سے رہے جس وقت ان کی عمر صرف ۸ سال تھی۔ یہ مجھے میری عزیز ترین اولاد کی طرح عزیز ہیں انہوں نے مجھ سے صرف و نحو وغیرہ اور حدیث، تفسیر اور فقہ کی تعلیم حاصل کی درس کی تکمیل پر میں نے ۱۳۲۶ھ میں انہیں اجازت دی تھی۔ قرآن عظیم اور حدیث کے علوم کی روایت کر سکتے ہیں جب کہ میں دارالرشاد میں تھا اور ان کے لئے میں نے اپنے شیخ حسین بن محسن انصاری سے بھی اجازت لے لی جس کے بعد مولانا تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے مگر پھر دوسری بار جب میں دہلی آیا تو ترجمہ قرآن عظیم اور حجۃ اللہ البالغہ اور اس کے مناسبات مجھ سے حاصل کر لئے جس کے مولانا احمد علی پوری محنت کے ساتھ مسلم نوجوانوں اور بوڑھوں میں اشاعت قرآن مجید اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سرگرم عمل رہے جس کو اللہ نے بڑی برکت اور اثمر سے مشرف فرمایا۔"

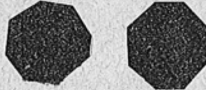
مگر کچھ عرصہ کے بعد کسی وجہ سے مکہ مکرمہ کی ملاقات ۱۳۴۶ھ پر انہوں نے مجھ سے دوبارہ اجازت طلب کی چنانچہ میں اب بھی مولوی احمد علی صاحب بن حبیب اللہ بن اسلام کو اجازت دیتا ہوں موصوف کو میری طرف سے اجازت ہے کہ تمام علوم شرعیہ، ادبیہ، عقلیہ خصوصاً قرآن عزیز، موطا صحیحین، سنن ابی داؤد، ترمذی، نسائی حافظ کی فتح الباری حکیم الامت شیخ اعظم ولی اللہ الدہلوی کی تصانیف مثلاً فتح الرحمٰن، الفوز الکبیر، المصفیٰ، حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ اور آپ کے تلامذہ اور پیروان باوقار شیخ اجل عبدالعزیز دہلوی شیخ شہید محمد اسمٰعیل دہلوی، شیخ اعظم محمد قاسم نانوتوی کی تصانیف کی روایت کریں تاکہ بوقت ضرورت ان بزرگوں کے مسلک سے باہر قدم نہ رکھیں

دوبارہ اجازت ۱۳۴۶ھ یعنی ۱۹۲۷ء میں طلب کی گئی مسلمانوں کی سیاسی زندگی کی تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ زمانہ ہندی مسلمانوں کی سیاست میں ایک عجیب قسم کا نظریاتی خلاء کا زمانہ تھا اس سے قبل تحریک خلافت اپنے اقتدار کا زمانہ ختم کر کے کانگرس کو صحیح معنوں میں فعال اور موثر جماعت بنانے میں اپنی زندگی بخش قوتیں ختم کر چکی تھی، نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کی توقعات کو مہلک ضرب لگائی اور کانگرس میں شامل ہونے والے مسلمان اس سے بدظن ہونے لگے ان کے پاس کوئی ایسا نظریہ یا ایسی سٹیج باقی نہ تھی جس پر وہ جمع ہو کر اپنے مستقبل کے متعلق غور کر سکیں۔ مسلمان نظریاتی خلاء میں معلق تھے عین اس زمانے میں مولانا احمد علی، حضرت مولانا عبیداللہ سندھی جیسے انقلابی سے دوبارہ درس کی اجازت طلب کرتے ہیں اس اجازت سے حضرت شاہ ولی اللہ کی تصانیف کے درس کا خاص اہتمام سے ذکر کیا جاتا ہے اور یہ کتابیں وہ ہیں جو ہندی مسلمانوں کے انتہائی ادبار کے زمانے میں تصنیف ہوئیں ان کا والد وہ تھا جس نے خطوط کے ذریعے احمد شاہ ابدالی کو مرہٹوں اور سکھوں سے نبرد آزما ہونے کی باقاعدہ تلقین کی تھی اور دعوت دی تھی۔ جو مجدد الف ثانی کے نظریات کا علمبردار تھا اس طرح حضرت مولانا احمد علی نے مولانا عبیداللہ سندھی سے اس بات کی اجازت طلب کی تھی کہ وہ شاہ ولی اللہ کی وساطت سے مجدد الف ثانی کے نظریات کی تبلیغ کریں اور یہ تو معلوم ہو گا کہ حضرت مجدد الف ثانی وہ بزرگ ہیں۔ جنہوں نے اکبر اعظم کے دین الٰہی کی تکذیب کی تھی اکبر اعظم نے اپنی سیاسی پالیسی کے ذریعے خاصی معصومیت کے ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں کو اول درجے کی قوم سے دوم درجے کی قوم بنا دیا تھا اور ہندوؤں کے ساتھ مصالحت کر کے ہندوستان میں مسلمانوں کی بالادستی کو ختم کر دیا تھا ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار پر یہ پہلی خوفناک ضرب تھی حضرت مجدد الف ثانی نے اس کا تدارک کیا اور ایک دفعہ پھر ہندی مسلمانوں کو ان کا درجہ دینے کی سعی کی۔ جہانگیر شاہجہان اور سب سے آخر میں حضرت عالمگیر اسی "مجددی" فلسفے کے متبعین تھے جن کی کوششوں

سے مسلمان دینِ الٰہی کے فریب سے نکلے۔ عالمگیر کے بعد آنے والے مسلمان بادشاہ کمزور تھے اس کے علاوہ انہیں اپنے بزرگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ خطرناک دشمنوں سے سابقہ پڑا تھا نتیجہ یہ کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو انتہائی سیاسی ادبار کا دور دیکھنا پڑا اس زمانے میں شاہ ولی اللہ نے مجدد الف ثانی کا پرچم بلند کیا یہی چراغ تھا جو اسمٰعیل شہید اور احمد شہید کے سینے میں روشن ہوا پھر اسی چراغ سے وہ چراغ روشن ہوئے۔ دیوبندی چراغ شیخ الہند حضرت محمود الحسنؒ کے ہاتھوں کی مشعل تھی یہ مشعل ۱۹۲۷ء میں مولانا عبید اللہ سندھی کو منتقل ہو چکی تھی حضرت مولانا احمد علی نے محولہ بالا اجازت نامے سے اسی مشعل سے روشنی مستعار لی تھی اور یہی روشنی تھی جو قریباً ۴۵ سال لاہور کے شیرانوالہ دروازے کے باہر ایک مسجد میں روشن رہی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ اپنے دوستوں اور حلقہ ارادت میں آنے والوں کو حضرت مولانا احمد علی سے بیعت کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے اور حضرت کے درس قرآن میں شامل ہونے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔

کیا یہ ساری باتیں علیحدہ علیحدہ حلقوں کی حیثیت رکھتی ہیں اور کیا ان کو پرو کر ایک زنجیر نہیں بنایا جا سکتا؟ کیا سابقہ پنجاب میں بڑے بڑے زمینداروں کے مقابلے میں مسلم لیگ کی عصر ساز فتح بلاوجہ تھی اور اس کے پیچھے اس اجازت کی کوئی جھلک نہ تھی جو ۱۹۲۷ء میں مکہ معظمہ کی متبرک سرزمین سے حاصل کی گئی؟

میری حقیر رائے میں یہ ایک مربوط اور مسلسل زنجیر ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا درس قرآن حکیم وہ بہت بڑی طاقت تھی جس نے علامہ اقبال کے کلام کے پہلو بہ پہلو مسلمانوں کو نظریہ پاکستان قبول کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کیا تھا۔ حضرت جب اپنی والدہ کے شکم میں تھے تو انہیں خدمتِ اسلام کے لئے وقف کیا گیا جب ان کی وفات ہوئی تو پاکستان کی سرزمین میں دفن ہوئے کیا فرض کی تکمیل کی ایسی مکمل مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟



جامع شخصیّت



امام لاہوری رح

مہتمم دارالعلوم دیوبند نے کیا فرمایا؟

۲۸۔ اپریل ۱۹۶۲ء کی شب نمازِ عشاء کے بعد جامع مسجد شیرانوالہ لاہور میں دورۂ تفسیر کے کامیاب طلباء کا جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا۔ یہ دورہ تفسیر قطب العالم شیخ التفسیر سیدنا و مرشدنا حضرت مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے معمول کے مطابق رمضان المبارک میں شروع کرایا تھا، چنانچہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اس کی تکمیل جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہٗ العالی کے ہاتھوں ہوئی۔ اسناد فخر الاماثل حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ العالی اور امیر جمعیۃ العلماء اسلام حافظ الحدیث یادگارِ سلف حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی نے تقسیم کیں بعد خطبہ مسنونہ کے قاری صاحب نے تقریر فرمائی۔

بزرگانِ محترم! اس جلسہ کے موضوع کے سلسلہ میں جتنا وقت نصیحت کا تھا وہ حضرت مولانا درخواستی فرما چکے ہیں۔ اب اس پر کسی اضافے کی ضرورت نہیں۔ دراصل میرا مقصد بھی اس وقت کوئی لمبی چوڑی تقریر کرنا نہیں ہے۔ بلکہ سرے ہی سے تقریر کرنا مقصود نہیں تھا۔ محض تبرکاً اس جلسہ کی شرکت اور سعادت حاصل کرنا مقصود تھی۔ ہمارے محترم بھائی مولانا عبید اللہ انور نے تو فرما ہی دیا تھا فون پر ..... کہ تقریر کرانا مقصود نہیں ہے صرف جلسہ کی شرکت مقصود ہے۔ کوئی اجبار اور اکراہ نہیں ہوگا۔ تو اس لیے تقریر نہ ضروری ہے اور نہ ضرورت ہی باقی رہی ہے۔ اس لیے کہ تقریر آپ سُن چکے۔ لیکن چونکہ بار بار اعلان کیا گیا تھا۔ اس لیے بہرحال اعلان کے احترام میں چند کلمات عرض کر دینے مناسب معلوم ہوئے۔

یہ جلسہ تقسیم اسناد کے سلسلے میں تھا۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے معمول کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر شروع کرائی لیکن وہ درمیان میں رہ گئی اور حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔ ان کے وصال کے بعد حضرت کے صاحبزادہ مولانا عبید اللہ انور نے اس کی تکمیل فرمائی اور اس کی تکمیل پر یہ سندیں طلباء کو دی گئیں۔ یہ سند کا دیا جانا بالکل ایسا ہے جیسا کہ جب کوئی چیز حدِ کمال کو پہنچ جاتی ہے اور بالغ ہو جاتی ہے تو قدرتی طور پر کچھ علامتیں ایسی ہوتی ہیں جس سے اس کا بلوغ اور اس کا کمال عام طور سے محسوس ہونے لگتا ہے۔ آدمی جب جوان ہوتا ہے پندرہ سال کی اس کی عمر ہو گئی تو قدرتی طور پر کچھ علامتیں ایسی نمایاں ہوتی ہیں کہ دیکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جوان ہو گیا ہے۔ کچھ چہرہ چوڑا اچکلا ہو جاتا ہے قد و قامت کچھ اونچا ہو جاتا ہے، مسیں بھیگنے لگتی ہیں، چہرہ پر خط نمودار ہوتا ہے۔ ان علامتوں سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ بالغ ہو گیا ہے اور بالغ ہونے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اب اس کی نسل چل سکتی ہے آئندہ۔ اور اس کی شاخیں بڑھ جائیں گی۔ یہ اس درجہ پر پہنچ چکا ہے کہ نسل چل جائے گی اس کی۔ تو ان علامتوں کو دیکھ کر اس کے بلوغ کو سمجھتے ہیں اور بلوغ کا یقین کرنے

کے بعد تزویج کی نوبت آتی ہے اور تزویج کے بعد نسل چلنے لگتی ہے۔ یہی سلسلہ چلا آتا ہے اُوپر سے اور چلتا جائے گا۔ اسی طرح سے ایک طالب علم قرآن و حدیث پڑھ لینے کے بعد جب اس کی استعداد مکمل ہو جاتی ہے اور وہ حدِ بلوغ کو پہنچ جاتا ہے تو اساتذہ کی طرف سے کچھ علامتیں دی جاتی ہیں جن سے سمجھ میں آجائے کہ اب یہ بالغ ہوگیا ہے اور اس کی استعداد مکمل ہوگئی ہے ــ حضراتِ صوفیاء قدس اللہ اسرارہم کے ہاں خرقہ دیا جاتا تھا۔ پگڑی دی جاتی تھی اور علامت کے طور پر کوئی کپڑا وغیرہ دیا جاتا تھا۔ حضرات علماء کرام کے ہاں فارغ التحصیل کی دستار بندی کی جاتی ہے۔ عمامہ باندھتے ہیں۔ سند دیتے ہیں ــ تو یہ سند اور دستار فی الحقیقت بلوغ کی علامت ہے کہ استعداد کامل ہوگئی۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آدمی عالم بن گیا پورا ــ بلکہ علم کی استعداد پیدا ہوگئی کہ اب اگر وہ بڑھانا چاہے علم کو ــ تو خود اپنی قوتِ باطن سے بڑھا سکتا ہے۔ اب تک کلیتہً محتاج تھا اپنے اُستاد کا ــ ایک ایک سطر میں اور ایک ایک کلمہ میں ــ لیکن استعداد کی تکمیل کے بعد خود بھی اپنے قوتِ مطالعہ سے وہ علم حاصل کر سکتا ہے۔ بڑھا سکتا ہے ــ اور اس درجہ کا ہے کہ اگر وہ کتاب پڑھانے کے لیے بیٹھ جائے تو دوسروں کو بھی اپنے جیسے بنا سکتا ہے گویا اس کی علمی نسل چل سکتی ہے۔ آئندہ اس کی ذریت پیدا ہو سکتی ہے تو جس طرح سے مرد کے بلوغ کی علامتیں ہوتی ہیں۔ ان علامتوں کو دیکھ کر زوجیت اور تزویج کر دیتے ہیں تاکہ نسل چلے۔ اسی طرح سے سند، خرقہ، عمامہ اور دستار دینا۔ علامت ہے علمی طور پر بلوغ کی۔ کہ اب اگر کتاب سے اس کی شادی کر دی جائے اور سامنے اس کے وہ بٹھلا دیا جائے تو اس کی نسل چل پڑے گی۔ اس کی ذریت پیدا ہو جائے گی۔ اس کا علمی کمال آگے بڑھ جائے گا۔ اس واسطے یہ سندیں دی جاتی ہیں۔ یہ علامت ہوتی ہے شہادت ہوتی ہے۔

تو یہ شہادت درحقیقت تکمیل علم کی شہادت نہیں ہے۔ تکمیل استعداد کی شہادت ہے۔ علم کا مقام تو اب آتا ہے طالب علم کے لیے کہ وہ آگے بڑھے۔ استعداد ہوگئی سمجھنے کی اس میں۔ تو بہرحال یہ استعداد کی شہادت ہے۔

کس چیز میں استعداد! اللہ کے کلام کے سمجھنے کی استعداد ــ گویا اُستادوں نے شہادت دی سند کے اُوپر کہ اب اگر یہ کتاب اللہ کو دیکھے گا تو اس کے مزاج اس کے مضامین اس کی مرادات کو سمجھنے کی استعداد ہوگئی اس میں۔ صلاحیت پیدا ہوگئی اس کی۔ سمجھنا چاہے تو سمجھ لے گا ــ تو قرآن کریم کے سمجھنے کی استعداد کی یہ علامت تھی۔ شہادت تھی اساتذہ کی طرف سے۔

قرآن کریم فی الحقیقت معجزہ ہے۔ یعنی کلام خداوندی ہے۔ کلام بشری نہیں ــ زبان اور قلب پر ظاہر ہُوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ لیکن کلام اللہ کا ہے۔

معجزہ کہتے ہی اس کو ہیں کہ مخلوق کو عاجز کر دے۔ مخلوق سپر ڈال دے اپنے عجز کا اعتراف کرے کہ ہم میں سکت نہیں ہے اس کے بنانے کی ــ وہی معجزہ ہے تو بعض معجزات تکوینی ہیں بعض تشریعی یہ آسمان زمین یہ سب معجزات ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کو بنایا ــ گویا ہر انسان جانتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی بنائی ہُوئی چیزیں ہیں۔ اس لیے کہ اگر ساری دُنیا کے انسان جمع ہو جائیں اور چاہیں کہ سُورج کی ایک کرن بنا دیں۔ تو ناممکن ہے، ان کے بس میں نہیں ــ سُورج تو پھر ہزاروں لاکھوں میل اُوپر ہے ــ اس زمین کا ایک ذرہ نہیں بنا سکتے سارے انسان مل کر ــ جس میں صلاحیتیں ہوں اُگانے کی۔ وہ قوتیں ہوں جو مٹی کے اندر اللہ نے رکھی ہیں ــ کام تو لے سکتے ہیں۔ اس سے سورج کی کرنوں کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن بنا نہیں سکتے نہ سُورج کو نہ زمین کو ــ تو نہ بنا سکنا عجز کا اقرار ہوگا ــ یہ دلیل اس بات کی ہوتی ہے کہ فعل خدا کا ہے کسی بشر کا نہیں ــ وہی بنا سکتا ہے دوسرا نہیں بنا سکتا ــ

اسی طرح سے کلام کے سلسلے میں جب اس درجہ کا کلام ہو کہ سارے بشر مل کر اس کی نظیر نہ لا سکیں تو علامت ہوگی اس کی کہ یہ خدا کا کلام ہے، بشر نہیں بنا سکتا اس کو ــ اور اس کی ایک کھلی ہُوئی وجہ یہ ہے کہ جس قدر بھی صفات

ہیں۔ جس قدر بھی کمالات ہیں جو انسان کو عطا کئے گئے ہیں تو ان میں ایک حد ایسی ضرور نکلتی ہے کہ وہاں پہنچ کر انسان عاجز ہو جاتا ہے۔ مثلاً علم ہے۔ علم آپ کو دس نسلوں کا ہوگا۔ سو کا ہوگا۔ ہزار کا ہوگا۔ دس ہزار نسلوں کا علم ہوگا اس کے بعد جا کر کے عجز کی حد آ جاتی ہے کہ اب یہاں انسان عاجز ہے۔ قدرت ہے آپ کی۔ آپ اس چوکی کو اُٹھا سکتے ہیں۔ لاؤڈسپیکر کو اُٹھا سکتے ہیں۔ لیکن اگر کہا جائے کہ اس مسجد کو اُٹھا لیں تو آپ کہیں گے ہماری کوئی ہستی نہیں ۔ تو قدرت کی ایک حد آ گئی۔ آگے اب عجز شروع ہو گیا۔ تو آپ کی قدرت محدود ہے اور محدود ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ایک حد کے اندر اندر ہے۔ حد سے باہر قدرت کا خاتمہ ہے پھر اگر وہ قدرت شروع ہو جائے۔ علم محدود ہے ۔ ایک خاص دائرہ کے اندر آپ کا علم ہے۔ اس دائرہ سے باہر ہوں تو عدم علم کی حد آ جائے گی جس کو جہل کہتے ہیں۔ تو حد کے اندر علم اور باقی جہل ہی جہل ہے۔ اسی طرح سے مثلاً آپ کی سمع ہے۔ سُننے کی طاقت۔ آپ ایک فرلانگ کی بات سُن لیں گے۔ دس فرلانگ کی۔ میل بھر کی ہزار میل کی اور یہ بھی مان لینا کہ ریڈیو کے ذریعہ مشرق کی بات مغرب میں سُن لیں آپ ۔ لیکن اس کے بعد آسمانوں کی آوازیں آپ کے کانوں میں نہیں آتیں۔ وہاں سے آگے پھر عدم سمع شروع ہو جاتا ہے ۔ تو معلوم ہوا سمع کی ایک حد ہے جہاں سے آگے چل کر عدم سمع ہے جسے بہرا پن کہتے ہیں۔ بصر ہے آپ کی ۔ آپ دن میں تارے دیکھ لیں اتنے قوی البصر ہوں، لیکن اس کے آگے تم نہیں دیکھ سکتے تو بصر کی بھی ایک حد نکلی اس کے بعد پھر عجز ہے جس کو عدم بصر کہتے ہیں۔ یعنی پھر اندھاپن۔

تو جس قدر بھی آپ کی صفات ہیں ایک حد کے اندر محدود ہیں۔ علم بھی قدرت بھی، سمع بھی، بصر بھی حتیٰ کہ حیات بھی یہ تو سب حیات کے کرشمے ہیں۔ زندہ ہوگا آدمی تو سمع بھی ہوگی۔ بصر بھی ہوگی ۔ اور زندہ ہی نہیں تو نہ سمع نہ بصر۔

خود حیات آپ کی محدود ہے ۔ دس برس، بیس برس، پچاس برس کے زمانے کے اندر اندر محدود۔ اس سے پہلے بھی نہیں اس کے بعد بھی ممکن ہے کہ نہ ہو تو دو حدوں کے بیچ آپ کی حیات ہے پھر عدم الحیات۔ تو آپ کی ذات سے لے کر صفات تک تمام چیزیں محدود ہیں حدود کے اندر ۔ اور جب وہ حد آتی ہے تو آگے عجز ظاہر ہوتا ہے۔

یہی صورت کلام کی بھی ہے۔ آپ کلام کریں بہت فصیح، بہت بلیغ، سحبان الھند بن جائیں۔ افصح العرب بن جائیں، لیکن بہرحال ایک حد پر آ کر آپ کا کلام اور فصاحت ختم ہو جائے گی۔ وہاں آپ کو عجز کا اقرار کرنا پڑے گا۔ آگے جو حد آتی ہے فصاحت کی وہ خدائی حد ہے۔ وہیں سے بندہ جو ہے عاجز ہو جاتا ہے ۔ اُس کے آگے حد شروع ہوتی ہے کہ جو بلا واسطہ حق تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے کہ جیسی فصاحت جیسی بلاغت وہ فرما سکتے ہیں اپنے کلام میں۔ اور جن حقائق کو حق تعالیٰ ادا کر سکتے ہیں بشر وہاں عاجز رہ جاتا ہے۔

یہ انبیاء علیہم السلام کا کمال ہے کہ بڑی سے بڑی دقیق حقیقتوں کو سہل عنوان سے ادا فرما دیتے ہیں ۔ اس کے باوجود انبیاء کی عاجزی اور حد ختم ہو جانے کے بعد خدائی حد شروع ہوتی ہے ۔ تو بہرحال اسی حدِ اعجاز کا نام وہ انتہائی فصاحت و بلاغت ہے ۔ جو خدائی حد ہے ۔ یہی حقیقت ہے قرآن کریم کہ قرآن عزیز کلام خداوندی ہے ۔ افصح ہے، ابلغ ہے اس حد پر کہ سارے بشر وہاں پہنچ کر عاجز ہو جاتے ہیں ۔ نہ اس جیسا کلام لا سکتے ہیں نہ ان کو قدرت ہے۔

جیسے سب چیزوں میں سمع میں بصر میں ۔ حد نکلتی ہے اعجاز کی۔ اسی طرح کلام میں ایک حد نکلتی ہے وہاں بشر کی حد ختم ہو جاتی ہے ۔ تو بہرحال قرآن کریم معجزہ ہوا اس وقت یہ مقصد نہیں ہے کہ قرآن کی فصاحت اور بلاغت

پہ کوئی تقریر کی جائے ــ مقصد صرف یہ ہے عرض کرنے کا کہ جیسے قرآن کریم معجزہ ہے اس کا آغاز اور اس کی انتہا بھی ایک اعجاز ہے ــ جیسے طرز بیاں میں اس کا اعجاز ہے ــ اس کے آغاز میں بھی اعجاز ہے ــ اس کے اختتام میں اعجاز ہے ــ چونکہ ختم قرآن ہی کا ایک موضوع چل رہا ہے ــ قرآن ختم ہُوا ــ تفسیر ختم ہُوئی تو سندیں تقسیم ہوئیں ــ اس واسطے میں عرض کر رہا ہوں ــ جیسے پُورا قرآن ایک معجزہ ہے ــ غور کیا جائے تو اس کی ابتدا اور انتہاء میں بھی کمال اعجاز چُھپا ہُوا ہے ــ اس کو یوں سمجھئے کہ دُنیا کے اندر جس قدر بھی اشیاء ہیں دو طرح کی ہیں ــ یا نافع ہیں یا مضر ــ جو نافع ہیں وہ نعمت کہلاتی ہیں جو مضر ہیں وہ زحمت کہلاتی ہیں ــ یہ ایک ہی چیز کے دو حال ہیں ایک حال نافع ہے ــ ایک مضر ہے ــ ایک حال کو نعمت کہیں گے اور ایک کو زحمت ــ

تو دو ہی قسم کی چیزیں ہیں دنیا میں ــ یا ان سے لذت پہنچتی ہے یا ان سے مصیبت ــ اور کلفت پہنچتی ہے ــ اور ہر چیز میں دونوں کیفیات موجود ہیں ــ زمین نافع بھی ہے اور مضر بھی ــ بعض اوقات نفع دیتی ہے اور بعض اوقات یہی پانی موت کا سامان بن جاتا ہے ــ روٹی کھاتا ہے آدمی جو سبب ہے زندگی کا ــ لیکن بعض اوقات یہی روٹی اُچھو پڑ گیا ــ گلے میں اٹک گئی تو موت کا سامان بن گئی ــ تو ہر چیز میں راحت کا دروازہ بھی کھُلا ہُوا ہے ــ تو حالتیں دو ہیں یا نعمت کی یا مصیبت کی ــ نعمت کے مقابلے میں حق تعالیٰ نے شکر رکھا ہے مصیبت کے مقابلے میں صبر و تعوذ رکھا ہے کہ پناہ مانگو اللہ سے ــ یہی وجہ ہے کہ جو نعمت آئے گی امر ہے کہ شکر کرو ــ اور بن پڑے جو بھی مصیبت آئے گی امر ہے کہ صبر کرو اس سے تعوذ کرو ــ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیّبہ میں یہ دونوں پہلو اتنے نمایاں ہیں ــ اتنے اجاگر ہیں کہ نہ آپ جیسا حمد کرنے والا کوئی آج تک گزرا ہے نہ آئندہ گزرے گا ــ اتنے صیغے حمد و ثنا کے آپ سے مروی منقول ہیں کہ دنیا کے کسی ہادی و نذیر سے حمد و ثنا کے اتنے صیغے منقول نہیں ہیں ــ

کوئی حال ایسا نہیں چھوڑا کہ آپ نے اس پہ حمد و ثنا نہ کی ہو ــ اگر کپڑا پہنتے ہیں تو فرماتے ہیں ــ **الحمد للہ الذی کسانی ھذا من غیر حول منی ولا قوۃ** ــ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ (کپڑا) پہنایا میری طاقت اور ہمت کے بغیر کھانا کھا کر اُٹھتے ہیں تو فرماتے ہیں ــ **الحمد للہ الذی اطعمنا و سقانا وجعلنا من المسلمین** ــ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا ــ سو کر اُٹھتے ہیں تو فرماتے ہیں ــ **الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور** ــ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مرنے کے بعد زندہ اور اسی کی طرف اُٹھ کر جمع ہونا ہے ــ

استنجا سے واپس آتے ہیں تو فرماتے ہیں ــ **الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذیٰ وعافانی** ــ حمد ہے اس کے لیے جس نے اذیت کی چیزیں میرے اندر سے نکال دیں اور مجھے عافیت عطا فرمائی ــ

اگر چھینک آنے پہ دماغ میں راحت محسوس ہوتی ہے تو الحمد للہ زبان مبارک پہ لاتے ــ گھر میں داخل ہوتے ہیں تو حمد و ثنا کرتے ہیں ــ داخل ہو کر گھر سے باہر نکلتے ہیں تب حمد و ثنا ــ بازار میں جاتے ہیں تب حمد و ثنا ــ جنگ میں جاتے ہیں تب حمد و ثنا ــ کوئی لمحہ ایسا نہیں جاتا کہ جس میں حمد کے صیغے آپ سے ادا نہ ہوتے ہوں ــ

اور پھر اتنی تبلیغ کی حمد و ثنا کی کہ عالم میں کوئی نہیں کر سکتا ــ حتیٰ کہ حدیث میں فرمایا گیا ــ خود آپ ہی فرماتے ہیں ــ قیامت کے دن مجھ کو عطا کیا جائے گا مقام محمود (یعنی کہ مقام میں بھی حمد شامل ہے) اور میں اتنی حمد بیان کروں گا ــ ایسے اللہ کے محامد بیان کروں گا کہ نہ عالم میں کسی نے کیئے نہ کوئی کرے گا ــ اور مجھے بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ

حمد وثنا کیا ہوگی ۔ اسی وقت میرے قلب پر القا کی جائے گی وہ حمد وثنا ۔ تو سات دن تک حمد وثنا کریں گے
اور بلیغ ترین حمد وثنا ہوگی ۔ تو دُنیا سے لے کر آخرت تک آپ کو حمد وثنا دی ہُوئی ہے ۔ کوئی لمحہ آپ کا حمد و
ثنا سے خالی نہیں ہوتا تھا ۔ کوئی حال ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں حمد وثنا اور شکر کے صیغے استعمال نہ فرماتے ہوں ۔
اسی لیے علماء لکھتے ہیں کہ آپؐ کا نام احمد ہے ۔ احمد کے معنی ہیں سب سے زیادہ حمد کرنے والا بندہ ۔ تو آپ
احمد بھی اور حق تعالیٰ کا قانون ہے مکافات کا ۔ جو جس طرح کا معاملہ کرتا ہے حق تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ
اسی قسم کا معاملہ کرتے ہیں ۔ ان تنصر اللہ ینصرکم آپ اللہ کی مدد کریں اللہ آپ کی امداد کرے گا ۔
فاذکرونی اذکرکم تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا ۔

جس کو یہ پسند ہے کہ وہ اللہ سے ملاقات کرے تو اللہ کو بھی یہ پسند ہے کہ وہ اس بندے سے
ملاقات کرے ۔ تو قانون مکافات ہے ۔ حق تعالیٰ کا ۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی اتنی حمد وثنا کی آپ کا نام احمد ہوگیا ۔ اور حق تعالیٰ نے آپ کی حمد وثنا
کی تو اس لیے آپ کا نام محمّد ہوگیا ۔ حمد کیا گیا ۔ آپ حمد کرنے والے بھی سب سے زیادہ ہیں اور
حمد کئے گئے بھی سب سے زیادہ ۔ اور اسی لیے قیامت کے دن آپ کو جو مقام دیا جائے گا اس کا نام بھی
مقام محمود ہوگا ۔ عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا ۔ حتیٰ کہ وہ جھنڈا جو آپ کے ہاتھ میں ہوگا
قیامت کے دن اس کا نام لواء الحمد ہوگا ۔ بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ (قیامت کے دن) حمد کا جھنڈا میرے
ہاتھ میں ہوگا مگر فرماتے ہیں ۔ میں شیخی سے نہیں کہتا امر خداوندی ہے ۔ تحدیث نعمت کے طور پہ کہتا ہوں ۔ تو لواء
الحمد (حمد کا جھنڈا) آپ کے ہاتھ میں ہوگا ۔ آدمؑ اور ساری اولادِ آدمؑ حمد کے جھنڈے کے نیچے ہوگی ۔

چنانچہ جھنڈا بھی دیا گیا تو حمد کا ۔ مقام بھی دیا گیا تو محمود ۔ حتیٰ کہ حدیث میں ہے ۔ آپ کی امت کا لقب
امت کا نام بھی حمّادون ہوگا ۔ یعنی حمد والے بندے ۔ ساری امتوں میں یہ امت حمّادون کے لقب سے
یاد کی جائے ۔ کہ آگئے حمد وثنا کرنے والے بندے ۔

اس واسطے کہ نبی جس وصفِ غالب سے تربیت فرماتے ہیں اپنی امت کے اندر رچتا ہے پوری طرح
سے ۔ تو آپ کے اُوپر غلبہ ہے حمد وثنا کا ۔ اس لیے امّت کا مزاج بھی ہے حمد وثنا کا ۔ کفرانِ نعمت
کا مزاج نہیں ہے ۔ تھوڑی سی چیز ہوگی تو حمد وثنا بہت کریں گے ۔ تھوڑی نعمت مل جائے گی تو اللہ کا
شکر بہت ادا کریں گے ۔ یہ مزاج ہے اس امت کا ۔ اگر مزاج میں سلامتی نہ ہو خدا نخواستہ ۔ مزاج فاسد
ہو جائے کسی کا تو وہ بات دوسری ہے ۔ لیکن اصل طبیعت پہ جب یہ امت رہے گی تو حمد وثنا کا غلبہ رہے
گا ۔ اس لیے کہ اس کے مربّی اعظم پر بھی غلبہ تھا حمد وثنا کا ۔ ہر طرف سے حمد وثنا گھیرے ہوُئے ہے آپ کو
۔ تو آپ کو اللہ نے جو کتاب عطا کی ہے تو اس کی ابتداء بھی الحمد سے کی ہے ۔ الحمد للہ رب العالمین ۔
ساری تعریفیں ہیں اللہ رب العالمین کے لیے ۔ گویا کہ آغاز میں حمد رکھ دی گئی کہ جب ایک مسلمان کتاب خداوندی پڑھے
گا تو سب سے پہلے اس کی زبان حمد کا صیغہ آئے گا کہ الحمد للہ ۔ ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جو پالنے
والا ہے جہانوں کا ۔ رحمان ہے رحیم ہے ۔ مالک یوم الدّین ۔ تو حمد سے گویا آغاز کیا گیا کتاب اللہ کا ۔ جس میں
اشارہ اس طرف ہے کہ آغاز اور غلبہ اور سبقت تمہارے اندر حمد وثنا کی رہنی چاہیے ۔ گویا ہر وقت اللہ کی نعمتیں
پیش نظر رہیں ۔ تاکہ حمد وثنا تمہاری زبانوں سے جاری ہو قلوب کے اندر بھی جاری ہو ۔

تو آغاز کیا گیا کتاب اللہ کا حمد کے ساتھ ۔ الحمد للہ ۔ بقول نحویوں کے الحمد "ال" استغراق کا لیا

جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جتنے بھی الفاظ حمد کے ہیں وہ سب اللہ کے لیے ہیں۔ اس واسطے کہ حمد جو ہوتی ہے کسی پاکیزہ صفت کی ہوتی ہے ـــ بُرے اوصاف پر تو کسی کی حمد و ثنا کوئی کیا ہی نہیں کرتا ۔ خوبی پر حمد و ثنا ہوتی ہے ـــ تو جب ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری خوبیاں ہی اللہ کے لیے ہیں ـــ وہی سرچشمہ ہے ساری خوبیوں کا ـــ واسطہ یا بلا واسطہ جو بھی حمد کریں گے کسی کی ـــ وہ اللہ ہی کے لیے ہے ـــ بلا واسطہ اللہ کی حمد کریں تو وہ سرچشمہ ہے کمالات کا مستحق ہے شکر کا ۔ لیکن دنیا میں بھی اگر آپ کسی کی تعریف کریں گے اور شکر ادا کریں گے تو وہ بھی در اصل اللہ ہی کا شکر ہوگا ۔ اس لیے کہ جس میں جو خوبی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے آئی ہے ۔ کسی کی ذات میں کوئی خوبی نہیں۔ جس میں کچھ خوبیاں نمایاں ہیں وہ پرتو ہیں حق تعالیٰ شانہٗ کی خوبیوں کا ـــ اس لیے اگر کسی انسان کی خوبی پر آپ تعریف کریں گے وہ بھی بالآخر اللہ کی تعریف ہے ـــ کسی اور خوبصورت چیز کی تعریف کریں گے تو وہ بھی درحقیقت اللہ ہی کی تعریف ہے ـــ اور خوبی وہیں سے آئی ہے ـــ تو صورت کی تعریف ہو یا سیرت کی ہو، بدن کی ہو یا روح کی ہو، کسی خوبی کی ہو یا عمدگی کی ہو بالآخر وہ اللہ کی تعریف ہے کیونکہ ہر خوبی وہیں سے آئی ہے ـــ اس لیے کہا گیا کہ الحمد للہ اسمیں ال استغراقی ہے۔ یعنی سارے الفاظ حمد کے صرف اللہ کے لیے ہیں۔ بالواسطہ ہوں یا بلا واسطہ ۔

اب اگر جنس کا لے لیا جائے ال کو اس کا مطلب یہ ہے کہ حمد کی جنس اللہ کے لیے ہے ۔ قلیل ہو یا کثیر حق تعالیٰ ہی مستحق ہیں حمد و ثنا کے ـــ اصل میں ان کی حمد ہے، ان کے واسطہ سے پھر دوسروں کی حمد ـــ تو قرآن کریم کا آغاز کیا گیا الحمد سے اس لیے کہ جس نبیؐ پاک پر یہ کتاب اُتاری گئی ان پر خود غلبہ حمد و ثنا کا ہے ۔ ان کا نام احمدؐ ـــ ان کا نام محمدؐ ـــ ان کے مقام کا نام محمود ـــ ان کے جھنڈے کا نام لواء الحمد ـــ ان کی امت والوں کا لقب حمادون ـــ اس لیے کتاب بھی حمد سے ہی شروع کی گئی ۔ تو آغاز ہوا حمد سے ـــ درحقیقت دنیا میں جتنی بھی نعمتیں یا لذتیں ہیں ان کے مقابلے پر شکر کی عبادت رکھی گئی ہے ۔ اور آغاز کیا الحمد سے تاکہ شکر گزارنے کی توفیق پیدا ہو بندہ میں ـــ اور شکر گزار بننے کا جذبہ ہمارے اندر قائم ہو۔ دوسری حالت مصیبت کی ہوتی ہے ـــ انسان اذیت اُٹھائے ـــ بیماری ہے، مرض ہے، فکر ہے، غم ہے ـــ خلاف طبع واقعات ہزاروں پیش آتے ہیں ـــ ان کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے تعوّذ یعنی پناہ مانگو اللہ سے ۔ پناہ جوئی کرو اور اللہ کے دامن میں آ جاؤ تاکہ مصائب سے بچو ۔ اس کے لیے اعوذ باللہ ہے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حق میں زندگی کے جتنے صیغے حمد و ثنا کے اتنے ہی صیغے تعوذ کے ہیں ۔ کوئی نعمت نہیں چھوڑی جس پر حمد و ثنا نہیں اور کوئی مصیبت نہیں چھوڑی جس سے پناہ مانگنی نہ سکھائی ہو آپ نے ـــ اَعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم ۔ سرچشمہ ساری برائیوں اور خباثتوں کا شیطان سے تو پہلا تعوّذ تو اس سے ہی سکھایا ۔ رب اَعوذ بك من همزات الشیٰطین واعوذ بك رب ان یحضرون

اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں شیطان سے، شیطان کے فتنہ سے اور شیطان کے اثرات سے ـــ پہلا تعوذ شیطان سے کیا گیا ـــ کہیں فرماتے ہیں ۔ اعوذ باللّٰہ من امراۃ تشیّبنی قبل المشیب میں پناہ مانگتا ہوں اس عورت سے جو بڑھاپے سے پہلے مجھے بوڑھا کر دے ۔ کہیں فرمایا ۔ اعوذ باللّٰہ من ولد یکون علیّ و بالاً ۔ میں پناہ مانگتا ہوں ایسی اولاد سے جو میرے اوپر عذاب بن کر رہ جائے ۔ کہیں فرمایا اعوذ باللّٰہ من البلاء ۔ میں بلیات سے پناہ مانگتا ہوں ۔ کہیں فرمایا ۔ اعوذ باللّٰہ من الوباء میں وباء سے پناہ مانگتا ہوں ۔ کہیں فرمایا : اعوذ باللّٰہ من

سوء الاخلاق والاھواء والادواء میں پناہ مانگتا ہوں بُرے اخلاق سے، بُری بیماری سے، بری بری خواہشات سے تو غرض نعوذ کے ہزاروں صیغے ہیں ـــ اعوذ باللہ من فتنۃ المحیا والممات میں پناہ مانگتا ہوں موت اور زندگی کے فتنے سے۔ اعوذ باللہ من فتنۃ الدنیا میں پناہ مانگتا ہوں دُنیا کے فتنہ سے ـــ تو عورت کے فتنہ سے، حیات و ممات کے فتنہ سے ـــ کوئی فتنہ نہیں چھوڑا کہ جس سے پناہ مانگنی نہ سکھلائی ہو ـــ تو اول حمد اس کے بعد دوسری چیز نعوذ ہوئی۔

قرآن کریم کا عجیب اسلوب ہے کہ ابتداء حمد سے کی گئی اور انتہا نعوذ سے کی گئی۔ سب سے پہلی صورت فاتحہ ہے جس کی ابتدا ہوئی الحمد سے۔ اور سب سے آخری سورتیں ہیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝ مادی وسائل جتنے ہیں ان سے پناہ اس میں مانگ لی گئی ـــ اصول بتا دیے گئے ـــ یہ ایسا ہی ہے بالکل۔ یعنی مثال کے طور پر آپ کھیتی بوتے ہیں یا کوئی درخت لگائیں اور وہ کھیتی اوپر کو چڑھے تو جب تک یہ کھیتی آفات سے بچی رہے گی پروان چڑھے گی اگر آفات آجائیں تو کھیتی مرجھا جاتی ہے ختم ہو جاتی ہے تو بعض اوقات کھیتی کو کچھ ایسے جانور لگ جاتے ہیں جو سبزہ خور ہیں اور درختوں کو چاٹ کر برابر کر دیتے ہیں اور کھیتی نیست و نابود ہو جاتی ہے ـــ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جانور تو نہ لگے لیکن کھیتی کے جو باقی رہنے کے اسباب ہیں وہ منقطع ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کھیتی کا بقا ہوا سے ہے ـــ اگر ہوا بند ہو جائے کھیتی مرجھا جائے گی ـــ یا سورج کی دھوپ چاہیے کھیتی کے لیے اگر وہ نہیں ہو گی کھیتی مرجھا جائے گی۔ یا کھلی ہوئی فضا چاہیے۔ اگر بند جگہ میں آپ درخت کو بند کر دیں گے تو وہ مرجھا جائے گا ـــ تو کھلی فضا ہو ـــ ہوا ہو ـــ سورج کی روشنی ہو ـــ یہ سب چیزیں نشو و نما دیتی ہیں باقی رکھتی ہیں۔

اگر یہ اسباب منقطع ہو جائیں تو کھیتی مرجھا جائے گی ـــ باقی نہیں رہے گی جیسے سارے اسباب موجود ہوں کوئی عارض ایسا پیش آجائے۔ مثلاً اولے پڑ جائیں یا برف باری ہو جائے انتہا کی ـــ تو بنی بنائی کھیتی اس میں خراب ہو جائے گی ـــ یا یہ بھی نہ پیش آئے۔ کھیتی کا جو مالک ہے اس کا کوئی دشمن ہے۔ اُس نے گھات لگا کر ساری کھیتی کاٹ کر برابر کر دی ـــ پھل نہ لانے پائی تھی کہ ایک طرف سے درانتی لے کر صاف کر دی، کاٹ برابر کی ـــ تو کبھی تو کھیتی برباد ہوئی ـــ ایسی طبعی مصیبتوں سے ـــ کوئی جانور لگ گیا۔ اس نے چاٹ لیا کوئی کیڑا لگ گیا۔ کبھی کھیتی برباد ہوتی ہے کہ اسباب بقا موجود نہ رہیں۔ کبھی کھیتی برباد ہوتی ہے نشو و نما کے سامان نہ رہیں اور کبھی کھیتی دشمنی میں برباد ہوتی ہے۔ یہی چار اصول ہیں کہ اس سے نشو و نما پانے والی چیز تباہ و برباد ہو جاتی ہے ـــ اسی طرح سے انسان جب پیدا ہوتا ہے اس میں نشو و نما ہے ـــ وہ بڑھنے والی چیز ہے اس کے لیے تباہ کن بھی اسی قسم کے چار اسباب ہوتے ہیں۔

کبھی تو کچھ ایسی چیزیں اس کے مد مقابل آجاتی ہیں کہ جن کی فطرت کے اندر یہی ہے کہ نقصان پہنچائیں۔ جیسے سانپ ہے بچھو ہے ـــ وہ جو ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ سوچ سمجھ کر نہیں ہوتی ـــ طبیعت کا تقاضا یہی ہے کہ ایذا پہنچائیں ـــ انسان بعض اوقات تباہ ہو جاتا ہے۔ سانپ کے کاٹنے سے، بچھو کے کاٹنے سے یا کوئی درندہ آگیا اس نے آکر ختم کر دیا ـــ تو درندہ کوئی کام نہیں لیتا ـــ وہ سوچ سمجھ کر ایسا نہیں کرتا ـــ اس کی طبیعت کا تقاضا ہے کہ حملہ کر دے ـــ سانپ، بچھو حملہ کر دیتے ہیں ـــ تو کبھی تو انسان کی زندگی اس طرح خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو اسباب بقا ہیں جیسے روٹی ہے، غذا کھانا ہے، پینا ہے وہ منقطع ہو جائیں تو انسان کی بقا

نہیں رہتی ۔ کبھی یہ بھی ملتی رہتی ہے مگر وباء پھیل جائے جس سے آدمی ختم ہو جائے ۔ یا وبا نہ پھیلے مگر انسان کا کوئی جانی دشمن ہے وہ گھات پاکر حملہ کر دے اور ختم کر دے انسان کو ۔ یہی اسباب ہوتے ہیں ۔ تو ان چاروں اصولی اسباب کی طرف اشارہ کیا گیا ۔ قل اعوذ برب الفلق ۔ کہہ دیجئے اے نبی کریم! میں پناہ مانگتا ہوں ، پناہ میں آتا ہوں ۔ کس کی ؟ رب الفلق کی ۔ جو رات کی تاریکی کو پھاڑ کر صبح کا سپیدہ نمودار کرتا ہے ، اس کو قدرت ہے کہ رات کو ختم کر دے ، دن نکال دے ، روشنی پھیلا دے ۔ اس قدرت والے کی پناہ میں آتا ہوں کن چیزوں سے ؟ من شر ماخلق ۔ ایسی چھوٹی چیزوں سے جن کی طبیعت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ تخریب کریں ۔ سانپ ہے ، بچھو ہے ، درندے ہیں ۔ میں ان سے پناہ مانگتا ہوں ۔ من شر ماخلق ومن شر غاسق اذا وقب ۔ اور میں ان چیزوں سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ جو نقصان پہنچا دیں چھپ کر ۔ کہ چھپ جائیں اور مجھے نقصان پہنچ جائے ۔ سورج چھپ گیا اندھیرا چھا گیا ۔ اندھیرے میں چوروں نے آ کر نقصان پہنچا دیا ۔ کسی نے سازش کی اور تکلیف پہنچائی ۔ کسی نے گھات لگا کر کوئی تیر مارا یا کوئی گولی چلا دی ۔ اور ختم ہو گیا آدمی ۔ چنانچہ اندھیرے میں ایسے کام زیادہ ہوتے ہیں ۔ تو سورج کی روشنی غروب ہو جائے اور اس اندھیرے میں میرے لیے نقصان کے سامان پیدا ہو جائیں ۔ ومن شر غاسق اذا وقب یا یہ چیز نہ پیدا ہو کچھ عوارض پیش آجائیں ومن شر النفثٰت فی العقد ۔ تانت اور ڈوروں پر پڑھ پڑھ کر ۔ منتر پڑھ کر دم کرنے والی عورتوں سے پناہ مانگتا ہوں یعنی ساحرانہ عمل اور جادوگری ۔ اس سے بعض دفعہ آدمی تباہ ہو جاتا ہے ۔ کسی نے عمل سحر کر دیا کسی نے عملیات کر دیئے اور اس کی وجہ سے انسان کو نقصان پہنچ گیا ۔ اس سے میں پناہ مانگتا ہوں ۔ ومن شر حاسد اذا حسد یا کوئی دشمن ایسا پیدا ہو جائے حاسد ۔ کہ وہ رات دن میری نعمتوں کے زوال کی فکر میں رہے یا ایذائیں پہنچاتا رہے تو مطلب یہ ہے کہ مادی نقصانات کے جتنے اصول تھے ان سے پناہ مانگنی سکھلائی گئی قل اعوذ برب الفلق میں ۔ اور روحانی نقصان تو روحانیات میں سب سے بڑی چیز ایمان ہے ۔ ایمان کو نقصان پہنچانے والی چیز وسوسے ہیں ، خطرات ہیں ، مضر قسم کے خیالات ہیں ۔ بُرے قسم کے عقائد ہیں ۔ شیطانی خیالات ہوتے ہیں ۔ انسان کا عقیدہ بگڑ جاتا ہے ، فکر خراب ہو جاتا ہے ۔ اس سے پناہ مانگنی قل اعوذ برب الناس میں سکھلائی ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ رب العزت سے جو بادشاہ ہے انسانوں کا ، پروردگار ہے لوگوں کا اور معبود بھی ہے ۔ کاہے سے من شر الوسواس ۔ وسوسوں کی برائیوں سے اور وسوسے بھی خناس کی طرف سے جو چھپ کر وسوسے ڈالتا ہے سامنے نہیں آتا ۔ اور وہ انسانوں میں بھی ہے ، جنات میں بھی ہے جو قلوب کو فاسد کرتے رہتے ہیں ۔ شکوک و شبہات سے جس سے ایمان میں خلل آتا ہے ۔

تو بہر حال عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آغاز کیا گیا تھا قرآن کریم کا حمد و ثنا سے اور اختتام کیا گیا تعوذ کے اوپر پناہ جوئی کے اُوپر ۔ اس لیے کہ حالتیں دنیا میں دو ہی ہیں ۔ یا نعمت کی یا مصیبت کی ۔ یا راحت کی چیزیں ہیں یا مصیبت ڈالنے والی چیزیں ہیں ۔ تو راحت کی چیزوں پر حمد بتائی گئی اور مصائب کے اُوپر تعوذ اور پناہ مانگنا بتلایا گیا ۔ تو ابتدا کی گئی قرآن کریم کی حمد و ثنا سے اور انتہا کر دی گئی لا کر تعوذ اور پناہ جوئی کے اوپر ۔ تاکہ انسان یہ محسوس کرے اور بطور جذبہ کے اس کو پیش نظر رکھے کہ میرے کام دو ہی ہیں یا اللہ کا شکر ادا کرنا یا اللہ سے پناہ مانگنا ۔ اس لیے کہ حالات دو ہی ہیں تو بندہ کی بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی لمحہ فارغ نہ ہو کہ دا

شکر نہ کر رہا ہو اللہ کا۔

ایک شکر ادا کرنا عبادت کے واسطے ہے — یہ جو نماز پڑھتے ہیں یہ بھی ادائے شکر ہے۔ یہ جو روزہ رکھتے ہیں یہ بھی ادائے شکر ہے۔ صبح و شام آپ تسبیح و تہلیل کریں یہ بھی ادائے شکر ہے کسی بندہ کا شکر کریں کسی نعمت پر وہ ادائے شکر ہے۔ اللہ ہی کے لیے ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے کسی نعمت دینے والے کے سامنے کہا جزاک اللہ — اُس نے نہایت بلیغ طور پر شکر ادا کر دیا من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ جو بندوں کا شکر ادا نہ کرے وہ خدا کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔

بندوں کی شکر گزاری بھی درحقیقت خدا ہی کی شکر گزاری ہے — کیونکہ ہر نعمت اللہ ہی نے دی ہے جس سے کہ بندوں نے بانٹا۔

غرض شکر، حمد اور ثناء اللہ کی انسان کا اعلیٰ ترین فریضہ ہے۔ قرآن کریم نے اپنے آغاز میں اس کا اشارہ کر دیا اور انتہا میں اشارہ کیا کہ جب آدمی نعمتیں پائے گا تو نعمتیں چھیننے کے بھی اوقات ہوتے ہیں۔ آفات کے بھی اوقات ہوتے ہیں — ان میں اللہ سے پناہ مانگو — مصائب میں بھی — بلیات میں بھی پناہ — بیماریوں سے بھی پناہ مانگو — غرضیکہ شیطان سے بھی دجّال سے بھی — سب چیزوں سے پناہ مانگنی سکھلائی گئی۔ ظاہر ہے کہ جو بندہ ہر وقت شکر گزار رہے اور ہر وقت اللہ کی پناہ میں آتا ہے اس سے زیادہ محفوظ کون بندہ ہوگا — اور جو بندہ شکر گزار نہ ہو اور پناہ بھی نہ ڈھونڈے خدا کی تو اس کو ہر وقت مصیبتیں گیند کی طرح اُچھالتی رہتی ہیں اور وہ لڑھکتا رہتا ہے — تو محفوظ وہی رہے گا جو شکر ادا کرے، اللہ کی پناہ میں آ جائے اور مصائب سے بچے — مصیبتوں سے بچنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اسے کبھی بخار نہ آئے۔ کبھی اسے نزلہ اور کھانسی نہ ہو کبھی اسے کوئی تکلیف نہ ہو — مصیبت سے بچنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کا قلب اتنا مطمئن اور مگن ہو کہ ہزاروں مصیبتیں بھی آئیں اور قلب اس کا اثر نہ لے — تو مصیبت اور نعمت قلب کی صفت ہے — اگر انسان پراگندہ خاطر بن گیا تو وہ مصیبت زدہ ہے — اور اگر ہزاروں مصیبتیں اردگرد منڈلا رہی ہیں — اور قلب اس کا مطمئن اور مگن ہے — تو ذرہ بھر مصیبت زدہ نہیں — مصیبت کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ اسباب مصیبت جمع ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس سے قلب اثر پذیر ہو جائے — مجھے اس وقت حکایت یاد آئی ہے — موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے — علمائے اسلام میں ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں۔ شیخ عبدالکریم جیلی — یہ بہت بڑے محقق ہیں اور جیسے کہ صوفیاء میں شیخ محمد محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اسی انداز سے وہ بھی ہیں — بہت بڑے بڑے حقائق اُنھوں نے ذکر کئے ہیں —

— اُنھوں نے کتاب لکھی ہے "الانسان الکامل" — اس میں تمام انسانی کمالات کی اُنھوں نے صورتیں پیش کی ہیں — اور لکھا ہے کہ تین صورتوں میں انسان کامل بن سکتا ہے — اس میں ایک واقعہ نقل کیا ہے افلاطون کے بارے میں — افلاطون کو ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ یونان کا ایک حکیم ہے — مشہور حکیم — وہ ذکر کرتے ہیں کہ میں افلاطون کی قبر پر گیا تو وہ قبر انوار و برکات سے بھری ہوئی تھی — اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افلاطون کوئی مقبولانِ بارگاہِ الٰہی میں سے ہوگا — واللہ اعلم — بہرحال اُنھوں نے افلاطون کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ اُس نے زمانہ پایا ہے موسیٰ علیہ السلام کا — لیکن اس کا تعارف نہیں تھا موسیٰ علیہ السلام سے اور نہ موسیٰ علیہ السلام پہچانتے تھے کہ یہ یونان کا حکیم ہے — کسی موقع پہ باہم ملاقات ہوئی — مڈبھیڑ ہوئی — ادھر سے موسیٰ علیہ السلام تشریف لا رہے تھے اُدھر سے افلاطون — ملاقات ہوئی تو افلاطون سمجھ گیا کہ کوئی بڑی شخصیت ہے — یہ

تو نہیں جانتا تھا کہ یہ پیغمبر ہے مگر چہرہ کا جلال اور رعب اور آثارِ نبوّت دیکھ کر یہ ضرور سمجھ گیا کہ کوئی بڑی شخصیت ہے ـــ تو آپ، اور افلاطون نے مصافحہ کیا اور یہ کہا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے ـــ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت کوئی بہت بڑی شخصیت ہے ـــ اور علم و فضل اور حکمت آپ کے چہرہ پر برس رہا ہے ـــ میرا ایک سوال ہے ـــ میں برسوں سے الجھا ہُوا ہوں ـــ بڑے بڑے حکماء سے میں نے سوال کیا مگر کوئی جواب نہیں دے سکا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ جواب دے سکیں گے۔

موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا ـــ کیا سوال ہے ؟ اُس نے کہا ـ سوال یہ ہے کہ اگر آسمان کو کمان فرض کیا جائے اور مصیبتیں جو برس رہی ہیں آسمان سے انہیں تیر فرض کیا جائے اور اللہ میاں کو تیر چلانے والا فرض کیا جائے تو شکل یہ بنتی ہے کہ اللہ میاں آسمان کی کمان سے مصیبتوں کے تیر چلا رہے ہیں ـ تو پناہ کی صورت کیا ہے ؟ کہاں پناہ لے آدمی ـــ کس طرح سے بچے ان چیزوں سے ؟ ـــ یہ چاہتا ہوں میں جواب ـــ خُدا تیر چلا رہا ہے ، آسمان کمان ہے مصیبتوں کے تیر برس رہے ہیں ـ تو ان مصیبتوں سے بچنے کی صورت کیا ہے ؟ ظاہر ہے کہ بظاہر تو کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی ـــ عقل تو یہی کہے گی کوئی شکل نہیں بچنے کی اس لیے کہ اوّل تو مصیبتیں انسان کے جگر میں پیوست ہیں ـــ کہاں تک بچے گا انسان ـــ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ـ پیدا ہی کیا گیا ہے انسان مصیبتوں کے لیے ـــ لیکن اگر کوئی تھوڑا بہت بچ بھی جائے تو آسمان کی کمان کے نیچے سے نکل کر کہاں چلا جائیگا آدمی ـــ اگر مان لو کہ کوئی راستہ نکل آیا ہے ـ آسمان سے نکل کر بھاگ گیا ہے آدمی تو خُدا کی حکومت سے نکل کر تو کہیں نہیں جا سکتا ـ جب تیر چلانے والے اللہ میاں ہیں تو ان کے تیر سے کیسے بچ سکے گا آدمی ـــ تو عقل تو یہی فتویٰ دے گی کہ کوئی صورت نہیں بچاؤ کی ـــ تو افلاطون نے عقلاء سے ، عقلمندوں سے ، دانشمندوں سے ، حکماء سے پوچھا ـــ سب نے کہا کوئی صورت نہیں بچنے کی ـــ تو اُس نے یہی سوال کیا موسیٰ علیہ السّلام سے ـ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ـ بڑی آسان بات ہے ـ بچنے کی صورت یہ ہے کہ جب تیر چلانے والا تیر چلائے تو تیر چلانے والے کے پہلو میں آ کھڑا ہو آدمی ـــ اسے تیر لگے گا ہی نہیں ـ

یہ ہے بچاؤ کی صورت ـــ تو اللہ کے پہلو میں آ جائے ـــ اور اللہ کا پہلو کیا ہے ـ اللہ تعالیٰ تو جسم سے پاک اور بری ہیں ـ

اللہ کا پہلو ہے ذکر اللہ اور یادِ خداوندی ـــ یعنی جتنا کوئی شخص ذکر الٰہی کرتا جائے گا مصائب سے اسے نجات ہوتی جائے گی ـــ یہ مطلب نہیں مصائب سے نجات ہونے کا کہ ذکر کرنے والے کو بیماریاں نہیں آئیں گی اسے مصائب نہیں آئیں گے ـــ بلکہ حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جتنا زیادہ ذکر کرنے والا ہے مصائب اس پر زیادہ ہجوم کرتے ہیں ـ

حدیث : اشد البلاء علی الانبیاء ثم الامثل فالامثل ترجمہ : سب سے زیادہ مصیبتیں آتی ہیں انبیاء علیہم السلام کے اُوپر ـــ اور پھر جو جتنا مشابہ ہے انبیاء علیہم السّلام کے وہ اتنا ہی زیادہ مصیبت زدہ ہوگا ـ ـــ نزدیکاں را بیش بود حیرانی ـ

جو جتنا مقربانِ بارگاہِ حق ہوں گے مصائب ان پر زیادہ ہوں گے ـــ حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا " یا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ، ہمیں آپ سے محبّت ہے "۔ فرمایا ـ " سوچ سمجھ کے کہو ـــ کیا کہتے ہو ؟ بہت بڑا دعویٰ کر رہے ہو ـــ بڑی ذمّہ داری لے رہے ہو ـــ

عرض کیا " واقعہ یہی ہے یا رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) آپ سے محبت ہے "۔

فرمایا ـ " اگر ہم سے محبّت ہے تو تیار ہو جاؤ فقر و فاقہ کے لیے ، مصیبتوں کے لیے اور غم و الم کے لیے ،

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جتنے اولیاء ہیں ۔ اور جتنے مقربان بارگاہِ الٰہی ہیں ۔ دُنیا کے مصائب ان پہ زیادہ آتے ہیں ۔ تو اسی لیے یہ جو کہا موسیٰ علیہ السلام نے کہ جو اللہ کے پہلو میں آ جائے ۔ ذکر اللہ میں آ جائے گا، مصیبتوں سے بچ جائے گا ۔ اس کا مطلب یہ نہیں ۔ اس کو بیماری نہیں آئے گی ۔ اس کو غم نہیں آئے گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے قلب اتنا مطمئن ہوگا کہ اگر ہزاروں مصیبتیں بھی آئیں قلب کے اُوپر تو کوئی اثر نہیں ہونے پائے گا وہ ہشاش بشاش رہے گا ۔

مصیبت، اصل میں قلب کی صفت ہے بخار کی صفت نہیں ۔ بخار تو سبب مصیبت ہے ۔ اگر دل اثر لے مصیبت کا تو مصیبت زدہ ہے اثر نہ لے تو نہیں ۔ اس لیے فی الحقیقت نہ تو بیماری مصیبت ہے نہ ناداری اور مفلسی مصیبت ہے۔

دل کے اُوپر اثر ہوتا ہے ۔ پراگندگی اور قلب میں بے چینی کا پیدا ہونا یہ ہے مصیبت ۔ اگر بے چینی نہ ہو تو مفلسی کوئی مصیبت نہیں ۔

بہت سے اولیائے کرام نظر پڑیں گے کہ ایک پائی بھی ان کے ہاتھ میں نہیں مگر بادشاہوں سے زیادہ مگن رہتے ہیں ۔ ہزاروں اہل اللہ نظر پڑیں گے کہ بیماریاں ان پر بے حد ہیں ۔ مگر قلب ان کا ہشاش بشاش ۔ ذرا برابر ان پر اثر نہیں ۔ ان کے واقعات میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک تاجر دیوالیہ ہوگیا ۔ اس بے چارے کی دوکان وغیرہ سب تباہ ہوگئی ہاتھ پلے کچھ نہ رہا ۔ گھر کا سامان بیچ بیچ کر کھانا شروع کر دیا ۔ چند دن کے بعد وہ سامان بھی ختم ہوگیا ۔ اس کے گھر میں ایک باندی تھی ۔ وہ گیارہ برس کی بچّی تھی ۔ اُس نے ارادہ کیا کہ اس کو فروخت کر دے ۔ اس لڑکی سے کہا میں چاہتا ہوں تجھے فروخت کر دوں ۔ اُس نے کہا کہ فروخت کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ۔ بہرحال آپ مالک ہیں ۔ مگر میں یہ چاہتی ہوں کہ کسی دیندار کے ہاتھ فروخت کرنا تاکہ میرا دین نہ ضائع ہو ۔ اُس نے کہا "اُس زمانہ میں سب سے بڑے دیندار خواجہ نظام الدین دہلوی ہیں ۔ میں ان کے ہاتھ فروخت کئے دیتا ہوں ۔" اُس نے کہا ۔ "مجھے اعتماد نہیں ۔ جب تک خود نہ دیکھ لوں کہ ہے بھی نظام الدین دیندار یا نہیں ۔"

اب وہ حیران ہوا کہ اس لڑکی کی نگاہ میں حضرت نظام الدین بھی دیندار نہیں یا انھیں بھی پرکھنے کی ضرورت ہے تو اور کون ہوگا دنیا میں دیندار ۔ بہت حیران ہُوا اور حضرت خواجہ صاحب کی مجلس میں بیٹھ گیا جا کر ۔ خواجہ صاحب نے فرمایا ۔

"بھئی ! کیا حال ہے ؟" عرض کیا "حضرت ! ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہوں ۔ میری ایک باندی ہے جسے فروخت کرنا چاہتا تھا ۔ اُس نے مجھ سے یہ کہا کہ مجھے کسی دیندار کے ہاتھ فروخت کرنا ۔ میں نے حضرت کا نام لیا ۔ تو اُس نے مجھ سے کہا کہ مجھے یُوں اعتماد نہیں ہوتا کہ جب تک میں خود نہ پرکھ لوں کہ ہیں بھی دیندار کہ نہیں ۔ اسے تو آپ کے دین میں بھی شُبہ ہے ۔ اور کہاں سے ایسا دیندار لاؤں جو بے شک وشبہ دیندار ہو ۔

فرمایا "کیا ہرج ہے ۔ اُسے چھوڑ دو میرے یہاں ۔ وہ پرکھ لے میرے دین کو ۔ اگر واقعی میں دیندار ثابت ہُوا تو تم میرے ہاں چھوڑ دینا ۔ میں خرید لُوں گا ۔" وہ لڑکی لا کر چھوڑ دی گئی خواجہ صاحب کے ہاں ۔ تین دن کے بعد جا کر تاجر نے لڑکی سے پوچھا کہ تم نے حضرت کو کیسا پایا یعنی خواجہ نظام الدین دہلویؒ کو ۔ اُس نے کہا ۔ "مجھے تو شک ہے اس شخص کے دین میں ۔ میرے نزدیک یہ دیندار نہیں ۔"

وہ حیران رہ گیا تاجر ۔ کہ جب خواجہ نظام الدین بھی دیندار نہیں تو اور دنیا میں کہاں سے دیندار آئیں

گے۔ اس لڑکی سے کہا۔ "دیکھی کیا علامت دیکھی تو نے؟"

اُس نے کہا۔ "دیندار کی پہلی علامت یہ ہے کہ اس کو لقمۂ حلال میسّر ہو۔ میں دیکھتی ہوں یہاں لنگر کا کھانا پکتا ہے۔ اور یہ مسکینوں کا حق ہے۔ خواجہ نظام الدین مستحق نہیں ہیں اس غذا کے۔ تو جس شخص کی غذا ہی حلال نہیں۔ وہ دیندار کیسے ہو سکتا ہے۔ چہ جائیکہ اسے بزرگ مانا جائے۔

دوسری بات یہ ہے۔ دیندار وہ ہے۔ تین دن نہ گزرنے پائیں کہ کوئی نہ کوئی مصیبت نہ آجائے اس کے اُوپر۔ اس واسطے کہ حق تعالیٰ اس کی بدیوں کا کفارہ دنیا میں کرنا چاہتے ہیں تاکہ آخرت میں پاک صاف اُٹھائیں۔ دُنیا میں مصائب ڈالتے ہیں کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ وہ پاک بن جائے۔ تو مومن کی شان یہ ہے۔ اس کے اُوپر تین دن نہ گزریں کہ کوئی نہ کوئی مصیبت۔ کوئی غم۔ کوئی فکر ایسا نہ طاری ہو جس سے کفارہ ہو۔ اس کی مغفرت ہو۔ تو میں دیکھتی ہوں کہ یہ شخص ہٹا کٹا ہے۔ خواجہ نظام الدین نہ کبھی بیمار ہُوا۔ نہ کوئی غم نہ مصیبت۔ یہ کیا دیندار ہے کہ جس کے اُوپر کوئی مصیبت ہی نہیں آتی۔ یہ تو عیش میں مبتلا ہیں۔

تیسری بات اُس نے کہی۔ دینداری کی علامت یہ ہے کہ اس کو بُرا کہنے والے زیادہ ہوں۔ بھلا کہنے والے کم ہوں۔ اس واسطے کہ وہ امر بالمعروف کرے گا لوگوں کی طبیعت کے خلاف ہوگا۔ لوگ مدِ مقابل آئیں گے۔ بُرا بھلا کہیں گے۔ دشمن زیادہ ہوں گے دوست کم۔ جو بہت سمجھ دار ہوں گے وہ تو شکر گزار رہیں گے کہ بھئی نیک نصیحت کر رہا ہے۔ لیکن جو جذباتی لوگ ہوں گے وہ یقیناً مقابلہ پر آئیں گے اور مقابلہ کریں گے۔ دیندار وہ ہے کہ جس کے دوست کم ہوں دشمن زیادہ۔ مدِمقابل زیادہ ہوں موافق کم ہوں۔ تو لڑکی نے کہا۔ میں دیکھتی ہوں نظام الدین کو کہ صبح سے شام تک کوئی اسے حضور کہتا ہے کوئی حضرت کہتا ہے، کوئی جنابِ عالی کہتا ہے۔ بُرا کہنے والا ایک بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اس شخص میں مداہنت ہے اور یہ امر بالمعروف نہیں کرتا ورنہ لوگ دشمن ہوتے اس کے۔ سچی نصیحت کرنے والے کے مقابلہ پہ آتے ہیں لوگ۔ اب وہ بے چارہ تاجر حیران تھا کہ یا اللہ! ایسا دیندار میں کہاں سے لاؤں کہ جب خواجہ نظام الدینؒ بھی دیندار نہیں۔

خواجہ صاحب نے اس تاجر سے پوچھا لڑکی نے کیا رائے قائم کی ہے میرے متعلق تو اُس نے کہا۔ میں تو زبان سے کہہ بھی نہیں سکتا۔ اس کی نظر میں آپ دیندار نہیں ہیں۔" فرمایا کہ کیا بات کہی اُس نے۔ تاجر نے تینوں باتیں بیان کیں ایک تو دیندار کی شان یہ ہے کہ اسے لقمۂ حلال میسّر آئے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ آپ پر مصائب نہیں آتے۔ اور مومن کی شان یہ ہے کہ اسے مصیبت آئے تیسری بات اُس نے یہ کہی کہ آپ کی تعریفیں کرنے والے زیادہ ہیں اور برائیاں کرنے والے کم ہیں۔ یہ علامت ہوتی ہے کہ مداہنت ہے۔ سچائی میں بلاخوف لومۃ لائم نصیحت کرنے کی عادت نہیں۔ فرمایا کہ اچھا تین دن اور چھوڑ دو اسے اس کے بعد جو رائے قائم کرے اس پر تم رائے قائم کر لینا۔ اُس نے تین دن پھر چھوڑ دیا۔

حضرت خواجہ صاحب نے اس لڑکی کو بلایا۔ اپنا حجرہ دکھلایا۔ اس حجرے میں دو تین گٹھے پڑے ہُوئے تھے لکڑیوں کے۔ فرمایا۔ ایک میں ہوں اور ایک میرا ساتھی ہے۔ میں نے دن میں ایک وقت مقرّر کر رکھا ہے کہ جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹ کے لاتا ہے میں بیچ آتا ہوں۔ اس سے جو چار پانچ پیسے ملتے ہیں اس پر میری گزر اوقات ہے۔ یہ چولہا بنا ہُوا ہے۔ لنگر کا ایک حبہ بھی میرے اندر نہیں پہنچتا۔ یہ ہے میری گزر اوقات کا ذریعہ۔ لکڑیاں کاٹ کر میں لاتا ہوں تو ساتھی بیچتا ہے کبھی وہ کاٹتا ہے میں بیچتا ہوں۔ تو میرا لنگر سے کوئی دخل نہیں۔ یہ مسکینوں کا کھانا ہے۔ اُس نے کہا مجھے اس بارے میں اطمینان ہو گیا کہ تو دیندار آدمی

ہے ۔۔ اس کے بعد حضرت شیخؒ نے کمر کے اُوپر سے کرتہ اُٹھایا ۔ فرمایا ۳۲ برس سے ناسُور ہے میری کمر میں ۔۔ اور ہر وقت کیفیّت یہ ہے کہ جیسے سینکڑوں بچھو ڈنگ مار رہے ہیں ۔۔ تو جو کہتی ہے تین دن نہ گزریں جو مصیبت نہ آئے ۔۔ تو مجھ پر تو ایک لمحہ نہیں گزرتا کہ مصیبت نہ ہو میرے اُوپر ۔۔ ہر وقت ایک ٹیس لگی ہوئی ہے ۔ ٹیس اور چمک ہر وقت ہے کوئی منٹ خالی نہیں ہے ۔ اُس نے کہا ۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ تو دیندار ہے ۔۔ اس بارے میں مجھے اطمینان ہو گیا ۔ اس کے بعد شیخؒ نے کہا کہ میرے ساتھ چل ۔ لکڑیوں کا گٹھا سر پر رکھ کر ایک غیر معروف بازار میں پہنچے ۔ دیکھنے کے لیے ۔ رات کا وقت ۔ لوگوں نے آوازے کسنے شروع کئے ۔ یہ ہیں اس دور کے ولی ۔ کہ لڑکیاں پیچھے پیچھے جا رہی ہیں اور راتوں ، کماتے ہیں پیسے ۔ صبح کو پیر بن کر بیٹھ جاتے ہیں دُنیا کے آگے ۔ یہ حال ہے ۔ دُنیا میں مکّار ہو گئے ہیں لوگ ۔ کتنے ہیں اپنے کو ولی اور ہیں حقیقت میں مکّار ۔۔ دن میں مرید کرتے ہیں اور رات کو پیسے کماتے پھرتے ہیں ۔ کہیں لکڑیاں بیچ کے کہیں یہ کر کے ۔۔ جس کی جو آواز اُٹھی اُس نے وہ کہا ۔ کسی نے بُرا کہا ۔ کسی نے گالی دی ۔ کسی نے مکّار کہا ۔

شیخؒ نے ہنسی سے کہا ۔ سُنتی جا ۔ سب حضرت ہی حضرت کہنے والے ہیں یا مکّار کہنے والے بھی ہیں ۔۔ لڑکی نے کہا کہ اس بارے میں بھی مجھے اطمینان ہو گیا ۔

میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا مومن کی شان یہ ہے کہ اس کے اُوپر آفات بھی آتی ہیں ۔ مصائب بھی آتے ہیں ۔۔ تو یہ مطلب نہیں تھا موسیٰ علیہ السّلام کا کہ کوئی مصیبت نہیں آئے گی جب تم اللہ کی پناہ میں آؤ گے ۔۔ مطلب یہ تھا مصیبتوں کا ہجوم ہو گا ۔۔ اللہ کے پہلو میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا قلب اس درجہ ذکر اللہ میں مگن اور مطمئن ہو گا کہ لاکھوں مصیبتیں آجائیں کوئی اثر نہیں پڑے گا قلب کے اُوپر ۔۔ قلب ہشاش اور بشاش رہے گا ۔ یہ سمجھو گے کہ من جانب اللہ مجھے یاد کیا جا رہا ہے ۔ مُحب اور عاشق اس میں بھی لذّت لیتا ہے ۔ جو محبوب کی طرف سے مصیبت ، ڈالی جاتی ہے اس میں بھی اسے لذّت محسوس ہوتی ہے ۔

حضرت عمران ابن حصینؓ ایک صحابی ہیں جلیل القدر ۔۔ ۳۲ برس تک ناسُور رہا ہے ان کے پہلو میں ۔۔ ایک پہلو لیٹے رہتے تھے چت ۔ چت ہی لیٹے ہوئے کھانا پینا چت ہی لیٹے لیٹے نمازیں پڑھنی ۔ چت ہی لیٹ کر قضائے حاجت کرنی اور ۳۲ برس تک ۔

اندازہ کیجئے کتنی شدید تکلیف ہو گی ۔۔ ۳۲ برس ایک پہلو پر لیٹا رہے آدمی تو کتنی اذیّت ہو گی ؟ اب اذیّت کا تو یہ حال ہے ۔ مگر چہرہ اتنا ہشاش بشاش کہ کسی تندرست کا بھی اتنا نہ ہو گا ۔

لوگوں نے عرض کیا ” حضرت ! مصیبت اور اذیّت تو اتنی کہ کوئی منٹ خالی نہیں کہ آپ کو اذیت نہ ہو ۔ اور چہرہ پر اتنی بشاشت ہے کہ کسی تندرست کے چہرہ پر دیکھنے میں بھی نہیں آئی ۔۔ یہ کیا بات ہے ؟ فرمایا مصیبت حق تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے ۔ میں نے اللہ کا عطیہ سمجھ کر اس پر صبر کیا ہے ۔ اس صبر کا نتیجہ یہ ہے کہ میں اپنے اس بستر پر ۲۴ گھنٹے مصافحہ کرتا ہوں ملائکہ علیہم السّلام سے ۔۔ ۲۴ گھنٹے عالم غیب منکشف ہے میرے اُوپر ۔۔ تو میں نہیں چاہتا کہ میری مصیبت ایک لمحہ کے لیے بھی مجھ سے ٹلے ۔۔ اس مصیبت ہی کا طفیل ہے کہ عالم غیب کے علوم میرے اُوپر کھلتے ہیں ۔۔ اور عالم غیب کے رجال میرے سامنے آتے ہیں ۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس مصیبت سے ان کے قلب کو کیا اذیّت پہنچے ۔

قلب اتنا مطمئن ہے کہ نعمت والوں کا قلب بھی اتنا مطمئن نہ ہو ۔ تو اللہ والوں کا قلب مطمئن ہوتا ہے ، ذکر اللہ کے سبب سے ۔۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ کوئی مصیبت ان پر نہیں آتی ۔۔ بلکہ سب سے زیادہ مصیبت آتی

ہے — مگر ذرا تنگ نہیں ہوتے — قلب ان کا مگن ہے، مطمئن ہے ہشاش ہے بشاش ہے۔ اس واسطے کہ ان کی نظر مصیبت پر نہیں ہوتی مصیبت بھیجنے والے پر ہوتی ہے کہ وہ — وہ ہے جو ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق ہے۔ یقیناً بندے کی مصلحت ہے اس میں — اسی لیے اُس نے مصیبت بھیجی۔

جس کی نظر حق تعالیٰ پر ہو گی، پھر وہ نعمت کو دیکھے گا نہ مصیبت کو — وہ نعمت بھیجنے والے کو دیکھے گا، مصیبت ڈالنے والے کو دیکھے گا — کہ وہ یقیناً ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ جب اُس نے یہ مصیبت ڈالی ہے یقیناً یہ مصیبت ہی میرے حق میں بہتر ہے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ کی طرف سے کوئی چیز مصیبت بن کر نہیں آتی بندے کے اُوپر — نعمت ہی بن کر آتی ہے — مگر بندہ اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اُسے مصیبت بنا لیتا ہے — نہ ناداری مصیبت ہے، نہ مفلسی مصیبت ہے، نہ بیماری مصیبت ہے — ہم اپنی تنگ ظرفی سے مصیبت بناتے ہیں — اللہ کی طرف سے نعمت ہی بن کر آتی ہے — اس لیے کہ کوئی مصیبت نہیں جس میں کفارہ نہ ہو معاصی کا — اور جو گناہوں کا کفارہ کرے وہ مصیبت کب ہوئی؟ وہ تو نعمت ہوئی — کوئی مصیبت ایسی نہیں جس میں ترقیٔ درجات نہ ہو — تو جو چیز ترقیٔ درجات کا سبب بنے وہ تو نعمت ہوئی — مصیبت کیسے ہوئی؟ تو حقیقت میں جن کو ہم مصیبتیں کہتے ہیں وہ بھی نعمتیں ہیں اور نعمتیں تو ہیں ہی نعمتیں۔

اللہ کی طرف سے سب چیزیں نعمتیں بن کر آئی تھیں — کسی نعمت کی صورت بھی نعمت کی ہے کسی نعمت کی صورت مصیبت کی ہے — ہیں دونوں نعمتیں — اس لیے کہ بندہ کے حق میں مفید ہیں — اگر سمجھے بندہ — اگر تنگ ظرفی برتے، نعمت بھیجنے والے کو نہ دیکھے تو پھر بے شک وہ تنگی میں مبتلا ہو۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک واقعہ سُنایا — فرمایا کہ میں بیٹھا ہُوا تھا مکہ معظمہ میں — حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ کی مجلس میں — اپنے شیخ کی مجلس میں — حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ وعظ فرما رہے تھے کہ اللہ کی طرف سے جو چیز آتی ہے نعمت ہو کر آتی ہے — بندے اسے مصیبت بنا لیتے ہیں — خرچ بھی نعمت ہیں — بیماریاں بھی نعمت ہیں — تنگدستی بھی نعمت ہے — فکر و غم بھی نعمت — اگر صابر ہو بندہ تو وہ انتہائی عظیم نعمت ہے اپنے نتیجہ کے لحاظ سے — یہ وعظ فرما رہے تھے — کوئی چیز ہے ہی نہیں مصیبت — بندہ کو شکر ادا کرنا چاہیے — فرماتے تھے — کہ حضرت یہ وعظ فرما ہی رہے تھے کہ ایک شخص داخل ہُوا مجلس میں — اور ہائے ہائے کرتا ہُوا — روتا ہُوا — چلاتا ہُوا — اب اُس نے آکر عرض کیا — حضرت! ایک ہفتہ سے یہ میرے بازو پر ایک بڑا دنبل نکلا ہُوا ہے — اور اتنی اذیّت ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بیسیوں بچھّو بیٹھے ہُوئے ڈنک مار رہے ہیں — ایک ہفتہ ہو گیا نہ ایک دانہ میرے منہ میں گیا ہے نہ میری آنکھ لگی ہے — نیند بھی اُڑ گئی — بھُوک بھی نہیں — ہر وقت مصیبت میں ہوں — دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ یہ مصیبت رفع کر دے۔"

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے میں نے دل میں سوچا اب حضرت کیا کریں گے؟ حضرت یہ فرما چکے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے نعمت بن کر آتی ہے — یہ دنبل بھی نعمت ہے — بیماری بھی نعمت ہے — اب اگر حضرت یہ دُعا فرما دیں کہ اے اللہ! یہ دنبل بہت بڑی نعمت ہے اس میں اور زیادہ ٹیس بڑھا دے زیادہ چمک پیدا کر دے — تو اضافۂ مصیبت کی دُعا یہ کون سی شفقت کی بات ہے — اور اگر حضرت یہ دُعا کر دیں کہ یا اللہ! یہ بڑی مصیبت ہے اسے دفع کر دے — تو اس کا مطلب یہ نکلا — کہ اے اللہ! جو نعمت دی تھی — وہ چھین لے — تو سلبِ نعمت کی دُعا یہ کون سی شفقت کی بات ہے"۔ تو فرماتے تھے کہ میں نے دل میں سوچا کہ حضرت کچھ توجیہ،

تاویل کر کے پیچھا چھڑائیں گے۔ کیا جواب دیں گے اسے؟ اس واسطے کہ بڑا دنبل ہے۔ بے حد تکلیف ہے۔ وہ کہہ رہا ہے۔ دعا کیجئے تو دعا کریں گے کیا؟۔ ازالہ کی دعا کریں تو ازالۂ نعمت کی دعا ہے۔ اضافہ کی دعا کریں تو اضافۂ مصیبت کی دعا ہوتی ہے اور یہ دونوں چیزیں شفقت کے خلاف ہیں۔ تو اب حضرت مجبور ہو کر رہ جائیں گے۔ مگر ؎

پیش اہل دل نگہدار اے دل تا نباشد از گمانے بدخجل

اہل اللہ کے سامنے دل کو تھام کے رہنا چاہیے۔ دل کی باتیں ان کے دل پر منکشف ہوتی ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں جو خطرات گزرے ان کا انکشاف ہوا حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب کے اوپر۔ کہ ان کے دل میں یہ خطرات گزر رہے ہیں۔ ان خطرات کو محسوس کر کے حضرت حاجی صاحبؒ نے زور زور سے دعا مانگنی شروع کی تاکہ دعا بھی ہو اور جواب بھی ہو جائے ان کے خطرات کا۔ دعا مانگنی شروع کی باآواز بلند کہ اے اللہ! یہ جو دنبل ہے اس بندے کے بازو پر نکلا ہوا یہ تیری بڑی بھاری نعمت ہے۔ اور یہ جو ٹیس چمک ہے اس میں یہ تو اور بھی بڑا انعام ہے۔ تیری عنایت کی دلیل ہے۔ تیری توجہ کی دلیل ہے۔ تو نے اس کے ذریعہ کفارہ کیا ہے اس کے گناہوں کا۔ درجات بڑھائے۔ یہ تیری بڑی نعمت ہے۔ اے اللہ یہ دنبل ہے بھی نعمت۔ اس کی ٹیس چمک بھی نعمت اور یہ جو بے چارا ہفتہ بھر سے بھوکوں مر رہا ہے یہ بھی تیرا انعام ہے اس کے اوپر۔ یہ ساری نعمتیں ہیں۔ مگر اے اللہ! یہ بندہ ڈبیل ہے۔ بیماری کی نعمت کا تحمل نہیں اسے۔ اس بیماری کی نعمت کو صحت کی نعمت سے تبدیل فرما دے اس کا تحمل ہو جائے اس کو۔ گویا اس کا نعمت ہونا بھی ثابت کر دیا اور اس کے ازالے کی دعا بھی کر دی۔ یہ بتلا دیا کہ نعمتیں سب ہیں اللہ کی طرف سے مگر ہر نعمت کے قابل ہر بندہ نہیں۔ کوئی مصیبت کی نعمت کو سہتا ہے کوئی لذت کی نعمت کو سہتا ہے۔ یہ اللہ جانتا ہے کہ میں کس کو کون سی نعمت کے ذریعہ تربیت دوں۔ بعضے وہ ہیں اگر چار پیسے ان کے ہاتھ میں آ جائیں تو آپے سے باہر ہو کر فرعون بے سامان بن جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کی تربیت تنگدستی سے کرتے ہیں کہ وہ مصیبت ہی میں ٹھیک ہیں۔ مصیبت ہی میں ان کا ایمان سنبھل سکتا ہے۔ اگر ان کو دولت دی جائے تو کفر میں مبتلا ہو جائیں۔ فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں بعض بندے وہ ہیں کہ اگر ان کے پاس پیسہ نہ رہے تو کاد الفقر ان یکون کفرًا۔ ان کا فقر و فاقہ انہیں کفر میں مبتلا کر دے۔ تو ان کو نعمت کے ذریعہ سے حق تعالیٰ تربیت دیتے ہیں۔ یہ تو دارو دینے والا جانتا ہے طبیب۔ کہ کس کے واسطے کون سی دوا مفید ہے۔ تو آزمائش وہاں نعمت کے ذریعہ بھی ہوتی ہے مصیبت کے ذریعہ بھی۔ بعض بندوں کو مصائب کے ذریعہ سے ترقی دیتے ہیں بعض بندوں کو نعمت کے ذریعہ سے۔ بعضوں سے صبر کرا کے درجات بڑھاتے ہیں بعضوں سے شکر کرا کے۔ غرضیکہ ہر بندہ ہر ہر نعمت کے قابل نہیں ہوتا۔ تو حضرت نے دعا میں بتلا دیا کہ دنبل اور بیماری نعمت تو ہیں مگر ہر بندہ اس قابل نہیں ہے کہ اس نعمت کا تحمل کرے۔ اس واسطے اس بیماری کی نعمت کو صحت کی نعمت سے بدل دیجئے۔ اس کا تحمل ہوگا اس کے اندر۔ دونوں چیزوں کا نعمت ہونا ثابت کر دیا۔

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے میں منہ دیکھتا رہ گیا حضرت کا کہ کنوئیں، پھانسی کے بیچ میں سے کیسے صاف نکل گئے۔ بات بھی کہہ دی۔ اس کا نعمت ہونا بھی ثابت کر دیا۔ اس کے زوال کی بھی دعا کر دی۔ اور پھر بھی شفقت کے خلاف نہ ہوا۔

حاصل یہ ہوا کہ مصائب کا نام مصیبت نہیں ہے فی الحقیقت مصیبت نام ہے قلب کی کیفیت کا۔ اگر ان تنگدستیوں اور مصائب سے قلب پراگندہ ہو تو وہ مصیبت زدہ ہے انسان۔ اور اگر قلب میں بے چینی نہ ہو تو قطعاً مصیبت نہیں۔ چاہے ہزاروں مصیبتیں اس کے گرد منڈلا رہی ہوں۔ اس واسطے مصیبت نام ہے قلب

کی کیفیت کا۔

تو موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا۔ مصیبت کے تیروں سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ جب اللہ میاں تیر ماریں مصیبت کا، تو ان کے پہلو میں آجاؤ۔ یعنی ذکر اللہ کے قلعے میں بند ہو جاؤ۔ پھر تیر اثر نہ کریں گے۔ تیر پڑیں گے مگر تاثیر نہیں ہوگی۔ قلب مگن اور مطمئن رہے گا۔

ذکر اللہ کرنے والے کا قلب چونکہ وابستہ ہوتا ہے حق تعالیٰ سے۔ اس واسطے اس کے اندر بشاشت، سکون، طمانیت، تسکین یہ چیزیں ہوتی ہیں اور قلب ذکر اللہ سے خالی ہے اس پر اگر کوئی بھی مصیبت آئے گی تو بے چینی میں وہ اِدھر اُدھر بھاگتا پھرے گا۔ کیونکہ اس کی نظر اسباب پر ہے۔ اور اسباب سارے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ اللہ والے کی نظر مسبّب الاسباب پر ہے۔ اور جو مسبّب سے اپنا رشتہ باندھ لے وہ اسے کبھی محروم نہیں چھوڑتا۔ حدیث قدسی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندے! تو اپنی نعمت کے وقت میں مجھے یاد کر کہ تیری مصیبت کے وقت میں تجھے یاد رکھوں۔

بندے کا کام یہی ہے کہ نعمت کے وقت میں زیادہ یاد کرے اللہ کو۔ جب مصیبت کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ یاد کرے گا اسے۔ اور جس بندے کو وہ یاد کریں وہ کبھی مصیبت زدہ نہیں ہو سکتا۔

بہر حال مصائب کا علاج فی الحقیقت ذکرِ خداوندی ہے۔ یادِ حق ہے۔ اسباب کے درجہ میں آپ کرتے رہیں علاج۔ مگر حقیقی چیز جس سے مصیبت ضائع ہوتی ہے وہ نام حق ہے۔ وہ یاد خداوندی الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

غرض حاصل یہ نکلا کہ دو ہی حالتیں ہیں دُنیا میں۔ ایک نعمت کی اور دوسری مصیبت کی۔ تو نعمت کی حالت کا تقاضا ہے حمد وثناء اور شکر۔ اور مصیبت کی حالت کا تقاضا ہے پناہ جوئی اور صبر۔

قرآن کریم نے اپنے آغاز اور انجام۔ ابتداء ہی میں یہ بتلا دیا کہ غلبہ رہنا چاہیے، بندہ پر۔ حمد وثناء کا۔ کتاب اللہ کا آغاز ہی حمد وثناء سے کیا۔ اور اس کے بعد تعوذ پناہ مانگنا، خدا کی پناہ میں آنا اور اس کے پہلو میں آنا۔ دوسرا جذبہ یہ ہونا چاہیے کہ انتہا کی قرآن نے تعوذ کے اُوپر۔ تعوذ۔ اس میں مصیبت کے تمام اصول ذکر کر دیئے۔ ان سے پناہ مانگنی سکھلائی۔

سورۂ فاتحہ میں حمد وثناء اور نعمتوں کے سارے اصول ذکر کر دیئے۔ ان پر حمد وثناء کی گئی۔ الحمد للہ رب العٰلمین۔ حمد ہے ساری اللہ کے لیے۔ کون اللہ؟ جو رب ہے۔ پالنے والا ہے جہانوں کا۔ کون پالنے والا؟ جو رحمٰن ورحیم ہے جو مالک یوم الدین ہے۔ یہ کیوں کہا گیا ہے۔؟ اس لیے کہ اللہ کا تعارف صفات ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔ ذات تک تو رسائی بہت مشکل ہے۔ پہلے ہم نام لیں گے۔ نام کے بعد صفات آئیں گی۔ صفات کے بعد کہیں جا کر رسائی ہوگی۔ تو سب سے پہلے بندے کو جس صفت سے سابقہ پڑتا ہے وہ ربوبیّت کی صفت ہے۔ پال پرورش کی صفت ہے۔

سب سے پہلے صفت تو خالقیت کی ہے۔ ہمیں پیدا کیا۔ مگر جب ہم پیدا ہو رہے تھے اس وقت تو ہمیں اپنی خبر ہی نہ تھی۔ ہم اللہ کو کیا پہچانتے۔ اور جب پیدا ہو چکے۔ اب ربوبیت نے سنبھال لیا۔ ہماری بقا کا سامان کیا۔ تو بندہ پہچانتا ہے رب ہونے کی صفت کو۔ خالقیت کی صفت کو عقیدہ مانتا ہے اور ربوبیّت کی صفت کو آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ تو تعارف انسان کا اللہ سے ربوبیّت کی صفت سے ہوتا ہے۔ اس واسطے فرمایا گیا۔ الحمد للہ۔ ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا۔ ربوبیّت کی صفت ہے اس میں۔

تاکہ تم پہچان سکو۔

ظاہر ہے کہ ربوبیّت اور پال پرورش نہیں ہوسکتی جب تک کہ شفقت نہ ہو۔ اگر عداوت ہو تو پرورش کیسے ہوگی؟ ایک بچّہ ماں تو پال لیتی ہے مگر سوکن نہیں پال سکتی۔ اس لیے کہ ماں کے دل میں محبّت ہے۔ سوکن کے دل میں عداوت ہے۔ وہ تو چوٹی بھر کر یہ چاہے گی کہ بچّہ ختم ہو جائے۔ ماں نہیں چاہ سکتی۔ تو پرورش ماں کر سکتی ہے۔ سوکن نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ ماں میں رحمت ہے، شفقت ہے۔

ربوبیّت کا اثر نمایاں نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ رحمت موجود نہ ہو۔ اس واسطے فرمایا رب العالمین۔ الرحمٰن الرحیم۔ رب ہے جہانوں کا۔ اس لیے کہ وہ رحمٰن و رحیم ہے۔ بڑی رحمت والا ہے۔ اچھا تو اب کوئی رحمت اگر ہو تب بھی پرورش نہیں ہوسکتی جب تک سامان تربیت قبضہ میں نہ ہو۔ ماں کے اندر شفقت ہے۔ پالنا چاہتی ہے بچّہ کو۔ مگر ہاتھ پلّے پیسہ نہیں ہے نہ دودھ لا سکتی ہے۔ نہ غذا لا سکتی ہے۔ نہ کپڑا لا سکتی ہے کہ بچّہ کو سردی گرمی سے بچائے۔ تو پرورش کیسے کرے گی؟ شفقت تو ہے مگر سامان قبضہ میں نہیں۔ مفلس ہے بے چاری۔ تو ربوبیت اور پرورش نہیں ہوسکتی جب تک رحمت نہ ہو اور رحمت کے ساتھ ساتھ جب تک مالک نہ ہو سارے سامان کا۔ اس لیے الرّحمٰن الرحیم کے بعد فرمایا۔ مالك يوم الدين۔ اللہ رب العالمین بھی ہے رحمٰن و رحیم بھی ہے اور مالک ہے روز جزا کا۔ یعنی اوّل تو اس جہان میں بھی وہی مالک ہے مگر یہاں اس کی ملکیت بغیر اسباب نمایاں ہو رہی ہے۔ یہ ہماری آپ کی ملکیت درحقیقت اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ گو بلا واسطہ بھی وہ مالک ہے اور بالواسطہ بھی وہ مالک ہے۔ مگر قیامت کے دن تو کوئی ہوگا ہی نہیں مالک۔ تنہا ان کی ملک ہوگی۔ اس واسطے مالک یوم الدین فرمایا۔ روز جزا کا مالک۔ تو رب بھی ہیں رحمٰن بھی ہیں رحیم بھی ہیں، مالک بھی ہیں۔ تو گویا باور کرا دیا حق تعالیٰ نے اپنا کہ وہ رب ہے اور جو رب ہوگا وہ یقیناً رحمٰن بھی ہوگا۔ جو رحمٰن ہوگا رحیم بھی ہوگا۔ اور جو رحیم ہوگا وہ مالک بھی ہوگا۔ جو رب ہوگا وہ حفیظ اور محافظ بھی ہوگا۔ جو رب ہوگا وہ مانع ہوگا۔ عطا کرے گا نفع کی چیز اور روک دے گا نقصان کی چیزیں۔ اس لیے کہ پرورش کرنے والا اگر نقصان سے بچا نہ سکے تو پرورش ہی کیا ہوئی؟ نفع کی چیزیں نہ پہنچا سکے تو پرورش نہیں ہوسکتی۔ تو مالک بھی ہونا چاہیے۔ حافظ و محافظ بھی ہونا چاہیے اور رفیق و مہربان بھی ہونا چاہیے۔

تو ربوبیّت کی صفت ایسی ہے کہ ساری صفتیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ جو رب ہوگا وہ تمام صفات رکھتا ہوگا۔ اس واسطے ربوبیت کی شان سے اپنا تعارف کرایا حق تعالیٰ نے۔ اور ربوبیّت کے سارے سامان مہیّا کر دیئے۔ ظاہر ہے ہر ہر سامان کے مقابلہ میں اس کی حمد و ثناء کرنی چاہیے۔ ہر ہر چیز کے مقابلہ میں شکر ہونا چاہیے۔ اس لیے فرمایا۔ الحمد للہ۔ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے۔ اور انتہا کی جا کر تعوذ سے، پناہ جوئی سے، صبر سے جس میں گویا بتلا دیا کہ قرآن کا پڑھنے والا یا قرآن پر ایمان لانے والا۔ اس کی شان یہ ہونی چاہیے۔ کہ غلبہ اس پر حمد و ثناء کا ہو۔ اور جو وقت بچے تو پھر پناہ اللہ سے ڈھونڈتا رہے۔ تاکہ مصائب و آفات سے بچا رہے۔ یہ اختتام ہے قرآن کریم کا۔ تو اس قرآن کریم کے اختتام پر جلسہ گویا کیا گیا ہے اس لیے اس کی ابتدا اور انتہا کے بارے میں یہ چند جملے میں نے عرض کئے۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ اس قرآن کریم کی تعلیمات کو اپنے اندر جگہ دیں گے ایک طرف ان پر حمد و ثناء کا غلبہ ہوگا شکر گزاری کا مادہ ہوگا ان میں۔ کفران نعمت نہیں ہوگا۔ تھوڑی چیز مل جائے تو بہت شکر کریں گے۔ ایک طرف مصائب ہوں گے تو از خود رفتہ نہیں ہوں گے۔ پناہ مانگتے رہیں گے اللہ سے۔ اس کی پناہ میں آتے رہیں گے۔ وہی بندے مقبول ہو جائیں گے۔

ظاہر ہے قرآن کریم پڑھنے والے گویا مقبولیت کی راہ چل رہے ہیں
اور اس کے ختم کرنے والے مقبولیت کے مقام پر آ رہے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کو قبول فرمائیں۔
قرآن حکیم کو حدیث میں محادثہ مع اللہ فرمایا گیا ہے۔ یعنی اللہ سے اگر آپ کو باتیں کرنا منظور ہوں تو قرآن کریم کی تلاوت شروع کر لو۔ یہ اللہ سے مکالمہ ہے۔ باتیں ہیں۔ اور بعض آیتوں کا تو ہاتھ در ہاتھ جواب دیا جاتا ہے۔ جیسے فاتحہ کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ نماز میں جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فوراً جواب دیتے ہیں۔ حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ۔ میرے بندے نے میری حمد کی۔ جب کہتا ہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فوراً جواب دیتے ہیں۔ اثنا علی عبدی بندے نے میری ثناء اور صفت کی۔ جب کہتا ہے مالک یوم الدین فوراً جواب دیتے ہیں مجدنی عبدی۔ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ جب کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں آپ ہی سے مدد مانگیں گے۔ فرماتے ہیں ھذا بینی و بین عبدی۔ یہ میرا اور میرے بندے کے درمیان کا ایک معاملہ ہے۔ کہ میں معبود ہوں اور وہ عبد ہے اور عبد اور معبود میں ایک رابطہ قائم ہے۔ جب یہ پڑھتا ہے اھدنا الصراط المستقیم مجھے ہدایت کیجئے۔ دکھلا دیجئے مجھے راستہ ہدایت کا۔ سیدھا راستہ۔ تو جواب آتا ہے ھذا بینی و بین عبدی و لعبدی ما سئل۔ یہ میرا اور میرے بندے کا معاملہ ہے اور دیا میں نے جو اس نے مانگا۔
تو بعض آیتوں کا فوری جواب دیتے ہیں۔ یا جیسے سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔ حدیث میں ہے کہ جب پڑھی جاتی ہیں۔ ان کا جواب دیا جاتا ہے فوراً۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا فوراً جواب دیتے ہیں لا تواخذکم الخطاء والنسیان۔ ہم مواخذہ نہیں کریں گے بھول چوک کا۔ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا۔ اے اللہ! ہم پر بوجھ نہ ڈالئے جو پچھلی اقوام پر آپ نے بڑے بڑے بوجھ ڈالے۔ اور وہ نبھا نہ سکیں۔ جواب دیتے ہیں لا نحملکم مالا طاقت لکم۔ ہم بوجھ نہیں ڈالیں گے تمہارے اُوپر جو تمہاری طاقت سے زائد ہو۔ تو بہت سی آیتیں جن کا فوری طور پر جواب آتا ہے اور بہت سی آیتیں ہیں کہ نصوص اور روایات میں موجود نہیں مگر حدیث میں فرما دیا کہ یہ اللہ سے باتیں کرنا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اور آیتوں کا بھی کوئی جواب آتا ہوگا جس کو اہل دل سنتے ہیں۔ ہم عقیدہ کے کان سے سنتے ہیں۔ اہل دل اپنے دل کے کانوں سے سنتے ہیں۔ مگر جواب ضرور آتا ہے۔
اس قرآن کریم کا پڑھنا، پڑھانا اور اس کو ختم کرانا دربارِ خداوندی کی حاضری ہے۔ ہر وقت کا مکالمہ ہے۔ اللہ سے بات چیت کرنا ہے۔ کسی حکومت کے سربراہ سے اگر آپ کو بات چیت کرنی ہو تو بہت دیر میں رسائی ہوتی ہے۔ وسائل اختیار کئے جاتے ہیں۔ کچھ سفارشیں کرائی جاتی ہیں۔ کچھ ملنے والوں سے راہ پیدا کی جاتی ہیں تب جا کر رسائی ہوتی ہے اور اگر تین منٹ دے دیئے بادشاہ نے یا سربراہ نے تو فخر سے آدمی کی گردن اُونچی ہو جاتی ہے کہ تین منٹ اس سے صدر نے بات چیت کی ہے۔ اور یہاں تو صدر الصدور اور بادشاہوں کا بادشاہ ہر وقت بات کرنے کو تیار ہے۔ جب تلاوت کرنے بیٹھ جاؤ۔ بس اللہ سے باتیں شروع ہو گئیں۔ جب قرآن کریم کو شروع کر دیا محادثہ مع اللہ شروع ہو گیا۔ تو ہر وقت آدمی کو حق ہے کہ اللہ سے بات چیت کرے۔
تو قرآن کریم کی تعلیم و تعلم میں رہنے والے وہ ایک دوسرے کو نہیں سمجھاتے وہ ہر وقت اللہ سے بات چیت میں لگے رہتے ہیں۔ پھر قرآن کریم کے آثار ہیں جو انسان کے قلب کے اُوپر پڑتے ہیں۔
ہر کلام کا ایک اثر ہوتا ہے۔ اور متکلم کی صفات دراصل اس کے کلام میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ کلام آئینہ ہوتا ہے متکلم کے پہچاننے کا۔ جیسے پہچاننا ہو کہ متکلم کیسا ہے۔ اس کا کلام پڑھ لے آدمی۔

زیب النساء اورنگ زیب کی بیٹی تھی ۔ بڑی شاعرہ تھی ۔ جب کبھی دربار میں مشاعرہ ہوتا اس کے بھی اشعار سُنائے جاتے ۔ عاقل خاں جو درباری تھا اورنگ زیب کا۔ وہ بھی شاعر تھا ۔ زیب النساء کے اشعار بڑے میٹھے ہوتے تھے ۔ ایک دن اُس نے تمنا ظاہر کی کہ کاش میں زیب النساء کو دیکھتا ۔ کتنی بڑی شاعرہ ہے ۔ کیسی ذکی اور ذہین ہے ۔ کیسا اونچا کلام ہے ۔

یہ بات پہنچ گئی زیب النساء تک ۔ تخلص تھا اس کا مخفی ۔ اُس نے جواب دیا اور عاقل خاں کو یہ شعر لکھ بھیجا ؎

در سخن مخفی منم چوں برگِ گل در بوئے گل

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

"میں اپنے کلام میں اس طرح چھپی ہوئی ہوں جیسے گلاب کے پھول میں خوشبو چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ تو میں خود اپنے کلام میں چھپی ہوئی ہوں ۔ جو مجھے دیکھنے میں تمنا رکھتا ہے وہ میرے کلام میں مجھے دیکھے۔ تو میں اس میں جلوہ گر نظر آؤں گی ۔"

تو ہر انسان کے کلام سے اس کے اوصاف کا پتہ چلتا ہے۔ اگر شاعرانہ کلام ہے تو فوراً پڑھ کر لیے کہیں گے کسی شاعر کا کلام ہے ۔ علم بھرا ہوا ہے کلام میں ۔ تو آپ کہیں گے کسی عالم کا لکھا ہوا کلام ہے ۔ حکیمانہ کلام ہوگا تو آپ پہچان لیں گے کہ کسی حکیم نے کہا ہوگا ۔ جاہلانہ باتیں ہوں گی تو آپ کہہ دیں گے کسی جاہل کی بات معلوم ہوتی ہے ۔ غرضیکہ کلام پڑھ کر متکلّم کے اوصاف کا پتہ چلتا ہے ۔ آدمی پہچان لیتا ہے بات کرنے والا کیسا ہے۔

اسی اصول پر جب آپ قرآن کریم دیکھیں گے کہ قرآن پاک کلام ہے اللہ کا ۔ اس کلام کو پڑھ کر اللہ کی صفات جلوہ گر نظر آئیں گی اس کے اندر ۔ اس کا جلال اور اس کا جمال ۔ اس کی قدرت اور اس کا اکرام اور اس کا انعام ، یہ تمام صفات آپ کو نظر آئیں گی ۔ ظاہر ہے اس کلام کو جب بار بار آدمی پڑھے گا ۔ تو بار بار ان صفات کا ورود ہوگا آدمی کے قلب پر ۔ تو متخلّق ہوگا آدمی اخلاق اللہ سے ۔ متّصف ہوگا اوصاف خداوندی سے اور وہی آثار اس کے قلب پر پڑیں گے ۔ اس میں رحیمی ، کریمی ، سمیعی ، بصیری یہ تمام صفات رفتہ رفتہ آنی شروع ہوں گی ۔ تو قرآن کریم کے ساتھ اشتغال رکھنا ، شغل رکھنا ، فقط تلاوت نہیں ۔ فقط علم نہیں ۔ بلکہ وہ خاص صفات اور کیفیات بھی ہیں جو اس کے اندر چھپی ہوئی ہیں ۔ وہ آدمی کے اندر جلوہ گر ہوتی ہیں اور پڑھنے والا آخر کار ایک ربّانی آدمی بن جاتا ہے ۔ جس میں خدائی اوصاف جلوہ گر ہوتے ہیں ۔ مقبولانِ الٰہی میں سے ہو جاتا ہے ۔ قرآن کریم ایک جامع چیز ہے اس کے الفاظ کو دیکھو ۔ اس سے بہتر فصیح و بلیغ کلام کوئی نہیں ۔ اگر وظیفہ کی نگاہ سے دیکھو ، اس سے بہتر وظیفہ کوئی نہیں اگر علم کے لحاظ سے دیکھو تو اس سے بڑھ کر اس سے زیادہ جامع اور جامع العلم کتاب کوئی نہیں ۔ قانون کے نقطۂ نظر سے دیکھو تو اس سے زیادہ جامع قانون کوئی نہیں کہ پوری زندگی پر حاوی ہو ۔ اگر کیفیات کے لحاظ سے دیکھو تو اس سے بہتر کیفیات ڈالنے والا کلام دوسرا نہیں ۔ غرض ہر پہلو سے کمال ہی کمال کا پردہ دار ہے ۔ اس لیے قرآن کریم کو پڑھنے والے ، شغل رکھنے والے درحقیقت اللہ کے ساتھ شغل رکھتے ہیں ۔ بات چیت بھی اس سے ہے ۔ اس کے اوصاف بھی لے رہے ہیں ، اس کے کمالات بھی اپنے اندر جذب کر رہے ہیں تو یہ انتہائی مبارکبادی کی چیز ہوتی ہے ۔ اس وقت جن لوگوں کو سندیں تقسیم کی گئی ہیں درحقیقت وہ مستحق ہیں مبارکباد کے ۔ ایک ایسے کلام کو اُنہوں نے اپنے اندر لیا ہے کہ جس سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی رُوح نہیں ہو سکتی جو زندہ کرنے والی روح ہے ۔ قرآن کریم کو حق تعالیٰ نے اروح فرمایا ۔ وکذالک ۔ اوحینا روحا من امرنا۔ اے پیغمبر ہم نے وحی کی آپ کی طرف ۔ کاہے کی ۔ روحا من امرنا ۔ اپنے امر کی روح ہم نے آپ کے اندر ڈال دی

—اُس نے آپ کو زندہ کیا — یہی روح قرآن کریم کی .... جب صحابہ میں پہنچی تو وہ زندہ ہوئے —
اوّل کی زندگی قرآن ہی سے وابستہ ہے — دل کے اندر سما گیا قرآن، تو وہی لوگ جو جہلائے عرب کہلاتے تھے وہ عقلائے عالم بن گئے — جو مشرکین کہلاتے تھے وہ اعلیٰ ترین موحد بنے جو راہزن تھے وہ رہبر بنے — یہ انقلاب اس قرآن کریم ہی نے پیدا کیا — اس کلام پاک ہی نے پیدا کیا — امام مالک فرماتے ہیں۔
اس امت کے اخیر کی اصلاح اسی چیز سے ہو سکتی ہے جس سے امت کے اوّل طبقہ کی اصلاح ہوئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صحابہ کی اصلاح اس قرآن سے ہوئی — آج بھی یہی قرآن اصلاح کا ضامن اور ضمانتدار بن سکتا ہے۔ اس کا علم اور اس کے کمالات ہی انسان کو انسانیت کی طرف لے جا سکتے ہیں — مبارکباد کے قابل ہیں وہ افراد کہ جنہوں نے اس کو سیکھا — اس کو پڑھا اور اس کے بعد سند حاصل کی — اور علامت حاصل کی — جو علامت ہے ان کے بلوغ کی کہ وہ اس راہ کے اندر بالغ ہو گئے — اب ان کی ذریت بن سکتی ہے — اب ان کی روحانی نسل چل سکتی ہے۔
میرا مقصد اس وقت کوئی تقریر یا وعظ نہیں بلکہ تبریک یا مبارکباد دینا تھی ان حضرات کو جنہوں نے پڑھا کر طلباء کو آگے کیا اور ان طلباء کو جنہوں نے پڑھ کر سند حاصل کی — حق تعالیٰ ان کے حق میں اس قرآن کریم کو حجت بھی بنائے —
وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن ۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا سید ابوالحسن ندوی سے برصغیر ہی نہیں پوری مسلم دنیا کے ارباب علم وفضل واقف و آگاہ ہیں۔ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے قلم پر پوری قدرت عطا فرمائی ہے اور اس خدائی عطیہ کو انہوں نے دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ اپنے بزرگوں اور اکابر کے تعارف کے لئے وقف کر دیا ہے۔

ہندو پاک کے علاوہ متعدد مسلم ممالک میں موصوف کی کئی کتابیں مختلف زبانوں میں چھپ کر ایک دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

ابھی حال ہی میں موصوف نے ایک نئی کتاب "پرانے چراغ" مرتب کی جو جانشین شیخ التفسیر مولانا عبیداللہ انور کی خدمت میں بطور ہدیہ ارسال فرمائی۔ اس کتاب میں مختلف مشائخ، علماء، مصلحین، اساتذہ اور احباب کے متعلق موصوف کے تاثرات شامل ہیں۔

ایک مقالہ مولانا لاہوریؒ سے متعلق ہے جس میں موصوف نے اپنی چند بار کی لاہور حاضری، حضرت سے تعلق جو ایک شاگردانہ اور عقیدت مند کی صورت میں پیدا ہوا کی روشنی میں اپنے تاثرات بیان کئے ہیں۔

یہ مقالہ شیخ لاہوریؒ کی مومنانہ اور مجاہدانہ زندگی کی اچھوتی تصویر ہے جسے علی میاں کے باغ و بہار قلم نے ہی پر کشش اور بنا دیا ہے۔

جانشین شیخ کے توسط سے احقر کو اس کتاب کے مطالعہ کا موقع ملا تو جی میں آیا کہ یہ مقالہ حضرت کی یاد میں شائع ہونے والے خصوصی ایڈیشن میں شائع کر دیا جائے کیونکہ ہندو پاک کے مخصوص حالات ان کتابوں کی راہ میں حائل ہیں اور جلدی میں کتاب کے حصول کا راستہ نظر نہیں آرہا۔

اے کاش دونوں حکومتیں اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرتیں تاکہ دونوں طرف کے صاحب ذوق لوگ کم از کم علمی پیاس تو بجھا سکیں۔

جہاں تک ہندی مصنفین کا تعلق ہے انہوں نے اپنے قلم سے وہ کچھ لکھا جو ہمارے دانشوروں کے مقدر میں نہیں ہے۔ علی میاں کو ہی لیں انہوں نے "روائع اقبال" کے نام سے عربی میں ایک مبسوط کتاب لکھ کر اقبال مرحوم کو مشرق وسطیٰ میں متعارف کرایا۔ جب کہ ہمارے یہاں کے کسی اقبالی کو آج تک یہ توفیق نہیں ہوئی۔ ان تعارفی سطور کے ساتھ وہ مقالہ حاضر خدمت ہے۔

(نوٹ) ذیلی سرخیاں ہم نے قائم کی ہیں (ادارہ)

میری زندگی کا مبارک دن

میری زندگی میں وہ بڑا مبارک دن اور بڑی سعید گھڑی تھی جب مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ، لاہور سے نیاز حاصل ہوا۔ میری زندگی کے دو بڑے موڑ ہیں جہاں سے زندگی کا نیا راستہ (جہاں تک خیال ہے بہتر

اور مبارک راستہ اختیار کیا۔ پہلا موڑ جب مولانا احمد علی صاحب سے تعلق پیدا ہوا۔ دوسرا موڑ اس وقت پیش آیا جب خدا نے مولانا محمد الیاس صاحب کے پاس پہنچایا اگر مولانا احمد علی صاحب سے ملاقات نہ ہوتی تو میری زندگی اچھی یا بُری بہرحال موجودہ زندگی سے بہت مختلف ہوتی اور شاید اس میں ادب و تاریخ اور تصنیف و تالیف کے سوا کوئی ذوق اور رجحان نہ پایا جاتا۔ خدا شناسی اور خدا رسی، راہ یابی اور راس روی تو بڑی چیزیں ہیں۔ مولانا کی صحبت میں کم سے کم خدا طلبی کا ذوق خدا کے نام کی حلاوت اور مردانِ خدا کی محبت، اپنی کمی اور اصلاح و تکمیل کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا اور ہم عامیوں کے لئے یہی بڑی دولت اور نعمت ہے بلکہ بعض حقیقت شناسوں کے نزدیک یہی اصل دولت ہے

وحشت کلکتوی نے انہی لوگوں کی ترجمانی اپنے شعر میں کی ہے۔

نشانِ منزلِ جاناں ملے نہ ملے   مزے کی چیز ہے یہ ذوقِ جستجو میرا

کہتے ہیں کہ جس کا رزق جہاں مقدر ہوتا ہے وہیں ملتا ہے اس کے لئے وطن، پردیس اور یگانہ و بیگانہ کی قید نہیں، میرے نزدیک یہ کلیہ مادی و غذائی اور معنوی و روحانی دونوں قسم کے رزق کے لئے عام ہے اور قرآن مجید میں معنوی حقیقت کے لئے رزق کا استعمال آیا ہے۔ "اتجعلون رزقکم انکم تکذبون" مصنفین۔ مفکرین اور ہر اچھے مقصد کے لئے کوشش کرنے والوں کو جن پر وہ مقصد طاری ہو جائے رہنمائی کے حصول، نئے نئے انکشافات، خلاف توقع اور خلاف قیاس معلومات و مواد کی فراہمی اور غیبی امداد کے ایسے ایسے تجربے ہوتے ہیں کہ ان کے سامنے آیاتِ قرآنی "ویرزقہ من حیث لا یحتسب" کی تفسیر کے نئے نئے نمونے اور مثالیں سامنے آتی ہیں اور ان کے نزدیک اس آیت کا وہی محدود مفہوم باقی نہیں رہتا جو تفسیر و ترجمہ کی عام کتابوں میں لکھا گیا ہے اور عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

میرے شعور کا زمانہ تھا اور عربی تعلیم شروع ہو چکی تھی کہ خود خاندان میں اپنے ہی ضلع میں وطن کے قریب مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادی (متوفی ۱۹۳۰ء ۱۳۴۹ھ سلسلہ احمد شہید قدس سرہٗ کے ایک عظیم داعی) موجود تھے جن سے ضلع رائے بریلی، پرتاپ گڑھ، سلطان پور اور اعظم گڑھ کے ہزاروں مسلمان بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے اور ان کی اصلاح و تربیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا غلغلہ دور تک بلند تھا لیکن باوجود قریبی قرابت اور مکانی قربت میں ان کی زیارت سے بھی محروم رہا۔ ہندوستان کے شمال مغربی اضلاع، مشائخ و علماء کا مرکز ہیں اور قریب و بعید متعدد حقانی ربانی مشائخ و بزرگ موجود تھے کہ علمی اور روحانی پیاس بجھانے کے لئے اور اپنی اصلاح و تربیت کے لئے انہی میں سے کسی مشہور و معروف ہستی کا انتخاب کیا جائیگا خود اپنے شہر ہی نہیں اپنے محلہ اور مکان پر قدیم تعلقات اور روابط کی بنا پر ایسے بزرگوں کی آمد و رفت تھی اور ان سے متعدد افراد خاندان منسلک و وابستہ تھے لیکن ہوا وہی جو برسوں کا تجربہ ہے کہ رزق خود کھینچ کرے جاتا اور اپنی طرف بلاتا ہے۔

حضرت لاہوریؒ سے ابتدائی تعارف

مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کا نام سب سے پہلے خواجہ عبدالحئی صاحب فاروقی سے سنا۔ خواجہ صاحب میرے بھائی صاحب مرحوم کے دیوبند کے ہم سبق تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اور مولانا انور شاہ صاحب کے حدیث کے درس کے دونوں ساتھی تھے اور دونوں میں غالباً زمانہ حال کے تقاضوں سے واقفیت اور جدید مطالعہ کی بنا پر بہت کچھ ہم مذاقی اور اتحاد تھا۔ خواجہ صاحب مولانا عبید اللہ صاحب سندھی سے پڑھ کر آئے تھے۔ انگریزی داں تھے۔ سیاست کا ذوق تھا اور بھائی صاحب ندوہ سے پڑھ کر گئے تھے۔ غرض دونوں میں بڑھی دوستی اور محبت تھی۔ خواجہ صاحب بھائی صاحب کی دعوت پر غالباً ۱۹۲۷ء میں ایک مرتبہ گرمی کی تعطیلات گزارنے کے لئے لکھنؤ آئے اور ہمارے مکان پر ٹھہرے۔ بھائی صاحب نے ان سے فرمائش کی کہ وہ اس زمانۂ قیام میں مجھے قرآن مجید کا کچھ حصہ پڑھا دیں۔ میری عمر اس وقت ۱۳، ۱۴ سال کی تھی۔ خواجہ صاحب نے اخیر پارے کی اخیر سورتیں پڑھائیں۔

مولانا سندھیؒ اور ان کے دو شاگرد ـــ وقت کا ماحول

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے ہندوستان میں دو مایہ ناز شاگرد تھے اور ان کے طرز تعلیم اور مسلک تفسیر کے حامل و امین اور اس میں ان کے صحیح جانشین مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ اور خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ۔ وہ زمانہ ساری دنیا میں سیاسی بے چینی اور یہ ہندوستان میں انگریز دشمنی کے بحران کا تھا۔ سیاست ہر چیز پر غالب اور حاوی تھی۔ ہر مسئلہ کو خواہ وہ علمی ہو یا دینی، ادبی ہو یا تاریخی اخلاقی ہو یا اقتصادی، سیاست کی عینک سے دیکھنے اور سیاست کی کسوٹی پر پرکھنے کی عادت ہوگئی تھی جیسے ہر زمانہ میں ایک خاص طرزِ فکر اور نقطۂ نظر کا استیلاء ہو جاتا ہے اور ہر چیز اس کی مدد سے اور اسی سے متاثر ہو کر دیکھی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں سیاست و حکومت آزادی و غلامی، حاکمیت و محکومیت اور استعمار و استقلال کا استیلاء تھا اور اس نے ایک نئے "وحدت الوجود" کے فلسفہ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس دور کے فلسفہ اور اس کے اثر و تسلط کو دیکھ کر وحدت الوجود کے عقیدہ کی عمومیت و عالمگیری، ادب و شاعری، علم و فلسفہ الٰہیات اور علم کلام یہاں تک کہ عام زندگی و معاشرت اور روزمرہ کی گفتگو اور بول چال پر اس کی مضبوط گرفت اور گہری چھاپ کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس وقت ساری دنیا بالخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے سب سے اہم مسئلہ مغربی طاقتوں سے خصوصاً ان کے سب سے بڑے نمائندہ انگریزوں کی غلامی اور حکومت سے نجات اور آزادی حاصل کرنا تھا۔ مولانا عبیداللہ صاحب غیر معمولی طور پر ذہین و ذکی واقع ہوئے تھے۔ اسی کے ساتھ نہایت درجہ حساس اور غیور طبیعت رکھتے تھے۔ شیخ الہند کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ ان کے ابتدائی مرشد و مربی حافظ محمد صدیق صاحب اور ان کے خلیفہ مولانا سید تاج محمود امروٹی اعلیٰ مجاہدانہ جذبات رکھتے تھے اور پرلے درجہ کے انگریز دشمن تھے۔ ان سب اثرات نے مولانا عبیداللہ صاحب کو ایک شعلہ جوالہ میں تبدیل کر دیا اور ان کے ذہن کو جہاد و حریت، احیائے خلافت و حکومت الٰہی حصول آزادی اور انگریز دشمنی کی طرف ایسا موڑ دیا کہ ان کو سارا قرآن مجید جو شروع سے ان کی دلچسپی اور مطالعہ کا مرکز تھا۔ اسی کی تفسیر اور اسی کی دعوت و تبلیغ نظر آنے لگا۔ ان کی ذہانت و نکتہ آفرینی نے اس کی آیات و ارشادات سے وہ کام لیا کہ ان کو اپنے ہر دعوے کی تائید قرآن مجید ہی میں نظر آنے لگی اور انہوں نے اس سے اجتماعی و سیاسی زندگی کے ایسے ایسے اصول و کلیات اخذ کئے جن کا نہ کسی قدیم تفسیر میں نشان ملتا ہے، نہ کسی جدید تفسیر میں، یہ طرزِ استنباط اور یہ طریقہ، تفسیر صوفیائے کرام کے تفسیری لطائف اور متصوفانہ نکات سے بہت ملتا جلتا تھا۔ جن کو وہ الاعتبار والتاویل کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جن کے نمونے شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ، علامہ مہائمی کی تفسیر تبصیر الرحمان و تیسیر المنان اور علامہ حقی کی تفسیر روح البیان میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اگر اس کو تفسیر کا نام نہ دیا جائے اور "الاعتبار والتاویل" ہی کے نام سے یاد کیا جائے نیز وہ حد اعتدال سے متجاوز نہ ہو تو ہر دور کے علماء نے اس میں حرج نہیں سمجھا ہے۔ غرضیکہ مولانا عبیداللہ صاحب ایک خاص طرزِ تفسیر کے اس دور میں بانی تھے جس کو ان کے شاگرد رشید مولانا احمد علی صاحبؒ تفسیر کی بجائے الاعتبار والتاویل ہی کے نام سے یاد کرنا پسند فرماتے تھے۔ اس میں ان کے سب سے زیادہ کامیاب، وفادار اور جاں نثار شاگرد یہی دو مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری اور خواجہ عبدالحئی صاحب فاروقیؒ تھے۔ اوّل الذکر نے لاہور میں بیٹھ کر تقریباً نصف صدی اس کی اشاعت کی۔ مدارس عربیہ کے فضلاء کی بدولت جن کے لئے انہوں نے صرف ڈھائی تین ماہ کا نصاب بنایا تھا اور جو ان مدارس کی تعطیل کے زمانہ میں ان سے استفادہ کے لئے آتے تھے۔ یہ درس قرآن ہندوستان کے دور دراز گوشوں تک پہنچ گیا۔ جہاں تک مجھے علم ہے، اس سے نقصان کم پہنچا، تصحیح عقائد، اصلاح رسوم، ربط بالقرآن کا فائدہ زیادہ ہوا۔ یہ درحقیقت مولانا احمد علی صاحبؒ کے تقویٰ اور روحانیت اور اخلاق و ایثار کی برکت تھی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں درس قرآن کے عمومی رواج اور لوگوں میں اس کی مقبولیت کا سہرا انہی کے سر ہے۔ دوسرے شاگرد رشید خواجہ عبدالحئی صاحب فاروقی نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کو جو پہلے علی گڑھ میں تھا۔ پھر دہلی منتقل ہوا۔ اپنی کوششوں کا مرکز بنایا۔ ان کے درس سے کم لیکن ان کی تفسیری تصنیفات سے اس کا علمی حلقہ میں زیادہ تعارف ہوا۔

خواجہ صاحب، مولانا احمد علی صاحب کا نام بڑے احترام سے لیتے۔ ان کے درس اور مجالس میں ان کا تذکرہ آنا غیر متوقع بات نہ تھی۔ اس لئے جہاں تک قیاس کام کرتا ہے مولانا کا سب سے پہلے نام اہمیت کے ساتھ انہی سے سُنا۔

حضرت لاہوری رحؒ سے تعارف کا دوسرا سبب

مولانا کے تعارف اور دل میں ان کی عقیدت پیدا ہونے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ میرے پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب ایم اے اورینٹل کالج لاہور میں پڑھاتے تھے۔ اتحادِ مسلک کی وجہ سے مولانا سے ان کے گہرے روابط تھے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے تعلق کی بنا پر مولانا ان کا ایک درجہ میں احترام فرماتے تھے اور وہ خود بھی لاہور میں سب سے زیادہ مولانا ہی کے اخلاص و للّٰہیت اور پاکیزہ نفسی کے قائل تھے۔ وہ جب چھٹیوں میں وطن واپس آتے تو مولانا کا ذکرِ خیر کرتے۔ ۱۹۲۹ء کی گرمیاں تھیں اور مئی کا مہینہ، میں امتحان عربی میں نمایاں طریقہ پر کامیاب ہوا تھا۔ اس وقت تک لکھنؤ سے باہر کہیں نہیں گیا تھا۔ صرف ہنسوہ فتح پور قرابتوں اور تقریبات کی وجہ سے اس سے مستثنیٰ تھا کہ وہاں سال میں ایک دو مرتبہ جانا ہوتا تھا۔

میرا لاہور آنا اور حضرت سے پہلی ملاقات

میری پھوپھی صاحبہ کا خط والدہ مرحومہ کے نام آیا جس میں مجھے لاہور بلایا گیا تھا۔ یہ میرا پہلا طویل سفر تھا اور بہت سی حیثیتوں سے تاریخی اور یادگار، اسی سفر میں مَیں نے پہلی مرتبہ علامہ اقبال کی زیارت کی جس کا تذکرہ نقوشِ اقبال کے مقدمہ میں تفصیل سے آچکا ہے مشہور علمی اور ادبی شخصیتوں کو دیکھا، بڑے بڑے فضلاء اور پروفیسروں سے ملاقات کی۔ علمی اور ادبی محفلوں میں شریک ہوا۔ رستم زماں گاماں پہلوان اور بعض ہندوستان گیر اور بعض عالمگیر شہرت رکھنے والے اہلِ کمال کی زیارت کی، یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ مولانا احمد علی صاحب کے دیدار سے آنکھیں روشن نہ کرتا جن کا ذکرِ خیر عرصہ سے سنتا تھا۔ اس پر اضافہ یہ ہوا کہ بھائی صاحب نے میرے لاہور پہنچنے پر جو خط پھوپھا صاحب کو لکھا اس میں تاکید کی کہ مجھے مولانا احمد علی صاحب سے ضرور ملایا جائے۔ مئی کی غالباً کوئی آخری تاریخ تھی کہ مولانا سید طلحہ صاحب مجھے مولانا احمد علی صاحب کے پاس لے گئے۔ میری عمر اس وقت پندرہ سولہ سال کے درمیان ہی ہوگی میرے تعارف میں دو ہی باتیں کہی جاتی تھیں، والد صاحب کا نام اور ان سے نسبت فرزندی اور عربی زبان سے مناسبت اور اس میں بے تکلف لکھنے پڑھنے کی صلاحیت جو اس عمر اور زمانہ میں کچھ نئی ہی بات سمجھی جاتی تھی۔ مولانا نے جس شفقت و عنایات کا اظہار فرمایا، اس کا مجھے اس وقت تک کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا اور وہ میری توقع اور حیثیت سے زیادہ تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ان کی محبت و عقیدت کا بیج دل کی نرم زمین میں پڑا اور زمین نے اس کو قبول کر لیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ دوسرے یا تیسرے سال گرمیوں کی تعطیل میں لاہور پھر اس شوق میں گیا کہ مولانا کے درسِ قرآن میں شرکت کروں۔ لیکن معلوم ہوا کہ عربی مدارس کے طلباء اور فضلاء کا باقاعدہ درس جس کو مولانا کے رفقاء و خدام "علماء کلاس" کے نام سے یاد کرتے ہیں، رمضان، شوال اور ذی قعدہ میں ہوا کرتا ہے۔ اس وقت تو صرف فجر کے بعد عمومی درس میں اہلِ شہر شریک ہوتے ہیں اور مغرب کے بعد انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کی کلاس ہوتی ہے لیکن مولانا نے از راہ شفقت و عنایت مجھے مستقل وقت دیا اور شروع سے قرآن شریف پڑھانا شروع کیا۔ اس درس میں صرف میں اور برادر عزیز سید احمد الحسینی جو پہلے سے لاہور میں تھے شریک تھے اس درس کا سلسلہ زیادہ دن نہیں رہا۔ شاید سورہ بقرہ نصف ہوئی ہوگی کہ لکھنؤ میری واپسی ہو گئی۔ اس درس میں نیز صبح کے عمومی درس میں شرکت سے اور کوئی فائدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو دینی ذوق ضرور پیدا ہوا۔

حضرت لاہوریؒ کے درس کے مرکزی مضامین

مولانا کے درس کے تین اہم بڑے مرکزی مضمون تھے عقیدہ توحید کی وضاحت، جو ہر قسم کے مشرکانہ اثرات و رسوم سے پاک

تھی اور جس میں ان کا طرز مولانا اسمٰعیل شہید (صاحب تقویۃ الایمان) سے بہت ملتا جلتا تھا نیز انہیں کے ایک دوسرے نامور معاصر اور بزرگ مولانا حسین علی صاحب (واں بھچراں ضلع میانوالی) کے طرزِ تفسیر اور انداز تبلیغ سے بہت ملتا جلتا تھا۔ یہ چونکہ خود اپنے خاندانی مسلک کی ترجمانی اور تائید تھی۔ اس لئے دل نے اس کا خوب ذائقہ لیا اور دماغ نے اس کو پورے طور پر قبول کیا۔

دُوسرا مرکزی مضمون (تذکرہ مشائخ)

دوسرا مرکزی مضمون اہل اللہ کے مؤثر اور دلآویز واقعات، بالخصوص اپنے سلسلہ کے مشائخ کا دلنشین و دل پذیر بکثرت تذکرہ، مولانا اپنے سلسلہ کے مشائخ کی محبت میں بالکل سرشار تھے اور جیسا کہ محبت کا قاعدہ ہے۔ وہ ان کے تذکرہ کے لئے کوئی نہ کوئی تقریب پیدا کر لیتے تھے۔ وہ جس وقت ان کا تذکرہ کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ میں پانی بھر آیا ہے اور وہ کسی نہایت شیریں اور محبوب چیز کا مزہ لے لے کر ذکر کر رہے ہیں۔ ان کے دو روحانی مربی و شیخ تھے۔ مولانا سید تاج محمود صاحب امروٹی اور خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری اور جس وقت ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ہر بن مو سے تشکر و امتنان اور محبت و عقیدت کا چشمہ اُبل رہا ہے اور کسی نے ان کے دل کا ساز چھیڑ دیا ہے۔ سامعین کے دل ان تذکروں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ قدرتاً یہ عقیدت و محبت ان کے دل سے سننے والوں کے دلوں کو منتقل ہوتی تھی اور بجلی کی کرنٹ کی طرح دوسروں کے جسم و جان میں بھی دوڑ جاتی تھی۔

تیسرا مرکزی مضمون (جہاد)

تیسرا مرکزی مضمون جذبۂ جہاد بغض فی اللہ اور انگریزوں سے شدید دشمنی اور نفرت کا مضمون تھا جو بار بار درس میں آتا تھا اور خود قرآن مجید کی آیات ان کی رہبری کرتی تھیں۔ میرا نشوونما اس وقت تک علمی و ادبی فضا اور ندوہ کے ماحول میں ہوا تھا۔ خاندان میں بھی انقلاب زمانہ اور انگریزی تعلیم کے اثر سے یہ تذکرے بہت کم رہ گئے تھے۔ حقیقتاً مولانا ہی کے درس سے اس نئی دنیا سے آشنائی پیدا ہوئی اور معلوم ہوا کہ علم و مطالعہ فکر و نظر اور ادب و شعر کے علاوہ کچھ مقاصد و حقائق اور کچھ لذتیں اور ذائقے ہیں اور انسانوں کی کوئی قسم ایسی بھی ہے جس کے لئے دین صرف خبر نہیں بلکہ نظر، یا دریافت نہیں یافت کا معاملہ ہے۔

سرِ دیں مارا خبر او را نظر او درون خانہ ما بیرون در

لاہور کی دوبارہ حاضری

اس سے اگلے سال غالباً ۱۹۳۲ء میں حجۃ اللہ البالغہ کے درس میں شرکت کے لئے لاہور آیا۔ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کی دوسری پسندیدہ کتاب شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ تھی، جس کو وہ بڑے ذوق و شوق سے پڑھاتے تھے ان کی ذہانت و نکتہ آفرینی نے اس میں بھی ایک نیا عالم پیدا کر دیا تھا۔ اس میں ان کو تمام جدید، سیاسی معاشی انقلابات کی پیش گوئیاں اور ایک صالح اور مکمل نظام کا نقشہ نظر آتا تھا۔ جو اخلاقیات، معاشیات و الٰہیات کے چار ستونوں پر قائم ہو سکتا ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ذہانت بڑی خلاق اور جدت پسند واقع ہوئی ہے۔ وہ بے جان تصویروں میں جان۔ اختصار میں تطویل اور اجمال میں تفصیل پیدا کر دیتی ہے اور چند لفظوں اور لکیروں سے جو بعض اوقات خورد بین کے بغیر دیکھی نہیں جا سکتیں۔ ایک پورا شہر تعمیر کر لیتی ہے لیکن حجۃ اللہ البالغہ میں مولانا سندھی کی ذہانت کو زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔

کتاب کا موضوع، اس کے مطالب، شاہ ولی اللہ صاحب کے وسیع و آفاقی ذہن، ان کی نکتہ رس طبیعت اور ان کی دور بین نگاہ نے مولانا عبید اللہ صاحب کی خود مدد اور رہنمائی کی اور انہوں نے اس کتاب کا رشتہ موجودہ زندگی اور مسائل سے جوڑ دیا۔ مولانا

احمد علی صاحب اس کتاب کو بڑے اہتمام اور ذوق وشوق سے پڑھاتے تھے اور اس کا ایک الگ درس ہوتا تھا جس میں مستند مدارس عربیہ کے فضلاء کو شرکت کی اجازت تھی۔ میرے علم میں اس وقت حجۃ اللہ البالغہ کا بالاستقلال درس کہیں نہیں ہوتا تھا۔ شاہ صاحب سے عقیدت گویا گھٹی میں پڑی تھی اور خاندان و مدرسہ دونوں نے اس کو استحکام اور دوام عطا کیا۔ میں نے بھی اس درس میں شرکت کی۔ کئی روز تک میرا نام باقاعدہ نہیں لکھا گیا۔ مولانا کو اس بارہ میں بہت شبہ تھا کہ میرے اندر اس کتاب کی استعداد وصلاحیت ہے۔ ان کو معلوم تھا کہ میں نے فلسفہ اور علم کلام کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی اور اس کتاب کا اس کے بغیر سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ خدا علامہ حسین میر کاشمیری مرحوم (لاہور کے مشہور مزاح نگار و شاعر اور صحافی جن کے علماء، قائدین اور رہنمایان احرار سے گہرے روابط تھے) کو جزائے خیر دے، انہوں نے اس کی تقریب پیدا کی۔ ایک روز مولانا سے عرض کیا کہ آج عبارت ان سے پڑھوا لیجئے۔ میں عرب اساتذہ سے پڑھنے اور ندوہ کی تعلیم کے اثر سے عبارت اچھی پڑھتا تھا اور اس میں کچھ دوسروں سے فائق نکلا۔ مولانا کا خیال بدل گیا اور انہوں نے مجھے باضابطہ اس جماعت میں شامل کر لیا۔ یہ دس بارہ طالب علموں کی جماعت رہی ہوگی۔ سب فارغ التحصیل تھے ان میں بنگالی اور آسامی طلباء بھی تھے۔ پنجاب اور یوپی، بہار کے بھی۔ درس کا طور یہ تھا کہ اس میں نہ وقت کی قید تھی نہ مقدار کی۔ مسلسل تین، چار گھنٹے بھی درس ہو جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک نشست بیٹھنے سے ٹانگیں درد کرنے لگیں، چونکہ میں کچھ تاخیر سے حاضر ہوا تھا اور میں نے کئی وہ علوم نہیں پڑھے تھے جو مقدمات کا کام دیتے ہیں۔ اس لئے مجھے اس کتاب کے سمجھنے اور اس کے مطالب پر حاوی ہونے میں کہیں کہیں بڑی دشواری محسوس ہوئی اور مجھے اس کے لئے بڑی تیاری کرنی پڑی۔ کئی کئی گھنٹے مطالعہ کرتا اور درس سے پہلے کتاب کو پورے طور پر حل کر لینے کی کوشش کرتا نیز طلباء کے ساتھ مذاکرہ کر کے پچھلا حصہ جو چھوٹ گیا تھا اس کو پڑھا۔ مولانا کے یہاں کتاب کا صرف پہلا حصہ زیر درس رہتا تھا۔ نصاب پورا ہوا تو ہم لوگ مولانا نجم الدین صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کے پاس گئے۔ مولانا کے معقولات و منقولات میں تبحر کی شہرت تھی۔ اس وقت اورینٹل کالج کے سنیئر مولوی ہونے کی وجہ سے استاذ الاساتذہ سمجھے جاتے تھے۔ مولانا نے بھی امتحان بڑی تفصیل و تدقیق سے لیا۔ امتحان زبانی تھا، اس لئے جرح کا پورا موقع تھا اور وہ کمزوریاں جو تحریری امتحان میں چھپ جاتی ہیں، ان کے اظہار کا بھی پورا موقع تھا۔ میری حیرت و مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے مجھے سب سے زیادہ نمبر دیئے اور میں اول آیا۔

حضرت لاہوریؒ کا اصلی ذوق

اہل اللہ کے تذکرے اور روحانیت کا شوق پیدا کرنے والے واقعات کا سلسلہ مولانا کے درس قرآن، حجۃ اللہ البالغہ کے سبق، جمعہ کے خطبات اور عام مجالس میں برابر جاری رہتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہی مولانا کا اصلی ذوق اور اصلی دعوت ہے۔ اسی کے ساتھ زیادہ قیام اور قرب کی وجہ سے مولانا کی زاہدانہ اور مجاہدانہ زندگی ہمارے سامنے آئی جس کی نظیر کم سے کم میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی صرف بزرگوں کے قصے سنے اور کتابوں میں پڑھے تھے۔ ہم لوگ مدرسہ قاسم العلوم میں رہتے تھے ٹھیک اس کی پشت پر چند گز کے فاصلے سے مولانا کا مکان واقع تھا۔ راستہ میں پتلی گلی تھی۔ مولانا کے بڑے صاحبزادے مولوی حبیب اللہ صاحب، المتوفی ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء، مدفون جنت المعلی مکہ معظمہ جو فاضل دیوبند، عابد و زاہد اور عظیم صفات کے مالک تھے، اپنے عظیم والد سے بیعت تھے اور اجازت بھی تھی۔ ۲۵ سال حرمین میں درس دیا۔ غفر اللہ لہ، میرے دوست ہو گئے تھے۔ مولانا کے گھریلو حالات اور ان کے زہد و تقشف و ورع و احتیاط اور قناعت و استغنا کے واقعات ان کے معتمد خاص، رفیق زندگی اور انجمن خدام الدین کے سیکرٹری خلیفہ شہاب الدین سے سننے میں آتے تھے، جو مجھ پر خصوصی کرم فرمانے لگے تھے۔ خلیفہ صاحب نے غالباً مولانا ہی کے ساتھ ہجرت کی تھی اور کابل و بخارا پھر وہاں سے ترکی گئے تھے۔ وہ مولانا کے محرم راز اور خلوت و جلوت کا آشنا تھے۔

حضرت سے تعلق کی درخواست اور آپ کی دین پور کی رہنمائی

ان ذرائع سے مولانا کی زندگی کے جو حالات، ان کے زہد و ورع، روشن ضمیری، قوت ادراک اور باطنی کمالات کا جو اندازہ ہوا اس سے مولانا سے اصلاح و تربیت کے مستقل تعلق کا داعیہ پیدا ہوا اور میں نے ایک دن مولانا سے اس کی درخواست کر دی۔ مولانا نے فرمایا کہ ابھی شیخ مرشد حضرت خلیفہ صاحب حیات ہیں۔ میں آپ کو ایک تعارفی خط دے دیتا ہوں آپ دین پور چلے جائیں اور ان سے بیعت ہو جائیں۔

میرا دین پور شریف کا قصد

میرے لئے تعمیل ارشاد کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ سخت گرمی کا زمانہ تھا اور غالباً جون کا مہینہ تھا۔ دین پور ریاست بہاولپور میں خان پور سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے جو لاہور کراچی لائن کا ایک مشہور سٹیشن ہے اور تقریباً سندھ کی سرحد پر واقع ہے۔ میں نے وہاں جانے کا عزم کر لیا۔

حضرت لاہوریؒ کے سلسلہ کا مختصر تعارف

قبل اس کے کہ دین پور کے سفر کی روداد سنائی جائے مولانا احمد علی صاحب کے سلسلہ روحانی کا مختصر تعارف کرا دینا مناسب ہے۔ بارہویں صدی کے تقریباً وسط میں سندھ و بلوچستان میں ایک مشہور شیخ طریقت سید محمد راشد گزرے ہیں جن کا سلسلہ قادریہ تھا۔ میں نے مولانا عبید اللہ سندھی سے خود سنا ہے کہ وہ ان دیار میں علمی و روحانی طور پر تقریباً وہی مرتبہ اور شہرت رکھتے تھے جو ان کے معاصر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا شمال مغربی ہندوستان میں تھا، سید محمد راشد اپنے والد سید محمد بقا کے مرید و مجاز تھے۔ وہ عبد القادر جیلانیؒ خامس کے خلیفہ تھے، جو پیر کوٹ سدہانہ (ضلع جھنگ سیال پنجاب) میں مدفون ہیں، یہ سلسلہ بغداد و حلب سے اُچ (ریاست بہاولپور) پہنچا، جہاں اس سلسلہ کے نو مشائخ مدفون ہیں۔

پیر پگاڑا شریف:

سید محمد راشد کے تین نامور اور ممتاز ترین خلفاء تھے۔ دو خود ان کے صاحبزادے سید صبغۃ اللہ اور سید محمد یاسین۔ سید صبغۃ اللہ اور سید محمد یاسین کے درمیان والد نامدار کے تبرکات اور مناصب کی تقسیم اس طرح ہوئی کہ سید صبغۃ اللہ کے سر پر دستار خلافت و شیخیت باندھی گئی۔ اس وجہ سے وہ سندھیوں میں پیر پگاڑو کے شہرہ آفاق لقب سے مشہور ہوئے اور ان کا ہر جانشین پیر پگاڑو کہلاتا۔ انہوں نے ایک مجاہد جماعت کی "حُر" کے نام سے تنظیم شروع کی، جس کا مقصد یہ تھا کہ وقت آنے پر ان رضا کاروں کو مجاہدین کے جیش میں تبدیل کر دیا جائے اور ان سے اسلام کی عزت و سربلندی کا کام لیا جائے۔ پیر صبغۃ اللہ شاہ ثانی پیر پگاڑو نمبر ۶ کے زمانہ میں حُروں نے بدامنی شروع کی اور اس کی وجہ سے انگریزوں نے ان کو پھانسی دی۔ ان کے بعد

سکندر شاہ شاہ مردان ثانی اپنے اسلاف کے جانشین ہوئے۔ یہی پیر صبغۃ اللہ (اول) ہیں جنہوں نے حضرت سید احمد شہید اور ان کے قافلے کی ۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۶ء کے سفر ہجرت میں بڑی اولوالعزمی کے ساتھ ضیافت و میزبانی کی اور انہی کی وجہ سے ان کے مستقر پیر کوٹ میں آپ کا تیرہ روزہ قیام رہا۔ سید صاحب کے اہل و عیال عمر کوٹ سے آ کر چھ، سات سال وہیں مقیم رہے اور پھر آپ کی شہادت کے بعد وہیں سے مستقل طور پر ٹونک منتقل ہو گئے۔

پیر صاحب جھنڈا شریف:

سید محمد یاسین کے حصہ میں عَلَم (جھنڈا) آیا اور وہ پیر جھنڈا کے لقب سے مشہور ہوئے۔ پیر جھنڈا کا کتب خانہ ہندوستان کے علمی حلقوں میں مشہور و معروف ہے۔ ۱۹۴۴ء کے اوائل میں راقم السطور نے مولانا عبید اللہ سندھی کی ملاقات کے لئے جو اس وقت گوٹھ پیر جھنڈا میں مقیم تھے۔ وہاں حاضری دی، اس وقت اس سلسلہ کے شیخ پیر ضیاء الدین زندہ تھے اور انہی نے میزبانی فرمائی۔

پیر صاحب بھرچونڈی شریف:

سید محمد راشد کے تیسرے خلیفہ حضرت شاہ حسن تھے۔ جن سے سندھ، ریاست بہاولپور اور پنجاب میں سلسلہ کی بڑی اشاعت اور عقائد و اعمال کی بڑی اصلاح ہوئی۔ انہی کے سلسلہ میں حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈی والے ہوئے جن کے دو ممتاز ترین خلفاء مولانا سید تاج محمود امروٹی پر جلال اور جذبہ جہاد غالب تھا۔ کرامات جلیہ کا ان سے ظہور ہوا کئی بار انگریزوں کو چیلنج کیا اور ان کے مقابلے میں آ گئے۔ حکومت نے شورش عام کے خطرہ سے طرح دی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا اخلاص و اختصاص تھا۔ ایک مرتبہ ان کی خدمت میں بڑے اہتمام سے ایک ٹوپی بھیجی، اس پر لکھا "تاج محمود"۔

تذکرہ حضرت دین پوری قدس سرہٗ

حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب پر جمال کا غلبہ تھا۔ بڑے صاحب سکینت اور تمکین تھے۔ چہرہ مبارک گلاب کی طرح سرخ اور آفتاب کی طرح پُرانوار معلوم ہوتا تھا۔ نہایت صاحب وجاہت اور صاحب جمال تھے۔ عرصہ تک دستور رہا کہ بہاولپور کا جب کوئی نواب گدی پر بیٹھتا تو خود ہی اس کی دستار بندی گویا تاج پوشی فرماتے، تقریباً ناخواندہ تھے۔ میں نے جب ۱۹۳۱ء میں زیارت کی تو اس وقت کسی استاذ کے سامنے قرآن شریف کی تصحیح فرماتے تھے۔ پنجاب اور سندھ کے تمام مشائخ ان کے علوئے مرتبہ قوت نسبت اور ان کی بزرگی کے قائل تھے۔ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے خود مجھ سے فرمایا کہ ان کو بھی حضرت خلیفہ صاحب سے اجازت حاصل ہے۔ ہمارے شیخ و مرشد مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری بہت احترام و عقیدت کے ساتھ ان کا نام لیتے تھے اور ان کو اس نواح کے مشائخ کبار میں شمار فرماتے تھے۔ صاحبزادگان اور خلفاء بھی حضرت سے بہت ربط و تعلق رکھتے تھے۔

دین پور شریف کی حاضری

غرض ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء کے جون کی کوئی تاریخ تھی کہ میں کراچی میل سے خانپور کے لئے روانہ ہوا۔ ایک رفیق درس اور دوست مولوی محمد موسیٰ سندھی رفیق سفر تھے جو خود بڑے صاحب اصلاح اور قوی الاستعداد نوجوان تھے مغرب کو ہم لوگ خانپور پہنچے وہاں سے دین پور کی طرف روانہ ہوئے۔ غالباً رات ہی کو حضرت کی زیارت ہوگئی۔ ایسا منور چہرہ غالباً اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا۔ نہایت کم گو اور کم سخن بزرگ تھے۔ گفتگو بھی فرماتے تو ٹھیٹھ ریاستی زبان میں جو ملتانی و سندھی کا مجموعہ ہے اور جس سے میں بالکل نا آشنا تھا۔

دین پور کی دنیا :

دین پور کی دنیا ہی نرالی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں دین پور تھا۔ قادری طریقہ پر ذکر جہر سے مسجد و خانقاہ اور بستی ہر وقت گونجتی رہتی تھی۔ اگر کوئی کسی کو آواز بھی دیتا تو پکارنے والا بھی اِلَّا اللّٰہ کہتا اور جواب دینے والا بھی اِلَّا اللّٰہ ہی سے اس کا جواب دیتا، اس طرح اذان، ذکر جہر اور صدائے اِلَّا اللّٰہ کے سوا کوئی اور آواز سننے میں نہ آتی۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں صرف حضرت اور حضرت کے متعلقین آباد تھے۔ نیم خام، نیم پختہ چند مکانات جن کی تعداد شاید ۵، ۷ سے زیادہ نہ ہو۔ ایک سادہ سی مسجد، چند خام حجرے ذاکرین کے لئے، کچھ کھجوروں کے درخت جن کو دیکھ کر عرب کے بادیہ نشینوں کی بستیاں یاد آتی ہیں۔ اب وہ ہوا بھی بادیہ عرب سے ملتی جلتی تھی۔ مقیمین خانقاہ کے لئے ایک لنگر تھا جس میں خالص سندھی اور بہاولپوری مذاق کا ایسا کھانا تیار ہوتا جو قوت لایموت کا صحیح مصداق تھا اور ہم اودھ کے نازک مزاج مہمانوں کے لئے اس کا کھانا بڑا مجاہدہ اور امتحان تھا۔ گرمی کی شدت تھی، دن بھر لو چلتی رات کسی قدر ٹھنڈی ہوتی۔

یہ تھا دین پور کا نقشہ، جہاں عمر میں صرف دو مرتبہ جانا ہوا۔ ایک اسی ۱۹۳۱ء یا ۱۹۳۲ء میں دوسرے ۱۹۵۰ء یا اس کے بعد، خلیفہ صاحب کی وفات کے عرصہ کے بعد ایک شب کے لئے جانا ہوا۔ حضرت خلیفہ صاحب کی عمر اس وقت بھی نوے سال سے متجاوز تھی۔ مولانا احمد علی صاحب کا خط آپ کو سنایا گیا۔ جس میں غالباً حضرت سید صاحب کی نسبت سے میرا تعارف تھا۔ حضرت نے سلسلہ میں داخل فرمایا اور ذکر قلبی کی تلقین کی۔ جس وقت رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ "ان کو سلام کہہ دینا" میں نہیں سمجھا کہ اشارہ کس طرف ہے۔ صاحبزادہ میاں عبدالہادی صاحب پاس سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے تشریح فرمائی کہ مولانا اشرف علی تھانوی کو، مولانا کا نام سنتے ہی خلیفہ صاحب پر رقت طاری ہو گئی۔ اس سے اس تعلق کا اندازہ ہو سکتا ہے جو ان دونوں بزرگوں کے درمیان تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ مولانا تھانوی ایک مرتبہ کراچی سے آتے ہوئے خلیفہ صاحب کی زیارت اور ملاقات کے لئے دین پور ٹھہرے تھے۔

دین پور سے میری واپسی اور لکھنؤ کا عزم :

دین پور میں، چار دن ٹھہر کر لکھنؤ واپس آ گیا۔ اس کے بعد پھر خلیفہ صاحب کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ میں نے مولانا کے حکم کی تعمیل تو کر دی تھی، لیکن میں انہی کو اپنا شیخ و مربی سمجھتا تھا اور ان کا بھی معاملہ میرے ساتھ یہی تھا۔ یہ تعلق یوماً فیوماً بڑھتا رہا لاہور آنا جانا آسان تو نہ تھا مگر خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔

میرا پھر لاہور آنا اور دورۂ تفسیر میں شرکت :

۱۹۳۲ء کے آخر میں رمضان ۱۳۵۱ھ میں لاہور اس درس کی تکمیل کے ارادہ سے گیا جو فضلائے مدارس کے ساتھ مخصوص تھا اور جس کا سلسلہ آخر شعبان سے شروع ہو کر وسط ذی قعدہ تک جاری رہتا تھا۔ سردیوں کا رمضان تھا، مدرسہ قاسم العلوم میں قیام تھا، پچاس ساٹھ کے درمیان طلبہ تھے جو سب مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل تھے یا بالکل آخری درجات (حدیث و تفسیر) کے طالبعلم تھے۔ فجر کے بعد ذرا دن چڑھے سبق شروع ہو جاتا اور کئی کئی گھنٹے جاری رہتا۔ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی نے ہر رکوع کا خلاصہ اردو کے چند جملوں میں کر رکھا تھا۔ طلبہ کو وہ اور اس کا ماخذ ازبر کرنا پڑتا تھا۔ اسی طرح ہر سورت کا عمود یعنی مرکزی مضمون مقرر تھا۔ میں خاندانی طور پر ضعیف الحافظہ ہوں اس لئے سینکڑوں رکوع کے خلاصے یاد کرنے اور مستحضر رکھنے میں بڑی محنت کرنی پڑتی تھی لیکن اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔ مولانا پہلے آموختہ کے طور پر پچھلے اسباق سنتے تھے، پھر سبق پڑھاتے تھے۔ اس سبق میں مولانا کی طبیعت بہت شگفتہ اور خوش رہتی۔ توحید کا مضمون، رد شرک و بدعت، اہل اللہ کے واقعات

اور دشمنانِ اسلام سے بیزاری کا اظہار اور ان کے خلاف جدوجہد کے جذبہ کی تحریک ان اسباق کا ایک مشترک اور عمومی مضمون تھا۔ اس پر ان اشارات و ہدایات کا اضافہ تھا، جن کا تعلق طلباء کی اصلاح و تربیت اور تزکیۂ نفس سے تھا۔

دورۂ تفسیر کا مقصدِ اصلی اور اس سے حضرت کا لگاؤ

اس درس کا اصل مقصد و موضوع تو قرآن مجید کے علم و فہم میں بصیرت پیدا کرنا تھا اور مولانا اس سلسلہ میں اپنے محبوب استاذ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے متبع اور پیرو تھے۔ جہاں تک اس طرز کا تعلق ہے، مجھے اس سے کچھ زیادہ مناسبت نہیں تھی۔ اسی لئے میں اپنے درس قرآن میں جس کا سلسلہ میں نے لکھنؤ واپس آکر شروع کر دیا اور جس نے بعد میں ادارۂ تعلیماتِ اسلام میں شہر کے ایک بڑے مرکزی درس کی شکل اختیار کر لی، جس میں جدید تعلیم یافتہ اور اعلیٰ عہدیدار بڑی تعداد میں شریک ہونے لگے۔ اس طرز کی پیروی نہیں کی لیکن اس درس سے مجھے فائدہ بہت ہوا اور اس کی برکت میں نے اپنی بعد کی علمی اور تبلیغی زندگی میں محسوس کی۔ سب سے زیادہ مفید و مؤثر مولانا کی صحبت، ان کی زاہدانہ اور مجاہدانہ زندگی، ان کا اخلاص، ان کا قرآن مجید سے والہانہ تعلق اور اس کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کا بے قرارانہ جذبہ تھا۔ ان کو قرآن مجید کے درس و اشاعت کے بغیر چین نہیں آتا تھا اور وہ ان کی روح کی غذا اور درد کی دوا بن گیا تھا۔ ان کے نزدیک اس درس میں ناغہ کرنا گویا گناہ کبیرہ اور سخت کوتاہی تھی۔ میں نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ایک بچہ کا انتقال ہوا۔ اس کی لاش گھر میں تھی، لیکن اس دن بھی انہوں نے ناغہ نہیں کیا۔ درس کے بعد حاضرین کو اس واقعہ کی اطلاع کی اور تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔ اوائل ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ شروع مارچ ۱۹۳۳ء میں ہم لوگوں کا قرآن مجید ختم ہوا۔ مولانا نے ہم لوگوں کے امتحان کے لئے اپنے قدیم رفیق خواجہ عبدالحیٔ صاحب فاروقی کو دہلی سے لاہور آنے کی زحمت دی۔ اس طرح جس تفسیر اور درس قرآن کا آغاز پانچ سال پہلے خواجہ صاحب ہی کے ہاتھ پر لکھنؤ میں ہوا تھا اس کا اختتام بھی (امتحان کی شکل میں) انہی کے ہاتھ پر ہوا۔ ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ بمطابق ۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء کو ایک مختصر جلسہ میں جس میں شہر کے بعض علماء اور اہل تعلق شریک تھے، مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے سند تقسیم کی۔ اس سند کا عربی مضمون مولانا سید انور شاہ صاحبؒ کا لکھا ہوا ہے۔ سند پر شاہ صاحب۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور مولانا مدنی اور مولانا احمد علی صاحب کے دستخطوں کے فوٹو ہیں۔

حضرت کی خدمات اور ان کے ذرائع

مولانا سے پنجاب اور سندھ میں اللہ تعالیٰ نے تصحیح عقائد، اشاعتِ توحید اور اصلاح اعمال و رسوم اور انابت الی اللہ کا جو عظیم و وسیع کام لیا، درس قرآن کے علاوہ اس کے دو اور مؤثر ذریعے تھے، ایک جمعہ کا خطبہ، دوسرے عام فہم اصلاحی رسائل کی اشاعت جمعہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ان کی زندگی میں پنجاب میں اتنا بڑا جمعہ اور اتنی مؤثر و مقبول جمعہ کی تقریر کہیں نہیں ہوتی تھی۔ لوگ دور دور سے آتے تھے اور بہت پہلے سے منتظر رہتے تھے۔ مولانا جمعہ کے خطبہ سے پہلے جس کی عربی میں دینے کی پابندی فرماتے تھے، پورے ایک گھنٹہ اردو میں تقریر فرماتے تھے۔ یہ تقریر خالص اصلاحی اور تبلیغی رنگ کی ہوتی تھی جس کی سب سے بڑی خصوصیت اور طاقت مولانا کی صاف گوئی، بے خوفی اور ہر قسم کی مصلحت اندیشی سے بے پروائی تھی۔ یہ تقریر بالکل مطابق حال ہوتی تھی۔ اس سے غلط عقائد، فاسد اخلاق، غیر دینی اور غیر شرعی رسوم و اعمال، غیر اسلامی معاشرت و تمدن پر ضرب کاری لگتی تھی اور ہر وہ شخص جو اس میں مبتلا ہوتا تھا اس ضرب اور اس کی چوٹ کو محسوس کرتا تھا اور اثر لئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ مولانا اس میں کسی رعایت و مداہنت اور اشارے کنایے سے قطعاً کوئی کام نہیں لیتے تھے۔ اہل حکومت، اہلِ

وجاہت، اہلِ ثروت اور دنیادار علماء و مشائخ اور دین کو پیشہ بنانے والوں اور غلط پیروں پر سخت تنقید کرتے تھے۔ بعض مرتبہ ان کی تنقید اتنی سخت ہو جاتی تھی کہ سننے والوں کو حیرت ہوتی تھی کہ لوگ کیسے برداشت کر لیتے ہیں۔ مجھے تو کئی مرتبہ ڈر معلوم ہوا کہ کہیں یہ سامعین کی برداشت سے باہر نہ ہو جائے اور ان کی زخم خوردہ انانیت اپنے کرب کو چھپا نہ سکے اور انتقام لینے اور بے ادبی پر آمادہ نہ ہو جائے لیکن ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا، صاف معلوم ہوتا تھا کہ ان کا اخلاص اور ان کی بے غرضی اور بے نفسی، پھر ان کی عنداللہ وعندالناس مقبولیت کسی فتنہ کو اٹھنے نہیں دیتی۔ سننے والوں کے کانوں میں اب بھی یہ الفاظ گونج رہے ہوں گے کہ "اے لاہوریو! احمد علی چھیالیس برس سے تمہارے درمیان رہتا ہے لیکن وہ اس اٹھارہ لاکھ کی آبادی میں انسان کی صورت دیکھنے کو ترستا ہے۔ تم سب کچھ ہو مگر انسان نہیں ہو"۔ بعض مرتبہ اہلِ حکومت پر تنقید کرتے، بعض دفعہ پاکستان کے بانیوں پر اور یہ فرماتے "سی آئی ڈی والو! یہ لکھ لو، میں صاف کہتا ہوں"، لیکن جس قدر مولانا کی صاف گوئی اور ان کا اندرونی درد و جوش بڑھتا جاتا، سامعین کی تعداد بھی بڑھتی جاتی اور گرویدگی بھی۔ لوگوں نے جمعہ اور عام مواعظ میں اچھے اچھے معزز شہریوں، ارکانِ حکومت اور وزراء کو بھی دیکھا۔ بارہا سر فیروز خاں نون کو لوگوں نے عام شہری کی طرح سر جھکائے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ جب جوش آتا تو تقریر کی روانی اور طلاقتِ لسانی بہت بڑھ جاتی، یہ معلوم ہوتا کہ سینہ میں ایک دریا امنڈ رہا ہے۔ اکثر ایسے موقعوں پر کئی کئی منٹ مسلسل پنجابی میں تقریر فرماتے جو ان کی زبان سے بہت بھلی لگتی۔ خاص طور پر جب عورتوں کو خطاب ہوتا جو بڑی تعداد میں موجود ہوتیں، ان کے الگ پردے کا انتظام تھا۔ شادی بیاہ کی رسموں، جھوٹی غیرت اور اسراف بے جا اور مغربی تمدن کی نقالی پر تنقید ہوتی۔ جمعۃ الوداع میں تو اتنی بڑی تعداد ہوتی کہ شیرانوالہ دروازہ کی وسیع مسجد کا صحن اس کے لئے کافی نہ ہوتا اور پاس کے پارک میں جو شہر کے چاروں طرف ہے جمعہ کا انتظام کیا جاتا۔

تبلیغ دین کا دوسرا ذریعہ

اشاعت و تبلیغ کا دوسرا ذریعہ مولانا کے وہ کثیر التعداد رسائل تھے جو وقتاً فوقتاً انجمن خدام الدین کی طرف سے بڑی تعداد میں شائع ہوتے رہتے تھے اور بڑے پیمانے پر ان کی اشاعت ہوتی تھی۔ ان کا موضوع بھی عام طور پر اصلاحِ عقائد و اعمال اور ردِ بدعت ہوتا تھا۔ وہ عوام اور کم پڑھے لکھے لوگوں کی سطح کے مطابق ہوتے اور بڑے ذوق و شوق سے پڑھے جاتے، ان رسائل کی اشاعت مجموعی طور پر لاکھوں کی تعداد میں پہنچ گئی ہوگی۔ مولانا نے سندھی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور حواشی بھی شائع کئے۔ یہ لکھنا رہ گیا کہ مولانا کو سندھی زبان پر پورا عبور تھا اور اس میں بے تکلف تقریر کرتے تھے۔ اردو میں بڑے اہتمام سے ۱۹۴۷ء میں مترجم قرآن مجید شائع کیا۔ اس میں ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا ہے اور حواشی اپنے قلم سے اسی طرز تفسیر پر لکھے ہیں۔ جس کے مطابق درس دیتے تھے۔ یہ قرآن مجید بڑی تعداد میں شائع ہوا۔

تبلیغی دورے اور حضرتؒ کی شرائط

مولانا تبلیغی دورے بھی فرماتے تھے، لیکن اس میں ان کے شرائط اتنے سخت تھے کہ بعض اوقات مہینوں ان کی نوبت نہ آتی تھی۔ اس میں ایک شرط یہ تھی کہ اپنے ہی کرایہ سے تشریف لے جائیں گے۔ اس کے لئے بعض اوقات مہینوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ دوسری شرط یہ تھی کہ جب تک وہاں قیام رہے گا اپنا ہی کھانا کھائیں گے، فرماتے تھے کہ جہاں تبلیغ کرنی ہو وہاں کا کھا لینے بلکہ بعض اوقات شربت پی لینے سے بھی اثر پڑ جاتا ہے اور آدمی اتنی صفائی اور جرأت سے امر بالمعروف نہی عن المنکر اور احقاقِ حق کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔ ایک مرتبہ بعض اہلِ تعلق کی دعوت پر پونہ تشریف لے گئے۔ گھر سے کوئی ایسی چیز پکوا کر لے گئے تھے جو کئی دن تک کام دے اور خراب نہ ہو، بھنے ہوئے چنے کا ہی تمام رہا، اسی پر گزارا کیا۔ ظاہر ہے کہ اس کی کوئی فقہی حیثیت نہیں ہے اور یہ قانون ہر ایک کے لئے

نہیں ہو سکتا اور اس کے التزام سے تبلیغ میں بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ لیکن مولانا اس بارے میں صاحب حال تھے۔ کھانے پینے کے بارے میں ان کی یوں بھی احتیاط و تورع بہت بڑھا ہوا تھا۔ غیر مسلموں کے یہاں کھانے اور بازار کی چیز کو وہ شرعاً جائز سمجھتے تھے، لیکن اس سے احتراز کرتے تھے۔

انجمن اور مدرسے کے معاملہ میں حضرتؒ کا طرزِ عمل

وہ عمر بھر انجمن خدام الدین اور مدرسہ قاسم العلوم (انجمن کا قیام ۱۹۲۲ء اور مدرسہ کا قیام ۱۹۲۴ء میں ہوا) جس کے وہ بانی اور روح رواں تھے ایک پیسہ لینے کے کبھی روادار نہیں ہوئے۔ ساری عمر انہوں نے اعزازی اور رضا کارانہ طور پر خدمت انجام دی اور اپنے اور اپنی اولاد کے لئے کوئی منفعت حاصل نہیں کی۔ مجھے ان کے ایک قدیم معتمد خاص نے ایک مرتبہ بتایا کہ مولانا سخت علیل ہو گئے۔ معالجین نے آپ کے لئے دوا اور غذا کا نظام بنایا جس کی آپ کی زاہدانہ زندگی میں گنجائش نہ تھی۔ انجمن کے ارکان نے یہ سمجھ کر کہ انجمن اور اس کا سارا کام مولانا کے دم سے ہے۔ ان کی زندگی ہی سے انجمن کی زندگی اور بقاء ہے، مولانا کے علاج پر کچھ انجمن کے فنڈ سے خرچ کر دیا۔ مولانا کو بیماری سے افاقہ کے بعد جب اس کا علم ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے مجھے ناجائز کھلایا اور اس سب کو اپنے پاس سے ادا کیا۔ جب ہم لوگ مدرسہ قاسم العلوم میں پڑھتے تھے، تو بعض اوقات ملازمین اور واقفین حال سے معلوم ہوتا کہ مولانا کے یہاں کسی کسی وقت فاقہ ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ہم طلباء کے لئے بڑی فراوانی کے ساتھ کھانے پکتے اور ہم سب آسودہ ہو کر کھاتے لیکن مجال نہ تھی کہ مولانا کے یہاں اس میں سے ایک دانہ بھی پہنچ جاتا اور ان کے گھر کا ایک بچہ بھی اس کھانے سے مستفید ہوتا۔

حضرتؒ کی زاہدانہ زندگی

ہم لوگوں کو خوب اندازہ تھا کہ مولانا کے یہاں عسرت اور نہایت سادگی کے ساتھ گزران ہوتی ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اخفاء حال اور تکلیف سے بچانے کے لئے اپنے عزیز مہمانوں کے کھانے کا انتظام باہر کرتے اور انجمن کے کسی خادم یا مسجد کے منتظم کو کچھ نقد عنایت فرما دیتے جس سے ان مہمانوں کی میزبانی ہوتی رہتی۔ مجھے ایک مرتبہ اچانک اس کا اندازہ اور علم ہوا کہ مولانا کے گھر میں عام محور پر کیسی گزران اور کیا معیار زندگی ہے۔ رمضان مبارک میں غریب مسلمانوں کے یہاں بھی کچھ نہ کچھ اہتمام اور تکلف ہوتا ہے لیکن مولانا کے یہاں میں نے اتنا بھی اہتمام نہیں پایا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک رمضان المبارک میں میں مولانا کی خدمت میں مقیم تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ آج کھانا میرے ساتھ کھائیے گا۔ افطار ہم لوگوں نے پنجاب کے رواج کے مطابق مسجد میں پانی اور چھوہارے سے کیا۔ نماز مغرب کے بعد مولانا نوافل میں مشغول ہو گئے۔ فارغ ہوئے تو میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ مولوی صاحب! میں گھر میں اطلاع دینا بھول گیا کہ آج آپ ساتھ کھانا کھائیں گے۔ یہ کہہ کر مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ فرمایا، کھانا آیا تو صرف روٹی اور دال کا پیالہ تھا۔ غالباً ماش کی دال تھی، اسی وقت دہی کا میری خاطر اضافہ کیا گیا۔ مولانا نے کھاتے ہوئے فرمایا کہ مولوی ابو الحسن صاحب (مولانا مجھے اکثر اسی طرح یاد فرماتے تھے) ہم سے تو یہ دال اچھی ہے کہ یہ جس مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے اس کو اس نے پورا کیا۔ مگر ہم نے اپنی زندگی کا مقصد پورا نہیں کیا۔ اس کے بعد بغیر کسی معذرت کے کھانے میں شریک ہو گئے۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ آج کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔

حضرتؒ کی محتاط زندگی

طمع دنیا اور مشتبہ مال سے احتیاط سے زیادہ مشکل غیبت سے اجتناب اور پرہیز ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو عزلت اور گوشہ گیری کی زندگی گزارتے ہوں اور ان کا مختلف طبقوں کثیر التعداد اور مختلف المزاج لوگوں سے واسطہ پڑتا ہو۔

یہ بات اس وقت اور بھی مشکل ہو جاتی ہے جب کسی طبقہ یا فرد سے اعتقادی اور اصولی اختلاف بھی ہو اور اس کے ساتھ صریح ظلم کیا گیا ہو۔ مولانا کو ان نازک موقعوں پر بھی ہمیشہ غیبت و شکایت سے مجتنب اور محتاط پایا، درس میں ہر طرح کا تذکرہ آتا۔ تردید و تنقید بھی ہوتی لیکن کسی موقع پر بھی مولانا کو اپنے شدید سے شدید مخالف کی غیبت کرتے ہوئے نہیں سنا گیا۔

حضرتؒ کی قوتِ روحانی

مولانا کی قوت روحانی اور اشراقی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ کشف قبور میں بڑا دخل تھا۔ ان کے صحیح کشف کے بہت سے حیرت انگیز واقعات ہیں، جو ان کے مخصوص اہل تعلق کے علم میں ہیں۔ اس قوت کشفیہ سے انہوں نے بعض بزرگوں کے مشہور و مسلم مزارات کے غیر معتبر اور جعلی ہونے کی حقیقت دریافت کی، جو اپنے شہر اور دیار میں مرجع خلائق بنے ہوئے تھے اور ان کے صحیح مدفن کی اطلاع دی۔ یہ باتیں وہ اپنے بہت ہی معتمد اور مخصوص دوستوں اور خدام سے کرتے تھے، فطری اور خدا داد مناسبت کے علاوہ اس کمال میں جس میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز تھے اور جو کتابوں کے واقعات اور شیوخِ متقدمین کی یاد تازہ کرتا تھا، ان کے مجاہدہ و ریاضت، دوام ذکر اور مشتبہ و مشکوک غذا سے احتیاط کو بہت دخل تھا۔

اہلِ دین کے معاملہ میں حضرتؒ کا طرزِ عمل، حضرت مدنی اور حضرت رائپوری

مولانا جہاں اہلِ دنیا اور اہلِ دول کے سامنے بڑے خود دار اور غیور واقع ہوئے تھے، اہلِ دین اور خصوصیت کے ساتھ ان حضرات کے سامنے جن کو اپنے مشائخ اور اکابر کی صف میں شمار کرتے تھے، غایت درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ علمائے حق سے بہت جھک کر اور فروتنی سے ملتے تھے اور ان کی نہایت تعظیم کرتے تھے، دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا اپنے آپ کو ان کے سامنے ایک معمولی طالب علم سے زیادہ نہیں سمجھتے، معاصر علماء اور مشائخ میں سے ان کو دو شخصیتوں سے بے حد عقیدت تھی اور وہ ان کے ساتھ اپنے مشائخ کا سا معاملہ کرتے تھے۔ ایک مولانا حسین احمد صاحب مدنی، دوسرے مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری، ان آنکھوں نے بار بار دیکھا ہے کہ مولانا حضرت رائے پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت ادب کے ساتھ دو زانو اس طرح مراقب ہو کر بیٹھ گئے جیسے کوئی مرید رشید اپنے شیخ کے سامنے حاضر ہوتا ہے اگر حضرت نے کوئی بات پوچھی تو نہایت ادب کے ساتھ مختصر اور بقدر ضرورت جواب دیا، ورنہ خاموش رہے،

مولانا سید انور شاہ صاحب کے بھی بڑے معتقد اور مرتبہ شناس تھے۔ ان کی زندگی میں برابر حاضری دیتے رہے اور خوردی اور بزرگی کا معاملہ رکھا۔

دین کے معاملے میں حضرت کی صاف گوئی

مولانا اگرچہ اپنے استاذ مولانا عبید اللہ سندھی کو اپنا سب سے بڑا محسن و مربی سمجھتے تھے اور اپنے کو ان کا ساختہ و پرداختہ جانتے تھے۔ ان سے اخذ کئے ہوئے طرزِ تفسیر کو انہوں نے پورے طور پر اپنا لیا تھا اور اس کی اشاعت و تعلیم کو اپنے فرائض زندگی میں سمجھتے تھے (مولانا نے اس درس قرآن کی ابتداء ۱۹۱۱ء سے کر دی تھی اور وہ آخر دم تک قائم رہا) لیکن ان کا یہ سارا تعلق دین کا تابع تھا اور وہ اپنی اس نیاز مندی، وفاداری میں عقیدۂ اہل سُنت اور مسلک سلف سے بال برابر ہٹنا بھی گوارا نہیں فرماتے تھے، چنانچہ جب مولانا سندھی طویل مدت کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور انہوں نے بعض اپنے خیالات و

حضرت لاہوریؒ کی مجاہدانہ زندگی

مولانا شروع سے مجاہدانہ جذبات و عزائم کے حامل تھے اور یہ بات ان کو اپنے مربی مولانا عبیداللہ صاحب سندھی اپنے

شیخ طریقت مولانا سید تاج محمود امروٹی اور اپنے استاذ حدیث شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی سے وراثت میں ملی تھی۔ مولانا کا آخر تک اسی جماعت وگروہ سے تعلق رہا جو انگریزوں کا دشمن ہندوستان کی آزادی کے لئے کوشاں اور ممالک اسلامیہ کی آزادی و استقلال کا خواہشمند تھا۔ وہ تحریک خلافت کے ایک سرگرم کارکن اور جمعیۃ علماء کے ایک وفادار کارکن تھے۔ انہوں نے ۱۹۲۰ء کی تحریک ہجرت میں بھی شرکت کی تھی اور کابل گئے تھے لیکن یہ دیکھ کر کہ افغانستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں قرآن مجید کی اشاعت و تفہیم اور اسلامی تعلیمات و احکام کی تبلیغ کی اتنی آزادی وگنجائش بھی نہیں جتنی ہندوستان میں ہے، ہندوستان واپس آگئے تھے۔ کھدر کا استعمال انہوں نے آخر تک نہیں چھوڑا تھا۔ اسی حق گوئی اور حکومت برطانیہ کی مخالفت کی پاداش میں وہ انگریزوں کے عہد میں کئی بار جیل گئے اور اسی جرم میں وہ دہلی سے، جہاں وہ مولانا عبید اللہ سندھی کی نیابت میں تعلیمات قرآن کی اشاعت کر رہے تھے، جلا وطن کر کے لاہور لائے گئے۔ پاکستان بننے کے بعد بھی ان کی حق گوئی و بیباکی ذمہ داران حکومت پر تنقید اور ان کے غیر دینی اور غیر جمہوری رجحانات کی مخالفت و تردید میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں جیل گئے، اپنے خطبات و مواعظ میں برملا اہل حکومت پر تنقید کرتے، اور اس میں کسی مصلحت اندیشی اور مداہنت سے کام نہیں لیتے تھے، جو مولانا کی تقریریں سنتا وہ اقبالؒ کے اس شعر کی تصویر اور عملی تصویر پاتا۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی ‏ ‏ ‏ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اپنے خدام سے تعلق

مولانا اپنے مسترشدین وخدام کے ساتھ نہایت شفقت اور نوازش کا معاملہ فرماتے اور اس بارہ میں "وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ" پر عمل کرتے۔ ہر شخص کو اپنا حال معلوم ہے۔ میں مولانا کے مکتوبات پڑھتا ہوں ان کی پدرانہ شفقت اور مربیانہ عنایت کو دیکھ کر دل پر چوٹ لگتی ہے اور اپنی نااہلی و ناکامی کو یاد کر کے سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ یہ خطوط قلب حزیں کی تسکین اور یاس و دل شکستگی کے شدید حملوں کے وقت سکون و تقویت کا بڑا ذریعہ ہیں۔

بہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر ‏ ‏ ‏ جو بوقت ناز کچھ جنبش تیر ابرو میں بھی

یہاں پر صرف دو اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ ۲۷ر فروری ۱۹۴۸ء کے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں

"چونکہ آپ میرے لئے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کا جو فضل بھی آپ پر ہو وہ میرے لئے باعث صد فخر ہے مجھے جس طرح مولوی حبیب اللہ سلمہٗ (فرزند اکبر) کی ترقی سے فرحت ہو سکتی ہے اسی طرح بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر اس سے زیادہ خوشی اور سرور آپ کے درجات کی ترقی سے ہوتا ہے۔ اب یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت عطا فرمائے اور موجودہ دور فتن میں تمام مسائل و آلات سے مامون رکھے" آمین یا الہ العالمین آمین!"

ایک دوسرے مکتوب میں جو ۱۹ر مئی ۱۹۵۶ء کا ہے تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کی ہر کامیابی سے جتنا میرے دل میں سرور اور فرحت حاصل ہوتی ہے غالباً دنیا میں اور کوئی نہیں جسے

افکار کا اظہار فرمایا۔ جو مولانا کے نزدیک صحیح الخیال علماء اور راسخ العقیدہ جماعت کے عقائد وافکار و مسلک سے مطابقت رکھتے تھے اور ان میں مولانا کی حد سے بڑھی ہوئی ذہانت، انفعالیت اور جذباتیت طویل مسافرت اور زندگی کی ناکامیوں اور ہمت شکن تجربوں کا اصل دخل تھا اور ان سے مسلمانوں میں ذہنی انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ تھا، تو مولانا نے ان کے خیالات سے مطابقت نہیں فرمائی بلکہ صاف اپنے خیالات کا اظہار کر دیا جس سے مولانا سندھی کو رنج بھی ہوا اور شکایت بھی پیدا ہوئی اس لئے

وہ مولانا سے اس کی بالکل توقع نہیں رکھتے تھے لیکن مولانا احمد علی صاحب نے اس کی کوئی پروا نہیں کی اور پوری نیاز مندی اور سعادت مندی کے ساتھ اپنے مسلک پر قائم رہے۔

حضرت لاہوریؒ کی وسیع المشربی

مولانا بڑے وسیع النظر، وسیع القلب بزرگ تھے، عبادات و احکام میں فقہ حنفی اور مسلک دیوبندی کے پابند ہونے کے باوجود جماعت اہلِ حدیث اور اس جماعت کے علماء اور صلحاء سے اُن کے بڑے اچھے تعلقات تھے اور وہ ان کا احترام کرتے تھے۔ وہ عید کی نماز التزاماً مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی کے پیچھے جو جماعت اہلِ حدیث کے امام اور امیر تھے منٹو پارک کے کھلے میدان میں پڑھتے تھے اس لئے کہ یہ زیادہ مطابق سنت ہے۔ انہوں نے اپنی الگ عیدین کی نماز قائم کرنے کی کبھی اجازت نہیں دی۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو شاید وہ لاہور کی سب سے بڑی جماعت ہوتی۔ ان کی ایک صاحبزادی بھی ایک اہل حدیث عالم کے نکاح میں تھی۔ پنجاب اور لاہور کے اہلِ حدیث مولانا سے عقیدت و محبت رکھتے تھے اور برابر آتے جاتے رہتے تھے۔

مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں (ضلع میانوالی) سے جو عقیدۂ توحید کی تبلیغ و تصریح میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور اسماعیل شہیدؒ کے نقشِ قدم پر تھے اور ان کی تفسیر قرآن کا یہی مرکز و محور تھا، سے خاص عقیدت رکھتے تھے اور ان کو بھی مولانا سے بڑی محبت و خصوصیت تھی۔ ان کی دعوت پر کئی بار خدام الدین کے جلسوں میں تشریف لائے۔

مجلس احرار اور اس کے زعماء سے تعلقات

مجلس احرار کے علماء، وزعماء بالخصوص مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے ساتھ برادرانہ تعلقات تھے اور وہ حضرت مولانا کو اپنے سچے خیر خواہوں اور بزرگوں میں سمجھتے تھے۔ شاہ صاحب کے ہاتھ پر علماء و صلحاء کی ایک بڑی جماعت (جن میں مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے) نے انجمن خدام الدین ہی کے جلسہ میں بیعت امارت کی تھی اور اسی وقت سے امیر شریعت پنجاب کہے جانے لگے تھے۔

بعض بزرگوں سے حضرتؒ کا خصوصی تعلق

مولانا احمد علی صاحب، آخر وقت تک مولانا ابوالکلام آزاد کا بڑے احترام سے نام لیتے تھے اور ان کی سیاسی بصیرت، اصول پر ثبات و استقامت اور علمی و ذہنی صلاحیتوں کے بڑے قائل تھے۔ مولانا حمید الدین صاحب فراہی اور علمائے ندوہ کے نام بھی ہمیشہ احترام سے لیتے تھے۔ مولانا سلیمان ندویؒ سے خاص طور پر مانوس اور ان کے علم و فضل کے معترف تھے۔ اپنے ترجمہ و حواشئ قرآن پر سید صاحب سے تقریظ بھی لکھوائی۔

اس درجہ کی راحت حاصل ہو، میرا دل آپ کی ترقی دارین کے لئے بارگاہ الٰہی میں ملتجی ہے، اللہ تعالےٰ آپ کو عمر دراز عطا فرمائے اور اپنی مرضی کے مطابق عمر بھر اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔"

آمین یا الہ العالمین آمین)

زندگی کا مختصر خاکہ

شاید بہت سے لوگوں کو معلوم نہ ہو گا کہ مولانا ایک نو مسلم خاندان کے فرد تھے۔ مولانا کے والد شیخ حبیب اللہ صاحب

خود اسلام لائے تھے۔ وہ گوجرانوالہ پنجاب (قدیم قصبہ جلال وطن ثانی چک باہو ولادت ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۲ھ) کے ایک شریف ہندو خاندان کے فرد تھے۔ مولانا عبید اللہ صاحب جو اصلاً پنجابی تھے طویل قیام کی وجہ سے سندھی مشہور ہو گئے' ان کے رشتے دار ہوا کرتے تھے (مولانا سندھی سے حضرت لاہوری کی والدہ محترمہ کا نکاح ثانی ہوا تھا) مولانا کی تعلیم و تربیت انہی نے زیر سایہ اور نگرانی میں ہوئی اور انھوں نے اس تعلق کا حق ادا کر دیا۔ مولانا کی ہجرت کے بعد انہی نے ان کے کام کو سنبھالا اور دہلی میں ان کے درس کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب انگریز حکومت نے ان کو جلا وطن کر کے لاہور پہنچایا تو آپ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر درس قرآن کا آغاز کیا۔ رفتہ رفتہ آپ شیرانوالہ دروازہ میں اس مسجد میں منتقل ہوئے جو لائن والی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد کا مسقف حصہ نہایت مختصر تھا جو اب بھی موجود ہے۔ اس کے بغل میں جانب شمال ایک وسیع چبوترہ تھا جس پر گرمیوں میں ٹھنڈے اوقات میں نماز ہوتی تھی۔ جب آپ کا درس مرجع عام و خاص بن گیا اور قدیم مسجد بالکل ناکافی ثابت ہوئی تو اس چبوترے پر چھت پڑ گئی اور روز بروز مجمع زیادہ ہونے لگا آپ کی قبولیت و مرجعیت برابر بڑھتی گئی اور آخری زندگی میں تو یہ حال ہو گیا کہ لوگ دور دور سے پروانہ وار آتے اور ایک ہجوم رہتا۔ اسی کے ساتھ آپ کی مشغولیت اور انہماک بھی بڑھتا گیا۔ بعض اوقات ملاقات و زیارت کے لئے آنے والوں کو گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا اور بہت دیر میں باری آتی۔ بعض دن ناشتہ کی نوبت ہی نہ آتی دوپہر کے کھانے میں بہت دیر ہو جاتی۔ آخر میں سربرآوردہ اور صاحبِ وجاہت اشخاص کو بھی کئی کئی دن کے انتظار کے بعد ملاقات کا موقع ملتا۔ اس بارہ میں آپ کا معاملہ مقبولین خدا اور اولیاء اللہ کے مشابہ تھا کہ جتنا سفر کا وقت قریب آجاتا تھا لوگوں کی عقیدت و محبت بڑھتی جاتی تھی اور نفع و افادہ کی مقدار بھی اسی کے بقدر، بالآخر وہ وقت آگیا کہ نصف صدی کا پر مشقت اور طویل مجاہدہ کا سفر کرنے والا اپنی آخری آرامگاہ پر پہنچے اور اپنی محنت و وفاداری کا انعام پالے۔ ۱۳۸۱ھ کے رمضان المبارک کی ۱۸ر تاریخ مطابق ۲۳ر فروری ۱۹٦۲ء کو حاضری کا پیام آگیا اور نماز عشاء میں بحالتِ سجدہ انتقال ہوا اور خادم قرآن، قرآن نازل کرنے والے کے جوارِ رحمت میں پہنچ گیا۔ جنازہ میں لوگوں کے پروانہ وار ہجوم اور اجتماعِ عظیم کا وہ منظر تھا جو لاہور کے سے عظیم شہر نے مدت دراز سے نہیں دیکھا تھا اور شاید مدت دراز تک نہ دیکھے، غروبِ آفتاب کے ساتھ تبلیغ و اشاعت دین کا یہ آفتاب بھی لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل اور خاک کے پردہ میں نہاں ہو گیا اور سینکڑوں ہزاروں آدمیوں نے وہیں افطار کیا اور بادیدہ نم واپس آئے۔

مولانا جب لاہور آئے یا لائے گئے تو تن تنہا تھے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر درس قرآن کا آغاز کیا تھا لیکن جب اس شہر کو داغ مفارقت دیا تو خدا کے ہزاروں بندے سوگواران کے فراق میں اشکبار تھے۔

مولانا قاضی شمس الدین، گوجرانوالہ

مُبارک ہستی کا مُبارک ذکر

احقر کا مرحوم سے پرانہ اور دیرینہ تعلق ہے لاہور میں بدعت کا اس قدر زور تھا کہ اہل حق کے لیے کلمہ حق کہنا بہت دشوار تھا پھر جب لاہور میں مولوی دیدار علی آگرہ سے لاہور آیا اور مدرسہ نعمانیہ ٹکسالی دروازہ میں مدرس ہوا تو احقر وہاں نعمانیہ میں زیر تعلیم تھا مدرسہ کے منتظمین سلیم اللہ مولوی تاجدین منشی عبداللہ سیب غالی اہل بدعت سے تھے اور مولوی دیدار علی نے مسجد وزیر خان میں سلسلہ جمعہ اور تقریر شروع کیا تو مزید بدعت میں اضافہ ہوا اگرچہ اس وقت مولانا عبدالعزیز صاحب سہالوی، مولوی نور الحق بسالوی مولوی نجم الدین ڈیڈیالوی وہاں موجود تھے مگر ان حضرات مرحومین کو وہاں تبلیغ کلمہ حق کہنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ یہ مختلف اداروں میں ملازم تھے ان دنوں اللہ تعالیٰ نے ایک درویش صفت حامی حق پاکیزہ اخلاق اعلیٰ کردار کا مالک ہوس و لالچ دنیا سے مبرا حضرت مرحوم کو اہالیان لاہور کی رہنمائی کے لیے بھیجدیا جس نے حرص دنیا حرص جاہ اور لالچ اور طمع کو بالائے طاق رکھکر اعلاء کلمۃ اللہ کی جدوجہد شروع کی درس قرآن سے مواعظ حسنہ سے جلسوں کے اہتمام سے ۱۹۲۴ء میں ایک عظیم الشان اجتماع کر دیا جس میں بڑے بڑے مشائخ اور اکابر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری مرحوم جیسے اور حضرت مولانا حسین علی مرحوم جیسے بزرگان دین تشریف لائے اس میں مولانا سراج احمد بہاولپوری نے اور مرحوم مولانا سید عطاء اللہ شاہ نے اپنی عین جوانی میں تقریر کی میاں سر فضل حسین وغیرہ جلسہ میں شریک تھے لاہور میں توحید کا چراغ چمکنے لگا اور بدعت پر کاری ضربیں لگنی شروع ہوئیں اور یہ چراغ دن بدن روشنی پھیلاتا گیا اور اطراف و اکناف لاہور کو منور کرتا رہا تا آنکہ ۱۹۶۲ء میں داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے فانی ناپائدار بے ثبات دنیا کو چھوڑتے ہوئے راہی ملک بقا ہوئے اور لاہور والوں نے مشاہدہ کیا کہ آپ کے مدفن سے کستوری سے اعلیٰ خوشبو آنے لگی قبر کی مٹی کا تجزیہ اور ٹسٹ کیا گیا مگر وہ خوشبو یہ دنیا کی خوشبو نہ تھی بلکہ خلد بریں کی تھی۔ میرے ایک دوست مولانا محمد عرفان مرحوم نے جن کا روزانہ کا معمول پندرہ سیپارہ قرآن کی تلاوت تھی، اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا کہ میں حضرت مرحوم کے مرقد کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک اعلیٰ ترین خوشبو کا تیز جھونکا آیا "وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون"۔۔۔ چناں کرو ند یاران زندگانی ہمہ کار افتادہ بشنو تا بدانی

اتباع سنۃ :۔ جب کوئی صاحبزادی جوان ہوئی بلا تاخیر نہ مال دیکھا نہ دولت فاظفر بذات الدین پر عمل کرتے ہوئے دیندار خدا پرست دیکھا اور نکاح کر کے رخصتی کر دی۔ ان ھذا العز وجود لا الیوم

سخاوت اور مہمان نوازی :۔ مہمان کوئی بھی آوے خاطر تواضع اور خدمت کر کے واپس کرنا۔

ذرہ نوازی :۔ ایک بار احقر خدمت اقدس میں حاضر ہوا رات وہاں رہا مجھے آکر فرمانے لگے کہ میں اپنی اہلیہ سے کہہ آیا ہوں کہ شمس الدین کا کھانا اپنے ہاتھ سے پکانا کسی اور کو نہ پکانے دینا۔

وفا دوستی :۔ ایک بار احقر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ آپ کا بھتیجا (میرا لڑکا عبیداللہ مرحوم) اس کے لیے رشتہ درکار ہے حلقہ اثر سے شادی کرا دیں جواب میں فرمانے لگے کہ میں نے یہ دلالی چھوڑ دی ہے اس لیے کہ فریقین کا اتفاق ہو جائے تب تو دعائیں دیتے ہیں ورنہ بددعائیں پھر چار مہینے نہ گزرے کہ اپنے گھر سے اپنی نواسی کا رشتہ دے دیا جو نیک اخلاق لائق اور میری اتنی خدمت کرتی ہے کہ موجودہ زمانے کی بہو ایسا نہیں کرتی۔

شغل ذکر اللہ :۔ حضرت مرحوم ان لوگوں سے تھے جن کے شان میں وارد ہوا "اذا رؤا ذکر اللہ" اور وارد ہوا "ھم قوم لا یشقی بھم جلیسھم" اور جن سے دنیا آباد تھی۔ الغرض پاکیزہ اخلاق نیک سیرت سخی النفس متواضع مہمان نواز ذکر اللہ میں ہمہ وقت مشغول حق گو بے طمع بے لالچ متوکل علی اللہ متبع سنۃ اعلاء کلمۃ اللہ میں ساعی ولی اللہ صاحب کشف و کرامات اہل اللہ لوگوں میں سے تھے اللہ تعالیٰ جنت الفردوس جوار رحمت میں جگہ دے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے جانشینوں کو بیش از بیش خدمت دین کی توفیق عطا فرما کر ان کا صحیح جانشین بنائے آمین ثم آمین۔

مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، لاہور

ایک مجاہد اہلسنت

لاہور جو کسی زمانہ میں بزرگوں کے اٹھ جانے کے بعد سے بے دینی و بد دینی کا گڑھ بنا ہوا تھا جہالت محض اور جہالت بنام علم کا دور دورہ تھا ہر گلی کوچہ میں اسلامی تعلیمات کو نیست و نابود کرنے کے لیے اسکول در اسکول کالج در کالج راہزنان اسلام دشمنی میں معروف تھے اور جو لوگ ان سے بچے ہوئے تھے وہ جہالت و ناواقفی کی وجہ سے ایسے خورندم پچرندم طبقہ کے ہاتھ چڑھے ہوئے تھے جو طرح طرح کی نئی سے نئی تدبیریں گھڑ کر دین کا نام لگا کر روز بروز دنیا میں اپنے شکم کی دوزخ اور آخرت میں جہنم کی دوزخ کو پُر کرنے کے سوا کوئی کام نہ رکھتے تھے پورا لاہور اور آس پاس بلکہ پورا پنجاب بہت زیادہ اور باقی صوبے ذرا ذرا کم ان دونوں بلاؤں کی پلیٹ میں آکر یا بے دین ہو رہے تھے یا بد دین اور روز بروز ان بلاؤں میں شدت اور ترقی ہوتی جا رہی تھی۔

غیر مسلم ہی پورے پنجاب کی دولت پر چھائے ہوئے تھے وہ بھی اسلام دشمنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔ مگر بے بس ولا ضعیفوں کمزوروں اور بزرگوں کی دعائیں بارگاہ قبول تک پہنچ گئیں اور حق تعالیٰ نے موسےٰ علیہ السلام کی کافر سے پرورش کی طرح ایک غیر مسلم گھرانے سے ایک بچہ منتخب کیا اسلام بخشا، علم بخشا، نیکی و تقویٰ بخشا، خدمت دین کا جذبہ بخشا بے سروسامانی میں ایمانی حوصلہ بخشا بے مائگی میں ہر دو مسلم نما دشمنان اسلام اور تمام غیر مسلمین کے لیے سینہ سپر ہونے کا جذبہ بخشا، علم نام کی جہالت کے لیے درس قرآن سے جہاد خالص جاہل و شکم، در پشت پناہوں کے لیے تقریروں سے جہاد غیر مسلموں سے تحریروں اور سب سے تینوں طرح کے جہاد کا حوصلہ بخشا یہی بچہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے نام سے تمام ملک کے افق پر چمکا چاروں طرف کے جہادوں میں دن رات متاونات منہمک رہا اور حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ نے وہ قبول بخشا کہ اگر کسی سو سالہ عمر کے شخص سے پوچھیں کہ یہ لاہور وہی لاہور ہے۔ جواب سے سو سال یا پچاس ۵۰ سال پہلے تھا۔ کیا پنجاب وہی پنجاب ہے جو اب سے سو سال پہلے تھا۔ کیا وہ پنجاب کوئی دوسرا پنجاب تھا جہاں خدا پیدا ہوں بنی پیدا ہوئے جہاں پیر کے گھر کا حج کیا جاتا تھا جہاں خدا کی ادنیٰ مخلوق کو سجدہ کیا جاتا تھا جہاں بعض کو بزرگ مشہور کرنے کے بعد ان کی قبروں کو سجدہ اور طواف اور حق تعالیٰ کو چھوڑ کر ان سے ہی مرادیں مانگی جاتی ہیں خالق کائنات سے منہ موڑ کر مخلوق اور ادنیٰ مخلوق کو مختار رزاق وہاب اولاد بخش باور کیا جاتا تھا جہاں خدائی احکام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو بالائے طاق کیا جاتا اور خود تراشیدہ امور کو دین کہہ کر پابندی کی اور کرائی جاتی تھی۔ جہاں اپنی شکم پروری کے لیے اللہ اور رسولؐ کے نام پر روز روز کی خوراک اور چٹخارے منوائے جاتے تھے۔

ہاں ہاں اب بھی شکم پرست اپنی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں مگر آپ پچھلی صدی کے لوگوں سے معلوم کریں گے تو اس وقت کے لاہور اور آج کے لاہور میں اس وقت کے پنجاب اور آج کے پنجاب میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا اور منگھڑت باتوں کی نفرت میں بڑا فرق عظیم معلوم ہوگا دین کے اس کام میں بہت علماء لگے ہوئے ہیں مگر لاہور میں اس کا سہرا حضرت مولانا احمد علی صاحب کے سر ہی ہے۔ کیا لاہور اس احسان عظیم سے غفلت برت سکتا ہے۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ کام کی کثرت اور قلت مطالعہ سے لغزشوں کا ہونا بعید بات نہیں مگر وہ گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں، حضورؐ کا ارشاد۔ کلکم خطاؤن وخیر الخطائین التوابون۔ تم سب کے سب خطاؤں میں مبتلا ہوتے ہو مگر بہتر ان میں سے وہ ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں، معصوم ہونا صرف انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے۔

افسوس آج کل تو بعض لوگوں نے درس قرآن اور وعظوں کو گمراہی کا ذریعہ بنا لیا ہے ہر بوالہوس نے عشق پرستی شعار کی، چند ناواقفوں کو موصوف بنایا اور جماعت بنا ڈالی بے دینی اور بد دینی تحریفات دشمن اسلام و تعلیمات اسلام مگر دلچسپ چلتے دار تقریر و تحریر سے نام درس واعظ کا اور گمراہی بد عقیدگی خلاف اسلام کا پرچار ہو رہا ہے تحریکوں پر تحریکیں، انجمنوں پر انجمنیں اسلام دوستی کے پردہ میں اسلام دشمنی کر رہی ہیں تو بہ و اصلاح کے نام صفر ہے

جاہلوں ناواقفوں کی داد سے عالم نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھئے جب تک مستند عالم نہ ہو متقی اور پابند سنت نہ ہو اس کا درس تقریر تحریر کتاب گفتگو سب خفیہ طریق سے گمراہی کا ذریعہ بنتی ہے دیکھنا سننا گناہ ہوتا ہے محض ربقہ اسلام سے خارج کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ جیسے آج کل

قطب زماں حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ

مولانا غلام غوث ہزاروی



جناب مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب زید مجدہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں حضرت لاہوری قدس سرہ کی کچھ باتیں لکھ دوں۔ کیونکہ ان کا مجھ سے بہت تعلق رہا ہے محترم مولانا صاحب! میں اگر سو سال بھی حضرت کے پاس رہوں مجھے ان سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔

میں صرف گفتار و قال ہوں وہ کردار و حال تھے میں صرف ثابت اور وہ سیار تھے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے معمولی دید قصور سے ۱۵ سال کے مدارج طے ہوئے تو ان حضرات کا کیا کہنا ہمارا ایمان تقلیدی یا بالغیب ہے ان کا ایمان بالمشاہدہ ہوتا تھا اس لیے صحابہ کرامؓ کے ایک مد کے برابر صدقہ ہمارے پہاڑ کے برابر صدقے سے ہوا تھا وہ وحی و معجزات کو مشاہدہ کرتے تھے انہوں نے پیغمبر آخر الزمان علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کی زبان مبارک سے قرآن پاک سنا ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ کم از کم ۵ لاکھ انسانوں کو آخرت کا آدمی بنا دینا ان کے نفس کو فنا کر دینا ان کو اپنے رنگ میں رنگ دینا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن پاک کے بعد سب معجزات سے بڑا معجزہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان حضرات پر تنقید کرنے والوں کو حضرت لاہوری قدس سرہ ایک منٹ کے لیے برداشت نہیں کرتے تھے۔ حضرت قدس سرہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے لیے دو گواہ کافی ہیں حضرت مولانا شیخ الاسلام سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ۔ ساری دنیا ایک طرف ہو اور یہ دو گواہ میرے ساتھ ہوں تو بس ہے۔ میں تو حضرت کے پیچھے نمازیں پڑھا ہی کرتا تھا مگر حضرت کا میرے پیچھے نماز پڑھنا میرے مسلمان ہونے کی دلیل ہے اگر فخر جائز ہوتا تو میں اس بات پر فخر کرتا۔ حضرت جب حجرہ مبارک سے نماز کے لیے تشریف لاتے گویا ایک فرشتہ آگیا ہے ساری مسجد بقعۂ نور بن جاتی۔ بلکہ نور علیٰ نور کا سماں بندھ جاتا۔

حضرت قدس سرہ اولیاء کرام کی محفل میں

حضرت قدس سرہ نے علیحدگی میں مجھ سے فرمایا کہ مسجد نبوی میں ایک بار بہت سے اولیاء کرام جمع تھے میں بھی ان میں جا بیٹھا ایک آدمی عطر لگانے کے لیے آیا سب کو جلدی جلدی عطر لگا کر میرے پاس پہنچا اور عطر لگانے میں بہت دیر کی کبھی ایک جگہ لگاتا کبھی دوسری جگہ میں سمجھا کہ یہ شخص صرف میرے ملنے کے لیے آیا ہے۔ اور احقر نے یہ سمجھا کہ حضرت قدس سرہ اولیاء کرام میں تھے ہی ان کے سردار۔ اسی لیے تو وہ شخص صرف حضرتؒ سے ملنے آیا اور اسی لیے اس نے زیادہ وقت حضرت کو عطر لگانے میں صرف کیا۔ ہم کیا سمجھیں کہ یہ محفل اولیاء کرام کی ہے یا عام لوگوں کی۔

ایک بار حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ گھر والی ہمیشہ مکان ملنے کی دعا کرتی تھی ایک دن میں نے اس کو کہا کہ بس کرو مکان مل جائے گا خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک تیسرے محلہ کے آدمی نے خواب دیکھا کہ اس کو اللہ تعالیٰ و تبارک کہہ رہے ہیں کہ یہ مکان احمد علی کو دے دو اس نے پرواہ نہیں کی دوبارہ یہی خواب دیکھا جب تیسری بار دیکھا تو حضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مکان کی اپنے نام رجسٹری کرا لیں چنانچہ رجسٹری ہو گئی اس کے بعد حضرت قدس سرہ نے اصلی مالک مکان سے دریافت

گیا کہ اگر یہ مکان کو مسجد شبیر اللہ کے محلہ میں کسی مکان سے بدل دوں اس شخص نے کہا کہ مکان آپ کا ہے جس طرح چاہیں کر دیں چنانچہ آپ نے موجودہ مکان لے کر دوسرے آدمی کو دے دیا۔

ایک بار فرمایا کہ مجھ سے گھر والی پوچھا کرتی تھی کہ اس وقت (مولانا) حبیب اللہ (صاحب مدینہ میں) ہیں کیا کام کر رہے ہیں اچھے ہیں یا نہیں آخر میں نے اس کو بتایا کہ اس وقت وہ فلاں جگہ ہیں اور فلاں کام کر رہے ہیں اس نے وہ تاریخ اور وہ وقت اور کام لکھ لیا جب عمرہ کو تشریف لے گئیں دریافت کرنے پر حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب نے وہی کچھ فرمایا جو حضرت نے فرمایا تھا۔ ایک بار فرمایا کہ میرے پاس ایک عورت آئی اس نے کہا کہ میرا ایک بیٹا لندن میں مرا ہے دوسرا راولپنڈی میں فوت ہوا۔ ان کے انجام کا علم ہو جائے تو میں صبر کروں آپ نے فرمایا جو لندن میں مرا ہے اس کا خاتمہ خراب ہوا ہے اور جو راولپنڈی میں فوت ہوا ہے اس کا خاتمہ اچھا ہوا ہے۔ پھر بعد میں تحقیقات سے معلوم ہوا کہ لندن والا بیٹا آخری وقت میں کفریہ کلمات کہہ رہا تھا اور راولپنڈی والا شہید ہوا ہے۔

ایک بار مجھ سے علیحدگی میں فرمایا کہ جنۃ البقیع میں اب کے تنہائی میں جانے کا موقعہ ملا۔ بنات رسول کے مزارات پر مراقبہ کیا ان کے مزارات سے وہ انوار متوجہ ہوئے جو سینکڑوں بار چلہ کرنے والوں کے مزار سے متوجہ ہوتے ہیں۔

حالانکہ بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چلہ نہیں کیا تھا سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نگاہ کرم کی برکت تھی۔ آپ کا تعلق بھی بہت ہی بڑی چیز ہے۔ ہر ایماندار کے ایمان کا رشتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستہ ہے حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ کسی منکر کے آگے پڑھے آپ کے اس بیان کی اس نے اصرار سے تردید کی آپ نے فرمایا کہ پھر تمہارا رشتہ توڑ دوں اس نے کہا ہے ٹھیک توڑ دو آپ نے ہاتھ مارا دھاگا ٹوٹ گیا وہ شخص بعد میں مرتد ہو گیا (

میں مجلس ذکر میں جایا کرتا لیکن کوئی مزہ نہ آتا۔ جانا فضول سمجھتا رہا آخر کار نیت درست کی اور دل میں کہا کہ جب فرشتوں سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (ھم قوم لا یشقی بھم جلیسھم او کما قال) تو حضرت لاہوریؒ کی محفل اور اس کے حاضرین سے بڑھ کر کس کی محفل ہو گی چلو جایا کرو۔ ان کے پاس بیٹھنے سے جب گناہ معاف ہوتے ہیں تو یہی بڑی بات ہے اور کیا مزہ چاہیئے۔ پھر اس کے بعد دل لگنے لگا۔ ایک بار حضرت نے دیکھ لیا پاس بلایا اور بٹھایا۔ مجلس ذکر کے خاتمہ پر جب روشنی گل کی گئی تو میرا دل بھی اچھلنے لگا میں نے اس کو حضرت کی برکت سمجھا۔

میں نے اپنے کو اس وقت بہت ہی خوش قسمت سمجھا جب ۱۹۵۶ء میں بمقام ملتان مغربی پاکستان کی جمعیۃ علماء اسلام کے دور جدید کی ابتداء ہو رہی تھی۔ اس کانفرنس میں حضرت مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنویؒ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ خلیفہ خاص حضرت حکیم الامتؒ وغیرہ سارے حضرات شریک تھے اس اجلاس میں احقر کو ناظم جمعیۃ منتخب کیا گیا حضرت نے فرمایا کہ میں اس شرط پر صدارت قبول کرتا ہوں کہ احقر ناظم بنے چار و ناچار احقر نے قبول فرمایا میرا اصرار حضرت مولانا عبد الحنان صاحبؒ کے لیے تھا میں ان کو ہر طرح سینئر سمجھتا تھا وہ مرکزی جمعیۃ دہلی کے بھی ناظم رہ چکے تھے تمام باطل فرقوں سے مناظرہ کر سکتے تھے شستہ زبان اور بلیغ تقریر تھی۔ مگر انہوں نے بیماری کے عذر پر اصرار کیا۔ اور واقعی وہ بیمار تھے ہم کو اس کی خبر نہ تھی آخر کار ان کی وفات اس بیماری سے ہوئی۔

اس اجلاس میں ، مولانا عبد الستار خان نیازی بھی مدعو تھے چنانچہ وہ دن کو شریک ہوئے

اس دن سے جمعیۃ علماء اسلام کا دور جدید شروع ہوا۔ یہ اجلاس حضرت مولانا شبیر احمد صاحب قدس سرہ کی وفات کے بعد ہوا اور نہ وہ بھی تمام دیوبندی خیال کے علماء کے ملکر کام کرنے کے حق میں تھے اس لیے کہ پاکستان بننے کے بعد اختلاف کی کوئی وجہ باقی نہ رہی تھی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ نے بھی پاکستان کی مثال مسجد سے دی ہے اور اس کے استحکام کے لیے لکھ کر بھیجا حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ صدر آل انڈیا جمعیۃ علماء

نے مجھے دہلی میں ریفرنڈم کے بارہ میں پاکستان کو ووٹ دینے کا کہا۔ جب کہ انہی دنوں میں خان عبدالغفار خاں صاحب بھنگی کالونی دہلی میں شیخ حسام الدین وغیرہ کے سامنے مجھے کہا تھا کہ ہم صوبہ سرحد میں متوازی گورنمنٹ قائم کریں گے۔ خدا جانے وہ اب یکسر اس خیال پر قائم ہیں یا ان میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔

حضرت لاہوری قدس سرہ اور پاکستان

حضرت لاہوری قدس سرہ تقریروں میں پاکستان کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کہا کرتے تھے اور بادشاہت کے بغیر دنیوی نعمتوں میں سے کون سی نعمت بڑی ہو سکتی ہے۔ آپ نماز اور درس قرآن پر زور دیتے اور حکومت پاکستان سے بھی مطالبہ کیا کرتے تھے

حضرتؒ کا استقلال و استقامت اور اس کا نتیجہ

جب آگرہ سے مولانا دیدار علی صاحب لاہور تشریف لائے اور انہوں نے تکفیر کی مشین جلائی یہ کافر وہ کافر تو ہم نوجوان مولوی کہلانے والے جو حضرت لاہوریؒ کے مقام و مرتبے سے ناواقف تھے اور حضرت لاہوریؒ کو صرف ایک بڑا دیوبندی مکتب فکر کا عالم سمجھتے تھے بس۔ حضرتؒ خاموش تھے اور تکفیری فتووں کا جواب نہ دیتے تھے۔ تو ہم حضرت لاہوریؒ کے سکوت کو برا مناتے اور ناراض ہوتے تھے لیکن جب مطلع صاف ہوا تو دیکھا کہ آدھا لاہور حضرت لاہوریؒ کے ہم خیال ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست — تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت قدس سرہ کی مذہبی احتیاط

حضرتؒ سب کا کھانا نہیں کھاتے تھے نہ چائے پیتے تھے بلانے والے سے کھانا نہ کھانے کی شرط کر لیتے تھے دراصل اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو کسی ذریعہ سے بتا دیتے تھے کہ اس پلاؤ میں مرغ یا چاول یا گھی یا گوشت حرام ذریعہ سے ہے تو پھر حضرت کیسے کھاتے جب حضورؐ کو ایک یہودن نے زہر ملا گوشت دیا جس سے بعض صحابہؓ شہید ہو گئے آپ نے یہودی کو بلا کر پوچھا اس نے تصدیق کی اور کہا کہ آپ کو کس نے بتایا تو آپ نے فرمایا کہ اس گوشت نے (او کما قال) اس کو علم غیب نہیں کہتے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے سے بھی دیکھتے تھے اور پیچھے سے بھی جیسے کہ بخاری شریف میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ظاہری حواس دے سکتے ہیں تو باطنی حواس بھی دے سکتے ہیں حواس کے بغیر وحی الہام و کشف ہاتف غیبی اور بیسیوں ذرائع اللہ تعالیٰ دے سکتے ہیں پیغمبروں پر وحی بھی آتی تھی اس طرح کے علوم کو علوم غیب نہیں کہتے حضرتؒ علم غیب کی تعریف کرتے تھے جو بلا حیلہ و وسیلے کے ہو اللہ تعالیٰ بغیر آنکھوں کے دیکھتا اور بغیر کانوں کے سنتا ہے وہ ذات سے حیّ قیوم علیم و قدیر سمیع و بصیر مرید و متکلم ہیں اس کو کسی وسیلے کی ضرورت ہی نہیں۔ ایک بار میں حضرت کے ساتھ ایک مکلف کھانے میں شریک تھا مرغ کا پلاؤ تھا بیسیوں علماء میرے سمیت پلاؤ اڑا رہے تھے مگر حضرتؒ میرے پاس بیٹھے تھے ہاتھ تک نہیں لگا رہے تھے بعد میں فرمایا کہ حرام تھا میں کیسے کھاتا۔ جن کو خبر نہیں وہ عنداللہ معذور ہیں مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہو وہ کیسے کھائیں

میں اور حضرت

لوگ سمجھتے تھے کہ حضرت مجھے فوراً بلا لیتے اور یہ ان کی انتہائی شفقت تھی۔ شفقت بھی تھی لیکن حضرت اصول کے پابند اور سخت پابند تھے میں جمعیۃ کا ناظم اور حضرتؒ صدر تھے حضرت مجھے بے کار آنے والا نہیں سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ اگر جمعیۃ کا کوئی کام ہے تو میرا اصولی فریضہ ہے کہ اس کو کر دوں اس لیے مجھے فوراً بلا لیتے۔ اور شفقت تو تھی ہی۔

حضرتؒ کی تعلیمی خدمات

ایک بار حضرتؒ نے میرے سامنے فرمایا کہ اگر اسی وقت میرا بلاوا آجائے (موت) تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہے مطلب صاف تھا کہ آپ نے مختلف رسالوں اور وعظوں اور تحریکوں کے ذریعے دین اسلام اور حق کی اتنی خدمت کی تھی جو ایک انسانی طاقت والے سے بن آسکتی تھی۔ حضرتؒ نے عام لوگوں کے لیے صبح صبح درس قرآن پاک جاری کیا جو مسلسل چالیس سال تک رہا۔ اور خاص علماء کے لیے قرآن پاک کا دورہ رمضان وغیرہ میں شروع کرایا۔ آپ کے درس میں بیٹھنے والوں پر بڑا اثر پڑتا تھا اور وہ لوگ جہاں بھی

ہوتے دین کی خدمت کرتے اب مدارس سے نہ مدرس کام کے پیدا ہوتے ہیں نہ مبلغ کام کے گویا اکثر مدارس عقیم ہو ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے حالات بدلنا کوئی مشکل نہیں ہے۔

ہر باطل کا مقابلہ

آپ نے انگریزوں کے خلاف تحریک چلائی۔ مرزائیوں کے خلاف کام کیا۔ خاکسار تحریک کے بانی کے خلاف رسالہ لکھا۔ مودودی کے خلاف علماء حق کی ترجمانی فرمائی عام بدعات و رسوم کے خلاف رسالے لکھے۔ آپ خود عامل تھے اور دوسروں سے عمل کراتے تھے۔ آپ نے نواب منظفر علی خاں گورنر مغربی پاکستان کے بلائے ہوئے اجتماع میں شرکت کے لیے مجھے سندھ کا دورہ منسوخ کر کے پہنچ جانے کا لکھا۔ میں حاضر ہوا حضرت مولانا محمد صالح صاحب خطیب بہاولپور خاص حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری اور میں نے مسجد شیرانوالہ میں بیٹھ کر کانفرنس میں پیش کرنے کے لیے ایک قرار داد لکھی۔

صدر جلسہ گورنر صاحب کسی کو بولنے نہیں دیتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ تمام ملک سے یہ علماء آپ نے اپنی بات سنانے کے لیے بلائے ہیں یا مشورہ کے لیے۔ تب انہوں نے حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری کو قرارداد پیش کرنے کی اجازت دی مولانا نے قرار داد پیش کی جس کا مطلب یہ تھا کہ اس محرم میں امن قائم رکھنے کی عارضی اور فو تدبیر تو یہ ہے لیکن اگر دائمی امن اور دو قوموں میں فیصلہ مطلوب ہے تو دونوں قوموں کے ذمہ دار افراد کو اپنے نمائند چننے کا موقعہ دیں دونوں کے نمائندے چند دن بیٹھ کر سینکڑوں سال کے اس تنازع کا فیصلہ کریں اگر کوئی بات تشنہ رہے تو پھر حکومت کی طرف رجوع کریں بظاہر قرار داد مان لی گئی لیکن اس پر عمل آج تک نہیں ہوا۔

اس اجلاس میں حضرت لاہوری نے تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ سب فسادات اور فتنوں کا علاج یہ حدیث ہے "ما انا علیہ و اصحابی" کہ میرے اور میرے صحابہ کرام کے راستے پر چلو۔ اس وقت مجھے اس تقریر کی اہمیت معلوم نہ ہوئی مگر آج اس کی اہمیت سمجھ میں آئی اس اجلاس میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی بھی شریک تھے جن کو دیکھ کر حضرت مولانا محمد اسحاق خطیب ایبٹ آباد نے کھری باتیں سنائیں بہر حال یہ اجلاس نشستند و گفتند و برخواستند کا مصداق ہوا مگر حضرت نے کلمۂ حق ادا فرمایا اور تمام ذمہ داران ملک کے سامنے۔

حضرتؒ کی پابندی اصول

حضرت نماز روزہ حج زکوٰۃ اور اصول کے سخت پابند تھے میٹنگ میں مجال کیا ہے کہ نماز کیلئے موقوف نہ ہو جائے اسی وقت اجلاس نماز کے لیے برخواست فرما دیتے۔ حضرت ذکر اور اسماء حسنی کے بہت قائل تھے بہر حال اللہ تعالیٰ تک پہنچنے یا مقام قرب حاصل کرنے کے لیے سوائے اسماء الہیہ اور ذکر کے کونسی چیز ہے۔ اس کی ذات میں بحث نہیں ہو سکتی نہ ذات میں غور کرنا چاہیئے سوائے اس کے کہ وہ حاضر و ناظر ہے اور اس کو بلاکیف معیتہ ذاتی حاصل ہے۔ جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم بحمدہ تعالیٰ و تبارک ہر کافر و منکر کو قائل کر سکتے ہیں۔ مگر اپنے طور پر سوائے تفویض و سکوت کے چارہ نہیں ہے وہ خالق افعال عباد ہے۔ بندوں کی سزا و جزا کا تعلق صرف کسب بندہ سے ہے۔ داعیہ وہ پیدا فرماتے ہیں۔ اور کسب بندہ کرتا ہے اس داعیہ اور کسب بندہ سے فعل وجود میں آتا ہے اس فعل کو دنیا میں فاعل کی طرف منسوب کر کے اس کو چور یا زانی وغیرہ کہنے میں کسی کو اعتراض نہیں ہے تو اس فعل کی صورت قیامت میں آگ کی ہو گی اس کو جہنمی کہنے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے حضرت علامہ انور شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا۔ آنچہ کہ جزا گفتہ آں عین عمل است۔

بہر حال حضرت اذکار کے نتائج پر کھتے اور ہر ذکر کو انتہائی بابرکت سمجھتے تھے اور انہی اذکار سے انہوں نے سب کچھ پایا۔ مگر ان اذکار کا اثر و فائدہ تب زیادہ نمایاں ہوتا ہے کہ نفسانی خواہشات فنا ہو جائیں اور یہی مشکل مسئلہ ہے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں چالیس سال تک امروٹ آتا جاتا رہا۔ پھر بھی نفس باقی ہے یہ حضرت کی تواضع تھی ورنہ صحیح اولیاء

کرام کے قرب و معیت کا فائدہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ان کا نفس فنا ہو جاتا ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں ان میں اخلاص اور روحانیت آ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت پر دنیا داروں اور باوجاہت لوگوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ گورنر مغربی پاکستان امیر محمد خان صاحب مرحوم (آف کالا باغ) اور لغاری خاندان کا رشتہ ہو رہا تھا حضرت کو نکاح کی دعوت دی گئی حضرت نے اس شرط کے ساتھ منظور فرمائی کہ کھانا وغیرہ نہیں کھاؤں گا۔ انہوں نے حضرت کی شرط مان لی اور حضرت نکاح پڑھا کر تشریف لے آئے۔

حضرت کی دعا کی اجابت

جب لغاری خاندان کا ذکر آ گیا تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک خاتون کو جو جناب محمود خان صاحب لغاری آف چوٹی کی غالباً ہوتی تھی یا کوئی اور رشتہ دار تھی اس کو کینسر (خطرناک پھوڑا اندر وجود کے) ہو گیا ڈاکٹروں نے مایوس ہو کر اپریشن کا فیصلہ کر لیا وہ خاتون حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگی کہ کل میرا اپریشن ہے دعائے صحت فرمائیں حضرت نے دعا فرمائی جس کے بعد آپ نے فرمایا کہ بیٹی جاؤ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفا بخش دی۔ وہ سمجھی ہو گی کہ اپریشن کامیاب ہو گا لیکن جب صبح ہوئی اور ڈاکٹروں نے دیکھا کہ پھوڑا ہی نہیں ہے اور مریضہ کو مکمل صحت ہو گئی ہے وہ حیران رہ گئے۔

اس واقعہ کے گواہ حضرتؒ تو فوت ہو چکے ہیں دوسری طرف سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ اس سے ڈاکٹروں کا یہ قول بھی باطل ہو گیا کہ دم کرنے اور پڑھ کر پھونکنے سے کیا ہوتا ہے مادی بیماری میں مادہ پر پھونک کا کیا اثر ہو سکتا ہے وہ تو ہوا ہے اور ہوا میں مل گئی۔ اس طرح کے ایک ڈاکٹر نے اعتراض کیا تو مخاطب نے دو چار صلواتیں ڈاکٹر صاحب کو بلا وجہ سنا دیں ڈاکٹر صاحب کا رنگ سرخ ہو گیا۔ خون کھولنے لگا۔ گالیاں دینے والے آدمی نے کہا کہ میری گالیاں تو ہوا میں گئیں آپ کا یہ مادی خون کیوں کھولا رنگ کیوں سرخ ہو گیا تب ڈاکٹر صاحب کی سمجھ میں آیا۔ لاکھوں لوگوں کا علاج اسی طرح کلام پڑھ کر پھونکنے سے ہوتا ہے یہ بات متواتر ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حضرتؒ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمام حجت تھے

حضرت نئی روشنی والوں کو چیلنج دیتے کہ میرے ساتھ اتنا عرصہ رہو اور میرے کہنے کے خلاف کچھ نہ کرو نہ کھاؤ نہ پیو اگر تمہیں کشف نہ ہو یا یہ حالات پیدا نہ ہوں تو پھر کہنا۔ غرضیکہ حضرت کا وجود منکرین کے لئے اتمام تھا۔

آپ کی قبر مبارک سے خوشبو

چنانچہ زندگی سے زیادہ آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو وفات شریف سے ہدایت فرمائی مخلوقِ خدا اتنی آئی کہ عقل میں نہیں سماتی۔ پھر قبر مبارک کی مٹی سے خوشبو کا آنا مستقل تبلیغ تھا۔ لیبارٹری والے آئے اور قبر کی خاک لے گئے کہ اس میں کوئی چیز از قسم عطر تو نہیں ملی۔ تجزیہ کیا معلوم ہوا کہ صرف مٹی ہے اور اس سے خوشبو آ رہی ہے کچھ عرصہ کے بعد یہ بات بند ہو گئی جب اس کا چرچا ہوا اور لوگ قبر مبارک سے مٹی لے جانے لگے۔

آپ کی دعا میں بعض علامات تھیں جن سے پتہ لگ جاتا تھا کہ یہ دعا قبول ہو گئی ہے۔

میری خوش قسمتی

میری خوش قسمتی تھی کہ میں نے اپنے کامل پیرؒ کی وفات کے بعد بیعت کی درخواست حضرت سے کی حضرت علماء کی بہت قدر و احترام فرماتے تھے انہوں نے انکار کیا آخر کار تربیت پر رضامندی کا اظہار کیا لیکن بیعت وہی پرانی کافی سمجھی میں نے اصرار کیا کہ حضرت! میں حضرت پیران پیرؒ کی بیان کردہ فضیلت جو انہوں نے اپنے سلسلہ کے وابستگان کے حق میں فرمائی ہے حاصل کرنا چاہتا ہوں تب حضرت نے بیعت فرمائی اور بارہ کے بارہ اسباق پر مجھے جلدی جلدی عبور کرا دیا (الحمد للہ تعالیٰ و تبارک) اس سے زیادہ لکھنے کی نہ طاقت ہے نہ مناسب ہے اور نہ ہی میرے شایانِ شان فقط

اے خدا ایں جامعہ را قائم بدار ——— فیضِ ایں جاری بود لیل و نہار

جامعہ شبّیریہ سعیدیہ میانی ضلع سرگودھا

یادگار :- شیخ الاسلام حضرت علامہ شبّیر احمد عثمانی قدس سرہٗ

بانی :- فقیہہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ

- جامعہ ہذا تقریباً چالیس سال سے خدمتِ دین متین کے فرائض بطریقِ احسن سرانجام دے رہا ہے۔
- دو محنتی اساتذہ کی زیرِ نگرانی بیں بیرونی اور تقریباً ستر (۷۰) مقامی طلبہ اس سرچشمہ علوم سے اپنی پیاس بجھا رہے ہیں ● قرآنِ کریم حفظ و ناظرہ اور تجوید پڑھانے کا معقول انتظام ہے
- درسِ نظامی کی تعلیمات کا اہتمام بھی ہے۔ ● جامعہ کا عظیم الشان سالانہ جلسہ ہر سال باقاعدگی سے منعقد ہوتا ہے۔ جس میں ملک کے نامور علماء، خطیب، مقررین علاقہ بھر سے آئے ہوئے سامعین کو کتاب و سنّت کی تعلیمات سے روشناس کراتے ہیں
- دار العلوم کے تمام اخراجات آپ مخیر حضرات کے صدقات، خیرات، عطیات اور زکوٰۃ کے ذریعہ ہی پورے کیے جاتے ہیں۔

لہٰذا

آپ حضرات سے دامے، درمے، قدمے، سخنے تعاون کرنے کی اپیل کی جاتی ہے۔

صاحبزادہ قاضی ضیاء اللہ مہتمم جامعہ شبّیریہ سعیدیہ میانی تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا

عصرِ حاضر کے زعیمِ اسلام

ڈاکٹر علامہ خالد محمود خالد ایم اے، پی ایچ ڈی (برمنگھم)

****

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اللہ خیر اما یشرکون اما بعد:

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ اپنی ذات میں ایک شخصیت نہیں ایک ادارہ تھے۔ ایک واقعہ نہیں ایک تاریخ تھے۔ خدمت دین میں ایک صاحب طرز اور بے عمل صحرا میں ایک بے لوث اسلامی آواز تھے۔ آپ گرد و پیش سے متاثر نہیں گرد و پیش کو اثر دینے والے تھے۔ مریدوں کی دولت کا مرکز نہیں خود بے نواؤں کی خبر لینے والے تھے۔ آپ کی دعوت قرآن پاک کی پکار اور آپ کی ہمت ایک مجاہدانہ للکار تھی۔ آپ میں نظر و فکر علم و عمل تقویٰ و ذکر اور ہمت و سیاست کے گراں قدر جوہر یک قالب جمع تھے۔ فضائل اخلاق کے یہ موتی علیحدہ علیحدہ تو کئی جگہ دیکھے جاتے ہیں لیکن ان کا شیرازہ ایک شخصیت سے بندھا ہوا کہیں کہیں نظر آتا ہے۔

راقم الحروف کو حضرت مرحوم کے ساتھ ان کی زندگی کے آخری دس سالوں میں بہت قریب رہنے کا موقع ملا ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام میں ان کی سربراہی میں کچھ دینی جد و جہد کرنے کا موقعہ بھی ملا اور حضرت کی معیت میں سندھ اور کراچی کے متعدد سفر بھی کئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مرحوم کی شخصیت اور خدمات کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس پس منظر میں دور تک جانا ہوگا۔ جس کی خارزار راہوں سے دین حق کے ہر پرستار کو گزرنا ہوتا ہے۔ مولانا احمد علی مرحوم اس خارزار وادی سے بہت کامیابی سے گزرے۔ اور جب آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ تو آپ پر آسمان بھی رحمتیں برسا رہا تھا۔ اور پرندے بھی سایوں کے پرے باندھے ہوئے تھے۔ اور ہر زبان سے یہ بات نکل رہی تھی۔ کہ ایک خدا پرست اپنے مولا کے پاس جا رہا ہے

آپ بدلتے حالات میں ابدی ہدایت کے علمبردار تھے آج سے سو سال پہلے کے لاہور پر سامنے رکھئے اور پھر حالات کا رخ تبدیل کرنے کی الٰہی حکمت پر نظر کیجیے۔ آپ کو مولانا احمد علی صاحبؒ کی شخصیت اور ان کی لاہور تشریف آوری میں اس حکمت کے جلی اثرات دکھائی دیں گے۔

ان اثرات میں اسلاف دیوبند پر غیر متزلزل یقین اسلاف کی میراث علمی میں کامل امانت داری قرآنی درس حکمت کا شیوع اور علماء کرام میں دورہ قرآن کا ذوق ملے گا۔ تالیف و اشاعت کے کام کی اہمیت مجاہدین سے۔ رابطہ عمومی اور اہل طریقت کے روحانی فیضان کے ساتھ ساتھ اسلامی خدمات کا اور اسلامی رنگ نظر آئے گا انجمن "خدام الدینؒ" کا قیام پنجاب میں اکابر علماء دیوبند کا تعارف اور جمعیت علمائے اسلام کے پلیٹ فارم سے اسلام کی سیاسی آواز مجاہد کبیر شیخ التفسیر کے باقیات الصالحات ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل کے لیے اس پس منظر میں دور تک دیکھیے اور پھر حالات اور اصلاحات کا جائزہ لیجیے جانے والے چلے گئے۔ لیکن اپنے نقش پا سے علم و حکمت اور عزم و ہمت کے وہ چراغ روشن کئے۔ جن کی تابانی صدیوں تک قافلوں کو روشنی بخشتی رہے گی۔

بدلتے حالات میں الٰہی ہدایت

مسائل حالات کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اور حالات تغیر پذیر لیکن الٰہی ہدایت ابدی ہے جس میں تغیر پذیری نہیں مسائل اسی چشمہ حیات سے جواب پاتے ہیں۔ الٰہی ہدایت جب

بدلتے حالات سے متعلق ہوتی ہے تو شریعت کی وسعت کا چہرہ اور کھلتا ہے اہل حق کے ہاں مسائل بدلتے نہیں پھیلتے ہیں الٰہی ہدایت ابدی رہتی ہے اور وسعت آشکار ہوتی جاتی ہے۔

فقہاء امت جو امین اور شرائع کے حامل ہوتے ہیں انہوں نے اختلاف اعصار وامصار کی ہمیشہ رعایت کی ہے ہر قسم کے حالات میں انہوں نے ان کے مناسب شریعت کی تفصیل کی ہے لیکن ملحدین برابر اس پراپیگنڈے میں مصروف رہے کہ علماء لکیر کے فقیر ہوتے ہیں اجتہاد کی اجازت نہیں دیتے وقت کے تقاضوں کو نہیں سمجھتے نہ حالات پر ان کی نظر ہوتی ہے اور نہ حالات کے مطابق ان کے افکار ڈھلتے ہیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی دینی جلسے یا محفل میں حکام و امراء میں سے کسی کو دعوت دی گئی تو انہوں نے علماء کی دینی کوششوں کو سراہنے کے ساتھ ساتھ ایک آدھ ایسا فقرہ ضرور چسپاں کیا کہ علماء کو وقت کے تقاضوں کے مطابق اسلام کو پیش کرنا چاہیئے۔ اس محفل میں یہ بات صراحت سے عیاں ہوتی ہے کہ بیان کرنے والے کے نزدیک علماء زمانے کے تقاضوں کو سمجھے ہوئے نہیں اور ان کا نغمہ ایک بے وقت کی آواز سنائی دے رہا ہے۔

جن حضرات کو قانون اسلامی کی تدوین کے مختلف ادوار کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ اس اعتراض کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اہل باطل ہمیشہ اہل حق پر اسی قسم کے آوازے کستے آئے ہیں اور حالات نے جب بھی کبھی کروٹ لی ان لوگوں کا غصہ علماء پر ہی نکلا ہر شخص جانتا ہے کہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اور انہی سے علوم نبوت کا فیض آگے پھیلتا ہے جب وارث نااہل ہو تو مورث کی متاع خود لٹ جاتی ہے اور سلسلہ آگے نہیں چلتا اسلام کے وارث نااہل ثابت ہو جائیں تو متاع اسلام خود بخود ضائع سمجھی جائے گی۔ اسلامی اثرات کو ختم کرنے کے لئے علماء کے خلاف یہ مسموم پراپیگنڈا مسلسل ہوتا آیا ہے علماء کو بدنام کرنے کی ایک صورت دیکھئے ایک تجدد پسند لکھتا ہے۔

ایک طرف ترکی میں اتنے بڑے انقلاب کی ابتداء ہو رہی تھی دوسری طرف ترکوں کے علماء اور مشائخ تھے جو اب بھی ساتویں صدی کی فضا سے نکلنے پر آمادہ نہ تھے.... وہ ابھی تک اصرار کر رہے تھے کہ ترکی قوم میں وہی قوانین نافذ کئے جائیں جو شامی اور کنز الدقائق میں لکھے ہوئے ہیں۔

انصاف کو آواز دیجئے کنز الدقائق کی وجہ سے ترکی کون سی ترقی رکی اور نئے ترکی میں شامی کے کس مسئلہ نے رکاوٹ پیدا کی یہ کہا جائے کہ نئے ترکی میں اذان اور نماز تک عربی میں نہ رہیں ترکی زبان میں ہونے لگیں اور یہ کتابیں نماز و اذان کے عربی میں ہونے کا درس دیتی تھیں تو آپ ہی بتائیں کہ اس میں صاحب کنز الدقائق اور شامی حق پر تھے یا وہ جدت پسند اتراک جو نماز کی بھی زبان بدل رہے تھے اور عربی کو اسلام کی سرکاری زبان تسلیم کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہ تھے۔ سچائی کے نقوش انمٹ ہوتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ترکی اب پھر ہدایہ اور شامی کی طرف لوٹ رہا ہے اور اذانیں پھر عربی میں ہونے لگی ہیں۔ ابن نجیم اور شامی انقلاب پر قربان نہیں ہوئے خود انقلاب ایک طویل گردش کے بعد اصل کی طرف آ رہا ہے۔

مذکورہ بالا تجدد پسند کی علمی حالت کو دیکھئے علامہ شامیؒ کو ساتویں صدی کا مصنف لکھ رہے ہیں حالانکہ وہ تیرھویں صدی کے جلیل القدر مفکر تھے ۱۲۵۳ھ میں فوت ہوئے وہ کوئی رجعت پسند فقیہ نہ تھے کہ ان کے مرتب کردہ قوانین ترکوں کو ترقی سے روکتے ہوں عصری تقاضوں پر ان کی پوری نظر تھی ان کا اپنا موقف یہ تھا کہ زمانہ بدلنے پر بعض احکام میں تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے لکھتے ہیں:

وانت خبیر بان کثیرا من الاحکام تغیرت لتغیر الازمان۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۱۲۷)

ترجمہ: اور تم جانتے ہی ہو کہ بہت سے احکام تبدیل زمانی کے باعث بدل جاتے ہیں۔

علامہ شامی کے مرتب کردہ قوانین کو اپنانے سے آئندہ ترقی کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔ حالات کے نئے مسائل پر پہلے فقہی اصولوں کی روشنی میں فی الجملہ اجتہاد ہو سکتا ہے اور اس قسم کے اجتہاد کو ترکی علماء نے کبھی نہ روکا تھا جس شامی پر انہیں اصرار تھا وہ خود عصری تقاضوں پر تبدیل احکام کی راہ بتا چکے تھے مگر کیا کیا جائے علماء کو یونہی بدنام کرنے اور تنگ نظر قرار دینے کی کوشش پہلے سے چلی آ

رہی ہے انگریزی تہذیب کا یہ لازمی جزو ہے کہ طبائع عامہ کو جس طرح بھی بن پڑے منبر و محراب سے دور کیا جائے۔ علامہ شامی کو ساتویں صدی میں لے جانے کی کوشش محض اس لئے کی گئی کہ علمائے ترکی کو زیادہ رجعت پسند ثابت کر سکیں۔

اکابر دیوبند نے بھی شریعت کی وسیع داناتی پر ہمیشہ نظر رکھی ہے عصری تقاضوں کا پورا لحاظ کیا ہے اور وقت کے نئے نئے مسائل پر حنفی اصول فقہ کی روشنی میں مجتہدانہ نظر کی ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تحریرات اس پر شاہد عدل ہیں اور اہل خبرت سے پوشیدہ نہیں کہ علماء حق نے کہاں کہاں پہلی غلط لکیر کو کتاب و سنت کی روشنی میں پامال کیا ہے۔

آج سے سو سال پہلے کا لاہور

لارڈ میکالے کا نظام تعلیم علم کو اس کی مسند سے اتار رہا ہے اب یہ مسند انگریزی عمل داری کی مشین میں رکھ دی گئی ہے دنیوی شوکت اور دفتری ملازمت کے خواہشمند جوان انگریزی سکولوں اور کالجوں کی طرف تیزی سے دوڑ رہے ہیں۔ حکمران قوم کے طور و اطوار محکوم قوم کی آنکھوں میں زینت بن کر اتر رہے ہیں مساجد اور مدارس کی چٹائیاں زیادہ تر نادار لوگوں کے لئے رہ گئی ہیں اور اب تو غریب اور نادار طلبہ کو بھی وظیفے ملنے لگے ہیں تاکہ ان چٹائیوں سے گرد صاف کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہے۔

ہاں کچھ دین کے فداکاران چٹائیوں سے چمٹے پڑے ہیں۔ یہ علمائے حق اپنی ہر سہولت کو قربان کر کے حکومت کے عتاب کا مورد بنے ہوئے ہیں کہ ابھی تک قرآن و حدیث کی تعلیم کیوں جاری ہے۔ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ ان بوریہ نشینوں کے زبان و قلم سے اب بھی انگریز خائف ہے انگریز ان کے خلاف خود نہیں خود مسلم قوم کو ہی کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی یہ پراپیگنڈا کر کے کہ علماء انگریزی پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور کبھی یہ کہہ کر کہ وہ دنیوی ترقی میں بڑی رکاوٹ ہیں اور زمانے کے تقاضوں کو نہیں سمجھتے لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں۔

کچھ بھی ہو امت دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ دنیوی تعلیم کا طبقہ آہستہ آہستہ دین سے یکسر دور ہو رہا ہے۔ حکومت انگلشیہ کے یہ پرزے صرف اسی مشین پر چل سکیں گے جس کے لئے انہیں ڈھالا گیا ہے معلوم نہیں ان تک اسلام کی باران رحمت کب پہنچے گی اور ان کی دینی تعلیم کے لئے کب کہیں کوئی حرکت پیدا ہوگی۔

انگریزوں نے نظام تعلیم میں یہ تبدیلی اس لئے کی تھی کہ ۱۸۵۷ء کے تلخ نتائج ان کے سامنے تھے اس سے پہلے دہلی عربک کالج میں نظام تعلیم دو شاخہ تھا عربی اور رسوم ملکی کے جاننے والے لوگ باقاعدہ عدالتوں میں بطور وکیل پیش ہو سکتے تھے۔ انگریزی تعلیم لازمی نہ تھی دوسرے علوم کا ذریعہ زبان فارسی اور اردو تھا اسی طرح کے پڑھے لوگوں پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے کھلے تھے۔

اس صورت حال نے انہی درس گاہوں سے ایسے لوگ پیدا کئے اور انہی سے ملک میں ایسے حالات پیدا ہوئے کہ قوم پھر محاذ آزادی پر آ کھڑی ہوئی اب انگریزوں نے محسوس کر لیا کہ جب تک یہاں کا نظام تعلیم نہ بدلا جائے استعمار کو استحکام نہ مل سکے گا۔ انگریزی تعلیم لازمی کر دی گئی۔ تاریخ فلسفہ اقتصادیات اور ریاضی تک کا ذریعہ زبان انگریزی قرار دی گئی۔ عربی اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے بھی انگریزی کو ذریعہ زبان ٹھہرایا گیا تاکہ راسخ العلم علماء اس تعلیم میں بھی استاد نہ بن سکیں۔ سکولوں میں عربی فارسی اور سنسکرت کے اساتذہ کی تنخواہوں کے گریڈ انگریزی اور تاریخ کے اساتذہ سے کم رکھے گئے۔ اور ان ادبی اور اسلامی علوم کو جو کبھی مغل دربار کی ہیبت ہوتے تھے برسر عام حقیر کیا گیا نظام تعلیم کی اس تبدیلی کے بعد قوم کے بہترین دماغ غیروں کے سایہ میں پرورش پانے لگے اور وہ نئی تربیت میں رہ کر حکومت کی مشینری میں جو ہوا اور دین کی حقیقی روشنی سے دور ہوتے گئے۔

حالات کا رُخ تبدیل کرنے کی الٰہی حکمت

ان حالات میں ضروری تھا کہ ان اداس نسلوں کو اپنے سے یکسر کٹنے نہ دیں اور یہ نوجوان وحدت ملت کی صف سے سرکنے نہ پائیں علماء حق اس راہ گم کردہ قافلہ کو پھر سے راہ سنبھلنے کی آواز دیں اور دینی اور عصری علوم میں رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اس کوشش میں جو لوگ آگے بڑھیں ضروری تھا کہ وہ خود علم دین میں پختہ اور عمل میں راسخ القدم ہوں مبادا نئی نسلوں کو اپنے قریب کرتے کرتے خود ان کے قریب جا پہنچیں اور ان کے تقاضوں کے مطابق خود اسلام میں ہی ترمیم ہونے لگے۔

حالات کا رخ تبدیل کرنے کی الٰہی حکمت نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کو علی گڑھ کالج کی طرف متوجہ فرمایا آپ علی گڑھ تشریف لائے آپ کے ساتھ علماء دیوبند کی ایک جماعت تھی آپ نے کالج کے طلبہ کو مخاطب کر کے کہا کہ میں قوم کی متاع گم گشتہ کو یہاں تلاش کرنے آیا ہوں اور آپ نے اس جدید دانشکدہ پر مجاہدانہ انداز میں عارفانہ نگاہ کی آپ نے نوجوانوں میں اسلام سے وابستگی اور انگریز سے آزادی کی ایسی روح پھونکی کہ جدید نسلوں کے منہ علماء کے خلاف بند ہو گئے اور نئی نسلوں کو راسخ العلم علما کو قریب سے دیکھنے کے بہترین مواقع میسر آئے قدیم و جدید کے اس رابطے کی ضرورت پر شیخ الہند کے بعد سب سے زیادہ توجہ ان کے نامور شاگرد مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی تھی مگر افسوس کہ مولانا سندھی بیس سال سے زائد مدت کے لئے ہندوستان سے جلاوطن کر دیئے گئے انگریز کسی طرح نہ چاہتے تھے کہ قدیم و جدید کا یہ رابطہ کچھ اور آگے بڑھے ان کی توپوری کوشش تھی کہ علی گڑھ اور دیوبند کو دو متوازی اور متقابل درسگاہوں کے طور پر پیش کیا جاتا رہے اور دینی اور عصری علوم میں کوئی حقیقی رابطہ پیدا نہ ہو سکے تاہم اس سے انکار نہیں کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ اس جلاوطنی سے پہلے سندھ و ہند میں اس کام کے نقشے بچھا چکے تھے آپ نے سندھ کے مدرسہ دار الرشاد میں اسی انقلابی ذہن کی تربیت کی تھی اور دہلی کا جامعہ ملیہ بھی اسی انقلاب کی صدائے بازگشت تھی پنجاب میں ان کے نامور شاگرد و مجاہد کبیر شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ مصروف عمل ہوئے۔

حضرت مولانا احمد علیؒ

وطن قدیم ضلع سیالکوٹ تھا پھر گوجرانوالہ میں وطن پذیر ہوئے نو سال کی عمر تھی کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ آپ کو سندھ لے گئے آپ نے مدرسہ دار الرشاد میں ہی تعلیم حاصل کی اور یہیں تدریس کا کام شروع کر دیا۔ پھر آپ نے خود نواب شاہ میں ایک مدرسے کی بنا رکھی۔ وہاں سے حضرت سندھیؒ نے آپ کو دہلی نظارۃ المعارف میں بلا لیا۔ حضرت سندھیؒ نے کابل ہجرت کی۔ تو نظارۃ المعارف کی ساری ذمہ داریاں آپ پر آگئیں اس دوران آپ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی تحریک ریشمی رومال کے رکن بن چکے تھے۔ مولانا احمد علیؒ اس تحریک میں گرفتار ہوئے دہلی شملہ اور لاہور نظر بند رہے۔ رہائی پر انگریز حکومت کا فیصلہ تھا کہ آپ کو دہلی نہ ٹھہرنے دیا جائے۔

حضرت مولانا احمد علیؒ کی لاہور میں آمد

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے حکم سے آپ لاہور قیام پذیر ہوئے لاہور اس وقت کس حالت سے گزر رہا تھا۔ اس کا اجمالی نقشہ سطر بالا میں آپ کے سامنے آچکا ہے ان حالات میں مولانا احمد علیؒ صاحب نے لاہور میں دینی کام کرنے کا ذمہ لیا ایک دو جگہوں میں قلیل سی مدت کے لیے ٹھہرے اور بالآخر شیرانوالہ دروازہ تشریف لائے اور یہ وہ زمین تھی جو آپ کی آئندہ تمام دینی محنتوں کا مرکز بنی۔

آپ شیرانوالہ دروازہ مسجد لائن سبحان خان میں ٹھہرے ان دنوں مسجد بہت چھوٹی تھی۔ عصر کی اذان ہوئی تو کچھ دفتری طبقے کے لوگ بھی نماز پڑھنے کے لیے آگئے۔ امام نے نہایت مشفقانہ انداز میں کہا بیٹا میں یہاں قرآن پڑھاتا ہوں کوئی فیس نہیں لیتا۔ دفتروں اور کالجوں سے فراغت کے بعد تم جس وقت یہاں آسکو میں تمھیں قرآن پڑھا سکوں گا۔ تمہارے حالات اور اوقات کے مناسب ایک مختصر سا نصاب بھی تجویز کر دوں گا اس سے تم اپنی دنیوی تعلیم اور سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ کچھ اپنی دینی قدروں کو بھی باقی رکھ سکو گے۔

یہ لاہور میں مولانا احمد علی صاحب کے دینی کام کی ابتداء تھی۔ آپ نے ابتداء میں درس نظامی کا مدرسہ کھولنے کی بجائے نئے تعلیم یافتہ طبقے میں دینی محنت کرنے میں زیادہ دلچسپی لی۔ لوگوں کو براہ راست قرآن پاک سننے کی دعوت دی ترجمہ قرآن میں دلچسپی پیدا کی۔ یہاں تک کہ لاہور کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے کچھ افراد قرآن پاک کے گرد جمع کر لیے قرآن کریم ایک کتاب ھدیٰ اور پیغام زندگی کے طور پر متعارف ہونے لگا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے لاہور کی بیشتر مساجد میں قرآن پاک کے درس شروع ہو گئے یہ سلسلہ آگے چل کر پھر سارے پنجاب میں پھیل گیا۔

ہندوستان میں پہلا ترجمہ قرآن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فارسی میں کیا تھا۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹوں شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبد القادرؒ نے قرآن کریم کے لفظی اور بامحاورہ اردو ترجمے کئے۔ یہ تراجم وقت کی منہ بولتی شہادت تھے۔ کہ اس وقت غیر عربی دان لوگوں کو بھی قرآن پاک کے گرد جمع کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ شاہ ولی اللہ کی اسی فکر کے ترجمان مولانا عبید اللہ سندھیؒ تھے۔ آپ کو قرآن پاک سے والہانہ عشق تھا۔ آپ قرآن کریم کو کتاب انقلاب سمجھتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے آپ میں قرآن فہمی کا عجب ذوق پیدا کر دیا تھا۔ مولانا سندھی نے قرآن پاک کی سورت سورت اور رکوع رکوع کے عنوان خلاصے اور مقاصد اپنے جن طلبہ کو یاد کرائے۔ ان میں مولانا احمد علی صاحبؒ سر فہرست

تھے۔ آپ نے اپنے حلقہ اثر میں یہ ذہن پیدا کیا کہ فقہ و حدیث کی جملہ تعلیمات سب قرآن پاک کے گرد ہی گردش کرتی ہیں اور سب اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ مسلمان اور ان کی نئی نسلیں قرآن پاک کے آگے کسی قسم کی لب کشائی نہ کر سکتے تھے نہ کوئی مسلمان مسلمان ہوتے ہوئے اس مرکز علم سے کنارہ کر سکتا تھا حالات کا تقاضا تھا کہ مسلمان کو قرآن کریم کے گرد جمع کیا جائے اسی قرآنی دعوت کو لے کر مولانا احمد علی لاہور آئے اور پھر لاہوری ہی ہو کر رہ گئے آپ کی زندگی کا محور یہی کتاب انقلاب تھی۔

قرآن پاک کے ترجمہ و تفسیر کے ساتھ آپ قرآن پاک کے اعتبار و تاویل سے بھی خوب واقف تھے ان مطالب پر آپ کی گہری نظر تھی قرآنی دعوت میں عصر حاضر کے مصداق تلاش کرنے میں آپ کو بڑی مہارت تھی آپ انہیں تفسیر کے نام سے نہیں الاعتبار و التاویل کے عنوان سے ذکر کرتے تھے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی گو نتائج وعبر کے اس انداز سے اختلاف تھا لیکن آپ نے فرمایا کہ مولانا احمد علی اسے الاعتبار والتاویل کا عنوان دے کر گرفت سے نکل گئے ہیں۔

اسلاف دیوبند پر غیر متزلزل یقین

مولانا احمد علی صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ اور مولانا عبید اللہ سندھی کی تعلیمات کی روشنی میں قرآن پاک کا ایک مختصر اور جامع حاشیہ تحریر فرمایا آپ نے اس میں سورت سورت اور رکوع رکوع کے عنوان خلاصے اور مقاصد نہایت ایجاز اور سادہ زبان میں ترتیب دیئے جہاں جہاں مضمون ایک موضوع پر جمع دکھائی دیئے ان کی موضوع وار طویل اور مفصل فہرست اپنے حاشیہ قرآن سے بطور مقدمہ شامل فرمائی۔ عصری تقاضا تھا کہ اختلاف سے ہر ممکن پرہیز کی جائے اس لئے آپ نے ترجمہ قرآن پر ہر مسلک کے علماء کی تائید حاصل کی آپ کی پوری کوشش تھی کہ قرآن پاک کا ایک مجموعی حاصل قوم کے سامنے رکھ سکیں۔

آپ جب یہ سارے مسودے تیار کر چکے تو انہیں لے کر دیوبند پہنچے۔ دیوبند میں ان دنوں محدث کبیر حضرت مولانا سید انور شاہ شیخ التفسیر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا دور دورہ تھا۔ آپ نے یہ سب مسودات ان حضرات کے سامنے رکھ دیئے۔ اور بتایا کہ انہوں نے یہ قرآنی محنت مولانا عبید اللہ سندھی کی تعلیمات کی روشنی میں سرانجام دی ہے مولانا سندھی پر چونکہ سیاسی افکار غالب تھے۔ اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ خالص دینی نقطہ نظر سے بھی اس قرآنی خدمت کا جائزہ لیا جائے۔ اگر اکابر دیوبند اس کی تصدیق فرما دیں تو وہ اسے شائع کر دیں گے۔ وگرنہ وہ یہ مسودات یہیں چھوڑ جائیں گے۔ پھر ان کی انہیں کوئی حاجت نہ ہوگی۔

اکابر نے ان کی تصدیق کی اور حضرت شیخ التفسیر مرکز دیوبند سے تصدیق لے کر لاہور واپس ہوئے اس ترجمے اور تحشیے کی اشاعت کی۔ اور نہ صرف اشاعت کی بلکہ درس و تدریس میں بھی قرآن کریم کا ذوق ہزاروں مسلمانوں کے دل و دماغ میں اتار دیا۔

اسلاف کی میراث علمی میں امانتداری

حضرت مولانا احمد علی کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل کے ساتھ تقویٰ و تواضع سے بھی خوب مالامال کیا تھا۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے نظریات و خیالات میں آپ نے اپنی کوئی آمیزش نہ کی جو ان کی بات تھی ان کے نام پر کہی جو اپنی بات تھی۔ وہ اپنی ذمہ داری پر کہی۔ اور اپنے خیالات میں بھی اپنے آپ کو آزاد نہ رکھا۔ بلکہ ہر موضوع پر اکابر علماء امت کے ساتھ رہنے کی کوشش کی۔ مولانا عبید اللہ سندھی کے ایک شاگرد علامہ موسیٰ جار اللہ بھی تھے۔ افسوس کہ وہ اس درجہ میں محتاط نہ رہے۔ اور کئی اپنی باتیں انہوں نے مولانا سندھی کے نام سے کہہ دیں۔ مولانا سندھی کے نام سے انہوں نے جو تفسیریں لکھی ہیں مولانا خود زندہ ہوتے تو شاید انہیں الاعتبار والتاویل کے سوا کسی اور نام سے پیش نہ کرتے۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب نے کئی مجلسوں میں فرمایا کہ حیات مسیح کے بارے میں مولانا عبید اللہ سندھی وہی عقیدہ رکھتے تھے۔ جو دوسرے علماء دیوبند کا ہے۔ مگر افسوس کہ موسیٰ جار اللہ اپنی بات مولانا سندھی کے نام سے کہہ کر لوگوں کو مغالطہ دے رہا ہے۔ مولانا سندھی کے نظریات و عقائد وہی ہیں جو میں نے حاشیہ قرآن میں لکھ دیئے ہیں۔

جامع مسجد شیرانوالہ میں روزانہ درس قرآن

حضرت مولانا احمد علی کو روزانہ درس قرآن سے عجیب شغف تھا۔ آپ کی تمنا تھی کہ جس دن میری وفات ہو۔ اس دن کا درس قرآن بھی میں نے دیا ہو۔ آپ کا انداز بیان بہت سادہ سلیس اور رواں ہوتا تھا۔ حقائق و معارف اور نکتہ آفرینیاں آپ عام مجالس میں پسند نہ فرماتے تھے۔ آپ کی رائے تھی۔ کہ ان باریکیوں سے ذوق و یقین میں تو ضرور اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن عملی زندگی کو کوئی تازیانہ ہمت نہیں ملتا۔ الٰہی پیغام اصل میں زندگی کا درس ہے ایک راہ عمل ہے۔ حقائق و

معارف اس میں ضمنی طور پر آتے ہیں انہیں موضوع اور مقاصد کے طور پر اپنانا صحابہ کرام کا طریق نہ تھا۔

آپ کے اس سادہ انداز بیان میں عجیب تاثیر تھی اب تک نہیں سنا گیا۔ کہ آپ کے حلقے کا کوئی شخص پھر کبھی اس حلقے سے پھرا ہو جدید تعلیمیافتہ طبقے پر آپ کے اس سادہ بیان کے گہرے نقوش اترتے علامہ علاؤالدین صدیقی سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی اور ڈاکٹر سید عبداللہ سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور جیسے جدید تعلیمیافتہ حضرات پر دینی چھاپ شیرانوالہ کے اسی حلقہ قرآن سے لگی تھی۔

اس درس میں بیسیوں آدمی کاغذ قلم لے کر بیٹھتے اور پورے درس کو قلم بند کرتے پھر یہ تحریرات آگے چلتیں اور معلوم نہیں لاہور میں کتنے گھر تھے۔ جن میں وہ درس دہرایا جاتا اور سننے والوں کو ابدی سچائی اور حیثیت خداوندی کی دولت ملتی

علماء کرام کے لئے سالانہ دورہ قرآن

آپ فارغ التحصیل علماء کرام کو ہر سال دو ماہ میں پورا قرآن پاک پڑھا دیتے تھے۔ یہ دورہ قرآن حضرت شاہ ولی اللہ کی فکر اور مولانا عبیداللہ سندھی کی قرآنی بصیرت کا پوری طرح آئینہ دار تھا۔ یہ دورہ رمضان سے شروع ہو کر ذوالقعدہ پر ختم ہوتا ختم پر آپ انہیں وہ سند عطا فرماتے جس پر محدث کبیر امام العصر مولانا سید انور شاہ صاحب شیخ التفسیر والحدیث مولانا شبیر احمد عثمانی شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے دستخط ہوتے یہ اس بات کا اشارہ تھا۔ کہ علماء کی یہ جماعت کوئی نئی جماعت نہیں بلکہ یہ سب نافلہ حضرت شیخ الہندؒ کے دم قدم سے رواں دواں ہے

نئے انداز تفسیر کا ایک عجیب سلسلہ

مذکورہ حاشیہ قرآن کے ساتھ ساتھ آپ نے ایک تفسیر ایک نئے انداز میں لکھنی شروع کی تیسویں پارے کی کچھ سورتیں شائع بھی کیں تفسیر کے ساتھ ساتھ الاعتبار والتاویل کا حاشیہ بھی لگایا اور نئے تقاضوں کے مطابق تفسیر ایک نئے انداز میں پیش کی۔ یہ تفسیر عام لوگوں کے مدارک سے کچھ اونچی تھی۔ اور بعض اکابر بھی اسے عام درجہ میں نفع بخش نہ سمجھتے تھے۔ اس لیے آپ نے اس سلسلہ کو اور آگے نہ بڑھایا آپ فرماتے تھے۔ کہ نئی تفسیر سے مجھے اتحاد امت زیادہ عزیز ہے۔ جس تفسیر سے ایک اختلاف اور بڑھے۔ اسے شائع نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

شاہ ولی اللہ کا پیغام انقلاب

حضرت مولانا احمد علیؒ کی دینی اقتصادی اور سیاسی فکر کا مرکز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ذات تھی۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی نظر نے اسے اور جلا بخشی تھی مولانا احمد علیؒ لاہور میں پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے شاہ ولی اللہؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کو باقاعدہ نصاب میں داخل کیا۔ دورہ تفسیر پڑھنے والے علماء آپ سے اسے سبقاً پڑھتے اور دینی فکر و ذوق رکھنے والے غیر عربی دان حضرات اور جدید تعلیمیافتہ لوگ اس کے درس دانش پر سر دھنتے

وقت کی ہر دینی تحریک ہر نعرہ آزادی اور ہر دینی سیاست کی آبیاری

اسی حلقہ شیرانوالہ سے ہوتی مولانا محمد علی جوہر مولانا عبدالشکور لکھنوی مولانا حسرت موہانی ڈاکٹر علامہ اقبال مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مولانا ظفر علی خاں بانی تحریک تنظیم سردار احمد خاں پتافی حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور میر عبدالقادر، اور مولانا داؤد غزنوی خلیفہ شجاع الدین آغا شورش کاشمیری اپنی اپنی لائنوں میں کام کرتے ہوئے حضرت مولانا احمد علی صاحب کے پاس مشوروں اور دعاؤں کے لیے حاضری دیتے اور اس طرح حضرت مولانا کا حلقہ شیرانوالہ دینی اور ملی فکر و عمل کا عجیب گل و گلزار بنا رہتا

کیمپ مجاہدین سے رابطہ عمومی

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی شہادت کے بعد تحریک جہاد دب گئی تھی۔ مگر بکیسر ختم نہ ہوئی تھی۔ بلکہ بقول ہنٹر یہ تحریک قائدین کی زندگی و موت سے بہت آگے جا چکی تھی۔ آزاد قبائل مجاہدین کے کیمپ کی پشت پناہ بنے رہے۔ شیخ الہندؒ کا اس کیمپ سے بہت قریب کا رابطہ رہا۔ مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں۔ وہ یاغستان پہنچے۔ تو انہیں پتہ چلا کہ شیخ الہند کس طرح ایک نصف صدی سے اس کیمپ کی امداد کر رہے تھے۔ مولانا احمد علی صاحبؒ کا مجاہدین کے اس کیمپ سے برابر رابطہ تھا۔ اور آپ قیام پاکستان تک مجاہدین کی مسلسل مالی امداد فرماتے رہے۔ یہ محنت انگریز حکومت سے صیغہ راز میں رکھی جاتی۔ اور ان پر خلوص کوششوں کا صدقہ ایک دن اس ملک پر بھی آزادی کا سورج چمک کر رہا قیام پاکستان کے وقت مولانا فضل الٰہی ان مجاہدین کے امیر تھے۔ ان کا ذکر تحریک شیخ الہند ص ۳۵ مطبوعہ دہلی میں بھی موجود ہے۔

حضرت امروٹیؒ اور حضرت دینپوریؒ کا فیضان

حضرت مولانا احمد علیؒ ان کاملین میں سے تھے۔ جو اسباب و وسائل کی پوری فراہمی اور انسانی تگ و دو کی پوری بساط کے باوجود اصل مسبب الاسباب

پر بھروسہ کرتے ہیں ۔ پھر ان کی ہمت ہمہ تن اسی کے در رحمت پر دستک دیتی ہے ۔ اور وہ اسی ذات باری سے اثر و قبولیت کی ۔ بھیک مانگتے ہیں اس نظر و فکر میں ضروری ہو جاتا ہے ۔ کہ ان کی روحانی سیر بہت وسیع ہو حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے حضرت امروٹی اور حضرت دین پوری سے روحانی فیض حاصل کیا ۔ اس فیضان نے آپ کی نظر و فکر کو اور جلا بخشی اور اس کے ثمرات یہاں تک پھیلے کہ لوگ اطراف ملک سے آپ کی مجلس ذکر میں حاضر ہونے لگے ۔ آپ کا طریق قادری تھا ۔ اور اس راہ سے آپ کے گرد اہل اللہ کا ایک حلقہ قائم ہو گیا ۔ آپ کی یہ مجلس ذکر اب تک قائم ہے اور حضرت مولانا عبید اللہ انور اس کی سرپرستی فرماتے ہیں ۔

تالیف و اشاعت کے کام کی اہمیت

حضرت مولانا احمد علیؒ اہل حق کے پہلے بزرگ ہیں ۔ جنہوں نے پنجاب میں وعظ و ارشاد کے ساتھ ساتھ تالیف و اشاعت پر زور دیا ۔ آپ سمجھتے تھے کہ نوجوانوں اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے اسلامی لٹریچر کی بہت ضرورت ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کا یہ بھی احساس تھا کہ وہ لٹریچر بہت سادہ آسان اور سماوی ہدایت پر مبنی ہونا چاہیے آپ نے اس کے لیے جد و جہد کی ترجمہ تفسیر تبلیغی رسائل اور ہفت روزہ خدام الدین سے اس ضرورت کو بااحسن وجوہ پورا کیا ۔ آپ کی اس سادگی میں عجیب اثرات تھے ۔ جو شخص اس لٹریچر سے مستفید ہوتا ۔ اس کے اعمال و افکار اور اخلاق و کردار میں ایک عجیب نور پیدا ہو جاتا آپ سے پہلے سر سید احمد خاں اور ان کے رفقاء ایک خاص انداز کے اسلامی لٹریچر کی بناء رکھ چکے تھے ۔ اس حلقے کا کہنا تھا ۔ کہ اسلام کو اب جدید سائنٹیفک انداز میں پیش کرنے کی ضرورت ہے خدا اور رسول کے نام سے اب یہ سکہ زیادہ دیر تک نہ چل سکے گا ۔ انہوں نے نیچر اور اصول فطرت پر اپنے لٹریچر کی بناء رکھی سر سید کا خیال تھا ۔ کہ اب تفسیر اور حدیث کے پرانے ذخیرں سے اسلام آگے نہ بڑھ سکے گا ۔ اب اسلام کی ایک ایسی تصویر کی ضرورت ہے ۔ جس کو نئی نسلیں قبول کریں ورنہ اندیشہ ہے ۔ کہ قوم الحاد کے ایک زبردست بحران سے دوچار ہو جائے گی ۔ ان جدید مصنفین نے اسی جدت پسندی میں معجزات انبیاء کے خرق عادت ہونے کا انکار کیا ۔ عصمت انبیاء میں تشکیک کی راہیں پیدا کیں ۔ یہاں تک کہہ دیا ۔ عصمت انبیاء کے لوازم ذات میں سے نہیں ۔ اللہ تعالےٰ کبھی کبھی اسے ان سے اٹھا بھی لیتے ہیں ۔ ان عقلی موشگافیوں الحاد پرور نظریات اور نئے دور کی ہم آہنگی سے اس اسلامی لٹریچر سے برکت اٹھ گئی ۔ اور عفونت آ گئی چونکہ اس الحاد میں ایک ادبی چاشنی تھی ۔ اس لیے مغرب زدہ ذہن تو اسی لٹریچر پر قربان ہوتے تھے ۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے سر سید احمد خاں کو ان نتائج سے بروقت متنبہ کر دیا تھا ۔ مگر افسوس کہ یہ پراپیگنڈہ بدستور جاری رہا ۔ کہ جدید نسلوں کو یہی لٹریچر اور یہی فہم قرآن متاثر کرتا ہے ۔ نوجوان علماء کے علمی انداز سے چنداں اثر نہیں لیتے ۔

ان حالات کا مولانا احمد علی صاحب کے ذہن پر خاص اثر تھا ۔ آپ کو شدید احساس تھا ۔ کہ اسلام کو خدا اور اس کے رسول پاکؐ کے نام سے نہایت آسان اور سادہ انداز میں پیش کیا جائے ۔ یہ دین فطرت ہے خود لوگوں کو جذب کرے گا دین فطرت کی آواز اثر دینے میں کسی خارجی ادبی چاشنی اور تغیر پذیر علم جدید کی محتاج نہیں ۔

ضرورت وقت کے مطابق تبلیغی رسائل

آپ نے مختلف موضوعات پر چھتیس کے قریب مختصر رسائل تصنیف فرمائے یہ رسائل وقت کے اہم موضوعات پر اپنے ایجاز و اختصار سادگی اور روانی اور جامعیت میں اپنی مثال آپ ہیں ۔ آپ کے ترجمہ قرآن کے شروع میں ان کی مبسوط فہرست دی گئی ہے ۔ عقائد معاملات عبادات اصلاح معاشرہ اور فضائل اخلاق کے ہر باب میں ان میں صحیح دینی رہنمائی موجود ہے ۔

اسلامی لٹریچر کا اسلامی رنگ

اسلامی لٹریچر کی آفاقی تاثیر اس اصول پر مبنی چلی آئی ہے ۔ کہ دعوت پیش کرنے والا خود اس پر کوئی اجرت نہ لے اس دینی آواز پر اس کی کوئی رائلٹی مقرر نہ ہو ۔ دین کی آواز پیغمبرانہ اتباع سے اٹھے اور پیغمبرانہ اتباع پر ہی ختم ہو ۔ تجارت پیشہ حلقے جو اسلامی لٹریچر پیش کرتے ہیں دیدہ زیب کتابت و طباعت اور زرق برق ظاہر کے باوجود جتنی لٹریچر کی وسعت ہوتی ہے ۔ اتنا ہی بے دینی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ اور دنیا حیران ہے کہ سالہا سال کی ان کوششوں نے ذہنوں میں کیوں انقلاب پیدا نہیں کیا ۔ مولانا احمد علیؒ کی اس اصول پر پوری نظر تھی ۔ آپ نے اعلان فرمایا ۔ کہ جو اسلامی لٹریچر میں نے تحریر کیا

تھا۔ اس کی آمدنی کا کوئی پیسہ مجھ پر اور میری اولاد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی۔ کہ میرے بعد بھی مطبوعات خدام الدین میں تمہارا کوئی حصہ نہیں رسالہ خدام الدین میں تمہیں لینا ہو تو قیمت ادا کر کے لینا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وعظ یا تقریر کرنے پر اجرت لینا جائز نہیں۔

(نوٹ) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی تو اس اصول میں اتنے آگے نکلے ہوئے تھے کہ آپ نے اپنی تصنیفات میں کسی کے حقوق تک اپنے نام محفوظ نہیں کئے۔ اور اللہ تعالےٰ نے پھر ان میں عجیب برکت دی آپکی ایک کتاب کو ہی لیجیے بہشتی زیور آپ کی زندگی میں ہی دنیا کی سترہ زبانوں میں منتقل ہو چکا تھا۔

انجمن خدام الدین کا قیام

آپ نے اپنی دینی خدمات کو ترتیب دینے کے لیے ۱۳۴۰ میں انجمن خدام الدین قائم کی آپ اس کے پہلے امیر تھے۔ آپ کی تالیفات کا انتظام وانصرام سب اس انجمن کے سپرد ہے۔

آپ نے یا آپ کی اولاد میں سے کسی نے آج تک اس انجمن سے ایک پیسے کا نفع بھی نہیں لیا۔ انجمن اپنے دائرہ کار میں عملی سیاست سے ہمیشہ یک طرف رہی ہے۔ مولانا احمد علی صاحب نے ہمیشہ کوشش کی کہ خدام الدین کے پلیٹ فارم کو فرقہ وارانہ انتشار اور سیاسی معرکہ آرائی سے محفوظ رکھا جائے اس کا مقصد گھر گھر دفتر دفتر اور تعلیمی اداروں میں خالص دینی دعوت پیش کرنا اور راہ عمل کی فضا ہموار کرنا ہے۔

پنجاب میں اکابر علماء دیوبند کا تعارف

انجمن خدام الدین لاہور کے زیر اہتمام لاہور میں پہلا جلسہ عام تھا۔ جس میں محدث کبیر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب شیخ التفسیر والحدیث مولانا شبیر احمد عثمانی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی جیسے اکابر تشریف لائے۔ اس سے مدتوں پہلے دار العلوم دیوبند کی علمی شہرت یہاں تک پہنچ چکی تھی۔ لیکن اہل پنجاب کو قریب سے ان اکابر کو دیکھنے کا ابھی موقعہ نہ ملا تھا۔ حضرت مولانا کی کوششوں سے اہل پنجاب اکابر علماء امت سے روشناس ہوئے اور انہی جلسوں کا ثمرہ تھا کہ علامہ ڈاکٹر اقبال کو اکابر دیوبند سے علمی فیض کی دولت ملی۔

سیاسی خدمات :

آپ قیام پاکستان تک جمعیت علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے لیکن تحریک پاکستان میں آپ نے کانگریس کا ساتھ نہ دیا خاموشی اختیار کر لی۔ تحریک آزادی میں آپ صف اوّل کے کارکنوں میں تھے۔ شیخ الہندؒ کی ریشمی رومال کی تحریک میں آپ کہاں تک پیش پیش تھے۔ اس کا اندازہ آپ برٹش سی آئی ڈی کی اس رپورٹ سے لگا سکتے ہیں جو حال میں ہی لندن سے ریلیز ہوئی ہے۔ اس میں گیارہویں نمبر پر یہ نام درج ہے۔

۱۱۔ احمد علی مولوی نائب ناظم نظارۃ المعارف پسر شیخ حبیب اللہ آف بابو چک ضلع گوجرانوالہ

۱۔ مولوی عبید اللہ سندھی کابل میں مولوی عبید اللہ (سندھی) سے جو فتاوے اور خطوط لایا تھا۔ وہ ایم احمد علی کے لیے تھے۔ جس نے تمام خطوط وغیرہ مکتوب الیہم میں ٹھیک تقسیم کرادیئے تھے۔ اس کا رابطہ محی الدین عرف برکت علی بی اے آف قصور خواجہ عبد الحی آف گورداسپور ڈاکٹر صدر الدین ابو الکلام آزاد (مولانا) حسرت موہانی وغیرہ وغیرہ سے تھا۔ لاہور ضلع گورداسپور سے اسے آنے جانے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ بعد میں ضمانت پر اسے مارچ ۱۹۱۷ء میں رہا کر دیا گیا۔

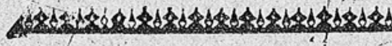
۲۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ کرنل ہے۔ بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ایم احمد علی اتحاد اسلامی کی سازش جہاد کا ایک سرگرم ممبر تھا نظارۃ المعارف میں اس کی رہائش گاہ وقتاً فوقتاً سازشیوں کے لیے ملنے اور سازشیں گھڑنے کے لیے مرکز کا کام دیتی تھی۔ اور آزاد علاقہ کو جانے اور وہاں سے آنے والے سازشی اس میں ٹھہرا کرتے تھے (رپورٹ سی آئی ڈی مندرجہ تحریک شیخ الہند صفحہ ۲۹۴/۲۹۵ مطبوعہ

اس رپورٹ سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مولانا احمد علی تحریک آزادی کے ہراول دستہ میں کس بے جگری سے لڑے آپ مولانا عبید اللہ سندھی کے اسی طرح معتمد شاگرد تھے۔ جس طرح مولانا عبید اللہ سندھی حضرت شیخ الہندؒ کے نہایت معتمد شاگرد اور سیاسی رفیق تھے اسی گہرے تعلق کا اثر تھا کہ مولانا احمد علی کا نکاح حضرت شیخ الہندؒ نے دیوبند کی جامع مسجد میں پڑھایا تھا۔

تقسیم ملک تک مولانا احمد علی جمعیت علماء ہند کے ممبر تھے۔ تقسیم ملک کے بعد حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے مولانا احمد علی صاحب کو لکھا کہ تقسیم ہند کے بعد آپ کا تعلق جمعیت علماء ہند سے ٹوٹ چکا ہے۔ اب آپ پاکستان کی بہبود اور استحکام کے لیے حضرت مولانا شبیر

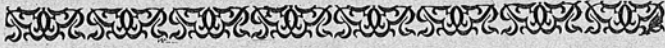
احمد عثمانیؒ سے تعاون کریں اور جمعیت علماء اسلام میں شامل ہو کر اپنے ملک کی خدمت کریں آپ نے یہ بھی لکھا کہ تقسیم ملک تک میری رائے تقسیم ملک کے خلاف تھی لیکن اب جبکہ ملک قائم ہو چکا ہے۔ اور اسلام کے نام پر ایک نیا آزاد ملک قائم ہو چکا ہے۔ تو اب مسلمانوں اور اسلام کی عزت کا تقاضا ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ استحکام نصیب ہو۔ مولانا احمد علی صاحب ذکر فرماتے تھے۔ کہ اس خط نے ان پر گہرے نقوش چھوڑے اور انہوں نے ارادہ کر لیا کہ اب وہ جمعیت علماء اسلام کے تحت ملی اور ملکی خدمات سر انجام دیں گے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی وفات کے بعد ان اکابر کے قریب کے علماء جمعیت کی سیاسی کشتی کو کچھ زیادہ ہمت سے نہ چلا سکے پاکستان پارلیمنٹ میں قرارداد مقاصد پاس ہو چکی تھی۔ اور اس کا تقاضا تھا۔ کہ علماء حق زیادہ سے زیادہ مستحکم ہو کر پاکستان کو ایک صحیح اسلامی سلطنت بنانے کے لیے محنت کریں۔ علماء حق اسی احساس شدید سے ملتان میں جمع ہوئے۔ اور جمعیت علماء اسلام کی قیادت اور امارت کے لیے حضرت مولانا احمد علیؒ کو منتخب کیا گیا۔ حضرت مرحوم نے اپنے دور امارت میں جمعیت علماء اسلام کی ذمہ داریاں باحسن وجوہ سر انجام دیں حالات کے ہر نازک موڑ پر نہایت عزم و ہمت کا مظاہرہ کیا۔ ارباب اقتدار پر نہایت جرأت مندانہ تنقید کی۔ اور آخر وقت تک آپ جمعیت علماء اسلام پاکستان کے امیر رہے۔



ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

حکمتِ ولی اللّٰہی کا نمائندہ عظیم



میں استاذی و مخدومی حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ پر اپنے مقالۂ عقیدت کا آغاز بعید کے تاریخی حوالوں سے کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ جس عظیم شخصیّت کے روحانی اور دینی دوائر کا ذکر کرنے والا ہوں اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کرنے کے لیے کئی صدیوں کے افکار و حوادث کو قلم کی پلیٹ میں لانا ضروری ہو گا۔ جس طرح کسی ندی کے پیچ و خم اور گذرگاہ کی توصیف کے لیے اس کے منبع تک پہنچنا لازمی ہے۔ اسی طرح کسی عظیم شخص کے کارناموں کی تفصیل سے پہلے یہ بتانا پڑتا ہے کہ اس عظمت نے کن کن سرچشموں سے اثر قبول کیا ہے؟ اور ان سب چشموں کا سرآغاز کہاں ہے؟

ان وجوہ سے میں اس تذکرہ کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے شروع کر کے آخر میں یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ حضرت مولانا کو میں نے حکمت ولی اللّٰہی کا نمائندہ عظیم کہا ہے تو کیوں؟

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصانیف و افکار پر نظر ڈال کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اِن کی حکمت اور دینی خِدمت کے تین امتیازی خصائص ہیں:-

(الف) انھوں نے اپنے زمانے کو قرآن مجید کے نئے معارف و لطائف سے آگاہ کیا۔ اور تفسیر کا ایک نیا انداز اختیار کیا۔

(ب) انھوں نے زندگی کے حقائق پر غور کر کے قرآن مجید کی اجتماعی، تمدّنی اور عقلی حکمتوں سے لوگوں کو آگاہ کیا۔

(ج) انھوں نے دین اور اجتماعی زندگی میں ایک ربط پیدا کرتے ہوئے حکمتِ اجتماعی کے نئے اصول مدوّن کیے۔ اور ان اسباب و نتائج سے بحث کی جو اجتماعی زندگی میں رونما ہوا کرتے ہیں۔

(د) اس طرح دین و سیاست (دنیا اور ملکداری) کی یکجائی کا جواز پیش کیا۔ اور اس کے حق میں دلائل پیش کیے۔

(و) انھوں نے ایمانیات، ذوقیات اور عقلیات میں ربط پیدا کیا۔ (مثلاً حجۃ اللہ البالغہ، سطعات اور ہمعات میں۔)

(ہ) انھوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی شوکتِ رفتہ کی بازیابی کے لیے منظم منصوبہ تیار کیا۔ اور احیائے ملّت کی قوتوں کو مجتمع کیا۔

(و) انھوں نے قانونِ تالیف کے ذریعے الانصاف فی الاختلاف کے اصول پر ملّتِ اسلامیہ کو متحد کرنے کی عملی سعی کی۔ علم ظاہر کے مختلف سلسلوں اور علم باطن کے مختلف طریقوں کے مابین آشتی پیدا کرنے پر زور دیا اور فرقے کے اختلافات کو کم سے کم کرنے کی کوشش کی۔(ملاحظہ ہو الانصاف فی الاختلاف)۔

(ز) انھوں نے جہاد پر زور دیا اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے سربکف ہونا سکھایا۔ چنانچہ انھیں کے زیرِ اثر سکھوں کے خلاف جہاد کی تحریک چلی جو میرے نزدیک ناکام نہیں ہوئی بلکہ کامیاب ہی رہی۔

سلسلۂ دیوبند

بازیابی کی ان تحریکوں کی ایک شکل تعلیمی بھی تھی۔ جس کے مطابق دینی مدرسوں کی تنظیم نو ہوئی۔ ۱۸۵۷ء میں جو انقلاب آیا اور اس میں آزادی کی قوتیں مغلوب ہوئیں۔ سیاسی اور دینی تحفظ جیسی اہم ضرورت کے تحت دارالعلوم دیوبند کی تاسیس ہوئی۔ اور ان لوگوں کے ہاتھوں ہوئی جو ایک طرف مجاہدین آزادی تھے اور دوسری طرف علومِ دینیہ کی حفاظت و فروغ کے علمبردار تھے۔

مسلک دیوبند کے چند امتیازات

دارالعلوم دیوبند کے دستورِ اساسی کی چند باتیں قابلِ توجہ ہیں۔ مثلاً یہ کہ :-

۱ : دارالعلوم دیوبند سرکار انگریزی سے امداد قبول نہیں کرے گا۔

۲ : دارالعلوم کے فارغ التحصیل، جہاں تک ممکن ہو گا سرکار انگریزی کی ملازمت نہیں کریں گے۔

۳ : دارالعلوم کے متعلقین انگریزوں کے حق میں فتویٰ کبھی نہیں دیں گے۔

اس قسم کے اصولوں سے دارالعلوم کا مزاج واضح ہو جاتا ہے۔ غرض انگریزوں سے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جب ناکام رہی تو کھوئی متاع کی واپسی کے لیے جس روحانی اور فکری تیاری کی ضرورت تھی۔ اس کا اہتمام مدرسوں کے ذریعے کیا گیا، گویا یہ مدرسے بھرپور جنگِ آزادی کے لیے تربیّت کے مراکز تھے۔

دارالعلوم علی گڑھ

اب کہنے کو تو علی گڑھ میں بھی ایک مدرسۃ العلوم قائم ہوا۔ مگر اس کا نصب العین فرنگ سے آزادی کے بجائے غلام ہندوستان میں، بطور محکوم ملازمتوں میں حصّہ لینا تھا۔ یہ دراصل ایک وقتی مجبوری تھی، مگر اس میں شکست خوردنی ضرورت سے زیادہ داخل ہو گئی۔ اور میرے خیال میں بے ضرورت طور پر ایک مقصد یہ بھی ٹھہرا لیا گیا کہ تعلیم کے توسط سے ہندوستان میں صلیب اور ہلال کو متحدّ کیا جائے گا۔ یہ اسی کا اثر ہے کہ اب ہمارا معاشرہ ایک مغرب پرست معاشرہ بنتا جا رہا ہے۔

اس کے برعکس دارالعلوم دیوبند کا مقصد یہ نہ تھا، بلکہ اس کا نصب العین حفاظتِ دین اور اسلام کی بخشی ہوئی روایات کا تحفظّ تھا۔

رواداری

بایں ہمہ اربابِ دیوبند کا مسلک ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اربابِ علی گڑھ سے مناسب

حد تک رواداری اور عدم مزاحمت بلکہ محدود تعاون کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

آزادی پسندی

ارباب دیوبند ہمیشہ آزادی پسند قوتوں کے ساتھ رہے اور اس قسم کے سمجھوتوں کے سلسلے میں ان کے دل میں کبھی تردّد پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کا اوّلین سیاسی مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے برطانوی امپیریلزم کو ختم کیا جائے۔

آمدم بر سر مطلب

یہ پس منظر میں نے اس لیے قارئین کے سامنے رکھا ہے کہ حضرت مولانا احمد علی بھی اسی خانوادۂ حریت کے پیرو تھے، اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے رابطۂ تلمذ و ارادت نے ان میں مزید وہ جملہ اوصاف پیدا کر دیئے تھے جو اس دارالعلوم کے اکثر مجاہد اساتذہ اور فارغ التحصیل لوگوں میں موجود تھے اور حضرت امداداللہ مہاجر مکی، حضرت رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمود حسن (اسیر مالٹا) اور دوسرے اکابر اس مسلک کے نمونۂ کامل تھے، ان سب وارثوں کے وارث حضرت مولانا احمد علی بھی تھے۔

حیثیات

میں اس موقع پر اپنے عظیم استاد، مولانا احمد علیؒ کی تین حیثیات فائقہ پر اظہارِ خیال کروں گا یعنی (۱) بطور مفسر قرآن مجید (۲) بطور مجاہد اور (۳) بطور قائد سیاست دینی۔

میں بطور طالب علم کئی سال مسلسل حضرت مولانا کے درس عام اور درسِ خاص میں شریک ہوتا رہا۔ درسِ عام سے استفادہ زیادہ کیا اور درسِ خاص سے نسبتاً کم۔ میں چند ماہ حجۃ اللہ البالغہ کے درس میں بھی شریک ہوا لیکن بہت سے مطالب میری سمجھ سے بالا تھے اس لیے اس درس میں میں ثابت قدم نہ رہا۔ صحیح مُسلم کے درس میں بھی میری شرکت جزوی رہی لیکن میں نے درس قرآن کے سلسلے میں بھرپور استفادہ کیا۔

مولانا کا درسِ قرآن

مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے لاہور میں عام سطح کے مخاطبوں کے لیے درس تفسیر کا کچھ زیادہ رواج نہ تھا۔ البتہ دینی مدرسوں کے طلبہ تفسیر جلالین یا بیضاوی سبقاً سبقاً مختلف استادوں سے پڑھا کرتے تھے یا پھر مثنوی روم کا درس بسلسلہ وعظ ہوا کرتا تھا مگر ان مشاغل کی حیثیت جزوی تھی۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے لاہور میں شاید سب سے پہلے باقاعدہ درس کا آغاز ۱۹۱۲ء کے قریب کے زمانے میں ایک انگریز دشمن عالم مولوی عبداللہ پشاوری نے کیا۔ یہ بزرگ افغانستان کے شاہزادگان ایوب شاہ وغیرہ سے قریبی تعلقات رکھتے تھے۔ اور بڑے زور دار بزرگ تھے۔ چنانچہ آئے دن انگریز حاکموں کے زیر عتاب آتے رہتے تھے۔

لیکن حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے درس سے درس قرآن کی ایک مقبول روایت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء کے بعد لاہور کی کئی مساجد میں قرآنِ مجید کا درسِ عام جاری ہو گیا

جس زمانے کا ذکر میں کر رہا ہوں اس کے تین سلسلہ ہائے درس خاص امتیاز رکھتے ہیں :-

اوّل : حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا درس جو شاید ۱۹۲۰ء میں شروع ہوا اور زمانۂ ہجرت میں عارضی طور سے بند رہ کر ، مولانا کی واپسی از کابل کے بعد پھر جاری ہوا اور اس وقت تک قائم رہا جس وقت تک وہ زیادہ بیمار نہیں ہو گئے۔

دوم : مولانا نجم الدّین کا درس جو حضرت مولانا کے زمانۂ ہجرت میں موچی دروازہ کے اندر کی ایک مسجد میں جاری ہو کر کچھ عرصہ تک قائم رہا۔

سوم : حضرت مولانا غلام مُرشد کا درس جو پہلے سنہری مسجد میں رہا مگر بعد میں مسجد اونچی (اندرون بھاٹی دروازہ) میں بھی شروع ہو گیا۔ اسی طرح شاید مولانا دیدار علی شاہ اور بعد میں مولانا ابوالحسنات قادری نے مسجد وزیر خاں میں درس دیئے لیکن میری معلومات ان کے بارے میں ناقص ہیں۔

بہرحال ان تین درسوں کی اپنی اپنی انفرادی خصوصیّات تھیں۔ حضرت مولانا غلام مرشد کا درس فقیہانہ عالمانہ ہوتا تھا ، وہ دینی مسائل کی عقلی اور جدید تعبیر سے زیادہ سروکار رکھتے تھے۔ ان کا مقصد جدید تعلیم یافتہ طبقے کے شکوک کا رفع کرنا تھا۔ وہ علامہ آلوسی کی روح المعانی سے اکثر استناد کرتے اور علامہ القرطبی اور تفسیر کبیر امام رازی وغیرہ سے بھی فائدہ اٹھاتے اور قرآن مجید کی عقلی حکمتوں کا سکّہ بٹھا دیتے۔

مولانا نجم الدین بھی مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتگان میں سے تھے۔ وہ عرصے تک پنجاب یونیورسٹی اورینٹیل کالج لاہور میں عربی کے استاد رہے۔ ان کا نقطۂ نظر اہلِ بلاغت کا تھا۔ وہ علم کلام کی آمیزش سے ، ایک نیم عقلی نیم بلاغتی پیرایہ اختیار کرتے ، چنانچہ لوگ ان سے بھی بہت استفادہ کرتے تھے۔

لیکن حضرت مولانا کا درسِ تفسیر چیزے دیگر تھا ، اس میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حکمت ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے انداز کی تمدّنی معقولاتی تعبیر اور قرآن مجید کی مخصوص اجتماعیاتی رُوح (جس کا تعلق اقوام کے عروج و زوال اور ان کے اسباب و عِلل سے ہے) بطورِ خاص نمایاں ہوتی تھی۔ اس کے ہمراہ وقت کے سیاسی اور معاشرتی مسائل پر تبصرہ بھی ہوتا اور اس کے حوالے سے اجتماعی بیداری کا پیغام دیا کرتے تھے۔ یہ ان کے درس کا عام انداز تھا۔ لیکن ان کا ایک درسِ خاص بھی ہوتا تھا جس میں وہ ولی الٰہی

فنِ تفسیر کی روشنی میں مخصوص اصطلاحاتِ فن استعمال کر کے رموزِ تفسیر سمجھایا کرتے۔

غرض ہمارے مولانا ، حضرت مولانا محمود حسنؒ اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے طریقوں کے امتزاج سے تفسیر کا ایک اسلوب خاص پیدا کرتے تھے۔ ان کا ارشاد تھا کہ قرآنِ مجید کے سب اجزاء میں ایک ربط اور تسلسل ہے ، اسی لیے وہ مضامین و مطالب کی توضیح کے وقت آیت زیرِ بحث کا آیات ماسبق سے سلسلہ جوڑا کرتے تھے۔ جہاں ربط ظاہری نظر نہ آتا تھا وہاں وہ ربطِ مخفی کا سراغ لگاتے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید کا ایک حصّہ کسی دوسرے حصّے کی تفسیر ہوتا ہے اس لیے کسی دوسرے ماخذ کی طرف رجوع کرنے سے پہلے ، خود قرآن مجید کے اندر ہی سے توضیحات تلاش کرنی چاہییں۔

حضرت مولانا صرف و نحو و اشتقاق و معانی کے حوالے سے بہت کم بات کیا کرتے تھے۔

ان کا زیادہ زور اسلام کی تمدنی حکمتوں کے بیان پر ہوتا تھا۔ اسلام سے قبل کی اقوام کے اسباب زوال کا ذکر کر کے موجودہ مسلمان اقوام کی مماثل کمزوریوں کا تذکرہ کرتے تاکہ موجودہ مسلمانوں کو عبرت ہو، جب کبھی وہ ایسے موضوع پر آتے تو ان کی تقریر میں جذبے کا رنگ پیدا ہو جاتا۔ وہ اپنے عصر کے مسلمانوں کو دعوتِ فکر دیتے تھے اور فرمایا کرتے کہ ایسا وقت آ سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی حدیث کے مطابق امتِ محمدیہ طابقُ النّعل بالنّعل یہود کی پیروی کرنے لگیں گے۔

فرماتے تھے کہ قرآنِ مجید میں تنذیر بھی ہے اور بشارت بھی ہے، موعظہ بھی ہے اور وعید بھی۔ دنیا بھی ہے اور آخرت بھی، اور پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی کی اصطلاحوں میں بات کرتے ہوتے تذکیر بآلاءاللہ، تذکیر بآیات اللہ اور تذکیر بایّام اللہ کا ذکر فرماتے۔

حضرت مولاناؒ حدیث سے بھی فائدہ اٹھاتے اور روایات الصالحین کا تذکرہ بھی کرتے تھے، ایک دو مرتبہ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت مولاناؒ پر مجذوبیت طاری ہو جاتی اور وہ حلقۂ درس سے الگ کسی اور سے باتیں کرنے لگتے۔ ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا حالت تھی، جواب میں تامل کیا، پھر فرما دیا کہ مجھے حضرت دین پوری نے یاد فرمایا تھا۔

اس قسم کی حالت میں درس کا ربط ٹوٹ جاتا تو بحال ہونے پر مطالب گذشتہ کا ماحصل ایک بار پھر سنا دیتے تب آگے بڑھتے۔

درس کے دوران مسلمانوں کے احساساتِ دینی کے زوال کا ذکر آتا تو نتیجہ یہ نکالتے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت کا ایک سبب تو انتشار اور ضعف جذبۂ دینی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی مغرب پرستی اور تجدّد کا مرض اس قوم کو کھاتا جا رہا ہے۔ لیکن چونکہ ان کے درس میں مغربی تعلیم کے حاملین بھی کافی تعداد میں شریک ہوتے تھے اس لیے اس ذکر میں وہ قدرے نرمی اور ملائمت کا لہجہ اپناتے۔ تاہم بہت کچھ کہہ گزرتے تھے۔

دینی احساس کے زوال کے سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب کے درج ذیل تین بڑے اسباب کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا کرتے تھے:-

اوّل: تہاون: یعنی دینی معاملات میں مداھنت کا روّیہ رکھنا۔

دوم: تعمّق:- بال کی کھال اتارنا جیسا کہ مثلاً بنی اسرائیل نے گائے کے سلسلے میں حجت بازی اور موشگافی کی تھی، اور ظاہر ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی طرف سے محض بہانہ سازی تھی۔ مولانا فرماتے تھے کہ آجکل مسلمان بھی خدا اور رسول کی اطاعت سے گریز کی خاطر تعمق سے کام لے رہے ہیں۔ تیسرا اہم سبب مولانا کے نزدیک بے ضرورت شدّت (تشدّد) ہے، یعنی احکام کے سلسلے میں ضرورت سے زیادہ سخت گیری کرنا۔ فرمایا کرتے تھے کہ دین سے وابستگی ذاتِ باری کا انعام ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کے دل میں عقیدہ راسخ پیدا کر دیتا ہے لیکن عقائد کی اشاعت اور اخلاقِ فاضلہ کی تربیت کے لیے نبی مبعوث ہوتے۔ مولانا کا ارشاد تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ تربیّت یُسر اور تدریج تھا۔ قرآن مجید نے حضور کی صفتِ خاص یہ بتائی کہ ان میں غلظت اور سخت دلی نہ تھی۔

حضرت مولانا کا سلوک تعلیم یافتہ طبقے کے ساتھ التزاماً ملائم اور مشفقانہ تھا۔ چنانچہ ان کے تعلق میں تالیف قلب اور شفقت سے کام لیتے اور کہتے کہ یہ دورِ غلامی کی پیدا کردہ مجبوریاں ہیں۔

یہ افسوس کی بات ہے کہ جدید التعلیم شاگردوں میں سے کوئی بھی ان کی امیدوں کے مطابق نہ نکلا سے

جوہرِ جامِ جم از طینت کانِ دگر است　　　تو توقع زگِلِ کوزہ گراں می داری

پھر بھی ان کی آرزو یہی تھی کہ انگریز داں طبقہ، دین کی سچی خدمت کے لیے سامنے آئے۔ (یاد رہے کہ یہ طبقہ دنیاداری و ملکداری کے معاملات میں تو اچھا خاصا ہے لیکن دینداری کا ذوق کھو چکا ہے۔ حضرۃ مولانا کی نظر میں مسلمانوں کی دنیا داری کو دین داری کا ہم قدم ہونا چاہیئے۔)

میں حضرت مولانا کی خدمت میں ان کی وفات سے کوئی چار ماہ قبل حاضر ہوا تھا۔ ضعف کے باوجود انھوں نے مجھ سے باتیں کیں۔ پوچھا، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا، روز بروز بگڑتا جا رہا ہے۔ اس پر انھوں نے مشفقانہ افسوس کیا اور دعا فرمائی۔ پھر فرمایا، مولوی لوگ نئی فضا میں کام نہیں کر سکتے، مولوی عوام کے لیے تو ٹھیک ہیں لیکن بدلے ہوئے حالات میں اور نئے طبقوں میں نئی تعلیم کے لوگ ہی کارآمد ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کے دل میں روحانی چمک پیدا ہو جائے۔

میرے نزدیک حضرت مولانا کا یہ ارشاد سو فیصد درست ہے۔ لیکن اب صورت یہ ہے کہ علماء عوام کی خدمت سے بھی محروم ہوتے جاتے ہیں۔ کیونکہ عوام کو معاشی الذہن بنا دیا گیا ہے۔ اور تربیت یہ کی گئی ہے کہ اسلام ایک تجارتی مسئلہ ہے تو عام اور خاص دونوں خوش ہیں۔ کہیں عقائد کی خاطر نقصان برداشت کرنا پڑ جاتے تو راہبرانِ جدید فوراً بدظنی پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔ لہٰذا عوام میں علماء کو جو رسوخ پہلے حاصل تھا وہ کم ہوتا جا رہا ہے۔

بہرحال یہ نئے زمانے کی باتیں ہیں۔ حضرت مولانا کے زمانے میں عوام کو علماء سے بڑی عقیدت تھی۔ انھیں کی رہنمائی میں عوام جان کی بازی لگا دیتے تھے——عوام کا بہت بڑا حصہ اب بھی پُرجوش ہے، لیکن حق یہ ہے کہ علماء عوام سے اپنا رابطہ محکم نہیں رکھ سکے، کیونکہ وہ اُن کے وہ شکوک رفع نہیں کر سکتے جو معاشی الذہن لوگوں نے عوام کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔

ستم یہ ہے کہ علماء کو غریبوں کا دشمن سمجھا جاتا ہے، حالانکہ علماء کا طبقہ غریبوں ہی سے اٹھا ہے۔ اور غریبوں ہی کا ہے مگر غریبوں کو یقین نہیں دلا سکتا کہ ہم غریبوں کے ساتھ ہیں اور غریبوں ہی سے ہیں۔

یہ موقع اس صورتِ حال کی تشریح کا نہیں، مختصر وجہ یہ ہے کہ جب ہنگامی ضرورت فوری و عملی مداوا کی ہوتی ہے، یعنی غرباء اور مزدور اور کسان طبقے کی مشکلات فوری حل کا تقاضا کرتی ہیں، علماء اپنی ساری دلسوزی کے باوجود، فقہ کی اصطلاحوں میں بات کر کے ایک عملی مسئلے کو ایک علمی اور خیالی بات بنا دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے مخالف لوگ اس کو بہانہ بنا کر باور کرا دیتے ہیں کہ یہ مسجدوں والے غرباء کے مسائل سے دلچسپی نہیں رکھتے۔

میرا ذاتی احساس یہ ہے کہ فقہ اسلامی سے پورا خلوص رکھتے ہوئے عملی باتوں کے سلسلے میں اگر یہ پیرایۂ بیان بدلا نہ جائے گا تو علماء کے متعلق عوام کی یہ غلط فہمی ضرور باقی رہے گی۔

میں قارئین کرام سے معذرت چاہتا ہوں کہ میں نے حضرت مولانا کے افکار و خیالات کے ضمن میں ایک طویل جملہ معترضہ لا کھڑا کیا، بہرحال اصل مدّعا پر آتے ہوئے عرض ہے کہ حضرت مولانا کو جدید علم والے لوگوں سے خاصا خلوص تھا۔

حضرت مولانا انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاسوں میں کم و بیش ہر سال تقریر کیا کرتے تھے——اور جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ انجمن مذکور کی مجلس عام کے مستقل رکن تھے۔ اس کے علاوہ بھی قومی کاموں میں جن میں انھیں شرکت کی دعوت ملتی تھی وہ ضرور تعاون فرماتے تھے۔

سیاسی اور اجتماعی قومی زندگی میں ، وہ ان لوگوں سے بھی اشتراکِ عمل کر لیتے تھے جن سے ان کے مسلک کا اختلاف بالکل واضح تھا ۔ ایک مرتبہ کسی شہری یا دینی مسئلے میں ثابت یہ کرنا تھا کہ مختلف خیالات رکھنے والے علمار مشترک آپس میں اشتراک کر سکتے ہیں ۔ حضرت مولانا ، دوسرے مسلک کے رہنما حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ (خطیب مسجد وزیر خاں) سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے اور مشترکہ تحریر کے دستخط لیے اور اس مہم میں مشترکہ طور پر جدوجہد کی ۔

ایک مرتبہ (غالباً ۱۹۴۰ء میں) اس زمانہ کے ایک مسلمان وزیرِاعلیٰ پنجاب نے خاکساروں پر قیامت برپا کر دی تو حضرت مولانا نے خطبۂ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ ہر چند کہ خاکساروں کے نقطۂ نظر سے بعض صورتوں میں انہیں اختلاف ہے مگر خاکساروں پر جو ظلم ایک مسلمان حکمران کر رہا ہے اس کے خلاف بطور احتجاج وہ بھی خاکساروں کے جرم میں برابر کے شریک ہیں ۔ اس کے بعد اسی رات انھوں نے خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا اور کچھ عرصہ جیل میں رہے ۔

استعمار کے دشمن حضرت مولانا انگریزوں کے استعمار کو مضبوط رکھنے والے ملکی عناصر کے خلاف سراپا غیظ و غضب تھے ــــــ اور واحد یہی طبقہ تھا جس کے لیے ان کے دل میں کوئی جگہ نہ تھی ۔

سیاسی مسلک سیاسی مسلک میں ، وہ اکابر دیوبند کے مکمل پیرو تھے ۔ مجلسِ خلافت پنجاب کے انقطاع کے بعد ، وہ مسلسل مجلسِ احرار کے ساتھ رہے کیونکہ ان کی رائے میں یہ مجلس غریبوں کی مجلس تھی ۔ دین کو ہر شے پر مقدم سمجھتی تھی ، اور ضرورت کے وقت انگریزوں اور ہندوؤں دونوں سے ٹکرا جاتی تھی ۔

خدام الدین کا یادگار جلسہ ۱۹۲۵ء کا سالانہ جلسہ انجمن خدامُ الدّین یادگار جلسہ تھا ۔ اس میں راقم الحروف نے بھی بطور رضاکار کام کیا ــــــ اس اجلاس میں حضرت مولانا نے قدیم اور جدید شخصیتوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ــــــ ، انھوں نے حسب احکام شرع لڑکیوں کو وراثت میں حصّہ دار بنانے کی تحریک شروع کی ، پنجاب کے زمیندار چونکہ رواج کے پابند تھے (اور شاید اب بھی ہیں) اس تحریک پر بہت ناراض ہوئے بلکہ ایک خاص پڑھا لکھا زمیندار تو ایک اجتماع جمعہ میں پہنچ گیا اور کہنے لگا ۔ مولانا ۔ ہم اپنی جائدادوں کو تباہ نہیں کرنا چاہتے اس لیے ہم آپ کی تائید نہیں کر سکتے ۔

نظام الاوقات حضرت مولانا کا نظام الاوقات بہت سے لوگوں کے لیے حیرت انگیز ہو گا ۔ وہ تہجد سے فارغ ہو کر ، نماز صبح کی اذان سے کچھ قبل مسجد میں آ جاتے تھے ۔ اور ایک نہایت ہی مختصر سی جماعت کو حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیتے تھے ۔ پھر نماز کے بعد درس عام ہوتا تھا جو کم و بیش دو گھنٹے تک جاری رہتا تھا ، اس کے بعد صحیح مسلم کا درس ہوتا ، اس کے بعد فارغ التحصیل علمار کے لیے علمی درس ہوتا ، دوپہر کے کھانے سے پہلے اور پھر مختصر قیلولہ کے بعد بھی اسے جاری رکھا جاتا تھا ــــــ نمازِ عصر کے بعد کالجوں کے طلبہ کے لیے درس دیا جاتا ، شام کے بعد وہ عام ملاقات کیا کرتے تھے یا کبھی کبھی انجمن خدامُ الدّین کے انتظامی امور طے کیا کرتے ۔

اللہ اللہ کیا لوگ تھے ، ان کا سارا وقت اللہ کے لیے وقف تھا ۔ انھوں نے اپنے کام کا کبھی کوئی معاوضہ نہیں لیا ۔ فقر و فاقہ میں زندگی گذار دی ۔ فرمایا کرتے تھے میری روزی کا بوجھ ھُوَ الرّزاق ذوالقوۃ المتین پر ہے ۔ خدا ان کے مرقد کو عنبرین کرے اور ہمیں ان کے فضائل سے مستفید ہونے کا موقعہ دیتا رہے ۔

ع نظیر خویش نہ بگذاشتند و بگذشتند

ہدیہ عقیدت

علامہ انور صابری صاحب دہلوی

حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خُلدِ عشق، بہشتِ علم اور فردوسِ عرفان صحبتوں میں جب بھی شمولیت کا شرف حاصل ہوا زندگی اپنے حقیقی مقام کو پہچاننے پر مجبور ہوئی اُن کی نگاہِ بصیرت و معرفت میں نشۂ میکدۂ حرم کے لاکھوں کیف بہر نظر جھومتے تھے انہیں میرے حد سے گذرے ہوئے جنون تصوّف کا علم تھا وہ میرے مسلک کی وسعتوں سے بخوبی واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ میں حظِ روح کی خاطر قوالی کو سہارا بناتا رہتا ہوں لیکن ملاقات کے پورے اوقات میں اُن کے اخلاق کریمانہ نے محبت ریز انداز کرم سے کبھی محروم نہیں کیا اور نہ بعض مخلصینِ اسلام کی جائز شکایتوں کے باوجود مجھ سے نفرت کی۔ میں نے اپنی حاضری کے دوران ان کی آفتابِ عرفان پیشانی پر تبسم کی موج حسین کو مچلتے ہی دیکھا۔ کبھی کبھی پیار میں وہ "مجذوب السالکین" کہہ کر پکارتے تھے۔ تو میری تصویر حیات میں اُن کے فیوض و برکات کی رنگینیاں جھلکنے لگتی تھیں۔

عام طور پر اس قسم کے بزرگوں کو ناسمجھ لوگ "زاہد خشک" کی اصطلاح کا مفہوم متشکل کہہ دیتے ہیں مگر ان کے باطن میں الوہیّت و رسالت کے سمندر کی جتنی تری تھی اس پر جس نے توجہ دی وہ باغ باغ ہو گیا۔

وہ مسندِ علم و حکمت میں براہِ راست صاحبِ قرآن سے روحانی فیض پاتے تھے۔ اُن کی تفسیر کا ہر جملہ منشائے نبوت کے مطابق ہوتا تھا۔ گوشۂ زہد و اتقاء میں وہ شیخ احمد سرہندیؒ کے مجددانہ اصولوں کا جیتا جاگتا نمونہ تھے اُن کی خلوت رشد و ہدایت تحمّلِ صدیقؓ اکبر اور نفاست طبع عملیؓ کی آئینہ دار تھی۔ جادہ تصوّف میں "منزلِ فنا" تک آنا تک پہنچے بغیر عقیدۂ توحید باری کی تکمیل نہیں ہوتی۔ مولاناؒ اس مقام سے گذر چکے تھے اس لئے پندارِ علم، غرورِ عشق اور تکبّرِ تقرّب ان کے قریب نہ آتے تھے مغربی علوم سے بہرہ مند اور تہذیب و تمدن جدید کے بستگانِ زلفِ محبت کو تیرہ سو سال پہلے کی دلنواز اور پُرکشش سیرت کا دلدادہ بنانے میں ان کی یہی ادا کام آتی تھی۔

سائل کے تلخ و ترش لب و لہجہ کا جواب دیتے وقت ان کے ہونٹوں پر صحابہ کا خندۂ معصوم اُبھر کر ماضی کے خوابوں کی نئی تعبیر سمجھا دیتا تھا۔

امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کی فراست اُنہیں درویش مجاہد حضرت مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمۃ سے تمرکہ شفقت میں ملی تھی اس لئے قدیم تصورات اور نئے نظریات میں ربطِ پائیدار پیدا کرنے کے لئے "مذہب و سیاست" کے امتزاج سے اسلام کی "عالمگیریت" کا زندہ ثبوت فراہم کرتے وقت انہیں کوئی دقت پیش نہ آتی تھی قرآن کی نعمتِ تامہ سے اُنہوں نے انسانی زندگی کے ازمنہ ثلاثہ کے تمام مسائل کو اس طرح سامنے رکھا کہ کسی کو مجالِ انکار نہ ہو سکی۔

ان کے معیارِ صداقت کی بلندیاں اختلافِ عقائد کی پستیوں سے ہمیشہ دُور رہیں وہ فتووں کے تیروں سے دلوں کو مجروح نہیں کرتے تھے۔ اصلاح زخم ملت کے لئے "نسخۂ شفاء" کو مریض کی طبیعت کا اُتار چڑھاؤ دیکھ کر استعمال فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھ جیسا آزاد فطرت آدمی بھی اُن کے عقائد و اعمال کو اسلام کے سچے عقائد و اعمال کہنے پر مجبور ہے۔

میری زندگی کا بیشتر حصہ ارباب خانقاہ کے شب و روز کا جائزہ لیتے گذرا ہے میں پیرانِ حرم اور مشائخ طریقت کے لیل و نہار کا گہری نظروں سے مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ اس سفرِ حیات کے تلخ تجربات ایک طویل کتاب کی تصنیف کا تقاضہ کرتے ہیں۔ کشائشِ غمِ روزگار نے فرصت دی تو جو کچھ لکھوں گا وہ عجیب تاریخ عبرت و موعظت ہوگی۔

حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ خاتم المحدثین مولانا سید انور شاہؒ کو دیکھ کر اور ان کی چلتی پھرتی زندگیوں کو پڑھ کر مجھے وہ اسلام ملا جو آج کی بداعمالیوں کے اندھیروں میں تقریباً گم ہو چکا ہے۔

ہم نے تصوف کی عقل و خرد سوز سرمستیوں کا وہ ماحول اپنے گھر میں دیکھا ہے جہاں عشق "کی حرکات پر حدِ شرعی جاری کرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی۔ میرے آباؤ اجداد "فنافی الرسول" تھے۔ انہوں نے کبھی علمائے حق کے اشارات کو کافرانہ انداز سے نہیں سنا اور نہ کبھی جراٴتِ تنقید کی۔ اس لئے سلامتیِ طبع کی عینک لگا کر جب میں نے ان اکابر کی "حضوری" کا شرف حاصل کیا تو مجھے وہی سکون ملا جس کی میرے لئے ضرورت تھی۔

یہ لوگ پروانۂ شمعِ نبوت تھے اس لئے "فتووں" کی نگارش کا انہیں ہوش ہی کہاں تھا "عشق" امتحان گاہِ محبت میں فدا ہو جاتا ہے دوسروں کو "کافر" کہنے کی فرصتِ ہوش اسے میسر ہی نہیں آتی۔

مولانا احمد علی صاحبؒ اپنے زمانہ میں "سیرتِ اقدس" کے مبلغ جدید تھے اس لئے ان میں اقطاب کا جلال، سالکین کا جمال اور نظرِ شناسانِ رسولؐ کا مزاج شامل تھا۔ آپ انہیں مردہ کہہ لیجئے مگر میں مرتے دم تک یہ کفرِ عقیدت و خلوص گوارا نہیں کر سکتا۔

بیادِ شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

Sayyad Mohd. Azhar Shah Qaisar
Ibn. Maulana
S. MOHD. ANWAR SHAH SAHAIB
Shah Manzil
DEOBAND, U.P. (INDIA)

ابن الانور سیّد محمد ازہر شاہ قیصر

٧/٥/١٣

بنام مولانا سعید الرحمٰن علوی

عزیز مکرم زاد اللہ مجدکم — السلام علیکم

میں نے لکھا تھا کہ میری صحت خراب ہے دو سال سے یہ عارضہ ہو گیا ہے کہ خود قلم لے کر کچھ لکھنا ہی یاد نہ رہا ہے خود قلم کاغذ لے کر لکھنے بیٹھتا ہوں تو نہ طبیعت میں روانی رہتی ہے نہ خیالات میں تسلسل پیدا ہوتا ہے مجبوراً وقتاً فوقتاً کسی دوسرے آدمی کو کچھ املا کراتا ہوں یہ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کی کرامت ہے کہ صحت کی خرابی [illegible] ذخیرہ علم و فیض [illegible] کے باوجود [illegible] ایک مضمون مرتب ہو گیا اور شاید یہ [illegible]

برگ سبز است تحفۂ درویش

[illegible] دیوبند میں [illegible] مجبوریاں ہیں اور کتابوں کی طباعت [illegible] پاکستان کے جرائد [illegible] شوق سے چھاپا مگر ہماری [illegible] آپ ایسے [illegible] مضامین بھیج [illegible] باہر کے ممالک میں [illegible] لاہور [illegible] دلا کر [illegible] امید [illegible] خطوط [illegible] اس سلسلہ میں

موہڑہ منگوڑ دیال تھانہ ملک محیل کھوڑ ضلع راولپنڈی کی

جو ابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص خادم ہیں جے انہوں نے گود میں

کھلایا ہے ہو سکے تو ان کی زیارت بھی ہو گی (۳) برادر مکرم

مولانا [illegible] سید اختر حسین صاحب محلہ سکندر پورہ [illegible]

نسیم آباد پشاور شہر ۔ میرے حقیقی خالہ زاد بھائی ہیں

ابا جی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی پرورش کی ہے اور ہم سب بچوں

میں سب سے زیادہ محبت اور التفات ان سے فرماتے تو آپ

[illegible] اپنے ہاں [illegible] اور [illegible]

سے [illegible] کر کے ان کا [illegible] اور [illegible]

[illegible]

اور [illegible] ۔ ابھی چند روز ہوئے دارالعلوم [illegible] جلسہ تھا

[illegible] ان [illegible] جلوہ [illegible]

[illegible] شاہ بخاری کی [illegible] ۔ مولانا [illegible]

کی ۳ اور مولانا [illegible] کی [illegible] ایک [illegible]

[illegible] بس [illegible] شامل ہوتا

[illegible] خوب [illegible] ہے انکے نقوش [illegible]

[illegible] ملک کی ۱۲ [illegible] میں دارالعلوم [illegible]

[illegible] قافلے علم کا آخری [illegible]

[illegible] ہوتا تھا

[illegible]

[illegible]

المستغفر الی اللہ

[illegible]

[illegible]

سید انور شاہ [illegible]

راقم نے دیو بند کے ایک اخبار کیلئے اپنی روداد حیات کے اہم اہم واقعات "ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا" کے عنوان سے لکھی ہے اس طویل مضمون کی سات آٹھ قسطیں شائع ہو چکی ہیں ۔ اپنی زندگی میں جن علماء، صلحاء، قومی لیڈروں، شاعروں اور دانشوروں سے سابقہ پڑا ان کے چیدہ چیدہ واقعات بھی اس سلسلہ میں آگئے ہیں۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی اس روداد حیات میں وہ مختصر مضمون آئے ہیں ۔ سچ یہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے میری جو واقفیت ہے عمر بھر اور خصوصیت سے ۱۹۴۳ء میں لاہور کے طویل قیام کے دوران حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا حبیب اللہ مہاجر مکی مرحوم کی عنایات جس طرح میرے شامل حال ۔ وہ ایک طویل داستان ہے جو ان مختصر

مضامین میں قصداً نظر انداز کر دی ہیں خصوصاً مولانا حبیب اللہ صاحب مرحوم کا ایک خواب جو ۱۹۳۳ء میں مولانا نے اپنی دیوبند کی طالب علمی کے زمانہ میں والد مرحوم حضرت محدث العصر مولانا سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیان فرمایا اور مولانا کے پوچھنے پر ابا جی رحمۃ اللہ علیہ نے تعبیر بیان فرمائی کہ:

وہ قریب میں حدیث کا کوئی بڑا خادم اس دنیا سے رخصت ہونے والا ہے۔ مولانا حبیب اللہ مرحوم سمجھ گئے کہ حضرت مرحوم کی بیان کردہ یہ تعبیر خود ان کی ذات سے متعلق ہے۔ اشکبار آنکھوں سے مولانا۔ ابا جی کی مجلس سے اٹھے اور مکان سے باہر سڑک پہ جا کر رو دیتے ہیں میں اس وقت سڑک پر پتنگ اڑا رہا تھا میری عمر اس وقت ۱۲ سال سے زائد نہ تھی، میں نے مولانا حبیب اللہ کو روتے ہوئے دیکھا تو ان سے آکر پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ مولانا مرحوم نے مجھے کچھ نہیں بتایا مگر مجھے سینہ سے لگا لیا اور بہت دیر تک مجھے پیار کرتے رہے۔ دوسرے وقت ابا جی کی مجلس کے بعض اور حاضرین سے معلوم ہوا کہ مولانا حبیب اللہ نے یہ خواب بیان کیا ہے، مولانا کے جواب کے چند روز بعد ابا جی نے ۳۰ مئی ۱۹۳۳ء کی شب میں انتقال فرمایا مولانا کے اس خواب کی تفصیل بھی ان مضامین میں نہیں آسکی افسوس ہے کہ میری صحت بھی خراب ہے اور مجھے مصروفیت اتنی زائد ہے کہ اپنی اس روداد وحیات کو جتنا جی لگا کر لکھنا چاہیئے تھا نہیں لکھ پا رہا ہوں بس جس اخبار میں یہ سلسلہ مضامین نکل رہا ہے اس کے اڈیٹر کے تقاضہ پر ہر ہفتہ بھاگتے دوڑتے ایک دو کالم کہہ دیتا ہوں۔ دل چاہا کر حضرت مولانا احمد علی صاحب کے متعلق اپنے "تاثرات" اہل پاکستان تک بھی پہنچاؤں اس خیال سے دونوں مضامین کی نقل خدام الدین کو بھیجتا ہوں۔

سید ازہر شاہ قیصر

مولانا احمد علی صاحب لاہور کے شیخ التفسیر اور شیخ طریقت تھے لاہور میں ان کی حیثیت ایک روشن چراغ کی تھی جس سے سارا لاہور اور سارا پنجاب جگمگاتا رہا ابھی دس پندرہ برس ہوئے ان کا انتقال ہوا ہے لاہور کے مشہور پبلشر فیروز سنز نے ان کی مفصل سوانح عمری چھپائی ہے مولانا نسلی اعتبار سے سکھ تھے مولانا عبید اللہ سندھی سے قریبی قرابت تھی اور ایسا بھی خیال گزرتا ہے کہ پہلے مولانا عبید اللہ سندھی کی صاحبزادی بھی ان سے منسوب تھیں سنا ہے کہ مولانا نے نظارۃ المعارف دہلی کی خدمات سے سبکدوش ہو کر جب مولانا سندھی بھی اس ادارہ کی خدمات سے سبکدوش ہو کر تحریک شیخ الہند کے سلسلہ میں کابل چلے گئے تھے لاہور میں بڑی بے سرو سامانی کے ساتھ اپنی زندگی اور اپنی تبلیغی جدوجہد شروع کی لاہور اس وقت بریلی عقائد کا مرکز تھا اور دوسرے عقبی مکتب اور ان کے پیرو وہاں بڑی اقلیت میں تھے مولانا احمد علی نے مسجد لائن سبحان خاں میں درس قرآن اور تبلیغی کام کا آغاز کیا، شیرانوالہ دروازہ میں ایک معمولی سی کوٹھری میں رہائش اختیار کی بس یہی کوٹھری ان کی اور ان کے اہل و عیال کی مسکن تھی اس کوٹھری کے ساتھ کوئی صحن تھا نہ سائبان نہ باورچی خانہ تھا اور نہ غسلخانہ۔ مولانا دن بھر مسجد میں مصروف رہتے اور رات کو آکر اپنے اہل و عیال کے ساتھ اسی کوٹھری میں پڑ رہتے کھانے پینے کا انتظام بھی معمول تھا اس لیے کہ نمود و نمائش اور کسب دنیا مولانا کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا۔ اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ مولانا شدید طور پر بیمار ہو گئے، ان کا کوئی شاگرد جو بالکل ناسمجھ تھا اپنی خواہش سے لاہور کے کسی بڑے ڈاکٹر کو بلا لایا جو آج سے ۴۰۔۵۰ برس پہلے ۳۰ روپے فیس لیتا تھا، ڈاکٹر اپنی موٹر سے اتر کر جب اس کوٹھری میں پہنچا تو اسے صاحب خانہ کی معیشت کا اندازہ ہوا۔ مگر پچھلے لوگوں میں شرافت اور اچھے اخلاق کی کمی نہ تھی اس نے توجہ کے ساتھ مولانا کو دیکھا، نہ فیس مانگی، اور نہ دوا کی قیمت مولانا نے اصرار بھی کیا کہ وہ اپنی فیس اور دواؤں کی قیمت لے، مگر اس نے اپنے اخلاق سے مولانا کی خدمت کی اور کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا، مولانا علی الصباح اور رات کو مغرب عشاء کے درمیان لائن سبحان خاں کی مسجد میں قرآن شریف کا درس دیتے تھے، درس کی خصوصیت یہ ہوتی تھی کہ مختصر ہوتا، مگر اس میں ربط آیات، قرآن کے مفہوم و معانی کا صحیح بیان، اور حضرت شاہ ولی اللہ کے فکر کی روشنی میں

قرآنی تعلیمات کی تشریح ہوتی تھی، مولانا پکے حنفی المسلک تھے، مگر اپنے درس اور اپنی پوری زندگی میں فقہی اختلافات کا نہ ذکر فرماتے تھے اور نہ ان پر زور دیتے تھے، یہی وجہ تھی کہ اہل حدیث، بدعتی اور اہل قرآن سب مولانا کے ارد گرد جمع رہتے ان کے درس میں کالج کے پروفیسر، اخباروں کے ایڈیٹر، ریلوے، بنک، اور ڈاکخانہ کے ملازم، بڑے بڑے لیڈر، تعلیم یافتہ اصحاب اور عام آدمی بہت شوق سے شرکت کرتے تھے، مولانا کا اسلوب تعلیم اور ان کی صحبت کے اثرات کچھ ایسے تھے کہ خاموشی کے ساتھ ہی وہ اپنے مخاطبین کو متاثر فرما لیتے تھے، اور ہزاروں آدمی لڑے جھگڑے، اور بحث و مباحثہ کئے بغیر پکے حنفی بن کر نکلتے تھے، لاہور کا شاید ہی کوئی پروفیسر، کوئی لیڈر، اور کوئی ایڈیٹر ایسا ہو جو مولانا سے متاثر نہ ہوا ہو اور اس نے مولانا کے یہاں سے عملی اور دینی شعور نہ پایا ہو۔

مولانا سیاسیات سے پورا شغف رکھتے تھے، کئی مرتبہ ملکی تحریکات کے سلسلے میں انہیں طویل قید و بند کا سامنا بھی کرنا پڑا، تحریک کشمیر، تحریک آزادی وغیرہ میں مولانا مجاہدانہ شان کے ساتھ شامل ہوئے، مولانا کا کمال یہ تھا کہ سیاسی مشاغل میں بھی اپنے درس قرآن کو ترک نہیں فرماتے تھے۔ بجز ان دنوں کے جو آپ کے جیل میں گذرتے تھے، آپ کی مسجد ہر جمعہ قرآن کے طلبہ اور ذاکرین و شاغلین سے بھری رہتی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند سے آپ کا علاقہ بہت قدیم تھا، اور پنجاب میں آپ جمعیۃ العلماء کے ابتدائی داعیوں میں سے تھے، مولانا کی معیشت بہت سادہ تھی، داڑھی بہت لمبی رکھتے تھے کھدر کا کرتہ پائجامہ کھدر ہی کا عمامہ، کرتہ پر بنڈی، کھانا بہت معمولی اور تکلفات کا سامان سر تا سر مفقود، اخیر تک صبر و قناعت ان کا شعار رہا اہل پنجاب و لاہور نے ہزاروں اور لاکھوں روپے مولانا کے قدموں میں ڈالے مگر اس مرد باخدا نے کوئی ایک لمحہ بھی عیش و عشرت میں نہیں گذارا۔ مولانا کو پندرہ سولہ حج اور عمرے نصیب ہوئے، سنا ہے کہ یک بیک حج اور عمرہ کا ارادہ فرما لیتے تھے کوئی سامان اور زاد راہ نہیں ہوتا تھا، مگر وقت کے وقت حق تعالیٰ ان کے لیے مناسب انتظام فرما دیتے تھے۔

کسی نے مجھے بتایا کہ لاہور میں شیخ محمد سعید اون کے بہت بڑے تاجر تھے، انہوں نے مولانا کی اخیر عمر میں ایک شاندار مکان بنا کر اسے فرنیچر سے آراستہ کیا، اور مولانا سے بڑے اصرار کے ساتھ یہ مکان قبول کرنے کی درخواست کی مگر مولانا اپنے پہلے مختصر مکان سے اٹھ کر اس نئے مکان میں تشریف نہیں لے گئے، البتہ اپنے متعلقین کو اجازت دی کہ وہ اگر چاہیں تو اس مکان میں رہائش اختیار کر سکتے ہیں مجھے یہ ماننے میں قطعاً کوئی تامل نہیں کہ مولانا مرحوم اسوۂ رسول و صحابہ کے متبع، بجرات مند مجاہد، ایک باعمل مبلغ اسلام اور صاحبدل شیخ طریقت تھے حق تعالیٰ نے امت کو ان سے بڑا فائدہ اور فیض پہنچایا۔

ابا جی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت شیخ العصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے حضرت مولانا بطور خاص عقیدت مند تھے اور اسی واسطے سے احقر سے بڑی شفقت فرماتے تھے، میں تقسیم سے پہلے جب کبھی لاہور جاتا تو مولانا کے یہاں ضرور حاضر ہوتا، اور وہ بے پناہ محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے اسی طرح جب کبھی وہ دیوبند تشریف فرما ہوتے تو ضرور ہمارے گھر پر قدم رنجہ فرماتے، اور ایک آدھ وقت ماحضر تناول فرما کر ہمیں خوشی اور عزت کا موقع دیتے تھے۔

جہاں تک میرا خیال ہے مولانا نے دیوبند میں تعلیم نہیں پائی تھی مگر سب ہی علماء دیوبند سے ان کے گہرے روابط تھے، اور وہ دل سے سب کی قدر و منزلت فرماتے تھے۔

انجمن خدام الدین کے سالانہ جلسے

اپنے اس کالم کے پچھلے شمارہ میں میں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی زندگی پر روشنی ڈالی تھی مگر بہت مختصر اور وجہ یہ ہے کہ میری فرصت بھی محدود ہے اور صحت بھی اس قابل نہیں کہ مختلف ذمہ داریوں کو بیک وقت نبھا سکوں لیکن مولانا

احمد علی کے ذکر میں اگر انجمن خدام الدین کے جلسوں کا حال بیان نہ کیا جائے تو اس سے مولانا مرحوم کا ذکر خیر نامکمل رہے گا۔
مولانا نے لاہور میں خدام الدین کے نام سے ایک انجمن قائم کی تھی جس میں اور بہت سے تبلیغی کاموں کے ساتھ تبلیغی رسائل و پمفلٹ اور بڑی بڑی کتابوں کی اشاعت کا کام بھی ہوتا تھا اس انجمن نے لاکھوں کی تعداد میں تبلیغی رسائل اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ قرآن مولانا احمد علی صاحب کے حواشی کے ساتھ شائع کیا جس کے متعدد شاندار ایڈیشن چھپ کر اطراف عالم میں پھیل چکے ہیں اور مقبول ہیں۔

مولانا اس انجمن کا سالانہ جلسہ بھی فرماتے تھے جن کی خصوصیت یہ ہوتی تھی کہ مولانا ملک کے منتخب روزگار علماء کو جلسہ میں جمع فرماتے اور ان کے درس حدیث و قرآن اور عالمانہ مواعظ سے پورے پنجاب کو مستفید ہونے کا موقعہ ملتا ان جلسوں میں حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا احمد سعید دہلوی سید عطاء اللہ شاہ بخاری مولانا حسین علی صاحب واں بچھراں والے۔ مولانا حبیب الرحمن عثمانی، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ڈاکٹر سر محمد اقبال، مولانا ظفر علی خاں پابندی کے ساتھ شریک ہوتے اہل پنجاب کو اس سالانہ جلسہ کا شدید انتظار رہتا اور پنجاب سرحد سندھ تک کے ہزاروں علماء اور عوام اس موقعہ پر لاہور میں جمع ہوتے مولانا احمد علی صاحب بطور خاص اپنی مسجد لائن سبحان خاں میں حضرت علامۃ العصر مولانا سید انور شاہ کشمیری کے درس بخاری شریف کا اہتمام کرتے اس درس میں علماء و طلبہ کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ بکثرت شامل ہوتا اور حضرت مرحوم کا درس کئی دن تک چلتا پنجاب کے مشہور صحافی اور اہل قلم جناب عبدالمجید صاحب سالک مرحوم نے اپنی سرگذشت حیات میں خاص طور پر حضرت علامہ کے اس درس کا اور مشہور مصنف و اہل قلم مولانا غلام رسول مہر کی شرکت کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ۔

وہ مہر صاحب نے مجھ سے کہا کہ حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری کا درس بخاری ہے سالک صاحب چلئے! اس میں شریک ہوں اللہ کی بارگاہ میں ہمیں کم از کم یہ کہنے کا موقعہ ملے گا کہ ہم نے اس زمانے کے سب سے بڑے محدث سے حدیث سنی ہے۔"

(حرف و حکایت مصنفہ عبدالمجید سالک)

انجمن خدام الدین کے انہی جلسوں میں سے ایک جلسہ میں مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مرحوم نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی امارت کی تحریک کی جس کی حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے تائید فرمائی اور اس جلسہ میں ۵۰۰ جید علماء نے شاہ صاحب بخاری کے ہاتھ پر بیعت کی اسی جلسہ میں راقم بھی اپنی کم عمری کے باوجود شریک تھا یہ آج سے ۴۸ سال پہلے کا واقعہ ہے لیکن نظروں میں ابھی تک مجمع کی بے تابی سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی رقت و اثر پذیری اور ہزاروں آدمیوں کا بیعت کے لیے دیوانہ وار آگے بڑھنا یہ سب مناظر محفوظ ہیں دوسرے دن صبح کو لاہور کے مشہور اخبارات زمیندار، انقلاب اور ڈاکٹر شیخ محمد عالم کے روزنامہ "مساوات"، نے بہت نمایاں طور پر امارت شرعیہ کے قیام اور امیر کے انتخاب کی یہ خبر اپنے صفحات پر شائع کی پنجاب کے مشہور صحافی مرتضیٰ احمد خاں میکش اس زمانہ میں روزنامہ انصاف لاہور سے نکالتے تھے اس کا وہ پرچہ سالہا سال تک میرے پاس محفوظ رہا جس میں امارت کی ضرورت اور اس کی شرعی اہمیت اس موقعہ پر کی گئی حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی نہایت پر اثر تقریر شائع ہوئی تھی افسوس ہے کہ مجھے کتابیں، اخبارات اپنے مطبوعہ و غیر مطبوعہ مضامین اور کتابوں کے مسودات محفوظ رکھنے کا سلیقہ کبھی نہیں رہا۔ اور ایسی بہت سی چیزیں میرے پاس ضائع ہوگئیں اس تقریر میں حضرت مرحوم نے امارت شرعیہ کا ایک قانونی نقشہ پیش فرمایا حضرت علامہ کی ایک اور تقریر تھی جو مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے پوتے منصور علی خاں کی رسم ختنہ پر مولانا ظفر علی خاں کی طرف سے بلائی گئی ایک تقریب میں دفتر "زمیندار"، میں حضرت نے فرمائی تھی اسی تقریر کی رپوٹنگ مشہور صحافی جناب چراغ حسن حسرت نے اخبار "زمیندار"، میں کی تھی اباجی کے خاص شاگرد اور خادم دیرینہ مولانا عبدالحنان ہزاروی

رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور سے راولپنڈی جاتے ہوئے ریل میں یہ تقریر زمیندار اخبار سے اباجیؒ کو سنائی تو انہوں نے اس کی تحسین فرمائی آج کی دنیا میں جلسے اور عوامی اجتماعات روزمرہ کی بات ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ عوام کو نصف زندگی جلسوں جلوسوں اجتماعات اور تقریبات سے عبارت ہے مگر اب سے ۴۰ سال پہلے انجمن خدام الدین کے یہ جلسے احیاء سنت اتباع شریعت دعوت و ارشاد فیوض قرآن و حدیث متبحر اور مقدس علماء کے اجتماع اور اپنی روحانی برکات کے لحاظ سے بے مثال تھے افسوس ہے کہ نہ اب مقدس علماء کی وہ صف باقی ہے نہ حضرت مولانا احمد علیؒ اور نہ انجمن خدام الدین کے یہ جلسے۔

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

سید انور شاہ میو

مسعودی نظر شاہ
استاذ تفسیر و حدیث دارالعلوم دیوبند

شیخ التفسیر حضرت لاہوری رح

۷۸۶

مخدوم و محترم ... زید لطفکم

Date ۹ / شعبان

جناب مولوی صاحب کو مخلص کے سلام بعد اشتیاق

خدام الدین کا کوئی نمبر یادگار حضرت شیخ التفسیر مرحوم شائع کرنے کا ارادہ ہے
اس کے لئے مقالہ طلب کیا تھا حضرت مرحوم سے شرف نیاز ملاقات ایک ہی بار اور بہت مختصر
رہی ہے اس لئے اس عنوان پر کوئی مضمون حاصل نیاز شرف محض تحریر پیش کرنے سے قاصر
قاصر ہوں صرف ایک تاثر ... امید داخل ہونے کا ... ہے ... بچہ ... تحریر پیش
کرادی اگر پسند خاطر عالی ہو تو شائع فرمادیں ... دیگر ... منافع زائد
کو مقدم فرماتیں ... اخبار واپس لوٹا دیں ایسا ضرور ... اگر خدام الدین
احقر کے نام جاری فرمادیں تو شکر گزار ہوں گا ... مولانا ... حضرت والد صاحب کی کتاب
خاتم النبیین فارسی کا اردو ترجمہ شائع ... آنمخدوم ... کرنا ... اس کا
ایک نسخہ حاصل ... کو عنایت فرمائیں ...
مینا ... کا یوسف نمبر ... نہیں ... گا اگر ...
ترسیل کی شکل تجویز فرمائیں ... امید ...

... ۱۶/۸ ...

والسلام

کہنے والے نے کہا تھا اور کس قدر سچ کہا تھا کہ:

"میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن اور دوسرا خانوادۂ نبوت اگر تم ان کو تھامے رہو گے تو گمراہ نہیں ہوگے"

اس ارشاد سامی پر اگر وہی فارسی کا مشہور مصرعہ دہرایا جائے یعنی . . . . بریں قول گر جاں بباز م رواست تو جاں سپاری کا مظاہرہ کرنے والا صدیق خو بو کا واقعی حامل ہوگا۔ چودہ سو سال کا طویل عرصہ اطلاع دینے والے کی اطلاع پر گزر چکا مگر اس ارشاد کی گہرائی و گیرائی پر تجربات و مشاہدات کے نتیجہ میں غلط گوئی کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا اسلام کے مرکز جمیل کی جانب سمٹ سمٹ کر آنے والے ان ہی دو چیزوں کے بنیاد پر تھے۔ اور خدا اور اس کے بندے کے درمیان اس مضبوط معاہدہ (اسلام) سے کٹنے والے بھی ان ہی بنیاد پر تھے۔ اس ارشاد کی جامعیت اس طرح صاف اور واضح ہے کہ قرآن میں مؤمنانہ زندگی کا بھرپور نمونہ بہم پہونچایا گیا ہے اور اسی نمونے کی عملی شکل و صورت نبوت کے دودمان عالی کی چلتی پھرتی صورتوں میں جلوہ گر ہے۔ اگر کبھی اس عترتی کے مفہوم میں وسعت پیدا کرتے ہوئے اس ایک لاکھ کے جم غفیر کو بھی شامل کر لیا جائے۔ جس کی قیادت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شروع ہو کر اس دم قدسی پر ختم ہو رہی ہے جو بعنوان صحابی اس دنیائے دوں سے سب سے اخیر میں اپنا تعلق توڑنے والا تھا۔ اور پھر کوئی وجہ نہیں کہ مشہود بالخیر القرون کو بھی عترتی میں داخل نہ کر لیا جائے اور کیا مانع ہے کہ پھر اس عہد تک ان ربانی علماء کو شامل نہ کیا جائے جو بنص حدیث و قرآن نبوت کے کاروبار کو نبی نہ ہونے کے باوجود صبح ازل تک کھینچ کر لے جائیں گے۔ تو اس حقیقت آمیز ارشاد کی وسعتوں پر ایک طویل تاریخ بطور وثیقہ موجود ہوگی قرآن کا استعمال اس جماعت نے بھی کیا جنھوں نے بیشہ شجاعت و علمبردار میدان بسالت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں اپنی شکست کو فتح سے بدلنے کے لیے ان الحکم الا اللہ کہتے ہوئے مقدس صحیفوں کو نیزوں پر بلند کر لیا تھا اور انہوں نے بھی قرآن ہی سے اپنے حسن کردار کا جواز داستنفاد پیش کیا۔ جو بعد خلفائے راشدین ایوان اسلام میں زبردستی گھس آنے والوں کے لیے رکاوٹ کا کام دے رہے تھے۔ غرض کہ اسلام کی مسلسل تاریخ قرآن کے صحیح و غلط استعمال کی ایک تابناک و اندوہناک پردہ دار رخوں کی نقاب کشائی کرنے والی تاریخ ہے۔ اور ٹھیک اسی طرح "عترتی" کو امام بنا لینے میں۔ ایک سچا و پکا طرز عمل بھی موجود ہے اور ایک ناقص و متعفن کردار بھی سیدنا علی اور ان کے جگر پیوند صاحبزادے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی محبت میں سرشار جس فرقے نے اسلام کی رسوائی کا سامان بہم پہنچایا ہے۔ اور جو صدیوں سے جفائے وفا نما کا بدترین مظاہرہ کر رہا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے دل و دماغ کے منظر پر عترتی کے محبت کے نقوش موجود نہیں۔ مگر کیا یہ غلط نقوش اس مخلصانہ و دبیز تعلق کی صحیح تصویر ہے جو کہنے والے نے اپنے مذکورۃ الصدر ارشاد میں چاہی تھی۔ تمام ہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو غاصب ثابت کرتے ہوئے یا غصب کی کاروائی میں شریک سمجھتے ہوئے طعن و تشنیع کی زبان کھول دینا محمد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپۂ ہدایت ارشاد کی تکمیل ہے، میں نہیں سمجھتا کہ ہوش و حواس کی سلامتی کے باوصف شیعیت کے طومار کو کوئی بھی کچا پکا مسلمان اسی شکل و صورت میں قبول کرنے کے لیے تیار ہوگا۔ جس کا نمونہ اسلامی سال کے پہلے مہینہ کی پہلی دہائی میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ سینہ کوبی، تعزیہ برداری، سب صحابہ اور مقدس جماعت کے لیے بلا جھجک طعن و تشنیع ان دس دنوں کی ایک دل دوز سرگزشت سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ ظاہر ہے کہ عترتی کے عنوان پر یہ سب کچھ کرنے والے اسی عنوان سے اسلام سے کٹ رہے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی دیکھئے کہ القرآن ہی کو بلا شرکت غیرے امام ہدایت قرار دے کر تا آنکہ اس کی سب سے زیادہ دل آویز تصویر حدیث کو بھی صاف صاف نظر انداز کرنا اپنے اندر ہدایت کی روشنی رکھتا ہے پس اس شاہراہِ اعظم سے نکلنے والی ایک وہ پگڈنڈی بھی ہے جس پر چل کر ہلاکتوں کے تیرہ و تار گھڑوں میں الجھنے کے سوا اور کچھ نصیب نہیں اور وہ خطِ مستقیم بھی یہیں سے دکھائی دیتا ہے جس پر گامزنی مقصود تک پہنچنے کی سب سے بڑی ضمانت ہے اس ہیچ میرز تحریر میں چودہ سو سال کی اس تاریخ کا جائزہ ہرگز مقصود نہیں جس میں قرآن شناس طبقہ قرآن اور اس کے ملحقات کو امام بنا کر دنیا کو ایک حقیقی صداقت کے سرمدی نغموں سے محظوظ کرتا رہا اور اتنی لمبی چوڑی تاریخ کو چند صفحات میں لپیٹ لینا ممکن بھی کیسے ہے؟ راقم الحروف تو خود اپنے اور آپ کے اسی ہندوستان میں محصور رہ کر چند باتیں بھی کار آمد اگر کہہ جائے تو بڑی بات ہوگی۔

بہر حال عرض و معروض کا مقصد یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب آزادی و حریت کے گلے پر فرنگی اقتدار نے اپنا آہنی پنجہ رکھ کر نام نہاد آزادی کا گلا گھونٹتے ہوئے غلامی کے دیو پیکر طاغوت کو ہندوستان کی حکمرانی سونپ دی۔ تو غریب مسلمان کے ساتھ خود اسلام بھی ہندوستان میں دورِ غربت میں دھکیل دیا گیا ٹھیک انہی سالوں میں جس خانوادہ کی علمی عظمتیں اور علمی رفعتیں ہندوستان میں اسلام کے ناتواں جسم میں حیات تازہ کا خون دینے کی کوششوں

میں مصروف تھیں اس خانوادہ کے امام کبیر حضرت شاہ ولی اللہ اعلی اللہ مقامہ نے ایک جانب قرآن کو پکڑا تو دوسری طرف حدیث کو قرآن میں آپ کا ترجمہ فارسی اور امام مالک کے "موطا" کا تشریحی سرمایہ اسی جدوجہد کا سنگ میل ہے۔ شاہ عبدالعزیز کی تفسیر عزیزی شاہ عبدالقادر کا موضح القرآن شاہ رفیع الدین کا ترجمہ پھر دلی کا وہ معروف مدرسہ جس کے حصار کہنہ میں بیٹھ کر اس خاندان کا ہر فرد اسلام کی گئی ہوئی عظمت کو واپس لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپ کی نظر میں ایک لمبا سوچا سمجھا منصوبہ یا منزل سے ہٹ کر رواں دواں ہوتے کا پروگرام تھا۔ دن کے اجالے میں اگر وجوہ آفتاب کا انکار ممکن نہیں تو تاریخی وثائق کی جلوہ رنگینیوں میں دلّی کے ولی اللّٰہی خاندان کی منصوبہ بند اسکیم کی اثر آفرینیوں کا انکار کون کر سکتا ہے؟ قرآن و حدیث کے لیے قائم مدرسوں نے ہندوستان میں کیا کچھ کیا اس کا فیصلہ کرنے کے لیے قریہ بقریہ گاؤں در گاؤں اسلامی مدارس کا مسلسل وجود خود ایک شاہد ہے۔ ع۵

ع۵ چند سال گزرتے ہیں کہ دہلی کے دفتر جمعیتہ العلماء مسجد عبدالنبی میں مولانا فاخرالہ آبادی مرحوم کے فلذ الکبد مولانا شاہد فاخری مرحوم (کے باپ اور بیٹے بریلویت سے قریب تر ہونے کے باوجود حلقۂ دیوبند سے بھی قریب ذہنی ہم آہنگی کے استوار رشتے رکھتے) موجود تھے انھی مولانا شاہد فاخری نے نجی و دوستانہ گفتگو میں چند دیوبندیوں کو مخاطب کر کے عجیب سوال کیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو کہ ہند بشمول پاکستان میں بریلویوں کی تعداد زیادہ ہے یا دیوبندیوں کی؟ جواب میں تازہ سرکاری شمار کی مدد لیتے ہوئے خود مرحوم نے دوٹوک انداز میں بتایا کہ بریلویوں ہی کی تعداد زائد ہے۔ لیکن انہیں اس کا بھی اعتراف تھا کہ عددی اکثریت کے باوجود دیوبند کا اقلیتی فرقہ ہند و پاکستان کے جزو کل پر محیط ہے۔ وجہ اس کی انہیں کے یقین و دانست میں یہ تھی کہ ہمارے پاس کوئی دارالعلوم دیوبند نہیں اور نہ اس کی تشاخ در تشاخ مدرسے لطف لے کر کہتے کہ ان مدارس کی مشین سے جو سال بھر کی مدت میں تم سینکڑوں پرزے تیار کرتے ہو ہند و پاک کے گوشہ گوشہ میں یہ ان ہی آوازوں کے لیے بازگشت بن جاتے ہیں جوان کے کانوں کی راہ سے دلوں کی دنیا میں بٹھائی جاتی ہیں یعنی بدعت حرام ہے "قیام حرام ہے"۔ فاتحہ مروّجہ حرام ہے، عرس حرام ہے، قوالی حرام ہے، یہ حرام ہے اور وہ حرام ہے۔ مرحوم متاسفانہ انداز میں کہتے کہ کاش میرا فرقہ کوئی دارالعلوم قائم کرتا تو کلوخ انداز را پاداش سنگ است کا منظر سامنے ہوتا۔

اسے لطیفہ نہ قرار دیجیے بلکہ در حقیقت یہ مدرسے کی طاقت و قوت کا ایک مؤثر و بلصرانہ اعتراف تھا۔ گجرات کی سرزمین میں خود راقم الحروف کو بھی مدرسہ کی طاقت کا اندازہ ہوا یہ بے بضاعت چند مخلصین کی دعوت پر ہر سال گجرات کا ایک سفر کرتا ہے گجرات کے الونو سلونو کھاتے، ہلکی پھلکی مٹھائی، طرح طرح کے اچار و مربّے من بھاتے ماکولات تھے کہ اس گجرات گشت دورہ میں راج پیپلہ ایک شہر کو بھی شریک کیا گیا سفر اس شہر کا بھی اسی تخیل کے تحت تھا کہ گجرات کی پرتپاک ضیافتیں یہاں بھی پیشوائی کے لیے موجود ہوں گی۔ مگر کیا عرض کروں کہ راج پیپلہ میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی کیسا استقبال کہاں کی پذیرائی؟ فروکش ہونے کے لیے بھی ایک تنگ و تاریک مسجد تھی چند ہی گھنٹے اس بیت اللہ میں گزرے تھے کہ عوام کی ایک بھیڑ نے یلغار کرتے ہوئے نہ صرف اسی تہی قسمت کو نکال دیا بلکہ مسجد کی بھی تطہیر کی گئی صورت حال کی سنگینی سے یہ ناتجربہ کار کسی سابقہ تجربہ کے نہ ہونے کی بنا پر ناآشنا تھا۔ معلوم کرنے پر بتایا گیا کہ یہ بریلویوں کی وہی جماعت ہے جو دیوبند کی کفر سامانیوں سے آزردہ ہو کر خدا کے گھر میں بھی چند ساعتی ان کے قیام کو گوارا نہیں کرتی لطیفہ کی بات ہے کہ سیدنا امام ابوحنیفہ کے فقہی مکتبۂ فکر سے پوری وابستگی کے باوجود مسجد میں دیوبندیوں کو قیام کی اجازت نہیں درآنحالیکہ امام اعظم کفار کو بھی مسجد میں مطلقاً آنے کی اجازت دیتے ہیں بہرحال مسجد سے بیک بینی و دو گوش نکلنے کے بعد قیام راج پیپلہ میں ایک پائیں خانہ کے بالکل قریب تھا جلسہ شروع ہوا تو سامعین کی تعداد تین تھی۔ سال آئندہ میزبان جنھیں دیوبندیت کو پھیلا دینے کا شوق تمام ہے خاتمہ پر پھر راج پیپلہ کے لئے مصر ہوئے حقیقت یہ ہے کہ راج پیپلہ کے تصور سے بھی یہ ناتواں گھبراتا اور ان ساری ضیافتوں کا مزا کرکرا ہو جاتا جو گجرات ہی کے دوسرے علاقوں میں کام و دہن کی لذت آفرینیوں کا موجب بن چکی تھیں۔ مگر مرتا کیا نہ کرتا دست بدست دیگرے پا بدست دیگرے راج پیپلہ پھر پہنچنا پڑا اس سال سامعین کی تعداد سات تھی۔ چند سال اس تلخ تجربہ کے بعد مجھے دیوبندیوں کا وہی آزمودہ نسخہ یعنی ایک ہلکے پھلکے مدرسہ کے قیام کی بات سوجھی جیسے تیسے مدرسہ قائم کر دیا گیا تو گذشتہ سال راج پیپلہ کی زمین پر خزاں کے جھکڑ کے بجائے بہار کی شمیم زنگر بزیاں گھومتی ہوئی ملیں۔ بجائے نفرت کے محبت، مخاصمت کے بالعوض موافقت دیکھنے میں آئی۔ جلسہ میں سینکڑوں کا مجمع تھا۔ اور ہر ایک واقعتہً دیدہ و دل فرش راہ! صورت حال کے اس انقلاب پر میں نے ایک گھاگ بریلوی سے پوچھا کہ یہ تبدیلی کس طرح آئی؟ تو اس دیدہ ور کا جواب تھا کہ آپ کے مدرسہ نے ہمارے بچوں کو بدلا بچے ماؤں میں تبدیلی کے موجب بنے اور صنف نازک نے ہمیں انقلاب پر مجبور کر دیا۔

یہ ہے وہ مدرسہ کی طاقت جس کا اقرار مولانا فاخری مرحوم نے کیا تھا حضرت شاہ ولی اللہ کے مدرسہ کے حدود اثر سمجھانے کے لیے بے بضاعت کو یہ لمبا چوڑا حاشیہ بھی قلم بند کرنا پڑا۔

جو جانتے ہیں۔ انھیں تو بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن ہندوستان میں اسلامی تاریخ سے ناواقف حلقہ کے لئے عرض ہے کہ کج کلاہ شہنشاہوں کی قوت و طاقت کے سہارے جب ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا لہرایا تو وہ کسی مغلوب نہیں "غالب" مفتوح نہیں بلکہ فاتح قوم کا بلندیوں پر لہرانے والا پرشکوہ پھریرہ تھا۔ پھر اس کے ساتھ اسے بھی لگا لیجئے کہ ہندوستان کی زمین پر موجود مذاہب مشنری ادیان سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ رہا بدھ ازم تو وہ ہندوستان کے میدان کو یا خالی کر چکا تھا۔ یا انخلاء کے لئے پرتول رہا تھا۔ اس گردوپیش میں ہندوستان میں اسلام کو کسی ایسے مزاحم و متصادم مذہب سے سابقہ نہیں تھا۔ جو اسلام کے بنیادی افکار اساسی اقدار کے لئے چیلنج ہوا اور غالباً یہی وجہ ہے۔ کہ بہت جلد اسلام کو ہندوستان میں اپنے تاثر قائم کرنے کا موقعہ ملتا رہا۔ بلکہ یہ مذہب اپنی خوبیوں اور رعنائیوں کی بنا پر دوسری ملتوں کے لئے پرکشش دعوت تھی۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد برطانوی قوت ہندوستان کے جزو کل پر چھا گئی تھی۔ اس کا معاملہ قطعاً دوسرا تھا۔ مسیحیت جو اپنے لئے دعوتی پروگرام کی مدعی تھی۔ اور اپنے تصورات کو زبردستی مفتوح ملک پر مسلط کرنے کے سفاکانہ طور وطریق اپنانے میں بھی متامل نہ تھی۔ نتیجۃً ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے مضبوط ہونے کے ساتھ ہی عیسائیت کی نشرواشاعت کے لئے اس ملک کو ایک کارآمد وزرخیز علاقہ قرار دیا گیا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ اس وقت کے ہندوستان کے موجود مذاہب میں اگر کوئی عیسائیت کے سیلاب بلا کو روکنے کے مذہبی جوش وخروش سے مسلح مذہب تھا۔ تو وہ صرف اسلام تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں جگہ جگہ مناظروں کے کارزار برپا ہوگئے۔ جن میں نصرانیت اسلام سے براہ راست دست گریبان ہونے لگی۔ پادری فنڈر کی ہنگامہ خیزیوں کے لئے مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی کا کامیاب تعاقب اسی عہد کی یادگار ہے۔ اور پھر یہ رستاخیزی دور اس وقت تک ہندوستان میں قائم رہا۔ جب تک کہ ہندوستان کی اقوام نے سیاسی مرکزیت پیدا نہ کر لی۔ سو سال سے زائد پہلے ہندوستان کا یہ مختصر نقشہ جو اجمال واختصار کی کوششوں کے ساتھ قارئین کے روبرو ہے۔ اس کو سامنے رکھکر ذرا سوچئے کہ تثلیث کا وہ پشتارہ جو فرنگی اقتدار کی کمر پر لاد کر پادریوں کا جم غفیر ہندوستان پہونچ رہا تھا۔ اس زہر کے لئے تریاق بجز اس کے اور کیا تھا کہ توحید کے ان اساسی تصورات کو بقوت اچھالا جائے جو اسلامی معتقدات میں قوام کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ سے وابستہ تحریک جہاد کے دور میں جب توحید کے چشمۂ صافی پر تثلیث وشرک، بدعات ومحدثات کا گرد وغبار جمنے لگا تو اس تحریک سے وابستہ ہر فرد خصوصاً حضرت شاہ اسماعیل علیہ الرحمہ نے حقیقت توحید کو جس مضبوط انداز میں نمایاں کیا وہ ولی اللٰہی خانوادہ کی مسعود جد وجہد کا ایک نمایاں کردار ہے۔ غرضیکہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے برفرد نے ہندوستان میں اسلام کے احیا ونشاۃ ثانیہ کے لئے وہ کوششیں انجام دیں۔ جو ہندوستان کی تاریخ میں زرین عنوان سے لکھی جائیں گی۔ اور جس کے دوررس اثرات ہمیشہ فروزاں وتاباں رہیں گے۔

راقم الحروف تو یہ عرض کر رہا تھا۔ کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرنگی اقتدار کے بڑھتے ہوئے۔ سیلاب کو روکنے کے لئے قرآن وحدیث ہی سے بھرپور مقابلہ کیا۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں۔ تو مجھے بتایا جائے۔ کہ خود شاہ صاحب کی تفسیر قرآن کے بعد فارسی ہی میں تفسیر عزیزی کی کیا ضرورت تھی۔ اور موضح القرآن کے بعد شاہ رفیع الدین المرحوم کے لئے ایک نئے ترجمہ کا کیا داعیہ تھا۔ کیا یہ حضرات صرف اپنے بے پناہ علم کا اظہار کر رہے تھے۔ یا نخواہی نخواہی قرآنیات میں اضافہ صرف نجات آخرت باور کر رہے تھے۔ اور پھر کیا بات تھی۔ کہ اسی تحریک کے امام سادس مولانا محمود حسن المعروف بشیخ الھند نے مالٹا کی اسارت کے دور میں قرآن مجید ہی پر سعی وکاوش اپنے لئے ضروری قرار دی ان مربوط ومسلسل کوشش کو بخت واتفاق کی فہرست میں کب تک داخل کیجئے گا؟ خدا جانے میں قارئین کو یہ حقیقت سمجھا سکوں؟ جسے ایک عرصہ سے اپنے دماغ میں سمیٹے ہوئے ہوں۔ کہ قرآن وحدیث پر جو محنت ہندوستان میں کی گئی کہ قرآن کے تراجم، اس کی تفاسیر، فوائد وحواشی، پڑھانے کے لئے درس گاہیں سمجھانے کے لئے مسجد میں شبینہ وصبح گاہی دروس قرآن کوئی بلاوجہ بات نہیں۔ بلکہ ایک ایسا منصوبہ ہے۔ جس کی گہرائی وگیرائی، بلاشائبہ تکلف ذکر تدبر کئے جاسکتے ہیں۔ پھر یہ قرآن کی تفسیر وترجمہ کا سلسلہ اس وقت بھی کیوں اختیار کیا گیا۔ جب ریگستان سندھ کا ایک بیدار مغز انسان اپنے استاذ کی جانب سے دلی کی پرسکون سیاسی زندگی میں تموج پیدا کرنے کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ اگر صرف سیاسی ہلچل پیدا کرنا ہی پیش نظر تھی۔ تو شیخ الھند علیہ الرحمۃ، مولانا عبید اللہ سندھی المغفور سے اس مقصد کے لئے کوئی اور کام بھی تو لے سکتے تھے۔ پھر یہ کہکر بھی آپ اپنی جان نہیں بچا سکتے۔ کہ ریشمی رومال کی تحریک کے منصوبہ کو نظر بد سے۔ بچانے کی یہ تدبیر تھی اگر یہ کہئے گا۔ تو اس پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے۔ کہ اپنے پرخروش مقاصد کو مستور رکھنے کے لئے دوسری صورتیں بھی اختیار کی جاسکتی تھیں۔ آخر قرآن کا ترجمہ وتفسیر ہی اس کام کے لئے انتخاب کیوں ہوا؟ اور یہ بھی صرف قارئین کے ذہنوں میں اس حقیقت کو اتارنے کی ایک کوشش ہے۔ جو میرا اپنا ایک یقین ہے۔ ورنہ راقم الحروف کے لئے تو شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ سے لے کر مولانا احمد علی صاحب طاب اللہ ثراہٗ تک

قرآن کو اساس بنا کر جو بنیادی کام لیا گیا ہے۔ وہ اس درجہ مربوط ہے کہ اگر ایک کڑی بھی درمیان سے ٹوٹ گئی تو ان اکابر کے مساعی کا پورا سلسلہ بھکر جائیگا۔

بہر حال مولانا احمد علی صاحب مرحوم جن کی شخصیت و کردار پر شکستہ قلم یہ ایک ناقص مرقع تیار کر رہا ہے۔ ان کے علوم و کمالات اور رنگ بارنگ شخصیت کے دیدہ زیب و دل افروز حدود اربعہ کسی شفاہی ملاقات کے نتیجہ میں خاکسار کے مشاہدات نہیں ہیں۔ غالباً ۱۹۴۱ء میں جب یہ سراپا تقصیر حقیر اپنی والدۂ مرحومہ کے ساتھ زندہ دلان پنجاب کے سدا بہار اور سرسبز مرغزار لاہور میں مقیم تھا۔ تو اپنے ایک عزیز محمد سعید صاحب مرحوم کی معیت میں ایک روز عصر تا مغرب حضرت مولانا احمد علی صاحب کی پرانوار مجلس میں حاضری و باریابی میری سعادت تھی۔ کم سنی کے جس دور سے اس وقت گزر رہا تھا۔ طول عمری کے اس بے شعور عہد میں اس بابرکت مجلس کے ملفوظات یاد رکھنے کا کیا سوال؟ لیکن مولانا کی ریش مبارک کا طول و عرض آج بھی محفوظ ہے۔ اور ذاکرہ اسے بھی فراموش نہ کر سکا۔ کہ مرحوم نے ایک رقم اپنے گریبان سے متصل اندرونی جیب سے نکال کر اس بے بضاعت کی جیب میں ڈالی تھی۔ اور یہ معلوم ہونے پر کہ والدۂ مرحومہ میری بہن کے ساتھ یہیں لاہور میں مقیم ہیں۔ ایک روز اپنے یہاں مدعو کیا اگر میں بھولتا نہیں۔ تو بالائی منزل پر انگیٹھی اور اس پر رکھے ہوئے توے پر مچھلی کے کباب مہمانوں کے لئے تیار کئے جا رہے تھے۔ اب اسے مرحوم کے اخلاص و للہیت کی برکت ہی کہئے کہ آج تک ہندوستان و بیرون ہند کی دعوتوں میں اس ذائقہ کی مچھلی پھر نصیب نہیں ہوئی۔ جس کی یاد سے کام و دہن اب بھی لذت اندوز ہوتے ہیں۔

کلپتر اگوئی کا حاصل یہ ہے۔ کہ مولانا احمد علی پر جو کچھ بھی لکھ رہا ہوں۔ وہ شنیدہ روایات پر مبنی ہے۔ جس کا وزن دیدہ کے مقابلہ میں بہر حال کم ہی ہے۔ درخت اگر اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ تو مولانا کو جس جلیل شخصیت کی آغوشِ تربیت نصیب ہوئی۔ وہ ان کا سب سے بڑا تعارف ہے۔ کونسی شخصیت؟ جس کی دیدہ وری کا میں اور آپ نہیں بلکہ عالمی سیاست کا سب سے بڑا شاطر فرنگی بھی قائل و معترف رہا۔ شیخ الھند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر رولٹ کمیٹی کی رپورٹ

اس سفر کی بھی عجیب و غریب داستان اور اندوہناک پس منظر ہے میرا عزیز بھائی اور اپنے والدین کے لیے محبوب محمد اکبر شاہ المرحوم بعمر ۴ سال جب دنیائے دول سے اٹھ کر اپنے نامور باپ کی آغوش شفقت کی زینت بن گیا تو اس روح فرسا سانحہ کو برداشت کرنے کا حوصلہ والدہ مرحومہ میں نہ تھا انہوں نے شعور کی آنکھیں ابھی کھولی بھی نہیں تھیں کہ ان کے والدین کا حادثۂ رحلت اور یتیم زندگی کا واحد سہارا بڑے بھائی کا حادثہ بلکہ دلی کی راجدھانی ان کی بڑی بہن کو بھی نگل گئی ان پے بہ پے حوادث کا بوجھ وہ اپنے پشتِ زندگی پر اٹھائے ہوئے حضرت علامہ کشمیری کے حرم میں داخل ہوئیں۔ تو یہاں چند ہی سال سکون و عافیت کے گذرے تھے کہ چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات کا منظر سامنے تھا۔ یعنی حضرت شاہ صاحب کی رفاقت بھی یکایک ختم ہو گئی۔ اس جان گداز حادثہ کے غم سے وہ سنبھلنے بھی نہ پائی تھیں کہ میری بہن عابدہ مرحومہ جو صورۃً و سیرۃً اپنے والد سے اشبہ تھیں بعہد شباب پہلی زچگی میں رہ گذائے عالم جاودانی ہو گئیں مرحومہ والدہ کو ان حوادث نے نیم جاں بنا ڈالا ان کی صحت کو گھن لگ رہا تھا۔ اور شبابی قوتیں لگاتار واقعات کے مقابل اپنی شکست کا اعلان کر رہی تھیں کہ برادر عزیز اکبر شاہ کے اندوہناک سانحہ نے ان کی صبر و سکون کی عمارت کو منہدم کر دیا وہ اس زلزلۃ الارض سے کچھ اس طرح متاثر ہوئیں کہ دیوبند کا ذرہ ذرہ ان کے لیے سوہان روح ہو گیا تجربہ کار اطباء نے گرتی ہوئی صحت کو سنبھالا دینے کے لیے آب و ہوا کی تبدیلی کا مشورہ پیش کیا۔ اس زمانہ کے لاہور میں ان کے ہمشیر زادہ محمد سعید مرحوم مقیم تھے جو لاہور کے مشہور رئیس شیخ محمد اعجاز صاحب کی رفاقت میں استقلال نامی ہفتہ وار شمارہ میں ادارت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اور رضوی لاج کے ایک کمرے میں ان کا قیام تھا والدہ مرحومہ انہی کے پاس جا کر مقیم ہوئیں ادھر راقم الحروف اپنی کم سنی کی بناء پر والدہ کی جدائی برداشت نہ کر سکا تو مجھے بھی لاہور ہی بھیج دیا گیا اور میرے بعد میری ہمشیرہ راشدہ خاتون بھی وہیں پہنچ گئیں اب لاہور کے فیض باغ میں ایک مکان کرایہ پر لیا گیا یہ غلام حسین صاحب بٹ کا مملوکہ مکان تھا۔ متصلاً ہی خود ان کا رہائشی مکان بھی۔ بٹ صاحب کے یہاں ایک خوفناک کتا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس دریدہ دہن کتے سے معاہدۂ امن و صلح کرنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ اسی محلہ میں مشہور مزاح نگار حاجی لق لق کی بھی رہائش تھی۔ اوقاتِ شب میں پنجاب کے عام دستور کے مطابق ریڑیوں پر رکھی ہوئی برف کی سل پر تازہ بتازہ گنڈیریاں اور "تتبعها الرادفہ" کے مصداق "رس گلے ملائیاں آنے میں دو دو آنیاں" کی صدائے دل نواز اب تک حافظہ میں موجود ہے سرشام پتنگ کے مقابلے اس میں آویزشوں کے نتیجہ میں پنجابیوں کی خوفناک ٹکر اور نبرد آزمائی کے موقعہ پر سٹنڈوں کو درآمد کرنے کا قضیہ صفحۂ دماغ کے انمٹ نقوش ہیں۔ لارنس گارڈن، شملہ پہاڑیاں، نور جہاں و جہانگیر کا مقبرہ بپھرے ہوئے دریائے راوی کی ہلاکت خیز موجیں، مصری شاہ اور تاج پورہ بازار میں سائیکل پر میرا مٹر گشت جسے یاد کرتا ہوں تو سوائے اس حسرت کے اور کچھ نہیں . . .

ع ۔ کہاں گیا میرا بچپن خراب کر کے مجھے ۔ ۱۲

آج بھی سب سے بڑا وثیقہ ہے۔ جسمیں مولانا عبید اللہ سندھی کی اس تحریک کا خوفناک ترین انسان باور کیا ہی نہیں بلکہ کرایا گیا ہے۔ اس مجاہد جلیل کا سینہ جن انقلاب آفریں جذبات کا طوفان بنا ہوا تھا۔ اسی سے نکلی ہوئی حریت طلبی کی ارتعاشی صدائیں۔ مولانا احمد علی کے سامعہ میں شروع ہی سے پہونچنے لگیں اور بہت جلد سندھی مرحوم نے مولانا احمد علی مرحوم کی شکل میں ایک جیتی جاگتی شخصیت پنجاب کی سرزمین کو دیدی اس طرح اہل پنجاب کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر تا مجاہد سندھی ان تصورات سے واقفیت کا براہِ راست موقعہ ملا جو اس مربوط تحریک کے ابھرے نقوش تھے۔ پھر لاہور کی ایک گمنام مسجد سے قرآن کو اساس بنا کر جو انقلابی کام شروع کیا گیا۔ اس پر لکھنے والے انشاءاللہ شفا بخش تفصیل پیش کریں گے۔

مجھے تو یہ عرض کرنا ہے۔ کہ پنج آبہ کا وہی علاقہ جو ایک جانب افرنگی اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے فوجی بٹالنوں کی صورت میں ہزاروں ہزار نوجوان پیش

۵ء ع۔ زبان پر بار خدایا یہ کس کا نام ہے آیا۔۔ شعور وآگہی نے بے شعوری کے دروازے پر ہلکی ہلکی دستک دی تو دارالعلوم کی روشوں میں مولانا عبید اللہ سندھی کا نام دکام مصروف خرام پایا لیکن یہ بھی معلوم ہوا کہ ریگستان سندھ کا یہ جیالا بیدار مغز اس وقت سعودی حجاز میں جلاوطنی کا دور گذار رہا ہے اچانک ایک دن یہ بھی سننے میں آیا کہ مولانا سندھی اپنی طویل جلاوطنی کو ختم کرنے کے بعد ہندوستان بلکہ ازہر الھند دارالعلوم تشریف لا رہے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا۔ کہ راقم الحروف موروثی علوم کے بجائے دانش افرنگ کو سیکھنے کا سودائی تھا۔ دارالعلوم سے تعلق منقطع تھا۔ لیکن گو نہ وابستگی کے بنا پر اس عظیم درسگاہ کے ہنگامے دامن کش قلب تھے۔ بقول دہلوی سخن ور۔

ع گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

مگر یاد نہیں آتا کہ اس جلیل مجاہد کی دیوبند میں تشریف آوری پر پرشوق آنکھیں حصول زیارت کی ٹھنڈک پا سکی تھیں۔ یاد ہیں لیکن ۱۹۴۴ء میں خاکسار دہلی میں اورینٹل کالج سے پنجاب یونیورسٹی کے امتحان دے رہا تھا۔ عقب جامع مسجد میں موجود ایک عمارت بنام ادارۂ شرقیہ میں جس کے روح رواں استادِ محترم مولانا ادریس میرٹھی حال وارد کراچی تھے۔ جمعہ کے بعد تا عصر ایک خصوصی مجلس ہوتی جس میں دہلی میں منتشر فضلائے دارالعلوم یکجا ہوتے یہاں بذلہ سنجیاں بھی ہوتیں۔ لطیف مزاح بھی عالمانہ نکتہ آفرینیاں بھی اور بر محل و برجستہ لطائف و ظرائف بھی، تبسم ریزیاں بھی اور فلک شگاف قہقہے بھی اس بارگاہِ علم و دانش کا سب سے کمسن و بے شعور شریک بھی بے بضاعت تھا۔ ایک اور عجیب اتفاق ہوا۔ مجلس جمی ہوئی تھی۔ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن چہک رہے تھے۔ مولانا بشیر بھٹہ عقل کل کا روپ دھارے ہوئے تھے۔ مفتی عتیق صاحب اپنے ہیبت آفریں چشمہ کے عقب سے جھانک رہے تھے۔ مولانا اکبرآبادی پر حیرت کا غلبہ تھا کہ فجارۃً ایک برہنہ سر و برہنہ پا گریبان چاک چہرہ پر طویل و عریض داڑھی، پیشانی کے سامنے کا حصہ فارغ البال، عقابی آنکھوں کا مالک بغیر سلام وکلام مجلس میں آدھمکا عجیب بات یہ تھی۔ کہ مجلسی آداب سے اس ناآشنا انسان کے لئے دیکھتے ہی پوری مجلس سرو قد ہو گئی۔ اکابر نے مسندِ صدارت چھوڑ دی۔ اور لکھنوی تکلف کو درمیان میں لائے بغیر خود یہ کہنہ سال گاؤ تکیہ سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ ہم بھی کے کچھ ارباب دین و دانش اس کے سامنے مستفید بنکر جم گئے آنے والے نے عقابی نظریں پوری مجلس پر ڈالیں اور گفتگو کا آغاز کیا۔

”مولوی حسین احمد کو گالیاں دینے والا فلاں اخبار کا ایڈیٹر قتل کر دیا گیا اور شیخ الھند کو گرفتار کرانیوالا اب تک دارالعلوم میں موجود ہے۔ میں نے روس سے تین بمون کی بات کر لی ہے۔ ان میں سے ایک دارالعلوم پر گرایا جائے گا۔ اور ایک خانقاہ اشرفیہ پر۔۔۔۔“

تیسرے بم کے لئے بیان کردہ نشانہ خاکسار کو یاد نہیں رہا۔ تقریر بلکہ یہ اعلانِ جنگ اپنے شباب پر تھا۔ کہ اچانک اس جرنیل نے اپنی جیب سے سفری (امرود) کا دانہ نکالا۔ اور اسے کھانا شروع کر دیا۔ اب کیا عرض کروں کہ اپنے بچپن کی بنا پر اس نو وارد کی اس ادا میں میرے لئے کتنی دلچسپی تھی۔ آنے والا ٹکٹکی باندھ کر مجھے بھی دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میں مجلس سے اٹھا اور زینہ سے اترتا ہوا سڑک پر پہونچا تو پیچھے سے مولانا ادریس صاحب نے آواز دی دوبارہ مجلس میں حاضری پر اس بوڑھے انسان نے اپنے سینہ بے کینہ بلکہ معارف و سیاسیات کے گنجینہ سے چمٹا لیا۔ انہیں بتایا گیا۔ کہ میں ہی بدنام کنندۂ نکونامے چند ولد مولانا انور شاہ ہوں اور مجھے معلوم ہوا کہ یہی وہ بطن جلیل ہے۔ جس کے لئے سالہا سال سے دیدہ و دل فرش راہ تھے۔ یعنی مولانا عبید اللہ سندھی بعد میں یہ بھی معلوم ہوا کہ میرے اٹھ آنے پر حضرت والا نے دریافت کیا تھا۔ کہ یہ بچہ کس کا ہے۔ اور تعارف ہونے پر تحکم آمیز لہجہ میں حکم دیا تھا۔ کہ اسے بلایا جائے اپنے اس یقین کے اظہار میں کوئی تامل محسوس نہیں ہوتا۔ کہ آزاد ہندوستان میں اپنی حقیر سیاسی دلچسپیاں اسی چند لمحاتی سینے سے مس ہونے کا ایک فیضان ہے۔ جس سینہ میں موجود دل عالمی سیاست میں پڑی ہوئی گرہوں کو کھولنے کا سلیقہ رکھتا تھا۔ پھر دہلی ہی میں مجذوب سندھی کی زیارت کا بارہا موقعہ ملا۔ کبھی چاندنی چوک میں برہنہ پا گشت کرتے ہوئے اور کبھی دلی کی شاہ جہانی مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے لیکن جب بھی انہیں دیکھتا تو یہ یقین بڑھ جاتا کہ مجاہدِ عظیم زبانِ حال سے چلا رہا ہے۔

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا یا اپنا گریبان چاک یا دامنِ یزداں چاک

کر رہا تھا۔ اور جہاں کی زمین متنبی قادیان وغیرہ کے لئے زرخیز کاشت بنی ہوئی تھی۔ جو علاقہ دیوبند سے ناآشنا اور دیوبندیت سے تقریباً ناواقف تھا اسی میں جم کر نصف صدی کے قریب متنوع جلیل خدمت کا جو منظر پیش کیا گیا۔ اس کے دور رس اثرات کا کون اور کیسے انکار کر سکتا ہے۔ سالانہ انجمن خدام الدین کے جلسے، علمائے دیوبند کو اس پلیٹ فارم سے متعارف کرانے کی جدوجہد، تفسیر کی راہ سے انقلابی افکار و نظریات کی اشاعت، تثلیث کے تعفن سے پنجاب کی فضاؤں کو پاک کرنے کا کارنامہ، مجاہدانہ زندگی کو اپنانے کے لئے پرزور دعوت اور سب سے بڑھکر یہ کہ زہد و قناعت، استغناء وللہیت، حسن کردار و مثالی زندگی کے جو رخ مولانا احمد علی مرحوم سے برگشتہ منزل قافلہ کے لئے کھلے۔ اس سے دل و دماغ کی تطہیر بھی ہوئی۔ صفائی باطن کی دولت بھی میسر آئی۔ تزکیۂ باطن کا ہنگامہ بھی برپا ہوا۔ اور تجلیۂ روح کے لئے قافلے آمادۂ سفر بھی ہوئے! اسلام و ایمان کے مرکب اسی حسین مرقع میں حلم صدیقی جلالِ فاروقی، غنائے عثمانی شجاعتِ اسد اللہی اور فقر بوذری کے انوار و تجلیات جگمگا رہی ہیں اور انہی اجزاء سے تیار کر نیوالا قلم ایک مردِ حق آگاہ و عالم ربانی کی تصویر تیار کر سکے گا

مکرر عرض ہے کہ مرحوم سے شفاہی رابطہ نہ ہونے کی بنا پر اس ہیچ پوچ تحریر میں جو کمی و خامی، بھول و ناپختہ کاری نظر آئے اسے راقم الحروف کی معذرتوں کے پسِ منظر میں دیکھکر شریفانہ عفو و صفح سے محروم نہ رکھا جائے۔ میرا یقین ہے کہ پنجاب ہی نہیں۔ بلکہ پورا ہندوستان بشمولِ پاکستان ذرہ ذرہ مرحوم کی جانب سے حقیقت نیوش حلقہ کے لئے یہ صادقانہ اعلان کر رہا ہے۔

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

دارالعلوم عربیہ اسلامیہ بورے والا

بیادگار حضرت قطب العالم مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

قیام ۱۹۴۴ء

مدرسہ ہذا میں تقریباً دوصد طلبہ پاکستان کے مختلف اضلاع اور علاقوں سے دینی علوم کے حصول کے لیے ہمہ وقت مقیم رہتے ہیں جن کی تمام ضروریات مدرسہ کے ذمّہ ہیں۔

مدرسہ ہذا ۴۴ سال سے مسلمانوں میں دینی و دنیوی علوم کی نمایاں خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ ہزاروں طلبہ نے اپنی اپنی ہمت کے مطابق اس سے فیض اٹھایا۔ اس کی تعلیم اور نظم و نسق سے ہر طبقہ کے اہل علم متاثر ہوئے اور قوم سے عدیم المثال خراج تحسین حاصل کیا :

اساتذہ طلبہ کی اخلاقی تربیت پر گہری نظر رکھتے ہیں، معیار تعلیم بلند رکھنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ سالانہ تین امتحانات اور ہر ماہ پڑتال بھی ہوتی ہے۔ اب تک دارالافتاء سے ہزاروں فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں، مدرسہ کا کتب خانہ دس ہزار سے زائد کتابوں پر مشتمل ہے۔ اساتذہ طلبہ اور دیگر اہل علم مستفیذ ہوتے ہیں۔ عربی طلبہ کی عربی میں تقریر کی مشق کا بھی اہتمام کیا گیا ہے اور عربی طلبہ کو ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔

طلبہ کے جملہ اخراجات کا مدرسہ کفیل ہوتا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ اور پانصد من گندم سالانہ اخراجات ہیں جو محض توکلاً علی اللہ پورے ہوتے ہیں۔

مندرجہ ذیل حضرات نے

مختلف اوقات میں مدرسہ میں قدم رنجہ فرمایا اور اپنی دعاؤں سے سرفراز فرمایا :-

- حضرت الامام مولانا احمد علی لاہوریؒ
- استاذ العلماء مولانا خیر محمدؒ
- حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب
- مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب
- حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری
- حضرت قاری رحیم بخش صاحب
- قاری اظہار احمد صاحب تھانوی
- قاری عبدالوہاب صاحب مکی

حضرت علامہ محدّث کاشمیری فرماتے ہیں : ——— ”تعلیم کا جیسا انتظام ہونا چاہیے تھا الحمدللہ کر دیا گیا ہے“۔

اساتذہ تجربہ کار، مستعد جو میسر آئے یکجا جمع کر دئے گئے۔ زنانہ مردانہ دونوں حصوں میں دینی و دنیوی تعلیم کے ہمہ وقت اشتغال سے اللہ تعالےٰ نے اس مدرسہ کے طلباء کو نوازا ہے۔ مردانہ حصے میں قرآن پاک حفظ و ناظرہ، درس نظامی، تجوید و قرأت۔ زنانہ حصے میں حفظ و ناظرہ قرآن پاک اور عربی صرف و نحو، فقہ تفسیر، حدیث کا چارسالہ نصاب ہے۔ امسال اس درجہ سے ۱۱ لڑکیاں فارغ ہوئیں۔ ہم آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی دینی تعلیم کے کسی درجہ میں داخل فرماویں۔ تمام درجات میں داخلہ کی گنجائش نکال گئی ہے۔ سینکڑوں طلباء و طالبات کا ہجوم ۱۴ تجربہ کار معلمین و معلمات کو پورے طور پر گھیر رکھتا ہے۔ ذریعہ آمدنی محض توکلاً علی اللہ۔ جس کو اللہ تعالےٰ محض اپنے متوسط اور غریب لوگوں کی نیک کمائی کی صورت میں پورا کرتا ہے۔

احقر عبدالرحیم نعمانی مہتمم دارالعلوم مدرسہ عربیہ اسلامیہ رجسٹرڈ منڈی بورےوالہ، ملتان

حضرتؒ کے فرزند نسبتی سے مدیر خدام الدین کی ملاقات

لاہور کی مشہور شاہراہ نسبت روڈ پر گھوکھلے سٹریٹ کے ایک ایسے بزرگ قیام پذیر ہیں جنہیں حضرت لاہوری قدس سرہ کی دامادی کا شرف حاصل ہے۔ شرافت و حیا کے یہ حسین پیکر جن کا حضرت الامام لاہوری رحمہ اللہ سے محض شاگردی کا تعلق تھا اپنے حسن اخلاق، محنت اور صلاح و تقویٰ کے پیش نظر حضرت کی توجہات کا مستحق بن گئے اور اس انتہائی غریب "طالب علم" کو حضرت نے اپنی سب سے بڑی صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔

یہ بزرگ جن کا ذکر ہو رہا ہے ان کا نام مولانا نور اللہ ہے قریباً ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۸۹۹ء کی پیدائش ہے اور اب ۸۰ سال کے پیٹے میں ہیں لیکن باہمت اور محنتی ہیں درس و تدریس اور افادہ کا شغل جاری ہے۔

میں گذشتہ دنوں محترم عبدالواحد بیگ صاحب کی معیت میں ان کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ انتہائی محبت و شفقت سے ملے اور جب ہم نے اپنا مقصد بیان کیا کہ ہم خدام الدین کی خصوصی اشاعت بیاد حضرت الامام لاہوریؒ کے سلسلہ میں آپ کی خدمت میں آئے ہیں تو وہ ایک دم کسی دوسری دنیا میں کھو گئے۔ پرانی یادیں اور واقعات ان کے سامنے آگئے وہ کچھ لمحات تک بول نہ سکے۔ میں ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا تھا لیکن انہوں نے کمال ضبط سے کام لیا اور پھر گلوگیر لہجہ میں فرمانے لگے کہ میرے والد صاحب کا اسم گرامی مولانا محمد عظیم صاحب تھا ضلع فیروزپور کے قصبہ "آصف والا" کے رہنے والے ہیں۔ ان کا شغل تدریس اور زراعت تھا اور یہ پرانے لوگوں کا معمول تھا کہ وہ اللہ کے دین کی خدمت کرتے تھے۔ اور گذر معاش کے لیے اپنا کام دھندا الگ سے کرتے تھے۔

انہوں نے بتلایا کہ میری تعلیم مینچن آباد ضلع بہاولنگر کے معروف مدرسہ صادقیہ عباسیہ میں ہوئی۔ حضرت مولانا محمد امیر صاحب وہاں مدرس تھے جو دیوبند کے انتہائی قابل قدر فضلاء میں سے تھے۔ البتہ دورۂ حدیث میں نے شیرانوالہ میں پڑھا اور یہ تب کا قصہ ہے جب شیرانوالہ واقعۃً مرکز رشد و ہدایت اور اور مرکز دین و معرفت تھا (خدا اس مرکز کو آباد رکھے) میرے سوال پر انہوں نے فرمایا کہ ہم نے حضرت لاہوری قدس سرہ سے ترمذی شریف

پڑھی جبکہ حضرت مولانا شمس الحق افغانی مدظلہم سے بخاری اور مسلم پڑھی۔ اسی سال حضرتؒ کے یہاں دورۂ تفسیر پڑھا۔ یاد رہے کہ حضرتؒ کی دورۂ تفسیر کی کلاس رمضان المبارک کی ابتداء میں شروع ہوتی تھی اور عیدالاضحیٰ کے قریب ہوتی تھی۔ یہی کلاس تھی جس کے متعلق حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ جیسے اساطین ملّت طلبہ کو توجہ دلاتے اور یہاں بھجواتے۔ یہ کلاس اب شعبان و رمضان میں ہوتی ہے۔

مولانا نے بتلایا کہ ہمارے ممتحن حضرت مولانا نجم الدین صاحب جو دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے تھے اور اورنٹیل کالج میں پروفیسر! حضرت مولانا نجم الدین، امام لاہوری کے برادرِ عزیز حاذق الحکماء حکیم رشید احمد مرحوم کے خسر تھے۔ امتحان میں مولانا نور اللہ اوّل آئے اور انہوں نے سو میں سے ۹۱ نمبر حاصل کئے۔

مولانا نے بتلایا کہ امتحان کے بعد حضرت الامام لاہوریؒ نے فرمایا:۔

"نور اللہ نے قابلِ انعام امتحان پاس کیا ہے"۔

اس سال ۱۶ علماء کرام شاملِ درس تھے جن میں مولانا بشیر احمد پسروری خلیفہ راشد حضرت لاہوریؒ اور حضرت مولانا عبدالعزیز شرقپوری خلیفہ حضرت لاہوریؒ تھے۔ یہ وہی مولانا عبدالعزیز ہیں جو مدتوں مسجد نور ساہیوال کے خطیب و امام رہے اور اب میانی صاحب کے قبرستان میں اپنے مرشد لاہوری کے قریب ہی مدفون ہیں۔

مولانا عبدالعزیز نے ناز میں آکر عرض کیا کہ حضرت یہ قابلِ انعام ہیں تو انعام دیتے کیوں نہیں؟ چنانچہ حضرت مسکرائے اور عادت مبارکہ یہ تھی کہ جو بات پسند ہوتی اسے چند بار دہراتے۔

حضرت لاہوری قدس سرہٗ کے ذہن میں جو انعام تھا وہ قابلِ اظہار نہ تھا اس کا اظہار اس وقت ہوا جب میں واپس جانے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک رشتہ ہے جو تمہارے مناسب حال ہے، تمہارا کیا خیال ہے؟ میں خاموش ہو گیا تو فرمایا کہ اچھا واپس جا کر خط لکھ دینا۔ میں نے واپس جا کر رضامندی کا خط لکھ دیا چنانچہ اگلے شوال میں نکاح ہو گیا۔ افسوس کہ مولانا کو سنین یاد نہ تھے۔

انہوں نے بتلایا کہ شادی کے فوراً بعد رخصتی ہوئی میں ان دنوں گھڑیالہ ضلع لاہور (اب انڈیا میں) میں مقیم تھا وہاں میرا کام تدریس و عطاری تھا۔ برات میں میں تنہا آیا تھا کہ حضرت کا حکم یہی تھا۔ البتہ مجلس نکاح میں جماعت کے احباب شریک تھے لیکن کھانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ طریق سنت کے مطابق نکاح مقصود تھا۔ چنانچہ رخصتی کے بعد حضرت نے خود ٹکٹ خرید کر دئیے اور اپنے بھائی حکیم رشید احمد صاحب مرحوم کو ساتھ بھیجا۔ اس قافلہ میں میں، میری بیوی، حکیم صاحب مرحوم اور حضرت کی چھوٹی صاحبزادی جو بہت کم عمر تھیں اور بعد میں جن کا نکاح اہل حدیث عالم مولانا عبدالمجید سوہدروی مرحوم سے ہوا شامل تھیں۔ حکیم صاحب مرحوم تو ہمیں چھوڑ کر واپس آ گئے۔ اس وقت میں نے کسی شاگرد کے مکان پر قیام کیا۔ حضرت لاہوری کو علم تھا اور میں نے

بتلا دیا تھا کہ میرے پاس ذاتی مکان تک نہیں لیکن آپ نے محض دینی جذبات کے پیشِ نظر اپنی بچی کا نکاح فرما دیا اور یہ مجھے وقت پر پتہ چلا کہ جس رشتہ کی بات ہو رہی تھی وہ حضرت کی اپنی بچی تھی۔

گھڑیالہ میں تین سال قیام کے بعد لاہور آنا ہوا لیکن پھر گھڑیالہ چلے گئے سال بھر بعد ٹوبہ ٹیک سنگھ رہائش ہو گئی لیکن ۱۹۵۳ء میں مستقل لاہور آ گئے۔ مسجد مائی لاڈو متصل میو ہسپتال میں مدتوں قیام رہا اور اب تک لاہور میں مقیم ہیں۔ مولانا نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کی دعاؤں کے صدقہ پھر اتنا نوازا کہ اب اس رہائشی مکان کے علاوہ گلبرگ میں اور سرگودھا میں کوٹھیوں کے علاوہ فروکہ ضلع سرگودھا کے علاقہ میں کافی مقدار میں زمین بھی ہے۔ آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر ضیاء اللہ مرحوم لندن میں تھے وہیں ان کا انتقال ہوا اور انہوں نے ہی زیادہ تر خدمت کر کے یہ سلسلہ بنایا ان کے بچے وہیں مقیم تھے۔ ایک صاحبزادے کا نام عبداللہ ہے جو بی، اے تک تعلیم رکھتے ہیں حضرت لاہوری قدس سرہٗ کے بھائی مولانا عزیز احمد مرحوم کے داماد ہیں وہیں کراچی میں ملازمت کرتے ہیں۔ ایک صاحبزادے عبدالواحد صاحب ہیں بی کام کیا محض فائینل کا پرچہ رہ گیا انتہائی صالح اور نیک ہیں، فروکہ کی زمین پر کام کرتے ہیں۔ عبدالماجد صاحب بی کام کر کے لاہور میں ملازمت کرتے ہیں جبکہ محمد طیب اور محمد طاہر گھر پر ہیں، اکثر بیمار رہتے ہیں اللہ تعالیٰ شفاء کاملہ عطا فرمائے۔

مولانا نے بتلایا کہ حضرت جب گھر تشریف لاتے تو بچوں میں گھل مل جاتے اور اذان سے دو چار منٹ قبل ہی وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا کا نقشہ ہوتا اور آپ بھاگم بھاگ نسبت روڈ کی مسجد نور تشریف لے جاتے اور نماز ادا فرماتے اور ہر جگہ کا یہی معمول تھا آپ کی باجماعت نماز اور اس کی پابندی ایک مثال تھی۔

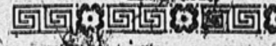
میرے سوال پر انہوں نے حضرت کے محض چند واقعات بتلائے اصل میں ان کی آواز گلوگیر تھی اور ان کے ذکر یار کے سلسلہ میں بولنا مشکل ہو رہا تھا۔

فرمایا کہ حضرت کے زہد کا یہ عالم تھا کہ حکیم رشید احمد صاحب مرحوم کی شادی ہوئی۔ یہاں براتی صرف حضرت تھے اور یا پھر دولھا میاں، ولیمہ کے لیے کچھ نہ تھا برائے نام جو زیور تھا اسے فروخت کر کے ولیمہ کا انتظام کیا لیکن اس میں محض طلبہ برادری شریک تھی۔ اور آخر میں بچے ہوئے ٹکڑے حضرت نے خود تناول فرمائے۔

آپ نے مزید بتلایا کہ گھڑیالہ میں اقامت کے دوران میری اہلیہ اُداس ہو گئی حافظ حمید اللہ مرحوم بچے تھے انہیں ملنے کا شدید تقاضا تھا۔ میں نے عریضہ لکھا تو حضرت اہلیہ محترمہ سمیت تشریف لائے اس وقت دس آنے فی کس کرایہ تھا یکطرفہ کرایہ حضرت کے پاس تھا وہ خرچ کر کے آ گئے اور واپسی پر مجھ سے قرض لے کر واپس تشریف لے گئے۔ پھر لاہور مجھے ادا کر دئیے۔ حضرت وہاں اپنی بچی کو سمجھا کر تشریف لائے کہ اس طرح تشویشناک خط نہیں لکھا کرتے۔ چنانچہ اس کے بعد کبھی ایسا نہیں ہوا اور جب میں نے اپنی اہلیہ کی تسلّی کا خط

لکھا تو جواب آیا کہ اب ہم مطمئن اور خوش ہیں۔
مولانا نے بتلایا کہ حضرت کے متعدد خطوط محفوظ تھے لیکن انقلاب ۱۹۴۷ء کی نذر ہو گئے۔ فیا حسرتا۔
مولانا نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ ایک پیسہ فی انڈہ کے حساب سے ۶۴ انڈے بھیجے۔ آپ نے ملاقات میں روپیہ ادا کر دیا۔ اور جب دوبارہ بھیجے تو منع فرما دیا کہ حالات اس کے متقاضی نہ تھے۔

حضرت لاہوریؒ کی وراثت کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا۔ وہاں تھا کیا مختصر سا مکان وغیرہ تھا وہ باقاعدگی سے تقسیم ہوا اور ہماری اہلیہ نے بھائیوں کے اصرار کے باوجود اپنا حق بھائیوں کو دے دیا۔
مختصر سی نشست میں یہ باتیں ہوئیں اور ہم ان سے اجازت لے کر رخصت ہوئے۔



ڈاکٹر خلیل احمد، لاہور

میرے تایا جان رحمہ اللہ تعالےٰ

حضرت الحاج شیخ التفسیر مرشدنا و مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ چار بھائی تھے جن کی ترتیب بلحاظ عمر یوں ہے کہ سب سے بڑے

۱۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
۲۔ حضرت مولانا محمد علیؒ
۳۔ حضرت مولانا عزیز احمدؒ
۴۔ حضرت مولانا حکیم رشید احمدؒ سب سے چھوٹے تھے۔

ان کی ابتدائی زندگی کے حالات اگر مختصر قلمبند کیے جائیں تو ہمارے دادا جان مولانا صوفی حبیب اللہ مرحوم سکھ مت سے مسلمان ہوئے تھے۔ وہ ضلع گوجرانوالہ کے ایک گاؤں باہو چک میں رہتے تھے۔ ان کو اللہ نے چار بیٹے عطا کیے۔ ہمارے دادا جان بہت نیک متقی اور پرہیزگار انسان تھے وہ زیادہ وقت عبادت میں گزارتے تھے وہ صرف دو وقت کھانا کھاتے اور اپنے حصّہ کے کھانے میں سے نصف کسی مستحق کو خود اس کے پاس جا کر دے آتے۔ جس کی وہ کبھی تشہیر نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے جب ان کو چار بیٹے عطا کیے تو انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ "اے اللہ! مَیں اپنے چاروں بیٹوں کو تیرے دین کی تبلیغ کے لیے وقف کرتا ہوں انہیں قبول فرما۔ اور ان سے وہ کام لے جس پر تُو راضی ہو۔" ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور یہ چاروں بھائی زندگی بھر دین کی تبلیغ کرتے رہے اور اسی حالت میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

بڑے دو بھائی مولانا احمد علیؒ اور مولانا محمد علیؒ صاحب دین حاصل کرنے کے قابل ہوئے تو امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں کو اپنے ساتھ امروٹ شریف سندھ لے گئے۔ مولانا سندھیؒ ان دنوں دیوبند سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد امروٹ شریف میں مقیم تھے اور حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ کے زیرِ تربیت زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور وہاں ہی ایک دینی مدرسہ جاری کیا ہُوا تھا۔ جس میں مولانا احمد علی صاحبؒ اور مولانا عبدالعزیزؒ جیسے جلیل القدر طالب علم شاگرد خصوصی تھے۔

ہمارے دادا جان مولانا حبیب اللہ مرحوم کی وفات کے بعد مولانا سندھیؒ مولانا عزیز احمدؒ اور میرے والد محترم مولانا حکیم رشید احمدؒ کو بھی اپنے ساتھ امروٹ شریف لے گئے۔ اس وقت مولوی عزیز احمد صاحب کی عمر تقریباً تین سال تھی اور حکیم رشید احمدؒ کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال تھی۔ حضرت لاہوریؒ ان دنوں اپنی دینی تعلیم کی تکمیل میں مصروف تھے۔ اور ساتھ ساتھ

سلوک کی منازل بھی طے کر رہے تھے۔ ان کو فرصت پہلے ہی کم ہوتی تھی کہ دو چھوٹے بھائیوں کے یتیم اور بے آسرا ہونے کا بوجھ بھی ان کے کندھوں پر آ پڑا مگر انہوں نے کمال بردباری سے ان دو چھوٹے بھائیوں کی دیکھ بھال اور پرورش کی۔ حتیٰ کہ ان کے کپڑے بھی خود دھوتے اور ان کو شفقت پدرانہ سے بھی نوازتے رہتے۔ جب دونوں کچھ بڑے ہوئے تو ان کی تعلیم دینی پر پورا دھیان دیا۔ اور ان کو دینی تعلیم سے پوری طرح آراستہ کیا۔

امام انقلاب مولانا سندھیؒ جب ۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے ہجرت کر کے کابل چلے گئے تو حضرت لاہوریؒ اور ان کے تینوں بھائی بھی ان کے پاس کابل چلے گئے۔ بعد میں حضرت لاہوریؒ اور حکیم رشید احمدؒ مولانا سندھیؒ کے حکم پر واپس ہندوستان چلے آئے، اور دہلی میں مقیم ہوئے مگر انگریزوں نے ان دونوں کو شہر بدر کر کے دہلی سے نکال دیا تو وہ لاہور چلے آئے۔ جہاں انہوں نے ایک اجنبی شہر میں نئی زندگی کا آغاز دروازہ شیرانوالہ کے باہر ایک چھوٹی سی مسجد میں درسِ قرآن حکیم سے کیا۔ انگریزوں کی پریشان کن سی آئی، ڈی نے ان کو وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور ان کو طرح طرح سے پریشان کرنا شروع کیا۔ وہاں سے آپ اندرون شیرانوالہ دروازہ چھوٹی مسجد لائن سبحان خان میں چلے آئے اور درسِ قرآن حکیم کا سلسلہ بے شمار مشکلات کے باوجود جاری و ساری رکھا۔ اور پوری زندگی اس مسجد کی تعمیر و ترقی کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کو دینی تعلیمات اور رشد و ہدایت کی روشنی سے منوّر کرتے رہے۔ انہوں نے پوری زندگی شریعت پر پابند رہ کر دین کی تدریس اور اشاعت و تبلیغ اسلام کو مقصدِ حیات سمجھ کر گزار دی۔ انہوں نے خود کو شریعت کے سانچے میں ڈھال کر فی زمانہ اسلاف کی یاد تازہ کر کے دکھائی۔

حضرت لاہوریؒ کے درمیانے دو بھائی مولانا محمد علیؒ اور مولانا عزیز احمدؒ جو دونوں مولانا سندھیؒ کے پاس کابل رہ گئے تھے۔ مولانا محمد علیؒ کو مولانا سندھیؒ نے آزاد قبائل میں بھیج دیا اور مولانا عزیز احمد صاحب کو اپنے ساتھ لے گئے اور پوری زندگی ان کو اپنے ساتھ رکھا۔

رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک

حضرت لاہوریؒ نے پوری زندگی رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا بہت خیال رکھا۔ انہوں نے چالیس سال تک مسجد شیرانوالہ میں فجر کی نماز کے بعد درسِ قرآن کریم دیا۔ جمعہ کے روز درس نہیں ہوتا تھا۔ وہ ہر جمعہ کو نماز فجر کے بعد اپنے سب سے چھوٹے بھائی مولانا حکیم رشید احمدؒ کے پاس ان سے ملنے کے لیے ان کے مکان واقع تاجپورہ میں تشریف لے جاتے۔ یہ جگہ شیرانوالہ سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے وہ تانگے کے ذریعے وہاں تشریف لاتے اور تانگے بان سے پیشگی طے فرما لیتے کہ تاج پورہ میں اتنی دیر قیام کے بعد واپس بھی آنا ہے اور جو وقت طے کرتے اس پر سختی سے پابند رہتے اور ایک منٹ کی بھی تاخیر نہ ہونے دیتے۔

ہمیں ہر جمعہ کے دن فجر کی نماز کے بعد ان کا انتظار رہتا اور ہماری والدہ ان کی

آمد سے پہلے ناشتہ تیار کر لیتیں۔ حضرت بچوں کے لیے ہمیشہ حسب توفیق کوئی چیز ضرور ساتھ لاتے۔

میں جب کبھی لاہور سے باہر مقیم ہوتا تو لاہور آکر حضرتؒ کی قدم بوسی کے لیے جاتا تو فرماتے، بیٹا! فلاں وقت کا کھانا ہمارے ساتھ کھانا۔ اور اکثر میرے والدین اور بہن بھائیوں اور بیوی بچوں کو بھی اس دعوت میں شامل فرماتے۔ جب ہم واپسی کی اجازت چاہتے تو ہمیشہ کرایہ تانگہ آمد و رفت اپنی گرہ سے دے دیتے۔ حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ اور دوسرے بہن بھائیوں کی طرح ہم سب حضرت کو اباجی ہی کہا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ میری والدہ مرحومہ بھی ان کو اباجی ہی کہتی تھیں اور حضرت ان کو بیٹی کہتے تھے۔ میری والدہ مرحومہ کے والد مولانا نجم الدین مرحوم حضرتؒ کے استاد تھے۔ اس کے باوجود حضرتؒ کے حسن سلوک کی وجہ سے والدہ نے ان کو باپ ہی سمجھا اور ہر کام میں حضرتؒ سے مشورہ لیا کرتی تھیں اور ان کے مشورہ پر سختی سے پابند رہتی تھیں۔ میری شادی کے سلسلہ میں بہت رشتے ملتے تھے۔ انہوں نے ہر بار حضرتؒ سے مشورہ کیا اور ان کے مشورہ پر عمل کیا۔ حتیٰ کہ حضرتؒ نے مولانا حافظ محمد گوندلوی صاحب کی بیٹی کے رشتہ کے لیے فرمایا کہ انشاءاللہ بہتر رہے گا۔ اور میری شادی میں خود مجھے ساتھ لے کر گوجرانوالہ گئے اور نکاح کے بعد حضرت نے بڑی پُراثر دعا مانگی جو قبول ہوئی اور میری بیوی نے میرے والدین کی اتنی خدمت کی کہ جس کی مثال دی جاتی ہے۔

حضرتؒ میرے شیخ تھے۔ میری شادی کے ایک سال بعد میرے غریب خانہ پر کراچی تشریف لاتے اور مجھ سے سبق سنا تو میری اہلیہ نے بے ساختہ عرض کیا "اباجی! میں بھی بیعت ہونا چاہتی ہوں"۔ حضرت نے تھوڑے توقف کے بعد فرمایا "بیٹی! ہم اہلحدیث حضرات کو بیعت کم کیا کرتے ہیں مگر تم نے چونکہ صدق دل سے اللہ کا نام سیکھنے کی خواہش کی ہے اس لیے تمہیں بیعت کر لیتے ہیں"۔ اس کے بعد بیعت کر لیا۔ میں نے بیوی سے پوچھا کہ آپ کو کیسے خیال آیا۔ کہنے لگیں کہ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ طریقہ درست ہے۔

حضرتؒ کسی کا خط نہیں کھولا کرتے تھے اور نہ ہی پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ میں کراچی میں تھا اور لاہور میں سیلاب آ گیا۔ ہمارا مکان تاجپورہ نزد شاد باغ بھی زیر آب آ چکا تھا۔ میں نے والد صاحب کے نام شیرانوالہ کے پتہ پر ایک ٹیلی گرام ارسال کیا جسے حضرتؒ نے پڑھ کر حسب معمول اس قدر مفصل اور معلوماتی گرامی نامہ تحریر فرمایا

عزیز القدر سعادت آثار خلیل احمد سلمہ

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آج مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کے دن انوار کا تار بنام حکیم رشید احمد سلمہ آیا۔ میری عادت ہے۔ کہ کسی کا خط کھولا نہیں کرتا۔ خواہ حافظ مولوی حبیب اللہ سلمہ۔ یا مولوی قاری محمد انور سلمہ کے نام کا ہی کیوں نہ ہو۔ مگر چونکہ یہ تار تھا۔ اسلئے میں نے کھول لیا۔ اور خیال بھی تھا۔ کہ خدا کرے خیر ہو۔ غالباً خلیل احمد سلمہ ہی کا ہوگا۔ لاہور کے تازہ سیلاب کا واقعہ یہ ہے۔ کہ ۴ ستمبر ۱۹۵۰ء کی شام کو عام اعلان تھا۔ کہ سیلاب کا پانی آ رہا ہے۔ اور ۵ ستمبر ۱۹۵۰ء کے دن سیلاب آیا اور یکدم نہیں آیا۔ بلکہ لمحہ بلمحہ بڑھتا گیا۔ پھر دوپہر تک تو گذشتہ سیلاب کیطرح

که ایسے ہی خطوط تاریخ مرتب کرنے میں معاون بنا کرتے ہیں۔ اس خط کا فوٹو عکس قارئینِ کرام کے ملاحظہ کے لیے ذیل میں طبع کر دی گئی ہے۔

جو ۱۹۴۷ء میں آیا تھا۔ اسی طرح مصری شاہ۔ تاج پورہ۔ وسن پورہ۔ شاہدرہ بادامی باغ۔ شاہی مسجد لاہور کی متصلہ پریڈ کی زمین حتیٰ کہ شیرانوالہ دروازہ کے باہر کی سڑک مولوی فیروزالدین مرحوم کے پریس سے کے کر بڈھے دریا کی پل تک سب دریا ہی نظر آتا تھا۔ شیرانوالہ دروازہ سے باہر باغ میں پانی ہی پانی تھا۔ اس مرتبہ تاج پورہ اور مصری شاہ اور فاروق گنج عثمان گنج کے اکثر آدمی اپنے مکانوں سے نکل کر شہر میں نہیں آئے۔ بلکہ اپنے مکانوں کی چھتوں پر ہی بیٹھے رہے ہیں۔ کل ۷ ستمبر کو کافی پانی اتر گیا ہے۔ مگر تاج پورہ کی طرف اب بھی پانی ہے۔ کل ۷ ستمبر کو بعض آدمی وسن پورہ سے کشتی پر سوار ہو کر شہر آئے تھے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ تاج پورہ کے آدمی مکانوں کی چھتوں پر بیٹھے ہیں۔ اور خیریت سے ہیں۔ ہمیں سب گھر والوں کو سخت افسوس ہے۔ کہ تمہارے والد صاحب شہر کیوں نہیں آ گئے۔ یہاں اپنا مکان تھا۔ بے روک ٹوک آ سکتے تھے۔ ہم تو یہ خیال کر رہے ہیں۔ کہ اگر خلیل احمد سلمہٗ یہاں ہوتا۔ تو دونوں میں سے ایک بال بچوں کو شہر لے آتا۔ اور دوسرا مکان کی حفاظت کیلئے تاج پورہ رہتا۔ اگر چونکہ تمہارے والد صاحب اکیلے تھے۔ اسلئے بال بچوں کو شہر نہیں لا سکے اور درستہ نہیں ملا۔ کیونکہ دوسرے آدمی بھی وہیں مقیم ہیں۔ ہمیں تو یہی توقع رہی۔ کہ اب آ جائینگے۔ اب آ جائینگے۔ بہرحال خدا تعالیٰ کے فضل سے بخیر ہیں۔ کوئی فکر نہ کریں۔

بخدمت شریف حضرت مولانا محمد صادق صاحب۔ مولوی عزیز احمد صاحب۔ مولوی خلیل احمد صاحب

سلام مسنون عرض کر دیں

۸ ستمبر ۱۹۴۷ء

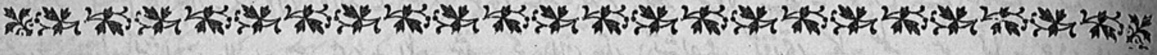
حضرتؒ اپنے خاندان کے افراد پر اکثر مسرت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ اکثر اپنے ہاں دعوت پر بلایا کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ جب ہم لاہور آئے تھے تو اس وقت ہم دو بھائی دادا جان کی اولاد تھے۔ اب اللہ کے فضل سے اتنے افراد ہو گئے ہیں اور خاندان میں جب کبھی کوئی بچہ پیدا ہوتا تو خود تشریف لے جاتے۔ جب میرا لڑکا حبیب احمد پیدا ہوا تو اطلاع ملتے ہی آپ ہمارے ہاں تشریف لائے اور خود ہی نومولود کے کان میں اذان اور اقامت پڑھی اور اپنے دست مبارک سے شہد کھلایا۔ اور اس کے لیے طویل دعا فرمائی۔

جب کبھی عقیدت مندوں سے فارغ ہوتے اور دوسری مصروفیات میں اگر دو چار منٹ باقی ہوتے تو آپ فرماتے بیٹا! یہ لو گھڑی تین منٹ بعد جگا دینا۔ پورے تین منٹ بعد ہم ان کو جگا دیتے اور آپ وضو فرماتے اور اپنے پروگرام کے مطابق تشریف لے جاتے۔

حضرتؒ کی مصروفیات بہت زیادہ تھیں۔ مگر آپ نے ان مصروفیات کو اس طریقے سے تقسیم کیا ہوا تھا کہ ایک منٹ بھی ضائع نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے جہاں بھی جانا ہوتا تھا وقت مقررہ پر پہنچتے تھے۔ ان کی زندگی ایک حقیقی مسلمان کی زندگی تھی وہ عام علماء کی طرح کسی کے گھر سے کھانا نہیں منگاتے تھے بلکہ خود اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا کم از کم دو درویشوں کو صبح و شام کھلاتے تھے۔

دین را فلاں ابن فلاں چیزے نیست

مولانا محمد رمضان علوی کے قلم سے



تاریخ کی اوراق گردانی سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں نسبی بڑھائی پر لوگوں نے فخر کیا اور اسی کو شرافت کا معیار قرار دیتے ہوئے نخوت و غرور کی گم کردہ وادیوں میں غرق ہو گئے۔ سب سے پہلے یہ دعوی ابلیس علیہ ما علیہ نے کیا۔ انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین ۔ القرآن ۔

توحید الٰہی سے غافل اور رسالت کی عظمت سے بے خبر لوگ اسی میں تباہ ہوئے۔ یہود و نصاریٰ قرآن عزیز میں نحن ابناء اللہ و احباؤہ (المائدہ) موجود ہے۔ اسی چیز کو قریش نے معیار شرافت اور کرامت قرار دیا۔

ہم حجاج کو پانی پلاتے ہیں اور مسجد حرام کی تعمیر و آبادی کے ضامن ہیں۔ ایسے ہی ہندوستان میں اونچ نیچ (برہمن شودر) کا تصوّر موجود رہا لیکن داعئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر ان تمام جعلی تصورات و خیالات کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیا۔ ایک غلام سے اپنی پھوپھی زاد کا عقد کروا کر فخر دو عالم نے ان بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ فتح مکّہ کے بعد باب کعبہ کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا۔ یا معشر القریش الیوم لا فضل العربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی .... الا بالتقوی او کما قال۔ ادھر جبریل امین نے آ کر حضرت حق کا ارشاد سنایا: ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مراد رسول خلیفہ ثانی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ ایک حبشی نژاد آزاد شدہ غلام کو یا سیدی بلال کہہ کر پکارتے ہیں۔ قرآن و حدیث نے فرمایا۔ نسبی شرافت کوئی چیز نہیں ورنہ تبت یدا ابی لہب الخ کی وعید کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی نسبت کسی کے کام نہ آئی بلکہ حضور جو دین لے کر آئے اس حبل اللہ سے اعتصام کو معیار فضیلت و شرافت قرار دیا۔ اگر حسب و نسب کوئی معیاری چیز ہوتی تو امام الانبیاؑ کے سینکڑوں نسبی رشتہ دار جو اسلام کی دولت سے محروم رہے آج ان کا بھی کوئی مقام ہوتا۔ اس کے برعکس

حسن ز بصرہ بلال از حبش صعیب از روم ز خاک مکّہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است

اہل دل کا واضح قول ہے۔

حضرت حق جل شانہٗ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا: انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون کہ اصل محافظ تو اپنے دین کے ہم خود ہیں۔ لیکن عالم اسباب میں بھی جب ہماری مرضی ہوتی ہے تو فارس سے سلمانؓ۔ حبش سے بلالؓ عراق سے حسنؓ کو اس کی خدمت کے لیے منتخب کر لیتے ہیں جب ہماری مرضی ہوتی ہے تو ہلاکو خان کی نسل سے کعبہ کے پاسبان پیدا کر دیتے

ہیں۔ مجوس اور دوسری غیر مسلم اقوام سے محدث و مفسّر اور آئمہ دین پیدا کر دیتے ہیں۔
نسبی شرافت کے دعویدار جہالت کی اندھیریوں میں مبتلا رہ کر خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کی
گمراہی کا باعث بنتے ہیں۔ تیسری چوتھی صدی کے بغداد کی تاریخ کو جاننے والے جانتے ہیں
کہ یہ شہر علم و ادب، تہذیب و شرافت کا گہوارہ تھا۔ رعایا سے لے کر راعی تک اہل علم
کے قدردان تھے۔ کوئی بزرگ اگر باہر سے آتا تھا تو اہل شہر پرتپاک استقبال کرتے اور خوشیاں
مناتے کہ آج ہمارے ہاں وارث علوم نبوی نے قدم رنجہ فرمایا ہے۔ موصل کے ایک جلیل القدر
محدث بغداد تشریف لا رہے ہیں۔ اہل شہر کو ان کی تشریف آوری کا علم ہو گیا۔ جوق در جوق
لوگ شہر پناہ سے استقبال کے لئے پہنچ گئے۔ یاد رہے حضرت عبداللہ مجوسی النسل تھے بچپنے میں اسلام
قبول کیا۔ شہر در شہر حصول علم کے لئے سفر کئے۔ آج ان کا شمار محدثین میں ہونے لگا۔ اُن
کا والد مجوسی ہی مرا تھا۔ آپ جب شہر میں داخل ہوئے تو انبوہ کثیر زیارت کے لئے بڑھ
رہا ہے وہیں ایک صاحب اپنے نسلی نزور میں گرفتار بھی پہنچ گئے۔ ان کی عزت کرنے والا
کوئی بھی نہ تھا۔ غصہ کے عالم میں وہ آگے بڑھے اور حضرت عبداللہ سے سوال کرتے ہیں:
این ابوک و این ابی۔ آپ نے فرمایا۔ ابی فی النار و ابوک سید شباب اہل الجنۃ۔ لیکن
تیرے والد کی وراثت کو میں نے اپنا لیا اور میرے باپ کے وارث آپ ہوئے۔ مختصر یہ کہ
اللہ تعالٰے نے اپنے بندوں کو بتایا کہ میرا دین کسی کا محتاج نہیں۔ جب نسبی غرور میں گرفتار
لوگ دین سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں تو میں مجوسیوں کے گھر عبداللہ جیسے لوگوں کو پیدا کر
کے اپنے دین کی خدمت لے لیتا ہوں: و ان تتولوا یستبدل قوماً غیر کم ثم لا یکونوا امثالکم۔
سب جانتے ہیں اپنے دین کی خدمت کے لئے بوٹا سنگھ کو اللہ نے توفیق دی تو وہ حضرت
مولانا عبید اللہ سندھی کے نام سے عرب و عجم میں شہرت پذیر ہوئے۔ حضرت مولانا احمد علی رح
کے والد ایک سکھ نژاد تھے۔ اللہ تعالٰے نے ہدایت عطا فرمائی تو وہ حبیب اللہ بن کر سامنے
آئے اور انہوں نے منت مانی کہ میرے اللہ تعالٰے نے لڑکا عطا فرمایا تو اس کو علم دین کے لیے
وقف کر دوں گا۔ چنانچہ آپ کے گھر لڑکا پیدا ہوا اس کا نام احمد علی رکھا گیا جیسے ہی حروف
شناسی اور قدرے شعور کی عمر کو احمد علی پہنچے تو اُن کو بسم اللہ شروع کرا دی، قدرے پنجاب
میں بقیہ علوم سندھ میں اپنے چاچا حضرت مولانا عبید اللہ کی زیرنگرانی حاصل کئے پھر اپنے مربی اعظم
کے حکم سے ایشیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی دارالعلوم دیو بند میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے
حدیث پڑھی۔ ظاہری مربی حضرت سندھی تھے تو باطنی شیخ الہند رح مولانا تاج محمود امروٹی اور خلیفہ
غلام محمد دینپوری رحمۃ اللہ میسّر آئے۔ پھر حضرت شیخ الہند اور حضرت امروٹی کے علوم و فیوض کے صحیح
وارث قرار پائے۔ دیو بند سے دہلی اپنے اکابر کے حکم سے قرآن کی تعلیم شروع کی۔ اس زمانہ میں
لاہور شرک و بدعات کا گھر بن چکا تھا۔ داتا کی نگری میں قال اللہ و قال الرسول کی آواز کے
لئے کان ترستے تھے۔ اہل لاہور کی ہدایت کے لیے حضرت مولانا احمد علی کو پہلے سیاسی مجرم کی
حیثیت سے دہلی سے جالندھر نظر بند کیا گیا وہاں سے لاہور منتقل کر دیے گئے۔ لیکن ساتھ ہی
دو شخصی ضمانتیں طلب کی گئیں۔ مولانا احمد علی اس قدر اجنبی تھے کہ سارے لاہور سے کوئی واقف
نظر نہ آیا جو ضمانت دے سکے۔ آخر یہ سعادت گوجرانوالہ کے دو حضرات کے حصہ میں تھی ضما
کے بعد اندرون شیرانوالہ ایک چھوٹی سی مسجد سبحان خاں میں قرآن عزیز اور حدیث رسولؐ کے درس
شروع کر دیے۔ حضرت کے خلوص اور دینی شوق نے رنگ لایا۔ ایک طرف اگر دارالعلوم دیو بند میں

شعبان میں تعطیل ہوتی ہیں تو وہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء کرام حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآنی معارف سے اپنے دامن بھر کر تین ماہ بعد اپنے گھروں میں جاتے ہیں تو دوسری طرف لاہور کا وہ کونسا کالج اور بڑی درسگاہ ہوگی جن کے طالب علم حضرت سے آ کر علمی پیاس نہ بجھاتے ہوں۔ پھر بات طلبا تک محدود نہیں۔ وکلاء، دانشور اور ہائی کورٹ کے ججز تک حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دو زانو بیٹھ کر اپنے اپنے شکوک شبہات کا ازالہ کرتے ہیں۔ آج ایک چھوٹا مدرسہ کوئی صاحب قائم کرتے ہیں تو کراچی سے لے کر پشاور تک زنبیل گدائی اٹھا کر پھرتے ہیں اخبارات و رسائل کے ذریعہ اپیلیں ہوتی ہیں۔ لیکن حضرت لاہوری کے ہاں جب دورہ تفسیر تین ماہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ قاسم العلوم میں سال بھر تعلیم ہوتی ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت نے کبھی چندے کی اپیل کی ہو۔ اسی طرح لاہور میں دس سے زائد وہ مسجدیں موجود ہیں جن میں کچھ مکمل اور بعض کی تعمیرات میں حضرت نے حصہ لیا لیکن کبھی چندے کی اپیل نہیں کی۔ علاوہ ازیں حب اللہ کے لیے حضرت سینہ سپر تھے اور رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرگرداں تھے تیرہ دفعہ ان کے دروازوں کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ چونکہ حضرت سب کچھ اللہ کے لئے کرتے تھے اسلئے اللہ تعالے نے کبھی آپ کو کسی کا محتاج نہ کیا۔ من کان للہ کان اللہ لہ' میں کیا ٹھیک ہو سکتا ہے۔ علاوہ تدریس قرآن و حدیث کے حضرت نے ۳۳ کی تعداد میں عقائد، اصلاح معاشرہ کی تصحیح کے لئے رسائل شائع کئے جن پر دیو بندی، بریلوی اور اہل حدیث کی تقریظات ہیں یہ رسائل بھی مفت تقسیم کئے۔ کبھی ایک پیسہ بھی ایک دو کا نہ لیا۔ اگر کسی نے سارا سیٹ اٹھا لیا تو اس کی قیمت بھی نہ ہونے کے برابر لی گئی۔ خلاصۃ المشکوٰۃ۔ اور دوسری تصنیفات آج بھی حضرت کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔ سب سے اہم اور بڑا کام حضرت کا ترجمہ قرآن شریف تھے ویسے تو قرآن پاک کی تفاسیر ہزاروں سے متجاوز ہیں لیکن ربط آیات و سُوَرْ سے اکثر تفاسیر تہی دامن ہیں۔ حضرت لاہوری نے مختصر حواشی میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا ویسے تو اللہ تعالے ہر دور میں ایسا کرتے آئے لیکن ہمارے دور میں ہمیں دکھا دیا کہ میرا دین کسی دولتمند یا اونچی ذات والے کا محتاج نہیں۔ جب میری مرضی ہوتی ہے تو سکھوں کے گھر عبید اللہ اور احمد علی کو پیدا کر کے اپنے دین کی خدمت لے سکتا ہوں اور ان کی عزت و عظمت اپنوں سے ہٹ کر بیگانوں سے کرواتا ہوں اور ان کی شہرت پورے عالم میں کرواتا ہوں تقریباً ۱۹۲۱ء میں جب احمد علی غریب الدیار، حکومت وقت کے مجرم کی حیثیت میں لاہور آتا ہے بیالیس سال بعد اسی لاہور میں جب اس کا جنازہ اٹھتا ہے تو ایک لاہور کے کئی لاہور نظر آتے ہیں۔ قاضی احسان احمد صاحب مرحوم جنازے کے ساتھ جا رہے ہیں اور مائیک ہاتھ میں ہے کہتے جا رہے ہیں اس لاہور سے امیروں کے، وزیروں و مشیروں کے جنازے بھی اٹھے آج ایک فقیر کے جنازے کا بھی نظارہ کر لو۔ امام بخاریؒ کی قبر کی خوشبو کا قصہ کتابوں میں پڑھا تھا لیکن حضرت لاہوری کے مزار کی مٹی کی خوشبو کو اپنے ناک سے سونگھا آج بھی بعض حضرات کے ہاں شیشیوں میں بند وہ مٹی موجود ہے۔ قدرت نے دنیا کے اندر ہی لوگوں کو دکھا دیا جو میرا بن جاتا ہے میں اسے اس طرح نوازتا ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و واقعات ہمارے لیے مشعل راہ اس قدر ہیں کہ ان کا احاطہ مشکل ہے: مشتے نمونہ از خروارے

چند باتیں محض اس نمبر میں اپنا نام شامل کرنے کے لیے میں نے تحریر کی ہیں ورنہ اس مرد قلندر محمود حسنؒ کے تارے اور تاج محمود امروٹیؒ کے پیارے اللہ کے ولی جلی کے مختصر حالات بھی تحریر کرنا مشکل ہیں۔ میری دعا ہے اللہ تعالے اس باغ کو ہمیشہ ہمیشہ ہرا بھرا رکھے۔ خصوصاً حضرت مولانا عبید اللہ انور اور خدام کا خود حامی و ناصر ہووے ؎

شیخ کی بارگاہِ ولایت میں

عقیدت کے پھول

مولانا جمیل احمد صاحب میواتی

اللہ تعالیٰ کی توفیق و فضل سے امام الاولیاء حضرت شیخ التفسیر نور المشائخ مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہٗ کے آخری عمر کے چھ سالوں میں رات دن پاس رہنا نصیب ہوا۔ اس طویل عرصہ میں بہت کچھ سُنا اور دیکھا۔ حضرت قدس سرہٗ کی وفات شریفہ کے فوراً بعد ایک عرصہ تک ملفوظات خدام الدین شائع ہوتے رہے اس کے بعد طبیعت ایسی سرد ہوئی کہ باوجود احباب کے اصرار فرمانے کے بھی طبیعت لکھنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ اس وقت مولانا محمد سعید الرحمٰن صاحب علوی کے فرمانے اور عزیزم مولوی ابوالمظفر ظفر احمد صاحب سلمہٗ مجاز حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروری نور اللہ مرقدہ کے اصرار پر کچھ لکھنے کی ہمت ہوئی کی وجہ تو ان دو صاحبوں کے اخلاص و تڑپ ہی کہہ سکا ہوں۔

اب چند ارشادات حضرت لاہوری قدس اللہ سرہٗ بحمد اللہ بعینہٖ جو دماغ میں محفوظ ہیں نقل کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اپنی کریمی کے صدقہ میں غفاری و ستاری فرماتے ہوئے اپنی رضائے پاک کا ذریعہ بنائیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے لیے نافع بنائیں۔ آمین۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرماتے تھے ہر پاگل مجذوب نہیں ہوتا یہ اہل پنجاب ہر پاگل کو مجذوب سمجھتے ہیں اس لیے پاگلوں کے پیچھے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں مجذوب عند اللہ مقبول ہوتا ہے۔ مجذوب مسلوب العقل ہوتا ہے اس کی عقل جذبۂ عشق الٰہی کی زیادتی اور اس کے سہارے نہ جانے کے سبب کھوئی جاتی ہے۔ مجنوں، دیوانہ، پاگل دنیاوی صدمات کے سبب اپنی عقل کھو بیٹھتا ہے اس کو ولایت سے کیا تعلق۔ اسی لیے میں کہتا ہوں ہر مجنوں ہر دیوانہ یا ہر پاگل مجذوب نہیں ہوتا۔

حضرت فرماتے تھے عقل مند وہ ہے جس کو آخرت کی فکر ہو اور اس کی تیاری میں ہمہ وقت مشغول ہے اسی لیے میں کہتا ہوں کہ عقلمند فقط اللہ والے ہیں باقی سب پاگل ہیں۔ لوگ کہتے ہیں عقلمند سارے، پاگل کوئی کوئی میں کہتا ہوں پاگل سارے عقلمند کوئی کوئی!

نیز ارشاد فرمایا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ بینا سارے اندھا کوئی کوئی میں کہتا ہوں اندھے سارے بینا کوئی کوئی۔ یہ ظاہری آنکھیں تو رام لال اور

سنت سنگھ کو بھی ملی ہوئی ہیں. بینا وہ جس کا دل بینا ہو اور یہ روشن ضمیری فقط اولیاء اللہ کو نصیب ہوتی ہے! یہ دولت فقط اللہ کے نام کی برکت سے ملتی ہے!

حضرت ارشاد فرماتے تھے کہ جو لیڈر یہ کہتے ہیں کہ مُلّا ازم نہیں آنے دیں گے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس ملک میں اسلام کا قانون نافذ نہیں ہونے دیں گے ان میں سے جو مر گئے ہیں وہ اس طرح اپنی قبروں میں تڑپ رہے ہیں جس طرح پکوڑے تیل میں تلے جاتے ہیں یقین نہ ہو چلو میں تمہیں دکھا دوں۔ مگر اس کے دیکھنے کے لیے آنکھیں چاہئیں اور وہ آنکھیں دل کی آنکھیں ہیں جو تمہیں نصیب نہیں یہ فقط کثرت ذکر اللہ اور صحبت اہل اللہ کی برکت سے نصیب ہوتی ہیں۔

حضرت فرماتے تھے مُلّا ازم کیا ہے۔ مُلّا تو یہی کہتا ہے کہ قرآن و حدیث کا قانون نافذ ہو تو کیا تم اسلام ازم کو مُلّا ازم کا نام دے کر مخالفت کر کے اپنی آخرت تباہ کرتے ہو مُلّا یہ تو نہیں کہتا کہ زنا کرو شراب پیو؟ معاذ اللہ۔

حضرت فرماتے تھے لوگ کہتے ہیں مُلّا بڑے بے ایمان ہیں۔ یہ نعرہ شیطان نے ان پنجابیوں کے منہ دے رکھا ہے میں کہتا ہوں کہ مُلّا اگر بے ایمان ہے تو کیا کنجر اور کنجریاں ایمان دار ہیں۔ کچھ شرم کرو!

لاہور میں جس بارات میں باجا وغیرہ جیسی خرافات نہ ہوتی تھیں سب جانتے تھے کہ یہ مولانا احمد علی کے مریدوں ہی کی بارات ہو سکتی ہے۔ اس پر پنجاب کی عورتیں بالخصوص یہ کہتی تھیں کہ (بارات) آ جنج ہے کہ جنازہ معلوم ہوتا ہے شیرانوالہ سے آئی ہے! اس لیے کہ پنجاب کے اکثر مُلّا مولوی جن کو اہل پنجاب سیپی کہتے ہیں وہ خود بھی ان خرافات میں شریک ہوتے تھے جرأت ایمانی ہو تو بات بنے۔ اس پر حضرت ارشاد فرماتے تھے کہ حق دو ہی طرح کے لوگ کہہ سکتے ہیں یا خود کما کر کھائے یا پھر اتنا یقین توکل تقوی ہو کہ اللہ تعالی سے بھیک مانگ کر کھاتا ہو! سیپی مُلّا حق نہیں کہہ سکتا این خیال است و محال است جنوں۔ جو جس کا کھائے کا اس کا گائے گا" الانسان عبید الاحسان "

حضرت رحمہ اللہ اپنے صاحبزادگان سے بہت محبت رکھتے تھے اکثر والہانہ انداز میں ہمارے سامنے ان حضرات کا تذکرہ فرماتے تھے۔ فرماتے میرے بڑے بیٹے حبیب اللہ (نور اللہ مرقدہ) کو علم و ذکر سے بڑی مناسبت ہے، مولوی حمید اللہ کو جہاد کا شوق ہے اپنے اور میرے نام سے لائسنس کی بندوق لے کر رکھی ہوئی ہے۔ میرے بیٹے مولوی انور کو تجارت کا شوق ہے. میں نے کراچی سے بلوا لیا ہے۔ کہ اب میرے پاس رہے. مولوی انور کو بچپن ہی میں دیوبند حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں چھوڑ آیا تھا تاکہ یہ ان کی خدمت کرے مولوی انور اور صاحبزادہ (مولانا اسعد مدنی) مدظلہم العالی بھائی بھائی کی طرح ایک ہی گھر میں پلے اور بڑے ہوئے ہیں۔

لاہور میں جامعہ مدنیہ کے لیے مجھے اچھی طرح یاد ہے حضرت والا نے پانچ روپے کا نوٹ مرحمت فرمایا اب یہ یاد نہیں رہا کہ کس کو دیا تھا۔ نیز یہ بھی فرمایا میرے چار بیٹے ہیں ان میں ایک مولوی حامد میاں بھی ہیں۔ پھر دیر تک حضرت مولانا حامد میاں مدظلہم العالی مہتمم جامعہ مدنیہ خلیفہ مجاز حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے لیے دعائے خیر فرماتے رہے! میں نے سنا ہے وہ پانچ روپے کا نوٹ حضرت مولانا حامد میاں صاحب مدظلہٗ نے اب تک تبرکاً اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ میں تو۔ اسی کی برکت مانتا ہوں کہ حضرت صاحبزادہ مکرم ولی ابن ولی سراپا خیر و برکت اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس جمیل درویش کامل صوفی باصفا عالم ربانی مولانا عبید اللہ صاحب انور مدظلہم العالی اور حضرت عالی السید مولانا حامد میاں صاحب شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ مدنیہ میں سگے بھائیوں کی محبت و مودت چلی آ رہی ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اجمل کو تو تھوڑا بہت میرا نقشہ یاد رہے گا اکمل تو بہت چھوٹا ہے اس کو میں کیا یاد رہوں گا۔ یہ دونوں حضرت والا کے پوتے ہیں حضرت مولانا انور صاحب مدظلہٗ کے صاحبزادے ہیں سلمہ اللہ تعالی۔ صاحبزادہ اکمل کی شکل حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ سے بہت ملتی ہے ہمیں وہ وقت بھی یاد ہے جب حضرت مولانا انور صاحب کی شادی ہوئی تھی۔ باوجود کہ ہم ان کے حاضر باش خدام جس میں جناب حافظ محمد اقبال صاحب صدیقی مقیم کرشن نگر لاہور بھی ہیں ہمیں بارات میں نہیں لے جایا گیا۔ واپسی پر حضرت والا نے بڑے اہتمام سے فرمایا بیٹا میں تم لوگوں کو اس لیے نہیں لے گیا کہ اول تو بارات کا وجود ہی اسلام میں نہیں اور ہم چند نفر چلے بھی جاتے تو لوگ کہتے پھرتے خود تو بارات کو منع فرماتے اور اپنے بیٹے کی بارات میں فلاں فلاں کو ساتھ لے گئے اس لیے میں اور مولوی انور دولہا اور مولوی حمید اللہ چلے گئے تھے۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ مولوی انور کے بیٹے کا نام اجمل میں نے حکیم اجمل خان مرحوم (مسیح الملک) کے نام پر رکھا ہے مسلمانوں کے بڑے خیر خواہ

اور ملت کا درد دل رکھنے والے تھے میں جب جیل میں ہوتا تھا تو میرے پیچھے بچوں کی خبر گیری فرماتے ہمارے محسن تھے۔

ایک مرتبہ فرمایا میں جب نماز کے لیے آتا ہوں تو اجمل میرا دامن پکڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے کہ میں بھی ساتھ چلوں گا (اس وقت حضرت کا چہرہ مبارک خوشی سے کھلا ہوا تھا) میں اس کو محبت سے کہہ سن کر پیچھا چھڑا کر آتا ہوں لوگوں کو دیکھا ہے ایسے موقعوں پر نمازیں اور تکبیر اولیٰ فوت کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت سب پر غالب ہونا چاہیئے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کل رات اچانک مہمان آ گئے گھر میں جو کھانا تھا ان کو کھلا دیا تھوڑا سا بچ رہا جو گھر والوں کو کافی نہ تھا۔ مولوی انور کہنے لگا اباجی حکم ہو تو بازار سے روٹیاں لے آؤں میں نے کہا نہیں جو ہے اسی کو سب صبر وشکر کر کے کھا لو! بازار میں اکثر بے نمازی بے غسل کھانا پکاتے ہیں گو شرعاً ان کا کھانا جائز ہے مگر اہل تقویٰ اس سے بہت ہی پرہیز کرتے ہیں اس لیے کہ اس میں نور نہیں ہوتا بلکہ بے نمازی کی نحوست کے سبب ظلمت ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میرے بیٹے حبیب اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے کبھی میری طرف پیٹھ نہیں کی اتنا ادب کرتا ہے! جب اس کا مدینہ طیبہ سے خط آتا ہے تو مولوی انور کی والدہ باوجودیکہ بیمار ہیں اُٹھ کر بیٹھ جاتی ہیں کہ میں اس کا خط خود پڑھوں گی۔

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ ریل میں سفر فرما رہے تھے سیاسی اختلافات کا طوفان زوروں پر تھا۔ میں نے مولوی انور اور مولوی حمید اللہ کو کہا کہ جاؤ حضرت کے لیے ڈھال بن جاؤ۔ چنانچہ سیاسی حریفوں نے حضرت پر پتھراؤ کیا میرے دونوں بیٹے حضرت والا کے سامنے کھڑے ہو گئے کئی پتھر مولوی حمید اللہ کو پیٹ پر لگے

مجھے یاد ہے کہ جب حضرت شیخ الاسلام مرشد عالم مولانا مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات شریفہ کی خبرات آٹھ بجے ریڈیو پاکستان نے نشر کی الفاظ کچھ اس طرح تھے دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث جمعیۃ علماء ہند کے روح رواں مولانا حسین احمد مدنی آج بعد دوپہر انتقال فرما گئے مرحوم کے ہندو پاکستان میں بکثرت مرید و عقیدت مند پائے جاتے ہیں۔

اس خبر کے نشر ہونے کے وقت مولانا عبدالقیوم صاحب مجاہد ختم نبوت مدرس نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میرے پاس بیٹھے تھے اور چائے پی رہے تھے خبر سنتے ہی چائے کی پیالی ہاتھ سے رکھ دی۔ میں نے کہا میں تو جاتا ہوں تاکہ حضرت کو اطلاع دوں کیونکہ میں حضرت کو مسجد سے ابھی ابھی گھر چھوڑ کر آیا ہوں میں فوراً دروازہ پر گیا اسلام علیکم زور سے کہا حضرت نے فوراً دروازہ کھولا میں نے عرض کیا حضرت اس اس طرح خبر میں نے خود سنی ہے حضرت نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور فرمایا اچھا بیٹا میں مسجد میں آ گیا حضرت والا اوپر بالاخانہ پر تشریف لے گئے۔

اگلے دن جمعہ تھا حضرت والا نے مولانا حمید اللہ کو فرمایا تو ہی اپنی زبان سے اعلان بھی کر دے اور ایصال ثواب کے لیے بھی جمعہ میں حاضرین سے کہہ دے میری زبان حضرت کی وفات شریفہ کی خبر کو ادا نہ کر سکے گی۔ (یہ غایت محبت کے سبب تھا) خطبہ جمعہ کے بعد مولوی حمید اللہ صاحب نے بھرّائی ہوئی آواز میں فرمایا حضرت مولانا مدنی مدظلہٗ العالی انتقال فرما گئے پھر فوراً سنبھل کر فرمایا حضرت مولانا مدنی نور اللہ مرقدہٗ انتقال فرما گئے گویا دل و دماغ پر اُن کا حیات ہونا ہی ابھی تک ثبت ہے اس لیے زندوں کے سے القاب و آداب زبان سے نکل رہے ہیں۔

حضرت اکثر حضرت عالی مدنی نور اللہ مرقدہ اور حضرت اقدس مولانا رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کی بہت ہی مدح سرائی فرماتے تھے نیز ارشاد فرماتے تھے کہ یہ دونوں حضرات جس بات کی تصدیق فرما دیں اور ان کے مقابلے میں چالیس کروڑ فاضل دیوبند بھی اگر بالفرض محال انکار کریں تو میں کہوں گا کہ یہ دونوں بینا ہیں ان کی تصدیق حق ہے ان کے مقابلے میں چالیس کروڑ کی تردید باطل۔ یہ دونوں حضرات اہل بصیرت اہلِ دل ہیں علم ظاہر کا حاصل کر لینا اور بات ہے دل کی بینائی اور بات ہے۔ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں۔

حضرت لاہوری قدس سرہٗ اکثر فرماتے تھے لاہور میں بڑے بڑے مفتی بڑے بڑے مُشرک ہیں! لاہور کی سولہ لاکھ کی آبادی میں ایک لاکھ میں ایک بھی بینا ہوتا تو سولہ بینا ہوتے لاہور شہر قرآن و سنّت کے نور سے جگمگا اُٹھتا مگر لاکھ میں ایک بھی نہیں۔

بڑے بڑے گدّی نشین جو تھان کے تھان سر پر لپیٹے پھرتے ہیں باطن کے اندھے ہیں ان کے بڑے بڑے مولوی باطن کے نور سے کورے ہیں کھائے جاتے ہیں نہ حرام کی تمیز نہ حلال کی تمیز میں بھی اگر ان کی رسومات میں شریک ہوتا تو میرے دروازہ پر زردہ پلاؤ کا ڈھیر ہوتا۔

سوائے لاہوریو سنو۔ تم کل کو یہ نہ کہنا کہ ربنا ما جاءنا من نذیر۔ اے اللہ ہمیں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ مجھ گناہ گار

کو کھڑا کر کے فرمائیں گے، کیا اس نے حق نہیں سنا کیا۔

کوئی حضرت صاحب کہلاتا ہو ہزاروں مرید پیچھے لگے ہوں جہاں جاتا ہو دیگیں پکتی ہوں لیکن اگر وہ خلاف شرع ہے تو یہ گمراہ ہے ہرگز ہرگز پیر نہیں ہے بلکہ شیطان ہے اس کی بیعت ہونا حرام ہے اور کوئی غلطی سے بیعت ہوگیا ہے تو اس کی بیعت توڑنا عین فرض ہے ورنہ وہ جہنم میں جائے گا تم بھی اس کے ساتھ جہنم میں جاؤ گے المرء مع من احب جو جس کے ساتھ محبت رکھے کل قیامت میں اسی کے ساتھ اٹھے گا۔ حق پرست وہ ہے جس کے داہنے ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں سنت خیر الانام ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ چاہے اس کا ایک بھی مرید نہ ہو! بعض نبی قیامت میں ایسے بھی ہوں گے جس کا ایک ہی امتی ہوگا تو ان کی نبوت میں معاذ اللہ کوئی کمی ہے۔ حضرات انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام کے تمام کامل اکمل اللہ تعالےٰ کے بھیجے ہوئے اور سچے ہوتے ہیں۔

حضرت فرمایا کرتے تھے میرے پاس لاہور کے ایک مولوی صاحب آئے کہ مناظرہ کرنا ہے میں نے کہا اس کی کیا ضرورت ہے یہ قرآن مجید ہے یہ احادیث مبارکہ ہیں جو خلاف شرع بات مجھ میں پاؤ بتلاؤ میں تمہیں اللہ پاک کی قسم کھا کر یقین دلاتا ہوں میں اسی وقت توبہ کر لوں گا اور اگر تم میں کوئی ایسی بات ہے تو تم توبہ کر لو۔ حنفیت کوئی قرآن وسنت کے خلاف مجموعہ کا نام ہے؟ فرمایا اس کے بعد پھر وہ مولوی صاحب نہیں آئے۔

حضرت بڑے جوش میں فرمایا کرتے تھے حضرت اقدس پیران پیر شاہ عبدالقادر جیلانی میرے دادا ہیں روحانی! (نور اللہ مرقدہٗ) ان کے ملفوظات کا مجموعہ موجود ہے جس میں سراسر قرآن وسنت توحید خالص اتباع سنت کی تعلیم بھری پڑی ہے۔ اے لاہوریو! کچھ تم دین کے نام پر اور حضرت کے نام سے منسوب کر کے بدعات و رسومات بجا لاتے ہو حالانکہ ان باتوں کا اسمیں ذکر تک نہیں! عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جنتی کون ہے؟ ارشاد فرمایا "ما انا علیہ واصحابی" کما قال۔ میں اور میرے صحابہ جس ڈگر پر ہیں" آپ نے کسی طبقہ وفرقہ کا نام نہیں لیا۔ بلکہ قیامت تک کے لیے ایک کسوٹی اور معیار مقرر فرما دیا آج لوگ عوام کو اپنی اغراض وپیٹ کی خاطر قرآن وحدیث کے مطالب کو غلط طور پر پیش کر کے الّو بناتے ہیں یہ علماء سوء ہیں۔

حضرت فرمایا کرتے تھے میں تمہیں قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا عرس کیا تھا۔ کیا روضۂ اطہر پر قوالیاں کرائی تھیں، میلہ لگایا تھا یا اور دیگر ایسی ہی خرافات کا وہاں وجود تھا۔ جو تم آج دین کا نام لے کر بلکہ جزو دین سمجھ کر کرتے اور کراتے ہو کیا تم صحابہ کرام سے زیادہ قرآن وحدیث کے سمجھنے والے ہو کیا تم صحابہ پاک سے زیادہ عاشق رسول ہو! ظالمو! ابھی وقت ہے توبہ کر لو۔ کیوں امت محمدیہ کو پیٹ کی خاطر گمراہ کرتے ہو۔!

ایک مرتبہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب قدس سرہٗ حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہٗ کی قبر شریف پر تشریف لے گئے کھڑے ہی کھڑے فاتحہ پڑھتے رہے حالانکہ اس وقت بھی سو سال سے زیادہ عمر تھی پھر بہت روئے اور فرمایا اب ایسے لوگ کہاں ہیں اور بہت تعریف فرمائی۔

عصر کے بعد کا وقت تھا جامعہ اشرفیہ میں عام مجلس لگنے سے پہلے میں حضرت مولانا رسول خاں قدس سرہٗ کے گھر پر حاضر تھا خود ہی فرمانے لگے ایک مرتبہ مودودی صاحب کا آدمی آیا اور کہنے لگا کہ "مولانا مودودی صاحب" فرماتے ہیں کہ حضرت والا اگر میرے غریب خانہ پر تشریف لے آویں تو عنایت ہوگی ورنہ میں خود ہی در دولت پہ حاضری دوں کچھ باتیں کرنی ہیں۔ میں نے عرض کیا پھر حضرت نے کیا فرمایا، ارشاد فرمایا میں نے نہ یہ کہا کہ میں نہیں جاتا نہ یہ کہا کہ وہ یہاں آویں یا نہ آویں۔ میں نے تو یہ کہا کہ ان سے کہہ دیجئے گا کہ میں تو صحابہ کی محبت میں اندھا ہوں"۔ پڑھیئے اور سر دھنیئے"۔

آج صرف سیاسی اختلاف کی بنا پر ہم اس ہستی کو برا سمجھ رہے ہیں جو کل تک ہمارے سب کچھ تھے اور اس شخص سے صرف نظر کر رہے ہیں جس سے صحابہ رضوان اللہ علیہ کے بارے بنیادی اور خالص دینی اختلاف تھے اور ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم العالی جب بھی لاہور حضرت والا کے گھر تشریف لاتے بڑے اکرام سے پیش آتے واپسی پر مجھ سے تانگہ منگواتے رخصت کے وقت بچوں کے لیے کچھ چیزیں نئے کپڑے میں باندھ کر مرحمت فرماتے اور جب تک حضرت مفتی صاحب کا تانگہ آنکھوں سے اوجھل نہ ہوتا حضرت لاہوری چھوٹی مسجد کے دروازہ پر کھڑے رہتے۔ دونوں حضرات ہمارے نزدیک تو واجب الاحترام قابل فخر ہیں۔ ملفوظات وارشادات کو کسی خاص عنوان کے تحت جمع نہیں کیا جا رہا بلکہ جیسے جیسے ذہن میں جو بات آرہی ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے لکھ رہا ہوں احباب اس بے ترتیبی کا خیال نہ فرمائیں۔

مغرب اور عشاء کے درمیان حضرت والا کچھ دیر استراحت فرماتے تھے سالوں یہ معمول رہا کہ میں پاؤں دباتا تھا اور حافظ اقبال صاحب پنکھا جھلتے تھے جب گرمی شدید ہوتی تو پیسے دو پیسے کی برف لے آتے اور پلیٹ میں رکھ لیتے اس کا جو پانی بنتا رہتا تھا اس کو پنکھے پر چھڑک لیتے اس طرح ہوا کرنے سے ننھی ننھی ٹھنڈی بوندیں حضرت والا پر پڑتی رہتیں ؏ اور ایک راحت کا سبب بنتیں۔ ایک مرتبہ اچانک آنکھیں کھل گئیں فرمایا آپ سرہانے آ بیٹھئے اور پنکھا جھلیں حافظ اقبال پاؤں دبائیں اس میں کیا حکمت تھی یہیں آج تک معلوم نہیں ہو سکی! ہم تو حکم کے بندے تھے بیٹھے فرمایا ویسا ہی کر لیا۔ سوتے وقت حضرت ارشاد فرماتے اتنے بجے اٹھا دینا ابھی ہم گھڑی دیکھ کر اٹھانے کا ارادہ ہی کرتے کہ حضرت والا " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ " پڑھتے ہوئے خود ہی بیدار ہو جاتے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے جگایا ہو۔ پھر فرماتے لوٹے میں پانی لاؤ وضو کر لیں۔ ایک مرتبہ مجھے فرمایا آج تو ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے مصلّیٰ یہاں بچھاؤ یہاں سنتیں پڑھیں گے (شمالی مینار کے قریب) عشاء کا وضو اکثر اس جگہ فرماتے تھے جہاں اب حوض پر چند کیٹی کے پانی کی ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں! حضرت والا کی چارپائی حجرہ مبارکہ کے دروازے اور حوض کے درمیان والی جگہ پر ہوتی تھی جہاں آجکل گرمیوں میں آیت کریمہ والی جمعرات کے علاوہ حضرت مولانا انور صاحب مدظلہم مجلس ذکر کرتے وقت تشریف فرما ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کی معیت میں ریل کا سفر کر رہا تھا گرمی سخت تھی میں نے پنکھا لینے کی غرض سے جیب میں ہاتھ ڈالا تاکہ پیسے نکالوں حضرت والا نے فرمایا کیا ارادہ ہے میں نے عرض کیا حضرت والا کے لیے پنکھا لینا ہے ارشاد فرمایا جیل میں کون پنکھا جھلے گا۔ اس پر میں نے ارادہ ترک کر دیا۔

حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہٗ اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے ساری دنیا ایک طرف حضرت مدنی ایک طرف حضرت تو استقامت کے پہاڑ ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد کسی صاحب سے سُنا تھا نام اب ذہن میں نہیں رہا۔ کہ " میں مسجد اور مولانا احمد علی کے گھر تمام راستہ میں نور ہی نور دیکھتا ہوں۔

حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہ کو ایک مرتبہ شیخ القراء حضرت قاری عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدرسہ کے سالانہ جلسہ پر صدارت کے لیے بلا لیا۔ اس وقت یہ مدرسہ مدنی مسجد پرانی انارکلی میں تھا مسجد اپنے پرانے حال پر تھی جدید تعمیر نہ ہوئی تھی ظہر کے بعد کا وقت تھا صحن میں شامیانہ لگا ہوا تھا۔ یہ وہ سال تھا جس سال استاذ القراء اظہار احمد صاحب تھانوی، جناب استاذ القراء قاری محمد شریف صاحب، استاذ القراء قاری حسن شاہ صاحب وغیرہ فارغ ہوتے تھے۔ مجھے یاد ہے جناب قاری حسن شاہ صاحب نے تلاوت شروع فرمائی آسمان پر بادل نمودار ہوتے ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوئی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی فضا جنت نشان بن گئی۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند اس نشست کی صدارت فرما رہے تھے تلاوت سُننے کے بعد قاری حسن شاہ صاحب کے پڑھنے کو بہت ہی سراہا خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے فرمایا بہت ہی عمدہ پڑھا۔

ہاں تو جس نشست کی بات میں سُنا رہا تھا اس میں حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہٗ کی صدارت تھی اتنے میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور و خلیفہ اعظم حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ تشریف لے آئے اور منبر کے قریب ہی بیٹھ گئے بڑا منور چہرہ تھا اللہ تعالیٰ ان کے درجات عالیہ میں بیش از بیش ترقیات مرحمت فرمائیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا ارشاد ایک جگہ پڑھا کہ حضرت مدنی رُوحانیت کے بادشاہ ہیں"!

اس موقع پر حضرت لاہوری مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا۔ پنجاب اور صحیح قرآن پڑھا جانا ایک دوسرے کی ضد ہیں یہ جناب قاری عبدالمالک صاحب کی تشریف آوری اور ان کی محنت و خلوص کی برکت ہے کہ آج جگہ جگہ صحیح قرآن مجید پڑھا اور سُنا جا رہا ہے۔

حضرت قاری عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ بقول قاری صاحب مرحوم کی وصیت کے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا تھا ان دنوں اپنے حضرت اقدس مولانا رائے پوری قدس سرہٗ لاہور میں صوفی عبدالحمید صاحب مرحوم کی کوٹھی واقع جیل روڈ پر قیام فرماتے۔

حضرت قاری عبدالمالک عموماً ظہر کے بعد حضرت اقدس مولانا رائپوری قدس سرہ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ مولانا حافظ خیر الدین صاحبؒ، جناب قاری فضل کریم صاحب رحمۃ اللہ بھی بعد عصر حاضری دیتے تھے کیسے اچھے لوگ تھے۔ حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہ کا حضرت اقدس مولانا رائے پوری نور اللہ مرقدہ جن کی علو مرتبت کے اظہار کے لیے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں کی خدمت عالیہ میں بڑے اہتمام و ادب سے اکثر و بیشتر حاضری دیا کرتے تھے جس کی تفصیل کسی موقع پر انشاء اللہ خدام الدین میں پیش کی جائے گی۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری

آغا شورش کاشمیری مرحوم

تمام دنیا میں علماء کے تین گروہ رہے ہیں۔ ایک گروہ اہل حق کا ہے جو محض حق کی اشاعت ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے لیے جہاد بھی کرتے ہیں اور اس راہ میں آزمائش و ابتلاء کے ہر مرحلہ سے گذر جاتے ہیں۔ دوسرا بھی اہل حق ہی کا گروہ ہے لیکن اس گروہ کے افراد مکروہات دنیا سے دامن کشاں ہونے کے باعث گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے لیے سب سے بڑی متاع ان کا بوریۂ فقر و استغناء ہے۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو دین کی چادر میں مصلحتوں کے پیوند لگاتے ہیں اور زہد و علم کی آڑ میں نفس کی دکان سجاتے ہیں۔ یہی آخری گروہ ہے جس کے بارے میں علمائے سُوء کی اصطلاح وضع ہو چکی ہے۔

علمائے حق اور علمائے سُوء

جب سے تاریخ کی روشنی ہمارے سامنے آئی ہے اور ہم حق و باطل کے معرکوں سے آگاہ ہوئے ہیں، دین و مذہب کی صف میں، علمائے حق اور علمائے سُوء کی آویزش چلی آ رہی ہے۔ علماء سُوء نے ہر عہد میں فتنے برپا کئے۔ اپنوں کا دَور ہو یا پرایوں کا، ان کی مداہنت نے حق میں قلمیں لگانے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ اپنوں کے دَور میں ان کا رول اور بھی خطرناک ہو جاتا ہے۔ پرایوں کا تجربہ تو انگریزوں کے دَور میں ہندوستانی مسلمانوں کو اس وقت ہُوا، جب یہ برصغیر برطانوی استعمار کے پنجہ میں آ گیا اور دارالحرب یا دارالامان کی بحثیں مختلف اشکال میں سامنے آئیں۔ انگریزوں نے مسلمانوں میں نظریۂ جہاد کو منسوخ کرنے یا اس کا رُخ پھیرنے کے لیے بڑے بڑے جتن کئے۔ علماء سُوء کی کھیپ تیار کر کے اس کے نگار خانہ سے ایسے ایسے نوادر نکالے کہ برصغیر میں مسلمانوں کی پوری تاریخ مجروح ہو گئی۔ یہ جہاد پر خطِ تنسیخ کھنچوانے کی خفی و جلی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ برصغیر کو دارالامان قرار دینے کی خاطر علماء کا ایک متبادل گروہ تیار کیا گیا جس نے دیوبند کی مزاحمت کے لیے ایک نیا دین اٹھایا اور اس نئے مذہب کی شاخوں کو پانی دیا۔ ان لوگوں نے قرآن و حدیث کی تفسیروں سے، انگریزوں کے اولی الامر ہونے کا جواز پیدا کیا۔

پنجاب جو برِ صغیر کا بازوئے شمشیر زن تھا، وہاں نظریۂ جہاد کی بساط سمیٹ دینے کے لیے ظلّی و بروزی نبوّت کی داغ بیل ڈالی۔ پھر اس نبوّت کی دُکان کو اس طریقے سے چمکایا کہ علمائے حق زِچ ہو کر رہ گئے۔ ممکن ہے زچ کا لفظ یہاں صحیح نہ ہو۔ ان علماء پر یہ بیتی کہ جب تک انگریز رہا "یہ لوگ" تین طرف سے نرغہ میں رہے۔

سامراج کی مخالفت

اوّلاً انگریزوں نے انہیں تختۂ ستم بنائے رکھا۔ اور ان پر نسلاً بعد نسلٍ ابتلاء کا دور رہا۔

ثانیاً، غیر مسلموں نے ان کے سیاسی وجود کو جماعتی طور پر قبول نہ کیا کیونکہ ان کے نزدیک یہ لوگ اسلام کی اساس پر برطانوی سامراج کے مخالف تھے۔

ثالثاً، خود مسلمانوں نے من حیث الجماعت ان سے، اس حسن سلوک کا برتاؤ نہ کیا۔ جو ان کی قربانی و ایثار کے لگاتار مضمرات کا تقاضا تھا، اس حوصلہ شکن فضا اور ناموافق آب و ہوا کے باوجود علمائے حق کا یہ گروہ نبرد آزما رہا اور اپنے کردار و عمل کے اتنے گہرے نقوش چھوڑے کہ تاریخ انہیں آسانی سے محو نہیں کر سکتی اور نہ ان کے بعجلت فنا ہونے کا اندیشہ ہے۔

مولانا احمد علی (نور اللہ مرقدہٗ) علمائے حق کی اسی جماعت کے فرد تھے ان کا تعلق جہاد و غزا اور نظر و فکر کے اس سلسلہ سے تھا جو مجدد الف ثانیؒ سے نسبت خصوصی رکھتا ہے۔ جس کے سرخیل شاہ ولی اللہؒ تھے، جس کی نیو سید احمدؒ اور شاہ اسمٰعیلؒ نے اٹھائی، جس کی شاخیں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ ہائے دار و رسن سے پھوٹیں۔

وہ معناً ولی اللّٰہی ٹہنی ہی کے پتّا تھے، اس درخت ہی کا ایک پھول تھے جو محمد قاسم نانوتوی اور رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ تعالٰے نے اگایا۔ شیخ الہند کے ہاتھوں پروان چڑھا اور ان کے نیک نفس جانشینوں نے سرسبز کیا۔

علمائے حق کی یہ ایک ایسی زنجیر ہے کہ جس کی عظمت پر حیرت ہوتی ہے، انسان حیران ہوتا ہے کہ انسانوں کی جماعت ہے یا قدرت کا معجزہ، ایک لکیر کھنچی چلی آتی ہے۔ نہ کوئی جھول ہے، نہ کوئی خم ہے نہ کوئی گرہ ہے، ایک صاف ستھرا سلسلہ ہے، جو شروع سے اب تک چلا آ رہا ہے اور جن لوگوں نے اس راہ کو اختیار کیا ہے وہ کہیں بھی ہٹے محسوس نہیں ہوتے بلکہ جوانمردوں کا ایک قافلہ ہے جو فکر و نظر کے ہمرکاب، حق گوئی کے سائے میں بڑھا چلا جا رہا ہے۔ افسوس ہے کہ اس جماعت حق کے احوال و کوائف ابھی اس صورت میں سامنے نہیں آئے جو اس جماعت کی عظیم الشان جد و جہد کا طغرائے امتیاز ہیں اس کے بھی وجوہ ہیں۔ لیکن یہ بات غنیمت نظر آ رہی ہے کہ تاریخ نے ان کے تذکرے کو قبول کر لیا ہے اور بعض گم شدہ گوشے ابھر ابھر کر سامنے آ رہے ہیں۔

نظیریؔ کا یہ شعر بڑا ہی بلند سمجھا جاتا ہے کہ ؎

گریزد از صفِ ما آنکہ مرد غوغا نیست کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

اقبالؔ نے مصرعۂ ثانی کی قیمت ان الفاظ میں بیان کی ہے ؎

بملک جم و دہم مصرعۂ نظیری را کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

مولانا احمد علی اس زمانہ میں اسی قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ جہاں تک خاندان کا تعلق ہے ان کے والد مسلمان ہوئے تھے مولانا عبید اللہ سندھی نے خود اسلام قبول کیا تھا۔ اتفاقات کی بوقلمونی ملاحظہ ہو کہ والد کا انتقال ہو گیا تو حضرت دین پوری نوّر اللہ مرقدہ نے آپ کی والدہ کا نکاح مولانا عبید اللہ سندھی سے پڑھوا دیا۔ جو کچھ دنوں بعد رحلت کر گئیں۔ مولانا سندھی کی پہلی اہلیہ میں سے ایک لڑکی مریم بی بی تھیں انہوں نے اس

کا نکاح آپ سے کر دیا مگر وہ پہلے سال ہی داغ مفارقت دے گئیں۔ اس رشتہ نے جو تلمذ کی اساس پر شروع ہوا تھا جانبین میں ایک ایسا رشتہ استوار کر دیا کہ اس کی شکست و ریخت کا سوال ہی اُٹھ گیا۔

ریشمی رومال کی تحریک

مولانا عبیداللہ سندھی حضرت شیخ الہند کے شاگردوں میں سے تھے۔ ہمیشہ برطانوی ملوکیت کے خاتمہ کی فکر میں رہتے۔ اس غرض سے انہوں نے دیوبند کو بالا کیا ۱۹۰۹ء میں جمعیتہ الانصار قائم کی ۱۹۱۳ء میں دہلی کی فتحپوری مسجد میں نظارۃ المعارف قائم کیا۔ اس مدرسہ کا مقصد اولی جہاد و غزا کے لیے مجاہدین تیار کرنا تھا۔ اسی اثنا میں ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی حضرت شیخ الہند نے مولانا سندھی کو کابل بھجوا دیا۔ تو انہوں نے حضرت شیخ الہند کے مشورہ سے آپ کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ خود حضرت شیخ حجاز تشریف لے گئے۔ مولانا محمد میاں انصاری کو رابطہ افسر مقرر کیا گیا۔ انگریزوں پر یلغار کرنے کا یہ ایک منصوبہ تھا جو ریشمی رومال کی تحریک سے موسوم ہے۔ یہ نامہ و پیام زرد ریشمی رومال پر لکھا جاتا اور جانبین کو تسلیم ہوتا تھا۔

پہلا ریشمی رومال ۹ جولائی ۱۹۱۴ء (مطابق ۸ رمضان المبارک) کو حضرت شیخ الہند کی خدمت میں حجاز روانہ کیا گیا۔ اس مکتوب میں بہت سی تفصیلات تحریر تھیں۔ سندھ کے شیخ عبدالرحیم کی معرفت یہ خط حضرت شیخ کو پہنچا۔ ان شیخ عبدالرحیم ہی کی بیوہ نے شوہر کی وصیت کے مطابق اپنی اراضی کا ایک بڑا حصہ فکر ولی اللّٰہی کی اشاعت و ترویج کے لیے وقف کیا ہے۔ اس اکیڈمی کے تحت شیخ عبدالرحیم کے نام پر ماہنامہ "الرحیم" نکلنا شروع ہوا ہے اور پروفیسر محمد سرور جامعی اس کے ایڈیٹر ہیں۔

کسی طرح یہ "تحریک" انگریزوں کے ہاتھ آ گئی انہوں نے حضرت شیخ الہند کو حجاز میں گرفتار کرا کے مالٹا میں قید کر دیا۔ اور جہاں جہاں اس تحریک کے برگ و بار تھے انہیں ختم کرنا شروع کیا جو جو لوگ اس میں شریک تھے گرفتار کیے گئے۔ مولانا احمد علی کو بھی فتح پوری کی مسجد سے پکڑ لیا گیا، گھر کی تلاشی لی گئی۔ ایک شریک درس عقیدت مند کی مخبری پر چھت میں لٹکی ہوئی نلکی پر بھی قبضہ کر لیا گیا جس کے متعلق شبہ یہ تھا کہ اس میں ریشمی رومال ہوں گے لیکن اس میں حضرت علامہ انور شاہ کی دستخطی سند تھی۔ جو آپ کو طالب علمی سے فارغ ہونے پر دی گئی تھی۔

کچھ دنوں افسرانِ مجاز نے آپ کو اِدھر اُدھر پھرایا۔ مختلف حوالاتوں میں رکھا، بالآخر راہوں کے تھانے میں نظربند کر دیا۔ وہاں سے لاہور لایا گیا۔ آخرکار کٹھن مرحلے کے بعد آپ کو رہائی حاصل ہو گئی۔ حکومت نے آپ کو لاہور میں پابند کر دیا۔ یہ آپ کے لاہور میں قیام کی بناء ٹھہری۔ یہاں آپ نے لائن سبحان خان (شیرانوالہ دروازہ) کو قیام کے لیے منتخب کیا۔ اور یہیں ایک چھوٹی سی مسجد میں درسِ قرآنِ حکیم دینے لگے۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے آپ سے وعدہ لیا تھا کہ تمام زندگی قرآن پاک کی اشاعت و تبلیغ کے لیے وقف کر دیں گے۔ چنانچہ مرتے دم تک یہی آپ کا شعار رہا۔

انجمن خدام الدین

موجودہ مسجد کی تعمیر و وسعت اور انجمن خدام الدین کا قیام و استحکام تمامتر حضرت کی مساعی مشکور کا معجزہ ہے۔ واقفانِ حال کا بیان

ہے کہ جہاں آج کل بڑی مسجد ہے یہاں کبھی سرکاری اونٹوں کا طویلہ تھا۔ جہاں انجمن کا مدرسۃ البنات ہے وہاں پولیس کی چاند ماری کے لیے جگہ تھی۔ مسجد میں اکا دُکا شخص ہی نماز پڑھتا تھا۔ گرد و پیش صرف دو تین مسلمانوں کے مکان تھے۔ تمام محلہ ہندوؤں اور سکھوں سے آباد تھا یا پھر اِدھر اُدھر کوٹھی خانے تھے۔ مولانا کے قدوم میمنت لزوم کا یہ فیض تھا کہ دنوں ہی میں کایا پلٹ ہو گئی۔ رفتہ رفتہ نہ صرف یہ علاقہ ہی مسلمانوں کا ہو گیا بلکہ شیرانوالہ کی یہ مسجد علم و نظر کا مرکز بن گئی۔ حریت و استقلال کے معرکوں کو یہاں سے غذا ملنے لگی۔

ہجرت اور مراجعت

امیر امان اللہ خاں نے انگریزوں سے جنگ کی تو جن مسلمانوں نے ہجرت کی ان میں آپ بھی تھے۔ پنجاب کے مہاجرین نے آپ کو امیر منتخب کیا۔ جب امان اللہ خاں نے انگریزوں سے مفاہمت کر لی تو معاہدہ کے مطابق آپ کو پھر واپس آنا پڑا۔ واپس آ کر آپ نے لاہور کے دینی اور سیاسی مزاج کا رُخ بدلنا شروع کیا۔ لاہور میں جمعیت العلماء کا سب سے پہلا اجلاس شیرانوالہ ہی میں منعقد ہوا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس اجلاس کی صدارت کی۔ سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کو خدام الدین ہی کے جلسہ میں امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ حضرت علامہ انور شاہ بھی اس اجلاس میں موجود تھے۔ انہوں نے بیعت فرمائی۔

جس جس انداز سے جو جو تحریکیں برطانوی سامراج کے خلاف اٹھتی رہیں۔ آپ اُن میں بالواسطہ اور بلا واسطہ شریک ہوتے رہے۔ آپ نے عمر بھر میں جو خطبات دیے وہ نہ صرف بدعات کے خلاف جہاد کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ ان کا انداز ہی ایسا تھا کہ لوگ سیاسی طور پر برطانوی استعمار کے خلاف ہوتے چلے جاتے تھے۔ عمر بھر انگریزوں کی غلامی اور اس کے خود کاشتہ پودوں کا محاسبہ کیا۔ بالطبع مجاہد عظیم تھے۔ جہاں تہاں انگریزوں کو ضرب لگانے کا موقع ملتا اس سے چوکتے نہیں تھے، ہمیشہ ہی انگریزوں کو ہدف تنقید بنائے رکھا۔ اللہ سے لو لگا کر اپنے آپ کو اتنا بلند کر لیا تھا کہ سرکاری مخبر بھی آپ کے معاملہ میں توبہ تائب کر لیتے تھے۔

سلف کی یادگار

مسلمانوں کی جتنی تحریکیں اٹھیں بشرطیکہ ان کا رُخ برطانوی استعمار کے خلاف ہو ان کے پشتیبان تھے۔ بعض دفعہ کلمۂ حق کی اشاعت کے لیے انہیں جیل جانا پڑا لیکن ان کا احترام اتنا تھا کہ خود اعضائے حکومت انہیں جیل میں رکھنے کے لیے راضی نہ ہوتے تھے۔ انگریزوں نے انہیں جب کبھی قید و بند میں ڈالا قدرت نے ایسا ساز و سامان پیدا کر دیا کہ انہیں رہا کئے بغیر چارہ نہ رہا۔ ع پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اصلاً اور معناً وہ ان علمائے سلف کی یادگار تھے جو امویوں اور عباسیوں کے درباروں میں کلمۃ الحق کی نگہبانی کیا کرتے اور منبر و محراب پر کھڑے ہو کر اولوالامر کی تلقین اور نواہی کی تکذیب فرماتے تھے۔

مجاہدین سے رابطہ

مجاہدین سرحد سے ان کا آخر وقت تک رابطہ رہا۔ جب کبھی انگریزوں کے خلاف سرحد کے کسی حصے میں شورش برپا ہوتی وہ اس کی امداد اپنے اوپر فرض کر لیتے۔ جو لوگ سیّد احمد شہید کے قافلے سے بچھڑ کر سرحد میں رہ گئے تھے یا جنہوں نے حلف لیا تھا کہ وہ انگریزوں کی عملداری میں ہندوستان نہیں جائیں گے آپ اس سلسلہ کے معاونین میں سے تھے۔ مولانا لال حسین اختر راوی ہیں کہ جس طرح ہندوستان کی کسان پارٹی کو امریکہ کی غدر پارٹی امداد دیتی رہی یا پنجاب کا کرتی گروپ اس بیرونی امداد کے سہارے سیاسی جد و جہد میں شریک رہا اسی طرح مولانا احمد علی آخر دم تک ان مجاہدوں کا ایک ایسا ذریعہ بنے رہے، جس سے انہیں امداد پہنچتی رہی اور دوسری جنگ عظیم میں بھی امداد کا یہ سلسلہ رُکا نہیں۔

خود مولوی لال حسین صاحب کی روایت کے مطابق ایک دفعہ کا انہیں ذاتی تجربہ ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ ایک دفعہ مجھے حضرت نے فرمایا "مولوی صاحب! ان صاحب کے ساتھ یہ بیگ لے کر فلاں سٹیشن تک چلے جاؤ۔ وہاں یہ بیگ ان کے حوالے کر کے واپس چلے آنا۔ اس سے پہلے نہ تو گھلنے ملنے کی ضرورت ہے اور نہ اس بیگ سے بے پروائی برتنی ہوگی۔" حیران تھا کہ کیا ماجرا ہے۔ میرا ساتھی کلین شیو اور کوٹ پتلون میں تھا۔ نہ مَیں نے اس سے استفسار کیا نہ اس نے مجھ سے کھُل کے بات کی۔ مقررہ جگہ مَیں نے بیگ اس کے حوالے کیا۔ وہ رسمی علیک سلیک کے بعد رخصت ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد حضرت سے پتہ چلا کہ یہ شخص اسی سلسلہ کا ایک معتمد رفیق ہے خطوط لاتا اور پیغام لے جاتا ہے۔ حضرت دونوں حلقوں کی درمیانی کڑی تھے۔ یہ بات بھی کھُل گئی کہ اس بیگ میں پچاس ہزار روپے کے نوٹ تھے جو مجاہدین کے لیے بھیجے گئے تھے۔ غیبی امداد کی رقم اسی طرح روزانہ روانہ کی جاتی۔ مولانا اس رقم اور راز کے امین تھے ان کا دماغ انہی خطوط پر آخر وقت تک کام کرتا رہا۔ جو شیخ الہند نے برطانوی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے تیار کئے تھے۔

افسوس! اشکِ سحرگاہی سے وضو کرنے والے یہ لوگ جو خال خال رہ گئے تھے۔ اب نہ صرف ہمیشہ کی نیند سو گئے ہیں بلکہ اگر چراغِ جستجو لے کر نکلیں تو بھی اس اندھیری رات میں ان چہروں کی تلاش ناممکن ہے۔

ہم جیسے لوگ جو عشق و معرفت کی راہوں سے آگاہ نہیں ہوتے اور جنہیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ایک انسان تزکیۂ نفس اور معراج عملی کے بعد زندہ کرامت بھی ہو سکتا ہے۔ مولانا احمد علی نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت کا کماحقہٗ احاطہ نہیں کر سکتے۔ البتہ یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ ہم ایک ایسی عظمت سے محروم ہو گئے ہیں جس کا وجود اس گئے گذرے زمانہ میں آیات من اللہ میں سے تھا۔ اور جو مبدءِ فیاض سے مردِ مومن کی صفات لے کر آیا تھا۔ ؏

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُرسوز

چند تاثرات ، چند مشاہدات

جناب محمد اسحٰق بھٹی - ادارہ ثقافت اسلامیہ - لاہور

میانہ قد، متوسط جسم ، نورانی چہرہ ، لمبی داڑھی ، روشن آنکھیں ذہانت کی آئینہ دار، چلیں تو عالمانہ وقار کے حامل ، بولیں تو موتی برسائیں ، صاف ستھرے مگر سادہ لباس میں ملبوس ، ہونٹوں پر ہر آن مسکراہٹ چھائی ہوئی ، یبوست سے دور ، عبوست سے نفور ، تعصب سے متنفر ، گفتگو میں نرم ، عمل میں گرم ، کردار میں پاکیزہ ، عمدہ خصائل ، خوش مزاج ، اخلاق میں قرآن کے قالب میں ڈھلے ہوئے ، مہمان نواز ، معاصرین کے احترام میں بے مثال ، اہلِ علم کی تکریم میں بے مثال ، چھوٹوں کے مشفق ، متبع سنت ، قاطع بدعت ، مبلّغِ توحید ، تحریکِ آزادیٔ برصغیر کے بطلِ جلیل ، تفسیرِ قرآن میں یکتا ، عمل بالحدیث میں اپنی مثال آپ ، فقہ میں ماہر کامل ، تصوّف میں عدیم النظیر ، طریقت میں منفرد ، وعظ و تبلیغ دین میں پوری ایک جماعت کے قائم مقام ، ایثار پیشہ ، نصح و خیر خواہی کے پیکر ، اعتدال و توازن کا مرقع ، ذکر و فکر کا دل نواز مجموعہ ، ہر پہلو سے عامل شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ——! یہ تھے حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ ——!!

سب سے پہلے حضرت مرحوم کا اسمِ گرامی مَیں نے ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء میں سنا - وہ میرے بچپن کا زمانہ تھا اور مَیں تھوڑی بہت اردو پڑھ لیتا تھا - ان دنوں حضرت الاستاد مولانا محمد عطاء اللہ حنیف میرے وطن مشرقی پنجاب کی ریاست فرید کوٹ کے قصبہ کوٹ کپورہ میں قیام پذیر تھے اور وہاں کی مسندِ خطابت و تدریس ان کے سپرد تھی میں ان سے بالکل ابتدائی درسی کتابیں پڑھتا تھا - وہ کسی کام لاہور تشریف لائے اور واپسی پر $\frac{30 \times 20}{16}$ سائز کی ایک موٹی سی کتاب عنایت کی - کھول کر دیکھی تو چند چھوٹے چھوٹے دینی اور مذہبی رسائل پر مشتمل تھی جو حضرت مولانا احمد علی مرحوم کے تصنیف کردہ تھے اور ایک ہی جلد میں مجلد تھے - ان کے نام اصلی حنفیت ، میلاد مروّجہ کی شرعی حیثیت وغیرہ تھے - انجمن خدّام الدّین شیرانوالہ دروازہ لاہور کی طرف سے شائع کئے گئے تھے - زبان سادہ اور عام فہم تھی - ان کے مضامین کی تاثر انگیزی کا یہ عالم تھا کہ ہر بات دل کی تہوں میں اترتی جاتی تھی - مَیں نے وہ رسالے بڑے شوق اور توجّہ سے پڑھے ، بہت سے لوگوں کو پڑھنے کے لیے دیے - متعدد افراد نے یہ رسالے انجمن خدام الدین سے منگوائے اور ان کا مطالعہ کیا —— ان رسالوں کا تعارف کراتے ہوئے مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف ان کے مصنف شہیر مولانا احمد علی صاحب کی بڑی تعریف کرتے اور ان کی علمی اور تبلیغی سرگرمیوں کی وضاحت فرماتے -

اس کے بعد وقت گزرتا گیا اور حضرت مرحوم کی بھرپور اور پُرخلوص علمی، عملی اور سیاسی مساعی کے چرچے سننے اور پڑھنے میں آتے رہے ۱۹۴۱ء کی سردیوں میں ہیں حضرت مولانا محمد اسماعیل مرحوم (گوجرانوالہ) کے سلسلۂ درس اور حلقۂ تلمذ میں شریک تھا کہ ایک دن مولانا عبدالمجید (سوہدروی مرحوم) سترہ اٹھارہ کے ایک جوانِ رعنا کو جو سفید کھدّر کا کرتہ شلوار پہنے ہوئے اور کھدر ہی کی سفید چادر اوڑھے ہوئے تھے مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم کی خدمت میں لے کر آئے اور ان کے مدرسے میں داخل کرایا۔ (میری عمر بھی کم و بیش یہی تھی) معلوم ہوا کہ یہ حضرت مولانا احمد علی صاحب کے صاحبزادۂ گرامی قدر ہیں اور ان کا نام عبیداللہ انور ہے اس زمانے میں اگرچہ وہ "مولانا عبیداللہ انور نہ تھے۔ تاہم "صاحبزادہ" تھے اور ملک کے بہت بڑے عالمِ دین کے بیٹے تھے۔ اس لحاظ سے سب طلباء ان کی تکریم کرتے تھے۔

بڑے آدمی عام طور پر بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں اور اس میں وہ حق بجانب بھی ہوتے ہیں۔ آخر کس کس کی کون کون سی بات یاد رکھیں۔ یہ بندۂ عاجز غالباً سب سے زیادہ ان کو محترم گردانتا تھا۔ کیونکہ عمر کے بالکل ابتدائی دَور میں ان کے والدِ گرامی کے مختلف مذہبی رسائل سے استفادہ کر چکا تھا۔

مولانا عبیداللہ انور خاموش طبع اور کم آمیز تھے۔ پھر عالی مرتبت باپ کی طرح کسی قدر تصوّف و طریقت کے جوہر اس عمر میں بھی ان میں نمایاں تھے۔ وہ زیادہ عرصہ وہاں نہیں رہے، زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ رہے ہوں گے۔ میں جب ان کو دیکھتا دل میں خیال آتا۔ کاش کبھی ان کے والدِ گرامی کی زیارت کا موقع ملے۔

مارچ ۱۹۴۲ء میں جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس زیرِ صدارت حضرت مولانا حسین احمد مدنی لاہور میں ہونا قرار پایا۔ اخبارات و اشتہارات میں مولانا احمد علی کا نام مجلس استقبالیہ کے صدر کی حیثیت سے شائع ہوتا رہا۔ لیکن بعد کو حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی کہ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے انکار کی وجہ سے مولانا مرحوم صدرِ استقبالیہ نہ بن سکے اور ان کی جگہ مولانا سید محمد داؤد غزنوی کو صدرِ مجلس استقبالیہ بنایا گیا۔ اس سے پہلے مولانا غزنوی سیکرٹری مجلس استقبالیہ منتخب ہوئے تھے اور اخبارات میں ان ہی دونوں بزرگوں کے اسمائے گرامی صدر مجلس استقبالیہ اور سیکرٹری مجلس استقبالیہ کے طور پر شائع ہوتے رہے تھے۔

یہ سب باتیں ملک کی سیاسی تاریخ کا ایک حصہ ہیں اور ان کی بعض تفصیلات کا مجھے علم ہے، لیکن یہ تفصیلات میں جانے کا محل نہیں۔ اس لیے اصل موضوع سے باہر نکل جانے کا خطرہ ہے۔ یہاں ان کی طرف صرف اشارہ کر دینا ہی کافی ہے۔ عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اب تک حضرت مولانا احمد علی مرحوم کے فقط اسمِ گرامی ہی سے آشنائی تھی، ان کی زیارت کا موقع میسّر نہ آیا تھا۔

حضرتؒ کی زیارت کا پہلا موقعہ

اس بندۂ عاجز کو حضرت مرحوم کی زیارت کا شرف پہلی مرتبہ ۱۹۴۸ء کے آخر میں حاصل ہوا جب کہ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث مغربی پاکستان کے ناظمِ دفتر کی حیثیت سے لاہور

آیا۔ نمازِ جمعہ پڑھنے کے لیے مولانا مرحوم کی مسجد میں گیا وہ تقریر کر رہے تھے، ان کی تقریر کے بعض جملے اب تک کانوں میں گونج رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا تھا:۔

"پاکستان اسلام کے لیے بنایا گیا ہے۔ حکمرانو! اسے اسلام کے حوالے کر دو۔ اس ملک سے غیر اسلامی طور طریق مٹا دو۔ اس میں فقط اسلام ہی کی ترویج کرو۔ اگر اسلام نہیں لاؤ گے تو مَیں اللہ کے حضور تمہارے خلاف گواہ بنوں گا اور اس کے دربار میں عرض کروں گا کہ انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ جو لوگ لُٹ پٹ کر یہاں آئے ہیں وہ قیامت کے روز تمہارا دامن پکڑیں گے، اور میدانِ حشر میں تمہیں کھینچیں گے، وہ بڑا نازک وقت ہوگا، تم اللہ کو کیا جواب دوگے؟"

مولانا ایک خاص جذبے اور روانی سے یہ باتیں کہہ رہے تھے۔ ساتھ ہی لوگوں کی تائید بھی حاصل کر رہے تھے، انہوں نے سر سے عمامہ اتار رکھا تھا اور عجیب و غریب اسلوب سے جو بڑا ہی مؤثر اسلوب تھا تقریر ارشاد فرما رہے تھے۔ نمازِ جمعہ کے بعد ہجوم میں گھس کر مَیں نے حضرت کو سلام کیا۔ اور واپس آ گیا۔ یہ ان کی زیارت کا پہلا موقعہ تھا اور تقریر بھی پہلی دفعہ سننے کا اتفاق ہُوا۔

کچھ عرصہ بعد ہفت روزہ "الاعتصام" جاری ہُوا۔ اور اس کی ادارت میرے سپرد ہوئی تو مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے کے متعدد مواقع میسّر آئے، مولانا سیّد داؤد غزنوی کی معیت میں بھی ان کے ہاں گیا اور تنہا بھی کئی مرتبہ حاضر ہُوا۔ مَیں جب جاتا دعا کی درخواست کرتا۔ وہ نہایت خوش گوار طریقے سے خیر خیریت پوچھتے اور دعا دیتے۔ اس ضمن میں چند واقعات جنہیں میرے ذاتی مشاہدات و تاثرات سے تعبیر کرنا چاہیے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

شربت کا گلاس عنایت فرمایا

۱۹۵۳ء میں جب تحریک ختم نبوّت کا ہنگامہ زوروں پر تھا۔ مَیں ایک دن مولانا غزنوی کا خط لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ مسجد میں گیا تو پتہ چلا کہ گھر تشریف لے گئے ہیں۔ مسجد سے ایک آدمی مجھے گھر لے گیا۔ حضرت تشریف فرما تھے۔ باہر آئے اور حسبِ معمول تپاک سے ملے۔ کمرے میں بٹھایا اور حاضری کی وجہ دریافت فرمائی۔ مَیں نے مولانا غزنوی کا خط پیش کیا۔ خط پڑھا اور زبانی اس کا جواب دیا۔ فرمایا مَیں تم پر اعتماد کرتا ہوں کہ میرے ہی الفاظ مولانا غزنوی سے بیان کروگے۔ بعد ازاں اصرار کرکے شربت کا گلاس عنایت فرمایا۔ اور مَیں نے تبرک سمجھ کر پیا۔ رخصت کرنے کے لیے مسجد تک میرے ساتھ تشریف لائے۔ مَیں احتراماً ذرا پیچھے ہٹتا تھا تو خود میرے برابر ہو جاتے۔

مَیں نے واپس آ کر سارا واقعہ مولانا غزنوی سے عرض کیا تو اس درجہ خوش ہوئے کہ فرطِ مسرّت اور جوشِ محبت سے آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور حضرت کی درازیٔ عمر کے لیے دعا فرمائی۔

میرا ماتھا چوم لیا اور دعا فرمائی

۱۹۵۵ء میں ایک نہایت عجیب واقعہ پیش آیا جو میرے لیے بہت ہی خوشی کا باعث تھا۔ اس واقعہ سے پہلے اس کا پس منظر بیان کرنا ضروری ہے جو مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ مئی ۱۹۵۵ء میں جمیت حدیث کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے صحیح بخاری کی تمام احادیث کی صحت و عدم صحت کے بارے میں چند ایسے الفاظ کہہ دیے جو مسلک اہلِ سنت سے مطابقت نہ رکھتے تھے۔ میں نے "الاعتصام" میں ایک اداریہ لکھا جس میں صحیح صورت حال کی وضاحت کی گئی تھی اور محدثین کے مؤقف کی روشنی میں صحیح بخاری کی تمام احادیث کو صحیح ثابت کیا گیا تھا۔ اس پر جماعت اسلامی کے رسائل و جرائد نے ایک بحث شروع کر دی۔ اس بحث نے اتنا طول کھینچا کہ دو ڈھائی سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ "اخباری جنگ" اپنی فطرت کے مطابق چونکہ مختلف محاذوں میں پھیل گئی تھی اس لیے چند روزنامے بھی اس موضوع کے متعلق "الاعتصام" کے بعض اداریے اور شذرات شائع کرنے لگے جن میں مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش کا روزنامہ "نوائے پاکستان" پیش پیش تھا۔ پھر "نوائے وقت" اور "امروز" بھی جماعت کے سیاسی کوائف سے متعلق "الاعتصام" کا ادارتی مواد چھاپتے اور اپنے انداز میں اس پر تبصرہ کرتے تھے۔

بحث کا سلسلہ بہت آگے بڑھ گیا تو مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد علی قصوری (ایم۔ اے۔ کینٹب) مرحوم درمیان میں پڑے اور مصالحت کی غرض سے متعلقہ فریقوں کے بعض حضرات کو اپنے مکان (واقع ۲۱ ٹمپل روڈ لاہور) میں مدعو کیا۔ جماعت اسلامی کی طرف سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، میاں طفیل محمد اور ملک نصراللہ خاں عزیز مرحوم تشریف لائے۔ مولانا احمد علی صاحب کی طرف سے خود حضرت مولانا مرحوم، مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش مرحوم (ایڈیٹر نوائے پاکستان) شریک ہوئے۔ ان کے ساتھ تیسرے بزرگ اور تھے جن کا نام میرے ذہن میں محفوظ نہیں رہا۔ لیکن حلیہ یہ تھا۔ سرخ و سفید رنگ، قدرے لمبا قد، متوازن جسم، سفید داڑھی، غالباً عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ شبہ پڑتا ہے کہ عبدالرحیم یا عبدالرحمٰن کہہ کر میکش مرحوم نے ان کا تعارف کرایا تھا۔

جماعت اہل حدیث کی طرف سے مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف اور یہ بندۂ عاجز "الاعتصام" کے ایڈیٹر کی حیثیت سے شامل اجلاس ہوئے۔ مولانا محمد حنیف ندوی کو بھی دعوت دی گئی تھی لیکن بروقت اطلاع نہ پہنچنے کی وجہ سے وہ تشریف نہ لا سکے جس کا انہیں افسوس ہوا۔

میزبان خود مولانا محمد علی قصوری مرحوم تھے اور ان کے بڑے بھائی مولانا محی الدین احمد قصوری گفتگوئے مصالحت میں ان کے معاون تھے۔

دیر تک گفتگو ہوتی رہی اور زیربحث معاملات کی تمام شقیں سامنے آئیں۔ سب نے بحث میں حصّہ لیا لیکن مولانا احمد علی مرحوم، مولانا عطاء اللہ حنیف اور یہ بندۂ عاجز بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ میں چونکہ سب سے کم سن تھا لہذا معزز مہمانوں کو پانی پلانے

اور چائے پیش کرنے کے فرائض انجام دیتا رہا۔ اس قسم کے مباحث صحافتی زندگی کا لازمی حصہ ہیں یہ کوئی انوکھی یا نئی بات نہ تھی۔

بہرحال اس موقع پر نہایت اختصار کے ساتھ یہ واقعہ اس لیے زبانِ قلم پر آگیا ہے کہ میں مجلس سے اٹھ کر کسی کام سے باہر برآمدے میں آیا تو حضرت مولانا احمد علی بھی تشریف لے آئے آتے ہی مجھ سے بغلگیر ہوئے اور میرا ماتھا چوم لیا۔ فرمایا:۔

"میں تمہارے مضامین و مقالات باقاعدہ عبیداللہ انور سے سنتا ہوں، بہت خوش ہوتا ہوں اور تمہیں دعا دیتا ہوں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے، تم دین کی بہت خدمت کر رہے ہو۔"

ان کے یہ الفاظ اور مشفقانہ انداز میرے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔ میں نے سر جھکا کر اظہارِ تشکر کیا اور دعائے خیر میں یاد رکھنے کی درخواست کی۔

سفیر کا احترام

ایوب خاں کی حکومت کا دور تھا۔ ایک روز میں نماز ظہر سے قبل اپنے دفتر میں بیٹھا "الاعتصام" کے لیے اداریہ لکھ رہا تھا کہ ایک صاحب آئے اور مولانا سید داؤد غزنوی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہا تھوڑی دیر تشریف رکھئے، ظہر کی اذان ہونے والی ہے مولانا نماز کے لیے تشریف لائیں گے تو مل لیجئے گا۔ مولانا آئے، نماز پڑھی اور اپنے نیچے کے کمرے میں جسے وہ بطور دفتر استعمال کرتے تھے چلے گئے۔ میں نووارد کو اُن کے پاس لے گیا۔ معلوم ہُوا کہ وہ علاقہ نواب صاحب کے گاؤں علی رضا آباد سے آئے ہیں —— مولانا عبدالستار خاں نیازی نے انہیں بھیجا ہے۔ سُنّی المسلک ہیں ان سے شیعہ حضرات کا کچھ جھگڑا ہو گیا ہے اور معاملہ مذہبی اعتبار سے سنگین نوعیت اختیار کر گیا ہے۔ مولانا غزنوی نے ساری بات سُن کر لاہور کے علمائے کرام کی میٹنگ طلب کی جن میں حضرت مولانا احمد علی صاحب کا اسم گرامی سرِ فہرست تھا۔ حضرت کو ٹیلی فون کیا تو معلوم ہُوا کہ وہ سخت مصروف ہیں اور فوری طور سے تشریف نہ لا سکنے پر معذرت خواہ ہیں —— لیکن کچھ حضرات آگئے اور میٹنگ ہوئی۔ دوسرے روز حضرت کی سہولت کے پیشِ نظر مسجد شیرانوالہ ہی میں میٹنگ کا انتظام کیا گیا۔ حضرت مولانا مرحوم سب شرکائے میٹنگ سے ملے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور کارروائی میں پورا حصہ لیا۔ کارروائی میں نے لکھی، میٹنگ ختم ہوئی اور حاضرین واپس چلے گئے۔ کارروائی کو آخری شکل دے کر دستخط کرانے کی غرض سے میں دوبارہ حضرت کی خدمت میں مسجد شیرانوالہ میں حاضر ہُوا۔ بےحد شفقت سے پیش آئے، کارروائی پڑھی اور دستخط فرمائے۔ میں اجازت لے کر چلنے لگا تو کھڑے ہو گئے۔ میں نے ہرچند عرض کیا کہ تشریف رکھیے میں اس ذرّہ نوازی پر بہت شکرگزار ہوں۔ مگر نہیں مانے، مسجد کے دروازے تک میرے ساتھ آئے اور فرمایا:۔

"تم کئی وجہ سے میرے لیے باعثِ تکریم ہو، ایک تو مہمان ہو، دوسرے کارِخیر سے آئے ہو، تیسرے مولانا غزنوی کے سفیر کی حیثیت سے آئے ہو، جن کا

احترام واجب ہے اور سفیر کا احترام بھی ضروری ہے ، چوتھے تمہارے اداریے پڑھتا ہوں ۔ اور خوش ہوتا ہوں ۔"

مجھے رخصت کرتے وقت فرمایا :۔

"مولانا غزنوی سے بہت بہت سلام کہنا ۔"

یہ اُن کے انکسار اور تواضع کی انتہا تھی ۔ ورنہ کہاں یہ گناہگار اور سراپا معصیت اور کہاں وہ پیکرِ خیر اور مرقع علم و فضل !

کشفِ قبور کے بارے میں ایک اداریٰ شذرہ

مولانا احمد علی مرحوم اور مولانا سید داؤد غزنوی کے باہمی تعلقات بہت زیادہ تھے اور دونوں بزرگ ایک دوسرے کی انتہائی تکریم کرتے تھے ۔ مجھے اس کا پورا علم اور کامل احساس تھا ۔ مولانا غزنوی بالکل برداشت نہ کرتے تھے کہ حضرت کے خلاف کوئی لفظ بھی کہا جائے ۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ لائق تذکرہ ہے ۔

حضرت مولانا احمد علی مرحوم نے ایک مرتبہ مجلس ذکر میں کشفِ قبور کے متعلق اپنے کچھ تجربات و مشاہدات بیان فرمائے ۔ اور کوئی ایسی بات کہی جس سے یہ مستفاد ہوتا تھا کہ قبر میں میت جن حالات سے دو چار ہو اس کا انہیں مشاہدہ ہو جاتا ہے ۔ میں نے "الاعتصام" میں اس پر ایک شذرہ لکھا اور نہایت ادب سے چند سطور میں حضرت مولانا کے نقطۂ نظر سے اظہار اختلاف کی جرأت کی ۔

اس کے تیسرے یا چوتھے روز بعد مولانا غزنوی نے مجھ سے فرمایا :۔

"ایڈیٹر صاحب ! میں نے مولانا احمد علی صاحب کے کشفِ قبور کے بارے میں آپ کا اداریٰ نوٹ پڑھا ۔ آپ یہ فرمائیے کہ اگر مولانا احمد علی صاحب اتنے نیک ہو جائیں کہ انہیں کشفِ قبور ہونے لگے تو آپ کو کیا اعتراض ہے ؟"

اس ایک ہی جملے سے میرا مسئلہ حل ہو چکا تھا اور میرے پاس سوائے اس کے کوئی جواب نہ تھا کہ بلا تامّل عرض کر دوں "کوئی اعتراض نہیں ۔"

اس سے ان دونوں بزرگوں کی ذہنی ہم آہنگی ، فکری مطابقت ، مسائلِ تصوّف میں موافقت اور تعلقات کی انتہائی نزاکت کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔

چند لائق تذکرہ اوّلیات اور خصوصیات

لاہور کی علمی اور تبلیغی تاریخ میں حضرت مولانا احمد علی مرحوم کی خاص نوعیت کی کچھ اوّلیات اور خصوصیات ہیں جن کی حیثیت صدقہ جاریہ کی ہے ۔ اس لیے اس عروس البلاد کی روحانی اور عملی فضاؤں میں اس کے اثرات ہمیشہ قائم رہیں گے اور حضرت مرحوم اس کے اجر و ثواب سے متمتع ہوتے رہیں گے ان شاء اللہ !

۱۔ مولانا مرحوم سے پہلے بھی اگرچہ لاہور کی چینیانوالی مسجد میں حضرت مولانا عبدالواحد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ درس جاری تھا تاہم مولانا احمد علی پہلے عالم دین ہیں جنھوں

نے اپنے درس میں تسلسل پیدا کیا اور اس کو باقاعدگی کے سانچے میں ڈھالا۔ وہ بغیر کسی شدید مجبوری کے اس میں ہرگز ناغہ نہ کرتے۔

۲۔ ان کا نہج تفہیم اور طریق کلام کچھ اس قسم کا تھا کہ ان کے درس قرآن مجید سے عوام اور خواص یکساں اثر پذیر ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے استفادہ کرنے والوں کا حلقہ بڑا وسیع ہے۔ اور ان کے اصحابِ عقیدت مختلف طبقات کو محیط ہیں۔

۳۔ وہ فقط لاہور ہی کے نہیں بلکہ برِصغیر کے پہلے صاحبِ علمِ دین ہیں۔ جنہوں نے سال میں سہ ماہی (شعبان، رمضان، شوال) سلسلۂ درس قرآن کا آغاز کیا جس میں پاک و ہند کے مشاہیر علمائے کرام ان سے مستفید ہوئے۔ علماء کی اس عالی مقام جماعت میں بعض بین الاقوامی شہرت کے حضرات بھی شامل ہیں۔ مثلاً مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی اسی بلند بخت گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ہندوستان کے عظیم و مشہور علمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فارغ التحصیل ہیں جہاں تفسیر قرآن باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ مگر وہ قرآن کے خاص تفسیری نکات سمجھنے کے لیے لکھنؤ سے چلے اور لاہور آ کر مولانا احمد علی صاحب مرحوم سے مستفید ہوئے۔ پھر مشرقی پنجاب کے لکھوی خاندان کے جلیل القدر رکن اور جمعیۃ اہلِ حدیث کے موجودہ امیر مولانا معین الدین لکھوی (اوکاڑہ) نے بھی ان کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا۔ حالانکہ خود ان کے آباء و اجداد کا بہت بڑا مدرسہ تھا اور ان کے پردادا مولانا حافظ محمد لکھوی رحمۃ اللہ علیہ پنجاب کے پہلے عالم ہیں جنہوں نے "تفسیرِ محمدّی" کے نام سے سات جلدوں میں پنجابی نظم اور فارسی نثر کے حواشی میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ یہ تفسیر کئی دفعہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ لیکن اس کے باوجود مولانا معین الدین لکھوی بھی مفسّرِ قرآن حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے بابِ علم پہ دستک دینے کے لیے مجبور ہوئے۔

۴۔ حضرت مولانا احمد علی مرحوم طائفہ علماء میں اوّلین بزرگ ہیں۔ جن سے بی، اے اور ایم، اے کرنے کے بعد متعدد حضرات نے باقاعدہ دینی علوم کی تحصیل کی اور اسلام کے مبلّغین کی حیثیت سے شہرت پائی۔ پھر پاک و ہند کے اونچے تعلیمی اداروں میں بلند مناصب پر فائز ہوئے۔ مثلاً علامہ علاء الدین صدیقی مرحوم پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے اور خواجہ عبدالحی فاروقی مرحوم نے جامعہ ملّیہ دہلی میں استاذِ تفسیر کا منصب سنبھالا۔

۵۔ حضرت مولانا مرحوم پاکیزہ فکر اور صاف ذہن کے مالک تھے وہ مسلکی تعصّب سے پاک تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود اپنا بہت بڑا حلقۂ ارادت و عقیدت رکھنے کے باوصف عمر بھر پہلے حضرت مولانا عبدالواحد غزنوی مرحوم اور ان کے بعد مولانا سید داؤد غزنوی کی اقتداء میں لاہور کے منٹو پارک

کے میدان میں (جو اب اقبال پارک کے نام سے موسوم ہے) عیدین کی نماز ادا فرماتے رہے۔ ہمیشہ صفِ اوّل میں امام کے پیچھے جا کر بیٹھ جاتے اور پورا خطبہ سننے کے بعد وہاں سے اٹھتے۔

پھر ان کی یہ بلندیٔ کردار اور وسعتِ قلب و نظر ملاحظہ ہو۔ کہ اپنی ایک صاحبزادی مولانا عبدالمجید سوہدروی مرحوم کے عقد میں دے دی جو مشہور اہل حدیث عالم و مبلّغ، معروف مصنف و مناظر اور ہفت روزہ "مسلمان" اور "جریدہ اہل حدیث" کے نامور ایڈیٹر تھے۔ رحمہما اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

۶۔ ان کے انہی اوصاف کی وجہ سے ان کے ارادت مندوں میں احناف کے علاوہ اہلِ حدیث بھی کثیر تعداد میں شامل ہوئے۔ ان کا یہ وصف قابلِ ذکر ہے کہ وہ معاصرانہ رقابت سے بالکل مبرّا تھے۔ لاہور میں کسی ہم فکر عالمِ دین کے درسِ قرآن کا سلسلہ شروع ہوتا تو بدرجہ غایت خوش ہوتے۔ ۱۹۳۱ء یا ۱۹۳۲ء میں مولانا محمد حنیف ندوی نے مسجد مبارک (اسلامیہ کالج لاہور) میں درسِ قرآن کا آغاز کیا تو حضرت مرحوم مسجد مبارک میں گئے، مولانا ندوی کو مبارکباد دی اور دعا فرمائی۔

۷۔ مرحوم انتہائی جرأت مند عالمِ دین تھے۔ وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس شہر میں نہایت دلیری کے ساتھ برملا تحریری اور تقریری صورت میں توحید کی تبلیغ کی اور زبردست مخالفت کے باوجود موحدین کی ایک عظیم جماعت پیدا کی۔ جن میں جدید تعلیم یافتہ اصحاب بھی شامل تھے اور قدیم اہلِ علم حضرات بھی!

۸۔ انہوں نے اپنے تلامذہ اور اربابِ عقیدت کو علمی درس بھی دیا اور عملی بھی! یعنی علم اور عمل دونوں طریقوں سے ان کی تربیت کا اہتمام کیا۔

۹۔ ان کی یہ خصوصیّت تھی کہ ہر اس سیاسی میدان میں بھی آگے آگے نظر آتے تھے جس میں ملک و ملّت کی بہتری مضمر ہو اور ہر علمی معرکے میں بھی سب سے پیش پیش رہتے تھے وہ صحیح معنوں میں عالم باعمل تھے۔ ان کی بھرپور علمی اور عملی زندگی کے کسی گوشے میں بار بار نظر دوڑانے کے باوجود کوئی خلا دکھائی نہیں دیتا۔ کتنے بھی دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھئے کوئی خامی نظر نہیں آئے گی۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ ○

۱۰۔ ان کی امورِ دنیا سے بے نیازی اور شغفِ خدمتِ دین کا یہ عالم تھا کہ عمر بھر بلامعاوضہ تبلیغ اسلام کرتے رہے۔ اگر کوئی بیرونِ لاہور سے بلاتا تو ان کا معمول تھا کہ وعدہ کرنے سے پہلے آمد و رفت کے اخراجات کا جائزہ لیتے اگر اخراجات ہیں تو چلے جاتے ورنہ معذرت کر دیتے۔ بلاشبہ تبلیغ دین ان کا پیشہ تھا لیکن اس سلسلے میں کسی سے کچھ لینا ہرگز ان کا شیوہ نہ تھا۔ کیا اس مادی دور میں کوئی اور عالمِ دین اس اونچے کردار کا حامل کہیں نظر آتا ہے؟

؎ پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ　افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

اگر اللہ نے توفیق دی، حالات سازگار رہے اور قلم و قرطاس سے رابطہ قائم رہا تو یہ عاجز سلسلۂ "فقہائے ہند" کے چودھویں صدی ہجری کے علمائے کرام اور فقہائے عظام کے حالات میں حضرت مرحوم کی علمی اور فقہی زندگی کے مفصل واقعات ضبطِ تحریر میں لائے گا — انشاء اللہ العزیز و علیہ التکلان۔

اس وقت تک گیارھویں صدی ہجری کے "فقہائے ہند" کے حالات چھپ چکے ہیں اور اب گیارھویں صدی ہجری کے فقہائے عالی مقام کے سوانح زیر ترتیب ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ وقت خیریت سے آئے۔ جب کہ برصغیر پاک و ہند کے ان بزرگانِ دین کے علمی کوائف معرضِ کتابت میں لاؤں۔ جن کی زیارت و صحبت کا کچھ نہ کچھ خود بھی لطف اٹھا چکا ہوں۔ اور ان سے استفادہ و استفاضہ کی محفلیں گرم رہی ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ اللھم وفقنا لما تحب و ترضیٰ۔

نہ گُلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم
متحیّرم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا



شیرانوالہ میں تھا اک شیرِ خدا

احمد علی

حکیم آزاد شیرازی مدیر "تذکرہ" لاہور

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی نوّر اللہ مرقدہٗ کے بارے میں میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ شیرانوالہ دروازہ لاہور میں اللہ کا ایک شیر رہتا ہے۔

راقم الحروف جب کبھی اپنی گناہوں، خطاکاریوں اور لغزشوں سے لبریز زندگی کا جائزہ لیتا ہے۔ اپنی روسیاہی کو چھپانے کے لیے اپنے پیر و مرشد مولانا احمد علیؒ کے دامن کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں پاتا۔ اور جب کبھی اپنے ہمعصر ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کا اپنی ذات سے تقابل کرتا ہے تو باعثِ فخریات صرف یہ دکھائی دیتی ہے کہ حضرت شیخ التفسیرؒ کی ذاتِ فیض درجات سے نسبتِ ارادت ہے۔

خلاصہ اس تفصیل کا یہ ہے کہ جب حضرت دہلی سے جلاوطن ہو کر لاہور میں نظربند ہوئے اور انہوں نے اپنے سلسلۂ رشد و ہدایت کا آغاز فرمایا۔ حضرتؒ کے درس میں سب سے پہلے صرف چار انسان لاہور کے اس وسیع و عریض جنگل سے شریک ہونے آئے۔ ان چار انسانوں میں راقم الحروف کے والد مرحوم امام طب حکیم عنایت حسین شامل تھے والد گرامی نے جب حضرتؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تو ہمارے سارے خاندان اور برادری میں زلزلہ آ گیا۔ کیونکہ والد مرحوم نے بیعت میں کیے گئے عہد کے مطابق جملہ ہندوانہ رسوم کو ایک دم ترک کر دیا۔ شادی بیاہ، موت کے مواقع پر اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کرنے لگے۔ باجے والی براتوں میں شرکت چھوڑ دی، موت کے تیجے اور چالیسویں چھوڑ دیے۔ گیارھویں اور میلاد کی مجلسیں ترک کر دیں اور پوری برادری میں مشہور ہو گیا کہ عنایت حسین "وہابی" ہو گیا ہے۔ اس لیے اس کا پورا سماجی بائیکاٹ کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ بائیکاٹ بھی جاری رہا۔ اور والد مرحوم بھی زندگی بھر اپنے عہد پر ثابت قدم رہے۔

میرے دادا جان مرحوم کے ہاں ایک مدت تک اولاد نہ ہوئی۔ لاہور کے شہرۂ آفاق حکیم سید عالم شاہ ہمدانی میرے دادا کے پگڑی بدل بھائی تھے۔ شاہ صاحب کے مشورہ پر انہوں نے عاشورۂ محرّم کو "امام حسین کے گھوڑے" کے ساتھ کوئی دھاگہ باندھا۔ اگلے سال والد صاحب پیدا ہوئے۔ تو اُنہیں عاشورۂ محرّم کو اس گھوڑے کے نیچے سے گزارا گیا۔ اور ان کا نام عنایت حسین رکھا گیا۔ والد صاحب نے ہوش سنبھالا اور پھر جب حضرتؒ سے بیعت ہوئے تو اپنا نام بدل کر عبدالحفیظ رکھ لیا لیکن یہ نام شہرت نہ پا سکا

اور جملہ عزیز و اقارب انہیں عنایت حسین ہی کے نام سے پکارتے رہے۔ والد صاحب کبھی کبھار مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ مجھ پر امام حسینؓ کی ایسی نظرِ عنایت ہوئی ہے کہ پوری زندگی کرب و بلا میں گزری ہے۔

یہ آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے کی باتیں ہیں۔ جب لاہور کے مسلمانوں کو شرک و بدعت، پیر پرستی اور قبر پرستی نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا انہی ایام میں راقم الحروف کی پیدائش ہوئی اور اس گناہگار کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ حضرت شیخ التفسیرؒ نے میرے کانوں میں اذان کہی، مجھے گھٹی دی اور میرا نام محمد انور تجویز فرمایا۔ اس سے پہلے حضرتؒ نے اپنے صاحبزادہ محمد حسن کے نام کے مطابق میرے برادرِ اکبر مرحوم حکیم محمد حسن کا نام تجویز فرمایا تھا اور حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ کے پہلے نام محمد انور کے مطابق میرا نام محمد انور تجویز فرمایا گیا۔ یہ نام علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی نسبت سے تجویز کیا گیا تھا۔ والدِ مرحوم نے میری صحافتی زندگی کی حق گوئی و بے باکی کا سبب ہمیشہ حضرتؒ کی ذاتِ گرامی کو قرار دیا۔ اور وہ مجھے حضرتؒ کا پیدائشی مرید کہا کرتے

۱۹۲۳ء میں والد صاحب اپنے آبائی مکان واقع موچی دروازہ کو اپنے بھائیوں کے سپرد کر کے خود اپنے نو تعمیر کردہ مکان محلہ دارا شکوہ نزد ریلوے اسٹیشن منتقل ہو گئے اُس زمانہ میں یہ علاقہ غیر آباد تھا۔ اسی دَوران ایک رات والد صاحب نے ایک خواب دیکھا۔ مکان کی تمام کھڑکیاں ایک دم کھل گئیں اور ایک دھواں سا مکان میں داخل ہوا۔ یہ دھوآں دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہیبت ناک انسانی ہیولی میں تبدیل ہو گیا اور والد صاحب کے سرہانے آ کھڑا ہوا یہ ایک ننگ دھڑنگ انسان تھا۔ جس نے صرف لنگوٹی باندھ رکھی تھی، سارے بدن پر راکھ ملی ہوئی تھی۔ بال پریشان تھے چہرہ سیاہ اور خوفناک تھا۔ والد صاحب نے پوچھا تم کون ہو؟ وہ بولا۔ واہ! تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں۔ تم تو رات بھر مزے سے سوئے رہتے ہو اور میں رات بھر تمہاری اور تمہارے مکان کی حفاظت کرتا ۔ والد صاحب نے جواب دیا کہ تم ہماری حفاظت کرنے والے کون ہو؟ مجھے تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں، میرا بہترین محافظ میرا اللہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی والد صاحب نے بلند آواز سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھا۔ اور وہ ہیولی اچانک دھوئیں کی صورت میں تبدیل ہو کر کھڑکی سے باہر اڑ گیا اور کھڑکیاں دوبارہ بند ہو گئیں ——— والد صاحب نے صبح اٹھتے ہی حضرتؒ کی خدمت میں حاضری دی اور رات کا خواب سنایا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ وہ ابلیس لعین تھا اور الحمدللہ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے حملے سے بچا لیا۔

راقم الحروف چھ سات برس کا تھا کہ والدہ وفات پا گئیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ والدہ کی وفات کے بعد والد صاحب مجھے نمازِ فجر کے لیے مسجد میں اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔ میں نماز کے بعد والدہ کی مغفرت کی دعا بھی بالالتزام کیا کرتا۔ اسی زمانے میں والد صاحب نے مجھے حضرتؒ سے متعارف کرایا۔ اور پھر میں نے حضرتؒ کے شائع کردہ پمفلٹوں کا یکے بعد دیگرے مطالعہ کیا۔ اب میرے شب و روز زیادہ تر مح

کی مسجد میں گزرنے لگے۔ یہ مسجد والدہ مرحومہ ہی نے تعمیر کرائی تھی۔ میں مدرسے سے آنے کے بعد ظہر کے وقت مسجد میں جاتا اور نماز عشاء ادا کرنے کے بعد پانی کا حوض بھرتا اور سکول کا کام بھی مسجد ہی میں کیا کرتا ——— اس زمانے میں والد صاحب نے مجھے ایک صوفی منش انسان محمد دین سے ملایا۔ یہ شخص ریلوے اسٹیشن پر قلی تھا۔ اور ریلوے مالگدام کے دوسری طرف ایک کارخانہ کے احاطہ کی ایک ویران مسجد میں رہتا تھا۔ میں نے ایک دو سال اس شخص کی زیر نگرانی "مراقبہ" کی مشقیں کیں۔ اور پھر اس واقعہ کو بالکل فراموش کر دیا۔ لیکن آج سے بیس بائیس برس پہلے ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ میں شام کے وقت دفتر روزنامہ سعادت لائل پور میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ مرزا جانباز صاحب تشریف لائے۔ کہنے لگے ابھی ابھی لاہور سے آ رہا ہوں۔ میں نے ان سے پوچھا سنائیے لاہور کا کیا حال ہے؟ بولے لاہور تو ٹھیک ٹھاک ہے لیکن ایک آدمی فوت ہو گیا ہے۔ میرے منہ سے اچانک نکلا۔ کیا محمد دین قلی وفات پا گئے ہیں۔ مرزا صاحب حیرانی سے میرا منہ تکنے لگے اور پوچھنے لگے۔ کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا اور آپ انہیں کیونکر جانتے تھے؟ میں نے کہا میں انہیں بچپن سے جانتا ہوں اور بس مجھے ابھی معلوم ہو گیا ہے۔

اس واقعہ سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ روحانی رشتے گردشِ ایام کے گرد و غبار میں کھو تو سکتے ہیں ٹوٹ نہیں سکتے۔ میرا کچھ ایسا ہی رشتہ حضرت شیخ التفسیرؒ سے تھا۔ جو ان کے وصال پا جانے کے بعد بھی قائم ہے اور میں اب سمجھا ہوں کہ ع

"مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں"

۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۷ء تک کا دَور میری کتاب بینی کا دَور ہے۔ دو تین برس کے اس عرصے میں میں نے کارپوریشن لائبریری شاہ محمد غوث لاہور کی ایک ایک کتاب کو یوں پڑھا کہ وہ مجھے حفظ ہو گئیں۔ یہ کتابیں مذہب، تاریخ، فلسفے، ادب، سائنس، لغات غرض ہر موضوع پر تھیں۔ لائبریرین مجھے حیرت سے دیکھا کرتا اور کہا کرتا بھئی! تم کتابیں پڑھتے بھی ہو یا روزانہ ورق گردانی کر کے واپس کر دیتے ہو۔ اس پر میں انہیں مطالعہ شدہ کتابیں زبانی سنانا شروع کر دیتا۔ اور وہ کہتے "بس بس بس"!

۱۹۳۷ء میں میں علامہ عنایت اللہ خان المشرقیؒ کی کتاب "تذکرہ" پڑھ کر خاکسار تحریک میں شامل ہو گیا۔ اب میرا ذہن کسی اور ہی سفر پر روانہ ہو گیا۔ یعنی بقول غالبؔ

ے منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے — عرش سے پرے ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

میں زندگی میں جن شخصیتوں سے متاثر ہوا ہوں ان میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ سرفہرست ہیں بظاہر ان تینوں بزرگوں کے رستے الگ الگ تھے لیکن فی الحقیقت سب کی منزل ایک تھی مئی ۱۹۴۷ء تک میں خاکسار تحریک میں شامل رہا۔ تا آنکہ علامہ المشرقی نے جامع شاہجہان دہلی میں جمنا کے کنارے اپنی تحریک کو منتشر کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۲ء تک کا زمانہ میرا خالصتہً صحافتی عہد ہے اور یہ مدت زیادہ تر لائل پور ہی میں گزری ہے گویا ۱۹۶۲ء تک میں حضرتؒ سے براہِ راست اکتسابِ فیض نہ کر سکا۔ لیکن

حالات نے ثابت کر دیا کہ ؎

گرچہ دُوریم بیادِ تو قدح می نوشیم بعدِ منزل نبُود در سفرِ روحانی

لائل پور میں صرف ایک ہی روزنامہ اخبار سعادت کے نام سے جاری تھا جس کی ادارت سنبھالتے ہی میں نے اس کے جسدِ کاغذی میں قلمی روح پھونک کر اسے نقشِ فریادی بنا دیا اور لائل پور کے اربابِ نظر سے داد و تحسین حاصل کی۔ نتیجہ یہ کہ شہر کی جملہ اہم شخصیتیں میری مجلسِ احباب بن گئیں۔ ان میں میر عبدالقیوم ایڈووکیٹ، مہر محمد صادق ایڈووکیٹ، خواجہ محمد افضل ایڈووکیٹ، محی الدین ایڈووکیٹ، مولانا عبیداللہ احرار، مولانا تاج محمود مفتی محمد یونس خطیب شہر، چوہدری عزیزالدین ایڈووکیٹ، حکیم ملک محمد شریف، چوہدری منظور احمد منظور سیکرٹری بلدیہ، حضرت خلیق قریشی ایڈیٹر لائل پور گزٹ، جنابِ فیض جھنجھانوی، لالہ مُرلی دھر لائل پور کاٹن ملز، خواجہ جمال دین بٹ، صاحبزادہ حمید محمود الحسن فریدی، حکیم میر نورالدین مولانا عبدالغفار غزنوی شامل تھے۔ روزنامہ سعادت کی ادارت کے ساتھ ہی ۱۹۵۲ء تک کے زمانے میں میں نے روزنامہ غریب، انصاف، اعلان اور کئی ہفت روزوں اور ماہناموں کا افتتاح کر کے لائل پور میں جدید صحافت کے پیش رَو کا خطاب حاصل کیا لیکن یہ سارا زمانہ مجھے مختلف محاذوں پر قلمی جنگ میں گزارنا پڑا اور بالآخر میں احرار دوستوں کے اصرار پر روزنامہ آزاد لاہور کی ادارت سنبھالنے لاہور پہنچ گیا۔ جہاں مجھے مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کے خوبصورت مولوی برادرم مجاہدالحسینی کی رفاقت میسر آئی۔ والد صاحب بہت خوش تھے کہ میں لاہور آ گیا ہوں۔ آزاد میں حضرت شیخ التفسیرؒ کے خطبۂ جمعہ اور دیگر ملفوظات کی اشاعت کا اہتمام بھی کیا گیا۔ اور یہ زمانہ میری صحافتی زندگی کا سنہری دور ہے لیکن یہ دَور نہایت مختصر ثابت ہُوا۔ ۱۹۵۳ء کے آغاز ہی میں تحریک تحفظ ختم نبوت شروع ہو گئی۔ اور ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو روزنامہ آزاد حکومت نے بند کر دیا۔ مجلس عمل کے بیشتر رہنما گرفتار کر لیے گئے۔ حضرت شیخ التفسیرؒ بھی گرفتار ہو گئے اور میں ایک مرتبہ پھر بے کار ہو کر واپس لائلپور جا پہنچا۔ اور از سرِ نو سعادت کی ادارت سنبھالی۔ اس تحریک میں جماعت اسلامی اور اس کے امیر جناب مودودی صاحب نے جو رویّہ اور پالیسی اختیار کی اس کے سبب اس جماعت اور امیر جماعت سے میرا حُسنِ ظن ختم ہو گیا۔

تحریک چلی، ہنگامے ہوئے ہزاروں نوجوان شہید، زخمی اور قید ہوئے عبدالستار نیازی اور مودودی صاحب کے لیے سزائے موت کا حکم ہُوا، دولتانہ گئے، خواجہ ناظم الدین کی وزارت گئی اور ملک پر سکندر مرزا کی حکومت ہوئی۔ بالآخر سب رہنما رہا ہوئے۔ اور ۱۹۵۶ء میں دوبارہ مجلس تحفظ ختمِ نبوّت نے روزنامہ نوائے پاکستان لاہور کا اجراء کیا میں اس دوران شادی کی زنجیروں میں بھی جکڑا جا چکا تھا اور عبداللہ پور لائل پور کے گوشے میں اطمینان کی زندگی بسر کر رہا تھا کہ مولانا محمد علی جالندھری، مولانا تاج محمود اور مولانا مجاہدالحسینی کے بار بار اصرار پر لائلپور سے پھر لاہور پہنچا۔ لیکن اب کے دیکھا کہ میرے رفیقِ صحافت جماعت اسلامی کے رنگ میں رنگے جا چکے تھے۔ لہٰذا میں چند مہینوں کے بعد نوائے پاکستان کو چھوڑ کر واپس لائلپور پہنچ گیا۔

ادھر والد صاحب کا ضعیفی کا عالم تھا اور وہ حضرت شیخ التفسیرؒ کی قربت چھوڑ کر لائل پور آنے کو تیار نہ تھے۔ انہوں نے اس قربت کی خاطر تو ۱۹۴۲ء میں شیرانوالہ دروازہ میں سکونت اختیار کی تھی ان کا اصرار تھا کہ میں لاہور چلا آؤں۔ کئی مرتبہ خدام الدین کی ادارت کے لیے بھی میرا نام تجویز ہوا۔ لیکن اب مجھے یہ تجویزیں منظور نہ تھیں۔ کیونکہ میں اب لائلپور میں اپنا ایک جھونپڑا تعمیر کر چکا تھا۔ جہاں دوپہر تک مطب کرتا۔ دوپہر "المنبر" اور "رہنمائے صحت" کی ادارت اور شام کو روزنامہ سعادت کی نیوز ایڈیٹری کر کے نسبتاً آسودگی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس زمانے میں "فیروز سنز" کے خان عبدالحمید خان صاحب نے بھی مجھے اپنے ادارہ سے منسلک ہونے کی دعوت دی۔ لیکن میں نے بصد شکریہ معذرت کر دی۔ درحقیقت والد صاحب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کیا کرتے کہ وہ دعا فرمائیں کہ میرا بیٹا لائل پور چھوڑ کر لاہور چلا آئے اور میری خواہش یہ تھی کہ والد صاحب میرے پاس لائلپور چلے آئیں پھر ۱۹۶۱ء کے اواخر میں یہ اچانک حادثہ رونما ہوا کہ میں المنبر سے الگ ہو گیا اور ۱۱ر جنوری ۱۹۶۲ء کو سعادت سے بھی سبکدوش ہو گیا۔ دوسری ہی رات خواب میں مجھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی اور آپ نے سختی سے فرمایا کہ اب تو لائلپور چھوڑ کر لاہور چلے آؤ۔ میں نے دن چڑھتے ہی مکان فروخت کر کے بوریا بستر باندھا اور اہل و عیال سمیت لاہور چلا آیا۔ یہاں حمید نظامی صاحب نے مجھے نوائے وقت راولپنڈی کے لیے نامزد کیا لیکن والد صاحب رضامند نہ ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے تمہیں لائل پور سے لاہور کے لیے بلایا تھا، راولپنڈی بھیجنے کے لیے نہیں۔

میرے دن رات اسی کشمکش میں گذر رہے تھے۔ پھر مجھے دوبارہ لائلپور جانے کی سوجھی اور میں اہل و عیال کو چھوڑ کر لائلپور روانہ ہو گیا۔ لائلپور میں دوبارہ سکونت کے منصوبوں کی تکمیل کر رہا تھا کہ ایک رات حضرت علیہ الرحمۃ پھر خواب میں ملے اور فرمانے لگے: "تم پھر لائلپور چلے گئے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ۲۳ر فروری کی شام تک لاہور چلے آؤ"۔

میں نے صبح اٹھتے ہی لاہور روانگی کا عزم کیا تو برادرم حافظ عبدالرشید یوسفی متعجب ہوئے۔ لیکن جب میں نے انہیں حضرتؒ کا حکم سنایا تو خاموش ہو گئے۔ البتہ ان کے اصرار پر میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کے بعد سہ پہر کو لاہور کے لیے روانہ ہوا۔ اثنائے سفر بس میں خرابی پیدا ہو گئی اور میں قریباً آٹھ بجے رات گھر پہنچا۔ والد صاحب بھی میری اچانک آمد پر حیران ہوئے اور جب میں نے انہیں گزشتہ شب کا خواب سنایا تو فرمانے لگے اس صورت میں تو تمہیں گھر آنے سے پہلے حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے تھا۔ میں نے کہا اب بہت رات ہو گئی ہے۔ انشاء اللہ صبح نمازِ فجر میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔

صبح سویرے نمازِ فجر کے لیے جب میں مسجد میں گیا تو مسجد کے دروازے پر ایک بورڈ لٹک رہا تھا جس پر لکھا تھا کہ حضرت علیہ الرحمۃ رات ۹ بجے

وصال فرما گئے ــــــ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون ــــــ مَیں اُلٹے پاؤں گھر لوٹا اور والد صاحب کو یہ المناک خبر سنائی۔ والد صاحب کئی روز سے صاحب فراش تھے۔ اُن کے پاؤں میں ورم آ گیا تھا جس کے باعث وہ گھر میں بھی چلنے پھرنے سے معذور تھے وہ یہ خبر سن کر رونے لگے اور مجھے بار بار کہتے۔ تم نے سخت غلطی کی۔ تمہیں کل جلدی لاہور آ کر حضرتؒ کی ملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہیے تھا۔ نہ جانے انہوں نے تمہیں کوئی نصیحت کرنے کی خاطر طلب فرمایا تھا۔ مَیں نے عرض کیا کہ حضرتؒ نے مجھے صرف اپنی نماز جنازہ میں بروقت شرکت کی سعادت حاصل کرنے کو بلایا ہے ــــــ والد صاحب تو اپنی تکلیف کے سبب چارپائی سے نیچے پاؤں اتارنے سے بھی معذور تھے (مَیں انہیں یہ خبر سنا کر باہر چلا گیا۔ حضرت کا جسدِ خاکی اُن کے مکان کے نیچے چارپائی پر پڑا تھا۔ ان کی روح اپنے رفیق الاعلیٰ سے مل چکی تھی لیکن روئے پُر انوار دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کا شیر نہایت اطمینان اور سکون سے سو رہا ہے۔ روئے انور کی زیارت کرنے والوں کا ہجوم بڑھتا ہی چلا آتا تھا لیکن مَیں نہ جانے کن خیالات میں کھویا حضرت کے آخری دیدار سے مشرف ہونے کی سعادت حاصل کرنے کافی دیر تک دست بستہ کھڑا رہا۔ تا آنکہ مجھے مولانا تاج محمود، آغا شورش کاشمیری، مولانا مجاہد الحسینی اور دوسرے احباب نے وہاں سے ہٹایا۔

اور پھر جب حضرت کے جسدِ خاکی کو لحد میں اتارنے کے بعد مَیں گھر واپس پہنچا تو والد صاحب کو گھر سے غائب پایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ میرے گھر سے جانے کے بعد والد صاحب اچانک پلنگ سے نیچے اترے، غسل کیا اور کپڑے پہن کر گھر سے روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد والد صاحب بھی گھر پہنچ گئے اور میرے استفسار پر فرمانے لگے۔ تم تو اکیلے چل دئے تھے کیا مَیں اپنے شیخ کی نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت سے محروم رہ سکتا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے میری مدد فرمائی، دیکھو میرے پاؤں بالکل تندرست ہیں اور مَیں حضرت کے جنازے میں یونیورسٹی گراؤنڈ تک اور پھر وہاں سے قبرستان تک پیدل ہو کر آیا ہوں۔

راقم الحروف یہ باتیں اس لیے لکھ رہا ہے کہ حضرت کا پیدائشی مرید ہونے کے باوصف ایک مدت تک حضرتؒ کی بعض باتوں پر اعتراضات، شکوک اور وسوسوں میں مبتلا رہا ہے۔ خصوصاً حضرتؒ کی زندگی کا آخری دَور جب وہ علم سے زیادہ معرفت اور سلوک سے زیادہ جذب کی کیفیتوں سے گزر رہے تھے اور یہ اعتراضات، شکوک اور وسوسے اس لیے تھے کہ مَیں ابھی ان کیفیتوں سے کوسوں دُور تھا اور خرد کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھا۔

مَیں اس مضمون کو صرف دو مختصر واقعات بیان کر کے ختم کرتا ہوں۔ یہ دونوں واقعات حضرتؒ کے وصال کے بعد کے ہیں۔

میرے ایک اہلحدیث دوست تھے جو کسی زمانے میں مولانا ابوالکلام آزاد کے شیدائی، جمعیۃ علماء ہند کے فدائی اور مجلس احرار کے سپاہی تھے۔ لیکن قیام پاکستان سے چند سال پہلے مودودی صاحب سے متاثر ہو کر جماعت اسلامی کے نہایت پرجوش اور مخلص رفیق بن گئے۔ وہ

اکثر حضرت مولانا احمد علیؒ کی شان میں گستاخیاں کیا کرتے تھے میں انہیں دبے لفظوں میں اس سے روکا کرتا تھا۔ حضرتؒ کے وصال پر جب حضرتؒ کی قبر کی مٹی سے خوشبو آنے کی خبریں پھیلیں۔ ان صاحب نے اس کا بھی مذاق اڑایا اور یہ مذاق اپنے ہر ملنے والے سے کرنے لگے۔ اب میں کسی اور کیفیت سے دوچار تھا۔ اس لیے انہیں بہت سمجھایا کرتا کہ آپ دوسروں کے اعمال پر تنقید کرنے کے بجائے اپنی عاقبت کی فکر کیا کیجئے۔ لیکن وہ اس روش سے باز نہ آئے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے خودکشی کر کے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی ——— انا للہ و انا الیہ راجعون ——— اللہ تعالیٰ ان کی ان لغزشوں کو معاف فرمائے۔

اسی طرح ایک اور صاحب تھے جو اپنے آپ کو پیغمبروں کی نسل بتایا کرتے اور نماز روزہ کی ضرورت اس لیے محسوس نہ کرتے کہ وہ خود آلِ پیغمبراں تھے۔ اسی پر بس نہیں۔ سارا دن علمائے کرام کو دشنام طرازی ان کا مشغلہ تھا۔ سرِ بازار دوستوں کا مجمع لگا کر بے تکی باتیں کرتے رہتے۔ میں نے انہیں علیحدگی میں کئی بار سمجھایا کہ "صاحب! آپ اپنی زبان پر کنٹرول رکھئے۔ ایسا نہ ہو کہ قدرت کسی سزا میں مبتلا کر دے۔ لیکن وہ صاحب باز نہ آئے۔ پھر کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے پکڑا، فالج گرا، چلنے پھرنے اور بولنے سے معذور ہو گئے۔ لاکھوں کا کاروبار تباہ ہو گیا۔ اور آج کئی سال سے سامانِ عبرت بنے بیٹھے ہیں۔ بیگانے تو کیا اپنے بھی ان کے کام نہیں آتے۔

حضرتؒ کے وصال کے بعد والد مرحوم اکثر ان کی یاد میں رویا کرتے تھے۔ بالآخر تین سال کی جدائی کے بعد ۱۹۶۵ء میں وہ بھی سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔ اور میں اپنے روحانی اور جسمانی دونوں باپوں کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گیا۔ والد صاحب نے اپنی وفات سے پندرہ دن پہلے مجھے یہ اپنا خواب سنایا کہ میں ایک لق و دق صحرا سے گزر رہا ہوں۔ طویل مسافت طے کرنے کے بعد اچانک ایک ہرا بھرا جنگل دکھائی دیا۔ جہاں چاروں طرف سرسبز درخت اُگے ہیں، رنگا رنگ کے پھول کھلے ہیں۔ خوشبوؤں سے لبریز ہوائیں چل رہی ہیں، گویا دامانِ باغبان و کفِ گلفروش کا منظر ہے۔ میں آگے بڑھتا جاتا ہوں اچانک صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ۔ آگئے۔ وہ آگئے۔ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ کیا دیکھتا ہوں، کہ میرے پیر و مرشد حضرت شیخ التفسیرؒ تشریف لا رہے ہیں۔ میں انہیں آگے بڑھ کر السلام علیکم کہتا ہوں وہ وعلیکم السلام فرماتے ہیں۔ مصافحہ اور پھر معانقہ کی سعادت سے مشرف فرماتے ہیں ——— یہ خواب بیان کر کے والدِ مرحوم نے نہایت پُر مسرت لہجے میں مجھے فرمایا۔ کہ "بیٹا! اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ میں جلد ہی سفرِ آخرت پر روانہ ہونے والا ہوں اور اپنے شیخ سے جلد جنت الفردوس میں جا ملوں گا۔" چنانچہ دو ہفتے بعد والدِ گرامی بھی اس دنیائے فانی سے عالمِ بقا کو روانہ ہو گئے ——— انا للہ و انا الیہ راجعون

راقم الحروف کو اپنی جملہ خطاکاریوں کے باوصف اب تک یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت شیخ لاہوریؒ اور اپنے والد گرامیؒ کی رحلت فرمانے کے بعد آج تک گاہے گاہے خواب میں ان بزرگوں سے ملاقات کی سعادت ملتی رہتی ہے۔ اور ؏

ایں سعادت بزور بازو نیست ——— تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تحریر: حمید اصغر نجید

شیخ التفسیر

ایک عاشق قرآن

۲۳ فروری اہل اسلام کے لیے ماتم کی تاریخ ہے۔ اس تاریخ کو نامور فرزندِ توحید حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری اس دارِ فانی سے انتقال کر گئے۔ رمضان کا مبارک مہینہ اور جمعہ کا روزِ سعید تھا۔ ابھی سُورج اپنا پہلا نصف سفر طے کر ہی رہا تھا کہ حضرت مولانا احمد علی کی طبیعت خراب ہو گئی۔ خرابی پیٹ میں واقع ہوئی تھی۔ نمازِ جمعہ تک افاقہ ہوا۔ نماز پڑھ تو لی مگر پڑھا نہ سکے۔ عصر کی نماز اپنی چارپائی ہی پر ادا کی۔ مغرب کے وقت طبیعت بہت بگڑ چکی تھی، لیکن عین وقت پر تھوڑا سا سنبھالا ملا تو آپ نے نماز ادا کی۔ پھر طبیعت بہت ہی زیادہ بگڑ گئی۔ عشاء کے وقت غشی کا عالم تھا۔ کچھ دیر کے لیے جب معمولی سا افاقہ ہوا تو حضرت جی کو نماز کی فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں قضاء نہ ہو جائے چنانچہ بسترِ مرگ ہی پر عشاء کی نماز ادا کرنا شروع کر دی، سر بارگاہِ الٰہی میں جھکا ہوا تھا کہ روح جسم کا ساتھ چھوڑ گئی۔ انّا للہ وانا الیہ راجعون۔

آخری سفر انتقال رات کے ۹½ بجے ہوا، نصف شب تک آپ کو غسل دیا گیا۔ جانے یہ خبر پورے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح کس طرح پھیل گئی کہ رات بھر میں ہزاروں عقیدت مند جمع ہو گئے۔ فجر ہوئی تو حضرت جی کے حکم کے مطابق جماعت کے بعد قرآن مجید کا درس شروع ہوا، جو شخص بھی موجود تھا اشک بار چہرے کے ساتھ اللہ کا پاک کلام سن رہا تھا۔ دن چڑھا تو اطراف و اکناف سے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ بعد دوپہر جنازہ اٹھایا گیا اور جس وقت آپ کا جنازہ شہر کی بڑی بڑی شاہراہوں پر سے گذرا تو لاکھوں انسانوں نے آپ کا دیدار کیا۔ کیونکہ آپ کا چہرۂ مبارک کھلا رکھ دیا گیا تھا، جب نمازِ جنازہ پڑھائی گئی تو حاضری دو لاکھ کے قریب تھی۔ اور جب نعش کو لحد میں اتارا گیا تو سائرن بج رہے تھے یعنی افطاری ہو رہی تھی۔ لاکھوں انسانوں نے اسی

جگہ افطاری کی، نماز ہوئی، دعا پڑھی اور سب لوگ فرطِ غم سے نڈھال اپنے اپنے گھروں کو واپس آنا شروع ہوتے۔ ان میں کم و بیش ایک ہزار علماء کرام ہی تھے۔ ہر شخص دوسرے کو تسلی دے رہا تھا اور خود غم سے بےحال ہوا جا رہا تھا۔ عجیب عالم تھا۔ لاہور کی فضا نے یہ منظر کبھی نہ دیکھا تھا۔ یہ ایک مردِ مومن کا جنازہ تھا جس نے ۴۲ برس تک منبرِ رسول پر کھڑے ہو کر اعلائے کلمۃ الحق بلند کیا تھا۔ اب اس نے اس دارِ فانی سے منہ موڑ لیا تھا۔ اس لیے ہر شخص کچھ اس طرح محسوس کر رہا تھا گویا اس کا ذاتی نقصان ہو گیا ہو۔ اس حالت میں صبر کے لیے صرف یہ آیت سہارا تھی۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔

ہر جاندار نے ایک نہ ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہی ہے۔ کسی نے پہلے کسی نے بعد میں، ہماری دیکھتی آنکھوں کیا کچھ نہیں ہو گیا۔ سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ چلے گئے، سیّد داؤد غزنویؒ نہ رہے، حضرت لاہوری بھی تو اسی قافلۂ حریت کے حدی خواں تھے کیا جاتے۔ ع

موت سے کس کو رستگاری ہے

رہ رہ کر بس ایک ہی خیال شعر کی صورت میں سامنے آتا ہے کہ

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم … وہ تو نے گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے

مادی ترقی روحانی تنزل

زمانہ ترقی پذیر ہے لیکن یہ مادی ترقی ہے اور مادی ترقی ہو تو روحانی تنزل ہوتا ہے۔ پیر بخاریؒ نے آنکھیں موندیں تو سارقین نبوت نے کھل کھیلنا شروع کر دی، حضرت غزنویؒ گئے تو منکرینِ حدیث نے سر اٹھانا شروع کر دیا اور حضرۃ مولانا احمد علیؒ عدم آباد سدھارے تو تفسیرِ قرآن کی دنیا میں سست روی آ گئی۔

ابتدائی تعلیم

یہ ۸۲ برس پہلے کی بات ہے۔ رمضان المبارک شروع ہو چکا تھا۔ دوسرا روزہ تھا۔ دن جمعہ ہی کا تھا۔ سن ہجری ۱۳۰۴ھ تھا کہ ضلع گوجرانوالہ کے گکھڑ ریلوے سٹیشن سے چار میل دور قصبہ جلال میں انوارِ الٰہی کی بارش شروع ہوئی۔ ایک نو مسلم کے گھر لڑکا پیدا ہوا جب یہ نو مولود چار پانچ سال کا ہوا تو اس کی والدہ نے اسے قرآن مجید پڑھایا۔ پھر قریب کے ایک قصبہ تلونڈی کھجور والی میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی، پانچویں جماعت تک اسی سکول سے امتحان پاس کیا۔ ازاں بعد گوجرانوالہ کی جامع مسجد کے خطیب مولانا عبدالحق سے فارسی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ اسی اثنا میں دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ تشریف لے آتے جو اسی ہونہار طالب علم کے والد سے قرابت داری رکھتے تھے۔ ان کے والد نے اپنا بچہ آپ کے (حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ) سپرد کر دیا۔ اس وقت اس لڑکے کی عمر صرف ۹ سال تھی۔

بچپن سے جوانی تک

حضرت سندھیؒ اسے اپنے ساتھ سندھ لے آئے۔ پھر آپ امروٹ شریف آئے جہاں قطب الاقطاب حضرت مولانا سیّد تاج محمودؒ امروٹیؒ نے اس ہونہار بچے کے لیے دعا کی۔ اس کے بعد حضرت سندھیؒ اس بچے کو اللہ کے ایک انتہائی برگزیدہ شخص حضرت غلام محمد دین پوریؒ کے پاس لے آئے۔ آپ نے اس بچے کو دیکھا تو از خود اسے اپنی بیعت میں لے لیا۔ اس طرح یہ لڑکا حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی زیرِ نگرانی دو اولیاء اللہ (حضرت دین پوریؒ اور حضرت امروٹیؒ) کی زیرِ سرپرستی پروان چڑھنے لگا۔ اتنے میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا، حضرت دین پوریؒ نے آپ کی والدہ کا نکاح حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے پڑھا دیا۔ اس طرح حضرت سندھیؒ اب نہ صرف آپ کے سرپرست بلکہ سوتیلے باپ بھی تھے۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد آپ کی والدہ کا بھی

انتقال ہو گیا۔ اس دوسری شادی میں آپ کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ وقت گزرتا گیا۔ یہ بچہ انتہائی مشقّت سے کام کرتا رہا۔ حتّٰی کہ جوانی آئی۔ اور جب جوانی آئی تو حضرت سندھیؒ نے اپنی پہلی بیوی (جس کے انتقال کے بعد حضرت دین پوریؒ کے حکم پر آپ نے دوسری شادی کی تھی) کی صاحبزادی سے اس نوجوان کی شادی کر دی۔ اس سے ایک لڑکا بھی متولد ہوا۔ لیکن ساتویں روز انتقال کر گیا اور دو روز بعد بیوی بھی اپنے بیٹے کی تلاش میں اُن دیکھی دنیا میں چلی گئی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اسی نوجوان کی دوسری شادی دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں ایک نیک نفس انسان کی صاحبزادی سے ہوئی۔ نکاح حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے پڑھایا۔ یہ دوسری شادی کامیاب رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کا گھر پوری طرح آباد کر دیا۔ یہ نوجوان جو بیس بائیس سال سے گردشِ روزگار کی چکی میں پستا رہا احمد علی ہی تھا جسے دنیا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے نام سے یاد کرتی ہے ؏

نامی کوئی بغیر مشقّت نہیں ہوا

ریشمی خطوط کی تحریک

بیسویں صدی کا آغاز ہندوستان کی تاریخ کا اہم ترین باب ہے۔ اہلِ اسلام فرنگیوں کے مظالم سے عاجز آ چکے تھے۔ اور وہ بہر قیمت ان سے گلو خلاصی کرانا چاہتے تھے۔ یہ لاوا اندر ہی اندر پکتا رہا۔ حتّٰی کہ جب ۱۹۱۲ء میں انگریزوں نے بلقان کے عیسائیوں کو شہ دے کر حکومت ترکی کے خلاف ظلم وستم کا نیا باب کھولا تو برِصغیر کے مسلمانوں کا اضطراب بڑھ گیا۔ جب انگریزوں نے ان بے قابو جذبات کو دیکھا تو کانپور میں مسجد شہید کروا دی تاکہ مسلمانوں کی توجہ ترکی سے ہٹ کر ہندوستان ہی کی سیاست میں الجھی رہے، مسلمانوں نے اس مسجد کے لیے اپنے خون سے سڑکوں کو رنگین کر دیا۔ اور ساتھ ساتھ حکومت ترکی کی مدد کے لیے بھی تحریک جاری رکھی۔ دراصل مسلم علمارِ کرام شاطر انگریزوں کی چالوں سے بے خبر نہ تھے۔ انھوں نے پہلے ہی دیوبند میں جمعیۃ الانصار اور دہلی میں نظارۃ المعارف قائم کر رکھی تھی۔ حضرت شیخ الہند نگران تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ دہلی میں تحریک کے قائد تھے۔ جب جنگ بلقان شروع ہوئی تو حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت سندھیؒ کو کابل بھجوا دیا۔ جب آپ کابل جانے لگے تو آپ نے نظارۃ المعارف کی کمان اپنے داماد حضرت مولانا احمد علیؒ کے سپرد کر دی۔ حضرت شیخ الہند کی مساعی سے غازی انور پاشا اور حجاز کے گورنر غالب پاشا کی حمایت حاصل ہو گئی۔ ان اکابر نے افغانستان اور آزاد قبائل سے انگریزوں کے استبداد کے خلاف جہاد کی اپیلیں جاری کیں۔ پیغامات کی ترسیل ریشمی رومالوں کے ذریعہ ہوئی۔ ایک تحریر اگست ۱۹۱۴ء میں پکڑی گئی۔ جس پر برطانیہ نے اسے ریشمی خطوط کی سازش قرار دیا۔ اس تحریک کے بے نقاب ہوتے ہی حکومتِ برطانیہ نے برِّصغیر کی ان تمام ممتاز شخصیتوں کو گرفتار کر لیا جو اس تحریک سے وابستہ تھیں۔ ان میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے علاوہ ان کے دونوں مرشد حضرت دین پوریؒ اور حضرت امروٹی بھی تھے۔ مولانا احمد علی کو ڈپٹی کمشنر جالندھر کے رو برو پیش کیا گیا۔ اس نے آپ کو راہوں میں نظربند کر دیا۔ ازاں بعد آپ کو لاہور منتقل کر دیا گیا۔ پھر ضمانت پر آپ کو رہا کر دیا گیا۔ لیکن حکم یہ دیا گیا کہ آپ صرف لاہور میں اقامت رکھیں گے۔ یہ ۱۹۱۷ء کا واقعہ ہے۔ آپ کو مجبوراً لاہور ہی اقامت اختیار کرنا پڑی۔ یہ مجبوری بھی رنگ لائی۔ حضرت مجدّد الف ثانی نے لاہور کو مرکزِ اشاعت دینِ اسلام بننے کی جو نوید سنائی تھی وہ پوری ہو گئی۔ آپ نے قرآنِ حکیم کا درس دینا شروع کیا۔ آپ کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے عجیب تاثیر دی تھی۔ ہر روز آپ کے عقیدت مند بڑھتے ہی گئے۔

ہندوستان سے ہجرت

حضرت مولانا احمد علیؒ کے پاؤں ابھی لاہور میں پوری طرح جمنے بھی نہ پائے تھے کہ کابل کے امیر امان اللہ خان نے انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان آنے کی دعوت دی۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم کی تعمیل میں پہلے ہی کابل میں مقیم تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا احمد علیؒ بھی ہجرت کر کے افغانستان چلے گئے۔ تقریباً بیس ہزار مسلمانوں نے ہجرت کی۔ صوبہ سرحد کے لوگوں نے ان ہجرت کرنے والے لوگوں کی دل کھول کر مدد کی۔ جب یہ مہاجرین افغانستان پہنچے تو وہاں کی حکومت نے بھی خوب پذیرائی کی۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد جذبات سرد پڑ گئے۔ مہاجرین میں بد دلی پھیلنا شروع ہوئی۔ اکثر مہاجرین مالی طور پر کھوکھلے ہو چکے تھے۔ حالات نامساعد ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ مہاجرین بھوکوں مرنا شروع ہو گئے۔ امیر امان اللہ نے ہجرت کا معاملہ غالباً اس لیے شروع کیا تھا کہ انگریز جھک جائیں گے۔ چنانچہ انگریز جھک گئے اور امیر امان اللہ سے "صلح" کر لی۔ لیکن شرط یہ عائد کی کہ وہ مہاجرین کو اپنے ملک سے نکال دیں گے۔ چنانچہ امیر امان اللہ خاں نے مہاجرین کو اپنے گھر واپس لوٹ جانے کے لیے کہا۔ جس سے علمائے کرام نے بھی فتویٰ دیا کہ اب جب کہ افغانستان اور ہندوستان میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ اس طرح مہاجرین کی واپسی شروع ہو گئی۔ لیکن اس وقت تک مہاجرین کی ایک بڑی تعداد بھوک اور افلاس کے ہاتھوں دم توڑ چکی تھی۔ کچھ مہاجرین راستے ہی میں انتقال کر گئے۔ بہت کم تعداد میں مہاجرین واپس ہندوستان پہنچ سکے۔ یہاں انگریزوں نے دوسری چال چلی کہ ان مہاجرین کی پشاور ہی میں خوب خاطر تواضع کی اور پھر انہیں ان کے گھروں تک بھی سرکاری خرچ پر پہنچا دیا۔ اس سے مسلمان امیر امان اللہ خان کی حکومت سے اور بھی بدظن ہو گئے۔ بہرحال مہاجرت کی تحریک ختم ہو گئی۔

تدریس القرآن

حضرت مولانا احمد علی کابل سے واپس لاہور تشریف لے آئے۔ یہاں آتے ہی آپ نے درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد ۱۹۲۲ء میں انجمن خدّام الدّین کی داغ بیل ڈالی۔ جب معاملہ کچھ اور آگے بڑھا تو ۱۹۲۴ء میں مدرسہ قاسم العلوم قائم کر دیا اور فرصت کے وقت تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ جو تاحینِ حیات جاری رہا۔

۱۹۵۳ء میں جب پاکستان میں تحریک تحفظ ختمِ نبوّت شروع ہوئی تو حضرت مولانا احمد علیؒ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ آپ کی گرفتاری بھی عمل میں آئی اور آپ کو دوسرے علماء کے ساتھ ملتان جیل میں رکھا گیا۔ مگر جب ملک فیروز خاں برسرِ اقتدار آتے تو آپ کو لاہور جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ ازاں بعد آپ کو رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد آپ نے پھر درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کر دیا۔

قرآن مجید سے حضرت جیؒ کو عشق تھا۔ آپ قرآن مجید کا درس بلا ناغہ دیتے۔ ایک صبح جب آپ درس دے رہے تھے تو آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا حبیب اللہ نے آپ کے کان میں کچھ کہا اور چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد آ کر پھر کچھ کہا اور چلے گئے۔ تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی کیا۔ حضرت جیؒ نے درس جاری رکھا اور جب معمول کے مطابق درس دے چکے تو پھر نمازیوں کو پتہ چلا کہ آپ کے صاحبزادے نے آ کر بتایا تھا کہ آپ کی بیٹی بیمار ہے۔ دوسری مرتبہ یہ بتایا کہ بچی کی حالت نازک ہے۔ اور تیسری مرتبہ یہ بتایا کہ بچی کا انتقال ہو گیا۔ مگر آپ قرآن مجید کا درس دیتے رہے۔

یہ ہے قرآن مجید سے عشق ۔ یہ تو خیر اس وقت واقعہ ہوا ۔ جب آپ درس دے رہے تھے ۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ حسبِ معمول قرآن کا درس دینے کے لیے تشریف لائے ۔ پورے اطمینان کے ساتھ قرآن کا درس دیا اور جب درس ہو چکا تو پھر پتہ چلا کہ آپ کی بیٹی مر چکی ہے اس کی میّت گھر میں پڑی ہے اور آپ اس میّت کو چھوڑ کر قرآن مجید کا درس دینے کے لیے تشریف لاتے تھے قرآن مجید کے اسی عشق کا نتیجہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کی اردو زبان میں جو تفسیر قرآنِ عزیز کے نام سے لکھی ہے وہ مسلمانوں میں بے حد مقبول ہوئی ہے ۔ آپ نے اہم دینی امور پر بھی ۳۴ پمفلٹ تحریر کئے ۔ ان کے علاوہ آپ ہر جمعہ کو جو خُطبہ دیتے اور ہر جمعرات کو مجلسِ ذکر میں جو وعظ فرماتے انہیں آٹھ آٹھ جلدوں میں شائع کیا ۔

صدقاتِ جاریہ

حضرت مولانا احمد علیؒ نے اپنی زندگی میں مسجدیں بھی بنوائیں ، جو مسجد فیض باغ میں تعمیر کروائی اس کا متولی اپنے چھوٹے بیٹے حافظ حمید اللہ کو بنا دیا ۔ سب سے بڑے بیٹے حضرت مولانا حبیب اللہ مدینہ منورہ چلے گئے ۔ منجھلے بیٹے حضرت مولانا عبید اللہ انور پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے ان کو اپنا جانشین مقرر کیا اور اپنی چھوٹی بیٹی عائشہ کی اپنے بیٹوں کی طرح اپنی حیات ہی میں شادی کر دی ۔ یہ اولاد صالحہ بھی حضرت کے صدقاتِ جاریہ میں سے ہے ۔

خالقِ حقیقی سے وصال

درسِ قرآن کے ذریعہ ۴۲ برس تک یہ عظیم انسان اللہ کا کلام لوگوں تک پہنچاتا رہا ، آخر وہ گھڑی آ گئی جب انسانی زندگی کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے ۔ موت بَرحق ہے ۔ چنانچہ ۲۳ ، فروری ۱۹۶۲ء کو رات کے ۹½ بجے آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا ۔ زمانے پر رات نے تاریکی کے دبیز پردے ڈال رکھے تھے کہ علم و عرفان کی دنیا میں بھی تاریکی پھیل گئی ۔ ہر شخص ہکّا بکا رہ گیا ۔ یہ اچانک وفات ایک ایسی خبر تھی جس پر کوئی یقین نہ کر رہا تھا ۔ دراصل ہر شخص ہی چاہتا تھا کہ کاش یہ خبر غلط ہو مگر ہونے والی بات ہو چکی تھی اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے تھے ۔

آج اس حادثہ کو ۱۶ سال ہو گئے ہیں ۔ لیکن آج بھی یوں محسوس ہوتا ہے گویا کل کی بات ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ ماتم اس بات کا نہیں کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ انتقال کر گئے ۔ ہر ذی روح نے ایک نہ ایک دن اس دنیا سے اٹھ ہی جانا ہے ۔ ملال ہے تو اس بات کا کہ حضرت لاہوری ہی کا انتقال نہیں ہوا بلکہ ان کے ساتھ ساتھ بہت سی برکات و حسنات بھی عدم آباد منتقل ہو گئی ہیں ۔ تاریکی بڑھتی ہی جا رہی ہے جس طرف نظر اٹھاؤ باستثنائے چند دینی روح سے ناآشنا جسموں کے خالی ڈھانچے نظر آتے ہیں ۔ اب ہم ایسے لوگ کہاں ڈھونڈیں جن کے جسم خدا کے خوف کے سوا کسی دوسرے خوف سے شناسا ہی نہ ہوں ۔ جن کے وجود دینی غیرت کا مجسمہ ، جن کی ذات اسلامی عزم و استقامت کی کھلی نشانی اور جن کا نام راستی اور سچائی کا مظہر ہو ، اس ایک شخص (حضرت لاہوریؒ) میں بیک وقت یہ سب خوبیاں جمع تھیں ۔ شاید علامہ اقبال نے انہی کے لیے کہا تھا ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایک متبعِ سنّت

مولانا حمیدالرحمٰن عباسی ہری پور ہزارہ

مدیر ہفت روزہ خدام الدین حضرت مولانا سعیدالرحمٰن صاحب علوی دامت برکاتہم العالیہ نے "حضرت لاہوریؒ نمبر" کے لیے مضمون لکھنے کا حکم دیا۔ احقر اس موضوع پر قلم اٹھانا بے ادبی تصوّر کرتا تھا کہ اتنی بڑی ہستی کے بارے میں کچھ لکھوں۔ اس لیے ٹال مٹول سے کام لیتا رہا مگر موصوف نے بار بار اصرار فرمایا۔ اس لیے مجبور ہو کر چند سطور سپردِ قلم کر رہا ہوں۔

بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ آیاتِ قرآنیہّ اور احادیث نبویہّ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کا صحیح نقشہ، نمونہ اور عملی تصویر ہُوا کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے اقوال و افعال اور ارشادات و فرامین میں وہی جلوے اور جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں جو قدرت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں امانت اور ودیعت رکھی تھیں اور ان کی ایک ایک بات، ایک ایک جملہ تشنگانِ ہدایت کے لیے آبِ حیات اور آبِ کوثر ہُوا کرتا ہے۔ ان کی محفل اور صحبت میں تھوڑی دیر کے لیے بیٹھنا، ان کی ہم نشینی اور ہم جلیسی اختیار کرنا سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے اور چونکہ یہ بزرگ ہستیاں ہمیشہ تو نہیں رہتیں تاکہ ان کی رشد و ہدایت کی ضیاپاشیوں سے انسانیت منوّر ہوتی رہے اس لیے ان کے فرمودات کے بکھرے ہوئے موتیوں کو کتابی شکل دی جاتی ہے تاکہ آنے والی نسل ان سے بہرہ ور ہو۔ ان بزرگ ہستیوں میں سے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالےٰ کا وجود مسعود بھی تھا۔ اس لیے ادارہ خدام الدین کی (جو آپ کی دینی خدمات کا ایک نمونہ ہے) آپ کے ارشادات کو وقتاً فوقتاً شائع کرتا رہتا ہے تاکہ قارئین محظوظ ہوتے رہیں۔ حضرت موصوف کی کرامت کی واضح نشانی اور بیّن ثبوت ان کی بے لوث دینی خدمات ہیں جو آپ علیٰ نہج النبوت فرماتے رہے اور ان کے صلہ میں کسی سے ایک کوڑی بھی وصول نہیں کی۔ اگر کہیں جلسہ پر تشریف لے جاتے تو کرایہ اپنی گرہ سے خرچ کیا کرتے تھے۔ جلسہ والوں سے کبھی بھی وصول نہیں کیا۔ اگر کہیں نکاح پڑھنے کے لیے تشریف لے جاتے تو کوئی چیز وصول نہیں فرماتے تھے۔ شریعت کے خلاف کسی نکاح وغیرہ کی مجلس میں کوئی چیز دیکھتے تو تقریب میں شمولیت نہیں فرماتے تھے، بالخصوص تیجے، ساتویں اور چہلم کی مجالس میں شریک نہ ہوتے اور ان کی سختی سے تردید فرماتے اور فرماتے کہ میّت کی تجہیز و تکفین کے بعد جو مال بچ جاتا ہے وہ ورثاء کا ہے۔ اس میں پیچھے رہنے والی اس کی بیوہ، اس کے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے شریک ہیں بلکہ بیوہ کے رحم سے جو بچا ہے وہ بھی ان کے ساتھ برابر کا شریک

ہے اور مستحقین کے مابین تقسیم کرنے کے سوا جو لوگ یہ مال ان رسومات میں خرچ کرتے ہیں خود بھی کھاتے ہیں اور مولویوں کو بھی کھلاتے ہیں، سب حرام کھاتے ہیں۔ اور یہ آیت کریمہ بار بار تلاوت فرماتے تھے:۔

ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی ظلمًا انما یاکلون فی بطونھم نارًا و سیصلون سعیرًا ہ

ترجمہ: یقیناً جو لوگ یتیموں کا مال ظلم و زیادتی سے کھاتے ہیں وہ یقیناً اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

اور اس تبلیغ حق میں کوئی بڑی سے بڑی طاقت اور کسی قسم کا لالچ آپ کے سدِّراہ نہیں بن سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ آپ شیخ سعدیؒ کے اس شعر کا صحیح مصداق ہیں۔

موحّد چہ بر پائے ریزی زرش ؛ چہ فولاد ہندی نہی بر سرش

خوف و امیدش نباشد زکس ؛ ہمیں است بنیاد توحید بس

حضرت کے ایک مخلص مرید نے سنایا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے گھر میں ہفتہ بھر فاقہ رہا۔ آخر میں ایک شخص آیا اس نے آپ کو نکاح پڑھنے کی دعوت دی، تشریف لے گئے نکاح پڑھا۔ واپسی پر اس نے کچھ خدمت کرنا چاہی تو وصولی سے انکار فرما دیا۔ حالانکہ یہ ایک ایسی اضطراری حالت ہے جس میں حرام چیز بھی حلال ہو جاتی ہے۔ مگر آپ نے اپنے اصولوں میں تبدیلی نہیں فرمائی ؎

شیر نرکے مے شود روباہ مزاج ؛ مے زند بر پائے پست صد احتیاج

ایک بڑے آدمی نے آپ کو اپنے بیٹے کا نکاح پڑھنے کے سلسلے میں مدعو کیا لڑکے کے سر پر سہرا بندھا ہوا تھا آپ نے فرمایا پہلے سہرا اتارو پھر نکاح پڑھوں گا۔ کیونکہ یہ سنّتِ نبویؐ کے خلاف ہے اور میں سنّت ادا کرنے آیا ہوں۔ لڑکے والوں نے کہا یہ سہرہ نکاح سے پہلے نہیں اتر سکتا۔ تو آپ الٹے پاؤں واپس آ گئے اور فرمایا کہ یہ نکاح کسی اور سے پڑھوا لو احمد علی سنّتِ نبویؐ کے خلاف نہیں کر سکتا۔ انہوں نے اپنی گاڑی پیش کی تو بیٹھنے سے انکار فرما دیا اور فرمایا تمہیں سنّتِ نبویؐ کی قدر نہیں تو ہمیں تمہاری ان گاڑیوں کی کیا قدر ہے۔ پیدل واپس آئے مگر ان کی گاڑی پر نہیں بیٹھے۔

سابق گورنر امیر محمد خان نے اپنی لڑکی کا نکاح پڑھنے کے لیے بلایا، تشریف لے گئے، نکاح پڑھا مگر اس کے ہاں کھانا بھی نہیں کھایا اور اپنے پاس بھُنے ہوئے چنے رکھے ہوئے تھے ان سے وقت پاس کر لیا۔

یہ ہیں ان کی دینی خدمات جو آپ زندگی بھر سرانجام دیتے رہے۔

جب لاہور میں آئے تو کھدر کے کپڑوں میں آئے کوئی جانتا بھی نہیں تھا کہ یہ کون ہستی ہے اور دنیا سے جب رخصت ہوئے تو کھدر کے کپڑوں ہی میں رخصت ہوئے اور آپ کو اس جہان فانی سے الوداع کہنے والوں کی تعداد کئی لاکھ تھی۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو آپ کی اتباع نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین ہ

میں مولانا احمد علیؒ کو بڑا آدمی کیوں سمجھتا ہوں؟

ملک نصر اللہ خان عزیز

مولانا احمد علیؒ سے میری ملاقات ۱۹۱۷ء میں ہوئی۔ میں اس وقت اسلامیہ کالج میں بی اے کلاس کا طالب علم تھا اور ایک ہم جماعت دوست کے ذریعے خواجہ عبدالحیٔ صاحب فاروقی کے درس قرآن میں شریک ہونے لگا تھا۔ وہیں ایک روز مولانا احمد علی تشریف لائے اور ان سے تعارف ہوا۔ معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب کی طرح مولانا صاحب بھی لاہور میں نظر بند کئے گئے ہیں۔

خواجہ عبدالحیٔ صاحب فاروقی کو لاہور میں ریشمی خطوط کی سازش کے سلسلہ میں نظر بند کیا گیا تھا اور وہ موجودہ احمدیہ بلڈنگس کے محلے میں بوٹا مل کے اکھاڑے کے قریب ایک بالاخانہ پر مقیم تھے وہ نظر بند تھے مگر جو کام ان کے پیش نظر تھا وہ اسے بدستور سر انجام دے رہے تھے۔ یہ کام تحریک آزادی کی اس وسیع اسکیم کا ایک جزو تھا جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے (جو اس وقت مالٹا میں قید تھے) جنگ عظیم اوّل سے بہت پہلے جاری کر رکھی تھی۔ اس تحریک کا مرکز دیوبند کا دار العلوم تھا۔ شیخ الہند اس کے رہنما تھے اور مولانا عبید اللہ سندھی اور دیگر علمائے دیوبند اس کے کارکن تھے یہ تحریک آزادی آج کی چیز نہیں تھی بلکہ اس جنگِ آزادی ہی کے سلسلہ کی ایک کڑی تھی جو ۱۸۵۷ء میں ناکام ہو گئی تھی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دو جلیل القدر مرید مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند اس جنگ میں حصہ لے چکے تھے۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو انگریزی حکومت نے گرفتار کرنا چاہا مگر وہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے نکل کر مکّہ معظمہ چلے گئے۔ مولانا محمد قاسمؒ ہاتھ نہ آئے اور مولانا رشید احمدؒ چند روز تک حوالات میں رہ کر بری ہو گئے اور اس جنگِ آزادی کے ناکام ہو جانے کے بعد انہوں نے منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے اپنی راہِ عمل بدل دی اور بقول اقبالؒ

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے :: انہی پابندیوں میں رہ کے آزادی کی خُو کر لے

وہ ساری پابندیوں اور مجبوریوں کے باوجود سرزمین ہند کو جسے ہمارے اسلاف نے اسلام سے روشناس کیا تھا اور جس پر ہمارے مجاہدین نے اسلامی اقتدار کا پرچم لہرایا تھا دوبارہ اسلام کے لئے حاصل کرنے کی جد وجہد میں مصروف ہو گئے۔ ایک لمحے کے لئے بھی ان کی قوتِ ایمانی نے غیر ملکی اقتدار کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور نہ صرف غلامی پر قناعت کر لی بلکہ غلامی کے طلائی طوق و سلاسل کو اپنے لئے سرمایۂ حیات اور تقاضائے اسلام قرار دے لیا۔ انگریزوں کو اولوالامر تسلیم کر لیا اور ان کی اطاعت کو شیوۂ مسلمانی بنا لیا مگر اسلام کے ان جلیل القدر نمائندوں نے اس شمعِ حریت کو بدستور روشن رکھا۔ دینی تعلیم کے ذریعے نہ صرف دینی علوم ہی کی اشاعت کی بلکہ جوشِ ایمانی کو بھی زندہ رکھا اور جو زندہ ضمیر ان سے متاثر ہوئے وہ اپنے اپنے مقام پر تحریک آزادیٔ اسلام کے رکن اور ان کی مساجد اور مدارس اس تحریک کے دفاتر بن گئے۔

اس سلسلہ کی ایک جد وجہد وہ تھی جسے انگریزی حکومت نے ریشمی خطوط کی سازش کا نام دیا۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ اسی سلسلہ میں ہندوستان سے نکل کر کابل اور پھر وہاں سے ترکی وغیرہ گئے اور انہی کے یہ دو شاگرد ان سے تعلق رکھنے کے باعث لاہور میں نظر بند کر دیئے گئے۔ ان کے کام کرنے کا ایک بڑا سادہ نہایت مؤثر اور بے ضرر طریقہ تھا وہ صرف قرآن کا درس دیتے تھے مگر درس کی یہ کلاسیں عوامی نہیں ہوتی تھیں بلکہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کے نوجوان افراد پر مشتمل ہوتی تھیں بالخصوص کالجوں کے طلبہ اور پروفیسر، استاد اور دفتر کے کلرک اور افسر ان سے مخاطب ہوتے تھے۔ قرآن کی تعلیم سے ان کے اندر صحیح دینی روح داخل کی جاتی تھی۔ ان کو شعائر اسلامی کا پابند بنایا جاتا تھا اور پھر ہر شخص کو اس کی ایمانی اور اخلاقی استعداد پر چھوڑ دیا جاتا تھا کہ وہ خود فیصلہ کرے۔ اس کا اسلامی اور دینی تقاضا کیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ درس قرآن میں شامل ہونے والے طلبہ قرآن کی تعلیم سے خود ہی اس نتیجہ پر پہنچ جاتے تھے کہ اسلام کی رو سے غلامی پر قناعت حرام ہے۔ آزادیٔ وطن

کے لئے جد و جہد کرنا شرعاً واجب اور انگریزی حکومت سے قطع تعلق فریضۂ حیات۔ خواجہ عبدالحی صاحب اس معاملہ میں زیادہ گرم جوش تھے اور مولانا احمد علی زیادہ محتاط۔ مولانا کا میدان سیاسی سے زیادہ اصلاحی اور تبلیغی تھا وہ اپنے طالب علموں کو مجاہد آزادی تو نہیں بناتے تھے مگر ان کے دلوں میں برطانوی غلامی سے کراہت۔ مغربی تہذیب سے نفرت اور توحید اور کتاب و سنّت کی پیروی کا جذبہ پیدا کرتے تھے۔

یہ تھا وہ ماحول جب کہ مَیں نے مولانا احمد علیؒ کو سب سے پہلے خواجہ عبدالحیٔ صاحب فاروقی کے یہاں دیکھا۔ اس وقت وہ کوئی تیس کے تیس برس کے نوجوان تھے۔ مجھ سے کوئی گیارہ برس بڑے ان کا حلیہ اس وقت جہاں تک مجھے یاد ہے یہ تھا۔

سر پر سفید پگڑی۔ بدن پر سفید لمبا کرتا۔ شرعی پاجامہ اور دیسی جوتا۔ اب یہ یاد نہیں کہ کندھوں پر چادر بھی تھی یا نہیں اور بالکل یہی لباس ان کا زندگی بھر کا لباس رہا۔ گرمی سردی کے اعتبار سے صرف سوتی اور اونی کپڑے کا فرق واقع ہوتا ورنہ وضع قطع میں کوئی تغیر نہ ہوتا اور یہ وضع داری ہی حقیقت میں ان کی سیرت کا سب سے بڑا جوہر تھا اور ان کی عظمت و کردار کا موجب۔ ان کے اکابر کی بھی یہی وضع تھی اور اسی وضع کو انہوں نے اپنی زندگی کا عنوان بنا لیا تھا اور یہی پابندی وضع تھی جس کے باعث ان کی ساری زندگی اور اس زندگی کا سارا عنوان اوّل سے آخر تک ایک ہی نہج کا رہا۔ لباس اور ظاہری وضع قطع ہی میں نہیں بلکہ عقائد اعمال۔ مشاغل۔ طرزِ فکر۔ اسلوب تقریر۔ اندازِ تحریر اور دوستی و دشمنی کے تعلقات میں بھی مَیں ان لوگوں میں سے تھا جن پر وہ بے حد مہربان تھے۔ علم و عمر میں ان سے کم تر تھا مگر وہ ہمیشہ مساوی دوستانہ برتاؤ کرتے تھے۔ یہ طرزِ عمل ان کا اس وقت بھی برقرار رہا جبکہ انہیں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعت اسلامی کے ساتھ بوجوہ اختلاف اور سخت اختلاف ہو گیا۔ جہاں تک تنقید اور مخالفت کا تعلق ہے۔ میری طرف سے بھی کوتاہی نہ ہوئی مگر اس کے باوجود وہ جب بھی ملے اسی پرانی محبّت اور شفقت کے ساتھ۔ غالباً وہ بھی جانتے تھے کہ ان سے میرا اختلاف بھی اخلاص سے ہے اور خدا کے لئے ہے اور رکھ رکھاؤ اور وضع داری ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ جب مَیں نے ان سے وجوہ اختلاف و مخالفت معلوم کرنا چاہے تو انہوں نے ٹال دیا۔ یہاں تک کہ بعد میں جب ان کی ایک کتاب شائع ہوئی تو مجھے معلوم ہو سکا کہ ان کے اختلاف و مخالفت کی بنیاد کیا ہے

حقیقت یہ ہے کہ انسانی سیرت کی بنیاد پابندیٔ وضع پر ہے۔ میرے نزدیک وہ آدمی آدمی ہی نہیں جس کے متعلق اس کے دوست تو درکنار دشمن تک بھی یہ نہ جان سکیں کہ فلاں قسم کی صورت حال میں اس کا رویہ کیا ہو گا۔ اسلام نے سب سے زیادہ زور استقامت پر دیا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے کہ ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ۝ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر جم گئے تو ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غم کرو اور اس بہشت کی بشارت سے شادکام ہو جاؤ جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا رہا ہے۔ ایمان لانا۔ خدا کو اپنا رب تسلیم کر لینا اس کے رسولؐ کو اپنا ہادی و پیشوا قرار دینا ہے۔

یہ مان لینا کہ اس کی کتاب برحق ہے اور اس کتاب میں جو تعلیم نازل کی گئی ہے وہ بہترین سرمایہ حیات ہے اور اس تعلیم کے مطابق اپنی زندگی کا سنجار بھی بنا لینا ایک ذہنی اور جذباتی چیز ہے۔ یہ بات زیادہ مشکل نہیں کہ کوئی شخص ان صداقتوں کا معترف ہو جائے اور اس راہ پر قدم بھی رکھ دے لیکن جو بات اس واقعہ میں حقیقت کا رنگ بھرتی ہے اور اس کی صداقت پر مہر لگاتی ہے "وہ" "استقامت" ہے یعنی جس حق پر آدمی ایمان لایا ہے اس کے تقاضوں پر تفصیل کے ساتھ عمل پیرا ہو۔ اسی کیلئے قرآن مجید میں حقیقی فلاح و کامرانی کا انحصار صرف "ایمان" کو قرار نہیں دیا بلکہ اس کے ساتھ ہر جگہ "عمل صالح" کا جوڑ بھی لگا یا گیا ہے الذین امنو وعملوا الصلحٰت۔ اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ تو یہ ہے کہ جس بات پر ایک مرتبہ احیاناً بھی عمل ہو گیا۔ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مستقل عمل بن گیا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں لیکن جب ایک مرتبہ کسی وفد سے گفتگو کرتے کرتے اتنی دیر ہو گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنتیں فوت ہو گئیں جو ظہر کی نماز کے بعد پڑھنی تھیں تو آپ نے عصر کے بعد انہیں ادا کیا اور پھر ہمیشہ عصر کے بعد انہیں ادا کیا اور یہ خصوصیات نبوت میں سے قرار پا گئیں۔ اس امر کی وضاحت سے میرا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ انسانی زندگی میں پابندی وضع کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسی سے انسانی سیرت و کردار کی تعمیر ہوتی ہے اور اسی سے زندگی میں اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اپنی ذات پر بھی اور دوسروں کی ذات پر بھی ہمارے بزرگان دین کے کیرکٹر میں یہ "پاس وضع" اور یہ استقامت بالعموم پائی جاتی رہی ہے۔ ایک زمانے میں مسلمانوں کا قومی کیرکٹر یہ "پاس وضع" تھا۔ اگر کوئی مسلمان اس "پاس وضع" سے محروم پایا جاتا تھا تو غیر مسلموں کو بھی حیرت ہوتی تھی کہ یہ کیسا مسلمان ہے جو ایسا کام کر رہا ہے جس کی اس سے توقع نہیں تھی

لیکن جُوں جُوں اخلاقی انحطاط مسلمانوں کی زندگی میں راہ پاتا گیا ان کی زندگیاں "تھالی کا بینگن" بنتی گئیں۔ آج اغراض نے ایک اصول کو اصولِ زندگی بنایا۔ کل کو کوئی بیرونی دباؤ پڑا یا اندرونی لالچ نے مجبور کیا تو اس اصُول کے بالکل بخط مستقیم مخالف اصول کو اصولِ زندگی بنا لیا۔ اگر وہ کوئی سیاسی رہنما یا کارکن تھا تو اس نے اس تغیرِ حال کو قومی مصلحت کا نام دے دیا۔ اگر کوئی دینی رہنما یا کارکن تھا تو اس نفاق کا نام اس نے کتاب و سنّت کی جدید تشریح قرار دے دی۔ الغرض حق پہلے بھی اس کے ساتھ تھا اور اب بھی "حق" اس کے ساتھ ہی رہا۔ حالانکہ صحیح شے یہ ہے کہ "حق" آدمی کے ساتھ نہ گھومتا پھرے بلکہ آدمی "حق" کے ساتھ چلے۔

گفتگو دُوسری طرف چلی گئی مگر مولانا احمد علی کی سیرت کے اہم ترین پہلو کی وضاحت اس طویل گفتگو کے بغیر نہ ہو سکتی۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے خدمت کی کافی طویل مہلت عطا فرمائی۔ وہ اس میدان میں کوئی پچاس برس تک کام کرتے رہے۔ یہ خاصہ طویل عرصہ ہے۔ پھر ان کا حلقۂ عمل بھی بہت وسیع تھا۔ تبلیغ۔ تقریر۔ تحریر۔ درس۔ تربیت۔ دورے۔ سفر۔ تحریکوں میں حصہ لینا۔ قید و بند کی صعوبتیں قطع کرنا۔ یہاں تک کہ پیری مریدی اور ارشاد و تصوف بھی اور ان تمام امور میں ان کی روش کا نقطۂ نگاہ۔ ان کا طرزِ عمل ان کا اسلوب فکر بالکل ایک رہا۔ ان کے والد مرحوم نے ان کو خدمت دین کے لئے وقف کر کے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے حوالے کیا تھا۔ انہوں نے ان کو عالم دین بنا دیا اور وہ زندگی بھر عالم دین ہی رہے مگر وہ ان عالمانِ دین میں سے نہ بنے جو اس لئے عالم دین کہلائے کہ "وہ کچھ" اور نہ بن سکے۔ اگر ان کو یا ان کے والدین کو موقعہ ملتا۔ ان کے حالات اجازت دیتے تو وہ عالمِ دین کی بجائے ڈپٹی کلکٹر۔ پولیس مین۔ تھانیدار یا تاجر یا کوئی اور "چیز" ہوتے۔ چنانچہ کتنے ہی "عالمانِ دین" ہیں جو ۷، ۸ برس تک دینی مدارس کی روٹیاں توڑنے۔ وہاں کی کتابیں پھاڑنے اور اپنے اساتذہ کرام کا دماغ چاٹنے کے بعد سندِ فراغ لے کر نکلتے ہیں اور سیدھے اورینٹل کالج میں پہنچتے یا آئندہ اربخت کے دار العلوم السنۂ شرقیہ جیسے مدارس سے مولوی فاضل اور منشی فاضل بنتے اور کسی ہائی سکول میں او ٹی بن کر روٹی کمانے کی مشقیں بن کر رہ جاتے ہیں یا "وایا بٹھنڈہ" ایم اے پاس کر کے کسی کالج میں پروفیسر بن جاتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ "نوکری پیشہ" تھے جو "عالم دین" بن گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ بے حد و حساب رحمتیں نازل فرمائے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن علیہ الرحمۃ پر کہتے ہیں۔ ایک روز دار العلوم دیوبند کے دار الاقامہ میں کسی طالب علم نے چوری کی وہ پکڑا گیا اور مدرسے سے خارج کر دیا گیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں ایک طالب علم نے بڑے رنج و الم کے ساتھ عرض کیا ــــــ "حضرت! کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اب طالب علم بھی چور ہونے لگے ــــــ! حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سُن کر فرمایا۔ نہیں بھائی طالب علم چور نہیں ہونے لگے بلکہ کوئی چور تھا جو طالب علم ہو گیا۔ مولانا سید انور شاہ قدس سرہ کے متعلق مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ خطیب جامع مسجد بٹھولیاں لاہور نے مجھ سے بیان کیا کہ دستارِ فضیلت باندھنے کے بعد ہم لوگ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں وداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا "حضرت ــــ! کوئی وصیت ارشاد فرمائیے۔

اس پر شاہ صاحب نے کیا خوب فرمایا کہ بھائی! مولوی فاضل اور منشی فاضل نہ کرنا"۔

مَیں نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ نکتہ معرفت سُنا تو ان کی بصیرت پر عش عش کر اٹھا۔ مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ کیسے کیسے جلیل القدر علماء ہیں جنہیں آج تک یہ حسرت ہے کہ ان کے والدین نے کسی دینی دار العلوم میں کیوں بھیج دیا۔ کالج کی تعلیم کیوں نہ دلائی کہ بی اے پاس کر کے آئی سی ایس کرتے اور رائے ای سی اور ڈپٹی کمشنر بن کر ریٹائر ہوتے۔ میرے نزدیک ایسے حضرات آئی سی ایس اور پی سی ایس تھے جو "عالم دین" بن گئے۔ چنانچہ ان کا عملی رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو علم دین سے بے بہرہ رکھتے ہیں اور صرف علم دُنیا کی طرف انہیں پھینکتے ہیں۔

مگر مولانا احمد علیؒ اس قسم کے عالم دین نہیں تھے وہ اس لئے عالمِ دین تھے کہ وہ عالم دین ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اولاد کو بھی اسی راہ پر ڈالا جس کو وہ اختیار کئے ہوئے تھے اور ان کے فکر و نظر اور ان کے طرزِ زندگی کی یکسانی۔ استقامت اور وضعداری ان کی سیرت کا سب سے بڑا نشان اور عنوان ہے اور میرے دل میں ان کی سیرت کے اسی پہلو ہی کی سب سے زیادہ قدر و منزلت ہے اور اسی وجہ سے میں ان کو بڑا آدمی سمجھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو اپنے جوارِ رحمت میں بلند ترین مقامات پر جگہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

آسان تفسیر کے متعلق جانشینِ شیخ التفسیرؒ مولانا عبید اللہ انور مدظلہم العالی کے

ارشاداتِ عالیہ

"مخدوم العلماء حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب متع اللہ المسلمین بالبقائکم اسم بامسمّٰی شخصیت ہیں۔ علم و عمل، زہد و تقویٰ، اخلاص وللّٰہیت کی چلتی پھرتی تصویر ہیں۔ وہ اس دورِ زندقہ و الحاد میں اسلام کا سرمایہ گراں ہیں۔ میں ان سے اپنے دیوبند کے زمانہ طالب علمی سے واقف ہوں موصوف کو اپنے اکابر بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مدنی اور حضرت الامام لاہوری سے جو قوی نسبت اور گہری عقیدت ہے اس کی چھاپ ان کی زندگی میں نمایاں ہے۔ یہ ذکر و فکر، تزکیہ و تصفیہ قلب سے ربط و اشتغال علوم و معارف قرآنی کی نشر و اشاعت اور متعدد مقامات پر سالہا سال سے مسلسل درس قرآن سے شغف و انہماک حضرت قاضی صاحب کے خلوصِ نیت اور دل میں اللہ کی خشیت کی قوی علامت ہے۔ خاص طور پر واہ کینٹ کے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے ماہانہ درسِ قرآن و حدیث کے دور دراز سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ہر طبقہ و خیال کے لوگ بڑی تعداد میں فیضیاب ہوتے ہیں۔ پھر یہ مضامین مختلف رسائل بالخصوص ماہنامہ "الارشاد" میں چھپ کر ملک کے گوشہ گوشہ میں ہزاروں کی اصلاح و ہدایت کا باعث بنتے ہیں ے

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تصنیف و تالیف کا اللہ تعالیٰ نے قاضی صاحب کو خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے تقریر کی طرح ان کی تحریریں ایسا سلجھاؤ ہے کہ معمولی لکھا پڑھا آدمی بخوبی مستفید ہو سکتا ہے۔ موصوف کی تقریر اور تحریر تفرقہ اندازی، طنز و تشنیع کے تیروں، تبرّا اور تضحیک سے قطعی پاک ہوتی ہے۔ الحمد للہ اپنے اکابر کی طرح صراطِ مستقیم پر اعتدال کے ساتھ گامزن ہیں۔ قاضی صاحب موصوف کی بیشتر تالیف کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ خاص کر معارف القرآن اور آسان تفسیر عوام و خواص کے ہر طبقہ میں بڑی مقبول ہوئی ہے۔ ملک بھر کے چیدہ ترین علماء و مصنفین نے ان کی افادیت کی شہادت دی ہے اور بلاشبہ ان کتابوں سے وقت کے اہم علمی و دینی تقاضے پورے ہوئے ہیں۔ آسان تفسیر جو واقعی اسم بامسمّٰی ہے ترجمہ بین السطور میں حضرات دہلی کے طرز پر ربط آیات، ضروری فوائد، خلاصہ مضامین، آسان اور واضح زبان اس کے انفرادی خصائص ہیں۔ اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کی صحت و عمر میں برکت عطا فرمائیں۔ اگر اسی طرز پر قرآن کریم کی تفسیر مکمل ہو جائے تو بہت مفید خدمت ہوگی۔

طالبِ دعا (حضرت مولانا) احقر عبید اللہ انور (مدظلہم العالی)

آپ بیتی، جگ بیتی

حسرتِ لاہوری

خان غازی کابلی۔ دہلی

"مولانا احمد علیؒ، مولانا عبید اللہ سندھی اور بزرگانِ احرار کے تعلقات اور حالات کے پیشِ نظر اپنے مختصر حالات درج کرتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو کہ آپ نے جس شخص کو مکتوب لکھا ہے وہ کس درجہ کا انسان اور خدمت گزارِ قوم اور ملت ہے۔"

میرا وطن "پاکتیا"

میں افغانستان کے صوبہ "پاکتیا" میں موضع "ذراگی"، ضلع خوست کا رہنے والا ہوں۔ جس زمانے میں عدم سے وجود میں آیا تھا اس زمانے میں "حیات و ممات" کے اندراج کا کوئی رواج نہیں تھا۔ اس لیے اندازے سے لکھتا ہوں۔ جس سال انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی تھی اسی سال یعنی ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوا۔ میرے والد کا نام عبدالرحیم احمدی عرف خان پیر ہے۔ والدہ کا نام "لونگہ نیازی" ہے اور نسبی قبیلے کی شاخ "درنامی" سے ہوں۔ نیتی قبیلہ کرہ لانیوں کا ایک قبیلہ ہے۔ مشہور افغان مجاہد پیر بایزید روشن ساکن کانی گرام وزیرستان اور مشہور قہرمان پشتو کے شاعر خوشحال خان خٹک ساکن اکوڑہ خٹک ضلع پشاور بھی "کرلانی" افغان تھے۔ پاکتیا اس قدیم آریہ (شریف) قبیلے کے نام سے موسوم ہے جس کا ذکر اگ وید کے ایک منتر میں اس طرح آیا ہے۔

"اے اندر! تو ہمیں ایسی دودھ دینے والی گائیں عطا کر جو تو نے پکتیا کے راجکماروں اور شہزادوں کو عطا کی تھیں۔"

قادیانیت اور افغانستان

میں اپنے خاندان میں تنہا سُنی حنفی المذہب اور مجاہد آزادی ہوں۔ میرے والد اور چاچا اور چھوٹے بھائی مولانا خلیل الرحمٰن احمدی (قادیانی) ہیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ احمدیت (قادیانیت) افغانستان اور پاکتیا کیسے پہنچی؟ اس سلسلہ میں قاضی محمد یوسف قادیانی آف ہوتی مردان اپنی پشتو کی کتاب "احمدیت اور افغانستان" میں لکھتے ہیں کہ "جس وقت افغانستان اور ہندوستان میں حد بندی ہو رہی تھی اور ڈیورنڈ لائن بن رہی تھی انگریزوں کی طرف سے سر "ڈیورنڈ" اور صاحبزادہ عبدالقیوم (ٹوپی) مقرر تھے اور کُرم گئے تھے افغانستان کی طرف سے سردار شیر دل خان "گورنر پاکتیا" اور صاحبزادہ عبداللطیف آف خوست مقرر ہو کر کرم گئے تھے۔ یہ لوگ دن کو حد بندی کا کام کرتے تھے اور رات کو آپس میں بیٹھ کر دوستانہ ملاقاتیں کرتے اور تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔ ان رات کی مجلسوں میں ایک انگریزی ملازم نے حضرت احمد (مرزا غلام احمد قادیانی) کا ذکر کیا تو صاحب زادہ عبداللطیف نے ان کی کتابوں کو دیکھنے کا شوق ظاہر کیا اس پر کسی (انگریزی ملازم) نے انہیں "آئینہ کمالات اسلامی" نامی کتاب پیش کی جس کے پڑھنے سے صاحب زادہ عبداللطیف بے حد متاثر ہوئے اور انھوں نے اپنے دو مریدوں مولوی عبدالرحمٰن اور مولوی عبدالجلیل کو قادیان بھیجا"۔ ص۱۱

قاضی محمد یوسف قادیانی کی مندرجہ بالا تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ افغانستان اور دوسرے ممالک میں احمدیت (قادیانیت) کی تبلیغ کرنے والے حقیقت میں انگریزوں کے ملازم تھے اور اس سلسلہ میں سرسید سرحد صاحب زادہ عبدالقیوم آف ٹوپی ضلع مردان قادیانیت کی ترقی کے باعث تھے۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں احمدیت یعنی قادیانیت کا اثر یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ سوات میں "ستھانہ" کے سید عبدالجبار شاہ احمدی قادیانی ہو گئے تھے اور فخر افغان خان عبدالغفار خان جیسی مجاہد شخصیت بھی قادیان تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آگئی تھی۔

میں ہندوستان کیوں آیا؟

مجھ پر یہ خدا کا ہمیشہ ہی لطف اور کرم رہا ہے کہ میں جہاں بھی اور جس محفل میں بھی گیا اوّل و آخر "احراری" ہی رہا۔ انگریز دشمنی اور حریت و آزادی کے جذبات نے پہلے مجھے وزیرستان کے مشہور مجاہد غازی موسیٰ خان مسعود کا رفیق و ساتھی بنایا پھر جب ۱۹۱۵ء میں مولانا برکت اللہ بھوپالی اور راجہ مہندر پرتاپ افغانستان پہنچے تو مجھے یہ تحریک

ہوئی کہ افغانستان اور مُسلم ممالک کی آزادی کا راز ہندوستان کی آزادی میں مضمر ہے۔ اس لیے میں پکتیا (افغانستان) سے ہندوستان آیا۔ پہلے آغا پیر مقبول شاہ گھنٹہ گھر پشاور کے ہاں کچھ عرصہ تک رہا۔ اس کے بعد قادیان، علی گڑھ، دہلی، جے پور اور ہندوستان کے مختلف شہروں سے ہندوستان کی آزادی کے لیے سرگرم رہا۔ "احرار ہند" میں سے میرا زیادہ گہرا تعلق مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا محمد عرفان ہزاروی وغیرہ سے رہا اور جب حالات نے انہیں "منتشر زیر پر" کیا اور "مجلس احرار اسلام ہند" کا قیام عمل میں آیا تو میری بے چین اور آزادی پسند طبیعت نے قادیان سے اکھاڑ کر احرارِ اسلام سے وابستہ کیا اور پھر تقسیم وطن سے کچھ سال قبل سرحد کے خدائی خدمت گاروں سے تعلقات استوار کیے اور جب ملک تقسیم ہوا پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو لال قلعہ پر "پرچم آزادی" لہرانے کے شوق نے دہلی پہنچایا اور اب تقریباً گذشتہ تیس سال سے دہلی میں ہوں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے یہ شعر میرے لیے ہی کہا ہے

؎ اک جگہ رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

احرار و وطن

میرے خیال میں "مجلس احرار اسلام" ہی وہ پہلی سیاسی جماعت ہے جس نے احمدیت (قادیانیت) کا سیاسی محاذ پر کامیاب مقابلہ کیا اور اسے ہر میدان میں شکست فاش دی۔ اکبرالہ آبادی کا شعر ہے کہ

؎ "بُدھو میاں" بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
گو مُشتِ خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

اگرچہ اکبر نے یہ "علی برادران" کی شان میں کہا تھا مگر یہ مجھ پر بھی صادق آتا ہے۔ کیونکہ "بزرگانِ احرار" کے ساتھ میری حیثیت بھی "بدھو میاں" اور "مشتِ خاک" کی سی رہی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ "دشمنانِ احرار" ہی کے نزدیک میری حیثیت "مجلس احرار اسلام" "گو بزنگ و گو بلز" کی سی تھی۔

ہندوستان کی آزادی کے بے شمار قافلہ سالاروں سے میرے قریبی اور دوستانہ تعلقات رہے ہیں لیکن مجھے مولانا حسرت موہانی اور مولانا مظہر علی اظہر نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ یہ دونوں ایسے حق گو اور بے باک تھے جو مصلحتوں کے جنگلوں اور سمندروں کے سینوں کو چیرنے کی صلاحیتیں رکھتے تھے۔ اگر مولانا حسرت موہانی نے سب سے پہلے آزادی کامل کا پرچم بلند کیا تھا تو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مولانا مظہر علی نے "احرار اسلام" کے قائد کی حیثیت سے سب سے پہلے کشمیر کی آزادی کا پرچم بلند کیا تھا اور اس کی جماعت "احرار" نے اپنی قربانیوں سے "اقبال" کو مرزا بشیر احمد محمود کی سیاسی غلامی یعنی کشمیر کمیٹی کی ممبری سے آزاد کر کے مشرف بہ اسلام کیا تھا۔ اسی طرح مجلسِ احرار اسلام نے ہی سب سے پہلے احمدیوں (قادیانیوں) کے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اس کا سہرا قدرت نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے سر باندھا اور یہ پیشن گوئی بھی ۱۹۳۶ء میں مولانا مظہر علی اظہر نے ہی کی تھی کہ! "میرزا بشیر الدین محمود کہتے ہیں کہ مسجد شہید گنج کی وجہ سے احرار کے قدموں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہے۔ مگر میں قادیان میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ بہت جلد ہندوستان آزادی حاصل کرے گا اور انگریز چلے جائیں گے تو قادیان مرزا بشیر الدین محمود کے قدموں سے نکل جائے گا"

۱۹ء میں مولانا مظہر علی اظہر احرار اسلام کی طرف سے مرزا محمود کی دعوتِ مباہلہ پر قادیان گئے تھے اور انہوں نے قادیان میں مندرجہ بالا تقریر کی تھی اور دُنیا نے اس پیشین گوئی کی صداقت کو اگست ۱۹۴۷ء میں دیکھا کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد قادیان سے نکل کر "رتن باغ لاہور" میں پناہ گزین ہوئے اور پھر چنیوٹ (ربوہ) میں اپنا مرکز قائم کیا۔

مولانا احمد علیؒ اور بزرگانِ احرار

میں نے حضرت مولانا احمد علیؒ کے شباب کا زمانہ نہیں دیکھا ہے لیکن جب انہیں دیکھا تو ان کی داڑھی اور مونچھوں میں سفید بال آ گئے تھے اور ان کے درسِ قرآن میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی اور اسی میں مولانا کو قرون اولیٰ کے بزرگانِ دین کے نورانی پیکر میں دیکھا۔ ان کے درسِ قرآن میں دُور دُور سے علماء فضلاء اور طلباء آ کر شریک ہوتے تھے اور فیض یاب ہو کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوتے تھے۔ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے ان کے درس قرآن میں ندوۃ العلماء کے سید ابوالحسن علی میاں اور "مدرسہ باقیات صالحات" ویلور (مدراس) کے مولانا صبغت اللہ بختیاری بھی ہوا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا سید ابوالحسن علی

میاں کا جو مکتوب میرے خط کے جواب میں آیا ہے ملاحظہ ہو:۔

"ندوہ رائے بریلی

مکرمی محترمی خان غازی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۹ فروری پہنچ کر موجب مسرت ہوا۔ آپ نے یاد فرمایا بڑی خوشی ہوئی۔ دفتر "برہان" میں آپ سے ملنا مجھے یاد ہے اور میں نے آپ کے مضامین دلچسپی سے پڑھے ہیں۔ مجھے حضرت مولانا احمد علیؒ سے نہ صرف یہ کہ تلمذ بلکہ ارادت کا شرف بھی حاصل ہے۔ لیکن میں مولانا پر ایک مبسوط مضمون لکھ چکا ہوں، جو میری کتاب "پرانے چراغ" کی زینت ہے۔ اس سے زیادہ میں مستقبل قریب میں کچھ نہیں لکھ سکتا۔ کئی مصروفیتیں حائل اور بعض طویل سفر درپیش ہیں۔ مولانا کے خطوط کا بے شک میرے پاس ایک اچھا مجموعہ ہے لیکن وہ نجی اور ترتیبی ہیں اس لیے عام اشاعت بغیر ان کو ماہ ٫ کئے ہوئے مناسب نہیں۔ امید ہے کہ آپ سے ان لوگوں کو جنہوں نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے مطلع فرمائیں گے۔ حضرت مولانا عبدالحق سے بھی مجھے ذاتی نیاز حاصل ہے اور ان کے صاحب زادہ مولانا سمیع الحق صاحب خصوصی کرم فرما ہیں "پرانے چراغ" کا ایک ایڈیشن پاکستان سے شائع ہوا ہے یقیناً ان حضرات کی نظر سے گزرا ہوگا۔ آپ کی یہ نظر سے کتاب نہ گزری ہو تو مجھے مطلع فرما دیں میں ایک نسخہ بھیجنے کی کوشش کروں گا۔ والسلام مخلص

—ابوالحسن علی — ۲۴ فروری ۱۹۷۸"

سید بخاری "امیر شریعت" کا خطاب

درس قرآن مجید کے بعد میرے خیال میں حضرت مولانا کا دوسرا شاہکار اور بڑا کارنامہ "انجمن خدام الدین" کے زیر اہتمام سینکڑوں علمائے کرام کا وہ اجتماع عظیم تھا جس میں دین اور دنیا کے نامور مشاہیر نے بھی شرکت کی تھی، جہاں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید انور شاہ کاشمیری اجتماع میں موجود تھے وہاں سر محمد اقبال اور سر میاں محمد شفیع آف باغبانپورہ لاہور بھی حاضرین میں سے تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار دنیا دار و سرکار پرست لوگ علمائے کرام کے افکار و خیالات سننے کے لیے گوش برآواز موجود تھے۔ یہی وہ اجتماع تھا جس میں سید انور شاہ کشمیریؒ نے بلبل ریاض رسول مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو "امیر شریعت" کے خطاب سے سرفراز کیا تھا اور برسر اجلاس سیدنا انور کشمیریؒ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے بیعت ہوئے تھے۔ لیکن افسوس کہ آج علمائے کرام اور احرار دونوں نے انہیں اس لیے فراموش کر دیا کہ ان کی یاد سے بہت سی ایسی تلخیاں وابستہ ہیں جو انگریزوں کے کاسہ جانشینوں کو پسند نہیں یقیناً خلد آشیاں بخاری کی روح شاعر کی زبان میں کہہ رہی ہوگی۔

وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی ہیں!

اچھا ہوا کہ تم نے فراموش کر دیا

شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی یاد

ایسی حالت میں جبکہ علماء اور جہلاء دونوں زلف سیاست میں جکڑے ہوئے ہیں یہ باتیں باعث مسرت اور صد افتخار ہیں کہ ایک طرف خوشحال خان خٹک کی سرزمین "صوبہ سرحد" سے حضرت عاشق قرآن وحدیث مولانا احمد علی لاہوریؒ کی یاد میں آواز بلند ہوئی ہے اور دوسری طرف کشور حسن وعشق پنجاب "ساہیوال" سے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کو یاد کیا گیا ہے اور ماہنامہ "الرشید" کے سید حسین احمد مدنی اور سر اقبال "نمبر کی اشاعت کا اعلان ہوا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور قائد احرار مولانا مظہر علی اظہرؒ صحیح فرمایا کرتے تھے کہ آج مسلمان جن آفات و بلیات میں مبتلا ہیں صرف اس وجہ سے ہیں کہ انہوں نے نہ صرف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی توہین کی تھی بلکہ انہیں سخت ایذائیں بھی پہنچائی تھیں اور جب تک مسلمان سچے دل سے ان گناہوں سے توبہ نہ کریں گے مسلمانوں کا آفات وبلیات کے طوفانوں سے نکل کر سلامتی کے کنارے پر پہنچنا بے حد دشوار اور مشکل بات ہے۔

میں جب ۱۹۶۵ء میں "درپاکیتا" (افغانستان) گیا تھا تو میں نے بمقام "علی شیر" وہاں کے پہاڑوں میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے تقویٰ اور حریت افروز زندگی اور مولانا احمد علی لاہوریؒ کے درس قرآن کی گونج سنی تھی اور وہاں کے علماء کرام نے پوچھا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ کس حال میں ہیں اور جب میں نے ان سے کہا کہ یہ دونوں بزرگانِ دین اور دنیا اپنے رفیق اعلیٰ سے مل چکے ہیں تو سب کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایسی جھڑی رواں ہوئی کہ ان کی داڑھیاں تر بہ تر ہو گئیں۔ اس مجلس میں

"پاکتیا" کے "والی" یعنی گورنر، تورن جرنیل محمد حسین خان بھی موجود تھے۔ یہ اجتماع انہوں نے ہی میرے اعزاز میں کیا تھا۔

مولانا احمد علیؒ اور احرار:- بزرگانِ احرار سے حضرت مولانا احمد علیؒ کے تعلقات نہایت گہرے اور بے حد مخلصانہ تھے اور دوستانہ تھے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر احرار اسلام تو جب کبھی باہر کے دوروں سے لاہور آتے تھے تو "انجمن خدام الدین" میں حضرت شیخ کے پاس ہی قیام کرتے تھے۔ انتہا یہ کہ جب ۱۹۴۷ء میں لدھیانہ سے لاہور آئے تو انہوں نے "انجمن خدام الدین" میں حضرت شیخ کے پاس ہی پناہ لی تھی۔ اسی طرح حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ شیخ حسام الدین امرتسری اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی بھی جب لاہور آتے تھے تو حضرت مولانا احمد علیؒ سے ملاقات کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ اگرچہ "اشرار" کی نظروں میں میری حیثیت "احرار ہند" میں بہت بلند تھی مگر میں نے خود کو ہمیشہ ہی بزرگانِ احرار میں "بدھو میاں" اور "مشتِ خاک" سے زیادہ کبھی نہیں سمجھا۔ اس لیے "بزرگانِ احرار" کی ایسی محفلوں اور مجلسوں میں جن میں مولانا احمد علی لاہوریؒ موجود ہوتے تھے اور آپس میں سیاسی یا دوسرے مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ مجھے ان گفتگوؤں میں مداخلت کی کبھی جسارت اور جرأت نہیں ہوئی البتہ ایسے موقعوں پر مع بزرگانِ احرار" اور مولانا احمد علی اور مولانا عبید اللہ سندھی کی خدمت بابرکت میں "چائے کے جام" پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے۔ بزرگانِ احرار اور حضرت مولانا احمد علی کے درمیان ایسی مجلسیں اکثر ڈاکٹر عبدالقوی صاحب نقمان کے گھر یا دکان پر ہوا کرتی تھیں۔ آسٹریلیا والی مسجد کے قریب ڈاکٹر عبدالقوی نقمان کی دوکان تھی۔ خدا جانے آج کل ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں اور کہاں نہیں مگر نہایت زندہ دل، مہمان نواز اور مجلس احرار کے شعبۂ خدمت خلق کے صدر بھی تھے۔ مولانا احمد علیؒ اور بزرگانِ احرار کے درمیان ہمیشہ مذہبی اور ملکی مسائل پر تبادلۂ خیالات اور مشورے ہوا کرتے تھے۔ لیکن حضرت شیخ مولانا احمد علی کا عشق درسِ قرآن اور انجمن خدام الدین سے ہی تھا۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں جب سر سکندر حیات خان کی سرکار نے خاکساروں کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا تو جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے اس زمانے میں حضرت مولانا احمد علیؒ لاہور سنٹرل جیل میں پہنچا دیئے گئے تھے اور پھر مولانا عبید اللہ سندھی کی کوشش سے باہر آگئے تھے۔ یہ گرفتاری کس دفعہ کے تحت عمل میں آئی تھی یہ مجھے معلوم نہیں لیکن جب حضرت شیخ گرفتار ہوئے تھے تو اس وقت چوہدری افضل حق اور راقم (خان غازی کابلی) مرکزی دفتر مجلس احرار اسلام ہند واقع شاہ محمد غوث لاہور میں بیٹھے تھے اور اکبری منڈی کے سوداگر غلہ جناب شیخ محمد حسین صاحب جو مولانا احمد علیؒ کے خاص دوستوں اور معتقدوں میں سے تھے یہ خبر لائے تھے کہ مولانا مرحوم کو سکندری مظالم کے خلاف احتجاج اور خاکساروں سے ہمدردی کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں لاہور سے ہی صحیح معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر محترم شیخ محمد حسین صاحب کا پتہ لگ سکے تو ان سے نہایت ہی مفید معلومات اور حالات کا ذخیرہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی اور مجلس احرار اسلام

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کی جب طویل جلاوطنی کے بعد ۱۹۳۹ء میں مراجعت فرمائے وطن ہونے کی خبر ہندوستان پہنچی تو بزرگانِ احرار باہر کے دوروں پر تھے۔ دفتر میں صرف راقم (خان غازی کابلی) موجود تھے اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر "احرار اسلام ہند" نے دہلی سے مجھے ایک خط لکھا چونکہ اس خط سے احرار اور مولانا عبید اللہ سندھی کے مخلصانہ تعلقات پر روشنی پڑتی ہے اس لیے درج کیا جاتا ہے خط ملاحظہ ہو:

کنگ ناگرہ شو کمپنی دہلی "دہلی ۲/۳/۳۹"

محترم بھائی جان کابلی صاحب سلام مسنون!

مولانا عبید اللہ سندھی وطن واپس تشریف لا رہے ہیں آپ "خدام الدین" میں جا کر حضرت مولانا احمد علیؒ سے مفصل معلومات حاصل کر کے میری طرف سے اخبارات میں اعلان کر دیں کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کراچی سے اگر بذریعہ ریل لاہور ہوتے ہوئے دہلی پہنچیں تو ہر اسٹیشن پر مجالسِ احراران کا باقاعدہ طور پر شاندار استقبال کریں بالخصوص ملتان، خانیوال، میاں چنوں، منٹگمری، لاہور، امرتسر اور جالندھر ولدھیانہ حضرت مولانا ۵/۳/۳۹ کو "المدینہ" جہاز سے کراچی پہنچیں گے اور اسی روز شام کو کراچی میل سے روانہ ہوں گے۔ ۶/۳/۳۹ کی شام کو لاہور اسٹیشن پر پہنچیں گے اور اسی وقت فرنٹیئر میل سے دہلی روانہ ہو جائیں گے۔ میں نے مولانا محمد صادق صاحب کو کراچی لکھ دیا ہے کہ وہ بذریعہ تار مولانا کی روانگی کے متعلق آپ کو اور چوہدری افضل حق، مولانا مظہر علی اظہر کو لاہور مطلع کر دیں۔ یہ اعلان تمام

انگریزی اور اردو اخبارات میں شائع کرا دیں۔ تار پہنچنے پر پھر دوبارہ اعلان کرائیں۔ کیونکہ شاید مولانا بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچیں۔

والسّلام

آپ کا بھائی حبیب الرحمٰن ،،

بزرگانِ احرار اور مولانا عبیداللہ سندھی کے تعلقات خصوصی طور پر صدر احرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی کا مذکورہ خط روشن اور بین دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس زمانے میں چوہدری افضل حق، مولانا مظہر علی اظہر اور راقم (خان غازی کابلی) دفتر مجلس احرار اسلام ہند واقع شاہ محمد غوث بیرون دہلی دروازہ لاہور مستقل طور پر موجود رہا کرتے تھے اور مخالفین کے خیال میں یہ تینوں احرار کے دماغ اور پالیسیاں بنانے والے تصوّر کئے جاتے تھے اور مولانا حبیب الرحمٰن اور حضرت امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کو مجلس احرار اسلام کے "لاؤڈ اسپیکروں" کے ناموں کے ساتھ" یاد کیا جاتا تھا۔ مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا احمد علی کا بزرگانِ احرار کتنا لحاظ اور کس قدر احترام کرتے تھے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

ایک ناخوشگوار واقعہ اور میری معذرت

طویل جلاوطنی اور بڑھاپے نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے مزاج میں تیزی اور شدت پیدا کر دی تھی۔ اس لیے اکثر وہ کرخت لہجے میں بے باکی کے ساتھ گفتگو کیا کرتے تھے۔ کبھی کھلے سر رہتے تھے اور کبھی سر پر کھدر کا ٹوپ رکھ کر اور بوٹوں سمیت نماز پڑھنے کی باتیں کرنے لگتے تھے۔ ان کے ان انتہا پسندانہ خیالات اور بے باکانہ و کرخت گفتگو کے پیش نظر ایک دن میں نے مزاحاً چوہدری افضل حق صاحب کے سامنے کہا کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی مسلمانوں کے "بابا کھڑک سنگھ" ہیں۔ اس پر چودھری صاحب تو مسکرا دیئے تھے لیکن جب حضرت مولانا مظہر علی اظہر، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی حضرت امیر شریعت، مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین امرتسری کو معلوم ہوا تو بے حد بُرا منایا اور مجھے بلا کر کہا کہ:

"خان بھائی! احرار کے دل میں آپ کی بے حد عزت ہے لیکن آپ نے مولانا سندھی کو جو یہ "بابا کھڑک سنگھ" کا خطاب دیا ہے اس سے ہمیں سخت تکلیف ہوئی ہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی ہمارے ان بزرگوں کی یادگار ہیں جنہوں نے حضرت شیخ الہند سیّد محمود الحسن کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور ان کے احکامات کی تعمیل میں زندگی کی بہترین بہاریں لٹائی ہیں۔ ہم مولانا کی غلطیاں بھی پکڑ نا گناہ سمجھتے ہیں اور "خطائے بزرگان گرفتن خطا،، یقین کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہم چاہتے ہیں آپ کو عبرت ناک سزا دیں۔ کہو کیا سزا دیں؟،،

بزرگان احرار اور زعمائے احرار کی یہ باتیں سُن کر میں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ میں اس سلسلہ میں بحث کرنا پسند نہیں کرتا "قصور وار ہوں بے شک قصور میں نے کیا،، اور تہہ دل سے معذرت خواہ ہوں، اس کے باوجود آپ جو سزا تجویز کریں اسے بھگتنے کو تیار ہوں۔ اس پر حضرت امیر شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری نے مجھے گلے لگایا اور کہا کہ:۔ "آپ خود کو معمولی نہ سمجھیں۔ آپ پر ہم ناز کرتے ہیں اور باہر کی دُنیا آپ کی ہر بات کو فرمودہ احرار یقین کرتی ہے۔ اس لیے آپ کی ہر بات جچی تلی اور متانت پر مبنی ہونی چاہئے اور آئندہ اس کا ہمیشہ خیال رکھیں" اور اس طرح معاملہ "رفت وگذشت،، ہو گیا۔ آہ! کیسے کیسے بزرگ تھے جو اب دُنیا سے اُٹھ گئے ہیں۔

وہ صُورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں؟
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا سندھیؒ

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ سیاسی میدان میں حضرت شیخ الہند مولانا سیّد محمُود الحسن کے سپاہی تھے اور انہوں نے جو خدمات اس سلسلہ میں انجام دی ہیں وہ شیخ الہند کے حکم اور ارشاد کے تحت ہی انجام دی ہیں۔ صوبہ سرحد، آزاد قبائل اور افغانستان جانے کا حکم بھی انہیں شیخ الہند نے ہی دیا تھا۔ افغانستان انہیں مہاراجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ بھوپالی سے پہلے پہنچنا چاہئے تھا لیکن ان کی کراچی کی مصروفیتوں نے الجھائے رکھا اور کچھ قدرت کو بھی منظور نہ تھا کہ وہ راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ بھوپالی سے پہلے افغانستان پہنچنے کی سعادت حاصل کریں۔ اس لیے کافی دیر کے بعد افغانستان پہنچے بہرحال میں نے اپنے مکتوب مطبوعہ "الحق،، ۱۵ دسمبر ۱۹۷۷ء تا ۱۵ جنوری ۱۹۷۸ء میں جو کچھ عرض کیا تھا اس کی تصدیق کے لیے مولانا عبیداللہ سندھی

کا ایک مکتوب گرامی پیشِ خدمت ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"احوال انجمن دیگر موسوم بنام حکومت موقتہ ہند"

"ایک ہندوستانی رئیس "مہندر پرتاپ" کا ساکن بندرابن جسے آریوں کی جماعت سے خاص تعلق ہے اور ہندوستانی راجگان سے واسطہ در واسطہ ملتا ہے گذشتہ سال جرمنی پہنچا۔ قیصر سے ہندوستان کے مسئلہ میں ایک تصفیہ کر کے اس کا ایک خط بنام روسائے ہندو امیر کابل لایا۔ حضرت خلیفۃ المسلمین" نے بھی قیصر کی طرح اسے اپنا وکیل ہند بنایا۔ اس کے ساتھ مولوی برکت اللہ بھوپالی جو جاپان و امریکہ میں رہ چکے ہیں برلن سے ہمراہ ہوئے۔ قیصر کے ایک قائمقام اور سلطان المعظم کے ایک افسر اس کے ساتھ کابل آئے۔ یہ لوگ میرے کابل پہنچنے سے دس روز قبل، کابل پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کے فوائد کی تائید میں ہندوستانی مسئلہ امیر صاحب کے سامنے پیش کیا اور کابل میں دونوں ایک انجمن کی بنام مذکورہ بالا بنیاد ڈالی۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ ہندوستانی معاملات مستقبل میں دول عظمیٰ سے معاہدات کرے۔ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ انہوں نے مجھ سے اس انجمن میں شامل ہونے کی درخواست کی میں نے اسلامی مفادات کی حفاظت کی نظر سے قبول کیا۔

۱۔ (۱) چند روز کے مباحثات کے بعد اس انجمن نے قبول کر لیا کہ اگر افغانستان جنگ میں شرکت کرتا ہے تو ہم اس کے شہزادے کو ہندوستان کا مستقبل بادشاہ ماننے کو تیار ہیں اور اس قسم کی درخواست امیر صاحب کے سامنے پیش کر دی۔ لیکن چونکہ امیر صاحب ابھی شرکتِ جنگ کے لیے تیار نہیں اس لیے معاملہ ملتوی کر رکھا ہے۔

۲۔ (۲) اس حکومت کی طرف سے روس میں سفارت کی گئی جس میں ایک ہندو اور ایک مہاجر طالب علم تھا جو افغانستان کے لیے مفید اثرات لے کر واپس آئے۔ اب روس کا سفیر کابل آنے والا ہے۔ روس کی انگریزوں سے برہمی ہیں جن کے فیصلہ کے لیے "دوکنجر" جاتا ہوا غرقاب ہوا۔ ممکن ہے کہ سفارت مذکورہ کا اثر بھی ہو۔

۳۔ ایک سفارت براہِ ایران قسطنطنیہ اور برلن گئی ہے۔ اس میں دونوں ہمارے مہاجر طالب علم ہیں۔ امید ہے کہ حضور میں حاضر ہو کر موردِ عنایت ہوں گے۔

۴۔ اب ایک سفارت جاپان اور چین کو جانے والی ہے۔

۵۔ ہندوستان میں پہلے سفارت بھیجی گئی مگر وہ زیادہ کامیاب نہ ہوئی

۶۔ اب دوسری سفارت جا رہی ہے

۷۔ تھوڑے دنوں میں ایک دوسری سفارت برلن جانے والی ہے

جرمن سفارت خانہ سے میرے ذاتی تعلقات بہت اعلیٰ درجہ پر ہیں جس میں اسلامی فوائد پر پوری مدد ملے گی۔ اس حکومت موقتہ میں راجہ مہندر پرتاپ صدر ہیں۔ مولوی برکت اللہ بھوپالی وزیر اعظم اور احقر (مولوی عبید اللہ سندھی ناقل) وزیر ہند ہیں۔

عبید اللہ۔۔۔۔۔

مندرجہ بالا مکتوب اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا وہ مکتوب جو انہوں نے ۱۹۳۹ء میں مولانا عبید اللہ سندھی کے استقبال کے بارے میں لکھا ہے مجھے پرانے کاغذات کے "کباڑستان" میں نظر افروز ہوئے ہیں۔ مولانا سندھی کے مکتوب کی نقل میں نے مولانا فضل ربی آف لبفہ سے حاصل کی تھی اور وہ یہ ریشمی خطوط سازش کیس، کے "محفوظ ریکارڈ" میں بھی موجود ہے۔ اس محفوظ ریکارڈ انگریزی سے اردو میں ترجمہ مولانا محمد میاں مرحوم نے "تحریک شیخ الہند (مولانا سید محمود الحسن) "ریشمی خطوط سازش کیس" محفوظ ریکارڈ انگریزی سے ترجمہ کے عنوانات کے ساتھ شائع کیا ہے۔ سندھی کا مکتوب بالا اس کے ص ۲۶۷ تا ۲۷۷ درج ہے۔

اس مکتوب کے بارے میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن کے اس مجاہد سپاہی کا نہیں ہو سکتا ہے جس کا نام مولانا عبید اللہ سندھی ہے کیونکہ اس کا انداز ایک مجاہد کا نہیں ہے اور اس کا یہ ٹکڑا کہ:

"چند روز کے مباحثات کے بعد اس انجمن (موقتہ حکومت) کے ارکان نے قبول کر لیا کہ اگر افغانستان جنگ میں شرکت کرتا ہے تو ہم اس کے شہزادے کو ہندوستان کا مستقل بادشاہ ماننے کو تیار ہیں" برطانوی سیاست کے کسی مذموم مقاصد کی ترجمانی کرتا ہے بہرحال

ہیں نے درج اس لیے کر دیا ہے کہ حضرت مولانا محمد میاں نے اُسے مذکورہ بالا کتاب میں درج کرنا مناسب سمجھا ہے۔ اب مہاراجہ مہندر پرتاپ کے افغانستان آنے کی داستان ملاحظہ ہو۔

برلن (جرمنی) سے مہاراجہ مہندر پرتاپ کی روانگی

میری یادداشت اور معلومات کے مطابق مہاراجہ مہندر پرتاپ کی زیر قیادت ہندوستانی، ترکی، جرمنی وفد برلن سے ۱۵ اپریل ۱۹۱۵ء کو افغانستان کے لیے روانہ ہوا تھا جس میں جرمن نمائندہ ڈاکٹر خان ہیٹنگ کپتان نڈر مائر اور ترکی کے کاظم بے وغیرہ شامل تھے اور اس میں ہندوستانی نمائندے کے طور پر مولانا برکت اللہ بھوپالی بھی تھے۔ یہ وفد جب ایران کی سرحد پر پہنچا تو ترکی فوجوں کا کمانڈر روف بے اور مولانا عبدالرب اور جناب عبدالرحمن پشاوری سے بھی ملا۔ براہِ ہرات افغانستان میں داخل ہوا۔ ۳ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچا۔ کابل میں اس کی شاندار پذیرائی ہوئی اور اسے رد بابر باغ، کے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا۔ امیر حبیب اللہ سے ملاقات کے وقت سردار نصراللہ خان، ولی عہد شہزادہ عنایت اللہ خان معین الملک شہزادہ امان اللہ خان، یعنی غازی امان اللہ خان اور افغان صدر محمد داؤد خان کے والد سردار محمد عزیز موجود تھے۔ ملاقات کے کمرے میں داخل ہوتے وقت راجہ مہندر پرتاپ سب سے آگے تھے۔ ان کے پیچھے مولانا برکت علی بھوپالی ان کے بعد جرمن اور ترکی نمائندے تھے۔ جرمنی اور ترکی نمائندے تھے۔ جرمنی اور ترکی نمائندوں نے امیر حبیب اللہ کو یقین دلایا کہ اگر افغانستان میں ہندوستان کی متوازی حکومت کا قیام عمل میں آیا تو ہم اسے تسلیم بھی کرلیں گے اور اسے ہر طرح سے مالی اور دوسری امدادوں سے بھی طاقت ور بنائیں گے۔ اس کے بعد ارکانِ وفد کی کئی مجلسیں سردار نصراللہ خان وزیر اعظم اور آغائے حاجی عبدالرزاق خان کے دولت کدوں پر ہوئی جن میں مہاراجہ مہندر پرتاپ نے رئیس وفد کی حیثیت میں باربار پرزور الفاظ میں اس وعدہ کو دہرایا کہ:

"ہندوستان کے آزاد ہونے پر ہم آپ کی خواہش کے مطابق بلوچستان اور فارسی بولنے والا وسطِ ایشیا کا علاقہ آپ کے حوالے کر دیں گے"

مہاراجہ مہندر پرتاپ کے اس دعوے سے مولانا عبیداللہ سندھی کے اس بیان کی تردید ہوتی ہے کہ حکومت موقتہ نے افغانستان کے کسی شہزادے کو ہندوستان کا مستقل بادشاہ تسلیم کرنے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ افغان حکومت بلوچستان کی اس لیے خواہش مند تھی کہ اسے بلوچستان ملنے کی صورت میں مکران اور پاسنی کی بندرگاہیں ملتی ہیں۔

ہندوستان کے متوازی حکومت کا قیام

ارکانِ وفد اور انقلابی کونسل کا آخری اجلاس آغائے حاجی عبدالرزاق خان کے مکان پر اکتوبر ۱۹۱۵ء کو ہوا جس میں ہندوستان کی متوازی حکومت کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اور یکم دسمبر ۱۹۱۵ء کو اس کا اعلان کر دیا گیا۔ جس کے صدر مہاراجہ مہندر پرتاپ، وزیر اعظم مولانا برکت اللہ بھوپالی اور وزیر داخلہ مولانا عبیداللہ سندھی مقرر کئے گئے اور وزارت دفاع (جنگ) کا منصب ترکی کے کاظم بے کو سونپا گیا۔

یہ تنظیم جس کے بانی اور حقیقی سالارِ اعظم حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن تھے افغانستان اور سرحدات میں اُس کے انچارج مولانا عبیداللہ سندھی تھے، ریشمی خطوط کا پروگرام حضرت شیخ الہند نے مولانا غازی حامد الانصاری کے والد مولانا منصور غازی انصاری کے ذریعے مفتی سرحد حضرت مفتی مولانا عبدالرحیم پوپلزئی کے پاس بھیجا تھا اور حضرت پوپلزئی اور ان کے دوستوں کی مدد کے ذریعہ سے منصور غازی انصاری کابل پہنچانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ یہ پروگرام زعفرانی رنگ کے ریشمی کپڑوں کے رومالوں پر تھا اور اس میں حکومت متوازی اور جنود اللہ کو حکم دیا گیا تھا کہ ۱۹ فروری ۱۹۱۷ء کو اس پروگرام پر عمل کریں۔

(۱) قلات اور مکران کے قبائل ترکی فوجوں کی قیادت میں کراچی پر حملہ آور ہوں۔

۲۔ غزنی اور قندھار میں قبائل ترک فوج کی مدد سے کوئٹہ پر یلغار بول دیں۔

۳۔ پشاور کے محاذ پر درۂ خیبر کے مہمند اور آفریدی شینواری قبائل حملہ آور ہوں۔

۴۔ ادگی کے محاذ پر کوہستانی قبائل کی امداد سے حملہ کیا جائے۔

۵۔ اسی تاریخ کو ہندوستان میں آزادی کا پرچم لہرایا جائے۔

افسوس کہ حضرت شیخ الہند کا ریشمی والوں والا یہ پروگرام مولانا عبید اللہ سندھی کے ایک ساتھی اور رفیق مولوی عبدالحق کی سادگی سے ملتان میں افشا ہوا۔ اور اس کے افشا ہونے کے ساتھ شریف مکہ کی قیادت میں عربوں نے ترکی کے خلاف غداری کا پرچم بلند کیا۔ حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولوی عزیز گلؒ، مولوی وحید احمد اور مولوی نصرت حسین وغیرہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ امیر حبیب اللہ نے بھی اس صورتِ حال سے گھبرا کر متوازی حکومت کے اراکین کو افغانستان سے دُوسرے ملکوں کو اخراجات دے کر چلتا کیا۔

جس طرح مہاراجہ مہندر پرتاپ ابھی تک بندرابن ضلع متھرا ہندوستان میں بقید حیات موجود ہیں اسی طرح میرا خیال ہے کہ مولانا عزیز گل صاحب بھی پاکستان کے کسی مقام پر زندہ و سلامت موجود ہیں۔ اگر میرا یہ خیال درست ہو تو ان سے قیمتی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایک بزرگ مولانا فضل الرحمٰن سواتی عمر آباد (مدراس) میں تھے اور وہ اس قافلہ حریت کے سپاہی تھے اور تحریک شیخ الہند کے ماہر اور معلومات کے سمندر تھے لیکن افسوس کہ چند سال قبل وہ فوت ہو چکے ہیں۔ ان کے جو حالات میں نے "برہان" میں شائع کرائے تھے اس کے کٹنگ "الحق" کے لیے ارسال خدمت ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھی نے طویل جلاوطنی سے مراجعت فرمائے وطن ہونے پر دہلی میں "جامعہ ملیہ اسلامیہ" کو اپنا مرکز بنایا تھا اور ان کے قدر دان مخلص جناب محمد سرور ہوا کرتے تھے۔ یہ صاحب شہباز پشاور کے اسٹاف میں کام کرتے تھے۔ آج کل معلوم نہیں کہ کہاں ہیں۔ ان سے بھی مولانا سندھی کے بارے معلومات کی جاسکتی ہیں "جامعہ ملیہ اسلامیہ" دہلی کو مولانا سندھی نے اس لیے اپنا مرکز بنایا تھا کہ اس کی بنیاد علی گڑھ میں حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن نے رکھی تھی اور یہ مولانا محمد علی جوہر اور ان کے ہم عینک، حریت پرست ساتھیوں کی کوشش سے وجود میں آیا تھا۔ دہلی میں مولانا سندھی نے خود بھی ولی اللہی تعلیمات و فلسفہ پر کام کرنے کے لیے وقف کر دیا اور ایک اکاڈمی بھی قائم کی تھی

مہاراجہ مہندر پرتاپ

مہاراجہ مہندر پرتاپ ۱۹۴۶ء میں تقسیم وطن سے ایک سال پہلے طویل جلاوطنی کے بعد ہندوستان آئے تو یہ عجیب بات اُن کی شخصیت میں تھی کہ چہرے مہرے اور لباس و کردار اور گفتار سے ایک مسلمان عالم کی شان میں نظر آتے تھے۔ ان کے چہرے پر نہایت خوب صورت داڑھی تھی۔ سر پر بالوں والی ٹوپی تھی۔ داڑھی اور مونچھیں اب بھی ہیں لیکن اب سر سے اکثر ننگے ہی نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں سے اب بھی اُن کے گہرے تعلقات ہیں اور ان کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانے میں لطف محسوس کرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ افغانستان میں بھی جب امیر حبیب اللہ نے اپنے وفد کی قیادت کرتے ہوئے ملاقات کی تھی اور اُن کے لیے امیر صاحب نے علیحدہ ہندو کھانے کا انتظام کیا تھا تو انہوں نے اس ہندو کھانے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ میں وہی کھانا کھاؤں گا جو میرے حریت پرست مسلمان اور ساتھیوں کے لیے تیار کیا گیا ہے"

جنرل محمد عمر مرحوم سابق افغان سفیر دہلی جدید فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے راجہ مہندر پرتاپ جیسا مخلص، بہادر، بے غرض دوست پرور اور آزادی کا پرستار شخص کسی قوم میں نہیں دیکھا ہے"

آزادی (تقسیم وطن) کے بعد راجہ صاحب نے تمام قوموں کے اتحاد کے لیے کام شروع کیا تھا۔ ہندوستان کی پہلی پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہے ہیں۔ زندگی میں اکثر دوروں میں رہتے ہیں۔ ان کا قیام کبھی راج پورہ (ڈیرہ دون) اور کبھی بندرابن ضلع متھرا میں ہوتا ہے۔

آزادی کی جدوجہد کے بارے میں بہت سی یادیں میری یادوں کے جھروکوں میں پھڑپھڑا رہی ہیں لیکن آشوب چشم کی وجہ سے انہیں صفحہ قرطاس پر پیش کرنے سے معذور ہوں۔ برادران سرحد و پاکستان کو شاید معلوم نہیں کہ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۰ء تک میری دونوں آنکھیں بند رہی تھیں اور ۱۹۷۱ء میں صرف ایک آنکھ میں اتنی روشنی واپس آگئی ہے کہ چشمہ لگا کر اخبار پڑھ لیتا ہوں۔ ایک آنکھ نزولہ سے بالکل محروم ہو چکی ہے تاہم میری کوشش جاری ہے کہ "الجمعیۃ" کی پرانی فائلوں سے مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بہترین معلومات حاصل کر کے آپ کو بھیجوں۔ برادرانِ پاکستان کو سلام شوق و ملاقات!

ناقابلِ فراموش

غمزدہ فقیر عبدالواحد بیگ مرحوم پینٹر محلہ سادات
دہلی گیٹ ملتان

غالباً پچیس سال قبل خیر المدارس ملتان کے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر پہلی مرتبہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت اور وعظ مبارک سننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت رح کی تقریر کا عنوان تھا: "پاگل پن اور اس کا علاج"۔ انھوں نے فرمایا۔ جس طرح جسمانی امراض کے علاج کے لیے حکیموں طبیبوں کا طبّی بورڈ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ جلسہ بھی روحانی امراض کی نشان دہی اور علاج کے لیے روحانی طبّی بورڈ کا درجہ رکھتا ہے۔ پاگل کے معنی بیان فرماتے ہوئے کہا: جو کام کرنے کا ہو وہ نہ کرے اور جو کام نہ کرنے کا ہو وہ کیے جائیں اسے پاگل کہتے ہیں۔ مثلاً کپڑے نہ پہنے اور ننگ دھڑنگ پھرتا رہے، توڑ پھوڑ کرتا پھرے، الٹی سیدھی بے مقصد باتیں کرے وغیرہ۔ اسی طرح روحانی طور پر بھی اس شخص کو پاگل کہا جائے گا جو اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مقدسہ پر تو عمل نہ کرے بلکہ جن کاموں کے نہ کرنے کا حکم ہو، وہ کیے جائے اور باز نہ آئے۔ مثلاً نماز پڑھنے کا حکم ہے تو وہ نماز نہیں پڑھتا اور برُے کاموں نشہ بازی، جُوا، بدکاری، ناپاک شیطانی کاموں پر جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہ کرے۔ حضرت رح اپنے مخصوص انداز میں نہایت دل نشین اور پیارے الفاظ میں بہت دیر تک مثالیں دے کر سمجھاتے رہے اور آخر میں فرمایا کہ اگر آپ میں کوئی آدمی اپنے آپ کو روحانی مریض سمجھتا ہے تو علاج کے لیے نسخہ لکھ لے۔ انہوں نے نسخہ کے تین اجزا بیان فرمائے: ۱۔ تعلیم دین ۲۔ رزق حلال ۳۔ صحبت صالحین۔ ان تینوں اجزاء کی ضروری اور مناسب تشریح بھی بیان کی۔

حضرت رح کا ایک ایک جملہ دل میں پیوست ہو رہا تھا اور حاضرین پر عجیب و غریب کیفیت طاری تھی۔ جلسہ کے اختتام پر دعا کے بعد شدّت تاثر سے اپنی سیہ کاریوں کا جائزہ لیتے ہوئے گھر پہنچا اور حسب معمول بارہ ایک بجے رات سے سات آٹھ بجے صبح تک سویا رہا۔ دن چڑھے جاگنے پر منہ ہاتھ دھونے کی غرض سے نل پر جا بیٹھا اور دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر منہ دھونے کی بجائے بلا ارادہ ناک کے نتھنوں میں پانی چڑھا دیا غالباً وضو کے لئے یہ وہی اشارا تھا۔ لہذا طویل عرصہ کے بعد پہلی بار اس دن نماز فجر قضا پڑھی گئی۔ نماز کی کیفیت اور سُرور بیان سے باہر تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر قرآن مجید کی تلاوت شروع کی تو آیات رحمت اور آیات عذاب کا دل پر اثر محسوس ہوتا تھا اس کے بعد باقاعدہ نماز پنجگانہ ادا کرنے کی توفیق میسّر آنے لگی۔ الحمد للہ یہ نعمت اللہ کے فضل۔ اور حضرت رح کے وعظ میں چند لمحے بیٹھنے کی برکت اور کرامت تھی اسی روز حضرت رح

کی خدمت میں اپنی سیہ کاریوں کی حقیقت اور روحانی علاج کے لئے درخواست بھیج دی ۔ میں ان دنوں صنعت آذری یعنی فلمی دنیا سے منسلک تھا اور بطور پینٹر، فلم آپریٹر، گیٹ کیپر بکنگ کلرک اور مینیجر تک بقدر ضرورت خدمات سر انجام دے رہا تھا لہذا حضرت رح نے میرا عریضہ ملاحظہ فرما کر اس کی پشت پر اپنے مبارک قلم سے لکھ بھیجا کہ موجودہ ذریعہ معاش ترک کر کے کوئی اور ذریعہ معاش اختیار کرو اور ملتان میں رہنے والے بزرگوں کی خدمت میں بیٹھا کرو۔

سیاہ باطنی اور گناہوں کی نحوست کے باعث فوری طور پر ذریعہ معاش تبدیل کرنے کی جرأت نہ تھی ۔ خدا کی قدرت چھ ماہ کے بعد مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے سالانہ جلسہ پر حضرت رح دوبارہ تشریف لائے ۔ اور حسب سابق "روحانی امراض اور ان کا علاج" عنوان پر موثر ترین تقریر فرمائی، اختتام تقریر کے بعد نماز عصر سے فارغ ہو کر حضرت رح کی قیام گاہ پر بیعت ہونے والوں کا ہجوم ہو گیا ۔ میں بھی روحانی علاج اور اصلاح کے لیے حاضر خدمت ہوا اور بیعت ہونے کی درخواست کی ۔ حضرت رح نے دریافت فرمایا کہ سینما کے بورڈ لکھنے چھوڑ دیئے ہیں یا نہیں ۔ میں نے جواب نفی میں دیا تو پھر حضرت رح نے فرمایا ۔ جب تو نے میری پہلی بات پر اعتماد نہیں کیا تو آئندہ کیا کرو گے ۔ لہذا میں بیعت نہیں کرتا ۔ حضرت رح کے انکار پر دل بہت افسردہ ہوا ۔ اور میں نے دونوں کان پکڑ کر حضرت رح کے سامنے توبہ کی کہ آئندہ سینما نہ دیکھوں گا اور نہ ہی سینما کے بورڈ لکھوں گا ۔ الحمد للہ حضرت کا چہرہ مبارک بشاش ہو گیا اور تبسم فرماتے ہوئے انھوں نے مجھے آغوش شفقت میں لے لیا اور میں بیعت ہو کر خوشی خوشی گھر لوٹ آیا ۔

دوسرے دن میں نے مالکان سینما کو اطلاع دی کہ میں آئندہ آپ کے بورڈ لکھنے نہیں آؤنگا آپ دوسرے پینٹر کا انتظام کر لیں تو انہوں نے اس بات کو میری حماقت سے تعبیر کیا اور سمجھانے کی کوشش کی ۔ کہ مولویوں کی بات نہیں ماننی چاہیئے ۔ کیونکہ وہ دوسروں کو حلال کھانے کی تلقین کرتے ہیں اور خود جو ملے ہضم کر لیتے ہیں حلال حرام کی پرواہ نہیں کرتے ۔ آخر میں فرمانے لگے کہ لگے بندھے کام کو چھوڑ دینا کفران نعمت ہے ۔ میں آپ کو فی سبیل للہ تنخواہ نہیں دیتا، کام کرتے ہو اور پیسے لیتے ہو، دیکھو جب بھوکوں مرو گے تو میرے پاس دوڑے آؤ گے ۔ مگر اس وقت دوسرے پینٹر کو کام سے ہٹانا مشکل ہو گا ۔ اس پر میں نے جواب دیا جناب میں اگر خدا نخواستہ بھوک سے نڈھال ہو کر کسی طور آپ کے دروازہ تک پہنچ بھی جاؤں تو آپ میرے منہ میں پیشاب بھی نہ ڈالنا ۔ ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ تمہیں "کسی زہریلے" نے ڈسا ہے ۔ چلو جاؤ یہاں سے ۔ انہوں نے مینجر سے حساب صاف کر کے دوسرے پینٹر کو بلوانے کا انتظام کر لیا ۔ اور میں دوسرے سینما مینجر کو اطلاع دینے کی غرض سے چل دیا ۔ وہاں جا کر جب میں نے اپنی معذوری بیان کی ۔ تو انہوں نے کہا کہ بیگ صاحب ہمیں اس بات کا تو افسوس ہے کہ ہمارا ایک بہترین ساتھی ہم سے جدا ہو رہا ہے ۔ مگر آپ نے جو راہ اختیار کی ہے ۔ ہم اس میں رکاوٹ بننا نہیں چاہتے ۔ آخر ہم بھی کلمہ گو مسلمان ہیں ۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو سیدھے راستہ کی ہدایت فرمائی ہے ۔ ہمیں بھی اللہ تعالےٰ سیدھی راہ پہ چلنے کی توفیق بخشے ۔ آمین ۔

وقت کی رفتار کے ساتھ میرا شوق بھی تیز ہوتا گیا ۔ کہ حضرت رح کی خدمت میں بقیہ زندگی پوری ہو سکے ۔ آخر میں نے محترم چوہدری عبدالرحمن خاں صاحب مرحوم مخلص ترین منتظم و مدیر ہفت روزہ خدام الدین کی خدمت میں درخواست لکھی کہ اگر آپ کے ادارہ میں چپراسی کی جگہ

خالی ہو تو حقیر کو خدمت کا موقع دیا جائے۔ موصوف نے بالمشافہ گفت گو کے لیے لاہور طلب فرمایا۔ غرض اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے بطور خادم دفتر کام کرنے کی سعادت حاصل ہو گئی۔ حضرتؒ کی خصوصی شفقت اور کرم نوازی کی بدولت روزانہ درس قرآن مجید ہر جمعرات کو مجلس ذکر اور نماز پنجگانہ با جماعت کے ساتھ ساتھ خطبہ جمعہ میں حاضری کی توفیق میسر آئی۔ حضرتؒ کی خصوصی توجہ، شفقت بھری دعاؤں اور اخلاق کریمانہ کے سبب تین بچے قرآن مجید حفظ کر کے مختلف مساجد میں بچوں کو حفظ ناظرہ قرآن پڑھانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ فللہ الحمد۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا: "عبدالواحد! تم جتنا بھی اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرو، کم ہے۔ تمہاری زندگی کی گاڑی سیدھی جہنم کی لائن پر دوڑ رہی تھی اب کانٹا بدل گیا ہے۔ اگر انجام بخیر ہو گیا تو انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔" خدا کرے وقتِ نزع سلامت میرا ایمان رہے۔ آمین یا اللہ العالمین۔

یہ حضرتؒ کا فیضان نظر تھا۔ اور اللہ تعالےٰ کا احسان کہ مجھے نیکی کی طرف رغبت اور برائی سے نفرت کا ذوق نصیب ہوا۔ حضرتؒ کی زندگی میں کم و بیش چار سال تک ادارہ سے وابستگی رہی۔ ایک دن صبح کے درس قرآن مجید کے بعد میں مسلسل حضرتؒ کی ڈاڑھی مبارک کو دیکھے جا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ حضرتؒ نے داڑھی اتنی لمبی کیوں بڑھا رکھی ہو گی۔ عام طور پر بقدر قبضہ حد شرعی سنتے آ رہے ہیں نہ جانے اللہ تعالےٰ نے حضرتؒ کو یہ بات کیسے سمجھا دی کہ حضرتؒ نے پاس ہی پڑی ہوئی ایک کتاب مظاہر حق شرح مشکوٰۃ شریف اٹھائی۔ اور کھول کر ایک مقام پر پڑھنے کا اشارا کیا۔ وہاں داڑھی کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لکھا تھا کہ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں پست کراؤ۔ مسئلہ کے کئی پہلو واضح کیے گئے تھے اور آخر میں کچھ اس طرح کا جملہ تھا کہ مختار یہ ہے کہ اس کو کسی طرف سے بھی نہ چھیڑا جائے۔ لہٰذا میں مطمئن ہو گیا۔ میں نے لاہور میں قیام کے دوران محسوس کیا کہ حضرتؒ کی شفقت گویا والدین کی شفقت اور پیار پر بھی سبقت لے گئی ہے۔ ان کی لمحہ بھر کی جدائی بھی شدّت سے محسوس ہوتی تھی۔ ایک دن درس قرآن مجید سے فراغت کے بعد حضرتؒ کے حجرہ مبارک میں حضرتؒ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ حضرتؒ نے اچانک فرمایا: عبدالواحد! میں دیکھتا ہوں کہ میری جماعت میں تم پر اللہ تعالےٰ کی بڑی رحمت ہے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں جیل کی کوٹھری میں بند ہوں۔ حضرتؒ سے اجازت لے کر جب ناشتہ کے لیے گھر گیا تو باتوں باتوں میں میری اہلیہ نے ملتان جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں نے اسے بہلانے کی کوشش کی کہ اللہ کی بندی ملتان جا کر کیا کرے گی۔ یہاں روزانہ درس قرآن سنتی ہو جمعہ پڑھتی ہو، تمہارے بچے اللہ تعالےٰ کے فضل سے قرآن مجید حفظ کر رہے ہیں اس قدر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں وہاں کیونکر میسّر آئیں گی۔ اگر تم نے اصرار کیا تو میں تجھے ملتان چھوڑ کر لاہور آ جاؤں گا یا میں جیل میں ہونگا اور تو گھر میں بیٹھی افسوس کرتی ہو گی۔ الغرض جیل کی سیر مشیت الٰہی میں تھی۔ اور دفتر خدام الدین میں ساتھیوں سے عدم تعاون کا بہانہ ملتان لے گیا۔

میرے خلاف جب حضرتؒ کی خدمت میں مسلسل شکایات پہنچیں تو ایک دن حضرتؒ نے مجھے بلا کر فرمایا: عبدالواحد! تم نے آج تک کسی کی شکایت نہیں کی لیکن تمہارے خلاف شکایتیں سن کر میں تھک گیا ہوں۔ تم دفتری عملہ کے ساتھ تعاون کیوں نہیں کرتے۔ میں نے خاموشی

اختیار کی۔ دو چار روز کے بعد حضرتؒ نے پھر بلایا اور فرمایا:
عبدالواحد! میں تمہارے لئے فرشتوں کی جماعت کہاں سے لاؤں۔ آج عملہ کے ۴ آدمیوں نے استعفیٰ دیا ہے وہ کہتے ہیں اگر اس کو نکال دیں تو اس کے متبادل اس سے بہتر آدمی موجود ہے بصورت دیگر ہم سب کو فارغ کر دیں۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ ۴ گھرانوں کو بے روزگار کرنے کی بجائے اپنے ایک کو الگ کر دوں۔ میں خاموش رہا۔ حضرتؒ نے منشی سلطان احمد صاحب کو حکم دیا کہ اس کا حساب چکا دیں۔ دوسرے دن حضرتؒ سے رخصت ہو کر ملتان منتقل ہو گیا وہاں جا کر چند ہی روز کے بعد صدر ایوب خاں سے منسوب چند ناپسندیدہ جملے روزنامہ نوائے وقت لاہور میں شائع شدہ پڑھے تو دل آگ بن گیا اور کلیجہ کباب ہو گیا۔
۱۔ مذہب کے اٹل اصولوں پر رنگ بدلتے زمانے کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت۔
۲۔ روایات کا احترام کرنا تو ضروری ہے لیکن روایات کا حلقہ بگوش بن جانا قرین مصلحت نہیں۔
۳۔ اگر مذہب نے زمانے کا ساتھ نہ دیا تو کیمونزم پھیل جائے گی۔
۴۔ اس زمانے کے عوام کو سمجھانے کے لئے قرآن کی چند آیات پڑھ دینا کافی نہیں وغیرہ وغیرہ۔
عبادات کے جواب میں" عقل بڑی یا بھینس[1]"، کے عنوان کے تحت ایک بڑے بینر پر چند سطور لکھ کر بازار میں لٹکا دیا۔ حکومت کو وہ عبارت ناگوار گذری۔ لہٰذا سپیشل ملٹری کورٹس ملتان سے اپنے دو مجاہد معاونین شرف الدین دیوانہ اور مولوی محمد صدیق صاحب کے ہمراہ جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ جونہی ہماری اس ابتلا کی اطلاع حضرتؒ کو پہنچی تو سب سے پہلے انہوں نے ہمارے لیے استقامت کی دعا فرمائی۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ فرض کفایہ ادا کیا ہے اور ایمان کی مضبوطی کا ثبوت دیا ہے۔ نیز بچوں کے لیے ایک بڑی رقم اور دو تھان پارچات ملتان بھجوا دیئے اور مولانا خدا بخش صاحب ملتانیؒ کو کہلا بھیجا کہ بچے کم سن ہیں اور روٹی کمانے کے

---

[1] نام نہاد اسلامی حکومت پاکستان کے بزعم خود مسلمان سربراہ مارشل لاء کے ذریعہ ہمہ قسم برائیوں، چکلوں، زنا کے پرائیویٹ اڈوں، گھروں سے بھاگی ہوئی آوارہ مزاج بدکردار عورتوں کو پابند کرنے کی بجائے دوسری تیسری یا چوتھی مرتبہ شرعاً حلال نکاح کرنے والوں پر پابندیاں عائد کر کے اپنی اسلام دشمنی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ گھر میں نیک سیرت قبول صورت صاحب اولاد منکوحہ بیوی موجود ہوتے ہوئے زنا کرنے والوں پر تو کوئی پابندی نہیں ہے لیکن نکاح کرنے والوں کو پابند کر دیا گیا ہے ؎

گویا کہ ؎ پھول ہوں پابند اور کانٹوں کو آزادی ملے
خوب ہے اے گلستان والو یہ نیا دستور بھی

اگر فرنگی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مذہب کے اٹل اصولوں پر رنگ بدلتے زمانے کے مطابق عمل کرانے کا مہلک ترین منصوبہ تیار ہو چکا ہے اور مسلمانان پاکستان کو بے حیا، بے دین اور حرام خور بنانے کا پختہ ارادہ ہے تو اسلام اور مسلمانوں کے حال پر رحم فرمائیں اور جگہ جگہ اپنی تقریروں میں قرآن اور اسلام کا مقدس نام لے کر دنیا کو بیوقوف بنانا چھوڑ دیں

اگر ؎ آپ اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

صدر ایوب خان کی تقریر مطبوعہ نوائے وقت یکم اگست ۱۹۶۱ء کے عنوانات کے جواب میں مندرجہ بالا سطور کا ایک بینر لکھا گیا جس کی سزا سپیشل ملٹری کورٹ سے دو سال قید با مشقت بھگتنا پڑی۔

قابل نہیں ہیں لہٰذا ان کا ہر طرح سے خیال رکھیں اور انھیں یہ محسوس نہ ہونے دیں، کہ ان کا باپ جیل میں ہے۔ حضرتؒ کے اس ناقابلِ فراموش اور مشفقانہ اقدام کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس سے بعض دوستوں کی غلط فہمی بھی دُور ہو گئی کہ حضرتؒ نے اس کی شرارتوں سے تنگ آ کر دفتر سے نکال دیا ہے۔ اور ان کی ناراضگی یا طبعی ملال کی وجہ سے مصیبتوں میں پھنس گیا ہے۔ ملٹری کورٹ کے فیصلہ سے قبل ملتان ڈسٹرکٹ جیل کی حوالات میں ہی حضرتؒ کے سانحہ ارتحال کی خبر وحشت اثر سُن کر سخت صدمہ ہُوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ـــــ اللہ تعالےٰ حضرتؒ کے درجات بہت بلند فرمائے اور پسماندگان کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے باقیات الصالحات اور صدقاتِ جاریہ کو قیامت تک مفید خلائق بنانے کی توفیق بخشے۔ آمین یا الٰہ العالمین ؎

ہجوم ہے تمری تربت پہ دردمندوں کا
یتیم ہیں تیری شفقت کو یاد کرتے ہیں (انجم)

عالمِ اسلام کا عظیم ترین سانحہ

حضرت لاہوری قدس سرہٗ کی اچانک وفات پر

ہفت روزہ "ترجمانِ اسلام" لاہور کا اداریہ

یہ خبر لکھتے ہوئے قلم تھرّاتا اور دل گھٹتا ہے کہ جامع شریعت و طریقت مفسّرِ قرآن، قطبِ دوراں حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہٗ اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما گئے۔ اِنّا للہ وَ اِنّا اِلیہ راجعون۔

حضرت کے ہزاروں شاگرد علماء کرام دنیا کے گوشے گوشے میں قرآن پاک اور دین اسلام کی خدمت میں مصروف ہیں اور ہزاروں طالبان من عاشقانِ جمال لایزال آپ سے فیض و تربیّت پا کر اور واصل مراد ہو کر سالکین طریقت کی رہنمائی کر رہے ہیں عام اہلِ اسلام چالیس سال سے اپنے ذوقِ قرآن فہمی کو تسکین دینے کے لیے آپ کے درس قرآن میں بلا ناغہ شریک ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ لاکھوں خواندہ حضرات کو آپ کے ہفتہ وار رسالہ خدام الدین نے اسلام کا گرویدہ اور اللہ تعالیٰ کے دین کا سپاہی بنایا۔ ہزاروں خواتین آپ کے قائم کردہ مدرسۃ البنات کی برکت سے آفات و فتن سے بچ گئیں۔ اور سینکڑوں مسلمان بچیاں ہر وقت اسی اسلامی حصار میں شیطانی

کے حملوں سے محفوظ رہ کر اپنا اسلام سیکھ رہی ہیں، بیسیوں مساجد ہیں جن کو حضرت اقدس نے اپنے خرچ سے بنایا یا دوسروں سے بنوایا۔

آپ کے وجود سے اللہ تعالےٰ نے پاکستان کے ہزاروں علماء اسلام کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ آپ کی صدارت میں پاکستان میں دو ہزار کے قریب جمعیۃ علماء اسلام کی تنظیمیں قائم ہوئیں۔ اور پچھلے تین سال میں آپ ہی نظام العلماء کے امیر اور دیندار مسلمانوں کے ماویٰ و ملجا بنے رہے۔ خلق خدا پر شفقت کا یہ عالم تھا کہ بیعت میں مریدوں کو فرماتے کہ کسی کو تکلیف نہ دیں گے۔

آپ کی ذات مجمع البحرین تھی۔ ایک طرف آپ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ اور حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی جیسے مجاہدین اسلام سے تربیت حاصل کر کے انگریزوں کو لوہے کے چنے چبوائے۔ ان کے سکون کو ختم کیا۔ وہ آپ کو دہلی سے گرفتار کر کے لاہور لے آئے۔ آپ نے لاہور ہی کو اپنا قلعہ بنا کر باطل قوتوں پر تابڑ توڑ حملے کر کے ان کی قوتوں اور جمعیتوں کو متزلزل کر ڈالا۔ مذہبی اصلاح کے لیے انجمن خدام الدین کی بنیاد ڈال دی جس نے آپ کی امارت میں لاکھوں رسالے (ٹریکٹ) شائع کئے اور بیسیوں طرح اسلام کی خدمت کی اور سیاسی جنگ کے لیے جمعیۃ العلماء کا ساتھ دیا۔ احرارِ اسلام کی حوصلہ افزائی فرمائی اور خود بھی جیلوں میں جاتے رہے۔ دوسری طرف آپ نے قطب الاقطاب حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹ شریف سے نسبت پیدا کر کے چالیس سال تک منازل سلوک طے کئے اور بیک وقت ان سے اور حضرت دین پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خلعت خلافت حاصل کی۔ پھر باطنی ریاضات اور فن تصوّف میں بفضلہ تعالےٰ وہ بلند مقام حاصل فرمایا جہاں کے تصوّر سے آج کل کے ارباب ہمم کا پتّہ پانی ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری مدظلہٗ کا ارشاد ہے کہ "لاہوری کیا جانیں کہ احمد علی کے سبب ان کی کتنی بلائیں ٹلتی ہیں"۔ آپ مادہ پرستوں اور مذہبی روحانیت کے منکرین کو چیلنج دیتے رہے کہ آؤ کچھ عرصہ میرے پاس رہ کر میری ہدایت کے مطابق عمل کرو۔ پھر دیکھو کہ اسلام کے معتقدات تمہارے لیے مشاہدہ کی طرح بن جاتے ہیں یا نہیں یا تمہیں دل کی آنکھیں عطا ہوتی ہیں یا نہیں جو معنوی دنیا کو اپنی بصیرت سے اس طرح دیکھیں جیسے بصارت ظاہری دنیا کو دیکھ سکتی ہے۔

چنانچہ بڑے بڑے گرانبجوبتوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ہزاروں حاجتمندوں کی مرادیں اللہ تعالےٰ نے آپ کی دعاؤں سے پوری کیں۔ ہزاروں قومی و ملّی مشکلات آپ کی توجّہ اور تعاون سے حل ہوئیں۔ آہ آج سارا ملک ماتم کدہ بنا ہوا ہے۔ ہر چہرہ پر افسردگی ہے۔ ہر آنکھ اشکبار اور دل بے قرار ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ نعمت ہم سے لے لی۔ حضرت اقدس کا آنا بھی مبارک اور جانا بھی مبارک!

ان کے لیے دنیا صحیح معنوں میں جیل خانہ تھا۔ جس میں وہ صرف صبح چائے کا

ناشتہ کر کے چوبیس گھنٹہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کرتے۔ فالج کا اثر تھا ذیابیطس کی موذی بیماری چمٹی ہوئی تھی۔ اعضاء کا درد اور کمزوری اس پر مستزاد تھی۔ اٹھنا بیٹھنا دشوار تھا۔ مگر آپ نے اپنے معمولات کو آخری دن تک ترک نہیں کیا۔ یہاں تک کہ آپ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ مگر مسلمانوں کے لیے اور خاص کر ہزاروں خدام و متوسلین کے لیے آپ کی جدائی ناقابل برداشت صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔

مرض موت اور جنازہ

حضرت اقدس دعا کرتے تھے کہ چلتے پھرتے مر جاؤں اور کسی پر بار نہ بنوں۔ یہی بات ہوئی آخری دن ۱۱ بجے کے قریب مسجد کے حجرہ میں طبیعت ناساز ہو گئی پیٹ کی تکلیف شروع ہوئی، قے بھی ہوئی اور ہر آن کمزوری بڑھتی چلی گئی۔ ڈاکٹر آئے دوا دی۔ انجکشن کیے مگر بے سود، گھر لے جائے گئے۔ آپ بار بار تیمّم کے لیے مٹی منگا کر نماز شروع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۹ بجے کے قریب روح مبارک عالم بالا کو پرواز کر گئی۔

لاہور شہر میں خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ اطراف ملک میں بھی اطلاعات پہنچ گئیں۔ صبح ہوتے ہوتے ہزاروں انسانوں نے آپ کے محلّے کو گھیر لیا۔ ملک کے صوفیاء عظام اور علماء کرام دور دراز سے آ پہنچے۔ حتیٰ کہ ریاست بہاولپور کے حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھا اور حضرت مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی بھی آ چکے تھے۔ سب نے بالاتفاق حضرت اقدس کے بڑے فرزند حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب کو حضرت کا جانشین چنا اور چھوٹے فرزند حافظ حمیداللہ صاحب نے اعلان فرمایا کہ حضرت اقدس نے یہی فیصلہ کیا تھا —— چنانچہ سب کے اصرار سے نماز جنازہ بھی حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب ہی نے پڑھائی۔

جنازہ میں تقریباً دو لاکھ آدمیوں نے شرکت کی۔ مگر عوام و خواص جس والہانہ عقیدت سے جنازہ کے ساتھ جا رہے تھے وہ قابلِ دید منظر تھا۔ جنازہ کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دئے گئے تھے مگر سب ٹوٹ پھوٹ گئے۔ ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ میرا ہاتھ جنازہ کے بانس کو لگ جائے۔ لاہور کے راستوں میں ٹریفک پولیس نے بند کر دی۔ اور جنازہ کے ہمراہ بہترین انتظام قائم رکھا ورنہ جنازہ گاہ میں دس بجے رات تک نہ پہنچ سکتے ۳ بجے جنازہ اٹھا اور ۵ بجے یونیورسٹی گراؤنڈ میں پہنچا اور پھر ۶ بجے میانی قبرستان پہنچے جہاں شیخ الکل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گئے۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا قدس سرہٗ کی ایک بیوی اور تین فرزند ہیں۔ بیوی خاوند دونوں فرشتہ سیرت۔ دعا کرتے کہ میں پہلے مروں۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ حضرت کی شان کہ حضرت کی خواہش پوری ہوئی۔ لڑکوں میں بڑا فرزند حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مدینہ منورہ میں دین کی خدمت کر رہے ہیں اور جب تک حضرت اقدس نے حج ادا نہیں فرمایا تھا

اس وقت تک وہ ایک ہزار بار خانہ کعبہ کا طواف اس لیے کر چکے تھے کہ خدا تعالیٰ والدین کو حج نصیب کرے۔ ادھر آپ کے ہزار طواف پورے ہوئے ادھر حضرت اقدس جا پہنچے اور پھر ۱۱ دفعہ حج اور عمرے کو جاتے رہے۔

دوسرے دونوں فرزند بھی فارغ التحصیل عالم ہیں۔ ذاکر شاغل ہیں۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا ہے اور چھوٹوں کے لیے بھی وصیت فرما دی ہوئی ہے۔ آپ عرصہ سے دنیا سے دل برداشتہ اور سفرِ آخرت کے لیے پابرکاب تھے۔ مگر یہ عشق تھا کہ قرآن پاک کی خدمت اس وقت تک جاری رہے کہ ع

یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

آپ کی محبوبیت اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ سرکاری اور غیر سرکاری جس طبقے اور گروہ کے بھی مسلمان تھے سب کو وفات کا صدمہ تھا جیسے کسی کی کوئی محبوب شے گم ہو گئی ہو۔ چہرہ مبارک کھلا رکھا گیا جس سے مشتاقین زیارت باری باری باریاب ہوتے رہے۔ چہرہ کی رونق و نورانیت پہلے سے کئی گنا زیادہ تھی۔ مخلوق نے جس کثرت سے جنازہ میں شرکت کی اور جس جوش عقیدت کا ثبوت دیا لاہور کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ کے بعد ایک بار پھر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ قوم کی سچی محبت بے لوث خدمت گاروں اور دین کے علمبرداروں کے ساتھ ہے۔ سرکاری حکام اور پولیس افسروں نے جس ہمدردی اور حسنِ انتظام کا ثبوت دیا وہ بھی قابل تعریف تھا۔

اللہ تعالیٰ صاحبزادوں کو حضرت اقدس کا سچا جانشین بنائے اور ہمیں ان کی اطاعت کی توفیق بخشے تاکہ دین کی یہ نہریں تا قیامت جاری رہیں۔ آمین!

درسِ قرآن مجید

حکومت نے آپ کو لاہور میں نظر بند کر کے یہ خیال کیا ہوگا کہ یہاں ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوگا اس لئے یہ خود اپنی موت مر جائیں گے لیکن حکمت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا آپ نے لاہور آتے ہی درس قرآن مجید کا سلسلہ شروع کر دیا جس کو ۲۴ سال باکمال خوبی سے نبھایا اور خالقِ حقیقی سے جا ملے اس طویل عرصہ میں سوائے جمعۃ المبارک کے انتہائی مجبوری کے ایک دن بھی درس سے ناغہ نہ کیا۔

آپ کے آنے سے پیشتر لاہور پر دینی جمود طاری تھا سکھوں کے عہد حکومت میں مذہبی تعصب اور عدم رواداری کی پالیسی کا مسلمانوں پر ابھی تک اثر باقی تھا لاہور کے کسی گوشے کسی کونے یا کسی مسجد میں روزانہ درس کا اہتمام نہ تھا نہ صرف لاہور بلکہ پورے پنجاب کی یہی حالت تھی۔ البتہ کہیں کہیں مثنوی مولانا روم کا درس جاری تھا یا مذہبی مناقشات اور فقہی اختلاف زیر بحث تھے چنانچہ لوگ قرآن مجید اور حدیث شریف کی براہ راست تعلیم سے محروم تھے یہ آپ کی زندہ کرامت ہے کہ آپ کے درس قرآن مجید ہی کے منبع میں آج پاکستان کی تقریباً ہر چھوٹی بڑی مسجد میں روزانہ درس قرآن کا اہتمام ہے بلکہ ریڈیو پاکستان سے روزانہ درس قرآن پاک نشر ہوتا ہے۔

آپ کا درس قرآن پاک اپنی خوبیوں کے لحاظ سے پاکستان بھر میں منفرد نوعیت کا حامل تھا آپ فلسفہ ولی اللٰہی کو قرآن مجید کی تشریح میں اس طرح سمو دیا کرتے تھے کہ جہاں قدیم خیال کے بزرگوں کی تسلی ہو جاتی وہاں مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں اتر جاتا۔ آپ کا طریقہ درس یوں تھا کہ آپ پہلے رکوع تلاوت فرماتے۔ پھر اس کا ترجمان فرماتے پھر مضمون کی مربوط تشریح کی جاتی پھر آپ کا عنوان ہوتا "میرے اور آپ کیلئے سبق"

بچشمِ خود، بقلمِ خود

خلیق احمد، ایڈیٹر انگریزی، عربی، اسلامی جریدہ "الیقین" کراچی

یادش بخیر! جس زمانے کا ذکر مقصود ہے اس پر برس ہا برس بیت گئے، ایک مدت مدید تمام ہوئی اور ایک عرصہ دراز گذر گیا۔ عمر رواں نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ بچپن گیا، جوانی آئی اور گئی۔ اور بڑھاپے نے آ لیا۔ اللہ۔ اللہ بہت سی باتیں، یاد داشتیں رفتارِ زمانہ کی زد میں آ کر محو ہو گئیں۔ بعض دھندلے سائے کی طرح کبھی کبھار ذہن کے گوشوں سے ابھرتی ہیں اور حباب در آب اندر کے مصداق فوراً ہی غائب ہو جاتی ہیں۔ البتہ بعض کے نقوش دل و دماغ پر پیوست ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ زندہ اور تابندہ ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی تازگی اور بالیدگی روحانی سکینت، جمعیت خاطر اور طمانیت قلب کا باعث ہے۔ اس سرمایہ حیات میں کسے معلوم تھا کہ وہ ایام فرخندہ فرجام چند روز کی بہار ہیں ورنہ ان کی فتوحات اور برکات سے دامن بھر لیا جاتا یہ ساری تمہید، اصرار و تکرار، تاکید مزید کے لیے ہے کیونکہ جن باتوں کا اعادہ کرنا ہے وہ نصف صدی بلکہ کچھ زیادہ پہلے کی باتیں ہیں۔ یعنی ۱۹۲۵ء کے اوائل اور اسکے مابعد کی۔

آغاز قصہ ایام رفتہ کا یوں کرتا ہوں کہ اس وقت میری عمر دس سال سے زائد ہو گی اس لیے والد بزرگوار جناب حاجی شفیق احمد صاحب مرحوم و مغفور میری انگلی پکڑ کر ہمارے مکان واقعہ احاطہ حکیم غلام محمد صاحب متصل ضیاء الدین سوپ فیکٹری سرکلر روڈ لاہور سے حضرت قبلہ مولانا احمد علی صاحب قدس سرہٗ کی مسجد واقعہ اندرون شیرانوالہ دروازہ صبح و شام لے جایا کرتے تھے۔ اور ظہر کی نماز کے لیے جناب خان صاحب محمد دین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ دروازہ سارے سکول کے طلباء اور اساتذہ کو باقاعدہ نظم و ضبط کے ساتھ اسی مسجد میں لے جاتے تھے۔ مسجد کا وسیع صحن کھچا کھچ بھر جاتا تھا اور وضو کے لیے مسجد کے حوض کے چاروں طرف تل دھرنے کی جگہ نہ ہوتی تھی اور ہم لوگ حسب الحکم ہیڈ ماسٹر صاحب قطار اندر قطار کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کرتے تھے۔ اس ضمن میں اُس محترم اور مشفق ہستی کے ایک اور حکم کا تذکرہ بھی کر دوں۔ سکول کے سکاؤٹس سے یہ فرمائش کی گئی تھی کہ گھر سے پرانے سلیپر وغیرہ لائیں باجازت والدین اور مسجد کے لب سڑک چبوترے کے نیچے سلیقے سے رکھ دیں تا کہ نمازی اپنے جوتے محفوظ مقام پر رکھ کر ضرورت کے وقت ان پرانے جوتوں کو استعمال کر سکیں۔ ملاحظہ فرمایئے کہ اس زمانے کے قوم کے مخلص حضرات کی نظر ہر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت اور سہولت پر رہتی تھی۔

آمدم بر سر مطلب۔ بندہ کو نماز با جماعت کی سعادت کے ساتھ ساتھ قرآن عزیز کے درس میں جو حضرت مولانا لاہوریؒ بعد نماز مغرب دیا کرتے تھے۔ شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ جس دن میں شریک درس ہوا تھا اسی روز سورۃ "المائدۃ" شروع ہوئی تھی اور حضرت قبلہؒ نے بہت تفصیل سے مطالب و معانی کے ساتھ ساتھ ربط آیات خاص طور سے بیان

فرمایا تھا یہ وہ زمانہ تھا جب قرآن عزیز کا ترجمہ زیر تحریر تھا۔ درس کیا تھا ایک باقاعدہ کلاس تھی۔ جس میں بڑی عمر کے حضرات خصوصاً کالج کے طلبا اور دفاتر کے اہل کار (جن میں سے چند سے آج تک نیاز حاصل ہے اور وہ اپنے اپنے میدان عمل میں اعلیٰ حیثیت اور مرتبت کے حامل ہیں اور حضرت مولاناؒ ہی کی تربیت کے طفیل ملک و قوم کی پر خلوص خدمت انجام دے رہے ہیں) کاپی اور قلم لے کر بیٹھتے تھے اور سب کچھ نوٹ کرتے رہتے تھے۔ ان سے وقتاً فوقتاً سوال بھی ہوتے تھے۔ اس لئے درس میں شریک حضرات ہمہ تن توجہ ہو کر بیٹھتے تھے اور جو کچھ سنتے تھے اس کو نقش کالحجر کر لیتے تھے اسی لئے مجھے بھی درس کا نقشہ، نشست و برخاست سوال و جواب اور باریک نکات اور تفصیلات آج تک یاد ہیں۔

گرمی اور گلابی سردی کے دنوں میں درس باہر صحن میں ہوتا تھا۔ عام چوبی تپائیوں پر لالٹین کی روشنی میں قرآن مجید رکھے ہوئے ہوتے تھے اور شریک درس حضرات باری باری آیات کی تلاوت کرتے تھے اور حضرت مولانا ان کے مطالب و معانی بیان فرماتے تھے۔ ٹھیٹھ سردی اور برسات میں یہ مجلس اندرون ہال مسجد میں قائم ہوتی تھی۔ عام طور پر عشا کی اذان تک یہ سلسلہ جاری رہتا اور نماز عشاء ادا کرنے کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو سدھارتے تھے۔ غور فرمایئے کہ یہ اوقات جو آج کل سب سے زیادہ مصروفیت کے سمجھے جاتے ہیں کہ دنیا بھر کی خبریں اور ریڈیو اور ٹی وی کے "اچھے اچھے" پروگرام انہی اوقات میں پیش کئے جاتے ہیں، کس طرح حصول تعلیم دین کے لیے فارغ ہوتے تھے اب تو مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی ان کی خاطر گھروں میں جلدی جلدی ادا کی جاتی ہیں یا قضا پڑھی جاتی ہیں بشرط فرصت۔ اللہ اکبر! یہ بھی ان حضرات اور گھرانوں کی بات ہے جو دین دار کہلاتے ہیں ورنہ اوروں کو کہاں فرصت!

جمعۃ المبارک کا دن خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ نمازی دور دور سے حضرت مولاناؒ کے مواعظ حسنہ کے سننے کے شوق میں قبل از وقت ہی آ جاتے تھے اور اپنی اپنی پسندیدہ جگہ سنبھال لیتے تھے۔ اور اس طرح وقت مقررہ سے پہلے ہی مسجد بھر جاتی تھی گرمی ہو یا سردی یہ روح پرور سماں اسی طرح جلوہ افروز رہتا تھا۔ حضرت قبلہؒ اپنے مواعظ میں شد و مد کے ساتھ عقائد اور معاملات کی اصلاح پر تاکید فرماتے تھے اور رسوم و بدعات کی بیخ کنی کے لئے ترغیب دیتے تھے اور اخلاق محمودہ کو زیادہ سے زیادہ اپنانے پر زور دیتے تھے۔ بہت ہی دل نشین واضح اور اور عام فہم الفاظ اور انداز میں بیان ہوتا تھا۔

خاص بات یہ تھی کہ حضرت قبلہؒ کی زبان مبارک کی کڑوی سے کڑوی باتیں بھی سامعین کو گوارا تھیں کیونکہ وہ سراپا حقیقت اور خلوص پر مبنی ہوتی تھیں اور سننے والے دل و جان سے چاہتے تھے کہ ان کی خرابیاں اور اُن کے علاج ان کو بتائے جائیں۔ حضرت مولاناؒ کے انداز بیان سے یہ عیاں ہو جاتا تھا کہ خلوص، اسلامی ہمدردی، عقبیٰ اور دنیا کی بہتری ان کے مد نظر ہے اس حضرت مولاناؒ کا انداز بیان نہایت ہی دلسوز اور چشم افروز ہوتا تھا ہر چھوٹا بڑا یہ سمجھ کر کہ یہ اس کے ہی فائدے کی باتیں ہیں ان کو دل میں جگہ دیتا تھا۔

حضرت مولاناؒ کے مواعظ حسنہ سے لاہور اور اس کے گرد و نواح کے لوگ ہی مستفیض نہیں ہوئے بلکہ ان کا اثر پنجاب بھر میں بلکہ سارے ملک میں جہاں جہاں حضرت مولاناؒ کے منسلکین اور متوسلین موجود تھے جاری و ساری ہو گیا اور ایمان، ایقان کی پختگی، تازگی اور عام بیداری کا باعث ہوا۔ عام مسلمانوں میں شعائر اسلامی کا علم و احترام اور جذبۂ عمل پیدا ہوا۔ جس کے نتیجے میں ان خرافات

سے معاشرہ کو نجات ملی جو آج کل پھر سیلاب کی طرح پھیلتی چلی جا رہی ہے اور کوئی روک تھام نہیں ہو رہی۔ کیونکہ کہنے والا شاذ ہی کوئی صاحب علم و عمل موجود ہو جو اس دلسوزی اور ہمدردی سے اپنے نام کے مسلمان بھائیوں کو ان کی موجودہ روش کی تباہ کاریوں سے آگاہ کر سکے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔

میری ناقص رائے میں حضرت مولانا کی مساعی جمیلہ کا یہ ثمرہ تھا کہ ان کے مستفیض ہونے والوں میں سُنت سے واقفیت اور بدعات سے کراہت طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی۔ جہاں جہاں بھی حضرت قبلہ کی آواز کی صدائے باز گشت پہنچتی وہ خطہ وہ حصّہ خرافات سے پاک ہو جاتا۔ حضرت مولانا کی ہستی مشہور و معروف ہی نہیں تھی بلکہ بیحد مقبول تھی اور مرجع خواص و عوام تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے وہاں مشاہیر قوم ملک و ملت کی آمد و رفت دیکھی ہے۔ حضرات علمائے کرام میں سے قابل ذکر ممتاز و مقتدر ہستیاں جن کی تقریب تشریف آوری کا سماں میری آنکھوں میں اب تک محفوظ ہے وہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری، مجاہد اسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور ضیغم اسلام حضرت مولانا عطا اللہ شاہ بخاری ہیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ بندہ کو ان کے تعارف اور ان سے فیوض و برکات کے حصول کا شرف حاصل ہُوا۔

حضرت مولانا اس وقت کے معاشرہ اسلامی کی خامیوں اور فروگذاشتوں کا کھول کھول کر بیان فرماتے تھے۔ طنز و مزاح سے بھی کام لیتے تھے، نشتر بھی چبھوتے تھے اور تیر بھی چلاتے تھے زخموں پر نمک پاشی بھی خوب خوب کرتے۔ آخرت میں وعید اور تعذیر سے ڈراتے تھے اور سب سے زیادہ خوف خدا سے دلوں کو نرم کرتے تھے۔ سننے والے سراپا سپاس ہو کر ہمہ تن گوش اور سر تسلیم خم کئے محویت کے عالم میں بیٹھے ایک ایک بات سنتے تھے اور اس کے مطابق عمل کا عزم بالجزم کر کے اٹھتے تھے۔ میرے سامنے دیکھتے دیکھتے ایک صاف ستھرا ماحول ظہور پذیر ہوا اور ایک مخلص جماعت نمودار ہو گئی جس کو مجھ ایسا کم عمر اور کم عقل بھی واضح طور پر محسوس کر سکتا تھا۔ حضرت قبلہ نے لوگوں کے قلوب اور طبائع کو جلا دی اور ان کی چمک دمک سے میل ملاقاتی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ حضرت قبلہ کی سر پرستی میں انجمن خدام الدین نے بڑے کارہائے نمایاں اور ٹھوس خدمات انجام دی ہیں۔ یہ کیا کم بات ہے کہ ایک علاقے سے بدعات کی خرافات کو ختم کر کے شریعت مُطہّرہ اور سنّت مبارکہ کو عام رواج کی طرح سے مقبول خاص و عام کر دیا۔ آج کل جو کچھ اثرات حوصلہ افزا نظر آتے ہیں وہ انہی مخلص حضرات کی مساعی شاقہ کا صلہ اور ثمرہ ہیں حضرت مولانا کے تربیت یافتہ حضرات اپنی وضع قطع معاملات اور تعلقات خوش اسلوبی اور خوش مزاجی کی بدولت دور سے ہی پہچانے جا سکتے ہیں۔

اس طرح سے ایک معرکتہ الآراء اور لازوال کارنامہ انجام پذیر ہوا جس کی مختصر الفاظ میں احیائے دین اور احیائے سنّت کے نام سے نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ عام مسلمانوں میں اس قدر شعور پیدا ہو گیا تھا کہ کھرا کیا ہے اور کھوٹا کیا ہے، اصل دین کیا ہے اور زوائد اور حواشی کیا ہیں۔ آپ حضرت مولانا نے بہت ہی سیدھے اور سادے طریقے سے سنتوں کی طرف رغبت دلائی اور بدعات کو جڑھ سے نیست و نابود کیا اور اپنے جیسے ولولہ اور جوش ایمانی کو عام کرنے کی کوشش آخر دم تک فرماتے رہے۔

وہ دن بھی قابل ذکر ہیں جب یہ منبع فیض جوش و خروش کے ساتھ جاری تھا اور لوگ بقدر ہمت اس سے سیراب ہو رہے تھے۔ بڑی بات کہنے کی اور سمجھنے کی یہ ہے کہ اس وقت خوش قسمتی

سے مسلمانوں میں ایک بہی خواہ ، غم خوار اور کتاب و سنت کا علمبردار سرگرم عمل تھا جو اپنے زور دار الفاظ اور گرج دار آواز میں ان کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اٹھا رہا تھا اور عمل صالح کی دعوت دے رہا تھا ۔ بفضلہ تعالیٰ اس کو اپنی حیات مستعار میں یہ خوشی اور کامیابی نصیب ہوئی کہ اس کے آس پاس کا بچہ بچہ زیور علم دین سے مزین ہوا اور ان کے بعد لوگوں پر یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہو گئی جب مزار مقدس کی مٹی سے مشک عنبر کی مہک آنے لگی ۔

ایک اور بات قابل ذکر ہے ۔ جمعہ کے جمعہ ہزاروں کی تعداد میں اصلاحی اور فلاحی کتابچے حاضرین میں مفت تقسیم ہوتے تھے ۔ یہ بھی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا باعث ہوئے اور مکروہات اور بدعات کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہوئے ۔

میرے سامنے کی بات ہے کہ ان کتابچوں کی مجموعی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ان میں سے بعض احکام کے متعلق تھے بعض اعمال کے متعلق ، بعض عبادات کے متعلق بعض اوراد و وظائف کے متعلق ، بعض مئلے مسائل کے متعلق ، بعض درود و استغفار کے متعلق ، بعض تصاویر کی حرمت کے متعلق ۔ ان کے علاوہ مختصر اور مستند دعائیں دیدہ زیب طریقے پر کارڈ سائز میں طبع کرا کر افادہ عام کے لئے تقسیم کرائیں تا کہ خواص و عوام ان کو وظیفہ حیات بنا لیں ۔ غرضیکہ ایک ہمہ گیر تحریک تھی جو مولٰنا رح کی ذات با برکات سے تعبیر کی جا سکتی ہے اور اس کا نمایاں پہلو اصلاح اخلاق اور عقائد اور ترغیب اعمال صالحہ تھا ۔

مجھے یہ بھی یاد ہے کہ جب فیوض و برکات عام ہوئے اور حضرت قبلہ رح کی محبوب شخصیت نے عوام کے دلوں میں گھر کر لیا تو شیرانوالہ دروازہ کی مسجد جو بڑی کشادہ اور فراخ ہے ۔ جمعہ کی جماعت کے لیے ناکافی ثابت ہونے لگی ۔ اس وقت شیرانوالہ کی گھاٹی سے اُتر کر نیچے پارک میں (اس زمانے میں لاہور میں سبز پارک کی ایک بیلٹ قائم تھی جس میں پھل دار درخت ہوتے تھے ۔ جامن کے بکثرت کھٹے اور آم کے بھی ، درمیان سے ایک چھوٹی سی نہر بھی چلتی تھی) میں نماز جمعہ کا اہتمام و انتظام ہوتا تھا ۔ وعظ لاؤڈ سپیکر پر ہوتا تھا اور نماز کے لیے اس کی چنداں ضرورت نہیں تھی ۔ کیونکہ حضرت مولٰنا رح کی آواز دُور دُور صاف سنائی دیتی تھی ۔ حضرت مولٰنا رح عام طور سے جمعہ کی نماز کی پہلی رکعت میں سورہ حج کا پہلا رکوع تلاوت فرماتے تھے اس دل شگاف انداز اور خوف کے عالم میں کہ سننے والوں کے دل بھی دہل جاتے تھے ۔ قیامت کا سماں آنکھوں کے سامنے آ جاتا تھا اور اس دن کے خوف سے لرزہ طاری ہو جاتا تھا ۔ یہ میرے اپنے تاثرات تھے جبکہ میں زیادہ سے زیادہ ۱۴ - ۱۵ سال کا ہوں گا وہ اثرات اب تک اس طرح تازہ ہیں کہ اب بھی جب میں سورۂ حج کی تلاوت کرتا ہوں تو وہ ساری کیفیت عود کر آتی ہے اور دل اندر سے اسی گونج اور گرفت کا متلاشی اور متمنی ہوتا ہے ۔ نماز جمعہ کے بعد دعا کا منظر بھی خاص کیفیت کا حامل ہوتا تھا کوئی فرد بشر ایسا نہ تھا جو چشم پرنم کے ساتھ ہمہ تن مصروف دعا الحاح زاری کے ساتھ نہ ہو ۔ حضرت مولٰنا رح کی دعا کا ایک ایک لفظ ان کی زبان مبارک سے جیسے جیسے نکلتا وہ حاضرین کے دل و دماغ میں پیوست ہو جاتا اور " آمین ۔ آمین " کی بے ساختہ صدائیں بلند ہوتی رہتیں ۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ ۔

حضرت مولٰنا رح کی نظر معاشرہ کی ہر چھوٹی بڑی خامی پر رہتی تھی اور وہ اپنے مواعظ میں بہت حسن و خوبی سے ان تمام فروعات کی طرف بکمال شفقت اشارا فرماتے ان کے نقائص سے آگاہ فرماتے اور لوگوں کی غیرت و حمیت کو بیدار کرتے تا کہ وہ شر اور شر پسند عناصر کو جہاں بھی وہ

سر اٹھائیں کچل دیں ۔ اس سلسلہ میں وہ گلی در گلی کے حادثات بیان فرما کر عبرت کا سبق دیتے تھے ۔ مثلاً ایک مرتبہ انھوں نے ایک آوارہ نوجوان کا ذکر فرمایا جس کی پٹائی گلی کی نیک طینت اور عزت مند مستورات کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی ہوا یہ کہ وہ شخص ریشمی لہنگی اور تِلّے والی جوتی پہن کر ایک گلی میں سے عین وقت گذرا جبکہ مستورات کھانے پکانے سے فارغ ہو کر قلت گنجائش کے باعث گلی میں پلنگ بچھا کر قدرے آرام کے لیے جمع ہوئی تھیں ۔ بھلا نیک اطوار خواتین کو یہ کب گوارا ہوتا اس شوخ و شنگ نوجوان کی فی الفور پٹائی شروع کر دی اور اس کو اپنی احمقانہ اور مجرمانہ حرکت کا خمیازہ بھگتنا پڑا ۔

اسی طرح حضرت مولٰنا پھیری لگانے والے لوگوں کی صداؤں پر کڑی تنقید فرماتے تھے جو مخرب الاخلاق ثابت ہو سکتی تھیں ۔ خصوصاً مستورات کی آرائش زیبائش سجنے والوں اور ریشمی کپڑے والوں کی صداؤں پر جو عجیب عجیب من گھڑت اور فحش الفاظ اور انداز میں لگائی جاتی تھیں ان کو سن کر ہی عزت مند اور شریف الطبع مسلمانوں میں نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہوتے تھے مگر وہ زمانہ گیا اب تو ریڈیو ٹی وی پر کھلے بندوں مسلمان شریف گھرانوں کی بہو بیٹیاں نہایت ذوق شوق سے اور ہر طرح سے آراستہ و پیراستہ ہو کر بن سنور کر ہر قسم کے غمزہ و نخرہ و ناز و انداز کے ساتھ فحش ترین گیت اور دوگانے سناتی ہیں کہ "آن ملو پیا تم کہاں ہو اب تو آن ملو" وغیرہ وغیرہ ، قیامت تو یہ ہے کہ گھر کا گھر چھوٹے بڑے بہو بیٹے ساس سسر ماں باپ سب کے سب نہایت بے تکلفی سے سنتے ہیں اور داد بھی دیتے ہیں اور تبصرہ بھی فرماتے ہیں اسی پر بس نہیں بلکہ فرمائش کے ہزاروں خطوط روانہ کرتے ہیں ایسے ہی حرام اور فحش گانوں کے لئے ، یہ ہے "ذوق سلیم" جو ہم نے آزادی کے بعد تیس سال میں حاصل کیا ہے ۔ قصّہ مختصر یہ ہے کہ حضرت مولٰناؒ نے صلاح فلاح کے لئے ہر طریقہ استعمال کیا ان کے الفاظ تیر و نشتر سے کم نہ تھے اور انھوں نے لاہور کے مسلمانوں کے لئے خصوصاً مسیحا کا کام سر انجام دیا ۔

یہ بھی عرض کر دوں کہ اس وقت فرقہ وارانہ تعصّب عروج پر تھا ۔ ایسے ماحول میں صدائے حق بلند کرنا اور بھی مشکل تھا ۔ مگر یہ نصرت الٰہی تھی کہ لوگوں کے دل باوجود تیز و تند اور ترش باتوں کے حضرت مولٰناؒ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے ۔ لاہور میں مستی دروازے اور ہاتھی دروازے میں کچھ ایسی مساجد تھیں جن کے صحن کی دیوار کی پیشانی پر یہ تختی آویزاں ہوتی تھی کہ "وہابی اور گلابی وہابی کا داخلہ ممنوع ہے" ۔ یہ تو میرا خود کا چشم دید واقعہ ہے ۔ میں نے یہ بھی سنا دروغ بر گردن راوی کہ بعض مساجد میں اگر کوئی بھولا بھٹکا ناواقف انجان اس قسم کا نمازی پہنچ گیا اور اس کا پتہ چل گیا تو مسجد کے صحن کا فرش اکھاڑ پھینکا گیا ۔ اور وضو کے لوٹے شہید کر دیئے گئے ۔ اس تقسیم بلا تفہیم سے متاثر ہو کر بندہ حضرت مولٰنا دیدار علی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا ، انہوں نے جس شفقت اور محبت سے مجھے شرف باریابی بخشا اس کی یاد اب تک تازہ ہے ۔

بندہ نے نہایت ادب سے حالات کی طرف توجہ مبذول کرائی اور اس کی روک تھام کے لیے تدابیر کا ذکر کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ ایک پلیٹ فارم ہو جہاں مختلف نقطہ نگہ کے علمآء جمع ہو کر عوام کو مخاطب فرما کر اختلافات کو ختم کرا دیں تا کہ اس تباہ کن اور رسوا کن افراتفری سے نجات ملے ۔ حضرت مولٰناؒ موصوف نے تجویز کو پسند فرمایا ۔ اس کے بعد بندہ حضرت مولٰنا لاہوریؒ

کی خدمت میں معروضات پیش کرنے کے لیئے حاضر ہوا اور گذارشات پیش خدمت کیں۔ حضرت مولاناؒ نے بھی صاد فرمایا۔ اب مجھے یاد نہیں آتا کہ بات درمیان میں کیسے رہ گئی۔ کوئی اور تحریک ابھر آئی کیونکہ وہ زمانہ حد درجہ سیاسی کش مکش کا تھا یعنی (۳۱-۱۹۳۰ء) کا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا عوامل بر روئے کار آئے کہ اس تجویز پر عمل پیرا نہ ہو سکا۔

لاہور سے میں ۱۹۳۶ء میں رخصت ہوا اور پھر کچھ دلجمعی اور اطمینان سے حاضری نہ ہوسکی اور اس کی حسرت اب تک باقی ہے۔ مگر اس عرصہ میں حضرت قبلہؒ سے شرف مخاطبت رہا۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء والد بزرگوار مرحوم مغفور کی رحلت کی اطلاع حضرتؒ کی خدمت میں روانہ کی۔ جس کا جواب حضرت نے ارسال فرمایا۔ تعزیت کے الفاظ دل آرام رقم فرمائے اور صبر کی تلقین کے ساتھ دعائے مغفرت کی۔ افسوس وہ گرامی نامہ اب میرے پاس نہیں کہ نقل مکانی کے موقعہ پر جہاں کتابوں کا اور دوسرے علمی سرمایہ کا صندوق بطور امانت رکھوایا تھا وہ نا قدر دان ہاتھوں سے کچھ تلف ہو گیا کچھ خرد برد کر دیا گیا۔

میرے ایک دوست ہیں ان کے پاس بھی حضرت قبلہؒ کا گرامی نامہ صادر ہوا تھا غالباً ان کے مکان کی تعمیر کے سلسلہ میں وہ بھی میں حاصل نہ کر سکا۔ حضرت قبلہؒ ۵۳-۱۹۵۴ء میں کراچی تشریف لائے تھے تو ان کے مکان کا سنگ بنیاد رکھا تھا اور اپنے دست مبارک سے قطعہ زمین پر نقشہ کے مطابق چند کدالیں بھی استعمال کی تھیں اللہ اکبر! بڑوں کا جذبہ تالیف قلوب!

حضرت مولاناؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا حبیب اللہ صاحب مہاجر مدنی مرحوم میرے ہم عصر تھے۔ اور اکثر ساتھ بھی ہوتا تھا۔ ایک دوسرے کے پرسان حال بھی تھے۔ حضرت مولاناؒ کے مکان واقعہ لائن سبحان خان سے ملحق میرے ایک بزرگ فروکش تھے مجھے ایک مرتبہ عید کے دن حضرت مولاناؒ کے ہاں سے آمدہ شیر و خرما چکھنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی اور غالباً ان کے ہاں کچھ پیش کرنے کی بھی۔ مدینہ منورہ میں جب بھی حاضری ہوئی تو مولانا حبیب اللہ صاحب مرحوم نہایت تپاک اور محبت سے پیش آئے اور ہمیشہ اصرار سے وہاں کی پودینہ اور لیموں والی خاص چائے پلوائی۔ ان کے بعد مدینہ منورہ میں حاضری کے دوران ان کی یاد آتی رہی۔ اللہ تعالٰے ان کو غریق رحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین!

حضرت قبلہؒ کے مزار اقدس سے اب بھی فیوض اور برکات عام ہیں اور جن کو چشم وا نصیب ہے وہ خوب خوب سرفرازیاں حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالٰے ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اُن بزرگوں کی اور اس زمانے کی یاد تازہ رکھیں اور اپنے بچوں تک پہنچائیں تا کہ وہ بھی اپنے مشاہیر کے کارناموں سے واقف ہوں اور صراط مستقیم پر گامزن ہو کر ان کے نقش قدم پر چلیں اور دین و دنیا کی کامیابی حاصل کریں۔ وما علینا الا البلاغ ۞

تہیدستانِ قسمت راچہ سُود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

Senior Executive,
The Daily Jang,
Post Box 30,
Rawalpindi



خطیب، جامع مسجد عثمانیہ
سول لائینز، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیز محترم علامہ سعید الرحمن علوی سلمکم اللہ

بعد از تکریم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ باشد۔ خدا کرے۔ دعائیں
دیں۔ حسب ارشاد ٹوٹا پھوٹا مضمون ارسال ہے۔
یہ شمائل ہیں۔ سارا مضمون شائع ہو جائے تو
ریکارڈ رہے گا۔ اگر مضمون مسلسل شائع
کیا جائے تو بہتر رہیگا۔ یہ جو بقیہ فلاں صفحے پر
چھپتے جاتے ہیں، چنداں فائدہ بخش ثابت
نہیں ہوتے۔ والسلام

دعا گو و دعا جو عفا اللہ عنہ
احقر حافظ ریاض احمد اشرفی

17-5-78

جامع الکمالات
قدس سرہ العزیز

۹ میرے والد ماجد میر عبدالرشید مرحوم کو حضرت الامام مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ عقیدت تھی اور اس کی وجوہات یہ تھیں کہ میرے دادا میر جان محمد مرحوم حضرت مولانا محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور محب خاص تھے دو مرتبہ کی بات مجھے یاد ہے ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تکیہ سادھواں کی مسجد میں رونق افروز ہوئے تو میرے والد ماجد نے آپ کو اپنا تعلق عرض کرکے گھر تشریف لانے پر راضی کر لیا اور دوسری مرتبہ جب شاہ صاحب تشریف لائے تو ہمارے گھر میں ہی قیام رہا۔ اس دوران حضرت مولانا احمد علی صاحب، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب گوجرانوالہ، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب میاں میر، حضرت مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، علامہ ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ اجمعین بھی تشریف لائے تھے۔ صرف مزید یہ یاد ہے کہ مجھے رکوع سنانے کے لیے کہا گیا، مجھے صرف الطلاق مرّتان والا رکوع بخوبی یاد تھا میں نے وہی سنایا، حضرت اقدس شاہ صاحب نے مجھے اپنی جیب خاص سے ایک روپیہ نقد انعام دیا اور کشمیری زبان میں میرے والد ماجد سے فرمایا "چیون پتھ فقیہہ چھُو"، تمہارا بیٹا فقیہہ ہے۔ علماء دیوبند سے یوں مجموعی طور پر عقیدت تو تھی لیکن میرے قرآن مجید کے استاد صاحب عام طور پر مولانا دیدار علی مرحوم کے معتقد اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب محدث گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اس لیے ذہن پر اس بات کا غلبہ ضرور تھا کہ اہلحدیث تو وہابی ہیں اور مولانا احمد علی صاحب گلابی وہابی ہیں۔ یہ میرے بالکل بچپن کی بات ہے۔ غالباً سات سال کے قریب عمر ہو گی کہ میرے والد مرحوم مجھے جمعہ کے دن حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد لائن والی میں لے گئے مسجد میں جا کر میں نے اودھم مچا دیا کہ میرے استاد صاحب کے نزدیک یہ گلابی وہابی ہیں مجھے یہاں لاکر پلید کر دیا۔ اس صورت حال سے میرے والد ماجد سخت پریشان ہو رہے تھے کہ اتنے میں میں نے ایک دست شفقت اپنے سر پر محسوس کیا میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسا دست شفقت میں نے پہلی اور آخری مرتبہ ہی محسوس کیا۔ غالب گمان یہی ہے کہ پھر اس قسم کی شفقت مجھے کسی سے کبھی بھی محسوس نہیں ہوئی۔ یہ دست شفقت حضرت اقدس لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ اور فرمایا بیٹا ہمارا قصور کیا ہے؟ بندہ نے فوراً عرض کیا کہ آپ لوگ درود شریف کے منکر ہیں اس پر حضرت نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ کر فرمایا کہ الحمد للہ ہم تو درود شریف کے منکر کو ملعون سمجھتے ہیں اور میں تو قادری ہوں اور حضور غوث اعظم میرے پیر ہیں۔ یہ تو وہ پہلا روز تھا جس وقت بندہ کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ آج اس دور میں ہیں اسے حضور علیہ السلام کے ارشاد پاک كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (مسلم شریف) کا اثر یقین کرتا ہوں میرے دل میں یہ بات آج تک راسخ ہے کہ سنی سنائی بات پر تحقیق کیے بغیر یقین کرنے والا اور اسے پھیلانے والا جھوٹوں میں شمار ہوتا ہے اس کے بعد والد صاحب کی معیت میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درس قرآن مجید میں حاضری کی سعادت آتی رہی۔ لاہور جیسے شہر میں قرآن مجید کے دو درسوں میں دو ہی درس شہرت رکھتے تھے ایک حضرت لاہوری کا اور دوسرا حضرت الاستاذ مولانا غلام مرشد مدظلہ کا بریلوی حضرات کے ہاں حضرت علامہ ابوالحسنات مرحوم کا درس مسجد وزیر خان میں ہوتا تھا۔ لیکن عامۃ الناس میں رغبت اور میلان چونکہ مترنمانہ کی طرف زیادہ ہے، اس لیے حضرت علامہ مرحوم کے ہاں حاضری بہت کم ہوتی تھی اور جو ہوتی تھی وہ بھی حضرت علامہ مرحوم کی خوش الحانی اور ترنم کے ساتھ مثنوی شریف کے پڑھنے کے سبب تھا۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ میرے ہم جولیوں اور دوستوں نے مجھے برملا وہابی، گلابی مومن اور لیاور منکر رسول جیسے القابات سے نوازنا شروع کر دیا۔ حالانکہ بندہ کی آمد و رفت حضرت علامہ ابوالحسنات مرحوم اور علامہ ابوالبرکات زید مجدہم کی خدمت میں ہمیشہ سے نیاز مندانہ رہی ہے۔

آج بھی میرے دل میں ان دونوں بزرگوں کے لیے بہت زیادہ محبت ہے، اسی سبب سے میرے بعض دیوبندی احباب مجھے "ڈھیلا" کہتے ہیں اور حقیقت ہے کہ بندہ ڈھیلا ڈھیلا مجھول، تو ہرگز نہیں ہے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو بریلوی اکابر کے ساتھ بندہ کے اس تعلق خاطر کا بخوبی علم تھا لیکن حضرت کی زبان مبارک سے کبھی بھی بریلوی اکابر کے خلاف ایک لفظ بھی سننے میں نہیں آیا۔ حضرت تو حکمت دین اور طریق دعوت و تبلیغ کے مجسم پیکر تھے۔ حضرت علامہ ابوالحسنات مرحوم اس زمانہ میں اکابر دیوبند کے متعلق اچھی زبان استعمال نہیں فرماتے تھے، جس سے بندہ کو سخت کوفت ہوتی تھی اور بالکل "دوگونہ عذاب است جان مجنوں را" والا معاملہ تھا بندہ نے اپنی اس کیفیت کو حضرت اقدس لاہوری کی خدمت میں عرض کیا اور درخواست کی کہ ان کے لیے خصوصی دعا اور توجہ کی ضرورت ہے۔ حضرت نے

حامی بھر لی۔ اور فرمایا کسی طریقہ سے علامہ موصوف کو حضرت تھانوی بقید حیات تھے) حضرت نے ایک نصاب تجویز فرمایا جس کی ترتیب یوں ہے۔ التکشف عن مہمات التصوف (۲) التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف (۳) تشکر النعمہ بتذکر رحمۃ اللہ علیہ (۴) ذکر رسول (۵) النور (۶) نور النور (۷) طریق القلندر، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نقشبندی مجددی سلسلہ میں لطائف سبعہ کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے اور بریلوی حضرات کے "قلب کو دیوبندی اکابر کا فیض قبول کرنے کے "قابل" بنانے کے لیے یہ رسائل سبعہ سیارگان یعنی لطائف سبعہ ہیں، چنانچہ بندہ نے اس پر عمل شروع کر دیا۔ اسی دوران حضرت تھانوی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یہ عمل ۱۹۴۲ء سے شروع کیا اور ۱۹۴۶ء میں اس کے اثرات اور برکات کا یوں ظہور ہوا کہ حضرت علامہ مرحوم کی زبان دیوبندی اکابر کے حق میں محتاط ہو گئی اور پھر اس فقیر نے یہ منظر بھی دیکھا کہ حضرت لاہوری باغیچی صمد و اور علامہ ابوالحسنات شیرانوالہ گیٹ آجا رہے ہیں اور ایک دوسرے کو مولانا اور حضرت جیسے پروقار الفاظ سے خطاب کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت علامہ مرحوم کی تعزیت کے لیے حضرت لاہوری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا مفتی محمد حسن امرتسری وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین باغیچی صمد و تشریف لے گئے اور فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کی

۱۹۴۳ء کے اوائل کا ذکر ہے کہ بندہ نے حضرت لاہوری کی خدمت میں حضرت تھانوی رحمۃ علیہ کا بوجہ ان کی تصنیف "التقصیر فی التفسیر" کے کچھ غیر مناسب اور مکروہ الفاظ میں ذکر کیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو طاقت برداشت نہیں رہی، مجھے سخت سست کہا اور سخت ڈانٹ پلائی، مجھ سے توبہ کرائی اور فرمایا کہ وہ میرے بزرگ ہیں اور مقتداء ہیں۔ مجھے ان پر اب کوئی شکوہ نہیں مگر تم کیوں اتنے جری ہو گئے کہ حکیم الامت پر یوں زبان طعن دراز کرنے لگے۔ جاؤ! میں تم سے ناراض ہوں۔ بڑی منت سماجت کے بعد اس شرط پر راضی ہوئے کہ میں حضرت تھانوی سے لکھ کر معافی مانگوں چنانچہ میں نے معافی نامہ حضرت تھانوی کو لکھا حضرت نے میرے اسی خط پر ایک حصہ میں لکھ دیا "معاف ہے"۔ اور جہاں میں نے حضرت لاہوری کا یہ ذکر لکھا دو الحمد للہ علیٰ ذلک۔ جزاہم اللہ عنی وعن سائر المسلمین احسن الجزاء"۔ اور میرا عریضہ واپس فرما دیا، وہ عریضہ جب میں نے حضرت کو دکھایا تو حضرت نے میرا وہ عریضہ مجھ سے لے لیا اور مجھ سے خوش ہو گئے۔

حضرت کے اخلاق کریمانہ اور شفقتوں کا کیا ذکر کروں، اتنی شفقت فرماتے تھے کہ قلم اور زبان بیان سے قاصر ہے ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے مرید فرمالیں تو پنجابی میں مجھے فرمایا "میں توں پیرای چنگا لگنا ایں"، الحمد للہ ثم الحمد للہ! اس مرد حق اور ولی کامل کے الفاظ مجھ پر صادق آ رہے ہیں۔ پیر نہیں ہوں لیکن خلق خدا پیروں کی طرح میرے ساتھ سلوک کرتی ہے۔ فالحمد اللہ علیٰ ذلک اپنے مسلک پر نہایت راسخ اور پختہ ہونے کے باوجود وسیع القلب ایسے تھے کہ جب مولانا دیدار علی مرحوم کا انتقال ہوا تو درس قرآن مجید کے بعد تین دفعہ قل شریف اور ایک مرتبہ الحمد شریف پڑھ کر ان کی روح کو ایصال ثواب کیا اور اور ان کے لیے دعاء مغفرت فرمائی۔ اس کا بندہ عینی گواہ ہے اور یہ الفاظ آج تک میرے کانوں کو اسی طرح سنائی دے رہے ہیں، جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دعا میں فرمائے تھے کہ "اے اللہ ہمارا اور ان کا اختلاف محض لوجہ اللہ تھا۔ اس اختلاف میں جو ان سے زیادتیاں ہوئیں، اے اللہ! ان کا مواخذہ ان سے نہ فرما اور ان کی نیک نیتی کا انہیں بدلہ عطا فرما اور ان کی غلطیوں کوتاہیوں سے درگزر فرما"۔ ان میں تقدیم تاخیر ممکن ہے لیکن مفہوم بالیقین یہی تھا۔

تصرفات کا یہ عالم تھا کہ میرے ایک قریبی عزیز بیس ہزار روپے کے قریب سونا لے کر بھاگ گئے (یہ اس زمانے کی بات ہے جب سونا ۲۲/ روپے فی تولہ تھا اور ہمارے ایک خاندانی بزرگ کے پاس ان کی آٹھ بچیوں کا سونا بغرض حفاظت پڑا تھا میرے والد ماجد نے بڑی گریہ وزاری کے ساتھ یہ واقعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت نے دعا بھی فرمائی اور ایک تعویذ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰی اُمِّهٖ کَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ مع مفرور کے نام کے لکھ کر عطاء فرمایا جسے سائیکل کے پچھلے پہیے کے ساتھ باندھ الٹے چکر دیئے گئے تو دوسرے دن مفرور مع پورے زیورات کے واپس آیا اور سخت نادم ہوا۔ بعد میں اسے حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت نے اس سے توبہ کروائی اور اپنا پڑھا ہوا پانی اسے پلایا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ ہمارے اس عزیز کی حالت

دن بدن اچھی رہی اور اب وہ دنیوی اور دینی اعتبار سے نہایت ثقہ اور قابل اعتماد ہے۔

میری والدہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ہر جمعرات کو حاضری دیتی تھیں لیکن کسی قسم کی بدعات یا رسوم ہرگز ہرگز بجا نہ لاتی تھیں بلکہ طواف اور سجدہ کرنے والی عورتوں سے اکثر جھگڑا مول لے لیتی تھیں۔ بندہ نے حضرت سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ انہیں مولانا ابوالحسنات سے سمجھ آئے گا۔ چنانچہ بندہ کسی بہانہ سے والدہ مرحومہ کو مولانا ابوالحسنات کی خدمت میں لے گیا، کچھ دوا وغیرہ لی اور چلتے ہوئے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ عورتوں کو مزارات پر جانا منع ہے، حضور علیہ السلام نے اس کی سخت نکیر فرمائی ہے۔ میری والدہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ یہ مسئلہ مجھے بھیا صاحب (یعنی حضرت مولانا ابوالحسنات مرحوم) نے سمجھایا کہ دیوبند اور بریلی کے علماء میں مذہبی کوئی اختلاف نہیں۔ مجھے بھیا صاحب کے جواب نے مولانا احمد علی کا پختہ معتقد بنا دیا ہے

میری والدہ درود تاج بڑے شوق سے پڑھتی تھیں کسی نے ان سے کہا کہ مولانا تو اس کے قائل نہیں۔ میری والدہ نے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تو حضرت نے فرمایا۔ ذوق شوق اور محبت میں پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ دافع البلاء والوباء کو اس معنے میں پڑھا جائے کہ حضور علیہ السلام بلاء و وباء کے دور رہنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، فاعل حقیقی اللہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ اور واسطہ ہیں۔ تائید میں دلائل الخیرات شریف کا حوالہ دیا کہ اس میں حضور علیہ السلام کے اسماء صفاتی میں کاشف الکرب موجود ہے اور تمام اکابر دیوبند اس کے پڑھنے کی باقاعدہ اجازت دیتے ہیں۔ جب وہاں بتاویل جائز ہے تو یہاں بھی بتاویل جائز ہی ہے۔ البتہ عام پنج سورہ میں جو اس کے خواص و فضائل حضور علیہ السلام کے فرمان کی نسبت سے مذکور ہیں بلا سند بلکہ بعض محض جھوٹ ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبع مسعودہ میں کتاب و سنت کے ساتھ عشق و محبت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا بدعات اور رسوم بد کے لئے کسی قسم کی رعایت برتنا ان کے مزاج کے قطعاً خلاف تھا۔ لیکن متوازن طبیعت کے حامل تھے اور مخالف کا نقطۂ نظر بڑے اطمینان و سکون سے سنتے تھے اور بڑے جامع اور ناصحانہ انداز میں کتاب و سنت کا موقف بیان فرماتے۔ گفتگو میں تیزی، جلال یا دشنام طرازی کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ مناظرانہ بات چیت قطعاً پسند نہ تھی۔ مسجد شہید گنج، خاکسار تحریک، قضیہ سر سکندر حیات تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں اپنے مخالف اور مکفر حضرات سے تعاون میں پیش پیش رہتے تھے۔ کئی مرتبہ اس سلسلہ میں مولانا ابوالحسنات مرحوم کی جامع مسجد وزیر خان میں خود تشریف لے گئے۔ یاد رہے کہ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب کہ مولانا ابوالحسنات کا دیوبندی اکابر کے خلاف تشدد اپنی آب و تاب سے نقطۂ عروج پر تھا۔ بعد میں پاکستان بننے کے بعد تو ان کی طبیعت میں اعتدال ہو گیا تھا۔

ہمارے ہاں کوئی مصیبت و آفت کا معاملہ درپیش ہوتا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے دعا کرا لینے کو اس مصیبت اور آفت کے ٹل جانے کا بہت بڑا سبب سمجھا جاتا تھا۔ یہ بھی بندہ کو شرف حاصل ہے کہ میری درخواست پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ میرا میرے عزیزوں اور دوستوں کا نکاح پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے۔ نکاح پر کسی قسم کا ہدیہ قبول نہ فرماتے بلکہ یہ شرط تھی کہ نہ ہدیہ لوں گا اور نہ ہدیہ دینے کی کوشش کی جائے۔ میرے اور میری خانہ زاد بہن کے نکاحوں پر پانی بھی نہیں پیا۔ مجھ سے پہلے ہی یہ وعدہ لے لیا تھا۔ وقت کی پابندی کا خاص خیال رہتا تھا۔ تقریروں اور خطبات میں بھی اپنے وقت پر فوراً تقریر ختم فرما دیتے اور مضمون کا خیال نہیں فرماتے تھے، بس یہ فرما کر اٹھ جاتے کہ وقت ختم ہو گیا۔ جیبی گھڑی اپنے ہاتھ میں یا سامنے رکھ لیتے۔ وقت کی اہمیت وعدہ کا پاس غیبت سے بچاؤ، بہتان تراشی کے قبائح، چغلی کی مذمت غرضیکہ اخلاقی قبائح اور ذمائم سے بچنے اور مکارم اخلاق کو اپنانے پر اپنے درس، تقاریر اور خطبات میں کتاب و سنت کی روشنی میں بڑی وضاحت سے ارشاد فرماتے۔

کیا عرض کروں، بندہ کے اعتقاد میں بندہ نے حضرت امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کا مثل نہیں دیکھا بندہ نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت شیخ وقت مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اس کے بعد حضرت خلیفہ قیوم زمان سیدی مولانا خان

مدظلہم کے دست مبارک پر تجدید کی، اور ان کے فیوضات و برکات سے بہت نوازا گیا، حضرت شیخ الاسلام مدنی، حضرت حکیم الامت تھانوی اور دوسرے اکابر دیوبند رحمہم اللہ سے قلبی اور عقیدت مندانہ لگاؤ ہے لیکن جو لگاؤ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہے بلا جھجک یہ کہتا ہوں، وہ کسی سے نہیں۔ اس سلسلہ میں کوئی مطعون کرے، وہ حق ہے، لیکن میری قلبی کیفیت یہ ہے کہ ان تمام اکابر سے تعلق کی تہ میں تصرف حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ہے۔ مجھے اکابر دیوبند، ان کی کتب، ان کے عقائد، ان کی روحانیت کی طرف توجہ دلانے والے حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مجھ پر یہ ان کا احسان عظیم ہے اور یہی سبب ہے کہ ظاہری بیعت ان کے دست اقدس پر نہ ہو سکنے کے باوجود، ان کی روحانیت میری مربّی ہے اور اکثر خواب میں آپ سے ملاقات کر کے تسلّی و تشفّی کا سامان بہم پہنچتا رہتا ہے۔ ایک روز خواب میں فرمایا یَا اَللہُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اِرْحَمْنَا تمہارے لیے اکسیر ہے۔ اس کو ہزار مرتبہ روزانہ پڑھو در نماسْتَقِمْ، چنانچہ یہ معمول ہے اور پندرہ برس سے ہے۔

ایک مرتبہ سخت مالی پریشانی تھی خواب میں فرمایا اَللہُ لَطِیْفٌ۔ چنانچہ صرف اتنے جملہ کو معمول بنا کہ جب بھی دعا کی اللہ تعالیٰ نے کرم کر دیا۔ ایک مرتبہ قساوت قلبی کی شکایت کی، اس وقت آپ بقید حیات تھے، فرمایا بِسْمِ اللہِ اَسْتَغْفِرُ اللہَ صَلَّی اللہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ کی ضربیں قلب پر روح پر اور وسطِ سینہ میں بالترتیب لگاؤ اور تہجد کے وقت قبیل طلوعِ فجر کرو۔ یہ بھی معمول ہے اور لا تعد و لا تحصیٰ فوائد ہیں۔

غرض کیا عرض کروں، آج سولہ برس ان کے انتقال کو گزر گئے ہیں لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں ان کی آواز اب بھی سن رہا ہوں۔

بندہ آمد از برائے بندگی — زندگی بے بندگی شرمندگی

ایک واقعہ

میں پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے کا طالب علم تھا میری شادی ہو چکی تھی اور میں مولانا احمد علیؒ صاحب سے بیعت کر چکا تھا۔ ایک عورت مجھ سے دوسری شادی کی زبردست تمنا رکھتی تھی اور اس کے بھائی نے مجھے بارہا برملا اس کام کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ میرے ایک ہم جماعت نے اس طرح دوسری شادی کر کے بہت رقم حاصل کر لی تھی وہ آج کل ایک امیر کبیر اور نامور سیاستدان ہے۔ مذکورہ عورت کے نام لاکھوں روپے کی جائیداد تھی اُن لوگوں نے مجھے بڑے بھاری کاروبار کا لالچ دیا اور ایک خطیر رقم کا چیک میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے میری بیوی کو بھی راضی کر لیا۔ میرے دوستوں نے میرے لالچ میں مزید اضافہ کیا کہ تمام عمر کما کما کر مر جاؤ گے پھر بھی اتنا مال نہیں ملے گا۔ شیطان نے اور میرے نفس نے اس قدر لالچ میں مبتلا کیا کہ میرا ایمان ہل گیا لیکن دل کو چین نہیں آیا۔ آخر کار حضرت لاہوریؒ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام قصہ صاف صاف پیشِ خدمت کر دیا۔ حضرت لاہوریؒ صاحب نے مجھے دوسرے دن سویرے سے حاضر ہونے کا حکم دیا۔ میں حسب ارشاد مسجد میں حاضر ہو گیا آپ صبح کے وظائف اور اشراق سے فراغت کے بعد اپنے حجرے میں تشریف لے گئے آپ نے اپنا مخصوص مراقبہ کیا اور اس کے بعد مجھے بلا کر ارشاد فرمایا۔ دو بیٹا شادی عورت سے ہوتی ہے دولت سے نہیں۔ تمہاری موجودہ بیوی بہت اچھی ہے، اس کے بعد مجھے اطمینان حاصل ہو گیا اور میں نے دوسری شادی نہیں کی۔ لیکن مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اگر میں اس وقت اس عورت سے شادی کر لیتا تو بعد میں اس کے لواحقین مجھے زندہ نہ چھوڑتے۔

جس دن حضرت صاحب کا وصال ہوا میں ڈیرہ اسماعیل خان میں تھا۔ میں نے دیکھا بازار میں ایک مجذوب دوڑتا ہوا چیختا جا رہا تھا۔ پاکستان کا ملنگ مر گیا پاکستان کا صدر مر گیا اسی شام ریڈیو پر حضرت کی وفات کی خبر سنائی گئی۔ ہو سکتا ہے آپ اس دور کے پاکستان کے روحانی صدر ہوں؟

(عمر دین صاحب)

مولانا عبدالحمید سواتی، مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

چند تاثرات

حضرت لاہوری رح



یوں تو حضرت مولانا احمد علی رح کا نام مبارک اپنے ابتدائی طالب علمی کے دور میں سنتے رہتے تھے۔ لیکن جب ۱۹۴۱ء کے دور میں دار العلوم دیوبند میں دورہ حدیث کی تکمیل کے لیے داخل ہوئے تو حضرت لاہوری رح کا ترجمہ قرآن کی تحصیل کے لیے طلباء میں بہت زیادہ تھا۔ ہم نے بھی دیوبند سے حضرت کی خدمت میں خط لکھا کہ ہم دونوں بھائی (مولانا سرفراز خانصاحب اور کاتب الحروف عبدالحمید سواتی) جناب والا کی خدمت بابرکت میں دورہ حدیث سے فراغت کے بعد قرآن کریم کی تفسیر پڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضرت رح نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ دونوں وقت پر آجائیں۔ مگر افسوس کہ یہ کام نہ ہو سکا، جب دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اپنے ذاتی حالات اور گوناگوں دیگر پریشانیوں کیوجہ سے حضرت کی خدمت میں دورہ تفسیر کے لیے حاضر نہ ہو سکے۔ لیکن ۱۹۴۲ء سے لے کر ۱۹۶۲ء تک تقریباً بیس سال کے عرصے میں ہر سال کم از کم چھ سات مرتبہ حضرت رح کی خدمت میں حاضری کا موقع ملتا رہا ہے، ماسوا ان چار سالوں کے جن میں احقر پاکستان سے باہر تھا اور ہر دفعہ حضرت کے پیچھے نماز جمعہ ادا کرنے یا درس قرآن کریم سننے یا مجلس ذکر میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ — اور ہر دفعہ روحانی مسرت اور ایمان میں تازگی نصیب ہوتی رہی۔ بارہا یہ خیال آتا تھا حجۃ اللہ البالغہ ہی حضرت رح سے پڑھ لی جائے۔ لیکن اس کا موقعہ بھی نہ مل سکا۔ تقریباً اس بیس سال کے عرصے میں حضرت رح کو جب بھی دیکھا یکساں پایا۔ آپ کا تقوی للہیت زہد و ورع بالکل مثالی چیزیں تھیں۔ آپ کی کون کون سی ادا کا ذکر کیا جائے۔ درس قرآن کریم وعظ و نصیحت، جمعہ کا خطبہ، بیعت و تلقین، مجلس ذکر و ارشاد، سیاست میں فرنگی استبداد کے خلاف ثبات و استقلال، قرآن کریم کی نشر و اشاعت، رسومات باطلہ کی تردید، شرک و بدعت کی بیخ کنی، آپ کی ہمہ گیر شخصیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے اس پہ عبادت کا التزام اور ذکر و ریاضت کی کثرت، جلوت و خلوت میں مثالی کردار کا مظاہرہ

بہ لرگ بھی غضب کے تھے دل پہ یہ اختیار ہ — شب موم کر لیا سحر آہن بنا لیا۔

سبحان اللہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کریمی سے شیرانوالہ گیٹ لاہور میں تقریباً نصف صدی تک اس علم و حکمت کے خزانہ اور خدا پرستی اور تقرب الی اللہ کے وسیلہ کو جاری رکھا۔ معرفت خداوندی میں آپ کے مقامات کتنے بلند تھے۔ اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ہمیشہ فرماتے تھے "او لاہور یو ۱۴ لاکھ کی آبادی میں ۱۴ آدمی بھی اللہ والے نہیں"۔

الغرض کہ اس سلسلۃ الذہب کی کن کون سی خوبیوں اور کمالات کا تذکرہ کیا جائے۔ وقت کی پابندی، حسبۃً للہ کام، اکابر کے ساتھ خصوصی تعلق اور انتہائی درجہ کا ادب، اور چھوٹوں پر غایت درجہ کی شفقت، اور اس کے ساتھ مقام عزیمت میں اعلیٰ درجہ کی صلابت، بے تعصبی، انصاف پسندی، بے مثال تواضع۔ بس : ع : آں بش نہ دہند تا خاک نگردی۔ کا نمونہ تھے۔ اور اس کے علاوہ آپ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔

حق گوئی و بے باکی میں ارض پنجاب میں اپنے دور میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، انگریز کے خلاف جہاد کرنے والے اکابر میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا، جمعیت علماء ہند کے رکن رکین تھے۔

مجلس احرار کے پشت پناہ اور معاون اور آزادی پسند جماعتوں کی ہر طرح معاونت کرنے والے تبلیغ کا جذبہ از حد قوی تھا۔ جفاکشی کی انتہا نہیں تھی۔ کابل کی ہجرت سے لے کر انگریز کے آخری دور تک، بارہا جیل میں حق گوئی اور آزادی کی خاطر بڑے بڑے مصائب خندہ روئی سے برداشت کیے۔ پنجاب کے صوبہ میں لوگوں کی اصلاح کا ایک قومی الجذب پروگرام رکھتے تھے، ہزاروں نہیں لاکھوں تک انسان ان سے متاثر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کا سامان مہیا فرما دیا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ

قرآن کریم کی تعلیم اور اس کی نشر و اشاعت میں اس قدر بے مثال جذبہ رکھتے تھے جس کی مثال اس آخری دور میں ملنی مشکل ہے۔ علماء کرام اور فضلاء کی جماعت کو تین ماہ کے عرصہ میں قرآن کریم کی تعلیمات سے بہرہ ور کر دیتے تھے اور اس کی مختلف سورتوں کے خلاصے اور اعلیٰ مضامین کا استحضار اور مسائل کے ماخذ اور الاعتبار والنادیل کے فن سے روشناس کرا دیتے تھے اور خاص طور پہ قرآنی قوانین اور اصول عہد حاضر کے دور میں پوری طرح سمجھا دینا یہ آپ کا خاص کمال تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے دین کے مختلف اہم مسائل سمجھانے کے لیے بہت سے رسائل لکھ کر ان اہم اصولوں کو بڑی خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ اور مزید برآں غایت درجہ کے محتاط تھے۔ دینی مسائل کے ایسے اہم رسائل کو علماء کرام کی تصدیق و توثیق کے بعد ہی شائع فرماتے تھے۔ آپ کے پاس جب کوئی اہم فتویٰ آتا تو آپ وقت کے محقق اور مستند ترین مفتیان کرام کے پاس بھجوا کر اس کی تصدیق کراتے تھے۔ آپ کے تمام رسائل اور ترجمہ و حواشی قرآن کریم پہ آپ کے دور کے بڑے بڑے علماء حق اور جید ترین علماء کرام کی تقریظات و تصدیقات موجود ہیں۔ وقت کے بڑے پابند و ضابطہ تھے۔ ذرہ بھر بھی اس میں آخری وقت تک خلل نہیں آنے دیا۔ نماز انتہائی سکون و خضوع و خشوع سے ادا کرتے تھے۔ ہم نے انتہائی خضوع و خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے یا حضرت مدنیؒ کو دیکھا ہے یا پھر حضرت لاہوریؒ کو۔ حضرتؒ کے قریب بارہا نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ہر دفعہ یہی خیال آتا تھا کہ نماز تو حضرت ہی پڑھتے ہیں۔ ہماری نمازیں تو لہو و لعب۔ اور پراگندہ خیالات کے پلندے اور اضطراب و بے سکونی کی آئینہ دار ہیں۔ ان حضرات کو دیکھ کر اپنی نماز کے بارہ میں کبھی بھی یقین نہیں آیا کہ ہم بھی نماز پڑھتے ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ ہی مہربانی فرمائے تو وہ رحیم و کریم ہے۔

حضرت لاہوریؒ درس قرآن و افادہ کے بہت شیدائی تھے۔ طلباء و علماء کو وقت کا پابند بناتے تھے۔ اور محنت کرنے کا عادی و خوگر بناتے تھے۔ امتحان بڑی سختی سے لیتے تھے۔ اور اس کی غرض محض علماء میں قابلیت لیاقت و استعداد کے جوہر کو بیدار کرنا ہوتا تھا۔ آپ کے احتیاط، ورع، اور ارتقا کا یہ عالم تھا کہ کبھی بھی مشتبہ اور مشکوک چیز استعمال نہیں فرماتے تھے۔ لاہور شہر سے باہر تبلیغ کے لیے جب جانا ہوتا تھا تو اپنے مصارف پر جاتے تھے اور جب مصارف نہ ہوتے تھے تو جانے سے انکار کر دیتے تھے۔ مدرسہ نصرۃ العلوم اور جامع مسجد نور کی تعمیر کے ابتدائی دور (۱۹۵۲ء) میں ایک دفعہ احقر لاہور حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دہلی دروازہ سے شیرانوالہ گیٹ کی طرف جا رہا تھا کہ راستہ میں مرحوم مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی بھی آ گئے۔ میں نے کہا کہ کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت لاہوری کی خدمت میں جانا ہے۔ میں نے کہا یہ تو بہت اچھا ہوا، میں نے حضرت کو گوجرانوالہ جانے کی دعوت دینی ہے۔ آپ بھی تائید کریں گے۔ تو بہت اچھا ہوگا۔ جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدعا عرض کیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ اس وقت نہیں جاؤں گا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی حضرتؒ نے قاضی صاحب مرحوم جب الگ ہوئے تو مجھ سے فرمایا کہ آپ نے کوئی جماعت بنائی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت دین کی خدمت اور علماء دیوبند کے مسلک کی تائید مطلب ہے۔

(ان دنوں ہم گوجرانوالہ میں ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک ایسی جماعت کے بارہ میں سوچ رہے تھے کہ جس میں جدید تعلیمیافتہ اور قدیم تعلیم یافتہ حضرات دونوں برابر تعداد میں شریک ہوں۔)

بہرحال اس وقت حضرتؒ نے گوجرانوالہ آنے سے انکار کیا لیکن کچھ عرصہ بعد حضرتؒ گوجرانوالہ تشریف لائے اور خود بخود مدرسہ نصرۃ العلوم اور جامع مسجد نور تشریف لائے۔ ظہر کی نماز کے بعد درس دیا۔ اس وقت حضرتؒ نے سلوک و تصوف اور اصلاح نفس پر وعظ فرمایا اور اپنی ہستی کو مٹانے کے لیے یہ مصرعہ بار بار دہرا رہے تھے ؎ ساقی مجھے خاک بے جان کر دے۔

پھر جامع مسجد نور کے محراب والے حصہ میں بڑی دیر تک دعا فرماتے رہے۔ انہیں دنوں کی بات ہے۔ جبکہ حضرتؒ بقیہ حیات تھے ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت لاہوریؒ جامع مسجد نور تشریف لائے ہیں اور مسجد کے شمالی حصہ میں مدرسہ کے باورچی خانہ کے مقام پر ابھی تک

باورچی خانہ کی عمارت بنی نہ تھی) نیچے ریت بچھی ہوئی ہے۔ آپ کے ہاتھ میں عصا مبارک ہے اور کھدر کا لباس زیب تن ہے۔ میں نے لکڑی کے بنے ہوئے کھڑاؤں آپ کے پاؤں مبارک کے نیچے رکھ دیئے۔ آپ نے انہیں پہن لیا اور باورچی خانہ کے حصہ میں پہنچ کر پھر واپس تشریف لے گئے۔ ایک دفعہ جمعرات کے دن گوجرانوالہ سے، بمع چند احباب کے حضرت کی ملاقات، و زیارت اور مجلس ذکر میں شرکت کے لیے حاضر ہوئے۔ مغرب کی نماز کے بعد حسب دستور مجلس ذکر ہوئی۔ پھر حضرت نے اپنے دستور کے مطابق وعظ و نصیحت فرمائی اور عشاء کی نماز ادا کی۔ حضرت سے ملاقات کی درخواست کی فرمایا جس نے ملاقات کرنی ہے۔ وہ ٹھہر جائے۔ کچھ دیر انتظار کرتے رہے۔ جب حضرت کے باہر آنے کا وقت قریب ہوا تو بے ساختہ خود بخود میرا قلب جاری ہو گیا۔ اللہ اللہ کا ذکر کافی دیر تک ہوتا رہا۔ میں نے یقین کر لیا کہ یہ حضرت کی کرامت ہے۔ حضرت تشریف لائے تو فرمانے لگے گوجرانوالہ سے کون آیا ہے۔ میں نے عرض کی حضرت ایک یہ حقیر عبدالحمید ہے اور کچھ اور ساتھی بھی ہیں۔ فرمایا کھانا کھایا ہے۔ عرض کیا نہیں۔ خادم کو بلا کر فرمایا ان کو کھانا کھلا دو اور کچھ گفتگو کرنے کے بعد تاکید فرمائی کہ رات کو یہاں ہی رہنا، جانا نہیں، صبح جانا۔ چنانچہ حضرت کے ارشاد کے مطابق رات کو چھوٹی مسجد کے اوپر والے حصہ میں رہے اور صبح گوجرانوالہ واپسی ہوئی صدر ایوب خان کے زمانہ میں جب پہلی دفعہ عائلی قوانین کا اجراء کیا گیا تو ملک بھر کے علماء نے بالعموم اور علماء دیوبند (علماء حق) نے بالخصوص شدید احتجاج کیا۔ اسی دوران احقر عبدالحمید سواتی اور مولانا عبدالقیوم صاحب (مدرسہ نصرۃ العلوم کے مدرس) ایک دفعہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ملاقات کا وقت لیا۔ حضرت نے کمال مہربانی سے کافی وقت عطا فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت یہ عائلی قوانین تو صریحاً کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں اور صحابہ کرام رض کے اجماع کے بھی خلاف ہیں اور یہ تو صریح کفر ہے اور یہ بزور نافذ کئے جا رہے ہیں۔ ہم اس کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ جو بھی نتیجہ ہو۔ حضرت نے فرمایا نہیں ہرگز ایسا نہ کرنا جہاں تک فرض کی ادائیگی کا تعلق ہے۔ وہ ہم نے ادا کر دیا ہے اور اگر ایسی حالت میں بغاوت کا اعلان کیا گیا تو لوگ بیرون ممالک میں بھی بدنام کریں گے کہ دیکھو یہ مولوی لوگ کلمہ گو حکمرانوں کے خلاف بھی بغاوت کر رہے ہیں تو بجائے فائدہ کے الٹا نقصان زیادہ ہوگا اور پھر فرمایا کہ اگر انگریز ہوتا تو ہم بھی بغاوت کا اعلان کرتے۔ لیکن ان حکام کے کلمہ گو ہونے کی وجہ سے ایسا کرنے میں زیادہ نقصان کا خطرہ ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ عائلی قوانین کے خلاف حضرت لاہوری نے دہلی دروازہ کے باہر جلسہ عام میں صاف صاف فرمایا کہ ہم ایسے قوانین کو جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں۔ جوتی کی ٹھوکر سے ٹھکرائیں گے اور ان کو مٹائیں گے۔ اور اسی جلسہ میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی (اذا الناس ناس والزمان زمان) نے بھی کہا تھا کہ ان باطل قوانین کو مٹانے کے لیے اگر گولی بھی کھانی پڑے تو ہم اپنے سینے آگے کریں گے۔ چنانچہ اسی وجہ سے چھ چھ ماہ تک یہ حضرات لاہور میں نظر بند رہے۔

مسٹر بھٹو کے دور اقتدار میں جب محکمہ اوقاف کے عاقبت نااندیش حضرات نے مسجد نور کو اوقاف کی تحویل میں لینے کا نوٹیفکیشن کر دیا تو گوجرانوالہ کیا تمام ملک کے دیندار طبقہ کے لوگوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طبقہ کے لوگوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ کالجز اور مدارس اسلامیہ کے طلباء نے اس کے خلاف ایجی ٹیشن شروع کر دیا۔ نوجوانوں اور طلباء نے اس سلسلہ میں قید و بند کے علاوہ مار پیٹ اور ظلم و تشدد اور ہر طرح سے اذیتیں اور تکالیف برداشت کیں۔ اس میں لیئم الطبع وزیر اوقاف کا بھی بہت کچھ حصہ تھا اور محض انتقامی کارروائی تھی۔ خیر انہیں دنوں کا واقعہ ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت لاہوری مدرسہ نصرۃ العلوم تشریف لائے ہیں اور مسجد نور کے شمال طرف کی دیوار کے ساتھ قبلہ رخ کھڑے ہیں۔ اپنے روایتی کھدر کے لباس میں سر مبارک پر کھدر کا عمامہ رکھا ہے۔ چہرہ مبارک سرخ ہے ا جیسا کہ غصہ کی حالت ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی ہوئی ہے اور جوش میں فرما رہے ہیں "میں تو صرف اسی ایک کے سامنے درخواست کروں گا۔ میں تو خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی عرض نہیں کرتا"۔ میرے دل میں اسی وقت یہ خیال آیا کہ شاید حضرت کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمت للعالمین ہیں۔ وہ تو اعداء کے ساتھ بھی مہربانی فرماتے ہیں۔ میں اس بات کا انصاف صرف، بارگاہ خداوندی سے چاہتا ہوں۔ واللہ اعلم۔

اسی خواب میں میں نے یہ بھی دیکھا مسجد نور کے اندر سے ایک سیاہ رنگ کا چھوٹا سا کتا نکلا اور بھاگتے ہوئے مدرسہ کے شمالی دروازہ سے نکل گیا۔ میں نے خیال کیا۔ پیپلز گورنمنٹ کا شر ان شاء اللہ دفع ہو گیا ہے۔ مسجد نور کی تحریک بھی ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی کہ خدا تعالیٰ نے بڑی تحریک شروع کرا دی۔ جس میں بے شمار لوگ مصائب کا شکار ہوئے اور سینکڑوں کی تعداد نے جام شہادت نوش کیا۔ لیکن مستبد حکومت اور ارباب اقتدار کو خدا تعالیٰ نے اتنی جلدی ذلت سے ہمکنار کیا۔ جس کی مثال شاید تاریخ میں نہ ملے۔ اتنی جلدی استبداد کی اونچی دیوار سے خداوند قہار نے گرا کر ذلت کے گڑھے میں اتار دیا۔ مستقبل کے حالات تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا کچھ پیش آنے والا ہے۔ مگر یہ کرامت تو حضرت کی ہم نے دیکھ لی۔ واللہ اعلم۔



فیضانِ نظر



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

راولپنڈی،

محترم المقام جناب حضرت مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی صاحب مدظلہٗ العالی از احقر الانام یونس عفی عنہٗ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔
بخیریت وخیریت مطلوب۔ ایک عرصہ سے آپ اس گنہگار کو مجبور کرتے رہے کہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق خدام الدین کے شیخ التفسیر نمبر کیلئے کچھ نہ کچھ تحریر کروں مگر ہر مرتبہ احقر نے معذرت ہی چاہی جس کی کئی وجوہات تھیں۔ ان میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جب ان کے مقامِ ولایت کو ہم پا ہی نہیں سکے تو تحریر کیا کریں۔ اس لئے بے ادبی سے ڈرتا ہوں۔ دوسری وجہ یہ کہ مجھے تحریر و تقریر نیز اردو زبان پر عبور نہیں جو میرا مضمون پڑھے گا، سوچے گا ایسے نالائق کو اس بابرکت نمبر میں مضمون لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ تیسری اور سب سے بڑی وجہ یہ کہ مجھے اپنے نفس پر کنٹرول نہیں جب میرے نام سے مضمون شائع ہوگا تو نفس بڑا خوش ہوگا کہ دیکھ تیرا نام تو رسالے میں چھپا ہے اور بڑی مشہوری ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ تقریر و تبلیغ اور تحریر کرنا تو آسان ہے مگر اس کے بعد اپنے آپ کو سنبھالنا بڑا مشکل ہے۔ شیطان اور نفس دو چھپے دشمن ان سب نیکیوں پر پانی پھیر دیتے ہیں حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ”قاری قرآن پڑھتا ہے اور شیطان آگ لگائے چلا جاتا ہے“ کہتا ہے کہ دیکھ لوگ کتنی داد دے رہے ہیں“۔ البتہ حضرتؒ کو اپنے نفس پر بفضلِ خدا خوب کنٹرول تھا خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھے چالیس سال ہوگئے ہیں ہمیں یہاں درسِ قرآن ہی دیتا ہوں مگر شیطان اب تک مجھ پر حملہ آور ہوتا ہے۔ مجلسِ ذکر میں بھی آتا ہے، درسِ قرآن میں بھی آتا ہے اور خطبہ جمعہ میں بھی آتا ہے۔ مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے ”لا“ کی تلوار عطا فرما رکھی ہے ایک ہی ضرب لگاتا ہوں اور سر قلم کر کے رکھ دیتا ہوں“۔

۲۔ حضرت لاہوریؒ تو بفضلِ خدا بینا تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ ”لاہور کی آبادی چودہ لاکھ کی ہے۔ مگر ایک لاکھ میں ایک بھی بینا نہیں۔ اگر ایک لاکھ میں ایک بینا بھی ہوتا تو چودہ تو ہوتے۔ اگر لاہور میں چودہ بینا ہوتے تو لاہور جگمگا اٹھتا نہ یہاں شرک رہتا نہ کفر، مگر یہ اندھوں کا جہان ہے تم کہتے ہو بینا سارے اندھا کوئی کوئی اور میں کہتا ہوں کہ اندھے سارے بینا کوئی کوئی۔ بینا وہ ہے جو حلال حرام کی تمیز کر سکے۔ بعض چیزیں صورتاً حلال ہوتی ہیں مگر سیرتاً حرام ہوتی ہیں، اس کے لئے بصیرت کی ضرورت ہے۔ علمائے کرام کو بھی یہ تمیز نہیں ہوتی وہ حلال حرام سب کھا جاتے ہیں۔ بکری کا گوشت حلال ہے، لیکن اگر چوری کی ہو تو صورتاً تو حلال ہے مگر سیرتاً حرام ہے۔ اگرچہ عوام الناس اس کے مقلد نہیں۔ مگر حرام خواہ جان بوجھ کر کھایا جائے یا بھول کر، اپنا اثر دکھائے گا۔ سنکھیا خواہ جان بوجھ کر کھایا جائے یا بھولے سے کھایا جائے، اپنا اثر تو

دکھائے گا۔ البتہ پہلی صورت میں انسان خودکشی کا مجرم ہوگا اور دوسری میں مجرم نہیں تو موت تو آکر رہے گی۔ اسی طرح حرام خواہ جان بوجھ کر کھایا یا بھولے سے کھایا یا بغیر علم کے کھایا جائے اپنا اثر ضرور دکھائے گا۔ عبادت کی اوّل تو توفیق نہیں ملے گی، اگر مل گئی تو قبول نہیں ہوگی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں، یَا رَبّ، یَا رَبّ کہتے ہیں۔ مگر ان کی دُعا قبول ہو تو کیسے ہو۔ انہوں نے جو کھایا وہ بھی حرام، جو پیا وہ بھی حرام، جو پہنا وہ بھی حرام۔ حرام سے اللہ تعالیٰ کو بُو آتی ہے۔ جیسے ہم بھی ایسی چیز قبول نہیں کرتے مثلاً آپ کسی کے ہاں مہمان ٹھہرے، آپ کے سامنے کتے نے ایک پیالے میں مُنہ ڈالا، بعد میں گھر والوں نے اسی پیالے میں خالص دودھ میٹھا ڈال کر آپ کو پیش کیا۔ گھر والوں کو معلوم نہیں تھا کہ اس پیالے میں کُتے نے منہ ڈالا ہے۔ آپ اس پیالے کا دودھ نہیں پئیں گے۔ حالانکہ دودھ میٹھا ہے، ذائقہ دار ہے، بالائی بھی ڈالی ہوئی ہے پھر خالص بھی ہے۔ اس لئے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ظرف پلید ہے اگرچہ مظروف پاک ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا نام پاک ہے۔ دُعا کے کلمات پاک ہیں، قرآن کی آیات پاک ہیں، مگر جس زبان سے اور جس منہ سے یہ پاک الفاظ نکل رہے ہیں وہ منہ یا ظرف پلید ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ وہ دُعا قبول نہیں فرماتے۔ البتہ پیالہ دھویا جائے، پاک کیا جائے پھر آپ اس میں پانی بھی پی لیں گے۔ اسی طرح اگر انسان حرام کھانے سے، حرام پینے سے، حرام پہننے سے توبہ کرکے اپنے ظرف (منہ) کو پاک کرلے پھر دعا مانگے، انشاء اللہ قبول ہوگی۔

بہرحال آپ نے حالیہ ملاقات میں جو ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن آپ حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں میری شکایت کریں گے کہ میں نے خدام الدین کے نمبر کی اشاعت کے سلسلہ میں تعاون نہیں کیا۔ اس بات سے میں ڈر گیا۔ مجھے تو اس بات کا خطرہ بھی ہے کہ قیامت کے دن اس بات پر بھی گرفت نہ ہو کہ جو سبق حضرتؒ نے ہمیں پڑھایا، اصلاح حال کے سلسلہ میں جو ہماری رہنمائی فرمائی، ہم نے ان کے بعد اس کو عملی جامہ نہیں پہنایا۔ اس لئے میری اکثر یہی دُعا رہتی ہے کہ اے اللہ جیسی حضرتؒ کی زندگی تھی ویسی میری زندگی بنادے۔ جیسی ان کی اولاد ہے ویسی ہی نیک ہماری اولاد کو بنادے، جیسے ان کی زندگی کے معمولات تھے ہمیں بھی ویسے ہی معمولات اپنانے کی توفیق عطا فرمادے، جس طرح وہ دنیا سے کامیاب تشریف لے گئے ہمیں بھی اسی طرح ایمان کامل کے ساتھ اور کامیابی کے ساتھ اس دنیا سے اٹھالے۔ آمین

۳۔ اس گنہگار کی بیعت کے تقریباً نو یا دس سال بعد حضرتؒ ہمیں چھوڑ کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ میں نے اپنی زندگی میں انہیں کتاب وسنت کے خلاف کوئی کام کرتے نہیں دیکھا۔ بلکہ تمام صفات نبوت حضرتؒ میں پائی جاتی تھیں۔ وہ معلّم بھی تھے، مقرّر بھی تھے، مجاہد بھی تھے، متوکّل بھی تھے، مزکّی بھی تھے، بہادر بھی تھے، اُمت کے رسوم ورواج پر تنقیدی نگاہیں ڈال کر اصلاح کی طرف جب دعوت دیتے تو امیر وغریب، بادشاہ وفقیر، وزیروں وغیرہ کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ حتّیٰ کہ علماءِ سُوء اور پیرانِ سُوء کو بھی ان کی غلطیوں کی طرف توجہ دلاتے۔ جو شخص ایک مرتبہ حضرتؒ کی زیارت کرلیتا اسی وقت ان کی ولایت کا اقرار کرلیتا۔ ایک بریلوی مسلک کا شخص میرے سامنے یہ قصہ بیان کررہا تھا کہ میں نے بڑے بڑے اولیائے کرام کی زیارت کی ہے۔ مجھے یہ شوق ہے، مگر جب میں شیرانوالہ دروازہ لاہور گیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ جو کچھ دوسرے اولیائے کرام کی صحبت میں ملتا ہے حضرت لاہوریؒ کی جوتیوں میں بیٹھنے سے اس سے کہیں زیادہ ملتا ہے۔ نیز جب کبھی جماعت کے احباب مل بیٹھ کر حضرتؒ کی صحبت میں آنے سے پہلے اپنی زندگی کے حالات بیان کرتے تو کوئی کہتا کہ میں ڈاکو تھا لوگوں کو لوٹا کرتا تھا، کوئی کہتا میں شرابی تھا اور دین سے کوسوں دُور تھا۔ کوئی کہتا کہ میں سینما کے بورڈ لکھا کرتا تھا اور لوگوں کو بھی سینما دکھلانے کے لئے سینما کے مینیجروں سے پاس دلوایا کرتا تھا۔ کوئی کہتا کہ میں قبروں پر سجدے کیا کرتا تھا، جھنڈے لگایا کرتا تھا اور حاجات مانگا کرتا تھا۔ کسی نے کہا کہ میں بیعت سے پہلے یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ پڑھا کرتا تھا اور فریاد کن فریاد کن، در دین و دنیا شاد کن، ہر بندے غم آزاد کن یا شیخ عبدالقادرا کا ورد کیا کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ بس میں پکا مسلمان ہوں۔ کسی نے گیارھویں شریف کے پکانے اور قوالیاں کرانے کو ہی اصلی دین سمجھا ہوا تھا۔ غرضیکہ اکثر احباب اپنے حالات اس طرح بیان کرتے پھر یہ بھی بتلاتے کہ ان کی کایا اللہ تعالیٰ نے کس طرح پلٹی۔ کسی نے کہا کہ میں نے بتیس ۳۲ رسالوں کا سیٹ پڑھا تو دین حق کی پہچان ہوئی۔ کسی نے بتلایا کہ اصلی حنفیت میری ہدایت کا سبب بنی۔ کوئی کہتا کہ رسالہ خدام الدین پڑھ کر روحانی سکون اور اسلام کے احکامات کا پتہ چلا۔ کچھ احباب کہتے کہ حضرت لاہوریؒ ہمارے شہر میں، ہمارے قصبہ میں، ہمارے گاؤں میں تشریف لائے تو انہوں نے وہاں تقریر فرمائی۔ تقریریں تو جلسہ میں اور علمائے کرام نے بھی کیں مگر حضرت لاہوریؒ کی سیدھی سادھی اور اصلاح حال

کی باتیں میرے دل میں ایسی اتریں کہ میری زندگی میں روحانی انقلاب پیدا کر دیا کسی نے کہا کہ بیعت کے بعد میں نے مدرسہ جاری کیا، کسی نے مسجد بنائی کسی نے دین کا علم سیکھنا شروع کیا۔ اکثر لوگوں نے داڑھیاں رکھ لیں غرضیکہ ایک روحانی انقلاب ہر اس شخص میں پیدا ہو جاتا جو حضرت لاہوریؒ کی صحبت میں چند ساعتیں عقیدت، ادب و اطاعت کے ساتھ بیٹھ جاتا، اس کے علاوہ اُسے قرآن سے اور تبلیغ سے عشق ہو جاتا حضرتؒ نے قرآن بھی سکھایا اور اللہ تعالیٰ کا نام بھی سکھایا حضرتؒ کے صاحبزادہ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ نے اپنا ایک خواب مکہ معظمہ سے تحریر فرمایا جسے حضرتؒ نے درسِ قرآن میں بیان فرمایا۔ انہوں نے لکھا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں طرف دُور دُور تک خیمے لگے ہوئے ہیں جہاں تک نگاہ جاتی ہے ان خیموں میں انسان ہی انسان نظر آتے ہیں۔ پھر اچانک سرکارِ دو عالم، رحمتِ دو عالم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپؐ نے مجھ سے پوچھا، حبیب اللہ تمہیں معلوم ہے کہ ان خیموں میں کون لوگ ہیں تو حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ نے عرض کی کہ مجھے نہیں معلوم یہ کون لوگ ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ دائیں جانب کے خیموں میں رہنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کے والد صاحب سے قرآن سیکھا اور بائیں جانب کے خیموں میں رہنے والے وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے آپ کے والد صاحب سے اللہ تعالیٰ کا نام سیکھا"۔

یہ خواب سُن کر ہماری جماعت کے شخص نے کہا کہ "پھر میں تو انشاء اللہ دونوں طرف کے خیموں میں ہوں گا کیونکہ میں نے تو حضرتؒ سے قرآن بھی سیکھا اور اللہ تعالیٰ کا نام بھی سیکھا"۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا نام سیکھنے والا بھی کوئی ہوتا ہے اور سکھانے والا بھی کوئی ہوتا ہے اللہ والوں کے پاس لوگ اپنی دنیاوی اغراض و مقاصد لے کر آتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے میری لڑکی بی اے میں پڑھتی ہے، دُعا کریں کامیاب ہو جائے کوئی رشتہ کی فکر میں اور کوئی قرض اور مقدمہ کی فکر لے کر اللہ والوں کے پاس آتے ہیں۔ خالصتاً اللہ کا نام سیکھنے والے بہت کم ہوتے ہیں ایسے ہی سکھانے والوں کا حال ہے۔ اُن میں اکثریت گمراہ پیروں کی ہے۔ کرنل لارنس مدت تک لاہوریوں کا پیر بنا رہا اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔ اگر کامل کی صحبت میں عقیدت، ادب، اطاعت کے ساتھ مدت مدیدہ تک رہنے کی توفیق مل جائے تو قرآن کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ رنگ ہے قرآن، رنگ فروش ہیں علماء کرام اور رنگ ساز ہیں صوفیائے عظام۔ قرآن کا رنگ نہ چڑھے تو انسان صحیح معنوں میں انسان ہی نہیں بن سکتا۔ دنیا میں سب سے مشکل کام انسان کو صحیح معنوں میں انسان بنانا ہے۔ انسان بناتا ہے فقط قرآن جس کا عملی نمونہ ہیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام۔ حضرتؒ نے سب سے زیادہ توجہ اصلاحِ حال کی طرف دلائی۔ فرمایا کرتے تھے، اصلاحِ قال سے اصلاحِ حال زیادہ ضروری ہے۔ اگر اصلاحِ قال تو ہوگئی مگر اصلاحِ حال نہ ہوئی تو قبر جہنم کا گڑھا بنے گی۔ اگر اصلاحِ قال نہ بھی ہوئی مگر اہل اللہ کی صحبت میں اصلاحِ حال ہوگئی تو انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔ اصلاحِ قال کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے علوم پر عبور حاصل ہو جائے۔ قرآن و حدیث سے واقفیت ہو جائے مگر اصلاحِ حال کا مطلب یہ ہے کہ امراضِ روحانی سے انسان کو مرنے سے پہلے پہلے نجات یا شفا ہو جائے۔ امراضِ روحانی، امراضِ جسمانی کی طرح بیشمار ہیں۔ جیسے شرک، کُفر، فسق، تکبر، حسد، ریا، طمع، حرص، بُغض، کینہ، نفاق، نفاقِ اعتقادی، چغلی، بخیلی اور ناشکری وغیرہ۔ جس طرح امراضِ جسمانی انسانی جسمانی صحت کو کمزور یا برباد کر دیتی ہیں اور بعض تو موت کا پیغام لاتی ہیں، ایسے ہی امراضِ روحانی انسان کے اعمالِ حسنہ کو کھا جاتی ہیں یا ثواب میں کمی کا باعث بنتی ہیں۔ اور بعض تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخلے کا ذریعہ بن جاتی ہیں جیسے شرک و کفر وغیرہ۔ فرق یہ ہے کہ امراضِ جسمانی کا احساس ہر شخص کو حتیٰ کہ جانوروں کو بھی ہوتا ہے۔ بچے کو، بوڑھے کو، جوانوں کو، مردوں کو، عورت کو، سب کو جسمانی مرض کا احساس ہو تو وہ علاج معالجہ کی فکر کرتا ہے۔ ڈاکٹر قابل ہو، دوا صحیح مل جائے اور اللہ کا فضل شاملِ حال ہو تو کچھ دوا کے استعمال سے شفا ہو جائے گی مگر بدپرہیزی سے نقصان کا اندیشہ بھی ہوگا۔ اسی طرح شیخ کامل ہو اور مُرید کا عقیدت، ادب اور اطاعت سے شیخ کامل کے ساتھ تعلق جُڑ جائے تو فیض بجلی کے کرنٹ کی طرح آتا ہے اور مُرید کی اصلاح ہوتی چلی جاتی ہے حضرتؒ نے خود بھی زندگی بھر مسلک نبوت پر کام کیا یعنی دین کی خدمت پر کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ خدام الدین رسالہ کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اسے میں نے لوگوں کی اصلاح کے لئے جاری کروایا ہوا ہے۔ اس کی آمدنی سے ایک پیسہ بھی میری ذات اور میری اولاد پر حرام ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کا ترجمہ بھی اپنے حضرت سندھیؒ کی روح کو ایصالِ ثواب کے لئے چھپوایا ہے۔ رسالہ اور قرآن کا ترجمہ بڑی آسان اردو میں کیا ہے، تاکہ تھوڑی سی تعلیم یافتہ مرد و عورتیں بھی سمجھ سکیں۔ اس میں ہمیں اپنے علم اور اردو زبان کا کمال بیان کرنا مقصود نہیں مسلمانوں کی اصلاح مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو ایک سے ایک بڑھ کر نعمتوں سے نوازا تھا قرآن کی خدمت کے ساتھ ساتھ قرآن کا رنگ چڑھانے کا کمال، حلال وحرام کی تمیز، کشف القلوب، کشف القبور میں پر تو بیحد کمال حاصل تھا۔ یہ فرمایا کرتے تھے، عورتیں اس اصلاح کے میدان میں مردوں سے آگے نکل جاتی ہیں جتنی عورتوں نے مجھ سے "اللہ" کا نام پوچھا یا سیکھا اور دنیا سے رخصت ہو گئیں، سب کی قبریں جنت کا باغ بنی ہوئی ہیں عورتوں کو ہمیشہ پردے میں بیعت فرماتے۔ بیعت کے الفاظ بڑے ہی سادہ مگر سارے دین کے حامل ہوتے۔ بیعت کرتے وقت حضرتؒ پوچھا کرتے تھے کہ پہلے کسی سے بیعت کی ہے۔ اگر کوئی کہتا کہ حضرت مدنیؒ سے کی ہے تو حضرتؒ فرماتے بس بیعت وہی رہے گی البتہ تربیت ہم کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب مدظلہٗ العالی، جامعہ مدنیہ، دار الارشاد کیمبل پور کی بیعت حضرت مدنیؒ سے ہے لیکن خلافت حضرت لاہوریؒ کی طرف سے عطا ہوئی بیعت کے وقت حضرتؒ مندرجہ ذیل الفاظ کہلوایا کرتے تھے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" توبہ کی میں نے شرک سے، توبہ کی میں نے کفر سے، توبہ کی میں نے اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی سے۔ اے اللہ! میں تیرے دروازے پر آیا ہوں تو مجھے اپنا نام نصیب فرما، اپنا شوق نصیب فرما۔ اللہ تعالیٰ کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو حکم آپ بتلائیں گے اسے دل سے مانوں گا اور اس پر عمل کروں گا اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں"۔ اس کے بعد ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت فرماتے اور تین نصیحتیں فرماتے، نماز اگر پہلے نہیں پڑھی سستی کرتے رہے تو اب باقاعدہ پڑھا کریں۔ دوسرے اللہ ھو کے نام سے دس تسبیحات روزانہ اس طرح پڑھنی کہ دل پر چوٹ لگے۔ اللہ دل کے اندر اور ھو باہر۔ اور تیسرے کسی کا دل نہیں دکھانا۔ نیز سُبحَانَ اللہِ وَبِحَمدِہٖ سُبحَانَ اللہِ العَظِیمِ کی ایک تسبیح، دو استغفار اور تین تسبیحات درود شریف کی روزانہ کرنی ہیں۔

حضرتؒ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی اولاد کی بہترین تربیت فرمائی۔ تینوں صاحبزادے ماشاء اللہ عالم باعمل کے علاوہ کامل بھی بنائے اور ایسے صاحب کمال وجمال، حسن اخلاق کے پروانے، شفیق وخلیق اور ہر میدان میں ثابت قدم رہنے والے، حضرتؒ کے نقش قدم پر چلنے والے جانشین جماعت کو سنبھالنے کے لئے پیچھے چھوڑ کر ہمیں ان کے حوالے کر کے دنیا سے تشریف لے گئے۔ حضرتؒ کے وصال پُرملال کے بعد جماعت اِدھر اُدھر پھرنے یا تتر بتر ہونے یا کسی گمراہ پیر کے ہاتھ چڑھنے سے بچی رہی۔ ورنہ حضرتؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کے رخصت ہو جانے کے بعد شیطان ان کی اولاد سے بدلہ لیتا ہے۔ جہاں اسے جوتے پڑتے تھے وہاں ہی وہ شرک وکفر وبدعات کے اڈے بنا لیتا ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ان کے بعد ہمارا مرکز محفوظ رہا۔ حضرتؒ کا فیض جاری رہا، جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔ اصلاح قال وحال کے انہیں مرکز سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے عرب وعجم کے مسلمانوں نے روحانی فیض حاصل کیا اور کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے اس گنہگار کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میری اولاد در اولاد کو اسی مرکز سے تا زندگی وابستہ رکھے اور اپنی اصلاح حال کرانے کی توفیق عطا فرمائے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں حضرتؒ کے متعلق ان کی شان وحیثیت کے مطابق تحریر نہیں کر سکا۔ عمر بھر بھی لکھتا رہوں، تب بھی ان کے کمالات ظاہری وباطنی کا بیان نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے اپنی نالائقی کی معافی کی دعا کرتا ہوں کہ اس کی مقبول ترین ہستی کی سیرت وصورت بیان کرنے سے قاصر رہا۔ نیز تمام احباب سے بھی درخواست ہے کہ احقر کے لئے دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ مجھے حضرتؒ کے رنگ میں رنگ جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہی میری آخری تمنا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ سبق جو حضرتؒ پڑھا گئے یا جو ان کے جانشین حضرت اقدس مدظلہ العالی پڑھا رہے ہیں یاد کرنے اور پکانے کی توفیق عطا فرمائے نیز حضرات اقدس دامت برکاتہم کو عمر طویل عطا فرمائے تاکہ عوام الناس ان سے روحانی فیوض حاصل کر کے اپنی عاقبت وآخرت کو سنوار سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان کامل پر فرمائے اور زندگی بھر کسی کا محتاج نہ بنائے۔ آمین

والسلام

احقر الانام، یونس عفی عنہٗ

۴۹۰، چونگی نمبر ۲۲۔ راولپنڈی

۵ نومبر ۱۹۷۶ء



مفسرِ قرآن کی سیرت کا عملی پہلو

غازی خدا بخش مرحوم

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا عملی پہلو سب سے نمایاں پہلو ہے، تاریخ کی ورق گردانی کریں تو متعدد رہنما ایسے نظر آئیں گے جنہوں نے شاندار نظریئے پیش کئے، زرّیں اقوال کے بیش بہا موتی نچھاور کئے۔ لیکن ان کی اپنی زندگی یکسر کردار سے خالی رہی ـــــ حضرت نے تمام عمر کا سرمایہ تعلیم و تدریس قرآن عزیز میں صرف کر دیا اور قرآنی احکام پر ہی عمل پیرا رہے۔ قرآن عزیز سکھاتا ہے اُمِرْتُ اَنْ اَسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (المومن ع) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العلمین کے سامنے سر جھکاؤں، چنانچہ حضرتؒ نے اپنا سر اتباع رسول صلعم میں فرمانِ خداوندی کے مطابق جابر سے جابر، ظالم سے ظالم حاکم کا خلاف شرع حکم نہ مانا اور ہمیشہ اللہ جل شانہٗ کے حکم کے آگے سر جھکایا،

آپ کے ورودِ لاہور پر ہی غور کریں کہ دہلی سے گرفتار کر کے آپ کو لایا گیا۔ پاؤں بیڑی سے فگار ہیں تو ہاتھ ہتھکڑی سے زخم دار ہیں لیکن کافر حاکم کی اطاعت کے انکار کا سودا سر میں سمایا ہوا ہے اور یہ حالت وقتی نہیں بلکہ تاحینِ حیات مخالف اسلام، انگریز کی دشمنی کا ثبوت دیتے رہے۔ قید و بند کے مصائب و آلام جھیلتے رہے لیکن کتمانِ حق کو کبھی اپنا شیوا نہ بنایا، اسلام کے نام لیواؤں نے جو ذاتی ایذائیں پہنچائیں اور مخالفتیں کیں تو کوئی انتقام نہیں لیکن اسلام دشمنوں کے مقابلے میں کبھی مہر سکوت بدہن نہیں۔ بعض اوقات اپنوں اور بیگانوں کی تکلیف سے ہم پکار اُٹھے کہ حضرتؒ! ہمیں بھی جواب کی اجازت دیجئے۔ حضرت نے فوراً روک دیا اور صبر کی تلقین کی چنانچہ تعمیل حکم میں ہم خاموش ہو گئے۔

حضرت خود اسیرِ فرنگ ہو جاتے اور اعلان حق سے کبھی باز نہ آتے، حق کہتے اور بآوازِ بلند کہتے، کبھی ڈھکی چھپی نہ رکھتے، کہتے اور اعلانیہ کہتے، ایسے ہوتے ہیں قول کے مطابق فعل، اسے کہتے ہیں قال کے ساتھ حال، تعلیم القرآن کے ذریعہ انگریز کی غلامی کا جوا اتارنے میں اپنے مربی حضرت سندھیؒ کو سرگرداں دیکھا تو پھر کہا۔

از غلامے لذت ایماں مجو ⁘ گرچہ باشد حافظ قرآں مجو

یہ تھا صبغۃ اللہ، یہ تھا اللہ کا رنگ جو حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ پر چڑھا ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنا رنگ ایسا چڑھایا تھا کہ انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے مقصد میں اپنی زندگی میں کامیاب ہو کر گئے اور گئے تو ایسے تزکیہ کے ساتھ گئے کہ اب بھی اللہ کے بندوں کو ان کی قبر کی مٹی سے اسلام دوستی کی خوشبو آ رہی ہے چنانچہ بعض عقیدت مندوں نے تو قبر سے مٹی لے جانا شروع کر دی۔ میرے دوستو! حضرتؒ کی قبر سے مٹی نہ لے جائیں بلکہ حضرتؒ نے قرآنی تعلیم جو عمر بھر دی، اسے دل میں جگہ دیں اور کردار کے غازی بنو، محض گفتار کے غازی نہ رہیں، انگریزی تہذیب کے غلام نہ بنو، بلکہ اسلام دشمنی کے مقابلے میں اپنی صحیح اسلام دوستی کا ثبوت دیں۔ آپ ہی تو "خیرِ امت" ہیں۔

اُٹھیں ہمت سے کام لیں۔ نمونہ آپ کے سامنے ہے۔ قولہٗ تعالیٰ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ تمہارے لئے سید المرسلین آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بہتر نمونہ ہے۔ بنظرِ غائر دیکھیں تو شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ آنحضرت صلعم کی بعثت کا مقصد کیا بتاتے ہیں: ھو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله : ترجمہ:۔ وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا۔ تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

بھائیو! کتنا بلند مقصد ہے کہ تمام ادیانِ باطلہ پر فقط دینِ اسلام کو غالب کرے چنانچہ محمد رسول اللہؐ والذین معہٗ رہبر کامل اور آپ کی جماعت صحابہ کرام نے مل کر سعی کی ہاں سعی اتم کی۔ چنانچہ نہ کسریٰ رہا اور نہ قیصر رہا۔ اس وقت نہ کوئی کیمرج یونیورسٹی تھی اور نہ آکسفورڈ تھی، اگر یونیورسٹی تھی تو مسجد نبوی صلعم تھی اور کورس تھا تو صرف کتاب اللہ قرآن مجید تھا۔ اس تمام سعی میں رہنما اور اس کے ساتھیوں کی نظر کبھی اپنے بازو کے بل پر نہ پڑی۔ بلکہ اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ التغابن ۲۹ ۔ ترجمہ:۔ اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ ہی پر ایمانداروں کو بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ مکّے سے مدینے کا سفر در پیش ہے کیوں؟ جان بچانے کے لئے نہیں، توحید کا پودا جو لگایا تھا مدینے پہنچ کر اس کی آبیاری کرنا تھی۔ توکل کی یہ شان تھی کہ پہلی ہی منزل پر غارِ ثور میں اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں چنانچہ ساتھی سے یہ فرماتے ہیں: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا، التوبہ ع ۶۰۔

ترجمہ:۔ تو غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے دیکھئے طبیعت میں کتنا سکون اور کتنی طمانیت ہے کہ پورا توکل اللہ پر ہے۔

۱۹۴۸ء کی جنگ کشمیر کا ایک واقعہ قلمبند کریں تو حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے سکھاتے ہوئے سبق توکل کے موضوع سے دور نہ ہوں گے۔ پونچھ کی پہاڑیاں ہیں کہ پیر بڈھیسر ایک قلعہ کرہ ہے وہاں سے ہندوستانی فوج کے او۔پی نے دیکھا کہ خچریں آزاد فوج کا راشن لا رہی ہیں چنانچہ اس نے مارٹر (توپ) سے سولہ گولے پھینکواتے۔ ہم پہاڑ کے دامن میں محمود خان آزاد بٹالین کمانڈر کی چند کمپنیوں کو جمع کر کے پروگرام کے مطابق قرآنی جہاد پر تقریر کر رہے ہیں۔ سر کے اوپر سے جب پہلا بم گزرا تو اپنے سپاہیوں میں کچھ پریشانی نظر آنے لگی۔ سب کو للکارا اور وہی قرآنی جملہ زبان سے نکلا:۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فوجی مطمئن ہو گئے اور تقریر جاری رکھی۔ قبیل مغرب جب راشن سٹور کی طرف گئے تو معلوم ہوا کیا رہ بم تو کھیتوں میں پڑے ہیں پانچ جو سٹور کو لگے ان سے صرف ایک چارپائی ٹوٹی تمام مجاہدین صحیح سلامت۔ اللہ اللہ جب اللہ کی معیت ہو تو پھر نقصان اور غم کیسا۔ سب کے حوصلے بڑھ گئے اور قوت ایمانی کئی گنا زیادہ ہو گئی کامل یقین ہوا۔ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الانفال ع ۱۰۔

ترجمہ:۔ اور جب اس کی آیتیں ان پر پڑھی جائیں تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس لڑائی میں دیکھا کہ جہاں خلوص اور للّٰہیت زیادہ ہے۔ وہاں حافظ و ناصر خدا تعالیٰ آج بھی اپنے فرشتوں سے مدد فرما رہے ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت سے کامل توکل کے متعدد واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ دانشمند کے لئے ایک دو ہی کافی و شافی ہیں۔ مجلس میں ذکر فرمایا کرتے تھے:۔

قال را بگزار بگو سوئے حال ؛:؛ بر الشہد ترخندہ زند السہد بلال

لاہور کی زندگی کے ابتدائی ایام پر ہی غور کریں۔ کس قدر سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ عملی پہلو ہر جگہ ظاہر و باہر ہے، اللہ اللہ۔ گرمی کا موسم ہے اور حضرتؒ بیمار ہو گئے ڈاکٹر بلایا گیا اس نے گھر کے اثاثے کا جائزہ جو لیا تو چند مٹی کے برتن نظر پڑے۔ وہ بھی خالی ظرف ہے تو مظروف نہیں۔ چارپائی پر بستر نہیں۔ تہبند ایک اوپر ڈالا ہے مکان کی تنگی سے ضیق النفس کا عارضہ لاحق ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب معائنہ کرنے کے بعد نیچے اترے اور نہیں کو سننے لگے کہ اتنا جید عالم اور اس کے گھر کی یہ حالت۔ ہوش کے ناخن لیں۔ اور سب سے پہلے مکان تبدیل کریں۔ دوستو! اگر ایک ایسا وقت تھا اور آخر صبر اور توکل سے ایسا وقت بھی آیا کہ حضرتؒ معہ اہل و عیال چودہ بار حرمین شریف پہنچے ہیں۔ اور ایک دفعہ واپس تشریف لا کر فرمایا" اس دفعہ تو ہزار روپیہ صرف ہوا ہے اور عزیز حافظ حبیب اللہ کی مکے مدینے میں خاطر و مدارت اس کے علاوہ!

یہ ہے عمل پر قرآن کا نتیجہ۔ جب توکل اختیار کرنے والا توکل کرتے ہوئے ذکر و شکر سے کام لیتا ہے اور صبر و نماز سے مدد لیتا ہے تو اللہ کی معیت حاصل ہو جاتی ہے۔

پھر وہ دیتا ہے تو بغیر حساب دیتا ہے چھپر پھاڑ کر دیتا ہے وہاں سے دیتا ہے جہاں سے سان گمان بھی نہ ہو۔ کسی امیر یا رئیس کو اتنی دفعہ حجاز جانا میسر آیا جتنی دفعہ حضرتؒ کو اس ارض مقدس میں بذریعہ ہوائی جہاز جانا نصیب ہوا۔

توکل پر ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ راقم آثم اور مولانا عبید اللہ انور موجودہ امیر انجمن کو ایک دفعہ خیال آیا کہ حضرتؒ نے مسجدیں تو کئی بنا دیں لیکن اس وقت مرمت فنڈ کی دقت ہے۔ دونوں نے حضرتؒ کی خدمت میں مودبانہ عرض کیا اور جمعہ میں فنڈ کے لیے اپیل کی درخواست کی فرمایا بیٹا میرے کام تو سب توکل پر چلتے ہیں۔ سنو اگزشتہ دنوں اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کو بھیجا انہوں نے کہا کہ ہم کچھ رقم اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ ہم انجمن خدام الدین کا شائع کردہ قرآن عزیز عکسی چھپوانا چاہتے ہیں اس کی آمدنی میں نہ کوئی میرا حصہ ہے اور نہ میری اولاد کا حصہ ہے۔ لہذا اس وقت یہی کار خیر در پیش ہے۔ آپ اسے چھپوا دیں۔ انہوں نے کہا کیا اندازہ ہو گا کہا اندازہ لگوا دیا جائے گا۔ چند دنوں کے بعد وہ دونوں حضرات پھر آئے اور پوچھا کیا اندازہ لگایا گیا ہے بتایا پچاس ہزار۔ چنانچہ انہوں نے پیش کر دیا۔ بیٹو! میں تو کوئی اپیل نہیں کرتا۔ میرے کام تو اس طرح اللہ کے توکل پر چل رہے ہیں۔ وہی عکسی قرآن عزیز اب قریباً ایک لاکھ کے صرف کثیر سے شائع ہو رہا ہے۔

حضرات! توکل پر وعظ کہنا تو آسان ہے لیکن اس پر عمل پیرا ہونا یوں ہوتا ہے۔ بس حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کے عملی پہلو کی باتیں تو آج ختم نہیں ہوئیں لہذا اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ عاقل را اشارہ کافی است فَہَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ پھر کیا کوئی سمجھنے والا ہے۔

شیخ التفسیر اور فیض صحبت

حکیم محمد احمد صاحب شیرانوالہ دروازہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی فیض جس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق آپ کی زندگی میں فیضیاب ہوتی رہی اور اب بھی ہو رہی ہے اور تاقیامت ہوتی رہے گی۔ کسی سے مخفی نہیں ہے شاید دنیا کا کوئی ایسا خطہ ہو جہاں حضرتؒ کے فیض کا چشمہ جاری نہ ہو۔ پاکستان کا تو کوئی شہر یا کوئی قصبہ ایسا نہ ہوگا جہاں حضرتؒ کے تربیت یافتہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی دینی خدمت نہ کر رہے ہوں۔

جس طرح حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی روحانی امراض کو دُور کرنے اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے ہر لمحہ فکر دامن گیر رہتی تھی وہاں جسمانی امراض امراض سے نجات دلانے کا بھی فکر تھا۔

چنانچہ حضرتؒ نے اسی جذبہ کے تحت زرِکثیر صرف کر کے ایک یونانی شفاخانہ (قاسمی یونانی دواخانہ) کا انتظام فرمایا۔ جس میں کافی عرصہ مفلس نادار اور غریب طبقہ جسمانی طور پر فیض یاب ہوتا رہا۔ اور مختلف مدت اور اوقات میں مختلف حاذق طبیب دواخانہ میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے اور کچھ عرصہ مجھے بھی حضرتؒ کے زیر سایہ رہ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کرنے کی اور حضرتؒ کے فیوض و برکات سے فیض حاصل کرنے کا موقع نصیب ہوا۔ الحمد للہ!

این سعادت بزور بازو نیست + تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جنوری ۱۹۴۳ء میں میں بہاولپور سے اپنی بیماری کے ہاتھوں تنگ آ کر چند محسن بزرگوں کے مشورہ سے لاہور آیا۔ لاہور کا شہر میرے لیے اجنبی تھا۔ چند نیک دل حضرات نے مجھے بیمار مسافر اور حافظ قرآن سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیا اور اپنی اولاد کی طرح پرورش کی جن میں ایک نیک دل بزرگ جناب چوہدری محمد حیات صاحب مرحوم بھی تھے جو کہ حضرت شیخ التفسیرؒ کی خاص الخاص مرید اور تربیت یافتہ تھے اور وضع قطع، نشست برخاست اور لباس میں حضرتؒ کی تصویر تھے۔ اگر کسی نے چند بار حضرتؒ کی زیارت کی ہو اور اس کے بعد چوہدری محمد حیات پر نظر پڑ گئی تو وہ آدمی شبہ میں پڑ جاتا کہ شاید حضرت شیخ التفسیرؒ یہی ہیں۔

اللہ کے فضل و کرم سے بچپن ہی سے مجھے اللہ والوں کی زیارت کرنے اور ان کی صحبت

میں بیٹھنے اور اللہ اللہ کرنے کا بہت شوق تھا۔ اور بچپن ہی سے حضرتؒ کا اسم گرامی بہاولپور میں سنا تھا اور اپنے دوستوں سے ذکر کیا تھا کہ کسی طرح میں لاہور جا کر حضرتؒ کی خدمت میں رہ کر اللہ اللہ بھی سیکھوں اور علم دین بھی حاصل کروں۔ چنانچہ اسی شوق کو پورا کرنے کے لیے دفتر خدام الدین میں جناب منشی سلطان احمد صاحب مرحوم کی معرفت حضرت کو خط بھی لکھے کہ مجھے اجازت فرمائی جائے کہ جناب کے زیر سایہ رہ کر روحانی فیض حاصل کروں جس پر جناب منشی سلطان احمد صاحب نے جواب دیا کہ حضرت کے پاس رہائش کا انتظام نہیں اگر اپنی رہائش کا انتظام کر سکتے ہو تو اجازت ہے چنانچہ لاہور میں کوئی واقفیت نہ تھی جس سے میں یہ سعادت حاصل نہ کر سکا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ لاہور لے آئے تو حضرتؒ کی زیارت اور درس قرآن کریم سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اسی طرح حضرت اقدسؒ کے زیادہ قریب ہوتا گیا اور دن بدن حضرت کی شفقت بھی زیادہ ہوتی گئی۔

طب کا پیشہ اور درس و تدریس کا سلسلہ تو ہمارا جدّی پُشتی تھا اور اسی سلسلہ کو آئندہ جاری رکھنے کے لیے بہاولپور میں قابل اور لائق طبیبوں کے پاس چار پانچ سال رہ کر مطب کرنے کی صلاحیت حاصل کر لی تھی۔ جب لاہور آیا تو چند مخلص دوستوں کے مشورہ سے طبیہ کالج لاہور متعلقہ انجمن حمایت اسلام میں داخل ہو گیا اور چار سال کے بعد فراغت حاصل کی۔ اور حضرتؒ کے حکم پر دواخانہ قاسمی متعلقہ انجمن خدام الدین میں بحیثیت طبیب انچارج کے مقرر ہو گیا۔ جب دواخانہ میں میرا تقرر ہوا تو اس وقت جناب چوہدری محمد حیات صاحب جن کا ذکر ہو چکا ہے، دواخانہ کے ناظم تھے جو کہ اپنے دفتری کام سے فارغ ہو کر باقی تمام وقت دواخانہ کی ترقی کے لیے کام کرتے تھے۔ اور انہی دنوں جناب چوہدری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم اور جناب چوہدری محمد حیات صاحب مرحوم کی کوشش سے انجمن خدام الدین کے متعلق ایک شاندار ہوزری کی بنیاد رکھی گئی جس میں بہترین جرابیں اور بنیان تیار ہوتے تھے اس لیے کام کی زیادتی کے پیش نظر اور چوہدری صاحبان کی مصروفیات زیادہ ہونے کی وجہ سے ہوزری کا انتظام خواجہ نذیر احمد کے سپرد کیا گیا۔ اور کچھ عرصہ بعد چوہدری محمد حیات صاحب نے اپنی صحت کی خرابی کی بناء پر دواخانہ سے رخصت لے لی اور دواخانہ کا انتظام بھی خواجہ صاحب کے سپرد ہو گیا۔ افسوس کہ بعض وجوہات کے پیش نظر یہ دونوں سلسلے آئندہ ختم ہو گئے۔

صاحب حیثیت مریضوں سے مناسب قیمت وصول کی جاتی تھی اور یہی آمدنی جو کہ دواؤں سے وصول ہوتی۔ یتامیٰ، بیوگان کی ادویہ پر خرچ ہوتی تھی اگر کچھ رقم بچتی تو مدرسۃ البنات پر خرچ ہوتی۔ دواخانہ میں مریضوں کے لیے جو ادویہ تیار ہوتی تھیں وہ فروخت بھی ہوتی تھیں۔ حضرتؒ کے بعض زریں اقوال ابھی تک میرے ذہن اور سینہ میں محفوظ ہیں۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ جو ادویہ تیار کرو وہ بالکل خالص اور بہترین ہوں، نسخہ جات کی تیاری میں ذرہ بھر بددیانتی اور بے ایمانی نہ ہو۔ اگر ایک روپے کی بجائے دو روپے لگ جائیں تو پرواہ نہ کرو لیکن دوا کے خالص ہونے میں کسی قسم کی کمی نہ ہو۔ کیونکہ دوا جب مستحق اور ضرورت مند مریض کو دی

جاتی ہے تو پہلے دوا دستِ قدرت میں پہنچے گی تو اللہ تعالےٰ ناراض ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ "اے میرے بندے! تو میرے محتاج بندوں سے دھوکہ کرتا ہے"۔

چنانچہ حضرتؒ کے یہ الفاظ کئی سال گذرنے کے بعد بھی آج تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ابھی تک میں اس نصیحت پر سختی سے کاربند ہوں اور اللہ تعالےٰ مجھے حضرتؒ کی اس نصیحت پر تا زندگی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

حیران کُن واقعہ

جب سے مَیں نے علاج معالجہ کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اپنی سمجھ کے مطابق مریض کی صحیح تشخیص اور نسخہ کی تجربہ کے بعد ادویہ مفردہ صحیح اور صاف ستھری بازار سے خود خرید کر کے لاتا ہوں اور اپنے ہاتھوں سے کوٹتا چھانتا اور بناتا ہوں اس کے بعد چند خوراک خود استعمال کر کے اس کا نفع نقصان دیکھ کر پھر مریض کو استعمال کرنے کے لیے دیتا ہوں پھر معاملہ اللہ کے سپرد!

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرتؒ نے فرمایا کہ حکیم صاحب! مجھے جوڑوں کے درد کی تکلیف ہے کوئی مناسب نسخہ تجویز کر کے بنا دو۔ جس سے میرے دردوں کا ازالہ ہو جائے چنانچہ مَیں نے ایک معجون کا نسخہ تجویز کیا کہ جس میں جمال گوٹہ مدبّر پڑتا تھا —— ان دنوں دوا سازی کے لیے منشی گلزار احمد صاحب (جو کہ اس وقت دفتر انجمن خدام الدین میں منشی کے فرائض انجام دے رہے ہیں) میرے معاون تھے۔ حضرت کے لیے نسخہ تجویز کر کے مَیں نے گلزار صاحب کو دے دیا۔ کہ اس نسخہ کی دوائیں جو کہ اپنے دوا خانہ میں ہیں جمع کر دیں —— اور جمال گھوٹہ مدبّر فلاں خانہ میں پڑا ہوُا ہے وہ بھی ڈال دیں۔ چنانچہ جمال گھوٹہ مدبّر اور غیر مدبّر دراز کے خانوں میں آگے پیچھے پڑے تھے۔ جمال گھوٹہ مدبّر مختلف امراض کو دور کرنے کے لیے مفید ہوتا ہے اور غیر مدبّر صحت کے لیے سخت مضر ہوتا ہے۔ بعض اوقات غیر مدبّر کی زیادہ مقدار انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔

چنانچہ گلزار صاحب نے غلطی سے مدبّر کی بجائے غیر مدبّر جمال گھوٹہ نسخہ میں شامل کر دیا۔ مَیں نے اپنے معمول کے مطابق نسخہ کی دوائیں کوٹیں اور معجون تیار کر لی۔ حسب عادت معجون ایک ماشہ کی مقدار میں مَیں نے خود استعمال کر لی (اصل خوراک تین ماشہ تھی) معجون کے استعمال کے آدھ گھنٹہ بعد گلے میں سوزش اور جلن شروع ہو گئی۔ پھر کچھ دیر کے بعد پیٹ میں مروڑ اور اسہال شروع ہو گئے تقریباً تین چار گھنٹے کے بعد میری آنکھیں اندر کو دھنس گئیں۔ چہرے کا رنگ سیاہ، مُردوں کی طرح دانت باہر نکل آئے، کمزوری اس قدر بڑھ گئی کہ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ اسی دوران حضرتؒ کو اس واقعہ کی خبر ہو گئی کہ میرے لئے تیار کردہ دوائی کے تجربہ سے حافظ جی کی یہ دُرگت بنی ہے۔

چنانچہ حضرت فوراً مطب میں تشریف لائے میری شکل دیکھ کر بہت پریشان ہو گئے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس واقعہ سے مجھے تکلیف بھی بہت ہوئی ہے اور خوشی بھی! تکلیف اس لیے کہ تمہیں تکلیف ہوئی ہے اور خوشی اس لیے ہوئی ہے کہ تمہارا طریقہ بہت اچھا ہے کہ دوا کا تجربہ پہلے کر لیتے ہو اگر تم تجربہ نہ کرتے تو مجھے ایسے ہی دوا دے دیتے اور میں مکمل خوراک استعمال

کر لیتا۔ بوڑھا آدمی ہونے کی وجہ سے مَیں تو آگے چلتا بنتا۔ پھر حضرتؒ ہنسنے بھی اور صحت کے لیے دعا بھی فرمائی۔

اس واقعہ کے بعد حضرت کا اس سیہ کار پر اس قدر اعتماد ہو گیا کہ حضرت کی صحت کے لیے روحانی تعلق والے طبیب حضرات قیمتی سے قیمتی ادویہ حضرت کے لیے روانہ کرتے تھے تو حضرتؒ مجھے بلا کر دوا پہلے دکھاتے کہ یہ دوائی میری صحت کے لیے مضر ہے یا مفید؟ اگر مَیں کہہ دیتا کہ یہ دوا جناب کے لیے مفید نہیں تو حضرتؒ فرماتے۔ کہ یہ دوا دواخانہ پر لے جاؤ اور مناسب غریب مریضوں کو تقسیم کر دینا اور جس دوا کا مشورہ دیتا کہ یہ دوا جناب کی طبیعت کے موافق ہے وہ استعمال فرماتے ــــــ اور بھی حضرت کے فیض کے کئی واقعات ہیں جو کہ طوالت کی وجہ سے تحریر میں نہیں لا سکتا۔ لیکن سب سے زیادہ فیض جو کہ میری دنیوی اور اُخروی زندگی کے لیے بے بہا سرمایہ ہے (اللہ تعالےٰ قبول فرماتے تو میری نجات کے لیے کافی ہے) وہ یہ ہے کہ جب حضرتؒ نے حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب کے ساتھ علمِ قرأت سیکھنے کے لیے حضرت شیخ القراء قاری عبدالمالکؒ کے پاس بھیجا اور پورے دو سال قاری صاحبؒ نے لفظ بلفظ حرف بحرف حدر میں تمام قرآن کریم کا دور فرمایا۔ بعدہٗ حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت الشیخ قاری عبدالوہاب مکی دام برکاتہ کے سپرد کیا اور پھر تین سال میں جناب قاری مکی صاحب نے لفظ بلفظ حرف بحرف دور فرما کر اس ناکارہ پر احسان فرمایا۔ یہ مجھ پر حضرتؒ کا یہ ایک بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالےٰ حضرتؒ کو اپنے ہاں بلند سے بلند درجات عطا فرمائے۔

حضرتؒ کا فیض ہر وقت جاری ہے اور تاقیامت جاری رہے گا۔ اور حضرتؒ کی دعاؤں کی برکت سے مَیں اس وقت بھی حضرتؒ کی مسجد کے نیچے اور حضرتؒ کے زریں اقوال پر، حضرتؒ کے جانشین حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب مدظلہٗ و دام برکاتہم کے زیرِ سایہ رہ کر اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے دیانتداری سے مطب کر رہا ہوں اللہ تعالےٰ کے حضور میں دعا ہے کہ مجھے اپنے نیک بندوں کی نصیحت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللّٰھم آمین!

حضرت کا کشف

(ملک نورالحسن)

کشف سے متعلق آپ کی روحانی قوت کتنی بلند تھی اس کا اندازہ ان دو واقعات سے ہو سکتا ہے ایک دفعہ بہاولپور سے ایک مولوی صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے والد کے متعلق جو وفات پا چکے تھے پوچھا۔ آپ نے بتایا کہ مجھے افسوس ہے کہ ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ بہاولپوری مولوی صاحب نے فرمایا۔ آپ درست فرماتے ہیں۔ میرے والد کا عقیدہ درست نہیں تھا" جامعہ مسجد پسرور کے خطیب مولانا بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مولانا تبلیغ کے سلسلے میں سیالکوٹ جا رہے تھے۔ میں بھی جلو میں تھا۔ راستے میں ایک مزار کا قبہ دکھائی دیا آپ فاتحہ خوانی کے لئے مزار کی طرف روانہ ہوئے مگر جب قریب پہنچے تو فرمایا "چلو بھئی واپس چلو" مزار میں کچھ نہیں یہ خالی ہے" میں آپ کی بات نہ سمجھ سکا۔ بعد میں مزار کے مجاوروں سے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ مزار ایک بزرگ کا ہے جن کا انتقال لائل پور میں ہوا ہے اور وہ وہیں دفن ہوئے تھے۔ ہم نے یہ مزار ان کے لائل پور والے مزار کی نقل پر تبرکاً تعمیر کیا تھا۔

عبدالرحمن خان

حضرت شیخ التفسیر میری نظر میں

تمہید یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی صاحبِ فن کے کمالات کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو خود اس فن میں مہارتِ تامہ حاصل ہو۔ اس حقیقت کو کسی نے یوں بیان کیا ہے۔ ع قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری۔ یعنی سونے کی قدر سنار اور موتی کی قدر جوہری ہی جانتا ہے۔ کسی اللہ والے نے اس کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ ع ولی را ولی می شناسد۔ یعنی ولی اللہ کو ولی اللہ ہی پہچانتا ہے۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے لیے چند مثالیں پیش کرنا ضروری ہیں۔ کسی بلند پایہ شاعر کے کلام کی داد صحیح معنوں میں شاعر ہی دے سکتا ہے۔ غیر شاعر تو رسمی طور پر اس کی تحسین میں شریک ہو جائے گا۔ مرزا غالبؔ نے مومنؔ کا جب یہ شعر سنا تو اس کی بہت تعریف کی اور کہا۔ "کاش! مومنؔ میرا سارا دیوان مجھ سے لے لیتا اور یہ شعر مجھ کو دے دیتا۔" مومنؔ کا وہ شعر ملاحظہ ہو ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا ٭ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اسلامی تاریخ میں بھی ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت عمرؓ اپنی ساری عمر کی نیکیاں صدیق اکبرؓ کی ایک رات اور ایک دن کی نیکیوں کے عوض دینے کو تیار تھے۔ رات وہ تھی جو صدیق اکبرؓ نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت میں غارِ ثور میں گذاری تھی۔ اور دن وُہ تھا جب آپ تن تنہا مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کے لیے جانے کو تیار ہو گئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے فرعون نے جو جادوگر جمع کئے تھے ان کو موسیٰؑ کے معجزہ میں جو کمال نظر آیا فرعون اور اس کے درباری اس سے محروم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جادوگر ایمان لے آئے تو دار و رسن کی ساری دھمکیاں ان کو راہ راست سے نہ ہٹا سکیں۔

ایک انگریزی دان مسلمان اور ایک عالمِ دین کا موازنہ کرتے ہوئے ایک صاحب اس حقیقت کے متعلق رقمطراز ہیں:-

"(انگریزی دان) عربی نہیں جانتے اس لیے (عالمِ دین) کو کیسے جان سکتے ہیں۔ وہ (انگریزی دان) اسلامی روایات کی روح سے ناواقف ہیں اس لیے (عالمِ دین) کی فطرت میں عشقِ اسلام کی تڑپتی ہوئی چنگاریاں ہیں اسے دیکھ سکتے ہیں۔ ان کی تربیت اور تعلیم

یورپ میں ہوئی ہے اس لیے مشرق کی گود میں پلے ہوئے اس "مردِ کامل" کے جوہر کو کیسے پہچان سکتے ہیں"۔

میری اور حضرت شیخ التفسیرؒ کی بھی یہی مثال ہے۔ میں نے کم و بیش تیس سال ان کی خدمت میں گزارے لیکن ان کے کمالات کو نہ سمجھ سکا۔ کیونکہ وہ ایک جیّد عالمِ دین تھے۔ میں انگریزی دان ہوں اور علمِ دین سے کورا ہوں۔ وہ صاحبِ باطن تھے۔ میں دل کا اندھا ہوں"۔

ولی اللہ

اپنی کوتاہ نظری کے باوجود میں حضرت شیخ التفسیر کو ولی مانتا ہوں۔ اولیاء اللہ کے بے شمار مدارج ہیں۔ ان میں سے وہ کس درجہ پر فائز تھے؟ مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ نہ میں مبالغہ آمیزی سے کام لے کر ان کے درجہ کو بڑھانے کی جرأت کرنے کو تیار ہوں اور نہ ان کے درجہ کو گھٹانے کی جسارت کر سکتا ہوں۔ ولی اللہ کے متعلق ان کے درس، جمعہ کے خطبات اور مجالس ذکر کی تقاریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ولی اللہ معصوم نہیں ہوتا، نبی معصوم ہوتا ہے۔ ولی اللہ کی اطاعت مشروط ہے نبی کی اطاعت غیر مشروط ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ آنکھیں بند کر کے نبی کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ لیکن ولی اللہ کی اطاعت اس وقت تک کریں گے جب تک وہ ہمیں کتاب و سنّت کے راستہ پر چلاتے گا اگر وہ اس سے خود ہٹ جائے گا تو ہم اس کی اطاعت کرنی چھوڑ دیں گے۔

مجلسِ ذکر میں حضرتؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص صوفی اور قبلۂ عالم کہلائے۔ آسمان پر اُڑتا ہوا نظر آئے، لاکھوں مُرید پیچھے لگا کر لائے اگر اس کا کوئی فعل کتاب و سنّت کے خلاف ہے تو اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا گناہ ہے اس کی بیعت کرنا حرام ہے، اگر ہو جائے تو توڑنا فرضِ عین ہے۔ ورنہ وہ خود بھی جہنّم میں جائے گا اور تمہیں بھی ساتھ لے جائے گا۔

بے شمار انعامات

حضرتؒ پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات تھے ان سب کا ذکر کرنا تو ممکن نہیں۔ میں صرف ان انعامات کا ذکر کروں گا جن کا تعلق کتاب و سنت کی اشاعت کے ساتھ ہے۔

پہلا انعام

حضرتؒ پر اللہ تعالیٰ کا پہلا انعام یہ تھا کہ ان کو نیک والدین کی گود نصیب ہوئی۔ آپ کے والد محترم شیخ حبیب اللہ صاحبؒ خود مشرف باسلام ہوئے تھے۔ آپ کی پیدائش سے پہلے ہی والدین نے آپ کو محرر کر دیا تھا یعنی خدمتِ دین کے لیے وقف کر دیا تھا۔ والدین کی نیت میں چونکہ خلوص تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقریباً نصف صدی تک اشاعتِ دین کی توفیق عطا فرمائی ؎

این سعادت بزور بازو نیست ✿ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دوسرا انعام

آپ پر اللہ تعالیٰ کا دوسرا انعام یہ تھا کہ جب آپ تھوڑی سی دنیوی تعلیم حاصل کر چکے تو دینی تعلیم کے لیے آپ کو حضرت مولانا عبید اللہ

صاحب سندھیؒ کے سپرد کر دیا گیا۔ مولانا سندھیؒ جہاں ایک بلند پایہ عالم دین تھے وہاں وہ انقلابی لیڈر بھی تھے۔ مولانا سندھیؒ نے آپ کو درس نظامی کے علاوہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فلسفۂ شریعت کی بھی تعلیم دی۔ مولانا سندھیؒ کے فرمانے پر حضرتؒ نے قرآن مجید کی اشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔

تیسرا انعام حضرت مولانا سندھیؒ کی سرپرستی حضرت شیخ التفسیرؒ پر تیسرے انعامِ ربانی کا ذریعہ بن گئی۔ ان کی وساطت سے آپ حضرت مولانا سیّد تاج محمود صاحب امروٹیؒ اور حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوریؒ کی خدمت میں وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہتے تھے۔ آہستہ آہستہ دونوں سے بیعت کا تعلق پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد دونوں نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے یہ دونوں مربّی میرے کاسۂ گدائی میں کچھ نہ کچھ ڈال دیا کرتے تھے۔ حضرت امروٹیؒ جلالی مزاج تھے اور حضرت دین پوریؒ جمالی مزاج تھے۔ دونوں حضرات حافظ محمد صدیق صاحبؒ بھرچونڈی شریف کے خلیفہ تھے اور اپنے وقت کے اکابر اولیاء کرام میں سے تھے۔ حضرت امروٹیؒ انگریز کے راج میں بلا لائسنس بندوقیں اور گھوڑے رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ چیزیں جہاد کے لیے رکھی ہیں اور جہاد انگریزوں سے کروں گا۔ انگریز کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ ایک گولی پہلے چلا دو پھر اگر سندھ سے نکال کر باہر نہ پھینک دوں تو سیّد کا بیٹا نہ کہنا۔ ایک بار تو آپ نے اعلانِ جہاد کر بھی دیا مگر انگریز ٹل گیا۔ اس کے برعکس حضرت دین پوریؒ جمالی مزاج تھے۔ ایک زمیندار ساری عمر آپ کو ستاتا رہا لیکن آپ ہمیشہ اس پر شفقت فرماتے رہے۔ ہر بات پر یہی فرماتے "جنویں مولا دی مرضی" (جس طرح مولا کی مرضی) ان دونوں حضرات کے زیر سایہ رہ کر حضرت شیخ التفسیرؒ کی روحانی تربیت ہوتی تھی۔

چوتھا انعام حضرتؒ پر اللہ تعالےٰ کا چوتھا انعام یہ تھا کہ آپ کو صالح اولاد عطا فرمائی گئی۔ آپ کی نرینہ اولاد میں سے تین صاحبزادے بلوغت کی عمر کو پہنچے۔ ماشاء اللہ تینوں عالمِ دین ہیں۔ ان میں سے دو حافظِ قرآن ہیں۔ سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب مدظلہ العالی چودہ سال سے ارضِ مقدس میں قیام پذیر ہیں۔ ہر سال حج کے علاوہ ان کو مسجد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حرم کعبہ میں درس کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ حضرتؒ اکثر اس انعام باری تعالےٰ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ اس نے میری اولاد کو علم دین حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اگر میں ان کو علم دین پڑھانا چاہتا اور اللہ تعالےٰ ان کو اس کے پڑھنے کی توفیق مرحمت نہ فرماتے تو میں کیا کر سکتا تھا۔

پانچواں انعام حضرتؒ کو اللہ تعالےٰ نے ہمیشہ مخلص ساتھی عطا فرمائے۔ جن بزرگوں کے ساتھ مل کر آپ نے انجمن خدام الدین کی بنیاد رکھی تھی وہ

سب کے سب مخلص تھے۔ ان میں سے ملک میراں بخش صاحب، حاجی عبداللہ صاحب، اور میاں غلام حسین صاحب کا تو آپ خاص طور پر ذکرِ خیر فرمایا کرتے تھے۔ میاں غلام حسین صاحب سے حضرتؒ نے ان کے صاحبزادے حافظ عنایت اللہ صاحب مرحوم کو تراویح میں قرآن مجید سنانے کے لیے مانگ کر لیا تھا۔ سعادت مند بیٹے نے باپ کے عہد کو مرتے دم تک نبھایا۔ وہ نہ صرف ہر سال تراویح میں قرآن مجید سنایا کرتے تھے بلکہ تبرک بھی اپنی کمائی سے لا کر تقسیم کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو امام بھی ہمیشہ مخلص ہی عطا فرمائے۔ سالہا سال تک حافظ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم امامت کے فرائض ادا کرتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد قاری محمد ابراہیم صاحب نے جس خلوص کے ساتھ یہ خدمت انجام دی وہ انہی کا حصّہ تھا۔ ان کے علاوہ ناظم مسجد بابو کرم دین صاحب ریٹائرڈ گارڈ اور دفتر کے نگران قاضی مرید حسین صاحب ریٹائرڈ سب پوسٹ ماسٹر کے اسمائے گرامی بھی اس فہرست میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان سب حضرات کو اور باقی مسلمانوں کو بھی جنھوں نے حضرتؒ کے ساتھ مل کر خدمتِ دین میں حصہ لیا اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس خدمت کو ان کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا الٰہ العالمین!

حضرت لاہوریؒ کا تحریری سرمایہ

(۱) تذکرۃ الرسوم الاسلامیہ۔ (۲) شہادۃ النحاریر علی حرمۃ المزامیر۔ (۳) اسلام میں نکاح بیوگان (۴) احکام شب برات۔ (۵) ضرورۃ القرآن۔ (۶) اصلی حنفیت۔ (۷) خلق محمدیؐ۔ (۸) رسول اللہ کے فرمائے ہوئے وظیفے۔ (۹) خلاصۃ الاسلام۔ (۱۰) مال میراث میں حکم شریعت (۱۱) تو عید مقبول۔ (۱۲) فوٹو کا شرعی فیصلہ۔ (۱۳) پیغام رسولؐ۔ (۱۴) تحفہ میلاد النبی۔ (۱۵) رسالہ معراج النبی۔ (۱۶) فلسفۂ عید قربان۔ (۱۷) اسلام ہند خطرے میں۔ (۱۸) شرح اسماء اللہ الحسنیٰ۔ (۱۹) فلسفۂ نماز۔ (۲۰) فلسفۂ روزہ۔ (۲۱) اسلام کا فوجی نظام۔ (۲۲) بہشتی اور دوزخی (۲۳) خدا کی نیک بندیاں۔ (۲۴) مسلمان عورت کے فرائض۔ (۲۵) پیر اور مرید کے فرائض۔ (۲۶) گلدستہ صد احادیث نبوی۔ (۲۷) فلسفۂ زکوٰۃ (۲۸) اسلام اور ہتھیار (۲۹) علمائے اسلام۔ (۳۰) مقصد قرآن۔ (۳۱) خدا کی مرضی۔ (۳۲) نجات دارین کا پروگرام۔ (۳۳) استحکام پاکستان۔ (۳۴) تمام فرقوں کا مصدقہ ترجمہ کلام پاک۔ (۳۵) خلاصۃ المشکوٰۃ مترجم۔

- تفسیر سورۂ قریش، تفسیر سورۂ کوثر، تفسیر معوّذتین، تفسیر سورۂ عصر، تفسیر سورۂ علق۔
- یہ خطبات وہ تقاریر ہیں جو آپ ہر جمعہ کی نماز کے عربی خطبہ سے پہلے کرتے تھے یہ سات جلدوں میں جمع کئے گئے ہیں۔
- جو لوگ آپ سے بیعت کا شرف رکھتے تھے وہ ہر جمعرات کو نماز مغرب کے بعد مسجد میں جمع ہوتے اور خاندان قادریہ کے مسلک پر ذکر الٰہی کرتے۔ ذکر کے بعد حضرت مولانا تقریر فرماتے۔ ان تقاریر کے مجموعے شائع کئے گئے جنہیں مجلس ذکر کا نام دیا گیا۔ تقاریر کے یہ مجموعے چار جلدوں میں ہیں۔

شیخ التفسیرؒ کی مہمان نوازی

********** ڈاکٹر محمد الیاس مسعود (ہومیو) لاہور **********

میں نے ابھی ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا جب میری والدہ مجھے گود میں لے کر شیرانوالہ دروازہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے جایا کرتی تھیں ان دنوں لاؤڈ سپیکر اور بجلی کے پنکھے نہ ہوتے تھے اس لئے حضرتؒ عورتوں کے کمرے کے نزدیک ممبر پر تشریف رکھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ عورتوں کے کمرے میں کافی گرمی ہوتی تھی لیکن ہاتھ کے پنکھے گرمی کی شدت کم کرنے کے لئے کافی ہوا کرتے تھے۔

جوں جوں شعور کی عمر آتی گئی افسوس کہ ہماری رہائش شیرانوالہ سے دور ہوتی گئی اور مسجد سے گہرا تعلق نہ رہ سکا۔ البتہ کبھی کبھی جمعہ کی نماز ادا کرنے کا موقعہ ضرور ملتا رہا۔ مسجد کشادہ ہو گئی لاوڈ سپیکر کی آسانیاں خدا نے میسر فرما دیں اور بجلی کے پنکھے بھی نمازیوں کو ٹھنڈی ہوا دینے کے لئے مہیا ہو گئے حضرت اب عورتوں کے کمرے سے دور مسجد کے وسط میں محراب کے دائیں ہاتھ ممبر پر تشریف فرما ہوتے تھے لباس میں ذرہ برابر فرق محسوس نہ ہوتا تھا وہی سفید کھدر کا مختصر عمامہ کھدر کا لمبا کرتا اور کھدر کی تنگ مہری والی اونچی شلوار زیب تن رکھتے تھے۔ رومال بھی سفید کھدر کا ہی ہوتا تھا یہی لباس میں نے وفات سے ۳۵ سال پہلے دیکھا تھا۔

حضرتؒ کے ارشادات سننے ہی کا ثمرہ ہے کہ بچپن سے دین کے ساتھ تھوڑی بہت وابستگی ضرور رہی اور اسی وابستگی کے طفیل بزرگان دین کے قدموں میں بیٹھنے کا شرف بھی اس ناچیز کو نصیب ہوتا رہا ہے۔

۱۹۵۷ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا اطہر علی صدر جمعیت العلماء اسلام مشرقی پاکستان سے لاہور تشریف لائے ہمارے وطن میں اس وقت عجیب و غریب فضا تھی سیاسی طور پر عوام چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ چکے تھے حکومت میں شدید انتشار موجود تھا ارباب حکومت سازشوں میں دن رات بسر کر رہے تھے عنان حکومت شطرنج کے ماہر چند یاروں کے ہاتھ میں سمٹ کر رہ گئی تھی ان حالات میں بھلا دین کی بھلائی کی کسے فکر تھی مسلمان اس حد تک ذلیل ہو چکا تھا کہ اس نے اپنی حیا عتی تنظیموں کا نام بھی ہندوانہ رکھنا پسند کر لیا تھا۔ یار لوگ ایران کی شریعت کو پاکستان میں نافذ کرنے کی فکر میں تھے اور سارا سال مجالس عزا اور ہر محلے اور کوچے میں گھوڑے نکال کر ماتم ہونے لگا تھا۔ انتہا یہ تھی کہ لاہور شہر میں ۱۰ محرم کو سولہ جگہ گھوڑے نکالے گئے تھے اس طرح پاکستان کے دوسرے شہروں کا حال تھا ان دنوں اگر کوئی سیاح غیر ملک سے پاکستان میں وارد ہوتا تو اسے یقیناً یہی محسوس ہوتا کہ شائد اس قوم کو رونے پیٹنے کے سوا کوئی دوسرا کام ہی نہیں ہے وہ حیرت سے سر پیٹ کر رہ جاتا کہ ماتم بھی ایک ایسے واقعہ کے متعلق جس کے لئے اس قوم کو رونے کی بجائے فخر کرنا زیادہ زیب دیتا ہو۔ ان حالات سے متاثر ہو کر مولانا اطہر علی مغربی پاکستان میں علماء دین سے تبادلۂ خیالات کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ یہاں آکر وہ مختلف بزرگان دین سے ملے ایک شام جب وہ حضرت مولانا احمد علی رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تو مجھے اُن کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔ میرے ساتھ بھائی محمد بشیر وائیں بھی تھے جب ہم مسجد شیرانوالہ میں داخل ہوئے تو مؤذن اللہ کی عظمت کا اعلان کر رہا تھا اذان کے بعد فوراً جماعت کھڑی ہو گئی اور حضرت مولانا احمد علی صاحب اپنے حجرہ سے باہر تشریف لا کر اگلی صف میں امام کے دائیں ہاتھ کھڑے ہو گئے۔ سردی چونکہ شدید تھی اور مولاناؒ کی طبیعت بھی ان دنوں ناساز تھی اس لئے اون دار کھال والا لمبا چغہ پہن رکھا تھا نماز سے فراغت کے بعد مولانا اطہر علی ان کے قریب گئے

اور اپنا تعارف کروایا۔ دونوں بزرگ اس طرح بغل گیر ہوئے جیسے صدیوں سے بچھڑے ہوئے ملتے ہیں دونوں بزرگ حجرہ کی طرف چل دیئے ایک دوسرے کا احترام اتنا تھا کہ قدم اٹھانے میں بھی احتیاط ملحوظ تھی کہ کہیں ایک کا قدم دوسرے سے آگے نہ نکل جائے حجرہ میں داخل ہوکر انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔

میرا ساتھی اور میں حجرہ کے دروازے کے باہر بیٹھ گئے اس شام سردی غضب کی تھی اور ہوا چل رہی تھی ہم سردی سے ٹھٹھر رہے تھے اور مسجد کے حوض پر سے گزر کر ہم تک پہنچنے والی یخ ہوا ہماری شریانوں میں خون کو منجمد کرنے کی کوشش میں مسلسل مصروف تھی اتنے میں ایک شخص مسجد کے صحن میں نمودار ہوا اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جو لاکر اس نے ہمارے پاس رکھ دی ہم حیران تھے کہ یہ فرشتۂ رحمت گرم چائے لے کر کہاں سے آگیا لیکن فوراً خیال آیا کہ ان بزرگوں کے طفیل ہم گنہگاروں پر اللہ نے رحمت فرما دی ہے یہ چائے حضرت مولاناؒ نے اپنے مہمان کے ساتھ آنے والوں کے لئے بھجوائی تھی ہم نے لپکے احترام کے ساتھ پیالیوں کو منہ سے لگایا اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے خون کو گرم رکھنے کا سامان مہیا فرما دیا۔

حجرے کا دروازہ کھلا۔ دونوں بزرگ باہر تشریف لائے مولانا اطہر علی صاحب نے حضرتؒ سے کہا کہ وہ تکلیف نہ فرمائیں سردی بہت ہے اور طبیعت بھی ناساز ہے مگر یہ فقرہ منہ سے ادا ہوتے تک ہم مسجد کی سیڑھیوں تک پہنچ چکے تھے خادم نے حضرت کی پاپوش لاکر سامنے رکھ دی یہاں بھی مولانا اطہر علی صاحب نے فرمایا کہ حضرت اب آپ آرام فرمائیں مگر مولانا احمد علیؒ صاحب سیڑھیوں سے اتر رہے تھے اور اپنے معزز مہمان کو خود الوداع کہنے کے لئے ان کے ساتھ سواری تک جانا چاہتے تھے غرضیکہ حضرتؒ شیرانوالہ دروازہ تک خود تشریف لائے جب یہاں مولانا اطہر علی صاحب نے فرمایا کہ حضرت آپ نے بڑی تکلیف فرمائی تو فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے رسول اللہؐ کی سنت پوری کرنے کے قابل فرما دیا اور اس پر السلام علیکم کے بعد جب تک مولانا اطہر علی کار میں بیٹھ کر چل نہیں دیئے حضرت مولانا احمد علیؒ کھڑے اپنے مہمان کو دیکھتے رہے۔

اس وقت یہ کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ عالی مرتبت شفیق ومحترم میزبان آج اپنے جلیل القدر مہمان کو آخری بار الوداع کہہ رہا ہے اور یہ میزبان پھر کبھی اس مہمان کو اس طرح الوداع کہنے کے لئے یہاں تک نہ آئے گا۔

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ ط

یادِ الٰہی

ع
اب کہاں ایسے پراگندہ طبع لوگ

معمولات یومیہ سے زائد پڑھے گئے

۱۲۵۰۰۰ (استغفار)

۱۲۵۰۰۰ (سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم)

۱۲۶۰۰۰ (لا الٰہ الا اللہ)

۱۲۵۰۰۰ (رب اغفرلی بفضلک)

۱۲۵۰۰۰ (یا ستار یا غفار)

۱۲۵۰۰۰ (یا رحمٰن یا رحیم)

۵۰۰۰ (رب اغفر للذین ظلمتہم)

ابوالمظفر
ظفراحمد قادری
خطیب
جامع مسجد
واہگہ۔ لاہور

حضرت شیخ التفسیر احمد علی رحمۃ اللہ علیہ واقعات کے آئینے میں

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اللھم صلی علی سیدنا محمدن النبی الامی و الہ وسلم

۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ میں عالم ربانی حضرت شیخ التفسیر نے اس جہانِ فانی سے انتقال فرمایا ہے حضرت اقدسؒ کی ولادت شریفہ بھی ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ میں جناب شیخ حبیب اللہ صاحب رح کے گھر قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ میں ہوئی ۔

سراپا حلیہ

کشادہ پیشانی پر سیمابی انوار کی جھلکیں، نازک بھویں، خوب صورت آنکھوں میں عارفانہ چمک، مناسب بینی، مردانہ پُر وجاہت رخسار، سپید گندمی رنگت، لب مبارک موزوں، دندانِ مبارک آبدار، ریش مبارک دراز اور سفید، عام چہرہ انور کی کیفیت نضرۃ النعیم کا پتہ دیتی تھی ۔ گردن متوسط، شانے کشادہ، چھاتی مبارک پر بالوں کی لکیر، بازو اور کلائیاں پیرانہ سالی میں قدرے کمزور، ہتھیلیاں اور انگلیاں نہایت نرم و نازک، پاؤں مبارک قدو قامت کے عین مطابق، سر مبارک موزوں (بتیس۳۲ بڑے مسلمان صد ۶۹۳) حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرتؒ کے بارے میں بہت کچھ لکھا جائے گا اور ان کے "تلامذہ و معتقدین اور واقفین کی زبان سے بہت سے ایسے حالات اور کمالات معلوم ہوں گے، جن کی دنیا کو خبر نہیں ۔ حضرت مولانا کی زندگی، باوجود شہرت و مرجعیت اور اس عالم مقبولیت کے جو اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں اور دین کے بے لوث خادموں کو عطا فرمایا کرتا ہے اور باوجود اس کے کہ ان کے تلامذہ اور مستفیدین کا حلقہ نہایت وسیع تھا ۔ اپنی بعض خصوصیات اور روحانی کمالات کے اعتبار سے ایک طرح سے اخفا اور گمنامی کی زندگی تھی اور ساری عمر ان کمالات پر پردہ پڑا رہا اور بہت سے قریبی عزیزوں اور روزانہ کے ملنے اُٹھنے بیٹھنے والوں کو بھی ان کی خبر نہیں ہوئی ۔ عام طور پر لوگ ان کو ایک واعظ اور خطیب اور مفسرِ قرآن کی حیثیت سے جانتے تھے ۔ لیکن ان کے اصلی کمالات اور ان کی زندگی کے ان گوشوں کے جاننے والے بہت کم ہیں جن کی وجہ سے وہ سلف صالحین اور علماء ربانیین کی آخری یادگاروں میں نظر آتے تھے اور جن سے زہد و ورع خلوص و للہیت، ایثار و قربانی، استقامت و ثابت قدمی اور حق گوئی و بے باکی کی ان روایات کی تصدیق اور ان میں ایک وقیع اضافہ ہوتا ہے جو علماء و مشائخ کے قدیم تذکروں میں منقول ہیں (الفرقان شوال ۱۳۸۱ھ) اب یہاں حضرت پیر طریقت جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہم کی زبان مبارک سے مجلس ذکر میں سُنے ہوئے چند واقعات عرض کرتا ہوں :

حضرت لاہوری کے آخری لمحات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارذل العمر سے پناہ مانگی ہے ۔ حضرت فرماتے تھے میں خود دعا مانگتا ہوں یا اللہ مجھے چلتا پھرتا لے جا ۔ اپنے اعزہ کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنوں ۔ دوسری دعا یہ فرماتے تھے ۔ یا اللہ میری ایک نماز قضاء نہ ہو، روزہ بھی قضاء نہ ہو، درس بھی قضا نہ ہو ۔ وفات سے

چار پانچ دن پہلے جب بھی ہم سے آمنا سامنا ہوتا تو فرماتے۔ بٹیا میرا جنازہ بعد میں اٹھانا۔ درس قرآن پہلے دینا۔ تیسرے چوتھے دن والدہ مرحومہ نے پوچھا یہ کیا بات ہے جب بھی آپ جُدا ہوتے ہیں یا ملتے ہیں ایک ہی نصیحت فرماتے ہیں کہ میرا جنازہ بعد میں اٹھانا درس پہلے دینا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ پانچویں دن انتقال ہو گیا

وفات سے قبل مصافحہ اور معانقہ

حضرت وصال سے قبل تیمم کرتے۔ نماز لیٹ کر پڑھتے پھر دعا کرتے، پھر کہتے اللہ اللہ۔ ارشاد فرمایا روزہ افطار ہو گیا ہے۔ ہم نے عرض کیا جی ہاں، ہو گیا ہے۔ ارشاد فرمایا میرا روزہ افطار کراؤ۔ والدہؒ نے کہا پانی پی لیں۔ فرمایا اچھی بات ہے پیتے ہیں۔ پہلے نماز پڑھ لیں۔ پھر میری والدہ کہنے لگیں، پانی مت پلاؤ ان کی حالت اچھی نہیں ہے۔ پھر میری بیوی سے کہا تم چائے سے افطار کرتی ہو، چائے کی پیالی لاؤ، چائے کی پیالی پاس رکھ دی۔ پھر نہ حضرت نے پانی پیا اور نہ چائے۔ بس پیاسے ہی چلے گئے۔ نماز تو ایک بھی قضا نہیں ہوئی۔ مگر تراویح نہیں پڑھ سکے۔ اس طرح نوافل پڑھتے پڑھتے ہی بیچ میں اُٹھ کر زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا۔ مصافحہ کیا پھر معانقہ پر مسکرائے۔ میری والدہ کہنے لگیں کس سے مل رہے ہیں۔ پھر مجھے اشارہ سے فرمایا یہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا اللہ جانے، آپ دیکھ رہی ہیں۔ مسکرا کر ہنسا کرتے تھے تو ایک دانت نظر آتا تھا اور جیسے یہ کہا مزاج تو اچھے ہیں۔ یہ کیفیت پیدا ہوئی۔ اس کے بعد لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھ کر قبلہ رُخ ہو گئے۔

ایک ولی کا کشف

ایک بزرگ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جب حالات دیکھے تو کہنے لگے۔ میں اتنے ماہ پہلے آیا تھا اور اب اتنی تیز کیفیت ہے کہ اس سے ہزار گنا بڑھ گئی۔ میں نے کہا کہ ہزاروں علماء نے ان سے قرآن حکیم پڑھا ہے۔ ہزاروں مردوں عورتوں نے درس قران سنا ہے، اللہ کا نام سیکھا ہے وہ کہنے لگے تم بالکل ٹھیک کہتے ہو کہ میں نے یہ کیفیت اہل اللہ میں سے کسی کی نہیں دیکھی ترقی درجات کے لئے۔ بعد از وفات بھی جس کے صدقات جاریہ اتنے ہوں۔ میں نے کہا کئی مسجدیں اللہ تعالےٰ نے آپ سے بنوائی اور کئی مسجدوں کے امام و خطیبوں کی تربیت اللہ تعالےٰ نے آپ سے کروائی اور نہیں تو میرے بڑے بھائی خانہ کعبہ زاد اللہ شرفاً و تعظیماً میں ہر لمحہ ان کے لیے دعائیں فرما رہے ہیں ایک بڑے بھائی پر ہی کیا موقوف ہے خدا معلوم کتنی آپ کی روحانی اولاد ہے۔

والدہ مرحومہ کی ایک بات

ایک بات لطیفے کے طور پر یاد آئی کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے حضرتؒ کو اخبار کی خبریں سنانے کی میری ڈیوٹی لگ گئی تھی کہ میں رات کو خبریں سناؤں۔ حضرت والدہ مرحومہ مجھ سے ناراض ہو جاتیں وہ فرماتی کہ تم اتنا اللہ اللہ کرو۔ وقت ضائع کرتے ہو۔ قرآن حدیث پڑھو یہ کیا تم خود بھی وقت ضائع کرتے ہو اور رات کو حضرتؒ کے کان بھی کھاتے ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ ضروریات ہیں۔ اس زمانے میں بے خبر انسان اچھا نہیں ہمیں کچھ نہ کچھ تو خبر ہونی ہی چاہیئے اور ضروری خبریں روزانہ مجھے سنا دیتا ہے۔ آج دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ ان سے انسان اگر بے خبر ہو تو کیا اصلاح کرے۔ حضرت والدہ مرحومہ فرماتیں۔ جد وی اخبار ویکھیا اے بھیڑیاں گلاں نظر آیاں نے کوئی چنگی گل کدی نظر نہیں آئی۔ اب میں اخبار اٹھاتا ہوں تو واقعی سو فیصد ان کی بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ چوری ڈکیتی زنا، سینہ زوری ہی کی باتیں ہوتی ہیں۔

استقامت اور کرامت میں فرق

حضرت شیخ التفسیرؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

آنچہ شیراں را کند روباہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

کہ احتیاج شیروں کو بھی لومڑی بنا دیتی ہے اور جنگل کے بادشاہ کو پکڑ کر چڑیا گھر کی زینت بنا دیتی ہے یہ بیچارہ کسی پھندے میں پھنسا اپنی غذا ہی کے لیے اس حق تعالےٰ نے آپ کو پیٹ کا محتاج نہیں بلکہ پیٹ کو آپ کا محتاج بنا دیا ہے اس موضوع پر کئی دفعہ یہ شعر یاد آ جاتا ہے ؎

اتفاقاً بھوک نے شاید سزا دی تھی مجھے
انتقاماً بھوک کو اکثر سزا دیتا ہوں میں

حضرت فرمایا کرتے تھے: اطلبو الاستقامہ و لا تطلبو الکرامۃ فان الاستقامۃ فوق الکرامۃ: یہ بات بھی بالکل بیہی ہے۔

ایک ولی کا قصّہ

پھر ولی کا قصّہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنے شیخ کی خدمت میں برسوں رہا۔ پھر مایوس ہو کر رخصت ہونے لگا تو شیخ نے فرمایا بھائی آخر اتنی مایوسی کا باعث کیا ہُوا۔ انہوں نے عرض کی حضور میں تو دور سے اس واسطے آیا تھا کہ آپ کے کشف و کرامات کا بڑا شہرہ تھا۔ میں تو اتنے برس آپ کے پاس رہا تو کچھ بھی نہ دیکھا شیخ نے کہا اللہ کے بندے تُو نے کوئی اتنے عرصے میں کرامت نہیں دیکھی تو یہ بتا کہ اتنے عرصے میں مجھ سے کوئی خلاف شریعت حرکت بھی دیکھی۔ کوئی میں نے فرائض سُنن میں کمی یا خامی آنے دی۔ مَیں نے اپنی طاقت بھر اطاعت میں زور لگایا یہی اپنے شاگردوں متعلقین مرشدین کو میرا سبق ہے۔ خدا معلوم تم کیا چاہتے ہو۔ اس نے کہا جی ہاں میں تو کرامت کا طالب تھا فرمایا! اگر شعبدہ بازی چاہتے ہو تو پھر واقعی ہمارے پاس کچھ نہیں۔

ایک اہم ارشاد

ارشاد فرمایا اگر کوئی ہوا میں اڑتا آئے اور لاکھوں مرید پیچھے لائے۔ مگر سنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہو تو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا ناجائز ہے اس کی بیعت کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی کر چکا ہو تو توڑنا فرض عین ہے۔

ایک کرامت

حضرت مولانا مفتی بشیر احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار ارشاد فرمایا کہ میں پچیس تیس سال تک حضرت شیخ التفسیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ آپ نے نہ تو کبھی کسی کی غیبت کی اور نہ سُنی اگر کوئی کہانی بیان کرتا جو آگے جا کر غیبت بنتی تو آپؒ فوراً ہی فرماتے "بس بس" اور وہ کہتے تھے۔ صرف اتنے عرصہ میں ایک دن نماز کے لیے تشریف لا رہے تھے جب حجرہ مبارکہ سے نکلے تو میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور سرد آہ بھر کر فرمایا: مولوی بشیر احمد! جو لوگ حضرت مدنیؒ کو بُرا کہتے ہیں ان کا کیا ہو گا۔

صرف یہ ایک جملہ ساری عمر میں سُنا ہے۔

ایک کشف

حضرت مفتی بشیر احمد صاحب ہی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ شکر گڑھ کے علاقے میں تشریف لے گئے جب شکر گڑھ شہر کو جا رہے تھے تو تانگہ پر اگلی سیٹ پر حضرت تھے میں بحیثیت خادم پچھلی سیٹ پر تھا کہ راستہ میں ایک گنبد دار مزار آیا۔ حضرت نے ذرا سر جھکا کر فرمایا۔ بشیر احمدؔ اس مزار میں کوئی بھی نہیں ہے۔ میں حیران تھا جب منزل پر پہنچے تو اجازت لے کر میں باہر آیا اور مجاور فقیروں سے پوچھا یہ کس کا مزار ہے۔

انھوں نے کہا - فلاں بابا جی کا انتقال تو فلاں جگہ ہوا تھا - ہم نے ان کے کپڑے یہاں دفن کر دیئے تھے کہ میلہ ہو جایا کرے گا۔

قبر شریف سے خوشبو کا آنا

قطب العالم شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کی مٹی سے خوشبو اور عجیب و غریب خوشبو کا ظہور نہ صرف اہل لاہور اور پاکستان کے دوسرے لوگوں نے محسوس کیا بلکہ غیر ملکوں کے لوگ بھی مٹی بھی کر لے گئے ۔ سائنس دانوں نے تجربہ اور تحلیل کیا تو پھر بھی خوشبو آتی رہی ۔ مگر کوئی کیمیاوی مادی وجود ثابت نہ ہو سکا ۔ اخبارات میں یہ خبر مسرت اثر چھپتی رہی ۔ دور دراز سے عوام و خواص نے آ کر تجربہ کیا اور مشاہدہ کیا یہ سلسلہ ۱½ سال جاری رہا ۔ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ۔ تردد کی بھی کوئی بات نہیں ، انکار کی بھی مجال نہیں کہ حضرت شیخ التفسیر علیہ الرحمۃ نے پورے ۴۰ برس قرآن کریم کی وہ عظیم خدمات سر انجام دیں جو رہتی دنیا تک مثال اور اسوۂ حسنہ رہیں گی ۔

حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رح ، دارالعلوم دیو بند کے شیخ الحدیث اور عرب و عجم کے استاد اور ہندوستان کے مجاہد اعظم کی قبر شریف سے خوشبو زبان زد خواص و عوام ہے ۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی مٹی دیو بند سے پاکستان تک لائی گئی یہاں بھی خوشبو بدستور تھی ۔ (خدام الدین)

؎ میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں انکے دامن کے لئے

حضرت لاہوری رح کا مدرسہ اور اس کے شعبہ جات

درس قرآن مجید :- ۱۹۱۷ء سے عمومی درس قرآن جاری ہے یہ درس نماز فجر کے ایک گھنٹہ بعد ہوتا ہے مولانا احمد علی کی وفات کے بعد ان کے فرزند مولانا عبید اللہ انور یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں ۔ لیکن کسی حال میں ناغہ نہیں ہوتا ۔ مستورات کے لئے پردہ کا علیحدہ انتظام ہوتا ہے ۔

درس قرآن مجید خصوصی :- ہر سال رمضان المبارک میں ایک سہ ماہی درس تفسیر ہوتا ہے اس میں پاک و ہند کے صرف دینی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات شریک ہوتے ہیں ۔ قیام پاکستان سے قبل بالعموم دارالعلوم دیوبند ، مظاہر العلوم سہارنپور ، دار العلوم ڈابھیل اور مدارس عربیہ دہلی کے سند یافتہ طلبہ شریک ہوتے تھے اب جن بھارتی طلبہ کو پاسپورٹ اور ویزا مل جائے وہی شریک ہو سکتے ہیں ۔

اس درس تفسیر کا طرز یہ ہے کہ مولانا قرآن مجید پر عمومی خطبات دیتے ہیں ان میں تفسیر و تشریح کے علاوہ سورۃ کا خلاصہ ہر رکوع کا خلاصہ اور خلاصہ کے لئے ماخذ تبلائے جاتے ہیں ۔ ربط آیات کا بیان ہوتا ہے ۔ طلبا یہ تقاریر ساتھ ساتھ لکھتے جاتے ہیں ۔ روزانہ نئے سبق سے قبل پہلے سبق کا امتحان اور سبق کے بعد تکرار ہوتا ہے ۔ روزانہ مدت تدریس دو سے پانچ گھنٹے کے درمیان رہتی ہے آخر میں تحریری امتحان ہوتا ہے کامیاب ہونے والے اصحاب کو سند عطا کی جاتی ہے ۔

کتب خانہ قاسم العلوم :- مدرسہ قاسم العلوم کی عمارت میں ایک اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ موجود ہے اس میں ہر علم و فن کی کتابیں موجود ہیں ۔ کتابوں کی مجموعی تعداد چوبیس سو باون ہے ان میں تفسیر ، حدیث ، فقہ ، اصول فقہ ، فلسفہ شریعت ، تاریخ و سوانح اور ادب کے علاوہ تقابل مذاہب اور مناظرہ کی کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

حکایات شیخ التفسیر رحؒ

اعجاز احمد خان سنگھانوی
ایم اے
اسلامیات، تاریخ اسلام
عربی

(۱) مولوی امام الدین صاحب مرحوم پرائمری اسکول میں مدرس تھے۔ ان کے اکبری منڈی کے پاس تین مکان تھے۔ وہ ایک دن حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:

"مجھے خواب میں حکم ہوا ہے کہ میں آپ کو ایک مکان دے دوں"۔

حضرت لاہوریؒ نے بہت اچھا کہا اور وہ چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد پھر آئے کہ:

"مجھے دوبارہ حکم ہوا ہے"۔

حضرت لاہوری نے پھر بہت اچھا کہہ دیا اور معاملہ ختم ہو گیا۔ کافی مدت کے بعد وہ پھر آئے اور کہا:

"آج تو مجھے بہت ڈانٹا گیا ہے کہ کیا تمھیں اپنی زندگی پر بھروسہ ہے؟ چلئے چل کر پسند کر لیجئے"۔

چنانچہ حضرت شیخ التفسیر صاحبؒ نے جا کر ایک مکان پسند کر لیا۔ مولوی امام الدین صاحب مرحوم نے اس کی رجسٹری کروا دی۔ مولانا لاہوری نے اس مکان میں رہائش اختیار فرمالی۔

حضرت لاہوریؒ کی عادت تھی کہ وہ گھڑی دیکھ کر نماز کے لئے تشریف لاتے تھے۔ جب بھی نماز کے لئے تشریف لاتے تو راستہ میں کبھی کوئی دوست مل جاتا کبھی ان سے باتیں کرنے میں مصروف ہو جاتا۔ حضرت کی کبھی ایک کبھی دو رکعت قضا ہو جاتی تھیں۔ حضرت لاہوریؒ پر یہ صورت حال بہت شاق گزری اور آپ نے مولوی امام الدین صاحب مرحوم کو بلا کر کہا کہ:

"آپ نے مجھے اشاعت دین کے لئے مکان دیا تھا مگر میرے دین میں نقص پیدا ہو رہا ہے آپ یا تو مجھے اس مکان کو بیچ کر لائن سبحان خاں میں دوسرا مکان بنانے کی اجازت دے دیں اس سے آپ کے مکان کی صورت بدل جائے گی، لیکن سیرت وہی رہے گی یا پھر آپ مکان واپس لے لیں۔ جس خدا تعالیٰ نے مجھے آج تک کرایہ دیا ہے وہ آئندہ بھی دے گا"۔

مولوی امام الدین صاحب مرحوم نے خوشی سے حضرت لاہوریؒ کو اجازت دے دی اور انہوں نے اس مکان کو بیچ کر موجودہ مکان بنا لیا۔ (خدام الدین صہ۱۸ ۲۶ جون ۱۹۶۴ء)

(۲) ریشمی رومال کی تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں حکومت برطانیہ نے مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کو لاہور لا کر حکم دیا کہ:

"آپ اس شہر سے باہر اپنی سرگرمیاں جاری نہیں رکھ سکتے"۔

چنانچہ حضرت مولانا احمد علی صاحب کو مجبوراً لاہور میں رہائش پذیر ہونا پڑا۔ شیرانوالہ گیٹ کے اندر چھوٹی سی مسجد میں قرآن پاک کا درس جاری کر دیا۔ یہ مسجد اب بھی موجود ہے اور بڑی مسجد جو بعد میں تعمیر ہوئی، اس کے پہلو میں ہے۔

ابتدا میں جب حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحبؒ نے درس قرآن اور خطبات جمعہ سے اہل لاہور کو مستفید کرنا شروع کیا۔ اس وقت ایک اور عالم صاحب بھی دہلی دروازہ کے اندر مقیم

ہے، جو دیو بندی مکتب فکر کے علما سے اختلاف رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں اہل لاہور پر ان مولانا صاحب کا خاصا اثر تھا۔ کیونکہ سالہا سال سے وہ یہاں مقیم تھے۔

دہلی دروازہ والے مولانا صاحب کو یہ ناگوار گذرا کہ کوئی اور عالم ان کا حریف بن کر اہالیان شہر لاہور کو اپنی طرف مائل کرے۔ چنانچہ مولانا صاحب موصوف نے حضرت لاہوری کے خلاف پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا اور جمعہ کی تقریروں اور دیگر اجتماعات میں حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کو وہابی بے دین وغیرہ کے خطابات سے یاد کیا جاتا۔

ادھر حضرت لاہوریؒ ہر جمعہ میں ایک جامع تقریر فرماتے۔ قرآن پاک کی کسی آیت کی تفسیر ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اسوۂ حسنہ مستند احادیث نبویؐ کے حوالہ جات سے بیان کئے جاتے۔ کبھی بھی حضرت لاہوریؒ نے ان مولانا صاحب کی بہتان طرازی کا جواب نہیں دیا۔ یہ سلسلہ کافی دن تک چلتا رہا۔ اس زمانہ کے لوگوں کی زبان پر یہ فقرہ چڑھ گیا:

"اگر قرآن سننا ہو تو شیرانوالہ دروازہ جا کر حضرت لاہوری سے سُن لو اور اگر گالیاں سننی ہوں تو دہلی دروازہ چلے جاؤ"

رفتہ رفتہ اہل لاہور پر حضرت مولانا احمد علیؒ کی عظمت واضح ہو گئی اور بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ جوں جوں حضرت لاہوریؒ کے معتقدین کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا توں توں وہ مولانا صاحب جو دہلی دروازہ کے اندر مقیم تھے ان کا جوش رقابت بڑھتا گیا۔ ان کے معتقدین کی کافی تعداد شیرانوالہ دروازہ کے اندر رہتی تھی۔ ان کی تقاریر کا جاہل مریدین پر خاص اثر ہوا اور انہوں نے مل کر کوشش کرنی شروع کر دی کہ حضرت لاہوری کو شیرانوالہ دروازہ کی مسجد سے نکال دیا جائے۔

چنانچہ محلہ شیرانوالہ کے کچھ لوگ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ حضرت لاہوریؒ کو فوراً مسجد سے نکال دیا جائے اور دوسری طرف حضرت لاہوریؒ کے معتقدین نے مزاحمت کی۔ پہلے کچھ دن تو معمولی تکرار ہوتا رہا اور وہ بھی اس وقت جب حضرت لاہوریؒ درس دے کر چلے جاتے۔ ایک دن بات طول پکڑ گئی اور حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ دنگہ فساد کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ دونوں طرف سے لوگ لاٹھیاں وغیرہ اٹھائے ہوئے تھے کہ کسی نے حضرت لاہوریؒ کو اطلاع کر دی کہ مسجد میں فساد ہونے والا ہے۔ حضرت فوراً مسجد میں تشریف لائے۔ پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو؟ معتقدین نے جواب دیا کہ:

"حضرت! یہ لوگ آپ کو مسجد سے بزور نکالنا چاہتے ہیں اور ہم یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم ان کا مقابلہ کریں گے"۔

حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے فرمایا کہ:

"میں تو دین سکھانے آیا ہوں، مسلمانوں میں فساد ڈالنے نہیں آیا۔ آپ حضرات کو اگر واقعی مجھ سے محبّت و عقیدت ہے تو چند منٹ کے لئے مسجد سے نکل جائیں میں دوسرے حضرات سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ آخر ہم سب مسلمان ہیں اور بھائی بھائی ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کی عزّت اور جان و مال کا احترام کرنا چاہیئے"۔

حضرت لاہوریؒ کے حکم سے سب معتقدین مسجد سے باہر چلے گئے۔ حضرت نے مسجد کا دروازہ بند کر دیا اور اپنے مخالفین سے نہایت اخلاق کے ساتھ گفت گو شروع کی اور فرمایا کہ:

"میں خانہ خدا میں با وضو کھڑا ہوں اور میرے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک ہے۔ میں اپنے خالق

حقیقی کو حاضر ناظر جان کر رب العالمین کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں صرف آپ حضرات کو قرآن پاک کی تعلیم دینے کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ میں کسی دنیاوی لالچ یا غرض سے اس مسجد میں نہیں آیا۔ اگر آپ حضرات مجھ سے بخوشی قرآن کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میں اس سلسلہ میں درس وغیرہ کو جاری رکھوں گا۔ اگر آپ حضرات مجھ سے قرآن پاک سننا نہیں چاہتے تو میں یہاں سے چلا جاؤنگا ہاں ایک عرض ہے کہ آپ میں سے صرف ایک آدمی آ کر میرا دایاں ہاتھ جس میں قرآن پاک ہے پکڑ کر مجھے مسجد سے نکال دے میں پھر کبھی اس مسجد میں نہیں آؤں گا خواہ کوئی بھی مجھے یہاں رہنے کی درخواست کرے۔ آئیں کوئی صاحب اکیلے آ کر مجھے ہاتھ سے پکڑ کر باہر نکال دیں کسی فتنہ فساد اور دھینگا مشتی کی ضرورت نہیں۔"

سب مخالفین حضرت کو دیکھ رہے تھے مگر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس طرح قرآن پاک کو دھکا دیا جائے۔ کہنے لگے:

"اچھا مولانا! ہم سوچ کر پھر بتائیں گے فی الحال ہم جاتے ہیں۔"

اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے ان سب کے دل پھیر دیئے اور آہستہ آہستہ وہ سب حضرت لاہوری کے معتقدین میں شامل ہو گئے۔ اس طرح سے حضرت لاہوری نے اپنے اخلاق حمیدہ سے مخالفوں کو مطیع و فرمانبردار کر لیا۔ ان سب کے عقائد درست ہو گئے۔ (خدام الدین صہ ۱۵ ۱۷ر ستمبر ۱۹۷۱ء)

(۳) حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری ایک مرتبہ گھر میں دیر سے تشریف لائے، رات ہو چکی تھی۔ گھر میں طبیعت ناساز تھی۔ حضرت نے نیند سے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ صاحبزادی نے اٹھ کر کھانا دیا، اتفاق سے صاحبزادی صاحبہ کو پتہ نہ تھا کہ تازہ روٹی کہاں رکھی ہے وہ غلطی سے کئی دن کی باسی روٹی اٹھا لائیں اور سالن برتن میں ڈال کر حضرت کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت نے جو دیکھا تو روٹی بہت سخت تھی اس پر پھپھوندی (پھوٹی) جمی ہوئی تھی۔ صاحبزادی صاحبہ کے علم میں یہ بات نہ تھی لیکن حضرت نے اسے بتانا بھی مناسب نہ سمجھا اور دل سے فیصلہ کر لیا کہ:

"اللہ تعالےٰ جو روز اچھی اور تازہ روٹی دیتا ہے اگر آج اس نے یہ باسی روٹی سامنے رکھوا دی ہے تو اس کی نعمت سے کیسے انکار کیا جائے۔ غرضیکہ اسی روٹی کو کھا لیا۔"

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ

"کھانے میں کراہت بھی محسوس ہوتی تھی، جی متلاتا تھا، قے آیا چاہتی تھی مگر نفس کو سزا دی اور چار و ناچار ساری روٹی کھا لی۔"

اس واقعہ کو بیان کر کے فرمایا کہ:

"یہ دونوں مربیوں (خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری، حضرت سید تاج محمود امروٹی) کی صحبت (اور تربیت) کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے انانیت اور نفس کو مسل کر رکھ دیا۔

(خدام الدین صہ ۵۔ ۲۶ر جون ۱۹۶۴ء)

(۴) حضرت مولانا عبدالشکور صاحب مدظلہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کی معیت میں سہارن پور سے کیمبل پور آ رہے تھے، ہمارے ساتھ کچھ طلبا بھی تھے جو دورۂ تفسیر میں شرکت کے لئے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی خدمت میں پہنچنا چاہتے تھے۔

اتفاقاً حضرت مولانا احمد علی صاحب بھی لاہور اسٹیشن پر اکابرین دیو بند کے استقبال کے لئے موجود تھے لیکن وہ لوگ متوقع گاڑی سے نہ پہنچ سکے اور مولانا عبدالشکور صاحب، حضرت شیخ التفسیر مولانا

احمد علی صاحب لاہوریؒ سے بالکل ناواقف تھے۔

اسی ناواقفیت کی بنا پر انہوں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ سے درخواست کی کہ آپ ان طلباؑ کو شیرانوالہ کی مسجد میں پہنچا دیں۔ حضرت مولانا لاہوری صاحبؒ نے بلاکسی پس و پیش کے ان طلباؑ کا سامان اٹھایا اور مسجد شیرانوالہ پہنچا دیا۔ طالب علموں کو جب معلوم ہوا کہ سامان پہنچانے والے ہی شیخ التفسیر ہیں تو بہت شرمندہ ہوئے۔ (خدام الدین لاہور صلا ۔ ۲۶ جون ۱۹۶۴ء)

حضرتؒ کا آخری درس

لاہوریو! تم نے اپنی اولاد کو بی۔ اے، ایم۔ اے، پی ایچ ڈی کرایا۔ وکالت اور ڈاکٹری پڑھائی ایسی اولاد کو کیا کرنا اور کس کام کی وہ اولاد جس کے لئے تم نے توسب کچھ کیا مگر وہ اپنے باپ کے جنازہ پر دعائے جنازہ بھی نہیں پڑھ سکتی۔ لاہوریو! یاد رکھو یہی اولاد قیامت کے دن جب پکڑی جائے گی تو پکار پکار کر کہے گی۔ خدایا! ہمارے بزرگوں اور والدین کا قصور ہے جن کی ہم نے تابعداری کی اور جنہوں نے ہمیں تیرا راستہ نہ دکھایا اس لئے ان کو ہم سے دگنا عذاب دے۔ اے لاہوریو! اس وقت تمہارا کیا جواب ہوگا؟ لاہوریو! تم یہ ہرگز نہ کہہ سکو گے کہ خدایا ہمیں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ نے اتمام حجت کر دیا ہے اور مجھے دہلی سے اٹھا کر لاہور بٹھا دیا ہے۔ میں گذشتہ ۴۶ برس سے قرآن کا درس دے رہا ہوں اور لاہوریوں پر شرط تبلیغ پوری کر رہا ہوں۔ ذرا غور کرو اور سوچو کہ اس وقت تمہارا کیا حشر ہوگا۔ خدا سے ڈرو، تمہارے دین کا یہ عالم ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو آپ لوگ بیوہ کے گھر جاکر اس سے ہمدردی اور یتیموں سے پیار کی بجائے ان کا مال کھانا شروع کر دیتے ہو۔ مختلف قسم کی غیر ضروری رسوم اور رواجوں میں یتیموں کا مال کھاتے ہو، حالانکہ قرآن حکیم میں حکم ہے۔

ولا تاکلوا اموال الیتیم ۔ یتیم کا مال نہ کھاؤ

تمہیں بیوہ کے بچوں کی تربیت کی فکر نہیں، تمہارے بے کس اور یتیم بچے اداس اور حزن و یاس کی تصویر بنے بیٹھے ہیں مگر تمہیں ان کا مال کھانے کی حرص، "خدا کا خوف کرو۔" جنازہ کی دعا تک نہیں آتی اور مال مرحوم پر گہری نظر، ہاں اگر زیادہ شوق ہے تو خود جیب سے خرچ کرو، مرنے والے کے مال پر کیوں نظر ہے۔ چاہیئے تو یہ کہ بیوہ اور یتیم کی آسائش کا کوئی سامان کرو، مگر تمہیں اس کی پونجی تک ختم کرنے کی فکر ہے، اس کے بعد آپ نے نماز جنازہ پڑھ کر سنائی اور پھر وضاحت سے اس کا ترجمہ بھی سنایا اور فرمایا، کتنی جامع دعا ہے جس میں ہر مسلمان مرد، عورت، حاضر، غائب اور صغیر و کبیر سب کے لئے دعا خیر ہے لیکن یاد رکھو تمہیں ایسے مسائل وہی بتا سکتا ہے جو تمہارے سامنے چندہ کے لئے ہاتھ نہ پھیلائے، تمہارا تنخواہ دار نہ ہو جو شخص تمہاری روٹی کا محتاج ہو وہ تمہیں ایسے مسائل کبھی نہیں بتا سکتا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آپ کا محتاج نہیں کیا۔ اے لاہور کے امیرو! اور کارخانہ دارو، خدا تعالیٰ نے مجھے بھی رزق اور مال دیا ہے اور "من حیث لا یحتسب" جہاں سے گمان بھی نہیں وہاں سے دیا ہے اور میں ماشاء اللہ اس مال سے تین دفعہ اللہ اور اس کے حبیبؐ کے گھر ہو آیا ہوں۔

لاہوریو! تم اپنی بیویوں کو سینما لے جاتے ہو، کلب میں لے جاتے ہو، مخلوط اور عریاں پارٹیوں میں حصہ لیتے ہو، ناچ گھروں تک لے جاتے ہو اور حتیٰ کہ فحاشی تک سے نہیں شرماتے لیکن تم اگر عورتوں کو نہیں لے جاتے اور نہیں بھیجتے تو دینی مجالس میں نہیں بھیجتے۔ جس خدا نے سب کچھ دیا ہے اس کے ذکر کی مجلس میں جاتے شرم آتی ہے لیکن ان فحاشی کے مراکز میں لے جاتے شرم نہیں آتی، لاہوریو! خدا سے ڈرو قیامت کے دن خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔

میں نے اتمام حجت کر دی ہے اب یہ نہیں کہہ سکو گے کہ ہمیں کسی نے بتایا نہیں میں نے بتا دیا ہے۔

اداریہ روزنامہ آفاق فیصل آباد
۴ مارچ ۶۲ء

شیرانوالہ دروازہ، لاہور کی مسجد میں درس دینے والی سیدھی سادھی ہستی، اور انجمن خدام الدین کی تنظیم میں قوت و عمل جاری و ساری رکھنے والا بظاہر غیر اہم سا سادہ لباس پیکر مولانا احمد علیؒ وہ گراں مایہ ہستی تھے جنہیں اگر مکتب شاہ ولی اللہ کا آخری مبلغ اور بزم عبید اللہ سندھی کا آخری چراغ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

میانہ قامت، عمامہ پوش، پیراہن شعار عوام سے گھل مل کر چلنے پھرنے والا انسان ایک شعلہ بیان خطیب، ایک سحر زبان مقرر ایک نکتہ آفرین مفسر قرآن اور ایک ماہر نفسیات مبلغ اسلام کی حیثیت سے شباب کی طوفانی ساعتوں میں ہی سینکڑوں اور ہزاروں کو نہیں بلکہ لاکھوں کو اپنا بنا چکا تھا۔ آخر کوئی تو وجہ تھی کہ لاہور کے دور ماندہ اور بعید از قلب انتادہ محلہ میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرنے والے کی خبر رحلت آناً فاناً بجلی کی سی تیزی اور سرعت کے ساتھ نہ صرف شہر اور ضلع بھر میں پھیل گئی بلکہ اس کے ڈانڈے پشاور اور کراچی جیسی دُور دراز فاصلوں پر واقع بستیوں سے جا ملے اور پلک جھپکنے نہ پاتی تھی کہ ڈیڑھ لاکھ سے بھی زیادہ نفوس عقیدت کیش و دل ریش، آخری دیدار میت کے لئے ٹرینوں۔ طیاروں، موٹروں، بسوں، لاریوں، ٹرکوں، اسکوٹروں، رکشاؤں، سائیکلوں، تانگوں، گاڑیوں میں سوار اور پیادہ مسافت ہائے صغیر و عظیم طے کر کے لاہور پہنچ گئے۔ دنیا حیران تھی کہ پراپیگنڈہ کے موجودہ وسائل نہ رکھنے والا اور ان پہ ایمان بھی نہ رکھنے والا، انسان، خاموش سادہ اور اکثر ٹیپ ٹاپ کے بندوں کی نگاہوں سے اوجھل زندگی گذارنے والا شخص بغیر کسی مادی امداد اور سہارے کے اس قابل ہو گیا کہ دُور دراز علاقوں اور ملک کے قریب و بعید گوشوں سے ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ کھنچ کھنچا کر دیوانہ وار اس کے آخری دیدار کے لئے لاہور پہنچنے لگے۔ لیکن سادہ لوح ظاہر بین، نگاہ رکھنے والے لوگوں کو کیا معلوم کہ

ملتِ عشق از ہمہ دین ہا جُداست
عاشقاں را مذہب و ملت خداست

عالم کائنات کے مرکز تخلیق، آفرنیندہ عالمین سے صحیح اور سچا ربط رکھنے والے انسان، خود دنیا بھر کے انسانوں کی توجہ، کشش اور دلچسپی کا مرکز بن جایا کرتے ہیں۔ بالکل اس طرح جیسے کسی درخت کے پتے، کونپلیں، کلیاں، پھول اور پھل، اس کی جڑ سے قدرتی ربط اور تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ آج مولینا احمد علیؒ ہم میں نہیں۔ ان کا جسدِ خاکی عقیدتمندوں کے کپکپاتے ہاتھوں، لرزتی ہوئی چیخوں، دم توڑتی ہوئی سسکیوں اور نہ تھمنے والے اشکوں کے ہجوم اور آہ و فغاں کی یلغار میں آنکھوں دیکھتے سپرد خاک کیا جا چکا ہے۔ لیکن جس مشن کی تکمیل میں مرحوم نے اپنی زندگی کے ۷۶ سال گزار دیئے اور در حقیقت جس مشن کی انجام رسانی میں ہی انہوں نے اپنی قیمتی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی وہ آج بھی زندہ ہے اور باری تعالیٰ کے فرمان "کنتم خیر اُمّة اُخرجت للناس، تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر" کی روشنی میں قیامت تک زندہ رہے گا۔ کیوں کہ ازل سے خیر و شر کا جو معرکہ بپا ہے وہ حشر بپا ہونے تک برپا ہی رہے گا۔ برائیاں کرنے والے برائیاں کرتے رہیں گے اور نیکیاں پھیلانے والے اور لوگوں کو برائیوں سے بچانے کی تلقین تجویز اور توقع رکھنے میں حق بجانب ہی قرار دیا جائے گا۔ کہ ملتِ اسلامیہ بھی زندگی کائنات کی آخری سانس تک اس مشن کو جس کی اہتمام رسانی پر اسے اللہ اور اس کے محبوب و برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور ہے مستعد اور مصروفِ عمل ہی رہے گی۔

مولانا احمد علیؒ (اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے) ان علماء میں نہیں رہے جو ارکانِ دین، صرف نماز، روزہ، حج زکوٰۃ کو قرار دے کر وعظ ختم فرما دیتے ہیں۔ بلکہ موصوف نے اس آیت ربانی کو اپنا خضر راہ بنا رکھا تھا کہ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ اور یہ آیت پاک تو گویا مولینا مرحوم کے شب و روز کی شام و سحر بن چکی تھی کہ وجاھدو فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم واللہ تعالیٰ

کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانیں پیش کر کے جہاد کرو،

وہ صحیح معنی میں خانوادہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے گوشے، مکتب مولینا عبید اللہ سندھیؒ کے چشم و چراغ اور تربیت گاہ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ کے نشان بردار تھے۔ جو لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں مولانا احمد علیؒ صرف وہی تھے جو دہلی کی جامع مسجد فتحپوری کے نظارۃ المعارف القرآنیہ میں درس دیا کرتے تھے اور بس وہ سمجھ لیں کہ وہ معلم دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ جن کی نگاہوں نے صرف یہ دیکھا تھا کہ مولینا عبید اللہ سندھیؒ کے ترک وطن اور ہجرت کر جانے کے بعد شیخ الہند مولینا محمود الحسن، مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں، بطلِ حریت مولینا محمد علی جوہر مرحوم ترکوں کے عاشق جانباز ڈاکٹر انصاری کے ملت نواز ہاتھوں، مولینا سندھی مرحوم کی مسند جانشینی پر فائز کیا ہوا شخص دنیا سے کوچ کر گیا۔ وہ یقین کر لیں کہ وہ آب و گل کا مجموعہ واقعی دنیا سے سدھار گیا جنھوں نے صرف اتنا علم حاصل کیا تھا کر مولینا محمد علی جوہرؒ کے "ریشمیں خطوط" کا ایک ہیرو احمد علیؒ خاکدان عالم کو خیرباد کہہ گیا۔ وہ بھی اپنے خیال کے صحیح ہونے کا یقین کر لیں۔ جو یہ جانتے ہیں کہ شملہ جالندھر وغیرہ کی جیلوں کی کڑیاں بکشادہ پیشانی برداشت کرنے والا اور برطانوی استعمار پرستوں سے آخر تک جنگ جاری رکھنے والا چل بسا۔ وہ بھی صبر کر لیں کہ واقعی یہ سب کچھ ظہور میں آگیا۔ پھر جن کا مشاہدہ صرف یہ تھا کہ شیرانوالہ دروازہ لاہور کے خضر کا محلہ کے ایک مکان کا ساکن اللہ کو پیارا ہو گیا۔ وہ بھی اپنی بات سچ سمجھیں لیکن ان ظاہری اسباب و عوامل سے کچھ آگے دیکھنے والی آنکھیں اور ان زمان و مکان کی قیدوں کو قبول نہ کرنے والا دل، کچھ اور دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ انھیں مولینا احمد علیؒ اپنی ابدی جلوہ سامانیوں اور جلوہ تابانیوں کے ساتھ آج بھی زندہ و باقی نظر آتے ہیں۔ اور اس وقت تک چشم تصور میں چلتے پھرتے، مسکراتے، درس دیتے نظر آتے رہیں گے۔ جب تک ان کا عظیم مشن جس کی تکمیل میں انھوں نے بارہا اللہ تعالیٰ سے فرمائی تھی کہ "اے اللہ جب تک تیری دنیا میں زندہ رہوں خدمتِ دین کرتا رہوں۔" اور جو یقیناً مستجاب بھی ہوئی۔ اپنی تکمیل کے آخری مراحل نہیں دیکھ لیتا۔

آج مفسر قرآن و احادیثؒ کا سچا عقیدتمند وہی ہے۔ جو ان کے ہاتھوں میں روشن رہنے والی شمع کو لے کر آگے بڑھے اور جو راہ حضرت شاہ ولی اللہ حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت مولینا محمود الحسنؒ اور دیگر اکابر ملت دکھا گئے ہیں ان پر چل کر امت مسلمہ کو اس حقیقی منزل تک پہنچائے۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرتؒ کے مدرسہ کی کہانی، حافظ نذر احمد کی زبانی

ناظم و مہتمم :۔ جناب مولانا عبید اللہ انور۔

انتظامیہ :۔ مدرسہ کی انتظامی جماعت کا نام انجمن خدام الدین ہے۔

مسلک :۔ حنفی دیوبندی۔

مختصر تاریخ :۔ قاسم العلوم کا افتتاح ۱۹۴۳ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے فرمایا۔ مدرسہ کی عمارت پندرہ کمروں پر مشتمل ہے ہال ان کے علاوہ ہے یہ ادارہ دوسرے عام مدارس عربیہ سے مختلف ہے یہاں صرف درس نظامی رائج نہیں بلکہ شعبان اور رمضان المبارک میں مدارس عربیہ اسلامیہ کے فارغ التحصیل طلبا کو قرآن مجید کی تفسیر پڑھائی جاتی ہے اور ان میں سے منتخب طلباء کو حضرت شاہ ولی اللہ کی معروف کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیا جاتا ہے۔ نماز فجر کے ایک گھنٹہ بعد روزانہ عمومی درس ہوتا ہے۔ چھوٹے بچوں کے لئے حفظ و ناظرہ کا مکتب قائم ہے ابتداً قاسم العلوم میں فنی تعلیم کا انتظام تھا مگر اب یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

پروفیسر محمد فاروق صاحب

تذکار الشیخ

ہفتہ کی صبح تھی نماز فجر کے بعد حسب معمول میں اپنے احباب کے ساتھ مسجد سے گھر واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں برادرم عبدالغفور قریشی مالک ماہنامہ "عمر" ملے۔ قریشی صاحب آج آپ چھتری سنبھالے اُداس چہرہ لئے کہاں جا رہے ہیں۔ اتنی سویرے۔

"بھائی رات ساڑھے نو بجے مولانا احمد علیؒ رحلت فرما گئے وہاں جا رہا ہوں" انہوں نے ڈوبتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ اس صدمہ کا مجھ پر اتنا اثر تھا کہ اس کے بعد مجھے قریشی صاحب کی روانگی کا احساس تک نہ ہوا۔

شدت غم کا یہ عالم کیوں تھا اور وہ کونسی باتیں تھیں جن سے قلب حزیں متاثر ہوا تھا اس کا تعلق میری گزشتہ پچیس سالہ زندگی سے ہے جس میں راقم الحروف کو مولانا مرحوم کو قریب سے دیکھنے کے مواقع میسر آئے۔

اپریل ۱۹۳۶ء کی بات ہے کہ میں ضلع لاہور کے ایک گاؤں سے پرائمری پاس کر کے لاہور شہر کے ہائی سکول میں پانچویں جماعت میں داخل ہوا۔ میرے والد صاحب جمعہ کے روز مجھے ایک بڑی مسجد میں نماز جمعہ کے لئے لے آتے اور مسجد کے جنوب مشرقی دروازہ کے قریب چپکے سے بیٹھ جاتے میں بھی اُن کے پہلو میں بیٹھ جاتا۔ جب ہم نماز سے فارغ ہو کر گھر واپس جاتے تو راستہ میں والد صاحب فرماتے "بیٹا میں نے بہت مسجدوں میں جمعہ پڑھا ہے مگر جو لطف اس مسجد میں محسوس ہوتا ہے کہیں نہیں آتا۔ ہر جمعہ کو واپسی پر یہ جملہ کم وبیش والد صاحب کی زبان پر ضرور آتا۔

بھلا نو برس کی عمر میں کیا سمجھتا کہ روحانی لطف کیا ہوتا ہے اور اس کی کتنی اقسام ہیں اور والد صاحب کس قسم کے لطف کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں لیکن آپ کو داد دینی ہی پڑے گی کہ چند ماہ کی تکرار نے مجھے بھی اس لذت سے کچھ آشنا کر دیا کہ میں اگرچہ اس لذت کو پہچانتا اور پرکھتا تو نہ تھا لیکن میرا دل اس کا ضرور اسیر ہو چکا تھا کیونکہ جس جمعہ کو والد صاحب تشریف نہ لا سکتے میں اکیلا حسب معمول وقت پر آ کر مسجد کے جنوب مشرقی گوشے سے لگ کر بیٹھ جاتا ٹھیک ایک بجے تقریر کا آغاز ہوتا اور پورے دو بجے باقاعدگی کے ساتھ تقریر ختم ہو جاتی۔ تقریر کے خاتمہ پر میرا سر بھوڑے کی طرح دکھنے لگتا کیونکہ دوران تقریر بار ہا طبیعت پھوٹ پھوٹ کر رونے کو آتی۔ مگر میں اُسے بمشکل روکے رکھتا۔

محبت نے مجھے اُس وقت اسیر بنایا جب میں اس کو پہچانتا نہ تھا۔ وہ آئی اور میرے دل کو خالی پا کر اُس میں جاگزیں ہو گئی۔

اُن دنوں مسجد میں لاؤڈ سپیکر نہ تھا منبر کو مسجد کے جنوب مشرقی گوشے کے آخری دروازہ میں رکھا جاتا تاکہ ملحقہ چھوٹی مسجد میں خواتین تک آواز جا سکے۔ ایک کھدر پوش بزرگ صورت دراز ریش اُجلے لباس میں سر پر کھدر کی سفید پگڑی باندھے تشریف لاتے اور منبر پر بیٹھ جاتے اُن کا جوتا سرخ کھال کا ان کی شلوار نصف پنڈلی تک ہوتی کرتا دیسی طرز کا کھلی آستین والا پہنتے ایک چھوٹی سی گھڑی ان کی چھاتی پر ایک چھوٹی سی جیب میں ہوتی جسے وہ منبر پر بیٹھتے وقت جیب سے نکال کر سامنے رکھ لیتے پگڑی کو اُتار دیتے اور پگڑی کے نیچے ایک کھدر کی ٹوپی سر پر ہی رہنے دیتے

میں شخصیت پرست نہیں۔ اصول کی بات کرتا ہوں۔ آپ کو اپنے فکر کی قسم۔ ذرا بتائیے تو کیا پوری انسانی تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی ہے جہاں بغیر شخصیتوں کی وساطت کے اصول بہ نفس نفیس اپنے آپ کو منوا سکے۔ تاریخ تمدن اس بات پر شاہد ہے کہ جب تک اصول شخصیتوں کا حال نہ بنے۔ اصول نہ کہلا سکے۔ اصول نوازی سے شخصیتوں میں وزن آیا اور وزنی شخصیتوں نے ہر زمانہ میں اصول کو اپنے کردار

سے منوایا بات ظاہر ہو گئی کہ وزنی شخصیتوں کی تاریخ ہی اصول کی تدوین ہے۔ منبر پر تشریف لاتے ہی ہمہ تن متعین ہو جاتے سنجیدگی کا رعب مجمع پر یوں طاری ہوتا کہ ہزاروں کا مجمع سن ہو کر رہ جاتا ہر شخص اس سوچ میں ہوتا کہ دیکھئے آج کیا فرماتے ہیں۔ خطبہ مسنونہ کے بعد اپنے معمول پر فرماتے آج کی تقریر کا عنوان ہے .... پس تقریر کا آغاز ہوتے ہی لوگوں کی نگاہیں جھک جاتیں۔ اور ہر ایک اپنے ہی خمار میں مدہوش نظر آتا۔

میکشو مے کی کمی بیشی پہ ناحق جوش ہے — یہ تو ساقی جانتا ہے کس کو کتنا ہوش ہے

تقریر کا مواد قرآن و حدیث کی حدود سے باہر نہ جاتا، حکایات و روایات سے سخت اجتناب برتتے واقعات زندگی کو اکثر طور پر کتاب و سنت کی روشنی میں پرکھا جاتا۔ تنقید کا لہجہ گرم مگر انتہائی مؤثر اور سامعین کے جذبات کی کلی تسکین کرتا۔ پھر لوگوں سے اس تنقید کو تسلیم کراتے تو مخصوص لہجے میں فرماتے،، کوئی بولو تو سہی۔ میری عادت ہے کچھ بولتا ہوں اور کچھ بلوایا کرتا ہوں۔ پھر انگلی کا اشارہ آسمان کی طرف کرتے اور فرماتے اے خدا گواہ رہو میں پہنچا چکا (لاہور یو کو اگر شتہ ۳۰ سال سے میں تمہیں قرآن سنا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کل تم یہ نہ کہہ سکو گے" ربنا ما جاءنا من نذیر،، (اے خدا ہمیں کوئی ڈرانے والا نہ آیا) پھر جب اپنی سعادت مندی کا اعتراف کرتے تو فرماتے" اللہ تعالیٰ نے ایک سکھ کو اسلام کی توفیق بخشی۔ رسول صلعم کی امت میں اُس کو علم کا مرتبہ اور منبر رسول پر بٹھایا۔ یہ مسجد نقل ہے۔ مکہ شریف کی مسجد الحرام کی۔ یہ منبر نقل ہے منبر نبی کی جب مسلمانوں کی عملی غفلت کا تذکرہ فرماتے تو مارے غصے اور غم کے چہرہ سرخ ہو جاتا۔ آواز بلند ہو جاتی جسم کی حرکت تیز ہو جاتی اور ہاتھوں کے اشارے بڑھ جاتے۔

پھر یہ شعر پڑھتے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم — کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

(مجھے بیگانوں کا رونا نہیں میری خرابی کا باعث میرے دوست ہیں)

پھر طبیعت پر رقت طاری ہو جاتی تو زبان تکلم سے رُک جاتی، خاموش ہو جاتے اور اپنے مخصوص رومال سے ایک انگلی کے ساتھ اپنی آنکھوں کے گوشے پونچھتے۔ قرآن حکیم سے اتنی والہانہ محبت تھی کہ بعض دفعہ دوران تقریر" دو رکوع پڑھ جاتے اور فرماتے" میرے پاس وقت نہیں ہے کہ میں ترجمہ کروں، علماء کے لئے میں نے پڑھ دیا ہے وہ سمجھ گئے ہوں گے۔

کیا یہ سچ نہیں

مسلمانوں کی موجودہ عملی گراوٹ کا تفصیلی جائزہ لیتے تو ایک ایک نافرمانی گن جاتے۔ پھر گفتگو کا انداز بدل کر کہتے ذرا ہاتھ اٹھائیے جی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ مسلمان بے نماز ہے۔ کیا یہ ٹھیک نہیں کہ مسلمان کی اکثریت بے حیا ہے کیا مسلمان سود اور رشوت نہیں کھاتا کیا مسلمان محمڈن لا کو چھوڑ کر سول لا کا جو کافر کا قانون ہے۔ سہارا نہیں لیتا۔

سامعین ایک ایک بات پر ہاتھ اٹھاتے اور بلند آوازے کہتے ٹھیک ہے جی۔ ضرور ہے جی۔

" جب،، مجلس سے اقرار کرا لیتے تو رقت کے مخصوص انداز میں قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھ دیتے جس کا ترجمہ یہ ہے

(اے خدا میں نے تیرے بندوں کے دل میں تیری بات کہہ دی)۔

موصوف کو اللہ تعالیٰ نے فکر کی جامعیت عطا کی تھی، ہر جمعہ ایک نیا عنوان ہوتا ایک جمعہ سیاسیات پر بحث ہوتی تو دوسرے جمعہ اخلاقیات کا تذکرہ آ جاتا پھر معاملات کی طرف رخ پلٹ جاتا۔ معاملات سے نپٹ لیتے تو اگلے جمعہ حسن معاشرت پر بول دیتے۔ پھر جب دیکھتے کہ مسلسل تنقیدی تقریروں سے عوام کی طبیعت بوجھل ہو جائے گی تو فرماتے،، آج مجلس کے ذائقہ کو بدلنے کی خاطر تقریر کا عنوان ہے" تعلق باللہ" کہ حضور صلعم نے فرمایا ہے۔ (اپنی مجلسوں کا ذائقہ بدل لیتے رہو) چنانچہ خالص ایمانیات پر تقریر فرما دیتے۔ مگر ساتھ ساتھ تصوف کی چاشنی دے کر مضمون اتنا لطیف کر دیتے کہ طبائع ایسی پرسکون ہو جاتیں کہ گویا انہوں نے تنقیدی تلخیاں چکھی ہی نہیں۔

یہ سب کچھ میں اپنی یادداشت سے لکھ رہا ہوں۔ میری ان یادداشتوں کا زمانہ ۱۹۳۰ء سے شروع ہوتا ہے اور ۱۹۴۷ء پر ختم ہو جاتا ہے کیونکہ

اس کے بعد میں نے خود کو مستقل طور پر اپنا مشن تبلیغی بنا لیا۔ اب میں خود جمعہ کو خطیب ہوتا میں اُن کے خطبہ میں نہ آسکتا تھا۔ اب میرے جذبات اُس نوخیز پرندہ کی طرح تھے جو اڑنا سیکھ رہا ہو۔ میں ایک بلند مقصد کو اپنا چکا تھا مگر علمی کی راستہ میں حائل تھی۔

میں نے ۱۹۴۲ء میں میٹرک پاس کر لیا۔ مگر میں نے میٹرک تک فارسی پڑھی تھی طبیعت کے رجحانات کچھ دوسری ہی شکل اختیار کر چکے تھے۔ ایک سال تو قرآن حکیم تجوید کے ساتھ پڑھنے پر لگ گیا۔

بالآخر اپریل ۱۹۴۵ء میں طبیعت اپنی اصل گم گشتہ کو دریافت کرنے میں کامیاب ہوگئی اور میں نے مستقل طور پر درس نظامیہ کے نصاب کو عبور کرنے کی ابتدا مولانا شمس الرحمان صاحب فاضل دیوبند سے کرلی جس کی تکمیل اوائل ۱۹۵۲ء میں مولانا شہاب الدین صاحب فاضل دیوبند خطیب سابق جامع مسجد پوہرجی کوارٹر کے ہاتھوں ہوئی۔ جب کہ میں نے مولانا موصوف سے حدیث اور تفسیر کی۔ جو میری علمی منزل مقصود تھی۔

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

کیا اس سے زیادہ میٹھی بات کبھی آپ نے سنی میں اس مضمون کو ہر چند سمیٹنا چاہتا ہوں مگر بات سے بات نکلتی جا رہی ہے۔

یک حرف بیش نیست سراسر حدیث شوق — ایں طرفہ ترکہ ہیچ بپایاں نمی رسد

میں نے اپنی اُلفت کے راز سربستہ کو کھول کر اہل دل کو اشارہ کر دیا۔

تلقین درس اہل نظر یک اشارت ست — کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

یہ موصوف مولینا احمد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ تھے جو مسجد شیرانوالہ دروازہ کے نصف صدی تک مسند نشین رہے جن کے داغ مفارقت نے میرے غم کو ہزار چند کر دیا کہ یہ مضمون ناسور بن کر میرے دل و دماغ سے بہہ نکلا۔

دل بدرد آمد ز ہجراں چنیں یک رنگ شیخ — لیک راضی ایم برفعل خدا و ند علیم

حضرتِ لاہوریؒ مولانا سید محمد داؤدؒ کی نظر میں

مولانا احمد علی صاحب کی وفات میرے لئے انتہائی صدمہ کا باعث ہے، مولانا مرحوم ملک کے ممتاز ترین علماء میں سے تھے، ان کے سانحہ ارتحال سے ملت اسلامیہ کو جو نقصان پہنچا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔

مولانا مرحوم نے توحید و سنت کی اشاعت اور مشرکانہ رسوم کو مٹانے کے لئے شروع میں جو تکالیف برداشت کی ہیں۔ آج کل کے نوجوان علماء اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کے درس و تدریس کو جس تسلسل پابندی اور قابلیت کے ساتھ انہوں نے تقریباً چالیس سال تک جاری رکھا اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ انگریزی استعمار کے خلاف جب تک یہاں انگریز رہا۔ انہوں نے جہاد جاری رکھا۔ اس راہ میں تمام مصائب اور تکالیف کو انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ میرے ساتھ کئی دفعہ جیل جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں مجھے ان سے بہت قریب رہنے کا موقع ملا۔ میں نے انہیں بہت مخلص اور ہمدرد رفیق پایا وہ باوجود اپنے بزرگانہ اوضاع و اطوار کے رفقاء جیل کے ساتھ تواضع محبت اور خندہ پیشانی سے پیش آتے اور بعض دفعہ ہمارے ساتھ بے تکلف مجالس میں بھی شریک ہو جاتے۔

مولانا مرحوم نے ہمیشہ کلمۃ الحق کا اعلان بلاخوف لومۃ لائم کیا جس میں آپ کو بے حد تکالیف پیش آتی رہیں لیکن علمائے ربانیین کے ذمہ کلمۃ الحق کا جو فریضہ عائد ہوتا ہے اسے ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ بغرض آج ملت اسلامیہ ایک عالم باعمل، مجاہد فی سبیل اللہ، عابد و زاہد اور علوم قرآن کے معلم و مبلغ سے محروم ہو گئی۔

قاری محمد اقبال جھنجھانوی

جستہ جستہ

عاجز سراپا گنہگار چند ایسے ذاتی واقعات تحریر کر رہا ہے جس میں دوسروں کے لیے بھی اصلاحی پہلو موجود ہیں۔ اور قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کس قدر ہر چیز کا خیال رکھتے تھے (۱) بندہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے روزانہ مغرب کے قبل حضرت والا قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تھا اور عشاء کی نماز کے بعد حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ جب در دولت پر تشریف لے جاتے تھے تو یہ عاجز بھی گھر آ جاتا تھا۔

ایک دفعہ گرمیوں میں ایسا ہوا کہ بندہ نے عشاء کے بعد شیرانوالہ گیٹ مسجد میں رہنا شروع کر دیا کیونکہ صبح درس میں پہنچنا گھر سے (جو کہ کرشن نگر میں ہے) مشکل ہونے لگا تھا چار پانچ دن جب علی الصبح حضرتِ والا کی آمد پر مسجد کے دروازہ پر عاجز کو متواتر حضرت والا نے دیکھا تو عاجز سے پوچھا کہ بیٹا رات کو گھر نہیں جاتے عاجز نے عرض کیا کہ حضرت رات کو دیر ہو جاتی ہے بندہ پیدل ہی گھر جاتا ہے صبح مشکل سے آنکھ کھلتی ہے اور درس میں پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے رات کو یہیں ٹھہر جاتا ہوں

حضرت والا قدس سرہ نے فرمایا کہ شادی ہو گئی ہے عرض کیا الحمدللہ کہ ہو گئی ہے حضرت والا نے حکماً فرمایا کہ رات کو گھر جایا کرو ہماری طرف سے رات کو رہنے کی اجازت نہیں ہے

یہ تھا حضرتِ والا کا طریقہ کہ ہر ہر موقعہ پر سنت کے مطابق عمل کرواتے تھے اور اسی کو پسند فرماتے تھے۔ عاجز کے ایک بزرگ ہیں حاجی جمیل الرحمٰن صاحب جن کی بیعت حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے وہ آج کل کراچی ہیں ان دنوں لاہور میں تھے انہوں نے بتایا کہ چھاؤنی میں ایک خاندان نہایت ہی کسمپرسی کی حالت میں ہے ان کے خاندان کا واحد سہارا اچانک ہارٹ فیل ہونے سے انتقال کر گیا ہے حاجی صاحب نے زور دیا کہ حضرتِ والا سے عرض کروں بندہ کو حجاب تھا اس لیے ایک دو ہفتہ حضرتِ والا سے عرض نہیں کیا آخر حاجی صاحب کے زور دینے پر عاجز ان کو ہمراہ ظہر سے قبل شیرانوالہ گیٹ آیا اور تمام حالات لکھ کر حضرتِ والا کو لفافے میں دے دیئے حضرت والا نے حجرۂ مبارک میں جاکر پڑھا اور حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ کے ہاتھ سو روپے کا نوٹ بھیج دیا یہ تقریباً ۵۸ء کا واقعہ ہے جبکہ سو روپے بہت بڑی بات ہوتی تھی اور فرمایا کہ ہماری طرف سے یہ ان کو پہنچا دو۔

عاجز نے وہ رقم حاجی صاحب کو دینی چاہی لیکن حاجی صاحب قبلہ بندہ کو اپنے ہمراہ اسی وقت چھاؤنی لے گئے اور اس مستحق خاندان کو وہ رقم پہنچائی حقیقتاً وہ لوگ بہت ہی زیادہ مستحق تھے عاجز کو وہاں جاکر احساس ہوا حاجی صاحب نے احتیاطاً ان کی رسید لکھوا کر عاجز کو دے دی تھی لیکن حضرتِ والا نے عاجز سے نہیں پوچھا ہاں البتہ عاجز نے خود ہی عرض کیا کہ حضرتِ والا ان کو رقم پہنچا دی ہے اور رسید لکھوا لی حضرت نے فرمایا کہ بیٹا اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک دفعہ حضرتِ والا نے بندہ سے فرمایا کہ بیٹا ایک تہبند لے آؤ بندہ دہلی دروازے و کشمیری بازار میں پھرا اور ایک بہت اچھا تہبند لے آیا کیونکہ حضرتِ والا نے کافی پیسے دیئے تھے جب بندہ لے کر آیا اور حضرتِ والا سے عرض کیا تو حضرتِ والا نے فرمایا کہ بیٹا مسجد میں اگلی صف میں ایک بوڑھا بیٹھا ہے اس کو یہ جاکر دے دو اس کا تہبند پھٹا ہوا ہے بندہ نے عرض کیا کہ حضرت بندہ تو خوب ڈھونڈ کر نہایت ہی اچھا تہبند لایا ہے جناب والا نے فرمایا کہ بیٹا ـــــ اللہ کے نام پر اچھی ہی چیز دینی چاہیئے حضرتِ والا نہایت ہی خاموشی اور

نیچی نگاہ کرکے مسجد میں تشریف لائے تھے لیکن اس طرح کے واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ حضرتِ والا کس گہرائی سے نمازیوں کا پتہ رکھتے تھے

حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ اسٹیشن اکثر تانگے میں جاتے تھے عاجز بفضلہ تعالیٰ ان کے ہمراہ ہوتا تھا حضرتِ والا فرماتے تھے کہ بلیا دنیادار پارٹیوں میں ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں لیکن ہمیشہ تانگے والوں اور قلیوں سے پیسے دینے پر لڑتے رہتے ہیں چنانچہ حضرتِ والا تانگے والوں کو اور قلیوں کو ان کی مزدوری سے زیادہ دیتے تھے یہی وجہ تھی جب بھی حضرتِ والا نظر آتے تھے "قلیوں اور تانگے والوں کی خواہش ہوتی تھی اور وہ بے تحاشا حضرتِ والا کی طرف بھاگتے تھے کہ ہمیں خدمت کا موقع دے دیں اس میں عقیدت کو بھی دخل تھا لیکن کیونکہ حضرتِ والا مزدوری سے زیادہ دے دیتے تھے اس لیے بھی وہ ہمیشہ حضرتِ والا کے منتظر رہتے تھے۔



مبشرات

قاری محمد اقبال جھنجھانوی

عاجز سراپا گنہگار پانچ چھ سال حضرتِ اقدس قدس سرہ کے اکثر سفروں میں بفضلہ تعالیٰ بطور خادم ساتھ رہا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ خصوصی اور دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ نے عاجز کو ملازمت کی پوری ذمہ داری کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن پاک کی لازوال نعمتِ عظمیٰ سے نوازا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا بیٹا تازیست اللہ تعالیٰ خلوص کے ساتھ سنانے کی توفیق عطا فرمائے "بفضلہ تعالیٰ ایسا ہو رہا ہے" قارئین کرام خلوص واستقامت کی دعا فرمائیں۔

بات دراصل یہ کہنی ہے کہ ہمارے ایک دوست صوفی جمیل احمد صاحب کاہنو نی جو کہ اب حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز ہیں وہ ایک دفعہ قصور میں بچوں کو قرآن شریف بے لوث پڑھاتے تھے بعیت حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے تھی انگریزی تعلیم تھرڈایر تک تھی لیکن دین کا رنگ ایسا چڑھا کہ اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ خیر بہر حال ان کا معمول تھا کہ جمعہ مسجد شیرانوالہ گیٹ میں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیچھے پڑھتے تھے۔

ایک دفعہ رمضان المبارک میں بوجہ مدرسہ بند ہونے کے دورۂ تفسیر میں شرکت کے لیے لاہور آگئے۔ روزانہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ضبط فرماتے تھے عاجز بھی دفتر سے چھٹی پر تھا بندہ بھی اسی طرح کرنے لگا خیر رمضان المبارک گزرنے کے بعد وہ قصور مدرسہ میں چلے گئے اور بندہ اپنے دفتر میں۔

اب جو جمعہ کے دن وہ تشریف لاتے ہیں تو بتاتے ہیں اس سے پہلے کئی دفعہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خواب میں زیارت کر چکے تھے فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بلند اور عالیشان مقام ہے اور مجھے آواز آتی ہے کہ یہ نبی جیؐ کا مقام ہے یہاں سے سمندر پار کی روشنی نظر آتی ہے اس عالیشان عمارت کے احاطہ میں حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درسِ قرآن پاک دے رہے ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ حکم دیتے ہیں کہ چارپائی کو اٹھا کر سائے میں رکھ دو۔ عاجز اور صوفی جمیل احمد صاحب ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں لیکن چارپائی کے سرہانے اور پائنتی پر دھوپ رہتی ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عقلیں نہ ہوتے تو اسے اس طرح رکھتے کہ چارپائی پر پورا سایہ ہو جاتا۔

اس کے بعد صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک سفید پوش آتا ہے اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تم مجرم ہو، تم مجرم ہو تم مجرم ہو۔ اور میں (یعنی صوفی جمیل احمد صاحب) ایک بچے کو قرآن شریف پڑھا رہا ہوں۔

خیر حضرتِ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو نمازِ مغرب کے بعد ان کے حجرۂ مبارک میں صوفی صاحب نے عاجز کی موجودگی میں یہ خواب سنایا حضرت

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ۔ قرآن کو چھوڑ کر جانے والے یقیناً مجرم ہیں اور یہ مبشرات ہیں) ایک خواب اور عاجز نے لکھ کر دیا تھا جس کی تحقیق بھی کی اور وہ یہ ہے۔

فیض باغ لاہور کا ایک معمار عبدالقادر ایک دن رمضان المبارک میں جامع مسجد شیرانوالہ دروازہ میں سویا ہوا تھا وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ حضرت اقدس قدس اللہ سرہ العزیز دفتر خدام الدین کے پاس اوپر والے حجرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور حضرتِ اقدس دوزانو بالکل سامنے بیٹھے ہیں اور زانو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوء مبارک سے ملے ہوئے ہیں۔

عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں کہ میں اپنے دوست کو جو اکثر مجھ سے جھگڑتا تھا لے گیا ہم دونوں بھی اسی مبارک مجلس میں بیٹھ گئے میرا دوست مجھ سے کان میں سرگوشی کے انداز میں کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لو۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام دریافت فرماتے ہیں کہ اے عبدالقادر کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اُمت کے موجودہ فرقوں میں کون حق پر ہے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ

"جو کچھ کہتے ہیں حق ہے"

عاجز فیض باغ جا کر اس خواب کی تحقیق کی اور پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر پیش کر دیا حضرتِ والا نے اس دفعہ بھی یہی ارشاد فرمایا کہ یہ (مبشرات ہیں) حضرت اقدس نور اللہ ... کے ہمراہ پہلا سفر پشاور کا کیا اور اس کے بعد متعدد سالوں میں سفر حضرتِ والا کی معیت ہی بطور خادم حضرتِ والا کے آخری وقت تک بفضلہ تعالیٰ کئے۔

سفر کیا تھا کامیاب زندگی کے بہترین اصول چھاتے جا رہے تھے۔ حضرتِ اقدس قدس سرہٗ تانگے میں سوار ہوتے خادم پیچھے بیٹھا تھا اور حضرت مولانا عبداللہ درخواستی بھی ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیٹھتے ہی پڑھی

اور پھر لمبی دعا پڑھی

اکثر سفر کے دوران فرماتے تھے کہ ٹیکسی والوں اور مزدوروں کے حق کا خیال کرنا۔ بڑے لوگ عام طور پر ان سے جھگڑتے ہیں ویسے کئی پارٹیوں پر پانچ پانچ سو خرچ کر دیتے ہیں لیکن غریبوں اور مزدوروں کا حق مارتے ہیں۔

خیبر میل سے پشاور کے لیے روانہ ہو گئے صبح پشاور پہنچ گئے چوک ناصر خاں ایک ٹمبر مرچنٹ (نام یاد نہیں) کے یہاں قیام کا انتظام تھا حضرت اقدس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی جیبی گھڑی عاجز کو دی اور فرمایا کہ جاؤ مسجد کی گھڑی سے ملا لاؤ اور نماز کے اوقات دیکھ آؤ تاکہ ہماری جماعت نہ رہ جائے۔

یہ اللہ والوں کی تربیت تھی کہ جا کر سب سے پہلے نمازوں کا اہتمام کا فکر فرمایا لاہور آ کر حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے پشاور اپنے ایک ولی کی زیارت کے لیے لے گیا تھا دراصل چوک ناصر خاں میں ہی ایک اللہ والے تھے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جاتے ہی فوراً تشریف لائے سر سے ٹخنوں تک سفید عبا تھی اور عصا ہاتھ میں رہتا تھا قریب ہی مسجد میں نماز پڑھاتے تھے حضرت سے باتیں کرتے چلے گئے پھر چائے پر حضرت والا کو مدعو فرمایا کچھ اور حضرات بھی تھے دورانِ چائے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صاحب کو کچھ دیا وہ صاحب فوراً بے ساختہ بول اٹھے کہ جلدی نوبت کا سرٹیفکیٹ مل رہا ہے۔

ان کی صدارت میں حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے باوجود شدید بیماری کی رات کو جلسہ عام ہی تقریر فرمائی اور ان کا یہ جملہ اب تک عاجز کے کانوں میں گونج رہا ہے۔

"اے رحمۃ للعالمین ہم آپ کو خدا تو نہیں مانتے لیکن خدا کے بعد آپ جیسا کسی کو بھی نہیں جانتے"



شیخ التفسیرؒ کی مہمان نوازی

********** ڈاکٹر محمد الیاس مسعود (ہومیو) لاہور **********

میں نے ابھی ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا جب میری والدہ مجھے گود میں لے کر شیرانوالہ دروازہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے جایا کرتی تھیں ان دنوں لاؤڈ سپیکر اور بجلی کے پنکھے نہ ہوتے تھے اس لئے حضرتؒ عورتوں کے کمرے کے نزدیک ممبر پر تشریف رکھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے عورتوں کے کمرے میں کافی گرمی ہوتی تھی لیکن ہاتھ کے پنکھے گرمی کی شدت کم کرنے کے لئے کافی ہوا کرتے تھے۔

جوں جوں شعور کی عمر آتی گئی افسوس کہ ہماری رہائش شیرانوالہ سے دور ہوتی گئی اور مسجد سے گہرا تعلق نہ رہ سکا۔ البتہ کبھی کبھی جمعہ کی نماز ادا کرنے کا موقعہ ضرور ملتا رہا۔ مسجد کشادہ ہوگئی لاوڈ سپیکر کی آسانیاں خدا نے میسر فرمادیں اور بجلی کے پنکھے بھی نمازیوں کو ٹھنڈی ہوا دینے کے لئے مہیا ہوگئے حضرت اب عورتوں کے کمرے سے دور مسجد کے وسط میں محراب کے دائیں ہاتھ ممبر پر تشریف فرما ہوتے تھے لباس میں ذرہ برابر فرق محسوس نہ ہوتا تھا وہی سفید کھدر کا مختصر عمامہ کھدر کا لمبا کرتا اور کھدر کی تنگ مہری والی اونچی شلوار زیب تن رکھتے تھے۔ رومال بھی سفید کھدر کا ہی ہوتا تھا یہی لباس میں نے وفات سے ۳۵ سال پہلے دیکھا تھا۔

حضرتؒ کے ارشادات سننے ہی کا ثمر ہے کہ بچپن سے دین کے ساتھ تھوڑی بہت وابستگی ضرور رہی اور اسی وابستگی کے طفیل بزرگان دین کے قدموں میں بیٹھنے کا شرف بھی اس ناچیز کو نصیب ہوتا رہا ہے۔

۱۹۵۷ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا اطہر علی صدر جمعیت العلماء اسلام مشرقی پاکستان سے لاہور تشریف لائے ہمارے وطن میں اس وقت عجیب و غریب فضا تھی سیاسی طور پر عوام چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ چکے تھے حکومت میں شدید انتشار موجود تھا اور ارباب حکومت سازشوں میں دن رات بسر کر رہے تھے عنان حکومت شطرنج کے ماہر چند یاروں کے ہاتھ میں سمٹ کر رہ گئی تھی ان حالات میں بھلا دین کی بھلائی کی کسے فکر تھی مسلمان اس حد تک ذلیل ہو چکا تھا کہ اس نے اپنی حیا عتی تنظیموں کا نام بھی ہندوانہ رکھنا پسند کر لیا تھا۔ یار لوگ ایران کی شریعت کو پاکستان میں نافذ کرنے کی فکر میں تھے اور سارا سال مجالس عزا اور ہر محلے اور کوچے میں گھوڑے نکال کر ماتم ہوتے لگا تھا۔ انتہا یہ تھی کہ لاہور شہر میں ۱۰ محرم کو سولہ جگہ گھوڑے نکالے گئے تھے اس طرح پاکستان کے دوسرے شہروں کا حال تھا ان دنوں اگر کوئی سیاح غیر ملک سے پاکستان میں وارد ہوتا تو اسے یقیناً یہی محسوس ہوتا کہ شائد اس قوم کو رونے پیٹنے کے سوا کوئی دوسرا کام ہی نہیں ہے وہ حیرت سے سر پیٹ کر رہ جاتا کہ ماتم بھی ایک ایسے واقعہ کے متعلق جس کے لئے اس قوم کو رونے کی بجائے فخر کرنا زیادہ زیب دیتا ہو۔ ان حالات سے متاثر ہو کر مولانا اطہر علی مغربی پاکستان میں علماء دین سے تبادلۂ خیالات کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ یہاں آکر وہ مختلف بزرگان دین سے ملے ایک شام جب وہ حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تو مجھے اُن کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔ میرے ساتھ بھائی محمد بشیر وائیں بھی تھے جب ہم مسجد شیرانوالہ میں داخل ہوئے تو موذن اللہ کی عظمت کا اعلان کر رہا تھا اذان کے بعد فوراً جماعت کھڑی ہوگئی اور حضرت مولانا احمد علی صاحب اپنے حجرہ سے باہر تشریف لا کر اگلی صف میں امام کے دائیں ہاتھ کھڑے ہو گئے۔ سردی چونکہ شدید تھی اور مولاناؒ کی طبیعت بھی ان دنوں ناساز تھی اس لئے اون دار کھال والا لمبا چغہ پہن رکھا تھا نماز سے فراغت کے بعد مولانا اطہر علی ان کے قریب گئے

اور اپنا تعارف کروایا۔ دونوں بزرگ اس طرح بغل گیر ہوئے جیسے صدیوں سے بچھڑے ہوئے ملتے ہیں دونوں بزرگ حجرہ کی طرف چل دیئے ایک دوسرے کا احترام اتنا تھا کہ قدم اٹھانے میں بھی احتیاط ملحوظ تھی کہ کہیں ایک کا قدم دوسرے سے آگے نہ نکل جائے حجرہ میں داخل ہو کر انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔

میرا ساتھی اور میں حجرہ کے دروازے کے باہر بیٹھ گئے اس شام سردی غضب کی تھی اور ہوا چل رہی تھی ہم سردی سے ٹھٹھر رہے تھے اور مسجد کے حوض پر سے گزر کر ہم تک پہنچنے والی یخ ہوا ہماری شریانوں میں خون کو منجمد کرنے کی کوشش میں مسلسل مصروف تھی اتنے میں ایک شخص مسجد کے صحن میں نمودار ہوا اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جو لا کر اس نے ہمارے پاس رکھدی ہم حیران تھے کہ یہ فرشتۂ رحمت گرم چائے لے کر کہاں سے آگیا لیکن فوراً خیال آیا کہ ان بزرگوں کے طفیل ہم گنہگاروں پر اللہ نے رحمت فرما دی ہے یہ چائے حضرت مولانا ؒ نے اپنے مہمان کے ساتھ آنے والوں کے لئے بھجوائی تھی ہم نے بڑے احترام کے ساتھ پیالیوں کو منہ سے لگایا اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے خون کو گرم رکھنے کا سامان مہیا فرما دیا۔

حجرے کا دروازہ کھلا۔ دونوں بزرگ باہر تشریف لائے مولانا اطہر علی صاحب نے حضرت ؒ سے کہا کہ وہ تکلیف نہ فرمائیں سردی بہت ہے اور طبیعت بھی ناساز ہے مگر یہ فقرہ منہ سے ادا ہوتے تک ہم مسجد کی سیڑھیوں تک پہنچ چکے تھے خادم نے حضرت کی پاپوش لاکر سامنے رکھدی یہاں بھی مولانا اطہر علی صاحب نے فرمایا کہ حضرت اب آپ آرام فرمائیں مگر مولانا احمد علیؒ صاحب سیڑھیوں سے اُتر رہے تھے اور اپنے معزز مہمان کو خود الوداع کہنے کے لئے ان کے ساتھ سواری تک جانا چاہتے تھے غرضیکہ حضرت ؒ شیرانوالہ دروازہ تک خود تشریف لائے جب یہاں مولانا اطہر علی صاحب نے فرمایا کہ حضرت آپ نے بڑی تکلیف فرمائی تو فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے رسول اللہ ؐ کی سنت پوری کرنے کے قابل فرما دیا اور اس پر السلام علیکم کے بعد جب تک مولانا اطہر علی کار میں بیٹھ کر چل نہیں دیئے حضرت مولانا احمد علیؒ کھڑے اپنے مہمان کو دیکھتے رہے۔

اس وقت یہ کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ عالی مرتبت شفیق و محترم میزبان آج اپنے جلیل القدر مہمان کو آخری بار الوداع کہہ رہا ہے اور یہ میزبان پھر کبھی اس مہمان کو اس طرح الوداع کہنے کے لئے یہاں تک نہ آئے گا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

معمولات کو ہمیشہ سینے رہ کر سرے مٹے گئے

یادِ الٰہی

(استغفار)	۱۲۵۰۰
(سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم)	۱۲۵۰۰
(لا الٰہ الا اللہ)	۱۲۶۰۰
(رب اغفرلی بفضلک)	۱۲۵۰۰
(یا ستار یا غفار)	۱۲۵۰۰
(یا رحمٰن یا رحیم)	۱۲۵۰۰
(رب اغفر للذین ظلمتہم)	۵۰۰

ع
اب کہاں ایسے پراگندہ طبع لوگ

ابو المظفر ظفر احمد قادری
خطیب جامع مسجد واہگہ۔ لاہور

حضرت شیخ التفسیر احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

واقعات کے آئینے میں

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اللھم صلی علی سیدنا محمدن النبی الامیّ و الہ وسلم ۱۷؍ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ میں عالم ربانی حضرت شیخ التفسیر نے اس جہانِ فانی سے انتقال فرمایا ہے حضرت اقدسؒ کی ولادت شریفہ بھی ۱۲؍ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ میں جناب شیخ حبیب اللہ صاحبؒ کے گھر قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ میں ہوئی۔

سراپا حلیہ کشادہ پیشانی پر سیمابی انوار کی جھلکیں، نازک بھویں، خوب صورت آنکھوں میں عارفانہ چمک، مناسب بینی، مردانہ پُر وجاہت رخسار، سپید گندمی رنگت، لب مبارک موزوں، دندانِ مبارک آبدار، ریش مبارک دراز اور سفید، عام چہرہ انور کی کیفیت نضرۃ النعیم کا پتہ دیتی تھی۔ گردن متوسط، شانے کشادہ، چھاتی مبارک پر بالوں کی لکیر، بازو اور کلائیاں پیرانہ سالی میں قدرے کمزور، ہتھیلیاں اور انگلیاں نہایت نرم و نازک، پاؤں مبارک قدو قامت کے عین مطابق، سر مبارک موزوں (بتیس بڑے مسلمان ص۶۹۳) حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرتؒ کے بارے میں بہت کچھ لکھا جائے گا اور ان کے تلامذہ و معتقدین اور واقفین کی زبان سے بہت سے ایسے حالات اور کمالات معلوم ہوں گے، جن کی دنیا کو خبر نہیں۔ حضرت مولانا کی زندگی، باوجود شہرت و مرجعیت اور اس عالم مقبولیت کے جو اللہ تعالےٰ اپنے مخلص بندوں اور دین کے بے لوث خادموں کو عطا فرمایا کرتا ہے اور باوجود اس کے کہ ان کے تلامذہ اور مستفیدین کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ اپنی بعض خصوصیات اور روحانی کمالات کے اعتبار سے ایک طرح سے اخفا اور گمنامی کی زندگی تھی اور ساری عمر ان کمالات پر پردہ پڑا رہا اور بہت سے قریبی عزیزوں اور روزانہ کے ملنے اُٹھنے بیٹھنے والوں کو بھی ان کی خبر نہیں ہوئی۔ عام طور پر لوگ ان کو ایک واعظ اور خطیب اور مفسرِ قرآن کی حیثیت سے جانتے تھے۔ لیکن ان کے اصلی کمالات اور ان کی زندگی کے ان گوشوں کے جاننے والے بہت کم ہیں جن کی وجہ سے وہ سلف صالحین اور علماء ربانیین کی آخری یادگاروں میں نظر آتے تھے اور جن سے زہد و ورع خلوص و للّٰہیت ایثار و قربانی، استقامت و ثابت قدمی اور حق گوئی و بے باکی کی ان روایات کی تصدیق اور ان میں ایک وقیع اضافہ ہوتا ہے جو علماء و مشائخ کے قدیم تذکروں میں منقول ہیں (الفرقان شوال ۱۳۸۱ھ) اب میں حضرت پیر طریقت جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہم کی زبان مبارک سے مجلس ذکر میں سُنے ہوئے چند واقعات عرض کرتا ہوں:

حضرت لاہوری کے آخری لمحات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارذل العمر سے پناہ مانگی ہے۔ حضرت فرماتے تھے میں خود دعا مانگتا ہوں یا اللہ مجھے چلتا پھرتا لے جا۔ اپنے اعزہ کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنوں۔ دوسری دعا یہ فرماتے تھے۔ یا اللہ میری ایک نماز قضاء نہ ہو، روزہ بھی قضاء نہ ہو، درس بھی قضا نہ ہو۔ وفات سے

چار پانچ دن پہلے جب بھی ہم سے آمنا سامنا ہوتا تو فرماتے ۔ بٹیا میرا جنازہ بعد میں اٹھانا ۔ درس قرآن پہلے دینا ۔ تیسرے چوتھے دن والدہ مرحومہ نے پوچھا یہ کیا بات ہے جب بھی آپ جُدا ہوتے ہیں یا ملتے ہیں ایک ہی نصیحت فرماتے ہیں کہ میرا جنازہ بعد میں اٹھانا درس پہلے دینا ۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ پانچویں دن انتقال ہو گیا

وفات سے قبل مصافحہ اور معانقہ

حضرت وصال سے قبل تیمّم کرتے ۔ نماز لیٹ کر پڑھتے پھر دعا کرتے، پھر کہتے اللہ اللہ ۔ ارشاد فرمایا روزہ افطار ہو گیا ہے ۔ ہم نے عرض کیا جی ہاں، ہو گیا ہے ۔ ارشاد فرمایا میرا روزہ افطار کراؤ ۔ والدہؒ نے کہا پانی پی لیں ۔ فرمایا اچھی بات ہے پیتے ہیں ۔ پہلے نماز پڑھ لیں ۔ پھر میری والدہ کہنے لگیں، پانی مت پلاؤ ان کی حالت اچھی نہیں ہے ۔ پھر میری بیوی سے کہا تم چائے سے افطار کرتی ہو، چائے کی پیالی لاؤ، چائے کی پیالی پاس رکھ دی ۔ پھر نہ حضرت نے پانی پیا اور نہ چائے ۔ بس پیاسے ہی چلے گئے ۔ نماز تو ایک بھی قضا نہیں ہوئی ۔ مگر تراویح نہیں پڑھ سکے ۔ اس طرح نوافل پڑھتے پڑھتے ہی بیچ میں اُٹھ کر زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا ۔ مصافحہ کیا پھر معانقہ پر مسکرائے ۔ میری والدہ کہنے لگیں کس سے مل رہے ہیں ۔ پھر مجھے اشارہ سے فرمایا یہ کیا ہے ۔ میں نے عرض کیا اللہ جانے، آپ دیکھ رہی ہیں ۔ مسکرا کر ہنسا کرتے تھے تو ایک دانت نظر آتا تھا اور جیسے یہ کہا مزاج تو اچھے ہیں ۔ یہ کیفیت پیدا ہوئی ۔ اس کے بعد لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھ کر قبلہ رُخ ہو گئے ۔

ایک ولی کا کشف

ایک بزرگ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جب حالات دیکھے تو کہنے لگے ۔ میں اتنے ماہ پہلے آیا تھا اور اب اتنی تیز کیفیت ہے کہ اس سے ہزار گنا بڑھ گئی ۔ میں نے کہا کہ ہزاروں علماء نے ان سے قرآن حکیم پڑھا ہے ۔ ہزاروں مردوں عورتوں نے درس قران سنا ہے، اللہ کا نام سیکھا ہے وہ کہنے لگے تم بالکل ٹھیک کہتے ہو کہ میں نے یہ کیفیت اہل اللہ میں سے کسی کی نہیں دیکھی ترقی درجات کے لئے ۔ بعد از وفات بھی جس کے صدقات جاریہ اتنے ہوں ۔ میں نے کہا کئی مسجدیں اللہ تعالیٰ نے آپ سے بنوائی اور کئی مسجدوں کے امام و خطیبوں کی تربیت اللہ تعالیٰ نے آپ سے کروائی اور نہیں تو میرے بڑے بھائی خانہ کعبہ زاد اللہ شرفاً و تعظیماً میں ہر لمحہ ان کے لیے دعائیں فرما رہے ہیں ایک بڑے بھائی پر ہی کیا موقوف، خدا معلوم کتنی آپ کی روحانی اولاد ہے ۔

والدہ مرحومہ کی ایک بات

ایک بات لطیفے کے طور پر یاد آئی کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے حضرتؒ کو اخبار کی خبریں سنانے کی میری ڈیوٹی لگ گئی تھی کہ میں رات کو خبریں سناؤں ۔ حضرت والدہ مرحومہ مجھ سے ناراض ہو جاتیں وہ فرماتی کہ تم اتنا اللہ اللہ کرو ۔ وقت ضائع کرتے ہو ۔ قرآن حدیث پڑھو یہ کیا تم خود بھی وقت ضائع کرتے ہو اور رات کو حضرتؒ کے کان بھی کھاتے ہو ۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ ضروریات ہیں ۔ اس زمانے میں بے خبر انسان اچھا نہیں ہمیں کچھ نہ کچھ تو خبر ہونی ہی چاہیئے اور ضروری خبریں روزانہ مجھے سنا دیتا ہے ۔ آج دنیا میں کیا ہو رہا ہے ۔ ان سے انسان اگر بے خبر ہو تو کیا اصلاح کرے ۔ حضرت والدہ مرحومہ فرماتیں ۔ جد دی اخبار وکھیا لے بھیڑیاں گلاں نظر آیاں نے کوئی چنگی گل کدی نظر نہیں آئی ۔ اب میں اخبار اٹھاتا ہوں تو واقعی سو فیصد ان کی بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ چوری ڈکیتی زنا، سینہ زوری ہی کی باتیں ہوتی ہیں ۔

استقامت اور کرامت میں فرق

حضرت شیخ التفسیرؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

آنچہ شیراں را کند روباہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

کہ احتیاج شیروں کو بھی لومڑی بنا دیتی ہے اور جنگل کے بادشاہ کو پکڑ کر چڑیا گھر کی زینت بنا دیتی ہے یہ بیچارہ کسی پھندے میں پھنسا اپنی غذا ہی کے لیے اس حق تعالےٰ نے آپ کو پیٹ کا محتاج نہیں بلکہ پیٹ کو آپ کا محتاج بنا دیا ہے اس موضوع پر کئی دفعہ یہ شعر یاد آ جاتا ہے ؎

اتفاقاً بھوک نے شاید سزا دی تھی مجھے
انتقاماً بھوک کو اکثر سزا دیتا ہوں میں

حضرت فرمایا کرتے تھے: اطلبو الاستقامہ و لا تطلبو الکرامۃ فان الاستقامۃ فوق الکرامۃ: یہ بات بھی بالکل بیہی ہے۔

ایک ولی کا قصّہ

پھر ولی کا قصّہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنے شیخ کی خدمت میں برسوں رہا۔ پھر مایوس ہو کر رخصت ہونے لگا تو شیخ نے فرمایا بھائی آخر اتنی مایوسی کا باعث کیا ہُوا۔ انہوں نے عرض کی حضور میں تو دور سے اس واسطے آیا تھا کہ آپ کے کشف و کرامات کا بڑا شہرہ تھا۔ میں تو اتنے برس آپ کے پاس رہا تو کچھ بھی نہ دیکھا شیخ نے کہا اللہ کے بندے تُو نے کوئی اتنے عرصے میں کرامت نہیں دیکھی تو یہ بتا کہ اتنے عرصے میں مجھ سے کوئی خلاف شریعت حرکت بھی دیکھی۔ کوئی میں نے فرائض سُنن میں کمی یا خامی آنے دی۔ مَیں نے اپنی طاقت بھر اطاعت میں زور لگایا یہی اپنے شاگردوں متعلقین مرشدین کو میرا سبق ہے۔ خدا معلوم تم کیا چاہتے ہو۔ اس نے کہا جی ہاں میں تو کرامت کا طالب تھا فرمایا! اگر شعبدہ بازی چاہتے ہو تو پھر واقعی ہمارے پاس کچھ نہیں۔

ایک اہم ارشاد

ارشاد فرمایا اگر کوئی ہوا میں اڑتا آئے اور لاکھوں مرید پیچھے لائے۔ مگر سنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہو تو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا ناجائز ہے اس کی بیعت کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی کر چکا ہو تو توڑنا فرض عین ہے۔

ایک کرامت

حضرت مولانا مفتی بشیر احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار ارشاد فرمایا کہ میں پچیس تیس سال تک حضرت شیخ التفسیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ آپ نے نہ تو کبھی کسی کی غیبت کی اور نہ سُنی اگر کوئی کہانی بیان کرتا جو آگے جا کر غیبت بنتی تو آپؒ فوراً ہی فرماتے "بس بس" اور وہ کہتے تھے۔ صرف اتنے عرصہ میں ایک دن نماز کے لیے تشریف لا رہے تھے جب حجرہ مبارکہ سے نکلے تو میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور سرد آہ بھر کر فرمایا؛ مولوی بشیر احمد! جو لوگ حضرت مدنی رحؒ کو بُرا کہتے ہیں ان کا کیا ہو گا۔

صرف یہ ایک جملہ ساری عمر میں سُنا ہے۔

ایک کشف

حضرت مفتی بشیر احمد صاحب ہی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ شکر گڑھ کے علاقے میں تشریف لے گئے جب شکر گڑھ شہر کو جا رہے تھے تو تانگہ پر اگلی سیٹ پر حضرت تھے میں بحیثیت خادم پچھلی سیٹ پر تھا کہ راستہ میں ایک گنبد دار مزار آیا۔ حضرت نے ذرا سر جھکا کر فرمایا۔ بشیر احمدؔ اس مزار میں کوئی بھی نہیں ہے۔ میں حیران تھا جب منزل پر پہنچے تو اجازت لے کر میں باہر آیا اور مجاور فقیروں سے پوچھا یہ کس کا مزار ہے۔

انھوں نے کہا - فلاں بابا جی کا انتقال تو فلاں جگہ ہوا تھا - ہم نے ان کے کپڑے یہاں دفن کر دیئے تھے کہ میلہ ہو جایا کرےگا -

قبر شریف سے خوشبو کا آنا قطب العالم شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کی مٹی سے خوشبو اور عجیب و غریب خوشبو کا ظہور نہ صرف اہل لاہور اور پاکستان کے دوسرے لوگوں نے محسوس کیا بلکہ غیر ملکوں کے لوگ بھی مٹی بھی کر لے گئے - سائنس دانوں نے تجربہ اور تحلیل کیا تو پھر بھی خوشبو آتی رہی - مگر کوئی کیمیاوی مادی وجود ثابت نہ ہو سکا - اخبارات میں یہ خبر مسرت اثر چھپتی رہی - دور دراز سے عوام و خواص نے آ کر تجربہ کیا اور مشاہدہ کیا یہ سلسلہ ۲½ سال جاری رہا - اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں - تردد کی بھی کوئی بات نہیں، انکار کی بھی مجال نہیں کہ حضرت شیخ التفسیر علیہ الرحمۃ نے پورے ۴۰ برس قرآن کریم کی وہ عظیم خدمات سر انجام دیں جو رہتی دنیا تک مثال اور اسوۂ حسنہ رہیں گی -

حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور عرب و عجم کے استاد اور ہندوستان کے مجاہد اعظم کی قبر شریف سے خوشبو زبان زد خواص و عوام ہے - حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی مٹی دیوبند سے پاکستان تک لائی گئی یہاں بھی خوشبو بدستور تھی - (خدام الدین)

ے میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں انکے دامن کے لئے

حضرت لاہوریؒ کا مدرسہ اور اس کے شعبہ جات

درس قرآن مجید :- ۱۹۱۷ء سے عمومی درس قرآن جاری ہے یہ درس نماز فجر کے ایک گھنٹہ بعد ہوتا ہے مولانا احمد علی کی وفات کے بعد ان کے فرزند مولانا عبید اللہ انور یہ خدمت سر انجام دے رہے ہیں - لیکن کسی حال میں ناغہ نہیں ہوتا - مستورات کے لئے پردہ کا علیحدہ انتظام ہوتا ہے -

درس قرآن مجید خصوصی :- ہر سال رمضان المبارک میں ایک سہ ماہی درس تفسیر ہوتا ہے اس میں پاک و ہند کے صرف دینی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات شریک ہوتے ہیں - قیام پاکستان سے قبل بالعموم دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، دارالعلوم ڈابھیل اور مدارس عربیہ دہلی کے سند یافتہ طلبہ شریک ہوتے تھے اب جن بھارتی طلبہ کو پاسپورٹ اور ویزا مل جائے وہی شریک ہو سکتے ہیں -

اس درس تفسیر کا طرز یہ ہے کہ مولانا قرآن مجید پر عمومی خطبات دیتے ہیں ان میں تفسیر و تشریح کے علاوہ سورۃ کا خلاصہ ہر رکوع کا خلاصہ اور خلاصہ کے لئے ماخذ تبلائے جاتے ہیں - ربط آیات کا بیان ہوتا ہے - طلبا یہ تقاریر ساتھ ساتھ لکھتے جاتے ہیں - روزانہ نئے سبق سے قبل پہلے سبق کا امتحان اور سبق کے بعد تکرار ہوتا ہے - روزانہ مدت تدریس دو سے پانچ گھنٹے کے درمیان رہتی ہے آخر میں تحریری امتحان ہوتا ہے کامیاب ہونے والے اصحاب کو سند عطا کی جاتی ہے -

کتب خانہ قاسم العلوم :- مدرسہ قاسم العلوم کی عمارت میں ایک اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ موجود ہے اس میں ہر علم و فن کی کتابیں موجود ہیں - کتابوں کی مجموعی تعداد چوبیس سو باون ہے ان میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، فلسفہ شریعت، تاریخ و سوانح اور ادب کے علاوہ تقابل مذاہب اور مناظرہ کی کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں -

حکایاتِ شیخ التفسیرؒ

اعجاز احمد خان سنگھانوی
ایم اے
اسلامیات، تاریخ اسلام
عربی

(۱) مولوی امام الدین صاحب مرحوم پرائمری اسکول میں مدرس تھے۔ ان کے اکبری منڈی کے پاس تین مکان تھے۔ وہ ایک دن حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:

"مجھے خواب میں حکم ہوا ہے کہ میں آپ کو ایک مکان دے دوں"۔

حضرت لاہوریؒ نے بہت اچھا کہا اور وہ چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد پھر آئے کہ:

"مجھے دوبارہ حکم ہُوا ہے"۔

حضرت لاہوری نے پھر بہت اچھا کہہ دیا اور معاملہ ختم ہو گیا۔ کافی مدت کے بعد وہ پھر آئے اور کہا:

"آج تو مجھے بہت ڈانٹا گیا ہے کہ کیا تمھیں اپنی زندگی پر بھروسہ ہے؟ چلیئے چل کر پسند کر لیجیے"۔

چنانچہ حضرت شیخ التفسیر صاحبؒ نے جا کر ایک مکان پسند کر لیا۔ مولوی امام الدین صاحب مرحوم نے اس کی رجسٹری کروا دی۔ مولانا لاہوری نے اس مکان میں رہائش اختیار فرمالی۔

حضرت لاہوریؒ کی عادت تھی کہ وہ گھڑی دیکھ کر نماز کے لئے تشریف لاتے تھے۔ جب بھی نماز کے لئے تشریف لاتے تو راستہ میں کبھی کوئی دوست مل جاتا کبھی ان سے باتیں کرنے میں مصروف ہو جاتا۔ حضرت کی کبھی ایک کبھی دو رکعت قضا ہو جاتی تھیں۔ حضرت لاہوریؒ پر یہ صورت حال بہت شاق گزری اور آپ نے مولوی امام الدین صاحب مرحوم کو بلا کر کہا کہ:

"آپ نے مجھے اشاعت دین کے لئے مکان دیا تھا مگر میرے دین میں نقص پیدا ہو رہا ہے آپ یا تو مجھے اس مکان کو بیچ کر لائن سبحان خاں میں دوسرا مکان بنانے کی اجازت دے دیں اس سے آپ کے مکان کی صورت بدل جائے گی، لیکن سیرت وہی رہے گی یا پھر آپ مکان واپس لے لیں۔ جس خدا تعالیٰ نے مجھے آج تک کرایہ دیا ہے وہ آئندہ بھی دے گا"۔

مولوی امام الدین صاحب مرحوم نے خوشی سے حضرت لاہوریؒ کو اجازت دے دی اور انہوں نے اس مکان کو بیچ کر موجودہ مکان بنا لیا۔ (خدام الدین صد ۱۸ ۲۶ جون ۱۹۶۴ء)

(۲) ریشمی رومال کی تحریک میں حصّہ لینے کی پاداش میں حکومت برطانیہ نے مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کو لاہور لا کر حکم دیا کہ:

"آپ اس شہر سے باہر اپنی سرگرمیاں جاری نہیں رکھ سکتے"۔

چنانچہ حضرت مولانا احمد علی صاحب کو مجبوراً لاہور میں رہائش پذیر ہونا پڑا۔ شیرانوالہ گیٹ کے اندر چھوٹی سی مسجد میں قرآن پاک کا درس جاری کر دیا۔ یہ مسجد اب بھی موجود ہے اور بڑی مسجد جو بعد میں تعمیر ہوئی، اس کے پہلو میں ہے۔

ابتدا میں جب حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحبؒ نے درس قرآن اور خطبات جمعہ سے اہل لاہور کو مستفید کرنا شروع کیا۔ اس وقت ایک اور عالم صاحب بھی دہلی دروازہ کے اندر مقیم

ہے، جو دیو بندی مکتب فکر کے علما سے اختلاف رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں اہل لاہور پر ان مولانا صاحب کا خاصا اثر تھا۔ کیونکہ سالہا سال سے وہ یہاں مقیم تھے۔

دہلی دروازہ والے مولانا صاحب کو یہ ناگوار گذرا کہ کوئی اور عالم ان کا حریف بن کر اہالیان شہر لاہور کو اپنی طرف مائل کرے۔ چنانچہ مولانا صاحب موصوف نے حضرت لاہوری کے خلاف پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا اور جمعہ کی تقریروں اور دیگر اجتماعات میں حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کو وہابی بے دین وغیرہ کے خطابات سے یاد کیا جاتا۔

ادھر حضرت لاہوریؒ ہر جمعہ میں ایک جامع تقریر فرماتے۔ قرآن پاک کی کسی آیت کی تفسیر ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اسوۂ حسنہ مستند احادیث نبویؐ کے حوالہ جات سے بیان کئے جاتے۔ کبھی بھی حضرت لاہوریؒ نے ان مولانا صاحب کی بہتان طرازی کا جواب نہیں دیا۔ یہ سلسلہ کافی دن تک چلتا رہا۔ اس زمانہ کے لوگوں کی زبان پر یہ فقرہ چڑھ گیا :

"اگر قرآن سننا ہو تو شیرانوالہ دروازہ جا کر حضرت لاہوری سے سن لو اور اگر گالیاں سننی ہوں تو دہلی دروازہ چلے جاؤ"

رفتہ رفتہ اہل لاہور پر حضرت مولانا احمد علیؒ کی عظمت واضح ہو گئی اور بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ جوں جوں حضرت لاہوریؒ کے معتقدین کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا توں توں وہ مولانا صاحب جو دہلی دروازہ کے اندر مقیم تھے ان کا جوش رقابت بڑھتا گیا۔ ان کے معتقدین کی کافی تعداد شیرانوالہ دروازہ کے اندر رہتی تھی۔ ان کی تقاریر کا جاہل مریدین پر خاص اثر ہوا اور انہوں نے مل کر کوشش کرنی شروع کر دی کہ حضرت لاہوری کو شیرانوالہ دروازہ کی مسجد سے نکال دیا جائے۔

چنانچہ محلہ شیرانوالہ کے کچھ لوگ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ حضرت لاہوریؒ کو فوراً مسجد سے نکال دیا جائے اور دوسری طرف حضرت لاہوریؒ کے معتقدین نے مزاحمت کی۔ پہلے کچھ دن تو معمولی تکرار ہوتا رہا اور وہ بھی اس وقت جب حضرت لاہوریؒ درس دے کر چلے جاتے۔ ایک دن بات طول پکڑ گئی اور حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ دنگہ فساد کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ دونوں طرف سے لوگ لاٹھیاں وغیرہ اٹھائے ہوئے تھے کہ کسی نے حضرت لاہوریؒ کو اطلاع کر دی کہ مسجد میں فساد ہونے والا ہے۔ حضرت فوراً مسجد میں تشریف لائے۔ پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو؟ معتقدین نے جواب دیا کہ :

"حضرت! یہ لوگ آپ کو مسجد سے بزور نکالنا چاہتے ہیں اور ہم یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم ان کا مقابلہ کریں گے"

حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے فرمایا کہ :

"میں تو دین سکھانے آیا ہوں، مسلمانوں میں فساد ڈالنے نہیں آیا۔ آپ حضرات کو اگر واقعی مجھ سے محبت و عقیدت ہے تو چند منٹ کے لئے مسجد سے نکل جائیں میں دوسرے حضرات سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ آخر ہم سب مسلمان ہیں اور بھائی بھائی ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کی عزت اور جان و مال کا احترام کرنا چاہیئے"

حضرت لاہوریؒ کے حکم سے سب معتقدین مسجد سے باہر چلے گئے۔ حضرت نے مسجد کا دروازہ بند کر دیا اور اپنے مخالفین سے نہایت اخلاق کے ساتھ گفت کو شروع کی اور فرمایا کہ :

"میں خانہ خدا میں باوضو کھڑا ہوں اور میرے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک ہے۔ میں اپنے خالق

حقیقی کو حاضر ناظر جان کر رب العالمین کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں صرف آپ حضرات کو قرآن پاک کی تعلیم دینے کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ میں کسی دنیاوی لالچ یا غرض سے اس مسجد میں نہیں آیا۔ اگر آپ حضرات مجھ سے بخوشی قرآن کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میں اس سلسلہ میں درس وغیرہ کو جاری رکھوں گا۔ اگر آپ حضرات مجھ سے قرآن پاک سننا نہیں چاہتے تو میں یہاں سے چلا جاؤنگا ہاں ایک عرض ہے کہ آپ میں سے صرف ایک آدمی آ کر میرا دایاں ہاتھ جس میں قرآن پاک ہے پکڑ کر مجھے مسجد سے نکال دے میں پھر کبھی اس مسجد میں نہیں آؤں گا خواہ کوئی بھی مجھے یہاں رہنے کی درخواست کرے۔ آئیں کوئی صاحب اکیلے آ کر مجھے ہاتھ سے پکڑ کر باہر نکال دیں کسی فتنہ فساد اور دھینگا مشتی کی ضرورت نہیں۔"

سب مخالفین حضرتؒ کو دیکھ رہے تھے مگر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس طرح قرآن پاک کو دھکا دیا جاتے۔ کہنے لگے:

"اچھا مولانا! ہم سوچ کر پھر بتائیں گے فی الحال ہم جاتے ہیں۔"

اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے ان سب کے دل پھیر دیئے اور آہستہ آہستہ وہ سب حضرت لاہوریؒ کے معتقدین میں شامل ہو گئے۔ اس طرح سے حضرت لاہوریؒ نے اپنے اخلاق حمیدہ سے مخالفوں کو مطیع و فرمانبردار کر لیا۔ ان سب کے عقائد درست ہو گئے۔ (خدام الدین صد۱۵ ۱۷ر ستمبر ۱۹۷۱ء)

(۳) حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ ایک مرتبہ گھر میں دیر سے تشریف لائے، رات ہو چکی تھی۔ گھر میں طبیعت ناساز تھی۔ حضرت نے نیند سے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ صاحبزادی نے اٹھ کر کھانا دیا، اتفاق سے صاحبزادی صاحبہ کو پتہ نہ تھا کہ تازہ روٹی کہاں رکھی ہے وہ غلطی سے کئی دن کی باسی روٹی اٹھا لائیں اور سالن برتن میں ڈال کر حضرت کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت نے جو دیکھا تو روٹی بہت سخت تھی اس پر پھپھوندی (پھوٹی) جمی ہوئی تھی۔ صاحبزادی صاحبہ کے علم میں یہ بات نہ تھی لیکن حضرت نے اسے بتانا بھی مناسب نہ سمجھا اور دل سے فیصلہ کر لیا کہ:

"اللہ تعالےٰ جو روز اچھی اور تازہ روٹی دیتا ہے اگر آج اس نے یہ باسی روٹی سامنے رکھوا دی ہے تو اس کی نعمت سے کیسے انکار کیا جائے۔ غرضیکہ اسی روٹی کو کھا لیا۔"

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ

"کھاتے میں کراہت بھی محسوس ہوتی تھی، جی متلاتا تھا، قے آیا چاہتی تھی مگر نفس کو سزا دی اور چار و ناچار ساری روٹی کھا لی۔"

اس واقعہ کو بیان کر کے فرمایا کہ:

"یہ دونوں مربیوں (خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوریؒ، حضرت سیّد تاج محمود امروٹیؒ) کی صحبت (اور تربیت) کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے انانیت اور نفس کو مسل کر رکھ دیا۔

(خدام الدین صد۵ - ۲۶ر جون ۱۹۶۴ء)

(۴) حضرت مولانا عبدالشکور صاحب مدظلہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوریؒ صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کی معیت میں سہارن پور سے کیمبل پور آ رہے تھے، ہمارے ساتھ کچھ طلبا بھی تھے جو دورۂ تفسیر میں شرکت کے لئے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی خدمت میں پہنچنا چاہتے تھے۔

اتفاقاً حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ بھی لاہور اسٹیشن پر اکابرین دیو بند کے استقبال کے لئے موجود تھے لیکن وہ لوگ متوقع گاڑی سے نہ پہنچ سکے اور مولانا عبدالشکور صاحب، حضرت شیخ التفسیر مولانا

احمد علی صاحب لاہوریؒ سے بالکل نا واقف تھے ۔

اسی ناواقفیت کی بنا پر انہوں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ سے درخواست کی کہ آپ ان طلباؑ کو شیرانوالہ کی مسجد میں پہنچا دیں ۔ حضرت مولانا لاہوری صاحبؒ نے بلا کسی پس و پیش کے ان طلباؑ کا سامان اٹھایا اور مسجد شیرانوالہ پہنچا دیا ۔ طالب علموں کو جب معلوم ہوا کہ سامان پہنچانے والے ہی شیخ التفسیر ہیں تو بہت شرمندہ ہوئے ۔ (خدام الدین لاہور صہ۱۶ ۔ ۲۶ جون ۱۹۶۴ء)

حضرتؒ کا آخری درس

لاہوریو! تم نے اپنی اولاد کو بی ۔ اے ، ایم ۔ اے ، پی ایچ ڈی کرایا ۔ وکالت اور ڈاکٹری پڑھائی ایسی اولاد کو کیا کرنا اور کس کام کی وہ اولاد جس کے لئے تم نے تو سب کچھ کیا مگر وہ اپنے باپ کے جنازہ پر دعائے جنازہ بھی نہیں پڑھ سکتی ۔ لاہوریو ! یاد رکھو یہی اولاد قیامت کے دن جب پکڑی جائے گی تو پکار پکار کر کہے گی ۔ خدایا ! ہمارے بزرگوں اور والدین کا قصور ہے جن کی ہم نے تابعداری کی اور جنہوں نے ہمیں تیرا راستہ نہ دکھایا اس لئے ان کو ہم سے دگنا عذاب دے ۔ اے لاہوریو! اس وقت تمہارا کیا جواب ہوگا ؟ لاہوریو! تم یہ ہرگز نہ کہہ سکو گے کہ خدایا ہمیں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ۔ اللہ نے اتمام حجت کر دیا ہے اور مجھے دہلی سے اٹھا کر لاہور بٹھا دیا ہے ۔ میں گذشتہ ۴۶ برس سے قرآن کا درس دے رہا ہوں اور لاہوریو! بشرط تبلیغ پوری کر رہا ہوں ۔ ذرا غور کرو اور سوچو کہ اس وقت تمہارا کیا حشر ہوگا ۔ خدا سے ڈرو ، تمہارے دین کا یہ عالم ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو آپ لوگ بیوہ کے گھر جا کر اس سے ہمدردی اور یتیموں سے پیار کی بجائے ان کا مال کھانا شروع کر دیتے ہو ۔ مختلف قسم کی غیر ضروری رسوم اور رواجوں میں یتیموں کا مال کھاتے ہو ، حالانکہ قرآن حکیم میں حکم ہے ۔

ولا تاکلوا اموال الیتیم ۔ یتیم کا مال نہ کھاؤ

تمہیں بیوہ کے بچوں کی تربیت کی فکر نہیں ، تمہارے بے کس اور یتیم بچے اداس اور حزن و یاس کی تصویر بنے بیٹھے ہیں مگر تمہیں ان کا مال کھانے کی حرص ، "خدا کا خوف کرو" جنازہ کی دعا تک نہیں آتی اور مال مرحوم پر گہری نظر ، ہاں اگر زیادہ شوق ہے تو خود جیب سے خرچ کرو ، مرنے والے کے مال پر کیوں نظر ہے ۔ چاہیئے تو یہ کہ بیوہ اور یتیم کی آسائش کا کوئی سامان کرو ، مگر تمہیں اس کی پونجی تک ختم کرنے کی فکر ہے ، اس کے بعد آپ نے نماز جنازہ پڑھ کر سنائی اور پھر وضاحت سے اس کا ترجمہ بھی سنایا اور فرمایا ، کتنی جامع دعا ہے جس میں ہر مسلمان مرد ، عورت ، حاضر ، غائب اور صغیر و کبیر سب کے لئے دعا خیر ہے لیکن یاد رکھو تمہیں ایسے مسائل وہی بتا سکتا ہے جو تمہارے سامنے چندہ کے لئے ہاتھ نہ پھیلائے ، تمہارا تنخواہ دار نہ ہو جو شخص تمہاری روٹی کا محتاج ہو وہ تمہیں ایسے مسائل کبھی نہیں بتا سکتا ۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آپ کا محتاج نہیں کیا ۔ اے لاہور کے امیرو ! اور کارخانہ دارو ، خدا تعالیٰ نے مجھے بھی رزق اور مال دیا ہے اور "من حیث لا یحتسب" جہاں سے گمان بھی نہیں وہاں سے دیا ہے اور میں ماشاء اللہ اس مال سے تین دفعہ اللہ اور اس کے حبیبؐ کے گھر ہو آیا ہوں ۔

لاہوریو! تم اپنی بیویوں کو سینما لے جاتے ہو ، کلب میں لے جاتے ہو ، مخلوط اور عریاں پارٹیوں میں حصہ لیتے ہو ، ناچ گھروں تک لے جاتے ہو اور حتیٰ کہ فحاشی تک سے نہیں شرماتے لیکن تم اگر عورتوں کو نہیں لے جاتے اور نہیں بھیجتے تو دینی مجالس میں نہیں بھیجتے ۔ جس خدا نے سب کچھ دیا ہے اس کے ذکر کی مجلس میں جاتے شرم آتی ہے لیکن ان فحاشی کے مراکز میں لے جاتے شرم نہیں آتی ، لاہوریو! خدا سے ڈرو قیامت کے دن خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے ۔

میں نے اتمام حجت کر دی ہے اب یہ نہیں کہہ سکو گے کہ ہمیں کسی نے بتایا نہیں میں نے بتا دیا ہے ۔

اداریہ روزنامہ

آفاق

فیصل آباد
۴ مارچ ۶۲ء

شیرانوالہ دروازہ، لاہور کی مسجد میں درس دینے والی سیدھی سادھی ہستی، اور انجمن خدام الدین کی تنظیم میں قوت و عمل جاری و ساری رکھنے والا بظاہر غیر اہم سا سادہ لباس پیکر مولانا احمد علیؒ وہ گراں مایہ ہستی تھے جنہیں اگر مکتب شاہ ولی اللہ کا آخری مبلغ اور بزم عبیداللہ سندھی کا آخری چراغ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

میانہ قامت، عمامہ پوش، پیراہن شعار عوام سے گھل مل کر چلنے پھرنے والا انسان ایک شعلہ بیان خطیب، ایک سحر زبان مقرر ایک نکتہ آفرین مفسر قرآن اور ایک ماہر نفسیات مبلغ اسلام کی حیثیت سے شباب کی طوفانی ساعتوں میں ہی سینکڑوں اور ہزاروں کو نہیں بلکہ لاکھوں کو اپنا بنا چکا تھا۔ آخر کوئی تو وجہ تھی کہ لاہور کے دورہ ماندہ اور بعید از قلب انتادہ محلہ میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرنے والے کی خبر رحلت آناً فاناً بجلی کی سی تیزی اور سرعت کے ساتھ نہ صرف شہر اور ضلع بھر میں پھیل گئی بلکہ اس کے ڈانڈے پشاور اور کراچی جیسی دور دراز فاصلوں پر واقع بستیوں سے جا ملے اور پلک جھپکنے نہیں پاتی تھی کہ ڈیڑھ لاکھ سے بھی زیادہ نفوس عقیدت کیش و دل ریش، آخری دیدار میت کے لئے ٹرینوں۔ طیاروں، موٹروں، بسوں، لاریوں، ٹرکوں، اسکوٹروں، رکشاؤں، سائیکلوں، تانگوں، گاڑیوں میں سوار اور پیادہ مسافت ہائے صغیر و عظیم طے کر کے لاہور پہنچ گئے۔ دنیا حیران تھی کہ پراپیگنڈہ کے موجودہ وسائل نہ رکھنے والا اور ان پر ایمان بھی نہ رکھنے والا، انسان، خاموش سادہ اور اکثر ٹیپ ٹاپ کے بندوں کی نگاہوں سے اوجھل زندگی گذارنے والا شخص بغیر کسی مادی امداد اور سہارے کے اس قابل ہو گیا کہ دور دراز علاقوں اور ملک کے قریب و بعید گوشوں سے ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ کھنچ کھنچا کر دیوانہ وار اس کے آخری دیدار کے لئے لاہور پہنچنے لگے۔ لیکن سادہ لوح ظاہر بین، نگاہ رکھنے والے لوگوں کو کیا معلوم کہ

ملتِ عشق از ہمہ دین ہا جُداست　　　عاشقاں را مذہب و ملت خداست

عالم کائنات کے مرکز تخلیق، آفرینندہ عالمین سے صحیح اور سچا ربط رکھنے والے انسان، خود دنیا بھر کے انسانوں کی توجہ، کشش اور دلچسپی کا مرکز بن جایا کرتے ہیں، بالکل اس طرح جیسے کسی درخت کے پتے، کونپلیں، کلیاں، پھول اور پھل، اس کی جڑ سے قدرتی ربط اور تعلق پیدا کر لیتے ہیں

آج مولینا احمد علیؒ ہم میں نہیں۔ ان کا جسدِ خاکی عقیدتمندوں کے کپکپاتے ہاتھوں، لرزتی ہوئی چیخوں، دم توڑتی ہوئی سسکیوں اور نہ تھمنے والے اشکوں کے ہجوم اور آہ و فغاں کی یلغار میں آنکھوں دیکھتے سپرد خاک کیا جا چکا ہے۔ لیکن جس مشن کی تکمیل میں مرحوم نے اپنی زندگی کے ۷۶، سال گزار دیئے اور درحقیقت جس مشن کی انجام رسانی میں ہی انہوں نے اپنی قیمتی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی وہ آج بھی زندہ ہے اور باری تعالیٰ کے فرمان "کنتم خیر اُمّة اُخرجت للناس، تامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر" کی روشنی میں قیامت تک زندہ رہے گا۔ کیوں کہ ازل سے خیر و شر کا جو معرکہ برپا ہے وہ حشر برپا ہونے تک برپا ہی رہے گا، برائیاں کرنے والے برائیاں کرتے رہیں گے اور نیکیاں پھیلانے والے اور لوگوں کو برائیوں سے بچانے کی تلقین تجویز اور توقع رکھنے میں حق بجانب ہی قرار دیا جائے گا۔ کہ ملتِ اسلامیہ بھی زندگی کائنات کی آخری سانس تک اس مشن کو جس کی اہتمام رسانی پر اسے اللہ اور اس کے محبوب و برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور ہے مستعد اور مصروفِ عمل ہی رہے گی۔

مولانا احمد علیؒ (اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے) ان علماء میں نہیں رہے جو ارکانِ دین، صرف نماز، روزہ، حج زکوٰۃ کو قرار دے کر وعظ ختم فرما دیتے ہیں۔ بلکہ موصوف نے اس آیت ربانی کو اپنا خضر راہ بنا رکھا تھا کہ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ اور یہ آیت پاک تو گویا مولینا مرحوم کے شب و روز کی شام و سحر بن چکی تھی کہ وجاھدو فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم واللہ تعالیٰ

کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانیں پیش کر کے بہا دکر دی،

وہ صحیح معنی میں خانوادہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے گوشے، مکتب مولینا عبید اللہ سندھیؒ کے چشم و چراغ اور تربیت گاہ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمود الحسن رحمتہ اللہ کے نشان بردار تھے۔ جو لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں مولانا احمد علیؒ صرف وہی تھے جو دہلی کی جامع مسجد فتحپوری کے نظارۃ المعارف القرآنیہ میں درس دیا کرتے تھے اور بس وہ سمجھیں کہ وہ معلم دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ جن کی نگاہوں نے صرف یہ دیکھا تھا کہ مولینا عبید اللہ سندھیؒ کے ترک وطن اور ہجرت کر جانے کے بعد شیخ الہند مولینا محمود الحسن، مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں، بطل حریت مولینا محمد علی جوہر مرحوم ترکوں کے عاشق جانباز ڈاکٹر انصاری کے ملت نوازہ ہاتھوں، مولینا سندھی مرحوم کی مسند جانشینی پر فائز کیا ہوا شخص دنیا سے کوچ کر گیا۔ وہ یقین کریں کہ وہ آب و گل کا مجموعہ واقعی دنیا سے سدھار گیا جنھوں نے صرف اتنا علم حاصل کیا تھا کہ مولینا محمد علی جوہرؔ کے "ریشمیں خطوط" کا ایک ہیرو احمد علیؒ خاکدان عالم کو خیر باد کہہ گیا۔ وہ بھی اپنے خیال کے صحیح ہونے کا یقین کر لیں۔ جو یہ جانتے ہیں کہ شملہ جالندھر وغیرہ کی جیلوں کی کڑیاں بخندہ پیشانی برداشت کر نیوالا اور وہ برطانوی استعمار پرستوں سے آخر تک جنگ جاری رکھنے والا چل بسا۔ وہ بھی صبر کر لیں کہ واقعی یہ سب کچھ ظہور میں آ گیا۔ پھر جن کا مشاہدہ صرف یہ تھا کہ شیرانوالہ دروازہ لاہور کے خضر کا محلہ کے ایک مکان کا ساکن اللہ کو پیارا ہو گیا۔ وہ بھی اپنی بات سچ سمجھیں لیکن ان ظاہری اسباب و عوامل سے کچھ آگے دیکھنے والی آنکھیں اور ان زمان و مکان کی قیدوں کو قبول نہ کرنے والا دل، کچھ اور دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ انھیں مولینا احمد علیؒ اپنی ابدی جلوہ سامانیوں اور جلوہ تابانیوں کے ساتھ آج بھی زندہ و باقی نظر آتے ہیں۔ اور اس وقت تک چشم تصور میں چلتے پھرتے، مسکراتے، درس دیتے نظر آتے رہیں گے جب تک ان کا عظیم مشن جس کی تکمیل میں انھوں نے "بارہا اللہ تعالیٰ سے فرمائی تھی کہ" اے اللہ جب تک تیری دنیا میں زندہ رہوں خدمت دین کرتا رہوں۔" اور جو یقیناً مستجاب بھی ہوئی۔ اپنی تکمیل کے آخری مراحل نہیں دیکھ لیتا۔

آج مفسر قرآن و احادیثؒ کا سچا عقیدتمند وہی ہے جو ان کے ہاتھوں میں روشن رہنے والی شمع کو لے کر آگے بڑھے اور جو راہ حضرت شاہ ولی اللہ حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت مولینا محمود الحسنؒ اور دیگر اکابر ملت دکھا گئے ہیں ان پر چل کر امت مسلمہ کو اس حقیقی منزل تک پہنچائے۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرتؒ کے مدرسہ کی کہانی، حافظ نذر احمد کی زبانی

ناظم و مہتمم :۔ جناب مولانا عبید اللہ انور۔

انتظامیہ :۔ مدرسہ کی انتظامی جماعت کا نام انجمن خدام الدین ہے۔

مسلک :۔ حنفی دیوبندی۔

مختصر تاریخ :۔ قاسم العلوم کا افتتاح ۱۹۴۳ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے فرمایا۔ مدرسہ کی عمارت پندرہ کمروں پر مشتمل ہے ہال ان کے علاوہ ہے یہ ادارہ دوسرے عام مدارس عربیہ سے مختلف ہے یہاں صرف درس نظامی رائج نہیں بلکہ شعبان اور رمضان المبارک میں مدارس عربیہ اسلامیہ کے فارغ التحصیل طلبا کو قرآن مجید کی تفسیر پڑھائی جاتی ہے اور ان میں سے منتخب طلباء کو حضرت شاہ ولی اللہ کی معروف کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیا جاتا ہے۔ نماز فجر کے ایک گھنٹہ بعد روزانہ عمومی درس ہوتا ہے۔ چھوٹے بچوں کے لئے حفظ و ناظرہ کا مکتب قائم ہے ابتداً قاسم العلوم میں فنی تعلیم کا انتظام تھا مگر اب یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

پروفیسر محمد فاروق صاحب

تذکار الشیخ

ہفتہ کی صبح تھی نماز فجر کے بعد حسب معمول میں اپنے احباب کے ساتھ مسجد سے گھر واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں برادرم عبد الغفور قریشی مالک ماہنامہ "عمر" ملے۔ قریشی صاحب آج آپ چھتری سنبھالے اُداس چہرہ لئے کہاں جا رہے ہیں۔ اتنی سویرے۔

"بھائی رات ساڑھے نو بجے مولانا احمد علیؒ رحلت فرما گئے وہاں جا رہا ہوں" انہوں نے ڈوبتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ اس صدمہ کا مجھ پر اتنا اثر تھا کہ اس کے بعد مجھے قریشی صاحب کی روانگی کا احساس تک نہ ہوا۔

شدت غم کا یہ عالم کیوں تھا اور وہ کونسی باتیں تھیں جن سے قلب حزیں متاثر ہوا تھا اس کا تعلق میری گزشتہ پچیس سالہ زندگی سے ہے جس میں راقم الحروف کو مولانا مرحوم کو قریب سے دیکھنے کے مواقع میسر آئے۔

اپریل ۱۹۳۶ء کی بات ہے کہ میں ضلع لاہور کے ایک گاؤں سے پرائمری پاس کر کے لاہور شہر کے ہائی سکول میں پانچویں جماعت میں داخل ہوا۔ میرے والد صاحب جمعہ کے روز مجھے ایک بڑی مسجد میں نماز جمعہ کے لئے لے آتے اور مسجد کے جنوب مشرقی دروازہ کے قریب چپکے سے بیٹھ جاتے میں بھی اُن کے پہلو میں بیٹھ جاتا۔ جب ہم نماز سے فارغ ہو کر گھر واپس جاتے تو راستہ میں والد صاحب فرماتے "بیٹا میں نے بہت مسجدوں میں جمعہ پڑھا ہے مگر جو لطف اس مسجد میں محسوس ہوتا ہے کہیں نہیں آتا۔ ہر جمعہ کو واپسی پر یہ جملہ کم و بیش والد صاحب کی زبان پر ضرور آتا۔

بھلا نو برس کی عمر میں کیا سمجھتا کہ روحانی لطف کیا ہوتا ہے اور اس کی کتنی اقسام ہیں اور والد صاحب کس قسم کے لطف کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں لیکن آپ کو داد دینی ہی پڑے گی کہ چند ماہ کی تکرار نے مجھے بھی اس لذت سے کچھ آشنا کر دیا کہ میں اگرچہ اس لذت کو پہچانتا اور پرکھتا تو نہ تھا لیکن میرا دل اس کا ضرور اسیر ہو چکا تھا کیونکہ جس جمعہ کو والد صاحب تشریف نہ لا سکتے میں اکیلا حسب معمول وقت پر آ کر مسجد کے جنوب مشرقی گوشے سے لگ کر بیٹھ جاتا ٹھیک ایک بجے تقریر کا آغاز ہوتا اور پورے دو بجے باقاعدگی کے ساتھ تقریر ختم ہو جاتی۔ تقریر کے خاتمہ پر میرا سر پھوڑے کی طرح دکھنے لگتا کیونکہ دوران تقریر بار ہا طبیعت پھوٹ پھوٹ کر رونے کو آتی۔ مگر میں اُسے مجاہارو کے رکھتا۔

محبت نے مجھے اُس وقت اسیر بنایا جب میں اس کو پہچانتا نہ تھا۔ وہ آئی اور میرے دل کو خالی پا کر اُس میں جاگزیں ہو گئی۔

اُن دنوں مسجد میں لاؤڈ سپیکر نہ تھا منبر کو مسجد کے جنوب مشرقی گوشے کے آخری دروازہ میں رکھا جاتا تاکہ ملحقہ چھوٹی مسجد میں خواتین تک آواز جا سکے۔ ایک کھدر پوش بزرگ صورت دراز ریش اُجلے لباس میں سر پر کھدر کی سفید پگڑی باندھے تشریف لاتے اور منبر پر بیٹھ جاتے اُن کا جوتا سرخ کھال کا ان کی شلوار نصف پنڈلی تک ہوتی کرتا دیسی طرز کا کھلی آستین والا پہنتے ایک چھوٹی سی گھڑی ان کی چھاتی پر ایک چھوٹی سی جیب میں ہوتی جسے وہ منبر پر بیٹھتے وقت جیب سے نکال کر سامنے رکھ لیتے پگڑی کو اتار دیتے اور پگڑی کے نیچے ایک کھدر کی ٹوپی سر پر ہی رہنے دیتے

میں شخصیت پرست نہیں۔ اصول کی بات کرتا ہوں۔ آپ کو اپنے فکر کی قسم۔ ذرا بتایئے تو کیا پوری انسانی تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی ہے جہاں بغیر شخصیتوں کی وساطت کے اصول بہ نفس نفیس اپنے آپ کو منوا سکے۔ تاریخ تمدن اس بات پر شاہد ہے کہ جب تک اصول شخصیتوں کا حامل نہ بنے۔ اصول نہ کہلا سکے۔ اصول نوازی سے شخصیتوں میں وزن آیا اور وزنی شخصیتوں نے ہر زمانہ میں اصول کو اپنے کردار

سے منوایا بات ظاہر ہو گئی کہ وزنی شخصیتوں کی تاریخ ہی اصول کی تدوین ہے۔ منبر پر تشریف لاتے ہی ہمہ تن متعین ہو جاتے سنجیدگی کا رعب مجمع پر یوں طاری ہوتا کہ ہزاروں کا مجمع سن ہو کر رہ جاتا ہر شخص اس سوچ میں ہوتا کہ دیکھئے آج کیا فرماتے ہیں۔ خطبہ مسنونہ کے بعد اپنے معمول پر فرماتے آج کی تقریر کا عنوان ہے .... پس تقریر کا آغاز ہوتے ہی لوگوں کی نگاہیں جھک جاتیں۔ اور ہر ایک اپنے ہی خمار میں مدہوش نظر آتا۔

میکشو مے کی کمی بیشی پہ ناحق جوش ہے　　　　یہ تو ساقی جانتا ہے کس کو کتنا ہوش ہے

تقریر کا مواد قرآن و حدیث کی حدود سے باہر نہ جاتا، حکایات و روایات سے سخت اجتناب برتتے واقعات زندگی کو اکثر طور پر کتاب و سنت کی روشنی میں پرکھا جاتا۔ تنقید کا لہجہ گرم مگر اتنا ہی موثر اور سامعین کے جذبات کی کلی تسکین کرتا۔ پھر لوگوں سے اس تنقید کو تسلیم کراتے تو

مخصوص لہجے میں فرماتے،، کوئی بولو تو سہی۔ میری عادت ہے کچھ بولتا ہوں اور کچھ بلوایا کرتا ہوں۔ پھر انگلی کا اشارہ آسمان کی طرف کرتے اور فرماتے (اے خدا گواہ رہو میں پہنچا چکا) لاہور والو اگر نشنہ ۳۰ سال سے میں تمہیں قرآن سنا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کل تم یہ نہ کہہ سکو گے " ربنا ما جاءنا من نذیر،، (اے خدا ہمیں کوئی ڈرانے والا نہ آیا) پھر جب اپنی سعادت مندی کا اعتراف کرتے تو فرماتے " اللہ تعالیٰ نے ایک سکھ کو اسلام کی توفیق بخشی۔ رسول صلعم کی امت میں اس کو علم کا مرتبہ اور منبر رسول پر بٹھایا۔ یہ مسجد نقل ہے مکہ شریف کی مسجد الحرام کی۔ یہ منبر نقل ہے منبر نبی کی جب مسلمانوں کی عملی غفلت کا تذکرہ فرماتے تو مارے غصے اور غم کے چہرہ سرخ ہو جاتا۔ آواز بلند ہو جاتی جسم کی حرکت تیز ہو جاتی اور ہاتھوں کے اشارے بڑھ جاتے۔

پھر یہ شعر پڑھتے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم　　　　کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

(مجھے بیگانوں کا رونا نہیں میری خرابی کا باعث میرے دوست ہیں)

پھر طبیعت پر رقت طاری ہو جاتی تو زبان تکلم سے رک جاتی، خاموش ہو جاتے اور اپنے مخصوص رومال سے ایک انگلی کے ساتھ اپنی آنکھوں کے گوشے پونچھتے۔ قرآن حکیم سے اتنی والہانہ محبت تھی کہ بعض دفعہ دوران تقریر " دور کوع پڑھ جاتے اور فرماتے "میرے پاس وقت نہیں ہے کہ میں ترجمہ کروں، علماء کے لئے میں نے پڑھ دیا ہے وہ سمجھ گئے ہوں گے۔

کیا یہ سچ نہیں

مسلمانوں کی موجودہ عملی گراوٹ کا تفصیلی جائزہ لیتے تو ایک ایک نافرمانی گن جاتے۔ پھر گفتگو کا انداز بدل کر کہتے " ذرا ہاتھ اٹھا بیٹے جی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ مسلمان بے نماز ہے۔ کیا یہ ٹھیک نہیں کہ مسلمان کی اکثریت بے حیا ہے کیا مسلمان سود اور رشوت نہیں کھاتا کیا مسلمان محمڈن لا کو چھوڑ کر سول لا کا جو کافر کا قانون ہے، سہارا نہیں لیتا۔

سامعین ایک ایک بات پر ہاتھ اٹھاتے اور بلند آوازے کستے ٹھیک ہے جی۔ ضرور ہے جی۔

" جب" مجلس سے اقرار کرا لیتے تو رقت کے مخصوص انداز میں قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھ دیتے جس کا ترجمہ یہ ہے

(اے خدا میں نے تیرے بندوں کے دل میں تیری بات کہہ دی)۔

موصوف کو اللہ تعالیٰ نے فکر کی جامعیت عطا کی تھی۔ ہر جمعہ ایک نیا عنوان ہوتا ایک جمعہ سیاسیات پر بحث ہوتی تو دوسرے جمعہ اخلاقیات کا تذکرہ آ جاتا پھر معاملات کی طرف رخ پلٹ جاتا۔ معاملات سے نپٹ لیتے تو اگلے جمعہ حسن معاشرت پر بول دیتے۔ پھر جب دیکھتے کہ مسلسل تنقیدی تقریروں سے عوام کی طبیعت بوجھل ہو جائے گی تو فرماتے،، آج مجلس کے ذائقہ کو بدلنے کی خاطر تقریر کا عنوان ہے " تعلق باللہ" کہ حضور صلعم نے فرمایا ہے۔ (اپنی مجلسوں کا ذائقہ بدلتے رہو) چنانچہ خالص ایمانیات پر تقریر فرما دیتے۔ مگر ساتھ ساتھ تصوف کی چاشنی دے کر مضمون اتنا لطیف کر دیتے کہ طبائع ایسی پر سکون ہو جائیں کہ گویا انہوں نے تنقیدی تلخیاں چکھی ہی نہیں۔

یہ سب کچھ میں اپنی یادداشت سے لکھ رہا ہوں۔ میری ان یادداشتوں کا زمانہ ۱۹۳۶ء سے شروع ہوتا ہے اور ۱۹۴۷ء پر ختم ہو جاتا ہے کیونکہ

اس کے بعد میں نے خود کو مستقل طور پر اپنا مشن تبلیغی بنا لیا۔ اب میں خود جمعہ کو خطیب ہوتا میں اُن کے خطبہ میں نہ آسکتا تھا۔ اب میرے جذبات اُس نوخیز پرندہ کی طرح تھے جو اڑنا سیکھ رہا ہو۔ میں ایک بلند مقصد کو اپنا چکا تھا مگر علمی کی راستہ میں حائل تھی۔

میں نے ۱۹۴۲ء میں میٹرک پاس کر لیا۔ مگر میں نے میٹرک تک فارسی پڑھی تھی طبیعت کے رجحانات کچھ دوسری ہی شکل اختیار کر چکے تھے۔ ایک سال تو قرآن حکیم تجوید کے ساتھ پڑھنے پر لگ گیا۔

بالآخر اپریل ۱۹۴۵ء میں طبیعت اپنی اصل گم گشتہ کو دریافت کرنے میں کامیاب ہوگئی اور میں نے مستقل طور پر درس نظامیہ کے نصاب کو عبور کرنے کی ابتدا مولانا شمس الرحمان صاحب فاضل دیوبند سے کر لی جس کی تکمیل اوائل ۱۹۵۲ء میں مولانا شہاب الدین صاحب فاضل دیوبند خطیب سابق جامع پوہری کوارٹر کے ہاتھوں ہوئی۔ جب کہ میں نے مولانا موصوف سے حدیث اور تفسیر کی۔ جو میری علمی منزل مقصود تھی۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

کیا اس سے زیادہ میٹھی بات کبھی آپ نے سُنی میں اس مضمون کو ہر چند سمیٹنا چاہتا ہوں مگر بات سے بات نکلتی جا رہی ہے۔

یک حرف بیش نیست سراسر حدیث شوق — ایں طرفہ ترکہ ہیچ بپایاں نمی رسد

میں نے اپنی اُلفت کے رازِ سربستہ کو کھول کر اہل دل کو اشارہ کر دیا۔

تلقینِ درس اہل نظر یک اشارت ست — کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

یہ موصوف مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو مسجد شیرانوالہ دروازہ کے نصف صدی تک مسند نشین رہے جن کے داغ مفارقت نے میرے غم کو ہزار چند کر دیا کہ یہ مضمون ناسور بن کر میرے دل و دماغ سے بہہ نکلا۔

دل بدرد آمد ز ہجر از چنیں یک رنگ شیخ — لیک راضی ایم بر فعل خداوند علیم

حضرت لاہوریؒ مولانا سید محمد داؤدؒ کی نظر میں

مولانا احمد علی صاحب کی وفات میرے لئے انتہائی صدمہ کا باعث ہے۔ مولانا مرحوم ملک کے ممتاز ترین علماء میں سے تھے، ان کے سانحہ ارتحال سے ملت اسلامیہ کو جو نقصان پہنچا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔

مولانا مرحوم نے توحید وسنت کی اشاعت اور مشرکانہ رسوم کو مٹانے کے لئے شروع میں جو تکالیف برداشت کی ہیں۔ آج کل کے نوجوان علماء اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کے درس و تدریس کو جس تسلسل پابندی اور قابلیت کے ساتھ انہوں نے تقریباً چالیس سال تک جاری رکھا اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ انگریزی استعمار کے خلاف جب تک یہاں انگریز رہا۔ انہوں نے جہاد جاری رکھا۔ اس راہ میں تمام مصائب اور تکالیف کو انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ میرے ساتھ کئی دفعہ جیل جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں مجھے ان سے بہت قریب رہنے کا موقع ملا۔ میں نے انہیں بہت مخلص اور ہمدرد رفیق پایا وہ باوجود اپنے یگانہ اوضاع و اطوار کے رفقاء جیل کے ساتھ تواضع محبت اور خندہ پیشانی سے پیش آتے اور بعض دفعہ ہمارے ساتھ بے تکلف مجالس میں بھی شریک ہو جاتے۔

مولانا مرحوم نے ہمیشہ کلمۃ الحق کا اعلان بلا خوف لومۃ لائم کیا جس میں آپ کو بے حد تکالیف پیش آتی رہیں لیکن علمائے ربانیین کے ذمہ کلمۃ الحق کا جو فریضہ عائد ہوتا ہے اسے ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ غرض آج ملت اسلامیہ ایک عالم باعمل مجاہد فی سبیل اللہ، عابد و زاہد اور علوم قرآن کے معلم و مبلغ سے محروم ہو گئی۔

قاری محمد اقبال جھنجھانوی

جستہ جستہ

عاجز سراپا گنہگار چند ایسے ذاتی واقعات تحریر کر رہا ہے جس میں دوسروں کے لیے بھی اصلاحی پہلو موجود ہیں۔ اور قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کس قدر ہر چیز کا خیال رکھتے تھے (۱) بندہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے روزانہ مغرب کے قبل حضرت والا قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تھا اور عشاء کی نماز کے بعد حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ جب در دولت پر تشریف لے جاتے تھے تو یہ عاجز بھی گھر آ جاتا تھا۔

ایک دفعہ گرمیوں میں ایسا ہوا کہ بندہ نے عشاء کے بعد شیرانوالہ گیٹ مسجد میں رہنا شروع کر دیا کیونکہ صبح درس میں پہنچنا گھر سے (جو کہ کرشن نگر میں ہے) مشکل ہونے لگا تھا چار پانچ دن جب علی الصبح حضرتِ والا کی آمد پر مسجد کے دروازہ پر عاجز کو متواتر حضرت والا نے دیکھا تو عاجز سے پوچھا کہ بیٹا رات کو گھر نہیں جاتے عاجز نے عرض کیا کہ حضرت رات کو دیر ہو جاتی ہے بندہ پیدل ہی گھر جاتا ہے صبح مشکل سے آنکھ کھلتی ہے اور درس میں پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے رات کو یہیں ٹھہر جاتا ہوں

حضرت والا قدس سرہ نے فرمایا کہ شادی ہو گئی ہے عرض کیا الحمد واللہ کہ ہو گئی ہے حضرت والا نے حکماً فرمایا کہ رات کو گھر جایا کرو ہماری طرف سے رات کو رہنے کی اجازت نہیں ہے

یہ تھا حضرتِ والا کا طریقہ کہ ہر ہر موقعہ پر سنت کے مطابق عمل کرواتے تھے اور اسی کو پسند فرماتے تھے۔ عاجز کے ایک بزرگ ہیں حاجی جمیل الرحمٰن صاحب جن کی بیعت حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے وہ آج کل کراچی میں ان دنوں لاہور میں تھے انہوں نے بتایا کہ چھاؤنی میں ایک خاندان نہایت ہی کسمپرسی کی حالت میں ہے ان کے خاندان کا واحد سہارا اچانک ہارٹ فیل ہونے سے انتقال کر گیا ہے حاجی صاحب نے زور دیا کہ حضرتِ والا سے عرض کروں بندہ کو حجاب تھا اس لیے ایک دو ہفتہ حضرتِ والا سے عرض نہیں کیا آخر حاجی صاحب کے زور دینے پر عاجز ان کو ہمراہ ظہر سے قبل شیرانوالہ گیٹ آیا اور تمام حالات لکھ کر حضرتِ والا کو لفافے میں دے دیئے حضرت والا نے حجرہ مبارک میں جا کر پڑھا اور حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ کے ہاتھ سو روپے کا نوٹ بھیج دیا یہ تقریباً ۵۸ء کا واقعہ ہے جبکہ سو روپے بہت بڑی بات ہوتی تھی اور فرمایا کہ ہماری طرف سے یہ انکو پہنچا دو۔

عاجز نے وہ رقم حاجی صاحب کو دینی چاہی لیکن حاجی صاحب قبلہ بندہ کو اپنے ہمراہ اسی وقت چھاؤنی لے گئے اور اس مستحق خاندان کو وہ رقم پہنچائی حقیقتاً وہ لوگ بہت ہی زیادہ مستحق تھے عاجز کو وہاں جا کر احساس ہوا حاجی صاحب نے احتیاطاً وصولی کی رسید لکھوا کر عاجز کو دے دی تھی لیکن حضرتِ والا نے عاجز سے نہیں پوچھا ہاں البتہ عاجز نے خود ہی عرض کیا کہ حضرتِ والا ان کو رقم پہنچا دی ہے اور رسید لکھوا لی حضرت نے فرمایا کہ بیٹا اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک دفعہ حضرتِ والا نے بندہ سے فرمایا کہ بیٹا ایک تہبند لے آؤ بندہ دہلی دروازے و کشمیری بازار میں پھرا اور ایک بہت اچھا تہبند لے آیا کیونکہ حضرتِ والا نے کافی پیسے دیئے تھے جب بندہ لے کر آیا اور حضرتِ والا سے عرض کیا تو حضرتِ والا نے فرمایا کہ بیٹا مسجد میں اگلی صف میں ایک بوڑھا بیٹھا ہے اس کو یہ جا کر دے دو اس کا تہبند پھٹا ہوا ہے بندہ نے عرض کیا کہ حضرت بندہ تو خوب ڈھونڈ کر نہایت ہی اچھا تہبند لایا ہے جناب والا نے فرمایا کہ بیٹا ــــ اللہ کے نام پر اچھی ہی چیز دینی چاہیئے حضرتِ والا نہایت ہی خاموشی اور

نیچی نگاہ کرکے مسجد میں تشریف لائے تھے لیکن اس طرح کے واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ حضرتِ والا کس گہرائی سے نمازیوں کا پتہ رکھتے تھے

حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ اسٹیشن اکثر تانگے میں جاتے تھے عاجز بفضلہ تعالیٰ ان کے ہمراہ ہوتا تھا حضرتِ والا فرماتے تھے کہ بڑے دنیادار پارٹیوں میں ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں لیکن ہمیشہ تانگے والوں اور قلیوں سے پیسے دینے پر لڑتے رہتے ہیں چنانچہ حضرتِ والا تانگے والوں کو اور قلیوں کو ان کی مزدوری سے زیادہ دیتے تھے یہی وجہ تھی جب بھی حضرتِ والا نظر آتے تھے "قلیوں اور تانگے والوں کی خواہش ہوتی تھی اور وہ بے تحاشا حضرتِ والا کی طرف بھاگتے تھے کہ ہمیں خدمت کا موقع دے دیں اس میں عقیدت کو بھی دخل تھا لیکن کیونکہ حضرتِ والا مزدوری سے زیادہ دے دیتے تھے اس لیے بھی وہ ہمیشہ حضرتِ والا کے منتظر رہتے تھے۔



مبشّرات

قاری محمد اقبال جھنجھانوی

عاجز سراپا گنہگار پانچ چھ سال حضرتِ اقدس قدس سرہ کے اکثر سفروں میں بفضلہ تعالیٰ بطور خادم ساتھ رہا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ خصوصی اور دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ نے عاجز کو ملازمت کی پوری ذمہ داری کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن پاک کی لازوال نعمتِ عظمیٰ سے نوازا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا بیٹا تازیست اللہ تعالیٰ خلوص کے ساتھ سنانے کی توفیق عطا فرمائے، بفضلہ تعالیٰ ایسا ہو رہا ہے قارئین کرام خلوص واستقامت کی دعا فرمائیں۔

بات دراصل یہ کہنی ہے کہ ہمارے ایک دوست صوفی جمیل احمد صاحب کا ہتونی جو کہ اب حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز ہیں وہ ایک دفعہ قصور میں بچوں کو قرآن شریف بے لوث پڑھاتے تھے بیعت حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے تھی انگریزی تعلیم تھرڈ ایر تک تھی لیکن دین کا رنگ ایسا چڑھا کہ اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ خیر بہر حال ان کا معمول تھا کہ جمعہ مسجد شیرانوالہ گیٹ میں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیچھے پڑھتے تھے۔

ایک دفعہ رمضان المبارک میں بوجہ مدرسہ بند ہونے کے دورۂ تفسیر میں شرکت کے لیے لاہور آ گئے۔ روزانہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ضبط فرماتے تھے عاجز بھی دفتر سے چھٹی پر تھا بندہ بھی اسی طرح کرنے لگا خیر رمضان المبارک گزرنے کے بعد وہ قصور مدرسہ میں چلے گئے اور بندہ اپنے دفتر میں۔

اب جو جمعہ کے دن وہ تشریف لاتے ہیں تو بتاتے ہیں اس سے پہلے کئی دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواب میں زیارت کر چکے تھے فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بلند اور عالیشان مقام ہے اور مجھے آواز آتی ہے کہ یہ نبی جیؐ کا مقام ہے یہاں سے سمندر پار کی روشنی نظر آتی ہے اس عالیشان عمارت کے احاطہ میں حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درسِ قرآنِ پاک دے رہے ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ حکم دیتے ہیں کہ چارپائی کو اٹھا کر سائے میں رکھ دو۔ عاجز اور صوفی جمیل احمد صاحب ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں لیکن چارپائی کے سرہانے اور پائنتی پر دھوپ رہتی ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علیل نہ ہوتے تو اسے اس طرح رکھتے کہ چارپائی پر پورا سایہ ہو جاتا۔

اس کے بعد صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک سفید پوش آتا ہے اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تم مجرم ہو، تم مجرم ہو تم مجرم ہو۔ اور میں (یعنی صوفی جمیل احمد صاحب) ایک بچے کو قرآن شریف پڑھا رہا ہوں۔

خیر حضرتِ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو نمازِ مغرب کے بعد ان کے حجرۂ مبارک میں صوفی صاحب نے عاجز کی موجودگی میں یہ خواب سنایا حضرت

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ۔ قرآن کو چھوڑ کر جانے والے یقیناً مجرم ہیں اور یہ مبشرات ہیں) ایک خواب اور عاجز نے لکھ کر دیا تھا جس کی تحقیق بھی کی اور وہ یہ ہے۔

فیض باغ لاہور کا ایک معمار عبدالقادر ایک دن رمضان المبارک میں جامع مسجد شیرانوالہ دروازہ میں سویا ہوا تھا وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ حضرت اقدس قدس اللہ سرہ العزیز دفتر خدام الدین کے پاس اوپر والے حجرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور حضرتِ اقدس دوزانو بالکل سامنے بیٹھے ہیں اور زانو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو مبارک سے ملے ہوئے ہیں۔

عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں کہ میں اپنے دوست کو جو اکثر مجھ سے جھگڑتا رہتا تھا لے گیا ہم دونوں بھی اسی مبارک مجلس میں بیٹھ گئے میرا دوست مجھ سے کان میں سرگوشی کے انداز میں کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لو۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دریافت فرماتے ہیں کہ اے عبدالقادر کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اُمت کے موجودہ فرقوں میں کون حق پر ہے......آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ

"جو کچھ کہتے ہیں حق ہے"

عاجز فیض باغ جا کر اس خواب کی تحقیق کی اور پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر پیش کر دیا حضرتِ والا نے اس دفعہ بھی یہی ارشاد فرمایا کہ یہ (مبشرات ہیں) حضرت اقدس نور اللہ ۔۔۔ کے ہمراہ پہلا سفر پشاور کا کیا اور اس کے بعد متعدد سالوں میں سفر حضرتِ والا کی معیت ہی بطور خادم حضرتِ والا کے آخری وقت تک بفضلہ تعالیٰ کئے۔

سفر کیا تھا کامیاب زندگی کے بہترین اصول چھائے جا رہے تھے۔ حضرتِ اقدس قدس سرہٗ تانگے میں سوار ہوئے خادم پیچھے بیٹھا تھا اور حضرت مولانا عبداللہ درخواستی بھی ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیٹھتے ہی پڑھی

اور پھر لمبی دعا پڑھی

اکثر سفر کے دوران فرماتے تھے کہ بٹیا ٹھیکیدار اور مزدوروں کے حق کا خیال کرنا۔ بڑے لوگ عام طور پر ان سے جھگڑتے ہیں ویسے کئی پارٹیوں پر پانچ پانچ سو خرچ کر دیتے ہیں لیکن غریبوں اور مزدوروں کا حق مارتے ہیں۔

خیبر میل سے پشاور کے لیے روانہ ہو گئے صبح پشاور پہنچ گئے چوک نامر خاں ایک ٹمبر مرچنٹ (نام یاد نہیں) کے یہاں قیام کا انتظام تھا حضرت اقدس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی جیبی گھڑی عاجز کو دی اور فرمایا کہ جاؤ مسجد کی گھڑی سے ملا لاؤ اور نماز کے اوقات دیکھ آؤ تاکہ ہماری جماعت نہ رہ جائے۔

یہ اللہ والوں کی تربیت تھی کہ جا کر سب سے پہلے نمازوں کا اہتمام کا فکر فرمایا لاہور آ کر حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے پشاور اپنے ایک ولی کی زیارت کے لیے لے گیا تھا دراصل چوک نامر خاں میں ہی ایک اللہ والے تھے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جاتے ہی فوراً تشریف لائے سر سے ٹخنوں تک سفید عبا تھی اور عصا ہاتھ میں رہتا تھا قریب ہی مسجد میں نماز پڑھاتے تھے حضرت سے باتیں کرتے چلے گئے پھر چائے پر حضرت والا کو مدعو فرمایا کچھ اور حضرات بھی تھے دورانِ چائے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صاحب کو کچھ دیا وہ صاحب فوراً بے ساختہ بول اٹھے کہ جلدی توفیق کا سرٹیفکیٹ مل رہا ہے۔

ان کی صدارت میں حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے باوجود شدید بیماری کی رات کو جلسہ عام ہی تقریر فرمائی اور ان کا یہ جملہ اب تک عاجز کے کانوں میں گونج رہا ہے۔

"اے رحمۃ اللعٰلمین ہم آپ کو خدا تو نہیں مانتے لیکن خدا کے بعد آپ جیسا کسی کو بھی نہیں جانتے"



حافظ نور محمد انور

حضرت شیخ التفسیرؒ

اصول کے پکّے اور قول کے سچّے تھے

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ صاحب لاہوری نے نصف صدی تک نہ صرف اہل لاہور کو قرآن پاک کا درس دیا بلکہ ملک کے دوسرے مختلف علاقوں میں بھی جا کر آپ دین حق کی تبلیغ فرماتے رہے۔ تبلیغ کا یہ سلسلہ نہ صرف زبان سے جاری رکھا بلکہ قلمی تبلیغ بھی زور شور سے جاری رکھی۔ اوّلاً سب سے پہلے آپ نے مختلف موضوعات پر چھوٹے چھوٹے پمفلٹ شائع کر کے مفت تقسیم کئے جن میں بتیس ۳۲ رسائل کا مجموعہ یکجا شائع کر کے لاگت سے بھی کم قیمت پر تقسیم کیا۔ اس کے بعد ایک ہفتہ وار رسالہ "خدام الدین" کے نام سے جاری فرمایا۔ الحمد للہ جو آج تک جاری ہے۔ "خدام الدین" کے ذریعے بیشمار لوگوں کو راہ ہدایت نصیب ہوئی اور شرک و بدعت کے اندھیروں سے نکل کر توحید و سنت کی شمع فروزاں سے اپنے دلوں کو روشن کیا۔ آپ اصول کے پکّے اور قول کے سچّے تھے، اس عمل پر آپ تا حیات پابند رہے۔ آپ نے دین حق کی خاطر ایک بار نہیں کئی بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ جوانی سے لے کر بڑھاپے تک اہل باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے اور زبان و قلم سے اس جہاد کو جاری رکھا۔

یہاں آپ کی مکمل سوانح حیات کا تذکرہ مقصود نہیں۔ مکمل سوانح حیات، ملفوظات اور آپ کے علمی و تبلیغی کارناموں پر لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ یہاں آپ کے صرف اُن دو تین واقعات کو قلم بند کیا جاتا ہے جو راقم الحروف کے مشاہدے میں آئے:

راقم الحروف (انور) کو ان دنوں شعر و شاعری کا بہت شوق تھا۔ ہفت روزہ "دعوت" لاہور میں بھی اکثر نظمیں نعتیں چھپتی رہتی تھیں ——— ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ معراج النبیؐ پر راقم نے ایک نظم کہی اور "خدام الدین" میں برائے اشاعت بھیج دی۔ ان دنوں میاں عبدالواحد بیگ اور چوہدری عبدالرحمٰن مرحوم دفتر کے انچارج تھے۔ جو مضامین وغیرہ آتے یہ حضرات حضرتؒ کو دکھا کر اور حضرتؒ کے دستخط کرا کر شائع کرتے۔ میری نظم بھی انہوں نے حضرتؒ کے پاس بھیج دی۔ دوسرے دن واپس مجھے ملی، اس کاغذ پر حضرتؒ کے قلم سے یہ سطور درج تھیں:

"نظم اچھی ہے مگر واقعۂ معراج پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنی اُمت کے لیے تحفہ (نماز) لے کر آتے ہیں اس کا نظم میں کہیں ذکر نہیں اگر دو چار شعر

اس تحفہ کے متعلق بھی آ جائیں تو پھر یہ نظم درست ہے۔ شائع کر دی جائے"

احقر الانام احمد علی

دوسرے دن میں نے نماز سے متعلق اشعار کا اضافہ کر کے پھر بھیج دی۔ حضرتؒ نے پھر دیکھی اور دستخط کر کے بغرضِ اشاعت دفتر والوں کے حوالے کر دی۔

جس مضمون یا نظم میں آپ کو ذرہ بھی کمی محسوس ہوتی وہ بالکل خدام الدین میں شائع نہ فرماتے، اچھی طرح مضامین کی اصلاح کر کے شائع فرماتے۔

وعدہ کی آپ سختی سے پابندی کرتے اور جو وعدہ کسی سے کرتے پورا کرتے۔

ایک مرتبہ مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کے ہاں ان کے مدرسہ میں شیعہ سنی کشیدگی پر تنظیم اہلسنت پاکستان کے زیر اہتمام میٹنگ قرار پائی۔ مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری نے راقم کے ذمہ حضرتؒ کو میٹنگ میں لانے کی ڈیوٹی لگائی۔

راقم حضرتؒ کے پاس شیرانوالہ آیا۔ عصر کی نماز کے بعد بخاری صاحب کا رقعہ دیا۔ آپ نے پڑھ کر فرمایا۔ انشاء اللہ ضرور شرکت کروں گا مگر جو وقت میں آپ کو بتاؤں اس وقت ضرور پہنچ جانا۔ اگر پانچ منٹ بھی لیٹ ہو گئے تو پھر آپ کا شکوہ بے جا ہو گا۔ کیونکہ میری پوری کوشش ہوتی ہے کہ کسی سے وعدہ کروں تو اسے پورا کروں۔ راقم نے عرض کی حضرت ضرور انشاءاللہ وقت مقررہ پر پہنچ جاؤں گا۔ عصر کی نماز کے بعد کا وقت مقرر ہو گیا۔ اتفاق سے ٹیکسی تلاش کرنے میں مجھے کچھ دیر لگ گئی۔ قریباً چھ سات منٹ بعد شیرانوالہ پہنچا۔ دیکھا تو حضرتؒ بڑے دروازے پر میرے منتظر کھڑے ہیں جب مجھے دیکھا تو فرمایا:

"بیٹے دیکھو میں نے جو تم کو وقت دیا تھا اس سے بھی پانچ سات منٹ اوپر گزر گئے۔ اب اگر دو منٹ مزید آپ نہ آتے تو میں چلا جاتا اور تم کو کتنی زحمت ہوتی۔"

حضرتؒ کو ٹیکسی میں بٹھا کر مولانا داؤد غزنویؒ کی قیام گاہ پر لے گیا باقی حضرات بھی موجود تھے۔ میٹنگ ہوئی میٹنگ ختم ہونے کے بعد حضرتؒ کو واپس شیرانوالہ مسجد میں پہنچا کر واپس لوٹا۔

الغرض حضرتؒ بہت عظیم اخلاق کے مالک تھے اور ایک ولیٔ کامل انسان تھے۔ ہر نماز کے بعد دس منٹ آپ نے ملاقات کرنے والوں کے لئے وقف رکھے تھے اور صبح کی نماز کے بعد بلا ناغہ درس قرآن کریم دیتے رہے۔ حتیٰ کہ جس دن فوت ہوتے ہیں اس دن بھی صبح کی نماز کے بعد درس دیا ہوا۔ آپ کے جنازہ کا منظر راقم الحروف نے آنکھوں سے دیکھا۔ ریڈیو پر خبر نشر ہوتے ہی دور دراز سے لاکھوں کی تعداد میں عقیدت مند ریل، بس اور ہوائی جہاز کے ذریعہ لاہور پہنچے۔ سڑکوں پر ٹریفک بند ہو گئی پولیس کو انتظام سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ ادھر آفتاب غروب ہو رہا تھا اُدھر اس علم و عرفان کے درخشندہ آفتاب کو لحد میں اتارا جا رہا تھا۔ جس نے نصف صدی تک اہل لاہور کو قرآن و سنت کا پیغام دیا اور حق و صداقت کے پرچم کو بلند رکھا اللہ ان کی قبر کو تا ابد روشن رکھے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

حضرتؒ کو راقم الحروف نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ہفت روزہ "دعوت" لاہور کی بندش کے بعد راقم کو قریباً سات سال تک ہفت روزہ "خدام الدین" میں مدیر معاون کی حیثیت سے کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالےٰ حضرتؒ کے اس تبلیغی مشن کو تا ابد جاری رکھے۔

آمین ثم آمین

شیخ التفسیر سے میری پہلی اور آخری

ملاقات

حافظ محمد امین صاحب ہیڈ ماسٹر بورسٹل جیل لاہور

حضرت لاہوریؒ سے ملاقات میری ایک دیرینہ آرزو تھی۔ کیونکہ میں آپ کی لکھی ہوئی کتابوں اور رسالہ "خدام الدین" سے کافی متاثر ہو چکا تھا۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب ۱۹۵۷ء میں میرے قیدی شاگردوں کا سنٹرل امتحان شیرانوالہ گیٹ مقرر ہوا۔ میں نے اسے تائید ایزدی سمجھا اور امتحان سے ذرا پہلے زیارت کے لئے جا حاضر ہوا حضرت نے نہایت مشفقانہ نظر سے دیکھا میں نے مدعا بیان کیا اور دعاء کی التجا کی۔ آپ نے مسکراتے ہوئے دعاء فرمائی اور ہم شادمان و فرحان سنٹر میں داخل ہو گئے اس وقت میری زبان پر یہ شعر جاری تھا ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء ؛ بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

چھ دن تک امتحان ہوتا رہا اور میں قیدی بچوں کو امتحان گاہ میں بٹھا کر آپ کی خدمت میں چلا جاتا۔ ذرا پرے بیٹھ کر درس سنتا اور دیدار کی دولت لوٹتا۔ مگر حضرتؒ مجھے قریب تر بٹھانے لگے اور خاص نظر شفقت سے دیکھنے لگے۔ قرآن فہمی کا شوق تو تھا ہی بڑا لطف آنے لگا۔ یہ علماء کرام کی جماعت چند ماہ تربیت حاصل کرنے آئی تھی۔ درس کے دوران میں شریعت اور طریقت کے وہ حقائق بیان ہوتے کہ ایمان تازہ ہو جاتا حضرتؒ ان علماء کو اپنے رنگ میں رنگ دیتے اور روحانیت کی کئی منازل طے کرا دیتے آج بھی پاکستان بھر میں آپ کے ہزاروں شاگرد علماء اور خلفاء اپنی اپنی جگہ اشاعتِ دین سے لوگوں کو فیض پہنچا رہے ہیں یہ تھی میری پہلی ملاقات جس نے مجھے دین کی لذت سے آشنا کر دیا۔

امتحان ختم ہو گئے۔ لیکن شوق قرب بڑھتا رہا اور میں آپ کے اتوار کے درس میں شامل ہونے لگا اور یہ سلسلہ کم و بیش آخری اتوار تک جاری رہا۔ اتوار کا درس آپ کا ایک خاص درس ہوتا جس میں زیادہ تر ملازم پیشہ لوگ شامل ہوتے۔ آپ کے درس میں بڑا لطف آتا قرآن کی آیات احادیث کی تائید بزرگانِ شریعت و طریقت کی تاکید اور روزمرہ کے واقعات سے نتائج اخذ کر کے ایسا درس دیتے کہ دلوں میں اتر جاتا۔ چنانچہ میں نے آئندہ سال کے رمضان المبارک میں علمائے کرام کی جماعت کے ساتھ مکمل سورۃ "بقرہ" پڑھی اور ملازمت کے باعث صرف اتوار کے درس میں شامل ہونے پر مجبور ہو گیا حضرتؒ علماء کی اس جماعت کو تین ماہ تک درس دیتے اور قرآن فہمی کے ساتھ ساتھ طریقت کی منازل بھی طے کراتے۔ آپ اکثر ان علماء کو فرمایا کرتے کہ عالم بھی اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دل کی بیماریاں (حرص۔ ریا۔ عجب۔ کبر۔ غصہ۔ حسد۔ کینہ۔ بغض اور نخوت) دور نہ ہوں اور فرماتے کہ یہ بیماریاں علماء میں بھی ہیں مزید فرمایا کرتے کہ جس طرح کپڑا رنگنے کے لئے رنگ ساز کی ضرورت

ہوتی ہے اسی طرح اللہ کا رنگ چڑھانے کے لئے کسی ولی اللہ کی ضرورت ہے۔ علماء کرام ہیں رنگ فروش اور قرآن ہے رنگ اور صوفیائے عظام ہیں رنگ ساز۔ جب تک علماء کسی اللہ والے کے پاس نہیں بیٹھیں گے اس وقت تک اللہ کا رنگ نہیں چڑھے گا اور دل کی بیماریاں نہیں جائیں گی آپ مجمع البحرین تھے۔

اس ضمن میں جمعرات کی مجلس ذکر خاص معروف تھی جس میں مقامی حضرات کی نسبت بیرونی حضرات زیادہ تشریف لاتے یہ حضرات اتنے شیفتہ تھے کہ دوسرے روز جمعہ پڑھ کر رخصت ہوتے ہیں بھی گاہے گاہے اس مجلس میں شرکت کا شرف حاصل کرتا تو میں حضرت مولاناؒ کی عمر اور چوبیس گھنٹے کی بے پناہ مصروفیات (انجمن کی امارت) تبلیغی پمفلٹوں کی طباعت، تالیف وتصنیف ذکر وفکر صبح وشام کے درس، مساجد کی تولیت، قرآن مترجم رسالہ خدام الدین کے مضامین مدرسۃ البنات کی نگرانی، تجوید قرآن اور حفاظ کی کلاس۔ ذاتی مجاہدہ اور اوراد، علماء کی ٹریننگ کلاس، وعظ وتبلیغ، جامعہ کی نگرانی اولاد کی تربیت نظامی مدارس کا اجراء یتامی اور بیوگان کی پرورش، خطبات جمعہ، بیرونی لوگوں سے ملاقات انفرادی تقاضے، جماعتی ضروریات، خطوط کے جوابات اور خاتی عبادت) دیکھتا تو یہی سمجھتا گویا آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے کہ محض ایک ولی ہی اتنا مصروف پروگرام سرانجام دے سکتا ہے پھر صلح کل اتنے کہ شریعت میں فقہ حنفیہ کے پیرو کار ہوتے ہوئے بھی باقی ہر سہ آئمہ کرام کا احترام ملحوظ رکھتے اور طریقت میں سلسلہ قادریہ میں منسلک رہتے ہوئے بھی باقی ہر سہ سلسلوں کو اچھا جانتے اور یہی بزرگوں کی نشانی ہے۔

"آپ کی ولایت"

حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر رہتا ہے اور ایک عرصہ کے بعد مایوس لوٹنا چاہتا ہے اور حضرت جنیدؒ سے عرض کرتا ہے کہ بہت کچھ سنا تھا لیکن کوئی کرشمہ نظر نہیں آیا۔ لہذا واپس جا رہا ہوں چنانچہ آپ اس سے فرماتے ہیں کہ آپ نے میرا کوئی کام سنت خیر الانامؐ کے خلاف دیکھا ہے؟ وہ شخص نفی میں جواب دیتا ہے اس پر حضرت جنیدؒ مسکرا کر ناصحانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ اے میرے عزیز! اتباع نبی کریمؐ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ولایت نہیں۔ "الاستقامت فوق الکرامت" استقامت کرامت سے بدرجہا بلند ہے۔

حضرت شیخ التفسیرؒ بھی اسی سلسلہ کے چشم و چراغ تھے اور حنفی المذہب میں سلسلہ قادریہ کے پابند تھے آپ کی ساری زندگی عزم واستقامت کا نمونہ تھی اور کہیں بھی پائے ثبات میں لغزش نہ ہوئی۔ آپ پر توحید کا رنگ غالب تھا۔ اور مولانا محمد علی جوہر کا یہ شعر بالکل آپ پر صادق آتا تھا؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے ✽ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

مصلحت بینی اور مداہنت آپ کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ حق گوئی و بے باکی میں آپ پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہتے؎

آئین جوانمرداں! حق گوئی و بے باکی ✽ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

باطل سے ٹکرا جانا اور قید و بند کی صعوبتیں سہنا آپ کا شیوہ رہا۔ بلکہ اکثر فرماتے کہ میری نظر بندی ہی اشاعت دین کا باعث بنی۔

اسلام اور اشاعت دین میں عمل کو بڑا دخل ہے مادیت کے اس دور میں بھی جب حضرتؒ کو اس معیار پر پرکھتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے لباس، خوراک اور رہائش میں وہ سادگی کہ قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی وسعت کے باوجود آپ فقر کو ترجیح دیتے اور معاملات میں ہمیشہ خلق محمدیؐ کا رنگ پیش نظر رکھتے کبھی ماتھے پر بل نہ آتا اور خلق عظیم کا یہ مجسمہ شبانہ روز مصروفیات کے باوجود صبر و تحمل کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑتا۔ اپنا تو ذکر کیا۔ غیروں کا فکر آخرت بھی انہیں تڑپا دیتا۔ کبھی کسی کی دل آزاری نہ فرماتے بلکہ مجموعی رنگ میں اصلاح کی کوشش کرتے حتیٰ کہ اختلاف رکھنے اور برا بھلا کہنے والوں کے لئے بھی دعا فرماتے اور "قولوا للناس حسنا" کے انداز میں ایسا بیان فرماتے کہ دل مسخر ہو جاتا، دراصل بزرگوں کی یہی نشانی ہے؎

وہ جفا کرتے رہے اور ہم وفا کرتے رہے ✽ اپنے اپنے فرض کو دونوں ادا کرتے رہے

اکل حلال اور صدق مقال ولایت کے دو بڑے نشان ہیں۔ صدق مقال کا تو حال آپ جانتے ہی ہیں کہ جہاں زبان صبح سے

لے کر شام تک ذکر و فکر اور قرآن و حدیث سے تر رہے وہاں صدق مقال کے علاوہ اور گمان کرنا ہی گناہ ہے رزق حلال کا بھی آپ کے ہاں خاص اہتمام تھا ہر مجلس میں حرام کھانے سے بچنے کی تلقین فرماتے اور حرام خوری سے نفرت دلاتے۔ فرماتے کہ حرام سے گوشت پوست اور سب جسم حرام ہو جاتا ہے اور اس کے اثرات اولاد تک پہنچتے ہیں۔ اگرچہ عوام کو مکلف نہ کرتے مگر مقربین کو مشکوک دکاندار سے کسی قیمت پر کبھی چیز خریدنے کی اجازت نہ دیتے فرماتے ہو سکتا ہے کہ قصائی چوری کا بکرا ذبح کر کے بیچ رہا ہو اور دکاندار نے حرام کی ملاوٹ کر رکھی ہو نیز فرماتے کہ جس طرح پانی کے ایک گھڑے میں ایک قطرہ پیشاب مِل جائے تو سارا پانی حرام ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح تھوڑے سے حرام سے تمام حلال مال بھی حرام ہو جاتا ہے آپ کے ہاں ایک معیار تھا اور آپ کشف سے یا سونگھ کر فرما دیتے کہ اس میں حرام کی بو آرہی ہے اسی طرح مقربین کو آپ شائبے تک سے گریز کراتے۔ آپ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ حج کے موقعہ پر مکہ شریف سے گھڑی نہ خریدی کہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے حالانکہ فتویٰ کی رُو سے ہرگز گناہ نہیں۔

کشف القبور کا آپ کو علم تھا۔ آپ فرمایا کرتے کہ میں شاہی قلعہ کی غربی دیوار کے پاس کسی ولی اللہ کو مدفون پاتا ہوں اور مجھے اس کی خوشبو آرہی ہے۔ ایک محترمہ جس کے دو بیٹے فوت ہو گئے تھے کے حوالے سے فرمایا کہ ایک اچھی حالت میں ہے اور دوسرے کی حالت دگرگوں ہے چنانچہ اس نیک خاتون نے اقرار کیا دگرگوں حالت والے نے خودکشی کی تھی اور دوسرا (اچھی حالت والا) ہنگامی حادثات کا شکار ہوا تھا۔ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت لاہوریؒ نے ایک روضہ کو دیکھ کر فرمایا کہ قبر کے اندر تو کچھ بھی نہیں چنانچہ بزرگوں سے معلوم ہوا کہ اس قبر کی لاش کو عقیدت مند نکال کر لائل پور لے گئے تھے۔ حضرت مولانا شجاع آبادی فرماتے ہیں کہ جیل خانے کے اندر میری کوٹھری حضرت لاہوریؒ کے پاس تھی میں نے اکثر مشاہدہ کیا کہ رات کو آپ کی کوٹھڑی بقعۂ نور ہوتی۔

ناظرین کرام :۔ قصیدہ گوئی میرا طریق نہیں لیکن میں یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ آپؒ کو آپ کا صحیح مقام نہ دیا جائے میں تے اُن کی ذات کا کیا تعارف کرانا ہے منصب نبوت کے چار اہم فرائض ہیں کیا آپ ان فرائض کی پیروی میں یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ کے نقیب اور خطیب نہ تھے صاحب شریعت و طریقت جانتے ہیں کہ اللہ کی آیات سُنانا دلوں کو پاک و صاف کرنا قرآن پڑھانا مطالب سمجھانا اور علم و حکمت سے مقصودِ ایزدی بتلانا نبیوں اور ولیوں کا شیوہ رہا ہے آپ نے اپنی زندگی دین کے لئے وقف کر رکھی تھی اور ظاہر علم کے علاوہ عوام اور خواص سب کو باطنی بیماریوں (حسد، کبر، ریا، بُغض، کینہ، جھوٹ اور غصہ وغیرہ) سے خبردار کیا کرتے۔ انبیاء کرام کا ورثہ علم ہوتا ہے اور اس کے حامل صاحبِ علم ہی ہو سکتے ہیں اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے اُلعلماءُ ورثۃ الانبیاءؑ لیکن ہر عالم انبیاء کا وارث نہیں ہوتا یہ ان عُلماء کے لئے جو عالم باعمل ہوں۔ ان کا شمار علماء حق میں ہو جن کی زندگی کی ہر حرکت سنت نبویؐ کے مطابق ہو جو عاملِ قرآن اور متبع حدیث خیر الانامؐ ہوں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے داعی ہوں بندوں کو ماسوائے اللہ سے توڑ کر صرف اللہ سے جوڑیں ہر احتیاج کو بالائے طاق رکھ کر صرف توکل کو اپنائیں اور اس طرح خود کو انبیاء کا جانشین اور وارث ثابت کریں۔ رسولؐ پاک نے فرمایا خیرکم من تعلم القرآن وعلمہٗ اس حدیث کی روشنی میں حضرتؒ کی زندگی کا جائزہ لیں پھر قرآن کی آیت مبارکہ کُنتم خیرَ اُمۃ، کو بھی ذہن میں رکھیں کہ خیرِ اُمت اس گروہ کو کہا ہے جو دین حق کی اشاعت کریں۔ "علماءُ اُمتی کانبیاءِ بنی اسرائیل" ایک بڑی معروف حدیث ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے اس کے معانی ہیں کہ میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کے برابر ہیں۔

حضرات : حضرت لاہوریؒ کو ان آیات اور احادیث پر پرکھیں اور دیکھیں کہ آپ ولایت کے کس مقام پر ہیں میں تو آپ کو کانِ ولایت سمجھتا ہوں کتابوں میں لکھا ہے کہ عالمِ ارواح میں حضرت موسیٰؑ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ اے حبیبؐ اللہ! آپ نے اپنی اُمت کے عُلماء میں کونسی خوبی دیکھی جو ان کو بنی اسرائیل کے نبیوں کی صف میں کھڑا کر دیا۔؟

اُس وقت حضورؐ نے امام غزالیؒ کی روح کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے دریافت فرمائیں۔ حضرت موسیٰؑ نے اُن کا نام پوچھا تو انہوں نے فلاں ابن فلاں یعنی اپنا شجرہ نسب سنا دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا۔

صاحبزادے! میں نے صرف نام پوچھا تھا آپ نے سارا شجرہ نسب گِن دیا۔

حضرت امام غزالیؒ کی روح نے عرض کیا۔ "اے کلیم اللہ! خدا تعالیٰ نے آپ سے صرف یہ پوچھا تھا "وما تلک بیمینک یا موسیٰ" کہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے آپ نے جواب میں کہا تھا کہ عصا ہے، میں اس سے بکریاں چراتا ہوں، پتے جھاڑتا ہوں اور ٹیک لیتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے اتنا لمبا جواب کیوں دیا تھا؟

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ خدا سے ہم کلامی میں لطف آیا تھا اس لئے سلسلۂ کلام دراز کیا۔

امام غزالیؒ نے کہا کہ مجھے بھی کلیم اللہ سے ہم کلامی میں لطف آیا ہے اس لئے سارا شجرۂ نسب سنا دیا یہ سنکر حضرت موسیٰؑ خاموش ہو گئے اس لطیف تمثال سے مطلب یہ ہے کہ جن علماء حضرات کو حضورؐ جنت میں نبیوں کے برابر درجہ دیں کیا ان کی ولایت میں کوئی شک رہ جاتا ہے "فافھم"۔

حضرت کو مستجاب الدعوات بھی سمجھتا ہوں اور اس ضمن میں ایک واقعہ لکھتا ہوں جو آپ کی کرامت اور ولایت پر دال ہے ہر اتوار کو حضرت کے درس میں شمولیت میرا معمول تھا اور اس طرح رفتہ رفتہ مجھے حضرتؒ کا قرب حاصل ہوتا گیا اور آپ کی خاص نظرِ عنایت نے میرے حوصلے بڑھا دیئے رسالہ خدام الدین کی افادیت اور آپ کی روحانی عظمت سے قائل ہو کر ایک دن میں نے علیحدگی میں عرض کیا کہ حضور جیل خانہ جات کی طرف توجہ فرمائیں وہاں اصلاح کی بڑی گنجائش ہے کیونکہ مجرم لوگ اکثر حالات میں مذہب اور اخلاق سے بیگانہ ہو کر جرم کر بیٹھتے ہیں آپ نے میری رائے سے اتفاق کیا اور تمام جیلوں کے نام رسالہ خدام الدین جاری کرنے کو فرمایا۔ رسالہ دینی تعلیم اور طریق اصلاح کے آسان پہلو لکھنے کی وجہ سے تمام جیلوں میں بہت مقبول ہوا اور عام مطالعہ کے علاوہ جیلوں میں اکثر جگہ نماز جمعہ کے وقت اسی سے خطبہ جمعہ بھی سنایا جانے لگا چنانچہ اکثر جیلوں میں ابھی تک یہ رسالہ جاری ہے اور قدردان لوگ اسے سرکاری یا ذاتی خرچ پر منگاتے ہیں اور اولاد کی تربیت اور قیدیوں کی اصلاح کے سلسلے میں اس سے استفادہ کرتے ہیں نیز آپ کی اجازت سے آپ کے موجودہ جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب کئی سال تک نماز جمعہ کے لئے وقتاً فوقتاً بورسٹل جیل آتے رہے ہیں۔

۱۷ دسمبر ۱۹۵۹ء کا واقعہ ہے کہ عید میلاد النبیؐ کے سلسلے میں آپ سے بورسٹل جیل تشریف لانے کی استدعا کی بے حد مصروفیات کے باوجود آپ نے آنے کا وعدہ فرمایا مگر جو شرائط لگائیں وہ من وعن لکھتا ہوں۔

حضرت علیہ الرحمۃ کا وہ خط بھی میرے پاس ہے اور اللہ والوں کی یہی نشانی ہے۔ آپؒ نے اس گنہگار کے نام جو خط تحریر فرمایا وہ یہ ہے:-

محترم المقام حافظ محمد امین صاحب۔

از احقر الانام احمد علی عفی عنہٗ

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ان شاء اللہ کل صبح ۱۷ دسمبر ۱۹۵۹ء بوقت ۸ بجے بورسٹل جیل کی ڈیوڑھی پر پہنچ جاؤں گا ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے ہمراہ فقط ایک گھنٹہ سے زیادہ نہ ٹھہروں گا چائے وغیرہ کا کوئی انتظام نہ کریں احباب سے کچھ نصائح عرض کر کے واپس آجاؤں گا۔" فقط

زبانی پیغام تھا کہ سواری کا بندوبست بھی نہ کریں ہم خود آجائیں گے ۔۔۔ آپ عین مقررہ وقت پر تشریف لائے میں بمعہ افسرانِ جیل چشم براہ تھا۔ قیدی سکول کے ہال میں جمع تھے اور معززین بھی تشریف فرما تھے خود حضرت نے ایک گھنٹہ علم وعرفان اور قرآن وحدیث کا تذکرہ فرمایا جس سے سب صغار وکبار محظوظ اور مستفید ہوئے اس وقت کے انسپکٹر جنرل جناب شیخ اکرام صاحب نے خطبہ استقبالیہ پڑھا آپ کی دینی خدمات اور روحانی عظمت کو سراہا اسی وقت سے حضرت نے تقریب مطابق آیت "وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین" پڑھی ترجمہ اور تفسیر کے بعد فرمایا کہ مجھے ازحد مسرت ہوتی ہے کہ قیدیوں اور افسران میں جذبہ دلی موجود ہے جو اصلاحِ احوال کے لئے اشد ضروری ہے مزید فرمایا کہ صحیح میلاد النبیؐ اور بندہ ابدی یہ ہے کہ حضور پُر نورؐ کی زندگی جو بیس گھنٹے ہمارے رگ و ریشہ میں رچی رہے پھر درود شریف کے فضائل، خلق محمدیؐ عظمت رسولؐ اور دیگر فضائل کا تذکرہ کر کے سب کے لئے دعائے خیر فرمائی اور سب کی جھولیاں بھر دیں۔

سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرکٹ جیل آپ کے خطبہ سے بے حد متاثر ہوئے اور آپ کو اپنے ہاں ڈسٹرکٹ جیل لے جانے کی خواہش ظاہر کی آپ نے ازراہ نوازش منظور فرمالیا اور ہم پانچ منٹ میں وہاں پہنچ گئے تمام قیدی بڑ کے درخت کے نیچے جمع تھے آپ نے نصف گھنٹہ وعظ فرمایا اور عام فہم الفاظ میں قرآن اور احادیث نبوتیہ بیان کیں جس سے سب کے ایمان تازہ ہوئے اس دوران میں محمد رفیق نامی ایک سزائے موت قیدی نے حضرت کی زیارت کی خواہش کی حضرتؒ اس کی دلداری کے لئے پھانسی کی کوٹھڑی میں تشریف لے گئے سپرنٹنڈنٹ اور میں بھی ہمراہ تھے پھانسی والے نے دُعا کی التجا کی آپ نے اُسی وقت ہاتھ اُٹھائے اور نہایت محویت سے دُعاء فرمائی اور چند منٹوں کے بعد آپ گھر واپس تشریف لے گئے۔

دُعا کا اثر:۔ صاحب دُعا کی روحانی عظمت۔ مجیب الدعوات کی رحمت اور شان کریمی پر منحصر ہے خدا تعالیٰ کی رحمت تو الفاظ و رحمتی وسعت کل شیٔ اور الرحمٰن الرحیم سے بھی واضح ہے اور صاحب دُعا کی رُوحانی عظمت خط کی عبارت اور خود دُعا کے نتائج سے ظاہر ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ جس وقت دُعا ہو رہی تھی یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی کہ اس کی رہائی کا کوئی سبب بھی ہو سکتا ہے کیونکہ دُعا کرانے والے کی سب اپیلیں خارج ہو چکی تھیں اور سزائے موت کے تعین کی تاریخ کا انتظار تھا مگر عین چالیس دن بعد ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو حکومت کی طرف سے ایک خسروانہ فرمان نکلا کہ "یوم انقلاب" کی خوشی میں تمام پھانسی والوں کی سزائے موت معاف کی جاتی ہے۔ بے شک ہم اسے حکومت کی مہربانی کہیں گے لیکن یاد رکھیئے خدا مسبب الاسباب ہے اور دعا سب سے بڑا سبب ہے جو تقدیر تک بدل دیتا ہے اور ایسی دعا بھی مقدر ہوتی ہے میرے نزدیک یہ سب ایک مرد درویش حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی برکت تھی کہ ایک کیا، خدائے قدوس نے حضرتؒ کی دعاء سے سب سزائے موت والوں کو زندگی بخش دی، واقعی آپ "مستجاب الدعوات" تھے ۔

اولیاء راہست قوت از الٰہ ٭ تیر جستہ باز گر دانند ز راہ

نیز ۔ نہیں ہے فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا ٭ یہ نگاہ کی تیغ بازی وہ سپاہ کی تیغ بازی

آخری ملاقات:۔ حضرت شیخ التفسیرؒ سے میری آخری ملاقات اٹھارہ فروری ۱۹۶۲ء بروز اتوار ہوئی میں عموماً اتوار کو آپ کے درس میں جایا کرتا چنانچہ اس اتوار کو بھی علی الصبح ہی پہنچ گیا جب مسجد میں داخل ہوا تو مجمع عام تھا لیکن حضرت ابھی تشریف نہیں لائے تھے اکثر احباب ذکر و فکر اور قرآن خوانی میں محو تھے اور بعض دروازے پر شوق زیارت کے لئے منتظر اور بے تاب نظر آتے تھے میں نے سوچا کہ ابھی پونے سات نہیں ہوئے ۔کیوں نہ گھر کے دروازے پر حاضر ہو کر بے تکلف شرف زیارت حاصل کر لوں۔ خادم مسجد نے مجھے بتلایا کہ بس حضرتؒ آیا ہی چاہتے ہیں۔ موٹر ابھی تک ادھر سے نہیں گزری کیونکہ علالت کے پیش نظر اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق آپ گھر سے مسجد تک بھی موٹر میں تشریف لاتے تھے مگر میں وہاں انتظار کرنے کے بجائے ایک خاص جذبۂ الفت کے تحت کشاں کشاں در دولت پر جا پہنچا جب میں دروازے پر پہنچا تو موٹر ابھی تک نہیں آئی تھی چنانچہ میں نے حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب کے تصوّر سے در دولت پر ہلکی سی دستک دی فوراً دروازہ کھلا دیکھتا ہوں تو اندر حضرتؒ کھڑے ہیں آپ نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے نہایت مشفقانہ لہجے میں فرمایا "آپ نے کیوں تکلیف کی میں ابھی مسجد میں آنے والا ہوں"، صرف موٹر کی انتظار ہے ۔

اللہ اللہ ۷۶ برس کی عمر، نحیف و نزار، لاغر اور بیمار، ایک فرلانگ تک پیدل سفر کرنے کی اجازت نہیں مگر جذبۂ تبلیغ اور اشاعت توحید کا یہ عالم کہ مسجد تک لے جانے والی موٹر کے انتظار میں کھڑے ہیں حالانکہ موٹر آنے، ہارن بجنے اور بلانے پر بھی تشریف لاسکتے تھے۔ مگر آپ موٹر کی انتظار میں کھڑے تھے یہ تھا آپ کا جذبۂ تبلیغ و اشاعت دین ۔میری خوش قسمتی تھی کہ آپ نے محبت اور تبسم سے ہاتھ ملایا مختصر باتیں بھی ہوئیں۔ میں ایک طرف تو اپنی قسمت پر شاداں تھا اور دوسری طرف کچھ محسوس کرتا تھا کہ شاید میری وجہ سے حضرت کو تکلیف نہ ہو آپ نے بھی میری بے چینی محسوس کی اور فرمایا کہ آپ میرے ساتھ موٹر میں چلیں میں نے کسر نفسی کی اور واپسی کی اجازت چاہی پھر آپ نے شفقت سے ہاتھ ملایا اور دُعا دی میں ابھی چند قدم ہی مڑا تھا کہ دوسری طرف سے ایک موٹر آئی اور آپ کو بٹھا کر مسجد میں لے آئی۔

آپ کا درس تو صغیر و کبیر، امیر و فقیر اور مرد و زن غرضیکہ ہر ذوق و شوق کے لوگوں کے لئے مشہور تھا گویا حضرت اپنی ذات میں ایک مجلس تھے دن میں کئی طرح کے درس اور ذکر و فکر کی مجالس ہوتیں مگر اتوار کی صبح کا درس زیادہ پُر رونق ہوتا تھا۔ چنانچہ درس شروع ہوا حضرتؒ نے تلاوت فرمائی تشریح

اور تفسیر شروع کی سبحان اللہ! علم وحکمت کے موتی سیدھے سادے الفاظ میں بیان کئے قلب اور روح کی عجیب کیفیت ہے کوئی رو رہا ہے اور کوئی سرد آہیں بھر رہا ہے کوئی چہرہ انور کی زیارت سے مستفید اور کوئی نورانی جھلک سے تسکین حاصل کر رہا ہے کوئی آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ سپیکر) پر خفیف آواز پر ہمہ تن گوش ہے علما کی جماعت قرآن کھولے بیٹھے ہیں الغرض ہر کوئی ٹکٹکی باندھے زیارت سے اور کوئی آواز سے محظوظ ہے ایک روحانی نظارہ ہے جو قابل دید ہے یہ میرا آخری درس تھا۔ اس درس کی امتیازی شان یہ تھی کہ مولانا نے جو کچھ فرمایا من وعن مندرج ذیل ہے۔

لاہوریو! تم نے اپنی اولاد کو بی۔ اے، ایم اے پی ایچ ڈی کرایا وکالت اور ڈاکٹری پڑھائی۔ آپ نے زور دار لہجہ میں فرمایا ایسی اولاد کو کیا کرنا اور اس کا کیا فائدہ جس کے لئے تم نے سب کچھ کیا مگر وہ اپنے باپ کے جنازہ پر وفات کے جنازہ بھی نہیں پڑھ سکتی۔
(کسے پتہ تھا کہ چند دن بعد حضرت کا اپنا وصال ہونے والا ہے)

لاہوریو! یاد رکھو! یہی اولاد جب قیامت کے دن پکڑی جائے گی تو پکار پکار کر کہے گی ـــ خدایا! ہمارے بزرگوں اور والدین کا قصور ہے جنکی ہم نے تابعداری کی اور جنھوں نے ہمیں تیرا راستہ نہ دکھایا اس لئے ان کو ہم سے دوگنا عذاب دے۔

اے لاہوریو! اس وقت تمہارا کیا جواب ہوگا؟ لاہور کی اٹھارہ لاکھ کی آبادی سے اتنے وکیل، اتنے کالجیٹ اور اتنے ڈاکٹر ہیں یہاں پر اتنے کالج، اتنے سینما اور اتنے فحاشی کے اڈے ہیں ذرا مجھے بتاؤ کہ کوئی لاہوری عالم دین بھی ہے؟ "الیس منکم رجل رشید؟"

لاہوریو! تم یہ ہرگز نہ کہہ سکو گے۔ کہ خدایا ہمیں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ نے اتمام حجت کرا دیا ہے اور مجھے دہلی سے اٹھا کر لاہور بٹھا دیا ہے میں گذشتہ چھیالیس برس سے قرآن کا درس دے رہا ہوں اور لاہوریوں پر شرط تبلیغ پوری کر رہا ہوں ذرا غور کرو اور سوچو اس وقت تمہارا کیا حشر ہوگا جب قیامت سے واسطہ پڑے گا تمہارے دین کا یہ عالم ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو آپ لوگ بیوہ کے گھر جا کر اس سے ہمدردی اور یتیموں سے پیار کی بجائے ان کا مال کھانا شروع کر دیتے ہو مختلف اقسام کی غیر ضروری رسوم میں یتیموں کا مال کھاتے ہو۔ حالانکہ قرآن حکیم میں حکم ہے وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ "(یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ) تمہیں بیوہ کے بچوں کی تربیت کی فکر نہیں تمہارے بے کس اور یتیم بھتیجے حزن ویاس کی تصویر بنے بیٹھے ہیں مگر تمہیں ان کا مال کھانے کی حرص ہے خدا کا خوف کرو۔ جنازہ کی دعا تک نہیں آتی۔ اور مال مرحوم پر حریصانہ نظر! ہاں اگر زیادہ شوق ہے تو خود جیب سے خرچ کرو مرنے والے کے مال پر کیوں نظر ہے چاہیئے تو یہ کہ بیوہ اور یتیم بچوں کی آسائش کا کوئی سامان کرو مگر تمہیں اس کی پونجی تک ختم کرنے کی فکر ہے۔ اس کے بعد آپ نے نماز جنازہ پڑھ کر سنائی اور پھر وضاحت سے اس کا ترجمہ بھی سنایا مزید فرمایا کہ کتنی جامع دعا ہے جس میں ہر مسلمان مرد عورت، حاضر غائب اور صغیر و کبیر سب کے لئے دعا ہے لیکن یاد رکھو تمہیں ایسے مسائل وہی بتا سکتا ہے جو تمہارے سامنے چندے کے لئے ہاتھ نہ پھیلائے تمہارا تنخواہ دار نہ ہو جو شخص تمہاری روٹی کا محتاج ہوگا وہ تمہیں ایسے مسائل کبھی نہیں بتا سکے گا خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آپ کا محتاج نہیں کیا۔

اے لاہور کے امیرو اور کارخانہ دارو! خدا تعالیٰ نے مجھے بھی رزق اور مال دیا ہے اور من حیث لا یحتسب جہاں سے گمان بھی نہیں وہاں سے دیا ہے اور میں ماشاءاللہ اس مال سے تیرہ دفعہ اللہ اور اس کے حبیب کے گھر حاضری دے آیا ہوں۔ الحمدللہ! پھر فرمایا۔

لاہوریو! تم اپنی بیویوں کو سینما لے جاتے ہو۔ کلب لے جاتے ہو، مخلوط اور عریانی کی مجالس میں حصہ لیتے ہو ناچ گھروں تک لے جاتے ہو حتی کہ فحاشی تک سے نہیں شرماتے الا ماشاءاللہ۔ لیکن تم اپنی عورتوں کو اگر نہیں لے جاتے تو دینی مجالس میں نہیں لے جاتے جس خدا نے سب کچھ دیا ہے اس کے ذکر کی مجلس میں لے جاتے شرم آتی ہے لیکن فحاشی کے مراکز میں لے جاتے شرم نہیں آتی۔

لاہوریو! خدا سے ڈرو قیامت کے دن اسے کیا منہ دکھاؤ گے۔ عورتیں تو ایک طرف تمہیں خود مدارس اور مساجد میں آتے شرم آتی ہے ماشاءاللہ میرے ہاں مستورات کے لئے وعظ جمعہ اور درس کے لئے باقاعدہ پردے کا بندوبست ہے میں نے اتمام حجت کر دیا ہے تم اب یہ نہیں کہہ سکو گے۔ کہ ہمیں کسی نے نہیں بتایا۔ میں نے بتا دیا ہے غرض سب خاموش اور شرمندہ تھے۔ کیونکہ ہماری غلطیوں کا صحیح نقشہ کھینچا جا رہا ہے اکثر آنکھیں پرنم تھیں اب جبکہ گذشتہ اتوار کے درس اور ان کے اپنے جنازے کی کیفیات سامنے آتی ہیں تو اس امتزاج سے ایک عجیب کیفیت

پیدا ہوتی ہے خدا تعالےٰ نے اس مردِ درویش کو عظمت بھی وہ عطا فرمائی کہ کسی نے کہا ۔ " غازی علم دین کے جنازے کے بعد اتنا بڑا مجمع کبھی نہیں دیکھا" عوام وخواص کا بے پناہ ہجوم تھا جنازے میں انسانوں کا چاروں طرف ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اس اللہ والے کی روحانی عظمت اور دلوں میں محبت وعقیدت کا نشان تھا اور یہی ولی کی نشانی ہے ۔ لائل پور ۔ راولپنڈی ، ملتان اور کراچی تک کے احباب پہنچ گئے تھے درس کے آخر میں آپ نے سب کے لئے دعا کی ۔ آپ کی دعا ہمیشہ حاضر اور غائب اپنے اور بیگانے سب کے لئے ہوا کرتی تھی ۔ اب حاضرین مصافحہ کے لئے بیقرار تھے ۔ ایک عجیب منظر تھا ۔ کوئی مصافحہ کر رہا ہے کوئی دُعا کرا رہا ہے اور کوئی پانی پر دم کروا رہا ہے بڑوں سے محبت اور بچوں سے شفقت ہو رہی ہے خاص مقربین پاؤں داب رہے ہیں اور چہرے پر مشفقانہ تبسم ہے میری باری آئی تو شفقت بھری نگاہ سے دیکھا اور محبت سے ہاتھ ملایا کیا خبر تھی کہ یہ آخری مصافحہ ہے اگلے جمعہ کے روز گیارہ بجے دن مسجد میں تشریف لائے مگر طبیعت خراب ہو گئی اور نماز کے بعد آپ واپس گھر چلے گئے اور اسی رات ساڑھے نو بجے آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور حضرتؒ مالکِ حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون ط

۲۴ ر فروری ۱۹۶۲ء کو ہفتے کی صبح آپ کے سانحۂ ارتحال کی خبر سن کر شہر بھر میں کہرام مچ گیا ۔ اللہ والوں کے جنازے کے نظارے بھی قابلِ دید ہوتے ہیں کیا لکھوں یوں معلوم ہوتا تھا جیسا کہ سارا شہر اُلٹ آیا ہو مقامی اور دور ونزدیک سے مرد وزن جنازے پر ٹوٹ رہے تھے زیارت کرنے اور جنازے کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ہر کوئی بے کل تھا مگر باری نہیں آتی تھی چہرہ نمائی کا سلسلہ صبح سے لے کر شام تک ختم نہ ہو سکا اس گنہگار آنکھ نے دو مرتبہ شرفِ زیارت حاصل کیا ۔ کیا عرض کروں چہرے پر نور برس رہا تھا اور جنازے کے جلوس کا نظارہ تو قابلِ دید اور مرنے والے کی روحانی عظمت کا ثبوت تھا ۔ لوگ جنازے کے نیچے چلنے کو بھی سعادت سمجھتے تھے ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم ؞ چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

حدیث شریف میں ہے کہ چالیس مومن جس کی نماز جنازہ ادا کریں وہ جنازہ بخشا جاتا ہے بھلا جس جنازے میں ڈیڑھ لاکھ افراد شریک ہوں رمضان المبارک کا مہینہ کتنے اللہ کے پیارے روزے دار ، حاجی ، حافظ ، عالم ، درویش ، صوفی اور فقیر ہوں گے تمام مسلمانوں اور مومنوں کا اندازہ ہی کیا ۔ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ نماز اور دعا کی وجہ سے جنازہ بخشا جاتا ہے لیکن بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنازہ اتنا بلند ہوتا ہے کہ اس کی روحانی عظمت سے شریک جنازہ بخشے جاتے ہیں ۔

اولٰئک ھم المقربون فی جنّٰت النعیم ط

شیخ مدنیؒ سے حضرؒت کی عقیدت

شیخ الاسلام والمسلمین استاد العرب والعجم مرشد الہند والحجاز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے حضرت اقدس شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے روحانی کمالات کی وجہ سے جو عقیدت تھی وہ حضرت کے خدام پر اچھی طرح واضح ہے اس سلسلہ کا یہ ملفوظ تو غالباً حضرت کے سبھی خدام نے سُنا ہوگا ۔

۱ ۔ میں بارہا مکہ معظمہ گیا ہوں اہل اللہ کے جھنڈ کے جھنڈ ہوتے ہیں مگر میں نے حضرت مدنیؒ کے مرتبہ کا کوئی ولی نہیں دیکھا (ملخصاً)

یہاں کلاچی نجم المدارس میں اس سلسلہ کے دو واقعے پیش آئے ہیں وہی عرض کرنا چاہتا ہوں ۔

۲ ۔ ایک دفعہ حضرتؒ جمعیت علماء کے جلسہ پر تشریف لائے حضرت صرف دو چار گھنٹوں ہی کے لئے وارد ہوئے تھے واپسی کا ارادہ ہی قرار ہے تھے کہ احقر نے ایک حجرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا ۔ حضرت مدنیؒ نے ایک گھنٹہ تک اس کمرہ میں تخلیہ فرمایا اور پھر بیعت کا سلسلہ بھی یہیں شروع فرما دیا تھا ۔

میرا اتنا عرض کرنا تھا ۔ کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ بے اختیار اس کمرہ کی طرف لپکے اور حضرت مدنیؒ کی قعود گاہ معلوم فرما کر وہیں بڑی محبت سے بیٹھ گئے اور فوراً ہی دعاء کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور پھر ہماری خوش بختی سے اسی جگہ مخلص درخواست کنندگان کو بیعت بھی فرما لیا ۔ (مولانا قاضی عبد الکریم کلاچی)

حضرت لاہوری کے کمالات

روایت : صوفی محمد یونس صاحب • ترتیب : محمد عثمان غنی صاحب

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیمِ ○ وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ ○ (الذّاریات ۵۶)

ترجمہ :- اور میں نے جن اور انسان کو جو بنایا ہے تو صرف اپنی بندگی کے لئے۔

تمہید اللہ کا بڑا شکر اور احسان ہے کہ آج پھر اُس نے ایک مہینے کے بعد ہم سب کو مل بیٹھ کر اپنی یاد کی، ذکر کی، اپنا نام لینے کی توفیق بخشی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس مجلس کو ہمیشہ قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ اپنے نام کی برکات اور لذت بھی نصیب فرمائے۔

فکرِ آخرت یہ مجلس جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے دراصل اصلاحِ حال کے لئے ہے مگر میں اکثر سوچتا ہوں کہ میں کسی کی کیا اصلاح حال کروں ؟ اور میں کسی کے سامنے کیا اپنا نمونہ پیش کر سکتا ہوں۔ ابھی تک تو مجھے اپنا ہی فکر ہے معلوم نہیں کل کیا بنتا ہے قیامت کے دن۔ جو سبق ہمیں ہمارے شیخ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا۔ وہ سبق بھی ہم نہیں پکا سکے۔ میرے سامنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صورت اور سیرت ہمیشہ رہتی ہے۔ میں اپنی زندگی کو اُس کے آئینے میں دیکھتا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ کل قیامت کے دن خدا تو شاید پکڑے نہ پکڑے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ شاید ہمیں ضرور پکڑ لیں کہ جو سبق میں نے تمہیں پڑھایا، اِس راستے پر چلایا، یہ تصوف کا رنگ چڑھانے کی تم کو دعوت دی۔ وہ تو تمہارے اندر معلوم ہی نہیں ہوتا ہے تو قیامت کے دن ہم خود ہی نہ پکڑے جائیں۔ اب میں اس بات کو اکثر سوچتا بھی ہوں کہ کتنے پرچے قیامت کے میدان میں آئیں گے سوالات مجھ پر جو ہوں گے کسی سوال میں شاید ہم کامیاب ہوں، ہماری عبادت بھی لوگوں کے سامنے ہے، سب جانتے ہیں اور باطنی حالت سے ہم خود ہی واقف ہیں، ہر وقت اللہ کی یاد سے غافل دنیاوی لالچ اور دنیا کے دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایسے الجھ گئے ہیں کہ جو مقصد ہمارے دنیا میں آنے کا تھا وہ مقصد ہمیں یاد ہی نہیں، اس کی طرف ہماری توجہ ہی نہیں، دنیا ہی ہمارا مقصود بن چکی ہے، دنیا ہی ہمارا مطلوب بن چکی ہے، قبر اور حشر کا ہم کو بالکل فکر ہی نہیں اور یہ کچھ فطرتی بات ہے کہ اس دنیا میں انسان آکر اِدھر کا ہی ہو جاتا ہے۔ کسی شاعر کا شعر ہے ؎

بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے
پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے

دنیا کے ساتھ وابستہ تو ہونا پڑتا ہے لیکن اسلام یہ کہتا ہے۔ کہ دنیا کو بھی رکھو اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی حدود کے درمیان رہ کر اور خدا کی یاد میں زندگی گذارو، اتنا دنیا میں نہ پھنس جاؤ کہ خدا کی یاد ہی سے غافل ہو جاؤ۔ اِس لئے ہمیں تو فکر اپنی اصلاح کا اکثر رہتا ہے۔

حضرت لاہوریؒ کے کمالات

جو میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھا، آپؒ کا تصوف، آپؒ کا توکل آپؒ کا تقویٰ آپؒ کی دینی خدمات، آپؒ کا لوگوں کو دین کی طرف بلانا، آپؒ کا مجاہدہ، آپؒ کا جہاد اور آپؒ کی اس سلسلے میں کوششیں، ان کی مثال مجھے کسی دوسرے شخص میں نہیں ملتی۔ میں نے اور بزرگوں کی بھی زیارت کی ہے۔ سب اللہ کے نیک ولی اور اولیاء کرام ہیں لیکن وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ٥ (یوسف ٧٦) تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ م (بقرہ ٢٥٣) جیسے انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام کے درجات ہیں۔ اور سب پر درجہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ نے عطا فرمایا، تو میں سمجھتا ہوں کہ تمام اولیاء کرام پر اگر درجہ اللہ نے کسی کو عطا فرمایا ہے تو ہمارے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیا ہے اس لئے کہ اُن کے درجے کا میں نے کسی کو نہیں دیکھا اور خود فرماتے تھے، "اے اللہ! جب تو چاہے مجھے دُنیا سے بلا لے، میں ہر وقت تیرے پاس آنے کو تیار ہوں۔" اور یوں بھی فرماتے تھے "میں دنیا سے کامیاب جا رہا ہوں۔"

جس شعبے پر بھی نگاہ اُٹھا کر دیکھیں ہمیں وہ شعبہ اسلام کے رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا ہے۔ اُن کی ذاتِ اقدس تو تھی جو تھی، اُس کو تو باطنی نظر والے ہی سمجھیں کہ اللہ نے ان کو کیا درجات نصیب فرمائے تھے لیکن اگر ہم اُن کی گھریلو زندگی پر بھی نگاہ اُٹھا کر دیکھیں تو اللہ نے بیوی ایسی عطا فرمائی (رحمۃ اللہ علیہا) خود چھ چھ سیپارے سات سات سیپارے روزانہ تلاوت کرنا اُن کا معمول تھا، خود سارا گھر کا کام کاج کرنا اُن کا معمول تھا اور ذکر میں شکر میں رہنا اُن کا معمول تھا موجودہ حضرت دامت برکاتہم فرمایا کرتے ہیں کہ ہمیں جب اخبارات پڑھتے ہوئے دیکھتیں تو اماں جی ناراض ہوتیں کہ تم اخبار میں کیوں وقت ضائع کرتے ہو؟ یہی وقت اللہ اللہ کرتے ہیں صرف کرو۔ اتنا تقویٰ اور اتنا لگاؤ اللہ کی ذات کے ساتھ اور پھر جو انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعاون کیا اُس کی مثال دنیا کے تختے پر نہیں ملتی۔ حضرت رحمۃ اللہ اکثر بیان فرمایا کرتے تھے کہ میری بیوی نے میرا بہت ساتھ دیا اور تنگ دستی میں، تکلیف میں، پریشانی میں میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ بہر حال بیوی کو دیکھیں تو ہم اُن کے تقوے کی کیا تعریف کریں؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے جو باتیں سنی ہم ششدر رہ جاتے تھے، اولاد کو دیکھیں تو تینوں بیٹے روشنی کے مینار حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حافظ بھی، عالم بھی، کامل بھی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر یوں بھی فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ میں نے اپنے بزرگوں سے چالیس سال میں حاصل کیا وہ سب کا سب میں نے مولانا حبیب اللہ صاحبؒ کو دے دیا ہے، وہ بہت اونچے درجے کے اولیاء کرام میں سے گذرے ہیں جن حضرات نے اُن کی زیارت کی ہے اُن کے ساتھ تھوڑا سا بھی تعلق رہا ہے وہ اُن کی تعریفوں کے پُل باندھتے ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ واقعی وہ بہت بڑے اہل اللہ میں سے گذرے ہیں، اُن کے بعد ہمارے موجودہ حضرت دامت برکاتہم ہیں، ان کے متعلق فرماتے "دوسرے بیٹے میرے (حضرت دامت برکاتہم کا نام لے کر فرماتے) یہ عالم بھی ہیں، یہ کامل بھی ہیں، یہ مبلّغ بھی ہیں۔ اللہ نے ان کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے۔ اصلاحِ حال کر سکتے ہیں، اللہ نے یہ نعمت بھی ان کو بخشی ہے۔ اور بھی بہت سے تعریفی کلمات فرمائے، پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اِن کو اپنا جانشین مقرر کیا، جانشین مقرر کرنا کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔ درجات ہوتے ہیں تو جانشین مقرر کرتے ہیں نا؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جانشین مقرر کرنا میں سمجھتا ہوں یہ بہت بڑی سعادت اور خوش قسمتی کی بات ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے باطنی کمالات کی وجہ سے حضرت کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس لیے نہیں کہ ان کے بیٹے ہیں، یہ بات نہیں تھی۔ پھر حضرت مولانا حافظ حمید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے وصال فرما گئے۔ اُن کی تو کیا ہی بات تھی! وہ حافظ بھی تھے، قاری بھی تھے، مبلّغ بھی تھے، ذکر بھی کراتے، میں نے ان کے درس بھی سنے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی گھریلو ہو چاہے اپنی ذاتی ہو، اولاد کی طرف دیکھو تب بھی کامل، بیوی کی طرف دیکھو تب بھی کاملہ، فقر اُن کا دیکھو تب بھی کمال کا، جہاد دیکھو تب بھی کمال، ذکر اذکار دیکھو تب بھی کمال، کوئی شعبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ایسا نہیں جس پر ہم انگلی رکھ کر کہہ سکیں کہ نعوذ باللہ یہاں پر کچھ کمزوری ہے، نہیں، لیکن اگر اُس کسوٹی پر میں اپنے آپ کو پرکھوں، اُس آئینے میں میں اپنی صورت و سیرت کو دیکھوں تو میں سمجھتا ہوں میں ہر حال میں ناکام ہوں، ذاتی طور پر میں نہ عالم نہ فاضل نہ ہماری اصلاحِ حال ہوئی ہے وہی برائیاں، وسوسے وہی دنیاداری کے خیالات

دل میں پیدا ہوتے ہیں، کبھی ریا کا ہے، کبھی تکبر کا ہے، کبھی حسد کا ہے، یہ امراض روحانی اب تک ہمارے اندر موجود ہیں ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ہماری اصلاح ہو چکی ہے اولاد کو دیکھو تو وہ بھی ایسی ہی ہے، اور گھر کے حالات دیکھو تب بھی ایسا ہی ہے اور توکل کے سلسلے میں تو بالکل ہی ہم صفر ہیں۔

اصلاح حال کا مطلب تو میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اصلاح حال کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ مرید جو ہے وہ شیخ کے رنگ میں رنگا جائے، ہر چیز کا اُس پر عکس پڑے۔ شیخ کے نقش قدم پر چلنے والا ہو۔ تو ہم تو اُن کے نقشِ قدم پر کیا چل رہے ہیں۔ شائد وہ ہی ہم کو قیامت کے دن پکڑ لیں کہ جو سبق میں نے پڑھایا جس راستے پر تمہیں چلایا جو قال اور حال کا نمونہ تمہارے سامنے پیش کیا وہ تو تمہارے اندر ہے ہی نہیں، تو خدا کے سامنے پتہ نہیں کیا بنے گا!

دعا اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کشف کے دو واقعات یہ صحیح ہے کہ اہل اللہ کی حقیقی کرامت استقامت علی الشریعۃ المحمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ ہے اور ہمارے اکابرین دیوبند کو حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کا حصہ وافرہ عطا فرمایا ہے نهنيئا لهم ثم هنيئا الّلهم فاذقنا اتباعهم لیکن خرق عادات اور کشوف کے ظہور میں بھی یہ اولیاء عصر سے پیچھے نہیں رہے ع یار ما ایں دارد و آں نیز ہم ــــــ اس کی تفصیلات ملاحظہ فرمانی ہوں تو ارواح ثلاثہ کا مطالعہ کیا جائے جس سے ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق ہو جائے گی یہاں ہم حضرت ممدوح کے دو ایک کشف کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ اسی مرتبہ جبکہ حضرت نجم المدارس کے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے ہوئے تھے مدرسہ کے صدر درس گاہ میں تقریر سے پہلے چائے نوشی کی مجلس میں جو کہ مخدوم العلماء حضرت علامہ شمس الحق صاحب افغانی دامت برکاتہم حضرت استاد مولانا محمد اسماعیل صاحب کلاچوی حال خوشاب برادر عزیز قاضی عبداللطیف صاحب مدرس نجم المدارس اور احقر ناکارہ پر مشتمل تھی آپ نے حضرت افغانی مدظلہ کے اس استفسار پر کہ کیا آپ بالاکوٹ حضرت سید صاحبؒ اور مولانا شہیدؒ کے مزار پر تشریف لے گئے ہیں فرمایا کہ ہاں حضرت مولانا عبدالحنان صاحب راولپنڈی مجھے لے گئے تھے۔ علامہ افغانی نے دریافت فرمایا کہ حضرت کیا وجہ ہے کہ سید صاحب جو شیخ اور مرشد ہیں کہ قبر پر انوار مولانا شہیدؒ کے قبر کی نسبت کم معلوم ہوتے ہیں حضرت نے فرمایا ہاں واقعہ یہ ہے کہ میں نے صاحب قبر سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں سید احمد شہید نہیں ہوں میرا نام سید احمد ہے میں مولانا شہید کا مرشد نہیں لوگوں نے مولانا شہید کی قبر کے قریب ہونے کی وجہ سے غلط فہمی میں مجھے سید صاحب سمجھ لیا ہے۔

۲۔ حضرت الاستاد مولانا محمد اسماعیل صاحب مذکور الصدر نے بیان کیا کہ ٹانک میں ہمارے ایک عزیز نے حضرت مدنیؒ سے اپنی نسبت ارادت ظاہر کرتے ہوئے بیعت کے لئے عرض کیا حضرت نے فرمایا بیعت مدنیؒ والی کافی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ حضرت نے جو وظیفہ تبلایا تھا وہ پڑھا کرتے ہو انہوں نے کہا پڑھا کرتا ہوں حضرت نے تھوڑی دیر آنکھ بند کر کے فرمایا، عزیز جھوٹ نہ بولو تم نے وظیفہ جاری نہیں رکھا تمہارا دل سویا ہوا ہے۔ سبحان اللہ کہنے والے نے سچ کہا۔ ع پیش اہل دل نگہدارید دل

حضرت قبلہ والدم قاضی محمد نجم الدین صاحب مدظلہ نے اذہان جدیدہ کی تقریب کے لئے کشف قلب کے اس واقعہ پر مثال دیتے ہوئے فرمایا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے مہینہ کے بعد اہل فن آکر بجلی کا میٹر دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ اتنی بجلی خرچ ہوتی ہے اس فن سے ناواقف یقیناً متعجب ہوں گے کہ یہ عجیب بات ہے مہینہ تک تو اپنے گھر میں رہا بجلی یہاں خرچ ہوتی رہی اور اس نے کہ بتلا دیا مگر واقفین حال کے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں یہاں بھی تقریباً معاملہ اسی طرح کا ہے کہ جو دل ذکر اللہ میں استعمال ہوا ہے اس کی کیفیت جدا ہوتی ہے اور قلب لاہی کی کچھ اور۔ اللّٰهم انا نعوذ بك من قلب لا تخشع

(مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی)

علمی خدمات

شیخ التفسیر قدس سرہٗ کا انقلابی کارنامہ

ترجمہ قرآن مجید

مجھے ایک مرتبہ مظفر آباد (آزاد کشمیر) جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں سیّد علی احمد شاہ صاحب سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ جو اس وقت صدر حکومت آزاد جموں و کشمیر تھے۔ سیّد صاحب ایک راسخ الاعتقاد سچے، پکے اور دردِ دل رکھنے والے مسلمان ہیں۔ میں نے جہاں تک ان کے خیالات کا اندازہ لگایا وہ قال اللہ اور قال الرسول کا ملک میں نفاذ اور مسلمانوں کو سربلند دیکھنا چاہتے تھے۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ میں آزاد کشمیر کے تمام سکولوں میں قرآن مجید کا ایک ایسا ترجمہ رائج کرنا چاہتا ہوں جس پر مسلمانوں کے تمام فرقوں کا اتفاق ہو گا۔ چنانچہ مظفرّ آباد سے واپس آنے کے بعد میں نے اپنا ترجمہ جو اس سے پہلے کئی سال کیا ہوا تھا اور انجمن خدّامُ الدّین کے محشیٰ قرآن مجید کے ساتھ کئی سال سے شائع ہو رہا تھا۔ اس کے حواشی کو کٹوا کر فقط مترجم قرآن مجید ہر فرقہ کے علماء کرام کی خدمت میں پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب علماء کرام کو جزاء خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے اس ترجمہ پر منصفانہ رائیں لکھیں اور اسے پسند فرمایا اور مسلمانوں کو اس کے خریدنے اور پڑھنے کی طرف توجہ دلائی۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء فی الدارین عنی و عن جمیع المسلمین۔ میں ان حضرات کی اس انصاف پسندی پر ان کی خدمت میں ہدیہ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اب ان علماء کرام کی آراء بعینہٖ مسلمانوں کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہٗ۔

چیدہ ترین عُلمائے کرام کی آراء

حضرت مولانا سیّد محمّد انور شاہ رحمۃُ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

قرآن مجید و حکیم کا اعجاز مُفردات اور ترکیب و ترتیب کلمات اور مقاصد و حقائق کی جملہ وجُوہ سے ہے۔ مُفردات میں قرآنِ مجید وہ کلمہ اختیار فرماتا ہے جس سے اوفیٰ بالحقیقۃ و اوفیٰ بالمقام ثقلین نہیں لا سکتے مثلاً جاہلیّت کے اعتقاد میں موت پر توفّی کا اطلاق درست نہ تھا۔ کیونکہ اُن کے اعتقاد میں نہ بقائے جسد تھی اور نہ بقائے رُوح۔ توفّی وصول کرنے کو کہتے ہیں ان کے عقیدہ میں موت توفّی نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید نے موت پر توفّی کا لفظ اطلاق کیا اور بتلایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے نہ فنا محض۔ اِس حقیقت کو ایک کلمہ سے کشف کر دیا۔ اور کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی سے جسد مع الرّوح کے وصول کرنے پر کیا۔ ترکیب و ترتیب جیسے وجعلوا اللہ شرکآء الجنّ ظاہر قیاس یہ تھا کہ عبارت

ہیں وذٰلك فضل الله يؤتيه من يشآء ۔

میں نے مولانا موصوف کی یہ تحریر دربارۂ ربطِ آیاتِ قرآنیہ و ایضاح معانی فرقانیہ مختلف مقامات سے دیکھی ۔ بحمداللہ نہایت مفید اور کار آمد تحریر پائی ۔ دلچسپ اور صحیح وضروری مضامین کا خلاصہ اس طرح اس میں بھر دیا گیا ہے کہ عوام اور خواص دونوں کو بہت زیادہ آسانی کے ساتھ دُرِ گراں مایہ ہاتھ آ سکیں گے ۔ میری نظر سے کوئی مضمون ایسا نہیں گزرا جو کہ مسلک اہلِ سنّت والجماعت کے خلاف ہو یا اس پر کوئی گرفت ہو سکے ۔ مجھ کو قوی اُمید ہے کہ اگر لوگ اس عجیب و غریب تحریر کو غور وخوض کے ساتھ مطالعہ فرمائیں گے تو کتابُ اللہ کے سمجھنے کا بہت بڑا فرض ادا کریں گے ۔

آخر میں مولانا موصوف کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوا دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے دارین میں ان کو سرخرُو اور کامیاب فرمائے اور اپنی لقاء اور رضوان کے اعلیٰ درجات سے ان کو مالا مال کرے آمین واللہ ولی التوفیق وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمدٌ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم ۔

تحریراً ۱۳ من جمادی الاوّل ۱۳۵۱ھ

ننگِ اسلاف
حسین احمد غفرلہٗ
خادم التعلیم بدارالعلوم دیوبند



اِمام العلماء اُسوۃ المہدیین حضرت مولانا مُفتی محمد کفایتُ اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ امّابعد قرآن حکیم کی خدمت خواہ اس کی نوعیت کچھ ہی ہو مسلمان کے لیے سعادت اور ذخیرۂ آخرت ہے ۔ بالخصوص جب کہ وہ خدمت اُمتِ مرحومہ کو قرآنی معارف سے روشناس کرانے والی اور قلوب میں فہمِ قرآن کی رغبت پیدا کرنے والی ہو حضرت فاضل علامہ مولانا احمد علی صاحب نے جس صُورت سے کتابُ اللہ کی خدمت کی ہے ۔ یہ انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے بہت مفید ہوگی ۔ اور ان کے قلوب میں قرآن مجید کی تلاوت کی رغبت اور مضامین قرآنیہ پر غور کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کا قوی ترین وسیلہ ثابت ہوگی ۔ میں نے اس کو جستہ جستہ مقامات سے مطالعہ کیا اور اس طرز کو مفید اور سہل اور اقرب الی الفہم پایا میری نظر میں کوئی بات مسلک اہلِ سنّت والجماعت کے خلاف نہیں آئی ۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی مخلصانہ خدمت کو قبول فرما کر مسلمانوں کو مُستفید وبہرہ مند کرے آمین ۔ والحمد للہ رب العٰلمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ رسولہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین ۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ ۔ ۲۱ محرم ۱۳۵۰ھ نیو سنٹرل جیل ملتان

مخدُوم ومحترم رئیسُ المؤرخین زمان حضرت مولینا سید محمد سُلیمان صاحب ندوی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں کی سعادت کا اصلی سرمایہ قرآن پاک ہے ۔ مسلمان جب تک اس سرمایہ سے فائدہ اُٹھاتے رہے ۔ ان کی دینی و دُنیاوی دولت کا کچھ ٹھکانا نہ تھا ۔ لیکن ایک مُدت کے بعد زمانہ کے مرُور ۔ زبان کی اجنبیت اور رسمی کتابوں کی کثرت اور رُسوم ورواج کی پابندیوں نے ان کو اس سرمایہ سے پُوری طرح فائدہ اُٹھانے سے محروم کر دیا ۔ یہ دیکھ کر علمائے حق نے اس کا فارسی ترجمہ کیا اور اس کی تفسیریں لکھیں ۔ یہ ترجمے تفسیروں کے ضمن میں ہوتے تھے ۔ اس قسم کی سب سے پہلی کوشش کا سُراغ چوتھی صدی ہجری میں بخارا کے سامانی سلاطین کے عہد میں ملتا ہے ۔ ہندوستان کے قرونِ وسطیٰ میں امام زاہدی کی فارسی تفسیر کے ترجمہ نے سب سے زیادہ ہر دلعزیزی حاصل کی ۔ اس کے قلمی نسخے اب بھی ملتے ہیں ۔ نویں صدی ہجری میں مُلاحسین واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی نے سب سے زیادہ اہمیّت حاصل کی اور بہت کثرت سے اسلام کے مشرقی ملکوں میں اس کا رواج ہوا ۔ اور اس کے قلمی اور مطبوعہ نسخے گھر گھر پھیل گئے ۔

عین اس وقت جب ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی قوت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا حکمتِ الٰہی نے اس غرض سے کہ اس آفتاب کے غروب سے مسلمانوں کے قلوب میں تاریکی نہ پھیلنے پائے۔ ایک اور آفتاب نکالا۔ جس نے اس وقت سے لے کر آج تک اس ملک کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور رکھا ہے یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور ان کے اخلاف۔ شاہ صاحب نے عوام کے لیے قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کیا۔ اور خواص کے لیے قرآنِ پاک کے علوم پر متعدد رسائل لکھے۔ شاہ صاحب کے بعد ان کے صاحبزادوں میں سے مولانا شاہ رفیع الدین نے قرآنِ پاک کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے اردو میں قرآنِ پاک کی تفسیر موضح القرآن لکھی اور اردو میں قرآنِ پاک کا وہ ترجمہ کیا جو اپنی گوناگوں صفات کی بنا پر آج تک بے مثال ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ اور حواشی کی خوبی کا اصلی اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس نے خود قرآن پاک کے سمجھنے کی تھوڑی سی کوشش کی ہو۔ شاہ صاحب کے حواشی موضح القرآن اپنے اختصار کے باوجود فہمِ مطالب میں بے حد معین ہیں۔ اور ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو فہمِ قرآن کا خاص ملکہ اللہ تعالیٰ نے بخشا تھا۔

قرآنِ پاک کے علوم میں سب سے زیادہ دقیق اور نازک علم آیات اور سُور کے باہم ربط و تعلق کا ہے۔ امام رازی اور بقاعی نے اس پر بہت کچھ محنت کی ہے اور دوسرے علماء نے بھی اس میں کافی غور و خوض کیا۔ ہمارے زمانہ میں مولانا حمید الدین صاحب فراہی صاحبِ نظام القرآن اور مولانا عبیداللہ صاحب سندھی خاص ذکر کے قابل ہیں۔ دونوں مدت تک اتحادِ مذاق کے باعث کراچی میں باہم ملتے جلتے رہتے تھے۔ مولانا عبیداللہ صاحب کے درس نے متعدد باکمال پیدا کیے۔ جن میں سب سے پہلی جگہ مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین کو حاصل ہے۔ موصوف نے اس درس میں جو کچھ پایا۔ اس کو وقفِ عام فرمایا۔

انجمن خدام الدین کے مخلص و باہمت ارکان شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک ایسے قرآن کی طباعت و اشاعت کا سامان کیا جس میں یہ متفرق فیوض و برکات یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ قرآنِ پاک کے اس نسخہ میں ترجمہ حضرت مولانا احمد علیؒ کا اور ساتھ ہی حضرت موصوف نے قرآنِ پاک پر آیات کے ربط و تسلسل کی پابندی کے ساتھ جو حواشی لکھے تھے اور جو مستند علمائے عصر کی نگاہوں سے بار بار گزر چکے تھے ان کا اضافہ کیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر کے حواشی پر جس نے دقت کی نظر ڈالی ہے اس کو معلوم ہے کہ انھوں نے آیات کے ربط و تسلسل کا خاص خیال رکھا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے یہ حواشی بہت مختصر تھے اور پورے قرآن پر بالالتزام نہیں لکھے گئے تھے۔ مولانا احمد علی صاحب نے اس کمی کو پورا کیا ہے۔ اور سارے قرآن پر التزام کے ساتھ ایسے حواشی لکھے ہیں جن میں ربط و تسلسل کے رموز و اسرار منکشف ہو جاتے ہیں۔ اور مختصر لفظوں میں آیات کے وہ حقیقت پرور مطالب سامنے آجاتے ہیں جن سے تفسیر کی بڑی بڑی کتابیں خالی ہیں۔ ان حواشی کی خاص خصوصیات یہ ہیں کہ ان میں مسلمانوں کی موجودہ بیماریوں کے علاج کی طرف خاص طور سے اشارے کیے گئے ہیں اور ان کے قوائے عمل کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت محشی کو جزائے خیر دے اور مسلمانوں کو اس ترجمہ اور حواشی سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے۔ والسلام۔

کتبہ المستعین باللہ القوی سلیمان الندوی
۱۱۔ شوال ۱۳۵۳ھ

حضرت مولانا سلطان محمود صاحب مدظلہ مدرس مدرسہ فتحپوری

الحمد للہ فالق الحب والنوی خالق الارض والسمٰوٰت العلی۔ عالم الجہر والسر من القول والاخفی بل لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ المصطفیٰ۔ صاحب المقام المحمود والکوثر والشفاعۃ الکبریٰ المکتحل بما زاغ البصر وما طغیٰ۔ محمد الذی لا یاتی الزمان بمثل وما اتی وعلی الہ واصحابہ اجمعین الطاہرین۔ امّا بعد جس روز سے قرآن حکیم کا نزول دنیا میں ہوا ہے اسی وقت سے علمائے امتِ مرحومہ (علیہم التحیات والتسلیمات) نے اس خدمت کو ذریعۂ نجات سمجھ کر اپنا نصب العین قرار دے رکھا ہے۔ اور ہر زمانے میں حسبِ استطاعت اس کی خدمت کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ چنانچہ جس قدر تراجم و تفاسیر وجود میں آئی ہیں وہ اس قدر ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کے دیکھنے میں اپنی تمام عمر صرف کر دے تو بھی ان سب کو نہیں دیکھ سکتا۔ مگر باوجود اس قدر کثرت تراجم و تفاسیر کے چند اشیاء کی کمی باقی تھی۔ جس وجہ سے بہت طبائع کو قرآن مجید سن کر اطمینان و سیری حاصل نہیں ہوتی تھی۔ اور قرآن شریف کی امتیازی شان نمایاں نہیں ہوئی تھی اور اس قدر تراجم و تفاسیر دیکھنے کے باوجود ہر شخص اس نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا تھا کہ اسلام کی ترقی

وتنزّلی کے ذرائع واسباب کیا ہیں اور وہ کون سے اصُول وقوانین تھے جن کی پابندی سے مُسلمانوں کا عروج آسمان سے باتیں کرتے لگا تھا۔ مگر خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنی رحمتِ خاصہ سے اس کمی کے دُور ہونے کا منظر بھی دکھایا اور اس خدمت سراپا سعادت کا قرعہ ازلی علامۂ وقت مولانا مولوی احمد علی صاحب کے اسمِ گرامی پر واقع ہوا تھا۔ لہٰذا یہ خدمت ان کی ذاتِ بابرکت سے ظہور میں آئی۔ میں نے علامہ موصوف کی اس تفسیر کو اوّل سے آخر تک نہایت غور سے دیکھا ہے اور دیکھنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے۔

۱۔ اوّل سے آخر تک کوئی بات ایسی نہیں پائی جو اہل سُنّت والجماعۃ کے مسلک کے خلاف ہو۔

۲۔ ربطِ آیات اس خُوبی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جس کی نظیر زمانۂ ماضیہ میں معدوم الوُجود ہے۔

۳۔ مطالب ومضامینِ قرآن حکیم کی تشریح میں خیرُ الکلام ما قلّ ودلّ کے مطابق اختصار بھی ہے اور باوجود اختصار کے پیرایۂ بیان نہایت سہل وسلیس ہے سمجھنے میں کوئی دِقّت پیش نہیں آتی۔

۴۔ اصُولِ اسلام وترقی وتنزّل کے اسباب اس خُوبی سے واضح کیے ہیں کہ کوئی اُلجھن باقی نہیں چھوڑی۔ قرآن شریف کی ایک امتیازی شان پیدا کر دی ہے۔ پڑھنے والے کی طبیعت کو کامل سیری حاصل ہو جاتی ہے۔ نزول قرآن مجید کی جو اصلی غرض تھی (کہ اہل اسلام کو ایک مکمل دستور العمل دیا جائے) اس کی بے مثل تشریح ہے۔

۵۔ جو حضرات فرض تبلیغ کو اپنے ذمہ لیے ہُوئے ہیں ان کے لیے بے نظیر سرمایہ ہے۔

۶۔ زمانہ موجُودہ کے لحاظ سے ہر طبقہ کو مفید خصُوصًا نئی روشنی کے دلدادہ حضرات کو ازحد مفید ومرغوبُ الطبع واقع ہوگی۔

الحاصل جو کمی باقی تھی وہ بحمدِ اللہ کامل طور سے رفع ہوگئی ہے۔ اور یہ رحمت الٰہیہ کا ایک نیا دَور ہے جو عنقریب انشاء اللہ العزیز دُنیا میں ایک نیا رنگ لائے گا۔ علّامہ موصوف کی یہ خدمت نجات اخروی کا ایک بیش بہا سرمایہ ہے۔ اب میں دُعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اور اہلِ اسلام کے قلوب میں اس کی مقبولیّت کا بیج بو دے۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

خادم العلماء سلطان محمود عفی عنہ
صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی
رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

حضرت مولانا خواجہ عبدُ الحی صاحب شیخ التفسیر جامعہ ملّیہ قرول باغ دہلی

بسم اللہ وحدہٗ۔ میں نے تقریبًا تمام کتاب کو بغور دیکھا۔ یہ اللہ کا فضل مخصوص ہے کہ اُس نے حضرتُ العلام کو اس جلیلُ القدر خدمت کے لیے چُن لیا اور سلفِ صالحین کے طریق پر اقتضائے زمانہ کے مطابق اپنی کتابِ عزیز کی تشریح وتوضیح کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ کی نُصرت وکامگاری پر اعتماد کر کے میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ اسے قبولِ عام بخشے گا اور درس وفکر قرآن میں جو رکاوٹیں ہیں اس کی وجہ سے دُور کر دیگا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

عبد الحی استاد تفسیر وناظم دینیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
۳ رجب المرجب ۵۱ھ
۳ نومبر ۳۲ء

صدر احرارِ ہند حضرت مولانا حبیبُ الرحمٰن لُدھیانوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے بیان کا خلاصہ

"حضرت علامہ مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدّام الدین کے نام نامی سے مسلمانوں کا بچّہ بچّہ واقف ہے۔ قرآنِ عزیز کے علوم ومعارف آپ نے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے حاصل کیے اور رُوحانی فیوض وبرکات قطب الاقطاب علامہ سیّد تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ صدیق دوراں شیخ المشائخ حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پُوری نور اللہ مرقدہٗ سے حاصل کیے۔ آپ کا موجودہ علمی اور رُوحانی فیض مذکورۃ الصدر بزرگانِ دین کی علمی اور رُوحانی تربیت کا نتیجہ ہے۔

آپ کے علم وفضل، تقویٰ ودیانت اور خلوصِ نیّت کے لیے یہ شہادت کافی ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے علُوم قرآنی کا شہرہ ہندوستان کے ہر گوشہ میں پہنچ گیا۔ لاہور کے نہ صرف عوام بلکہ انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ اور سند یافتہ علمائے کرام نے آپ سے قرآنِ عزیز کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا۔ سینکڑوں سند یافتہ علماء اس وقت تک آپ سے ترجمہ وتفسیر قرآن مجید پڑھ چکے ہیں اور ہر سال ساٹھ اور اسّی کے درمیان دارالعلوم دیوبند، جامعہ ڈابھیل اور دیگر مدارس کے سند یافتہ علماء رمضان المبارک میں آپ سے علوم قرآن حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر ربطِ آیات میں حسب ذیل علوم ہیں:۔

(۱) ہر ایک سُورت کا ایک عنوان (۲) ہر رکُوع کا خلاصہ اور اس کا ماخذ (۳) ربطِ آیات (۴) مناسب موقعوں پر واقعاتِ جزویہ سے قواعد کلّیہ کا استنباط۔

مولانا موصوف نے سترہ سال کی مسلسل محنت کے بعد آنے والی نسلوں کے لیے تفسیر ربطِ آیات لکھ کر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ اس تفسیر کے متعلق شیخ الاسلام مولانا سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں تقریر کے دوران ۳ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو ارشاد فرمایا تھا: "ہم نے مولانا احمد علیؒ صاحب کے مسودہ ربطِ آیات پر جو تقریظیں کی ہیں ہم نے ان میں خوشامد نہیں کی اور مسلمانوں کو دغا نہیں دیا۔ میں نے مولانا احمد علی صاحب کو بارہا تکلیف دی کہ قرآن مجید کی یہ خدمت کریں۔ یہ خدمت انھوں نے میرے کہنے پر کی ہے ہم ان کی اِس خدمت کے شکر گزار ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے ارکین انجمن خدام الدین کو یہ توفیق دی کہ انھوں نے اس اہم کام کو اپنے ذمہ لے لیا۔ اس وقت تک قرآن عزیز کے دس پاروں کی کتابت ہو چکی ہے۔ یہ قرآن شریف بے اندازہ خصوصیات کا حامل ہے۔ ابتدا میں قرآن عزیز کا بین السطور ترجمہ حضرت شاہ عبد القادر قدس سرہ العزیز کا تھا اور حاشیہ پر تفسیر موضح القرآن مندرج تھی۔ موجودہ ترجمہ حضرت شیخ التفسیر نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمۂ قرآن کی روشنی میں خود کیا تھا۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے شاہ صاحبؒ کے کچھ حالات بھی تحریر فرمائے تھے جو افادیت کے پیشِ نظر درج ذیل ہیں:۔

میں نے بعض بزرگوں سے سُنا ہے کہ مولانا شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ جب موضح القرآن لکھ چکے تو فارسی کا یہ شعر تھوڑے سے تصرف کے ساتھ پڑھتے تھے۔ شعر: روزِ قیامت ہر کسے با خویش دارد نامہ ؛ من نیز حاضر می شوم تفسیر قرآن در بغل ○

حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ بامحاورہ ترجمہ کے بانی اور امام ہیں اور بعد کے سب ترجمہ کرنے والے ان کے متبع ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہؒ تمام شاگردوں کو ہمیشہ یہ وصیت فرمایا کرتے تھے: "حضرت شاہ عبد القادرؒ کا ترجمہ دیکھو اور بعض مسائل جو تفسیر سے حل نہیں ہوتے وہ اس ترجمہ سے حل ہو جاتے ہیں۔"

حضرت شاہ عبد القادرؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادے ہیں۔ یہ پہلا خاندان ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنّت کے علوم ہندوستان میں پھیلائے۔ میں نے دیوبند میں ایک بزرگ امیر شاہ خان سے سُنا کہ حضرت شاہ عبد القادرؒ نے چالیس برس مسلسل مسجد میں اعتکاف فرما کر اس کا ترجمہ اور موضح القرآن کو لکھا ہے۔ جس دیوار کے ساتھ آپ تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے اس پر بھی نشان پڑ گیا تھا اور خاں صاحب مرحوم حضرت شاہ صاحب دہلویؒ کی یہ دو کرامتیں بیان فرمایا کرتے تھے:۔

"(۱) اگر کوئی شخص آپ کو سلام کرتا تو زبانی جواب کے ساتھ شیعہ حضرات کو بائیں ہاتھ سے اور سُنّی حضرات کو دائیں ہاتھ سے اشارہ فرماتے۔ کئی ایک شیعہ صاحبان اس آزمائش ہی پر اپنے عقیدہ سے توبہ کر گئے۔

(۲) رمضان المبارک میں آپ خود تراویح میں قرآن شریف سُنایا کرتے تھے۔ اگر رمضان المبارک کی پہلی شب کو آپ دو پارے تراویح میں پڑھتے تو حضرت شاہ عبد العزیزؒ جو آپ کے بڑے بھائی تھے فرمایا کرتے کہ رمضان ۲۹ کو ہوگا۔ اور اگر ایک پڑھتے تو فرماتے کہ ۳۰ کا ہوگا — باقی جو شریعت حکم دے۔"

حضرت مولانا نجم الدین صاحب مدظلہ، پروفیسر اورینٹل کالج لاہور

قرآن حکیم ایک ایسی کامل و جامع کتاب ہے، جس کے عجائبات کی کوئی انتہا نہیں۔ غواصانِ بحورِ معانی ہمیشہ نئے نئے لولوئے آبدار اور گوہر شاہوار کو قعرِ نظم و لفظ سے نکال کر مُشتاقانِ دیدارِ تحقیق کی آنکھوں کو روشن اور دِلوں کو مسرور فرماتے رہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ سے آج تک جتنی تفسیریں لکھی گئی ہیں سب نے حسبِ استطاعت قرآن حکیم کی تشریح اور توضیح کی خدمت کو انجام دینا اپنا فرض منصبی قرار دیا۔ حسب حال ہر عالم نے اپنے زمانے کے مطابق جس پہلوئے تفسیر کو زیادہ نمایاں کرنا اپنا موضوع قرار دیا اسی پر اپنے قلم کا زور صرف کر دیا۔ کسی نے نقلِ روایات و آثار پر ہی اکتفا کی اور کسی نے نحو، معانی کے مسائل کو ذکر کرتے ہوئے قرآن کی فصاحت ثابت کرنے پر داد لی اور کسی نے معقولی رنگ چڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ فقہ کے شیدائیوں نے صرف آیات مسائل احکام کی تفصیل پر اپنا وقت صرف کر دیا۔ بحُسنِ نیت ہر شخص ہماری دُعائے خیر کا مستوجب و مستحق ہے۔ اتنی تفسیریں لکھنے کے باوجود قرآن کے چند ایسے پہلو معرض ظہور پر کما ینبغی جلوہ افروز نہیں ہوئے اُن میں سے چار اہم امر ہیں جن کی طرف علمائے کرام کی توجّہ کی اشدّ ضرورت ہے۔

اوّل:۔ ربطِ آیات

دوم:۔ اقسام القرآن۔ قسم اور جواب قسم میں ربط قائم کرنا۔

سوم: قصص القرآن۔ ایک ہی قصہ متعدد سُورتوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ کہیں مختصر اور کہیں مفصّل آخر فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ اس تفصیل اور اختصار اور تکرار میں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی جو متوسّط الفہم لوگوں پر تا حال آشکار نہیں ہوئی۔

چہارم۔ امثالُ القرآن۔ اس پر بھی تا حال کوئی مکمل کتاب نہیں لکھی گئی۔ اگرچہ بعض امثال پر بعض محققین نے بحث کی ہے۔

ان چار شعبوں کی تکمیل مسلمانوں پر فرض ہے۔ ربطِ آیات کے متعلق اگرچہ بعض تفاسیر میں سرسری طور پر کچھ نہ کچھ لکھا گیا ہے لاکن کا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ کے درجے پر ہے۔ اس خدمت کے انجام دینے کے لیے میرے دوست مولانا مولوی احمد علی صاحب نے حتّی الوسع ایسی کوشش کی ہے جس کا شکر یہ ادا کرنا ناظرین کا فرضِ اوّلین ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو راہ دُشواری یا عدم توجّہ علماء کے باعث آج تک غیر مسلوک رہا ہو اس پر قدم رکھنا یا اس پر چل کر کسی ایسے نتیجے پر پہنچنا جس میں کسی قسم کی دقّت و پیچیدگی نہ ہو، نا ممکن ہے مولانا صاحب

کی تفسیر ربطِ آیات کو جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے، نہایت مفید اور کار آمد پایا۔ اُمید کہ اس کے مطالعہ سے متوسّط درجے کے اہلِ علم بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ اور اعلیٰ درجہ کے علماء اگرچہ اس کو اپنی شایانِ شان نہ سمجھیں تو کم از کم ان کی توجّہ اس سلسلے کو بہتر صُورت میں لانے کی طرف ضرور منعطف ہوگی۔ ربطِ آیات سے بہت سے مسائل پیچیدہ اور مشکل کا انحلال ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے تمام مسلمانوں کی طرف سے اس فرضِ کفایہ کو ادا کرنے کے لیے اپنا وقت صرف کیا۔ جزاہ اللہ الخیر عنی وعن سائر المسلمین آمین۔

نجم الدین پروفیسر اورینٹل کالج لاہور، ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

حضرت مولانا ابو محمّد احمد بن حسین چکوالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العٰلمین۔ والصلوٰۃ والسلام علی خاتم المرسلین واتباعہ و اشیاعہ اجمعین۔ امّا بعد خاکسار نے قرآن مجید مترجم طبع کردہ انجمن خدام الدین وفقہ اللہ تعالیٰ لخدمۃ الدین المتین کامن اولہ الی آخرہٖ بغور مطالعہ کیا۔ بغرض تصحیح لفظاً لفظاً پڑھا۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ عوام مسلمین بلکہ خواص کو بھی اس سے معتد بہا دینی فوائد حاصل ہوں گے۔

۱۔ تصحیح کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۲۔ ترجمہ حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو بین السطور لکھا گیا ہے معنی مُرادی کی تفہیم کے لیے ایک اُستاد کامل کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳۔ ربطِ آیات جس کے ضمن میں موضوع ہر سورۃ قرآن حکیم۔ وخلاصہ جملہ رکوعاتِ ہر سُورہ اور نمبر وار آیاتِ سُور کا سباق وسیاق سے ارتباط نہایت اختصار کے ساتھ ہر صفحہ کے حاشیہ کے حصّہ اوّل پر لکھا گیا ہے؛ ایک نادر چیز ہے (جو میرے عزیز محترم جناب مولوی احمد علی صاحب سلمہ اللہ امیر مجلس خدام الدین نے اپنی عمر کا معتد بہ حصّہ صرف کر کے اساتذہ باکمال کی تعلیم و تربیت سے حاصل کیا ہے) یہ حصّہ بفضلہ تعالیٰ فہم قرآن حکیم و تدبر آیات السمیع العلیم کے لیے انشاء اللہ تعالیٰ بے حد مفید ثابت ہوگا۔ بشرطیکہ تلاوت کرنے والے دل سے متوجہ ہو کر تدبر سے کام لیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ

میں جناب باری تعالیٰ میں دست بدعا ہوں کہ اللہ جلّ جلالہ مجھے بھی اس سے متمتع ہونے کی توفیق بخشے اور تمام اہلِ اسلام کو توفیق دے کہ قرآن حکیم کو جس مقصد کے لیے نازل ہوا ہے اسی قصد سے پڑھیں سمجھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں تاکہ دُنیا صُلح وسلام وامن وامان کا گہوارہ بن جائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد نبی الامین وعلی جمیع اخوانہ من النبیین والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ وصالحی امتہ اجمعین۔ ع

ویرحم اللہ عبداً قال امینا

وانا العبد الفقیر ابو محمد احمد بن حسین الچکوالی مولداً، اللاہوری منزلاً
مورخہ ۶ شوال المکرم ۱۳۵۳ھ

حضرت مولانا عبد العزیز صاحب فاضل دیوبند خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ

ربُّ العلمین کے کلام کی خدمت جس طرح اہلِ اسلام نے کی ہے ان کے سوا جس قدر لوگوں کو اپنی کتاب کے آسمانی ہونے کا دعویٰ ہے وہ اس سے قاصر ہیں کہ کہیں اس کا عشر عشیر بھی پیش کر سکیں۔ حسبِ استطاعت یا حسبِ ضرورت چھوٹی، متوسط، بڑی بلکہ بڑی سے بڑی غرض سات سات سو جلد کی تفسیریں لکھی گئیں اور جس شخص کو جو علمی امانت عطا ہوئی تھی قرآن کریم کی تفسیر میں اس کو ادا کیا۔ قرآن جملہ علوم کا ماخذ اور مخزن تھا۔ محدث نے روایات کو قرآن کریم سے منطبق کیا۔ متکلم نے عقلی دلائل کی تصدیق قرآن کریم سے کرائی۔ فقیہ نے ہزاروں مسائل مُستنبط کیے۔ ادیب نے اسے اپنا مرجع قرار دے کر بلاغتِ قرآن کو لوگوں کے سامنے واضح کیا۔ اور ہزاروں مسائل اس سے آخذ کیے غرض جس شخص کو جس فن میں زیادہ مہارت تھی تفسیر میں اسی رنگ کو زیادہ نمایاں کیا۔ لیکن قدیم سے بعض اہلِ علم کا یہ خیال رہا ہے کہ قرآن کریم کی ہر ایک آیت مستقل باب ہے۔ اور ہر ایک سُورت مُستقل کتاب ہے اس خیال کی وجہ سے بہت مُفسّرین نے اس طرف کم توجّہ کی کہ سُور اور آیات کے روابط اور مضامین کے تراجم کو بھی واضح کریں۔ اور جن حضرات نے اس خدمت کو ادا کیا ہے اس کا بہت سا حصّہ تو اس وقت ہمارے سامنے ہی نہیں۔ یا مبسوط تفسیروں میں تبعاً اس کو ذکر کیا گیا ہے اور اس کا استخلاص مشکل ہے۔ یا اہلِ ہند کی زبان میں نہ ہونے کی وجہ سے عام لوگوں کے لیے اصعب المرتقی اور قلیل المجتنی بن چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے برادر مکرم مولانا المولوی احمد علی صاحب کو جنھوں نے اس ضرورت کو محسوس فرما کر

وہی چیز پیش کی ہے جس کی حاجت تھی۔ میں نے مختلف مواقع سے مولانا کے ارشاد کے موافق اس کو دیکھا ہے اور مولانا کی خدمت کی داد دیتا ہوں کہ آپ نے نہایت سہل طریق سے اس پہلو کو ذہن نشین کرنے کی سعی فرمائی اور اس میں کامیاب ہوئے۔ نہ ربط کے اظہار میں کچھ ایسی کھینچاتانی کی ہے کہ تفاسیر سلف کو مطروح کر دیا ہو نہ کسی رکوع یا سورت کے خلاصہ بیان کرنے میں خواہ مخواہ صامت کو ناطق بنانے کی کوشش کی ہو۔ اگر ہر لاحق کے لیے لازم ہو کہ وہی کہے جو سابق کہہ چکا ہے تو پھر کسی تصنیف کی ہی نہیں رہتی۔ ہاں متاخرین کے لیے اتنا ضروری ہے کہ اصول اہل سنت والجماعت یا جس حصہ کا صرف نقل سے تعلق ہے اس کی پابندی کرتے ہوئے اگر کسی چیز کے واضح کرنے یا تقریر میں کوئی ایسی چیز کہہ دیں جس کو بعینہٖ سلف کی تفاسیر میں نہ دکھا سکیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ جو بعض مقامات میری نظر سے گزرے ہیں بحمد اللہ اصول اور نقل کی اس میں برابر رعایت کی گئی ہے اور ہمیں مولانا کے علم اور دیانت پر یہی امید ہے کہ اس چیز کو ہر جگہ ملحوظ رکھا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔ عنا اور عن جمیع المسلمین اور اس تصنیف کو موجب برکت اور رابطہ بین الخالق والخلق ثابت کرے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۔

بندہ محمد بسم اللہ حسین عفی عنہ از گوجرانوالہ ۲۷ شوال ۱۳۵۱ ہجری

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب فاضل دیوبند پروفیسر گورنمنٹ کالج شاہ پور

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ استاذی المکرم حضرت مولانا احمد علی صاحب کی تفسیر میں نے خود حضرت مولانا صاحب سے پڑھی ہے اور لکھی ہے اور یہ تقریر حضرت مولانا کی لکھی ہوئی آپ کے ارشاد سے دیکھی ہے۔ میرے خیال میں صیغہ ربط آیات میں یہ تقریر بے نظیر ہے۔ یہ فن اب تک درجۂ تکمیل تک نہیں پہنچا تھا۔ حضرات مفسرین نے ربط آیات قرآن کریم کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی اور بعض نے اس طرف توجہ کی ہے۔ مگر وہ درجۂ کفایت تک نہیں پہنچی۔ حضرت مولانا کی تفسیر نے اس کمی کو نہایت احسن طریق سے پورا کر دیا ہے۔ تمام قرآن کریم کے مضامین کو ایسا مربوط بیان کیا ہے کہ اول سے آخر تک ایک نہایت لطیف نظام ربط قائم ہو گیا ہے۔ بعض بعض مقامات پر تو ایسا نادر ربط بیان کیا ہے کہ بے اختیار زبان سے صدائے احسنت نکلتی ہے۔ قرآن کریم کی سورتوں کا خلاصہ مضمون اور ہر سورۃ کا موضوع پھر اس کے دلائل و شواہد اس خوبی سے بیان کیے ہیں کہ پڑھنے والے کے ذہن میں مضمون کی ایک تصویر قائم ہو جاتی ہے۔ امثال قرآن کی بھی اکثر جگہ نہایت موزوں تشریح کی ہے۔ اقسام قرآن کی مناسبت ان کے جوابات کے ساتھ واضح کی گئی ہے کہ کہیں وہ اپنے جوابات کی دلائل و شواہد ہیں اور کہیں امثال و نظائر ہیں۔ اعتبار و تاویل کا حصہ اگرچہ قرآن کریم کی تفسیر نہیں۔ جیسے خود حضرت مولانا نے ظاہر کر دیا ہے۔ مگر درجۂ اعتبار میں نہایت عمدہ چیز ہے اور اس کا انطباق آیات پر ایسا بیّن ہے کہ ادنیٰ تامل سے واضح ہو جاتا ہے۔ جس کا ماخذ حضرت مولانا نے اپنی اپنی جگہ ذکر کر دیا ہے۔ غرضیکہ یہ مجموعہ ایک نادر تحفہ ہے جس کی قدر پڑھنے والے خود معلوم کریں گے۔ معمولی تعلیم یافتہ اشخاص بھی جب ترجمہ پڑھ کر خلاصۂ سورت اور ربط آیات کو دیکھیں گے تو خاص حظ اٹھائیں گے اور اہل علم اگر درس قرآن کے وقت اس کا غور سے مطالعہ کریں گے تو اپنے سینوں میں ایک عجیب انشراح اور لطف موجود پائیں گے۔ درحقیقت قسام ازل نے یہ نعمت حضرت مولانا کے حصے میں رکھی تھی، جو انھیں مل گئی۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

والسلام

احقر العباد عبید اللہ پروفیسر گورنمنٹ کالج شاہ پور

حضرت مولانا غلام صدیق صاحب فاضل دیوبند ڈیرہ غازی خاں

حضرت مولانا مولوی احمد علی صاحب کی تالیف درباره ربط آیات سورۂ فاتحہ سے اخیر تک لفظ بہ لفظ دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ تو اس کو نہایت مفید پایا۔ اور اس میں کوئی چیز خلاف اہل السنۃ والجماعت کے نہیں دیکھی۔ احقر تہ دل سے دعا کرتا ہے کہ خداوند کریم اس کو مقبول و منظور فرمائیں اور جناب مؤلف کی سرافرازی فی الدنیا والآخرۃ کا باعث بنے۔ آمین ثم آمین۔

العبد
بندہ غلام صدیق عفا اللہ عنہ
دینپوری حال وارد لاہور

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی

مکرم و محترم مولانا احمد علی صاحب دروازہ شیرانوالہ۔ لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ——— آپ کا ارسال کردہ مطبوعہ نمونہ حواشی قرآن کریم موصول ہوا۔ اس سے قبل مولانا محمد چراغ صاحب کی معرفت آپ کے تحریر کردہ قلمی حواشی کا قرآن کریم کے مختلف مقامات سے بالاستیعاب دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے اسلوبِ بیان، خلاصہ آیت ربط مضامین اور تفسیر آیات میں جس حُسنِ نظم سے کام لیا گیا ہے موجودہ عنوان اور صورت میں اس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ گو اصولاً متفرق طور پر تمام مواد متعلقہ کتب میں دستیاب ہو سکتا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس شاندار خدمت کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو اس سے نفع اُٹھانے کی توفیق عنایت فرمائے۔ میرے ناقص خیال میں اگر آپ اسے حواشی کی بجائے تفسیر کی شکل میں طبع فرماتے تو زیادہ مناسب تھا۔ جہاں تک میرا خیال ہے انگریزی دان احباب کو یہ حواشی قرآن کریم اُنھیں دیگر زمانہ حال کی تمام تفاسیر سے بالکل مُستغنی کر دیں گے۔

بندہ محمد نعیم عفا اللہ از لودھیانہ ۲۵ ۱۱/۳۶

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب جالندھری حال خطیب مسجد نور منٹگمری

حامداً و مصلیاً۔ اما بعد، حق تعالیٰ شانہٗ نے محض اپنے فضل و کرم سے حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہٗ کو اس پُرفتن دور میں قرآن فہمی کا وہ ملکہ عطا فرمایا ہے کہ جس کا اعتراف ہر اہلِ علم نے کیا ہے۔ آپ نے حال ہی میں ایک قرآن مجید سلیس ترجمہ کے ساتھ شائع فرما کر امتِ مرحومہ پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ کہ ہر شخص اپنے گھر میں بیٹھ کر صحیح مطلب سے مستفید ہو سکتا ہے۔ بلکہ اُمتِ مرحومہ کے ہر فرقہ نے اس کو بہ طیبِ خاطر قبول فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ مترجم علاّم کو اور خاص و عام کو اس قرآن کی اشاعت سے ظاہراً باطناً مستفید کرے۔ آمین ثم آمین۔

عبدالعزیز جالندھری خطیب جامع مسجد نور منٹگمری

حضرت مولانا محمد حسن صاحب خطیب جامع مسجد خانیوال کہنہ

نحمدہٗ نصلّی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد، اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ اور وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ کے ایفائے عہد کے لیے ہر دور ایسی کامل مکمل ہستیاں پیدا کرتا ہے جن کی برکت سے اس وقت اسلام زندہ تابندہ ہے۔ وہ ہستیاں اندھیری رات میں مشعلِ ہدایت اور اتمام حجۃ اللہ بنیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے لے کر آج تک تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا کا فرض احسن طریق سے ہر ملک میں اس کی زبان کے مطابق انجام دیتی رہیں۔ فارسی، عربی اور اُردو میں قرآنِ کریم کے تراجم اور بہت سی تفسیریں لکھی گئیں۔ جنھوں نے خوش قسمت انسانوں کے دلوں کو قرآنِ مجید کی بے انتہا روشنی سے منوّر کر دیا۔ عوام اور خواص متاعِ ایمان اور عمل سے مالا مال ہوتے۔ سابقہ ترجموں میں بعض الفاظ مغلق ہونے کی وجہ سے بہت سے حضرات نے حضرت سیّدنا و مولانا شیخ المشائخ احمد علی صاحب امیر انجمن خدّام الدّین لاہوری کی خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ آپ اس وقت سلیس اور عام فہم ترجمہ قرآن مجید تحریر فرما کر اُمّتِ مسلمہ پر احسانِ بلیغ

اور کرم نوازی کریں۔ الحمد للہ حمداً کثیراً حضرت ممدوح نے جن کو اللہ تعالیٰ نے ازل میں اس دور کی خدمت روحانی کے لیے چن رکھا تھا۔ قبول فرما کر انسانوں کو بالخصوص مسلمانوں پر احسان عظیم کیا۔ احقر نے کئی بار اس ترجمہ شریف کو دیکھا جو کہ مسلکِ حق کے مطابق پایا۔ کوئی چیز مسلک اہل سنت والجماعۃ کے خلاف نہ پائی۔ بالکل سابقہ ترجموں کا مؤید۔ البتہ دورِ حاضر کے لحاظ سے عام فہم جس سے معمولی سی تعلیم والا بھی اپنی استعداد کے مطابق فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ بالخصوص اسی ترجمہ کو یہ شرف حاصل ہے۔ جمیع فرق اسلامیہ کا متفقہ ترجمہ ہے ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ حضرت مدظلہم کا سایہ مسلمانوں پر بالخصوص پاکستانیوں پر قائم رکھے اور ان کی خدمتِ قرآنِ مجید کو قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

جمیع مسلمانوں کے لیے واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً کا مصداق ہے۔ اس ترجمہ نے فرقہ پرستی کی تاریکیوں کو اڑا کر عدیم المثل مثال قائم کی ہے۔ دورِ حاضرہ کے لیے صراط مستقیم ہے۔

محمد حسن عفی عنہ خانیوال کہنہ جامع مسجد

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی صدر جمعیۃ اہلحدیث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین نے ایک عرصہ سے قرآنِ حکیم کے درس و تدریس کی گراں قدر خدمت اپنے ذمہ ابتغاءً لوجہ اللہ لے رکھی ہے اور باحسن وجوہ اس خدمت کو سرانجام دے رہے ہیں۔ حال ہی میں حضرت مولانا نے قرآن مجید ایک سادہ اور عام فہم ترجمہ کر کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس عاجز نے اس ترجمہ کو مختلف مقامات سے دیکھا ہے۔ یہ ترجمہ اگرچہ با محاورہ ہے۔ لیکن لفظی ترجمہ کو بھی بڑی حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور یہ اس ترجمہ کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اور اسی لحاظ سے اسے میں نے سادہ اور عام فہم ترجمہ کہا ہے۔ قرآنِ مجید کے بعض تراجم قوسین کے درمیان تشریح الفاظ کے محتاج ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت مولانا کا ترجمہ تشریح الفاظ کے نہ ہوتے ہوئے بھی عام فہم ہے۔ بہر حال مولانا احمد علی صاحب متع اللہ المسلمین بطول حیوتہٖ کی یہ قرآنی خدمت بڑی قابلِ قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور قرآنِ مجید کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مسلمانوں کو یہ سعادت بخشے کہ وہ اس نعمت سے استفادہ کریں اور رضاء الٰہی حاصل کریں۔ یہی ایک مسلمان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لما تحب و ترضٰی وجعلنا من عبادک المخلصین۔

فقیر بارگاہِ صمدی محمد داؤد غزنوی مہتمم دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور ؎

حضرت مولانا عبد المجید صاحب سوہدری مالک اخبار اہلِ حدیث سوہدرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآنِ مجید کے کئی ترجمے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ مگر جو قبولیت شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد العزیز رحمہما اللہ کے ترجمہ کو حاصل ہوئی وہ کسی اور ترجمہ کو حاصل نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ محض ان

کا خلوص اور للّٰہیّت تھی۔ جس کی نظیر دوسری جگہ بہت کم ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تراجم بکثرت شائع ہوتے اور انجمن خدّام الدّین لاہور نے اسی ترجمہ کو ترجیح دی اور اپنے حواشی، مطالب، ربط آیات کے ساتھ بیس سال تک اسے متواتر چھاپتی رہی۔ مگر اب عوام کے اس مطالبہ کے پیشِ نظر نظر کہ اس ترجمہ کی زبان متروک ہوتی جا رہی ہے اور اردو علم ادب میں کافی تبدیلی ہو چکی ہے۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن کو مجبور کیا گیا کہ وہ اب صاف سلیس اور آسان زبان میں ترجمہ لکھیں۔ جسے بچے اور عورتیں بھی بآسانی سمجھ سکیں اور اس سے استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ یہ ترجمہ جو پیشِ نظر ہے حضرت مولانا ممدوح ہی کے قلم کا مرہون منّت ہے اور واقعی ایسا آسان اور سہل ہے کہ کم سے کم قابلیّت کا انسان بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مولانا ممدوح کے خلوص ہی کا یہ اثر ہے کہ ان کے بیسیوں تبلیغی رسائل لکھوکھہا کی تعداد میں شائع ہو کر ملک میں قبولیّتِ عامہ حاصل کر چکے ہیں۔ امید ہے کہ یہ ترجمہ بھی اسی طرح مقبولِ عام ہو گا۔ ترجمہ نہایت صحیح ہے اور ہر حیثیّت سے قابلِ اعتماد اور قابلِ داد ہے۔ ہم عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ دیگر تراجم پر اسے ترجیح دیں اور اس کی عام اشاعت کریں کہ یہ بھی ایک طرح دینی ادارہ کی امداد ہی ہے۔

عبدالمجید خادم
مالک اخبار اہلحدیث سوہدرہ
ضلع گوجرانوالہ

فخرِ سادات الکرام حضرت الحاج حافظ سیّد محمد حسین شاہ صاحب نقشبندی

سجادہ نشین دربار علی پور سیدّاں ضلع سیالکوٹ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرحیم ط حامدًا وّ مصلیًا و مسلمًا

فقیر نے مولوی احمد علی صاحب دروازہ شیرانوالہ لاہور کا ترجمہ قرآن مجید معرّیٰ از تحشیٰ و فوائد بعض مقامات سے دیکھا۔ یہ بامحاورہ ترجمہ ہے اور مسلک اہلسنّت کے مطابق ہے۔ اس ترجمہ سے عوام پورے طور پر مستفید نہیں ہو سکتے جب تک مقامات قابلِ تشریح و توضیح کے حاشیہ پر وضاحت نہ ہو اور مغلق مقامات کو سلف صالحین کے مذاق کے مطابق حل نہ کیا جائے۔ جن مقامات کو میں نے دیکھا ہے۔ اس میں کوئی افراط و تفریط نظر نہیں آئی۔ اس لیے اہل علم اس کو خرید لیویں تو مضائقہ نہیں۔ عوام اس سے کماحقّہٗ مستفیض نہیں ہو سکتے۔ موجودہ دور کے مترجم قرآن مجید جتنے شائع ہو چکے ہیں بہت سی خوبیوں کے اعتبار سے اکثر تراجم سے یہ ترجمہ بہتر ہے۔

مورخہ ۲۱ رجب ۱۳۷۱ھ

بقلم سیّد محمد حسین عفی عنہ۔ از علی پور سیدّاں تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ۔

حضرت صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ صاحب صدر جمعیۃ علماء پاکستان

سجادہ نشین آلو مہار شریف

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ط

حضرت مولانا احمد علی صاحب نے تفسیر اور تعلیم قرآن کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ ان کا اندازِ تفہیم بہت ہی مؤثر ہے۔ مزید برآں انجمن خدام الدین کی طرف سے وقتاً فوقتاً جو مذہبی لٹریچر چھپتا رہتا ہے اس کی افادیت مسلم ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے اس لٹریچر سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ حضرت مولانا کا ترجمہ قرآنِ حکیم آسان، بامحاورہ اور جامع ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے دقیق اور متروک الفاظ کی اصلاح سے اسے موجودہ ضروریات کے مطابق بنا دیا گیا ہے۔ یہ بے حد مستحسن کوشش ہے۔ برادرانِ اسلام کو اس ترجمہ سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اس سعیٔ علم کو مشکور فرمائے۔

فیض الحسن عفی عنہ صدر جمعیۃ علماء پاکستان سجادہ نشین آلو مہار شریف

مجتہد العصر علامہ کفایت حسین صاحب لاہوری

باسمہٖ سبحانہٗ

حقیر نحیف کے پاس عرصہ سے قرآن شریف، ترجمہ حضرت محترم جناب معلّٰی القاب مولانا احمد علی صاحب دامت برکاتہم برائے فریضہ تقریظ موجود ہے۔ ہر چند میں اپنے کو اس کی ادائیگی کے قابل نہیں پاتا۔ اور نہ حقیقۃً اپنے مشاغل و فرائض سے اتنا وقت مل سکا۔ کہ بالاستیعاب شرفِ مطالعہ حاصل کرتا لیکن جب حکم کی اہمیّت بڑھتی گئی تو از راہِ امتثال امر بعض مقامات سے مطالعہ کیا۔ میں نے ترجمہ جناب مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی اور ترجمہ مولانا شاہ رفیع الدین کا بھی مطالعہ کئے ہیں میں بلا تکلّف یہ کہنے کے لیے تیار ہوں کہ یہ ترجمہ بلاشُبہ تراجم مذکورہ بالا سے بلند اور پُر مغز ہے اور اسے ان تراجم پر امتیاز خصوصی حاصل ہے۔ میں ترجمہ کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے شائقین کی خدمت میں عرض کروں گا کہ وہ اس کو مذکورہ بالا تراجم پر ترجیح دیں۔ فقط

الآثم کفایت حسین بقلمہ

کرنل سیّد علی احمد شاہ صاحب صدر حکومت آزاد جموں و کشمیر کی تقریظ

حامداً و مصلّیاً و مُسلماً

قرآنِ حکیم زمین و آسمان کے بادشاہ خدائے قدّوس اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کا یہ لاریب کلام پاک ہے جو بذریعہ روح الامین حضرت جبرئیل رحمۃ اللعالمین سیّد المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوا۔

مقصد انسانوں میں اختلاف و تفرقہ مٹا کر اتحاد و اتفاق پیدا کرنا قرآنِ حکیم کا مقصد ہے۔ خوفِ خدا پیدا کر کے صراطِ مستقیم پر چلانا اور ظلمت سے نور میں لانا قرآنِ حکیم کا کام ہے۔

اوصافِ قرآنِ مجید

قرآنِ حکیم ایک سیدھی راہ ہے۔ برہان، فرقان، واضح حق، ذکر و فکر، حکمت، بصارت و بشارت، حکم، امر، فیصلہ اور احسن حدیث، مفصّل ہدایت، رحمت، شہادت، نور اور شفا ہے۔ اس میں تبدیل نہ ہونے والے آئین ہیں۔ گزشتہ قوموں کے حالات میں موجودہ اور آئندہ زمانے کے لیے قیامت تک احوال ہیں۔

بدقسمت ہے وہ انسان جو اس سے روگردانی کرے۔ افسوس ہے اس پر جو دین و دنیا اور عقبیٰ کے فوائد اس سے حاصل نہ کرے۔ اندھی ہے وہ آنکھ جو اس سے منوّر نہ ہو۔ بہرے ہیں وہ کان جو اسے نہ سنیں۔ گونگی ہے وہ زبان جو اسے نہ سنائے۔ بدنیّت ہے وہ دل جو اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ جھوٹا ہے وہ انسان جو اسے کھیل تماشا اور ٹھٹھا سمجھے۔ بے فائدہ ہیں وہ ہاتھ پاؤں جو اس کی ہدایت پر عمل نہ کریں۔ بے سود ہے وہ علم جس کی بنیاد اس پر نہ ہو۔ ظالم، فاسق اور کافر ہے وہ شخص جو اس کے مطابق حکم نہ کرے۔ اس لاریب کتاب کے آئین زمین و آسمان ہر طبقے پر قابلِ عمل ہیں۔ اس کے قوانین لازوال ہیں۔ اسے عہداللہ، امراللہ، حدوداللہ، کلمات اللہ۔ اکثر ہدایت اللہ اور سنّت اللہ کہا گیا ہے۔

ہر مومن مرد اور عورت کے لیے اس کا پہلے علم حاصل کرنا اور پھر اس پر عمل کرنا فرض ہے۔ مسلمانانِ پاکستان کو مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدّام الدّین و صدر جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کا ممنون ہونا چاہیئے جنہوں نے اس کا اُردو میں ایسا ترجمہ کیا جو سلیس اور بامحاورہ ہے۔ دوسرے ترجموں کے مقابلہ میں اس ترجمہ کی اہمیّت اس لیے بھی بڑھ گئی ہے کہ مسلمانانِ پاکستان کے حنفی، اہلحدیث اور شیعہ علماء نے اس ترجمہ کی تصدیق فرمائی ہے۔ واقعی یہ بلند پایہ ترجمہ ہے۔

چونکہ حکومتِ پاکستان اور جملہ مسلمانانِ پاکستان نے متفقہ فیصلہ اور عہد کیا ہے کہ آئندہ تمام آئین و قانون کی بنیاد کتاب و سنّت پر ہوگی اور ہر مسلمان کی زندگی اس کے مطابق ہوگی۔ اس لیے قرآنِ حکیم کا جاننا اور سمجھنا ضروری اور لابدی ہے۔

پاکستان کے صوبوں اور اس کی ریاستوں کے وزراء سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ قرآنِ حکیم کے اس اُردو ترجمہ اپنے مدارس کے نظامِ تعلیم میں مکمل طور پر شامل کریں۔ اس ایک ہی ترجمہ کے رائج ہونے سے پاکستان کے مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد کی لہر دوڑ جائے گی اور تفرقہ مٹ جائے گا جس سے پاکستان کی بنیاد نہایت مستحکم ہو جائے گی۔

مدارس کے علاوہ مساجد اور سرکاری و غیر سرکاری کُتب خانوں اور اداروں میں اس متفقہ اردو ترجمے والے قرآنِ حکیم کا رائج کرنا اشد ضروری ہے۔

بارگاہِ ربّ العزّت میں میری دعا ہے کہ ہر مسلمان کو قرآنِ حکیم کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی خداوند تعالیٰ توفیق عطا فرماتے۔ آمین۔ بلکہ ہر انسان کو اس کی طرف رغبت اور توجہ کرنے کی توفیق دے آمین۔

احقر العباد (کرنل) سیدّ علی احمد شاہ سابق صدر حکومت آزاد جموں و کشمیر۔

۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۵۳ء

شیخ التفسیر قدس سرہ العزیز کی تفسیری خصوصیات

از قلم خادم دربار راشدی محمد زاہد الحسینی غفرلہ

دار الارشاد

Darularshad کیمبلپور (پاکستان)

CAMPBELLPUR (Pakistan)

تاریخ 30/5/78

محترمی و مکرمی زید لطفکم و مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عریضہ در جواب ہے گرامی نامہ باعث عزت افزائی ہوا۔ بات دراصل یہ ہے

کہ مجھے شاہ ولی اللہ، مجدد الف ثانی، حضرت مدنی، حضرت لاہوری و حضرت

مولانا عبید اللہ سندھی قدس اسرارھم سے قلبی اور روحانی بلکہ ایمانی عقیدت ہے باوجود

ان کے جلال اور رعب اس قدر متاثر رکھا ہے کہ مکتوبات کا ایک صفحہ بھی نہیں دیکھ سکا

جب کبھی ان اساطین امت اور محسنان ملت کی فہرست میں کوئی مدحیہ سخن

کہنے کی سعادت میسر آتی ہے تو ڈر اور وحشت لگتا ہے۔ اگر اس نامہ سیاہ کو وہی حکم

ہے تو کسی دوسرے شعبے کی تاریخ ارسال کر دیں کیونکہ ضعف اور کم علمی کم ہمتی ہم

مزید مزید بجائے یکم رجب سے ۱۵ رجب تک بڑھا دیا جائے۔ ان شاء اللہ

چند اوراق ارسال خدمت کر دوں گا۔

اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ والسلام

نامہ سیاہ

زاہد الحسینی

خداوند قدوس نے کائنات میں سے افضل اور برتر مخلوق حضرت انسان کو بنا کر اس کی راہ نمائی کے لیے آسمانی ہدایت کا نزول بھی فرمایا۔ یہ ہدایت مختلف ادوار کو حسب منشا ایزدی طے کرتے ہوئے سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر تمام کر دی گئی جس کا باقاعدہ اعلان فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ ۳)

(ترجمہ) آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کر دیا اور تمہارے لیے (راہ) دین اسلام کو پسند کر لیا۔

بالفاظ دیگر اب انسانی ہدایت اور راہ نمائی کے لیے صرف قرآن عزیز ہی کو مقام عظمت سے سرفراز فرمایا اب اس نور کامل کے نزول کے بعد کسی دوسری ہدایت آسمانی یا انسانی کی طرف آنکھ اٹھانا بھی جرم قرار دیا گیا ارشاد قرآنی ہے۔

اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتٰب یتلی علیھم ان فی ذلک لرحمۃ وذکری لقوم یومنون (العنکبوت ۵۱)

(ترجمہ) کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے اتاری آپ پر یہ کتاب جو ہمیشہ پڑھی جائے گی ان پر بے شک اس میں رحمت ہے اور نصیحت ماننے والی قوم کے لیے"

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کتاب عزیز کو معیار عروج اور نزول قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ اخرین (رواہ مسلم)

(ترجمہ) یقیناً اللہ تعالیٰ اسی کتاب پر عمل کرنے کی برکت سے کچھ اقوام کو بام عروج تک پہنچا دیگا۔ اور اسی کتاب سے روگردانی کی سزا میں قعر مذلت میں گرا دے گا۔

چونکہ یہ کتاب عزیز عالمگیر ہدایت کا سرچشمہ ہے زمانہ نزول سے لے کر لیل و نہار کی آخری گردش تک یہی کتاب راہ نمائی کے مقام پر من جانب اللہ فائز رہے گی اس کی تعلیمات کو نوع انسانی کے تمام مسائل کے لیے راہ نما بنایا اس کی تعلیمات کا دائرہ اعتقادیات، عبادات، آداب و اخلاق تک محدود نہیں بلکہ تمام انسانی مسائل کا حل اس کتاب عزیز میں موجود ہے جس کی وضاحت اور تفسیر ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق کی گئی۔ یقین اور اذعان کے دور میں تفاسیر مرتب کی گئیں استدلالی دور میں تفسیر کبیر جیسی تفاسیر کو مدون کیا گیا تزکیہ نفس کی گرم بازاری کے دور میں انوار الفجر جیسی گراں پایہ تفاسیر منصہ شہود پر لائی گئیں چونکہ قرآن عزیز تمام انسانی مسائل کا واحد اور کامیاب حل ہے اس لیے وہی تفسیر زیادہ کامیاب اور مفید ہو گی جس میں حسب ارشاد محدث کبیر علامہ انور شاہ کاشمیری قدس سرہ العزیز۔

وہ مقاصد قرآن حکیم کے ایسے ہونے چاہئیں جن سے مبدا و معاش و معاد اور فلاح نجاح دنیا و آخرت وابستہ ہو"

چونکہ برصغیر میں جب اسلامی حکومت کا چراغ گل ہونے لگا تو دردمندان ملت اسلامیہ اور محسن امت محمدیہ نے سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسطورہ بالا ارشاد کی روشنی میں امت کے عروج اور سطوت گذشتہ کے حصول کے لیے اسی کتاب عزیز پر عمل پیرا کرنے کے لیے اس کی تفسیر اور تشریح کو ضروری قرار دیا۔ ان محسنین امت میں سے حجۃ اللہ فی ارضہ شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کا نام نامی سر فہرست ہے۔ جس قدر بدیسی اور عیسائی حکومت کی گرفت مضبوط ہوتی گئی اسی قدر اس کتاب حکیم کی تعلیمات کی اشاعت ایسی نوعیت پر ضروری ہو گئی کہ جس پر عمل سے مسلمان من حیث القوم عروج رفتہ کو حاصل کر سکیں مسلمانان برصغیر کی خوش بختی تھی کہ اس دور میں چند وہ نفوس قدسیہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے۔ جنہوں نے امت کے تنزل اور انحطاط کا اصلی سبب معلوم کرتے ہوئے مردانہ وار اس کی اصلاح کی طرف قدم اٹھایا ان رجال کی قیادت امام اولیاء دور حاضر کے شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب قدس سرہا العزیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کی گئی انہی رجال کی تفصیل حضرت شیخ التفسیر کے شاگرد۔ عالم اسلامی کے ممتاز عالم دین علامہ ابوالحسن ندوی کے الفاظ میں درج ذیل ہے:۔

جیسے ہر زمانہ میں ایک خاص طرز فکر اور نقطۂ نظر کا استیلاء ہو جاتا ہے اور ہر چیز اسی کی مدد سے اور اسی سے متاثر ہو کر دیکھی جاتی ہے اس زمانہ میں سیاست و حکومت آزادی و غلامی حاکمیت اور محکومیت اور استعمار کے استقلال کا استیلاء تھا اور اس نے ایک نئے وحدۃ الوجود کے فلسفہ کی شکل اختیار کر لی تھی اس دور کے فلسفہ اور اس کے اثر و تسلط کو دیکھ کر وحدۃ الوجود کے عقیدہ کی عمومیت و عالمگیری ادب، شاعری، علم و فلسفہ، الہیات اور علم کلام یہاں تک کہ عام زندگی و معاشرت اور روزمرہ کی گفتگو اور بول چال پر اس کی مضبوط گرفت اور گہری چھاپ کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اس وقت ساری دنیا بالخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے سب سے اہم مسئلہ مغربی طاقتوں سے خصوصاً ان کے سب سے بڑے نمائندے انگریزوں کی غلامی اور حکومت سے نجات اور آزادی حاصل کرنا تھا مولانا عبید اللہ (سندھی) غیر معمولی طور پر ذہین و ذکی واقع ہوئے تھے اسی کے ساتھ نہایت درجہ حساس اور غیور طبیعت

رکھتے تھے شیخ الهند کی صحبت نے سونے پہ سہاگہ کا کام دیا ان کے ابتدائی مرشد و مربی حافظ محمد صدیق صاحب اور ان کے خلیفہ مولانا سید تاج محمود امروٹی اعلیٰ مجاہدانہ جذبات رکھتے اور پورے درجہ کے انگریز دشمن تھے ان سب اثرات نے مولانا عبید اللہ کو ایک شعلہ جوالہ میں تبدیل کر دیا تھا اور ان کے ذہن کو جہاد و حریت، احیائے خلافت و حکومت الہی، حصول آزادی اور انگریز دشمنی کی طرف ایسا موڑ دیا کہ ان کو سارا قرآن مجید جو شروع سے ان کی دلچسپی اور مطالعہ کا مرکز تھا اس کی تفسیر اور اسی کی دعوت نظر آنے لگا ان کی ذہانت اور نکتہ آفرینی نے اس کی آیات و ارشادات سے وہ کام لیا کہ ان کو اپنے ہر دعویٰ کی تائید قرآن مجید ہی میں نظر آنے لگی اور انہوں نے اس سے اجتماعی و سیاسی زندگی کے ایسے ایسے اصول و کلیات اخذ کئے جن کا نہ کسی قدیم تفسیر میں نشان ملتا ہے نہ کسی جدید تفسیر میں، یہ طرز استنباط اور یہ طریقہ تفسیر صوفیائے کرام کے تفسیری لطائف اور متصوفانہ نکات سے بہت ملتا جلتا تھا جن کو وہ الاعتبار و التاویل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور جن کے نمونے شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ علامہ مہائمی کی تفسیر تبصیر الرحمٰن و ... المنان اور علامہ حقی کی تفسیر روح البیان میں دیکھے جا سکتے ہیں" (پرانے چراغ ص ۱۳۷ و ۱۳۸)

شاگرد رشید کے استاذ جلیل سید سلیمان ندوی خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہ نے اسی مضمون کو اپنے ارشادات میں یوں ادا فرمایا۔ "دہلی میں اس وقت جب ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی قوت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا حکمتِ الٰہی نے اس غرض سے کہ اس آفتاب کے غروب سے مسلمانوں کے قلوب میں تاریکی نہ پھیلنے پائے ایک اور آفتاب نکالا جس نے اس وقت سے لے کر آج تک اس ملک کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور رکھا ہے یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے اخلاف شاہ صاحب نے عوام کے لیے قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کیا اور خواص کے لیے قرآن پاک کے علوم پر متعدد رسائل لکھے شاہ صاحب کے بعد ان کے صاحبزادوں میں سے مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے قرآن پاک کا اردو میں ترجمہ کیا اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے اردو میں قرآن پاک کی تفسیر لکھی اور اردو میں قرآن پاک کا وہ ترجمہ کیا جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر آج تک بے مثال ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ او تفسیر کی خوبی کا اصل اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس نے خود قرآن پاک کے سمجھنے کی تھوڑی سی کوشش کی ہو شاہ صاحب کے حواشی موضح القرآن اپنے اختصار کے باوجود فہم مطالب میں بے حد معین ہیں اور ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو فہم قرآن کا خاص ملکہ اللہ تعالیٰ نے بخشا تھا۔ قرآن پاک کے علوم میں سب سے زیادہ دقیق اور نازک علم آیات اور سُور کے باہم ربط و تعلق کا ہے امام رازی اور بقاعی نے اس پر بہت کچھ محنت کی ہے۔ اور دوسرے علماء نے بھی اس میں کافی غور و خوض کیا ہے ہمارے زمانہ میں مولانا حمید الدین فراہی صاحب نظام القرآن اور مولانا عبید اللہ سندھی خاص ذکر کے قابل ہیں دونوں حضرات اتحاد مذاق کے باعث کراچی میں باہم ملتے جلتے رہتے تھے مولانا عبید اللہ صاحب کے درس نے متعدد باکمال پیدا کئے جن میں سب سے پہلی جگہ مولانا احمد علی صاحب ... انجمن خدام الدین کو حاصل ہے موصوف نے اس درس میں جو کچھ پایا اس کو ... عام فرمایا" (مقدمہ ترجمہ قرآن عزیز)

سید سلیمان ندوی اور علامہ ابوالحسن ندوی کے مندرجہ بالا ارشادات حضرت کے طرز تفسیر و تاویل کے لیے ترجمان کہے جا سکتے ہیں اگرچہ کلمات مختصر ہیں مگر غور سے دیکھا جائے تو طرز تفسیر اور قرآن عزیز کے ہر دور کے لیے راہ نما ہونے کے لیے قوی استدلال رکھتے ہیں آپ نے ایک بہت بڑی حقیقت کو واضح فرمایا۔ اس لیے کہ قرآن عزیز کے بعض مفسرین یا دور حاضر کے بعض مفسرین قرآن عزیز کی تفسیر اس لیے لکھتے ہیں کہ اس خدمت قرآنی کا اجر و ثواب مل جائے اور یہ بھی اپنی جگہ اچھی خدمت ہے جیسا کہ علم اعراب القرآن فی مشکلات القرآن وغیرہ کا موضوع بھی امر رہا ہے۔ اور بعض لوگ دور قدیم کے فتنوں (اعتزال، خارجیت) کو نئے روپ میں قرآن عزیز کے ارشادات کی آڑ میں تفسیر کے نام سے صرف فتنہ انگیزی اور امت میں انتشار کے لیے پیش کرتے ہیں، لیکن امت کا وہ ہمدرد عالم جس کا ہر لمحہ امت کے زوال پر غور و فکر میں گذرتا ہو وہ جب نور ہدایت کی روشنی میں قرآن عزیز کی تفسیر مرتب کرے گا تو اس سے ایک طرف قرآن عزیز کا اعجازی پہلو نمایاں ہو گا کہ قرآن عزیز ہر دور کے مسلمانوں کے لیے راہ نمائی اور دوسری طرف اس کے لازمی نتیجہ میں امت کے لیے وہ راہ نما اصول پیش کرے گا جو امت کو زوال سے نکال کر عروج پر پہنچا دے۔ چنانچہ دور حاضر کے امام الاولیاء شیخ التفسیر

مولانا احمد علی صاحب قدس سرہ کی تفسیر کو یہ امتیاز حاصل ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے قرآن عزیز کے ارشادات کو منضبط کرنے کے لیے جو طریق افہام و تفہیم اختیار فرمایا وہ جامع ہونے کے علاوہ مختصر سے مختصر ہے جناب خود ارشاد فرماتے ہیں۔

راقم الحروف نے مضامین کلام پاک بطریق ذیل مرتب کیا ہے۔

(۱) ہر سورۃ کا عنوان (ب) ہر رکوع کا خلاصہ (ج) اس خلاصہ کا ماخذ کہ یہ مضمون کس آیت سے برآمد ہوتا ہے۔ (د) ہر سورۃ کی تمام آیات کا ربط (ہ) مناسب موقع پر واقعات جزئیہ سے قواعد کلیہ کا استنباط تاکہ قرآن کی تعلیم اپنے مورد پر ہی بند نہ رہے بلکہ عام حالات پر اس کا اطلاق کرنے کا طریق لوگوں کے ذہن نشین ہو (مقدمہ ترجمۃ القرآن)

مذکورہ بالا سطور کی روشنی میں شیخ التفسیر نور اللہ مرقدہ کی مرتبہ تفسیر کی خصوصیات پر کچھ عرض کرنے سے پہلے ایک اہم امر کو بیان کیا جانا ہے جس کی طرف آج کل کے مفسرین کے اذہان کم متوجہ ہوتے ہیں یہ حقیقت ایک مقدمہ سمجھنے پر موقوف ہے وہ یہ کہ اسلامی نظام حیات جو کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے جس کا اصطلاحی اور فنی نام فقہ اسلامی ہے یہ عبادات کے عنوان سے لے کر معاملات، ... اور دوسرے ان تمام ابواب پر مشتمل ہے جو اسلامی مملکت کے لیے ضابطہ حکومت یا آئین مملکت کہلائے جاتے ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے علاوہ نکاح، طلاق خلع وغیرہ کے ابواب سے بڑھ کر استرقاق، استیلاد کتاب المکاتب، وغیرہ ان ابواب پر حاوی اور مشتمل ہے جن کا تعلق اسلام کے غلبہ کے دور کے ساتھ ہے۔ یعنی جب مسلمان قوم اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے کفر سے برسرپیکار ہو تو اس میدان کارزار سے فتح کے بعد جو غیر مسلم ہاتھ لگیں ان کو غلام اور لونڈی بنایا جائے ان کے حقوق اور ان کو آزاد کرنے کے جو ذرائع ہو سکتے ہیں ان پر فقہ اسلامی کا عظیم حصہ شامل ہے شامت اعمال کی وجہ سے مسلمان جب اس عظیم مقام سے تنزل پذیر ہوئے تو اب بعض سرسری نظر رکھنے والے اہل علم نے ان ابواب کے پڑھانے کو تضیع اوقات سمجھ کر درس نظامی کے نصاب سے ہی خارج کر دیا ان کی نظر میں فقہ اسلامی صرف نماز، روزہ اور حج کے مسائل پر مشتمل ہے کیونکہ یہ ابواب مسلمانوں کے عبادتی نصاب کا حصہ ہیں جن کی ضرورت آزادی، غلامی عروج و زوال کے ہر دور میں مسلمان کو رہتی ہے۔ مگر دور بین علماء محققین نے کامل نصاب فقہ کے پڑھنے اور پڑھانے کو ضروری قرار دیا اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ اس درس و تدریس سے مسلمانوں کو کم از کم اس امر کا احساس تو ہو جائے گا کہ ہمارا ماضی کیا تھا اور حال کیا ہے؟

اس مقدمہ کے بعد اب یہ عرض ہے کہ قرآن عزیز کی تفاسیر اور تراجم ہر دور میں کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں مگر محسن ملت اسلامیہ شاہ ولی اللہ قدس سرہ العزیز اور ان کے قرآنی خلفاء کی نظر میں قرآن عزیز کی تفسیر اور ترجمہ اس طرز پر کیا جانا ضروری ہے کہ جس سے:

(۱) قرآنی تعلیمات کی ہمہ گیری ظاہر ہو یعنی یہ باور ہو جائے کہ قرآن عزیز حسب ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما جس طرح روحانی تعلیمات کا سرچشمہ ہے اس طرح اپنے پیروکاروں کو انسانی عظمت سے بھی سرفراز فرمانے والی واحد کتاب ہے۔

(۲) قرآنیات کے طالب علم کو اس امر پر متوجہ کیا جائے کہ مسلمان کا اصلی مقام تو وانتم الاعلون کا مصداق ہے۔ جہانگیری جہانبانی کا حقدار صرف مسلمان ہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کے اقتدار اعلیٰ سے وہ امن اور عافیت پیدا ہوتی ہے جو غیر مسلم کے اقتدار سے پیدا نہیں ہو سکتی جس پر تاریخ عالم گواہ ہے۔ چنانچہ۔

شیخ التفسیر کی تفسیری خصوصیات میں جو خصوصیت مرکزی حیثیت رکھتی ہے وہ یہی ہے۔ کہ قرآنی تعلیمات اور تفسیر کو ارشادات قرآنیہ کے ظاہری معانی اور مراد پر مرتب فرما کر ان سے بطور تاویل کے ان مسائل کا استنباط کیا جائے جن کا تعلق جہانبانی اور حکمرانی سے ہے اختصار کے پیش نظر صرف ایک مثال درج کی جاتی ہے۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۲۹ میں ارشاد قرآنی ہے۔

ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفوراً رحیماً۔

(ترجمہ) اور تم عورتوں کو ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے اگرچہ اس کی حرص کرو سو تم بالکل ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری لٹکی ہوئی چھوڑ دو اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیزگاری کرتے رہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کی تفسیر حضرت شیخ التفسیر نے یہ فرمائی۔

وو خلاصہ مضمون متعدد بیویوں کی حالت میں یہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ سب کے ساتھ یکساں دلی محبت ہو۔ تاہم یہ ضروری ہے کوئی مرد صرف ایک ہی بیوی کی طرف نہ جھک جائے۔ بلکہ حتی الوسع سب کے ساتھ اچھا نباہ کرے اور ظاہری برتاؤ میں کوئی فرق پیدا نہ ہونے دے ،، کلمات قرآنی کے اس ترجمہ اور خلاصہ مضمون کے اس آیت سے نظام مملکت اسلامیہ میں سربراہ مملکت کے فرائض کا استنباط تاویل کے عنوان سے کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وو اسی طرح مسلم راعی کے ماتحت جب مختلف قومیں دارالاسلام میں آباد ہوں تو راعی اگرچہ طبعاً مسلمانوں سے بہت زیادہ مانوس ہوگا لیکن اس کے لیے لازم ہوگا کہ دوسری قوموں کو بھی "قانون" سے پورا فائدہ اٹھانے کا موقع دے "تاکہ ان کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ ان پر ظلم و تشدد ہو رہا ہے ،،

اس استنباط میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خاوند کو حکمران کا مقام دے کر حکمران کے فرائض متعین فرما دے جیسا کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپنے ایک ارشاد میں حکمران اور خاوند کو یک جا بیان فرما کر ان کے فرائض ارشاد فرماتے ہیں۔

اسی استنباط میں ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل و مساوات کے ناممکن ہونے کو گناہ اور جرم قرار نہیں دیا بلکہ اس کو طبعی امر قرار دیا جس پر مواخذہ نہیں جیسا کہ ایک بیوی حسین و جمیل ہو اور دوسری اس کے مقابلہ میں حسین نہ ہو تو طبعًا دونوں کے ساتھ تعلقات میں فرق پیدا ہوگا۔ اسی طرح مسلمان حکمران کو مسلمان رعیت کے ساتھ طبعًا تعلق اور لگاؤ ہوگا کہ راعی اور رعایا دونوں ایک دین کے رشتہ میں منسلک ہیں مگر غیر مسلم رعیت کے ساتھ طبعًا وہ لگاؤ نہ ہو سکے گا مگر ظاہری طور پر ان احکام اور قوانین میں (جن کا تعلق کسی غیر مسلم کے مملکت اسلامیہ کا شہری ہونے کے ساتھ ہے) مساوات اور یکسانیت کا اختیار کرنا ضروری ہے۔

دوسری خصوصیت

تفسیر شیخ التفسیر قدس سرہٗ العزیز کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے آیات قرآنی سے ایک مسلمان کی زندگی کے تمام منازل کے لیے راہ نما اصول وضع فرمائے ہیں جن کی تحدید انسانی زندگی کے تین ادوار یا تین اطوار پر مشتمل ہو سکتی ہے یعنی :- تہذیب الاخلاق ، تدبیر منزل ، سیاست مدینہ ، ان ہر سہ منازل کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر مسلمان کو اپنی انفرادی زندگی کا طور و طریقہ ایسا اختیار کرنا چاہیئے جس سے وہ سچا اور صحیح مسلمان کہلایا جا سکے۔ جیسا کہ عقیدہ کی پختگی ذاتی کردار کی بلندی اسے حکمت ولی اللہی میں تہذیب الاخلاق کا نام دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر انسان اپنے امور معاش میں کنبہ قرب و جوار کا محتاج ہے ان متعلقہ افراد کے حقوق کا تعین تدبیر منزل کہا جاتا ہے۔ مسلمان محکومی کے لیے نہیں بلکہ حاکمیت کیلئے ہے اس حاکمیت کے راہ نما اصول سیاست مدنیہ کہلاتے ہیں حضرت قدس سرہٗ العزیز نے ان حقوق اور آداب کے استنباط کے ساتھ ساتھ ان ہر سہ اطوار اور ادوار کا اثبات فرمایا ہے جس کی ایک مثال درج کی جاتی ہے :-

سورہ بقرہ کے رکوع ۱۸ آیت ۱۴۹ ، ۱۵۲ سے تہذیب الاخلاق کی تعلیمات کا استنباط کرتے ہوئے فرمایا کہ تہذیب الاخلاق (اصلاح فرد) کے متعلق پانچ مسائل ہیں

(۱) ذکر (۲) شکر (۳) صبر (۴) دعا (۵) تعظیم شعائر اللہ۔

حضرت قدس سرہٗ العزیز نے انسانی تربیت کے اصول کو ان پانچ میں قرآن عزیز کے ارشادات کی روشنی میں محدود فرما کر سمندر کو قطرہ میں سمو دیا ہے (جزاہ اللہ احسن الجزاء) ظاہر ہے کہ اخلاق کی اصلاح اور تربیت ذکر اللہ کے بغیر ہونی ناممکن ہے شاید یہی حکمت ہے کہ قرآن عزیز نے ذکر اللہ کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو اور قرب مالک حقیقی سے مشرف ہو جائے تو اب اگر مقاصد پورے ہوتے نظر آئیں تو شکر ادا کرنا ضروری ہے اور کبھی اس کی حکمت مقاصد کے پورے نہ کرنے کی متقاضی ہو تو اب صبر کرنا بھی تہذیب الاخلاق کا رکن عظیم ہے۔ صبر اور شکر دونوں کا مرجع تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جس سے کمال محبت پیدا کرنے کے لیے بار بار اسی کے دروازہ پر دست سوال دراز کرنا ضروری ہے جب اس تعلق سے ربط حقیقی پیدا ہو جائے تو پھر محبوب حقیقی اور معبود حقیقی کا ادب فرض ہے۔ حضرت شیخ التفسیر قدس سرہٗ العزیز نے

ارشاد فرمایا۔

"در باب تہذیب الاخلاق کا ماحصل یہ ہے کہ معبود حقیقی وحدہ لاشریک لہٗ عزاسمہٗ جل مجدہ سے انسان کا تعلق بہترین طریقے سے قائم ہو جائے" (فائدہ متعلقہ آیت نمبر ۱۶۳) تدبیر منزل۔ فرد جب اپنے گھر کی چار دیواری سے قدم باہر رکھتا ہے یا اس کی ذمہ داری اس کی اپنی ذات سے تجاوز کرتے ہوئے خاندان، قوم، قبیلہ، محلہ شہر تک وسیع ہو جاتی ہے تو اس دور زندگی کا اصطلاحی نام تدبیر منزل رکھا گیا ہے۔ حضرت قطب عالم مفسر قرآن عزیز نے "تدبیر منزل کے پانچ مسائل کا استنباط کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

تدبیر منزل کے پانچ مسئلوں میں پہلا مسئلہ کسب رزق ہے۔ جو آیت نمبر ۱۶۴ سے ظاہر ہے حصول رزق کے ساتھ ہی صرف و انفاق کا مسئلہ ضروری ہے جس کا استنباط اس آیت کے ساتھ مذکورہ آیات سے فرمایا ہے۔ ضروریات زندگی کے حصول اس کے صرف کے لیے جب قدم باہر رکھا جائے گا تو کبھی کبھی انسان حدود و حقوق سے تجاوز کر کے دوسروں پر دست انداز ہو جائے گا۔ اس کی اصلاح کے لیے تیسرا مسئلہ نظام فوجداری کو متعین فرمایا۔ اور اگر اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے صرف دلائل تک ہی معاملہ محدود ہے تو یہ چوتھا مسئلہ نظام دیوانی بن جاتا ہے۔ شیخ التفسیر قدس سرہٗ العزیز نے تدبیر منزل کے ان پانچوں مسائل کو سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۴ سے آیت نمبر ۱۸۸ تک استنباط فرمایا ہے۔

انسان عروج کی آخری منزل جس کا اصطلاحی نام سیاست مدینہ ہے حضرت قدس سرہٗ العزیز اس کے دو شعبے فرماتے ہیں ایک کا نام ملک گیری اور دوسرے کا نام ملک داری ہے جس کا استنباط سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۰ سے لے کر نمبر ۲۱۶ تک فرمایا ہے۔ حضرت قدس سرہٗ العزیز کے اس طرز تاویل اور استنباط سے جس طرح قرآنی ہدایت کی تفسیر کی گئی ہے اس میں وہ جامعیت اور عالمگیر افادیت ہے جو دوسری تفاسیر میں اس طرز استدلال پر نہیں ملتی بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ التفسیر نے سورہ بقرہ کی ان آیات کی روشنی میں وہ اصول استنباط فرمائے ہیں۔ جن سے فرد، معاشرہ، قوم و ملت کی زندگی استوار ہو کر رفعت کو حاصل کر سکتی ہے۔

تیسری خصوصیت حضرت قدس سرہٗ العزیز نے ربط آیات، ربط سور بلکہ ربط رکوعات میں مخصوص انداز اختیار فرمایا ہے جو مختصر سے مختصر ہونے کے باوجود اس قدر جامع ہے کہ چند کلمات میں کئی صفحات کا مضمون سمو دیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ الانعام کی ابتداء میں نہایت ہی لطیف پیرایہ میں سورۃ الانعام کا ربط سورۃ المائدہ اور دوسری سابقہ سورتوں کے ساتھ بیان فرمایا اور پھر سورۃ الانعام کی تعلیمات کا سارا خلاصہ اس طرح بیان فرمایا کہ مجوسیوں کی اجمالی تعلیمات کا استحضار بھی ہو گیا اور یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کا قرآن فہمی کا انداز ہے (رحمۃ اللہ علیہ) جیسا کہ فرمایا!

"مجوس کا عقیدہ ہے کہ خالق دو ہیں (۱) خالق خیر جسے یزدان کہتے ہیں (۲) خالق شر جسے اہرمن کہتے ہیں اس سورۃ میں اس خیال باطل کی تردید کی جائے گی سبق توحید (جو کہ سابقہ سورتوں میں گزر چکا ہے) پختہ کرایا جائے گا پختگی توحید کے لیے اتباع کتاب اللہ کرایا جائے گا۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے نمونہ کو توحید پرستی میں پیش کیا جائے گا (واللہ اعلم)

چونکہ سورۃ بقرہ میں یہودیوں کے غلط عقائد کی اصلاح تھی اور سورۃ آل عمران میں عیسائیوں کی عقیدہ ابنیت مسیح علیہ السلام کی اصلاح تھی پھر سورۃ النساء میں الوہیت مسیحؑ کی تردید کو سورۃ میں اس غلط عقیدہ کی اخروی قباحت کو بیان فرمایا کہ قیامت کے دن سوائے مسیح ابن مریم علیہ السلام کے اور کسی بھی نبی علیہ السلام سے ایسی باز پرس نہ ہو گی جیسا کہ ان سے ہو گی اور اس نوعیت تک ان کو اس غلط عقیدہ والی امت نے پہنچایا جو کہ ان کو معبود اور ان کی والدہ ماجدہ کو معبود قرار دیتے تھے۔ جب سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت عرب کے بعض علاقوں اور سارے فارس میں دین مجوسیت کا غلبہ تھا اس لیے قرآن عزیز جو کہ اصلاح عالم کے لئے نازل فرمایا گیا اس سورۃ الانعام میں دین مجوسیت کی تردید فرمائی کہ خالق خیر اور خالق شر ایک ہی ذات ہے روحانیات اور مادیات کا خالق وہی واحد لاشریک ہے چنانچہ حضرت شیخ التفسیر نے سورۃ الانعام کی ابتدائی آیات کی

تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

”جس طرح اللہ تعالیٰ روحانیات (نور) کا خالق ہے اسی طرح مادیات کا بھی خالق ہے نور اور ظلمت دونوں کا بنانے والا ہے کفار (مجوسیوں) خیال کرتے ہیں کہ نور کا وہ خالق ہے اور ظلمات کا خالق کوئی دوسرا ہے۔

آیت ۲ کی تفسیر اور ربط کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

”تمہیں کئی درجے طے کرا کر مٹی سے بنایا اور ایک مدت تمہارے رہنے کی مقرر فرمائی اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے علوِ مرتبت کے باعث بغیر نورانی چیز کو ہاتھ نہ لگانا چاہتا تو مٹی جیسی حقیر شئی سے انسان کو کیسے بناتا لیکن چونکہ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں اس لیے ہر چیز کو خود ہی اپنی قدرت کاملہ سے بناتا ہے۔“

چوتھی خصوصیت

چونکہ قرآن عزیز کی تمام تعلیمات کا جوہر اور خلاصہ تعلق باللہ ہے۔ یعنی انسان کو یہ بات سمجھائی گئی کہ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اس کا حکم اس کائنات پر نافذ اور جاری ہے اس لیے انسان اپنی ہر دو حالتوں (خوشی اور غم) میں اپنا تعلق محسن حقیقی حق تعالیٰ کے ساتھ رکھے کسی بھی وقت اس کے تعلق اور ذکر سے غافل نہ ہو۔ شیخ التفسیر نے قرآن عزیز کی کئی آیات کی تاویل اور استنباط سے اس بنیادی عقیدہ کو ثابت فرمایا جیسا کہ سورۃ بقرہ کی پہلی ہی آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:۔

”دنیا میں صفاتِ الٰہیہ کے غیر متناہی مظاہر ہیں سب سے پہلے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی جس مظہرِ الٰہی سے انسان کا تعارف ہو جاتا ہے وہ مظہر صفت ربوبیت ہے مثلاً دنیا میں آتے ہی جب بچے کو بھوک لگتی ہے تو روتا ہے جب ماں کا پستان منہ میں لے لیتا ہے تو چپ ہو جاتا ہے بلکہ اس مظہر ربوبیت (ماں) سے یہاں تک مانوس ہو جاتا ہے کہ سخت رو رہا ہو اور ماں ساتھ آکر لیٹ جائے تو چپ ہو جاتا ہے گود میں اٹھائے تو مطمئن نظر آتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کو کائنات انسانی کی سب سے بڑی محسنہ ماں کے اطوار اور تعلقات کی تمثیل سے سمجھاتے ہوئے خالق حقیقی اور بندے کا ربط اور اعتماد استوار کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:۔

”اس آیت میں عاقل بالغ انسان کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ اے انسان مظہر ربوبیت کے ایک ادنیٰ سے نمونے کے ساتھ جب تمہیں اتنا سخت انس ہے تو تمہیں منبع ربوبیت کے ساتھ بطریق اولیٰ انس ہونا چاہئے جو سارے جہان کا حقیقی رب ہے۔“

پانچویں خصوصیت

شیخ التفسیر قدس سرہٗ العزیز کی تفسیر اور ربط آیات کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ ربط آیات میں اگر ربط کی صورتیں ایک سے زیادہ سمجھ میں آسکیں تو یہ قرآنی تعلیمات کی عالمگیری اور افادیت عامہ کے لیے نظیر بن سکتی ہے۔ اس لیے آپ نے ربط آیات میں ایک سے زیادہ وجہ ربط و مناسبت کو بیان فرما کر تعلیمات قرآنیہ کی افادیت کو عام فرمایا جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۱ میں فرمودہ چند احکام کا ربط بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

”شرک نہ کرو اور تعلق باللہ درست رکھو (وبالوالدین احسانا) تعلق بالمخلوق ٹھیک رہے۔ مخلوق میں سے یہ بالادست کی مثال ہے انسان کی خوبی تمیز کرنے کا یہ موقع ہے کہ جو بے طمع محسن ہیں۔ ان پر احسان کرے۔ اور ان کے ساتھ برائی کا کبھی وہم بھی نہ آئے (ولا تقتلوا اولادکم) تعلق بالمخلوق میں یہ زیر دست کا قانون ہے بھوک کی وجہ سے اولاد کو قتل نہ کرنا پہلا ترجمہ ہے جس طرح زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ اور دوسرا ترجمہ جو ساری دنیا کے لیے ہے یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی فقط رزق کمانے کے لیے اولاد کو معمولی پیشوں میں قید کر رکھتا ہے اور اس کو حسب الفطرۃ پڑھنے تعلیم الٰہی دلانے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف قدم اٹھانے سے روکتا ہے تو یہ بھی قتل اولاد ہے یہ بات مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہے۔“

مسطورہ بالا تفسیر اور اس کے بعد تاویل میں حضرت نے ارشادات قرآنی کی روشنی میں یہ مسائل مرتب فرمائے:۔

الف۔ شرک سے روکنے کی حکمت یہ ہے کہ معبود حقیقی سے جو کہ خالق اور مالک ہے اور تمام انعامات کا عطا کرنے والا ہے اسی کے ساتھ تعلق قائم رہے توحید پر ایمان کامل یہ حقوق اللہ میں سے بڑا اور اہم حق ہے۔

(ب) حقوق اللہ کے بعد دوسرا حق جو ایک مسلمان کے متعلق ہے وہ حقوق العباد کہلائے جاتے ہیں حقوق العباد کی حکمت کو آپ نے تعلق بالمخلوق کے ساتھ تعبیر فرما کر اس حکمت کو اجاگر فرمایا۔

(ج) حقوق العباد میں سے مقدم تر حقوق خاندان اور برادری کے ہیں جن میں سے والدین کو بالادست فرما کر حدیث نبوی کی صحیح ترجمانی فرمائی۔ اور اولاد کے حقوق کو زبردست کا قانون قرار دے کر ان کے بدنی تحفظ کو والدین کا فریضہ قرار دیا۔

دوسرے ترجمے میں بطور تاویل کے عدم تربیت کا منشا لیا جس سے اولاد کا تحفظ جانی روحانی، ایمانی اجاگر ہو کر قرآن عزیز کی آیت ۶ سورہ التحریم کا مفہوم ادا ہو رہا ہے۔ جس میں ارشاد فرمایا قوا انفسکم واھلیکم نارا (ترجمہ) بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنی اہل کو (دوزخ) کی آگ سے۔

چھٹی خصوصیت

جیسا کہ قرآن عزیز کا یہ اعجاز مسلّم ہے کہ اس کے ارشادات کی تفسیر طویل سے طویل تر بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ ابن النقیب حنفی کی مرتبہ تفسیر قرآن عزیز چار سو مجلدات میں ہے اور مختصر سے مختصر کلمات میں بھی کی جا سکتی ہے جیسا کہ جلال الدین محلی اور جلال الدین شافعی کی مرتبہ تفسیر جلالین ہے۔ حضرت قدس سرہ العزیز کا طریقہ تعلیم اور تدریس یہ تھا کہ تھوڑے سے تھوڑے وقت میں بھی قرآنی معارف کے متلاشی کچھ نہ کچھ تعلیم حاصل کر لیں اس لیے حضرت نے نہایت ہی اختیاط اور کمال عزم کے ساتھ قرآن عزیز کی تمام سورتوں بلکہ رکوعات کا خلاصہ بیان فرمایا جس سے ربط اور حکمت قرآنی دونوں ظاہر ہو جاتے ہیں جیسا کہ:

وہ پ ۲۷ کی سورۃ الحدید کے متعلق ارشاد فرمایا سورۃ الحدید موضوع سورۃ طریق حصول سلطنت، اگر عزت چاہتے ہو تو عزیز کی تابعداری کرو۔"

اسی سورۃ کے پہلے رکوع کے خلاصہ میں ارشاد فرمایا۔

اگر عزت اور غلبہ چاہتے ہو تو فنا فی ارادۃ اللہ ہو جاؤ، اور انفاق فی سبیل اللہ کرنا سیکھو۔"

اسی طرح تمام چھوٹی اور بڑی سورتوں کی تفسیر اور حکمت ارشادات قرآنی کو مختصر الفاظ میں ارشاد فرمایا جو آپ کے ترجمہ اور تفسیر کی خصوصیت ہے۔

حرف آخر!

یہ موضوع اس قدر تفصیل طلب ہے کہ اس کے لیے وفاتر درکار ہیں احقر اس پر مستقل علیحدہ کام کر رہا ہے جو انشاءاللہ جلد ہی منصۂ شہود پہ آ جائے گا۔ فی الحال اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔

اصاغر نوازی اور اخفاء واردات قلبیہ کی تاکید

احقر کی علمی استعداد یقیناً کم تر اور عملی اور قلبی کیفیت بلاشبہ ترفع و تکسر نہایت بدتر ہے اِلّا ان تتغمدنی اللہ برحمتہ لیکن اس قسم کی عزت افزائی فرائی کہ میں اس کے تصور سے بھی پسینہ پسینہ ہو جاتا ہوں اور جن کی تفصیل یہاں کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ عہر مادح خورشید مداح خود است انہیں میں سے ایک بار مجلس جمعیت کے ایک اجلاس کے اختتام پر جب واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت نے اپنے خلوت خانہ متصل مسجد میں بالکل علیحدگی میں دروازہ بند کر کے (صرف ایک خادم وہاں موجود تھے) نصیحت فرمائی اور جمعیت میں کام کرنے کی اہمیت واضح فرمائی اسی دوران میں دروازہ کھٹکا حضرت نے فرمایا کھول دو دیکھا تو ایک سفید ریش روتا ہوا آیا کہ حضرت ذکر میں ایک عجیب لذت اور کیفیت ہوتی تھی مگر اب کچھ وقت سے وہ رک گئی ہے جس کے لیے بہت پریشان ہوں حضرت نے علی البدیہہ فرمایا تم نے لوگوں سے اس کا اظہار کر دیا ہوگا عرض کی جی ہاں فرمایا آئندہ ایسا نہ کرو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ حالت واپس آ جائے گی۔ اللھم فلا تحرمنا اجرہٗ ولا تفتنّا بعدہٗ ورحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ حتّے آمین۔ یا رب العالمین۔

(مرسلہ: قاضی عبدالکریم کلاچی)

کیڈٹ کالج۔ حسن ابدال   منظور الحق صدیقی

مورخہ ۸ / اکتوبر ۱۹۷۸ء

مکرم و محترم   السلام علیکم

تعمیل ارشاد میں خدام الدین کے لیے ایک تاریخی
دستاویز ارسال کر رہا ہوں۔ حضرت مولانا احمد علیؒ کی
اسے جو پچیس سال پہلے کی تحریر ہے جس کا عکس شائع
کرنے کے بعد اس کے نیچے کاتب سے محفوظ کرا دیں۔
رسید سے مطلع فرمائیں۔ والسلام

منظور الحق صدیقی

بخدمت عالی
مولانا محمد سعید الرحمن علوی
مدیر
ہفت روزہ خدام الدین
لاہور

مولانا احمد علی کی عطا فرمودہ

اولین سند

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کا نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں تھا۔ مسجد فتح پوری کا ایک دروازہ کھاری باؤلی میں کھلتا ہے۔ اس دروازے سے ایک دکان چھوڑ کر زینہ سے اوپر چڑھتے ہی پہلے مکان میں یہ درسگاہ تھی۔ یہ دو کمروں پر مشتمل تھی۔ ایک میں حضرت سندھیؒ رہتے تھے اور دوسرے میں مدرسہ تھا۔ رات کے وقت طالب علم اس مدرسے

میں سو جاتے تھے۔

جنگ عظیم شروع ہوئی۔ ایک رات مولانا موصوف اچانک غائب ہو گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا سیف الرحمٰن کے ساتھ روپوش ہو کر کہیں نکل گئے ہیں۔ آپ کے جانے کے بعد حضرت مولانا احمد علیؒ نظارت کے ناظم کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور درس دیتے رہے۔ آمدنی کا واحد ذریعہ ریاست بھوپال کی طرف سے دو سو روپیہ ماہانہ کی امداد تھی۔ مگر یہ ماہانہ نہ ملتی تھی بلکہ ہر چھٹے مہینے بارہ سو روپے مل جاتے تھے۔ ان میں سے پچاس پچاس روپے ماہانہ کے دو وظیفے طلباء کو ملتے تھے اور سو روپے ماہانہ حضرت مولانا احمد علی کو ملتے تھے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا ہاتھ بڑا کھلا تھا وہ بڑے شاہ خرچ تھے۔ ایک دفعہ مولانا ابوالکلام آزاد تشریف لائے تو ان کی کوئی بیس قسم کے کھانوں سے تواضع کی۔ مولانا احمد علیؒ نظارۃ کی نظامت پر فائز ہوئے تو اس وقت نظارۃ دو ہزار آٹھ سو روپے کی مقروض تھی۔ مولانا احمد علیؒ اپنے سو روپے ماہانہ میں سے یہ قرض اتارتے رہے اور خود روکھی سوکھی پر بسراوقات کرتے رہے۔ ایک دفعہ غیر قانونی لٹریچر کی تلاش میں پولیس نے آپ کی رہائش گاہ پر چھاپہ مارا تو دیکھا کہ صندوق کی قسم کی آپ کے گھر میں کوئی چیز نہیں۔ میاں بیوی تن کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی جوڑا نہیں تھا کہ صندوق کی ضرورت پڑتی۔ کھانے پکانے کے برتن بھی اتنے کم تھے کہ ان سے کم ممکن ہی نہ تھے۔ پولیس کو یہاں کوئی قابل اعتراض چیز نہ ملی۔

پچاس پچاس روپے ماہانہ کے دو وظیفے ملنے کی شرط یہ تھی کہ ان میں سے ایک دیوبند کے فارغ التحصیل کو انگریزی پڑھنے کے لیے دیا جائے اور دوسرا کسی گریجویٹ کو دینی علوم کی تحصیل کے لیے دیا جائے۔ پہلا وظیفہ رفیق نظارۃ قاضی ضیاءالدین کو ملا۔ یہ دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ انہوں نے ایم اے کیا۔ بعد میں سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کے عہدے تک گئے۔ گھوڑے پر سے گر پڑے اور انتقال ہو گیا یہ چکوال کے رہنے والے تھے۔ دوسرا وظیفہ پیر مصباح الدین احمد کو ملا۔ یہ ۱۹۱۴ء سینٹ سٹیفنز کالج دہلی کی بی اے کلاس میں پڑھتے تھے۔ انہیں علوم دین کے حصول کے لیے یہ وظیفہ ملا۔ یہ ضلع رہتک کے اس صدیقی خانوادے کے فرد تھے جس نے چھ سو سال سے علاقہ ہریانہ میں علم و عرفان کی شمع روشن کر رکھی تھی۔ آپ کے بزرگوں کے دستِ حق پرست پر اضلاع دہلی، گوڑگانوہ، کرنال، حصار اور رہتک کے ہندو راجپوت اور بعض اور دیگر قبائل اسلام لائے تھے۔ پیر مصباح الدین احمد کے دادا ابوالحسن مولوی سیف الرحمٰنؒ اور پڑدادا حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل مہمیؒ اس جلیل القدر خانوادے کے ان گیارہ سربراہوں سے تھے جنہیں انگریزوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لینے کی پاداش میں شہید کر دیا تھا۔

پیر مصباح الدین احمد کے ہم سبق صرف خواجہ عبدالحی تھے جو بعد میں جامع ملیہ دہلی میں شیخ القرآن بنے۔ چکوال کے دو طالب علم عبدالقیوم اور محمد علی بھی زیر تعلیم تھے اور وہیں رہتے تھے۔

پیر صاحب موصوف نے ۱۳۳۴ھ (مطابق ۱۹۱۶ء) میں نظارۃ سے تکمیل کی۔ وہیں کمرے میں ۲۵ رجون کو جلسہ تقسیم اسناد ہوا۔ جلسے کی صدارت حکیم اجمل خان نے کی۔ اس جلسے میں پیر مصباح الدین احمد نے اپنا مقالہ (تھیسس) "فلسفۂ شریعت حجۃ اللہ البالغہ کی روشنی میں" سنایا۔ جسے سب نے پسند کیا۔ جلسہ فرشی تھا۔ حکیم موصوف نے حضرت مولانا احمد علیؒ کی تحریر فرمودہ سند دی اور دستار بندی کی۔ پیر مصباح الدین احمد سے پہلے نظارۃ المعارف القرآنیہ میں صرف آٹھ طالب علم پڑھے تھے مگر ان میں سے کسی نے بھی تکمیل نہ کی اور نہ سند پائی تھی۔ نظارۃ کے ناظم کی حیثیت سے حضرت لاہوریؒ نے یہ پہلی اور آخری سند کسی فارغ التحصیل کو دی۔ (روایت پیر مصباح الدین احمد صدیقی ریٹائرڈ پی، ای، ایس پیدائش ۱۸۸۹ء حال مقیم اسلام آباد)

متن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ اما بعد فان القرآن نور وضیاء ورحمۃ وشفاء وورثتہ افضل الانبیاء فضلی بشرف العقل وشہد بفضلہ العقل کان عقل الی ہذا العصر علی تعلیمہ وتعلمہ فضلاً عن العمل بہ لان العمل یتأتی بعد العلم فوفق اللہ تعالیٰ لمولانا ذا الفضل اولانا الشیخ العلام والبحر الہمام الداعی لعبید اللہ السیالکوتی ثم السندی بنشر ہذہ المسلکۃ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم فشمر عن ساقیہ وشید بنیان نظارۃ المعارف القرآنیہ علی الورع والتکلان فی بلدۃ دہلی ونشر علوم القرآن ففاز وافاز وثمرات جہدہ وہمتہ یجری الی یوم القیمۃ لارشاد المخبر الصادق من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرہا واجر من عمل بہا جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء

ومن ثمرات النظارة اخونا فی اللہ المولوی مصباح الدین احمد المیمی بی - اے وکان طریقہ

اکابر المرضیین البالس الخرق والعمائم من امثال لذلک من المستحدین القائہ الاسناد والنباہ للعباد

وتنویہا لشان من اعتقاد فرأینہ ابانا الموصوف اہلا لہذا فاعطیناہ خرقۃ و

عمامۃ واجزناہ بالدرس والتعلیم بالشرائط المعتبرہ عند اہل ہذا الشان و نوصیہ

والنفس بتقوی اللہ تعالی والاعتصام بسنۃ سید المرسلین و بالاجتناب عن البدع

المحدثۃ فی الدین واستقامۃ العقائد و الاعمال علی طریقۃ الصحابۃ والتابعین وتذکیر

الناس بالاخلاص والنصیحۃ اللہ برسولہ و لسائر المرسلین وبذل الجہد فی اعلاء کلمۃ

الاسلام وان لا یجعل الدنیا اکبر ہمہ و لا مبلغ علمہ وان یدعو لنا فی دعواتہ الصالحۃ

بحسن العاقبۃ والمآل اللہم انفعہ بما علمتہ وعلمہ ماینفعہ وآخر دعوانا ان الحمد رب العلمین -

والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین ۱۲



احمد علی عفی عنہ ناظم نظارۃ المعارف القرانیہ
دہلی
۲۳ شعبان ۱۳۳۴ھ

منّت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منّت ازو شناس بخدمت گذاشتت

حضرت لاہوری فتنوں کے تعاقب میں

بخدمت گرامی مولانا صاحب مسلمہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ [illegible] سے ممنون ارسال کرتے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

والسلام [illegible]

۱۳۹۶ھ

رمضان المبارک

یا اللہ مدد بسم اللہ الرحمن الرحیم یا اللہ مدد

آئین تحفظ ختم نبوت زندہ باد



پاکستان پائندہ باد

تاریخ ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ

حوالہ نمبر ------

بخدمت [illegible]

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ [illegible] مفون کا مسودہ

۱۲ صفحات کا ارسال کیا گیا تھا۔ اب صفحہ ۱۳ تا صفحہ ۲۳ مسودہ مکمل کرکے

ارسال کیا جا رہا ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] آمین۔

[illegible]

صاحب مضمون چونکہ ایک جماعت کے بانی و سربراہ ہیں اس
لئے ان کے مقالہ میں کہیں کہیں جماعتی رنگ چھلکتا
ہے ہم نے دیانت داری کے پیش نظر مقالہ من وعن
شائع کردیا ہے ۔ (ادارہ)

مدیر خدام الدین مولانا سعید الرحمٰن علوی نے اپنے مکتوب میں اس خادم اہل سنت کو یہ تحریر کیا تھا کہ ادارۂ خدام الدین رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ میں حضرت امیر انجمن مولانا لاہوری قدس سرہٗ کی یاد میں ایک ضخیم دستاویزی نمبر شائع کرنے کا عزم رکھتا ہے ۔ اس مجلس میں آپ کی شمولیت سے انتہائی مسرت ہو گی ۔ مجھے پوری پوری امید ہے کہ آپ یکم رجب تک اپنا مفصل اور پُر از معلومات مقالہ ارسال فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں گے" اور بندہ نے جوابی عریضہ میں اس کارِ سعادت میں حصہ لینے کا وعدہ بھی کر لیا تھا لیکن متعدد مصروفیات اور غفلت کی وجہ سے یکم رجب کے بجائے یکم رمضان تک بھی مضمون ارسال نہ کر سکا ۔ بہت زیادہ تاخیر سے مضمون بھیج رہا ہوں اور وہ بھی اس احساس کے تحت کہ حضرت لاہوری قدس سرہٗ کی اس یادگاری دستاویز میں اس ناکارہ کو بھی ایک گونہ سعادت نصیب ہو جائے ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان اکابر شخصیتوں میں ہوتا ہے جو کبھی صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔

؎ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے — بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اس قسم کے اکابر امت سے عقیدت و اتباع کا تعلق رکھنے والے گو لاکھوں خوش نصیب ہوتے ہیں لیکن ہر عقیدت مند ان حضرات کے کمالات کا ادراک نہیں کر سکتا ۔ چنانچہ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

من بہر جمعیتے نالاں شدم
جفت خوش حالاں و بد حالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من
وز درون من نجست اسرار من
سرِّ من از نالۂ من دور نیست
لیک چشم و گوش را آں نور نیست

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی کے ان اشعار کی شرح میں فرماتے ہیں ، عاشق و طالب کے درد کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے مگر اکثر لوگ اجمالاً اتنا سمجھ سکتے ہیں کہ اس پر کوئی صدمہ اور مصیبت ہے ـــــ لیکن جو اس کے دل کو لگ رہی ہے اس کی کس کو خبر ہے ۔ اس لئے وہ نے کہتی ہے کہ میرا آہ و نالہ کسی پر مخفی نہیں رہا ۔ بھلے بُرے سب سے سابقہ رہا اور مجھ کو مصیبت زدہ بھی سمجھا اور اپنے اپنے گمان کے موافق میری ہمدردی بھی کی ۔ مگر میرے درد کی حقیقت کہ طلب قربِ الٰہی تھا کسی نے نہ سمجھی ۔ میری حقیقت درد کی آہ و نالہ ہی سے مفہوم ہو سکتی تھی ۔

مگر چونکہ وہ امرِ ذوقی ہے۔ جب تک کسی کو ذوق حاصل نہ ہو اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ محض حواسِ ظاہری اور عقل معاش اس کے ادراک کے لیے کافی نہیں اور ان کو اس کے ادراک کی قابلیّت نہیں۔ نور سے مراد یہی قابلیّت ادراک ہے الخ۔ عارفین کے بیان کردہ اصول کی روشنی میں تو میں بوجہ ناقص العلم اور ناقص العمل ہونے کے حضرت لاہوریؒ جیسی عظیم شخصیّت کے کمالات کا ادراک نہیں کر سکتا۔ البتّہ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے تحت (کہ اگر کوئی چیز ساری نہیں حاصل ہو سکتی تو وہ ساری چھوڑنی بھی نہیں چاہیئے۔) حصولِ سعادت کی امید پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کمالات پر کچھ لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ واللہ ولیّ التوفیق و علیہ اتوکل والیہ انیب۔

جامع الشریعت والطریقت

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ایک جامع شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ شرعی علوم کی بنار پر آپ کو شیخ التفسیر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور کمالاتِ طریقت کی وجہ سے اہلِ حق آپ کو قطبِ زماں تسلیم کرتے ہیں۔ اور شریعت و طریقت میں کوئی باہمی تضاد و تخالف نہیں ہے جیسا کہ عوام میں مشہور ہو گیا ہے بلکہ شریعت ہی تمام ظاہری و باطنی کمالات کی اصل ہے۔ کیونکہ شریعت ربّ العالمین کے اس کامل و جامع ضابطہ و قانون کو کہتے ہیں جو بذریعہ وحی حضور رحمۃ اللعالمین خاتم النبیّین حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو قیامت تک کی امّت کی اصلاح و ہدایت کے لیے عطا کیا گیا ہے۔ اور جس کی پیروی کا اعلیٰ و اکمل نمونہ خود رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سنّتِ مبارکہ ہے جس کی اطاعت کا خود اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔ اور اطاعتِ رسول کو اپنی ہی اطاعت قرار دیا ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہَ (جس شخص نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی) قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللہُ (آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ کی محبّت چاہتے ہو تو میری اتباع (پیروی) کرو۔ پھر اللہ تم سے محبّت کرے گا) تو جب قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے ہی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور حضور کی اتباع کو اپنی محبّت کے حصول کا واسطہ قرار دیا ہے۔ تو پھر کوئی مسلمان کیونکہ شریعت و سنّت کی اتباع کو ایک معمولی اور ادنیٰ کام سمجھ سکتا ہے۔ محبوبِ سبحانی، قطب ربانی حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کل حقیقۃ ردّتھا الشریعۃ فھی زندقۃ (یعنی جس حقیقت کو شریعت رَد کر دے وہ حقیقت نہیں بلکہ بے دینی و الحاد ہے) اور خود قطبِ زماں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت کی عظمت سمجھانے کے لیے امام ربانی حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات جلد اوّل میں سے مکتوب ۳۶ کا حسبِ ذیل ترجمہ پیش کیا ہے جو آپ نے ملّا حاجی محمد لاہوریؒ کے نام تحریر فرمایا تھا کہ: شریعت کے تین جز ہیں۔ علم۱، عمل۲، اخلاص۳۔ جب تک ان تینوں کی تکمیل نہ ہو شریعت کا حق ادا نہیں ہوتا۔ اور جب شریعت کا حق ادا ہو گا تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گی۔ جو دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے اعلیٰ ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللہِ اَکْبَرُ (اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے)۔ لہٰذا شریعتِ مطہرہ دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں کی کفیل ہے۔ طریقت اور حقیقت جن سے صوفیائے کرام ممتاز ہیں دونوں شریعتِ غرّا کی خادم ہیں۔ ان دونوں سے شریعت کے تیسرے جزٗ اخلاص کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس

لیے ان دونوں کو حاصل کرنیکا مقصدِ وحید شریعت کی تکمیل ہے۔ دوسرے احوال و مواجید اور علوم و معارف جو صوفیائے کرام کو راستے میں پیش آتے ہیں یہ مقاصد میں داخل نہیں ہیں ——— ان سب چیزوں سے گزر کر مقامِ رضا تک پہنچنا چاہیئے جو مقامات سلوک کی انتہا ہے۔ کیونکہ طریقت اور حقیقت کی منزلیں طے کرنے سے اخلاص کے سوا اور کوئی چیز مطلوب نہیں اور اخلاص رضا کو مستلزم ہے۔ تجلیاتِ سہ گانہ اور مشاہدات عارفانہ ہیں سے ہزاروں کو گزار کر کسی ایک کو دولت اخلاص اور مقامِ رضا تک پہنچاتے ہیں۔ سطحی خیال کے لوگ احوال و مواجید کو مقاصد خیال کر لیتے ہیں اور مشاہدات و تجلیات کو مطالب سمجھتے ہیں۔ ایسے آدمی اپنے وہم و خیال کی قید میں پھنس کر کمالات شریعت سے محروم رہتے ہیں۔ الخ (رسالہ پیر اور مرید کے فرائض صہ ۶) حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس رسالے میں حضرت مجدّد صاحب کے ارشادات پیش کرکے مریدین اور سالکین کو سلوک و معرفت کا مقصد سمجھا دیا ہے اور نفسانی اور انتظامی وساوس اور مکائد سے تحفظ کا طریقہ بتا دیا ہے۔ کیونکہ سالکین اور ذاکرین جب منازل سلوک طے کرنے میں محنت کرتے ہیں تو بعض دفعہ ان کو انوار نظر آتے ہیں اور اشیاء کا کشف بھی ہو جاتا ہے تو نا واقف سالک اس کو تصوّف کا کمال و مقصد سمجھنے لگتا ہے اور انہی کشوف و انوار میں منہمک ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ قربِ حق سے محروم رہتا ہے۔ کیونکہ مقصود و محبوب دراصل ذات حق ہے اور مخلوق کی طرف توجہ اور انہماک خواہ وہ انوار اور کشف احوال قبور ہی ہوں توجہ الی الغیر ہونے کی وجہ سے بندے اور حق تعالیٰ کے مابین حجابات بن جاتے ہیں۔ اور صوفیاء نے اپنی تصانیف میں بسط سے ایسے امور پر کلام کیا ہے۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: حُجب نورانیہ حُجب ظلمانیہ سے اشد ہیں۔ کیونکہ حُجُب ظلمانیہ کی طرف سالک متوجہ نہیں ہوتا، ان کو خود دفع کرنا چاہتا ہے اور حُجب نورانیہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور التفات کرنے لگتا ہے۔ جس کی وجہ سے مقصود اصلی سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ (لہٰذا) قصداً انوار و کیفیات کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیئے۔ الخ (شریعت و طریقت صہ ۳۵۲)

کشف و کرامت

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے علم و عمل کے ساتھ کشف و کرامت سے بھی مشرف فرمایا تھا۔ اور بوجہ غلبۂ حال یا کسی مصلحت کی وجہ سے حضرت اپنا کشف بھی بیان فرمایا کرتے تھے گو اس میں بھی حضرت بہت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔

حضرت اپنی باطنی حس کی تیزی کی بناء پر کھانے پینے کی چیزوں کا حلال اور حرام ہونا بھی بتایا کرتے تھے۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی فراستِ باطنی کے متعلق فرمایا کہ حضرت کے سامنے اگر کسی ہندو کی تصویر اس حالت میں رکھی جائے کہ اس نے مسلمانوں کا لباس پہنا ہوا ہے تو حضرت پہچان لیں گے کہ یہ ہندو ہے۔ اور اس کے برعکس اگر کسی مسلمان کا فوٹو ہندوانہ لباس میں پیش کیا جائے تو آپ فرما دیں گے کہ یہ مسلمان ہے۔ لیکن باوجود اس کے حضرت لاہوری کی تحریرات اور بیانات سے جابجا واضح ہوتا ہے کہ حضرت کشف کو دلیلِ ولایت نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ اوّل تو کشف و الہام ظنی امور میں سے ہیں جن میں غلطی کا

احتمال ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بطور استدراج کے یہ امور کفار سے بھی صادر ہو جاتے ہیں۔ اور جس بات میں کافر بھی شریک ہو جائے وہ حق تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اور خود حق تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی جو صفتیں قرآنِ کریم میں بیان فرمائی ہیں وہ ایمان و تقویٰ ہیں۔ چنانچہ فرمایا: اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ یعنی اللہ کے مقبول اور محبوب بندے جن کو اولیاء اللہ کہا گیا ہے

وہ ہیں جو ایمان و تقویٰ سے مزیّن ہوں۔ اگر ایمان اور تقویٰ سے کوئی شخص محروم ہے تو وہ ہوا پر تو اڑ سکتا ہے اور پانی پر بھی چل سکتا ہے لیکن اللہ کا ولی اور پیارا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ارشاد ہے کہ: اصلاحِ باطن کے لیے کسی ہادی کی ضرورت ہے۔ ہادی کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ متبع سنّت ہو۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اگر ایک شخص ہوا میں اڑتا ہوا نظر آئے، قبلۂ عالم کہلائے، لاکھوں مرید پیچھے لگا کر لائے۔ اگر اس کا مسلک خلافِ سُنّت ہے تو اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا گناہ ہے۔ اس کی بیعت کرنا حرام ہے اور اگر ہو جائے تو اس کو توڑنا فرضِ عین ہے۔ ورنہ خود بھی جہنّم میں جائے گا اور تمہیں بھی ساتھ لے جائے گا۔ اللہ کو ایک ہی راستہ محبوب ہے اور وہ ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سُنّت کا راستہ۔ جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کبھی محبوب نہیں ہو سکتا ؎

خلاف پیغمبر کسے را گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

تزکیہ و تصفیہ

تزکیہ نام ہے روحانی امراض سے پاک کرنے کا اور تصفیہ کہتے ہیں روحانی کمالات سے دل کو مزیّن کرنا اگر کوئی شخص بظاہر متبع سنّت بھی ہے اور ذکر و مراقبہ میں بھی مشغول رہتا ہے، لیکن اس کا دل امراضِ روحانیہ، کبر و حسد اور حبِ مال اور حبِ جاہ وغیرہ سے پاک نہ ہو تو وہ مقبولِ بارگاہ نہیں ہو سکتا۔ اور سب سے خطرناک بیماری حبِ مال سے بھی زیادہ حبِ جاہ کی ہے۔ یعنی اپنے ذاتی وقار اور ذاتی عزّت کا مقصود و محبوب ہونا۔ اگر کسی پیر کے دل میں حبِ جاہ کا مرض ہے تو وہ یہ ہوس رکھتا ہے کہ لوگ اس کو ولی اللہ مانیں۔ حالانکہ کمال یہ ہے کہ بندہ اپنی ذات سے نگاہ اٹھا لے اور حق تعالیٰ کی رضا میں فنا ہو جائے۔ چنانچہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: امراضِ روحانی سے بچنا بے حد مشکل ہے۔ ان سے بچنے کے لیے مدّتِ مدید تک کامل کی صحبت کی ضرورت ہے۔ تربیت یافتہ میں یہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے جو کسی اللہ والے نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔ ؎

نہ گلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

"یعنی انسان کو اپنے اندر کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ اگر تربیّت نہ ہو تو انسان کو انسان نہیں سمجھتا۔" (مجلسِ ذکر حصّہ نہم ۲۰، مارچ ۱۹۵۸ء)

اور مجلسِ ذکر ۱۳، مارچ ۱۹۵۸ء میں فرماتے ہیں کہ: اس قسم کے حضرات کو تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب و محبوب اور مقصود ہوتی ہے، نہ بیوی نہ اولاد اور نہ جائداد۔ ان کی صحبت میں مدّت

مدید تک رہنے سے یہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی نے کہا ہے۔

بلے میوہ ز میوہ رنگ گیرد

حضرت کے دو مربیؒ

شیخ التفسیر حضرت لاہوری قدس سرہٗ کو مرکز دارالعلوم میں حاضری اور اکابر علمائے دیوبند سے استفادہ کی وجہ سے علمی و عملی کمالات نصیب ہوئے۔ اور آپ نے اپنی زندگی اللہ کے دین کی خدمت اور حفاظت کے لیے وقف کر دی۔ اور گو اکابر دیوبند روحانی کمالات کا بھی سرچشمہ تھے۔ لیکن حضرت لاہوری اصلاح باطن اور تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے لیے اپنے دور کے دو مشہور روحانی بزرگوں سے وابستہ ہو گئے۔ یعنی حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹیؒ (سندھ) اور حضرت مولانا غلام محمد صاحب دینپوریؒ (بہاولپور)۔ حضرت اپنے ان دونوں روحانی مربیوں کا تذکرہ عموماً فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ مجلسِ ذکر یکم مئی ۱۹۵۸ء میں فرماتے ہیں کہ: "میرے دو مربّی ہیں۔ میں اللہ کا نام پوچھنے سندھ جاتا تھا۔ انہیں مجھ سے اتنی محبت تھی کہ جس کی حد نہیں۔ میں نے کبھی ایک روپیہ بھی نذرانہ نہیں دیا۔ ہوتا ہی نہ تھا۔ اُن کی دعاؤں کی برکت سے اب اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے۔"

حضرتؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ حضرت امروٹیؒ اور حضرت دینپوریؒ دونوں اپنے دور کے قطب تھے۔ اور میں اس کو ثابت کر سکتا ہوں۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ دونوں بزرگ صرف شیخ طریقت نہ تھے بلکہ انگریزوں کے خلاف شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا قدس سرہٗ کی انقلابی پارٹی میں شامل تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ نے اپنی کتاب نقشِ حیات جلد دوم میں ان دونوں بزرگوں کا خصوصیت سے تذکرہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت دین پوریؒ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ: مولانا ابوالسراج غلام محمد صاحب دینپوری مرحوم موضع دین پور علاقہ خانپور ریاست بہاولپور کے باشندے اور حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈیؒ کے خلیفۂ اوّل تھے۔ ان اطراف میں ان کی بہت شہرت تھی۔ بہت زیادہ لوگ ان سے بیعت ہو کر مستفیض ہوتے۔ دین پور شریف بھی اس تحریک آزادی کا مرکز ثانوی تھا۔ جس کے صدر خود مولانا ابوالسراج صاحب موصوف تھے۔ آپ کے صاحبزادے اور خدّام مشن کے ممبر تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے پیدا ہوا اور انہیں کے ذریعہ سے مشن کی تحریک میں شامل ہوئے الخ۔ اور حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا ابوالحسن تاج محمود صاحب مرحوم موصوف موضع امروٹ ضلع سکھر کے باشندہ اور حضرت سیّد العارفین حافظ محمد صدیق صاحب مرحوم بھرچونڈی والے کے دوسرے خلیفہ تھے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ ان سے بہت وابستہ تھے ــــــ موصوف خدا رسیدہ، متقی اور پرہیزگار نہایت جوشیلے بزرگ تھے۔ اطراف و جوانب سکھر میں ان کا بہت بڑا اثر اور رسوخ تھا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان ان کے متوسل اور مرید ان اطراف میں موجود ہیں ــــــ تحریک خلافت میں بھی نہایت جوش و خروش سے آخر تک شریک رہے۔ ان کا مقام سندھ کے ان اضلاع میں حضرت شیخ الہند کے مشن کا مرکز رہا۔

کشفی قلتے

تصوّف و سلوک کے اصل مقصد سے ناواقف سالک جب کتابوں میں اولیاء اللہ کے مکاشفات و کرامات کے تذکرے پڑھتے یا سنتے ہیں تو ان کو بھی شوق دامن گیر ہو جاتا ہے اور ذکر و مراقبہ میں وہ اس لیے محنت و مجاہدہ کرتے ہیں کہ ان کو کشفیات و خوارق نصیب ہو جائیں۔ حالانکہ اس میں خواہش نفس کا دخل ہوتا ہے اور وہ غیراللہ کو مطلوب بنانے کی وجہ سے اصل مقصد سے دور ہو جاتے ہیں۔ حصولِ کشف کے لیے ریاضت و مشاہدہ کرنا سالک کی روحانیت کے لیے بہت زیادہ مہلک ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے محققین مشائخ اپنے مریدین کو ان مہلکات سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ :

(۱) الف۔ شیخ المشائخ دیوبند حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ جو اپنے وقت میں چشتی طریقہ کے گویا کہ امام الاولیاء ہیں، اپنی کتاب 'ضیاء القلوب' میں فرماتے ہیں کہ : "جو شخص سنّت رسولؐ کا پابند اور ہم جنس نہ ہو اس کی صحبت میں شریک نہ ہو، اگرچہ اس شخص سے کرامتیں اور خرق عادات ظاہر ہوں اور وہ آسمان پر بھی اُڑے"۔

ب : مقام رضاء کے متعلق فرماتے ہیں : "رضاء یعنی اپنے نفس کی رضامندی چھوڑ دے اور اللہ کی رضامندی پر رضامند ہووے اور اس کے ازلی احکام کا پابند ہو جائے۔ جیسا کہ موت کے وقت ہو جاتا ہے"۔ اور یہی وہ بلند مقام رضا ہے جو حضرات صحابہ کرام رضؓ کو حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلّم کے انوارِ نبوّت کے پرتو سے نصیب ہو جاتا تھا۔

(۲) قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ : عوام یوں جانتے ہیں کہ ولایت کشف و کرامت اور خلوت نشینی کا نام ہے۔ یہ غلط ہے۔ ولایت مقبولیّت اور اتباع کا نام ہے۔ (تذکرۃ الرشید ج اوّل صفحہ ۱۹۴)

(۳) الف۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا السیّد حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : مقصود اصلی سلوک سے (اَنْ تعبد اللّٰہ کانّک تراہٗ) ہے۔ (ترجمہ : اللہ تعالیٰ کی عبادت تو اس طرح کرے گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔) یعنی سالک میں یہ ملکہ راسخہ پیدا ہو جائے۔ یہ مبداء ہے اور باعتبار نہایت کے رضا عزّ اسمہٗ کا حصول ہے۔ ؎

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنّائے
(مکتوبات شیخ الاسلام صفحہ ۱۹۵)

(ب) انوار، کیفیّات، مکاشفات، الہامات وغیرہ کے لیے فرماتے ہیں تلك خیالات تربّٰی بھا اطفال الطریقة۔ یہ وسائل ہیں مقاصد نہیں۔ (ایضاً صفحہ ۱۱۱)

(۴) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نقشبندی مجدّدیؒ فرماتے ہیں : خرق عادت از لوازم ولایت نیست۔ بعضے مردان اولیاء اللہ و مقربان بارگاہ و خرق عادات از ینہا ظاہر نشدہ ——— پس معلوم شد کہ فضیلت بعضے اولیاء بر بعضے بکثرت خوارق نیست چہ فضل عبارت از کثرت ثواب است وخوارق از حظوظ است مناط ثواب نیست۔ مگر عبادت و قرب الٰہی۔ (ارشاد الطالبین صفحہ ۱۸) یعنی ولایت کے لیے خرق عادت (کرامت کی طرح کا کوئی فعل) ضروری و لازمی نہیں ہے۔ بعض مردان خدا، اولیاء امّت اور مقربان بارگاہ ایسے بھی ہیں جن سے کوئی خرق عادت (کرامت ظاہر نہیں ہوئی ——— پس معلوم ہوا کہ بعض اولیاء کی بعض اولیاء پر فضیلت بوجہ کثرت خوارق کے نہیں ہے۔ کیونکہ ان پر ثواب کا دارومدار

نہیں ہے بلکہ یہ افعال حظوظ ولذات میں سے ہیں۔ ثواب کا مدار تو عبادت اور قربِ الٰہی ہے۔" یہاں یہ ملحوظ رہے کہ خرق عادت اس فعل کو کہتے ہیں جو عام اسباب کے خلاف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ظہور پذیر ہو۔ اور چونکہ کفار اور غیر متشرع درویشوں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ بطورِ آزمائش کے ایسے افعال ظاہر فرما دیتے ہیں جن کو علمی اصطلاح میں استدراج کہتے ہیں۔ اس لیے ان باتوں کو اللہ تعالیٰ کے مقبول اور پیارا ہونے کی دلیل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ (ب) نیز حضرت قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں: "اکثر اولیاء از ولایت خود اطلاع ندارند بدیگراں چہ رسد" (ایضاً ص۱۵) یعنی اکثر اولیاء کو اپنی ولایت کی بھی خبر نہیں ہوتی، دوسروں کے متعلق وہ کیا جانیں۔

(۵) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا ارشاد ہے: "مرد کے لیے کشف و کرامت بمنزلہ حجاب ہیں۔ استقامت کا کام محبت ہے۔" (فوائد الفوائد ص۲۶)

(۶) امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں: "و صفائی کہ کفار و اہل فسق را حاصل می شود۔ آں صفائے نفس است نہ صفائے قلب، و صفائے نفس غیر از ضلالت نمی افزاید و بجز از خسارت دلالت نمی نماید و کشف بعضے از امور غیبی کہ در وقت صفائے نفس کفار و اہلِ فسق را دست می دہد۔ استدراج است کہ مقصود ازاں خرابی و خسارت آں جماعت است۔" (مکتوبات جلد اوّل مکتوب ۲۶۶) یعنی وہ صفائی جو کفار اور فساق کو حاصل ہو جاتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے نہ کہ قلب کی۔ اور نفس کی صفائی سے تو گمراہی ہی بڑھتی ہے اور خسارہ ہی حاصل ہوتا ہے۔ اور بعض غیبی امور کا جو کفار اور فساق کو کشف حاصل ہو جاتا ہے تو یہ ان کے حق میں استدراج (ڈھیل اور مہلت) ہے کہ اس سے مقصود اس جماعت کی خرابی اور نقصان و خسارہ ہے۔

(ب) نیز حضرت مجددؒ فرماتے ہیں: "اہلِ استدراج را نیز احوال و اذواق دست می دہد۔ و کشف توحید و مکاشفہ و معاینہ در مرایا صور عالم بظہور می آید۔ حکمائے یونان و جوگیہ و براہمہ نیز دریں معنی شریک اند۔" "اہلِ استدراج کو بھی احوال اور اذواق حاصل ہو جاتے ہیں اور جہاں کی صورتوں کے آئینوں میں ان کو مکاشفہ اور معاینہ حاصل ہوتا ہے اور توحید کا کشف بھی نصیب ہو جاتا ہے۔ یونان کے حکما اور ہندوستان کے جوگی اور برہمن بھی اس معنی میں شریک ہیں۔ یعنی ان کو بھی اس قسم کے مکاشفات حاصل ہو جاتے ہیں۔"

(۷) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ: ملکوتی انوار کی بھی نفی کرے کیونکہ وہ بھی مخلوق ہیں۔ اس میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسا مال و زر میں۔ حجاب ہونے میں دونوں برابر ہوئے۔ ملکوت کے یہ نورانی حجابات ناسوت کے ظلمانی حجابات (مال و زر وغیرہ) سے زیادہ شدید ہیں۔ (کذا قال مرشدی) یعنی (حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی)۔ اگر اس کے ساتھ ان انوار کو لاہوتی انوار (ذات و صفات حق) سمجھ گیا تو عمل کے ساتھ عقیدہ بھی بگڑا۔ اس مقام پر بہت لوگ برباد ہوتے۔ (التکشف ص۱۸۱)

(ب) نیز فرماتے ہیں:۔ تصوف نہ یکسوئی کا نام ہے نہ مکاشفات کا نہ تصرفات کا نہ واردات کا۔ بلکہ اس کی حقیقت ہے اصلاح ظاہر و باطن۔ پس مقاصد اس کے اعمال قالبیہ و قلبیہ ہیں اور غایت اس کی قرب و رضائے حق ہے۔ اور مکاشفات مثل کشف قبور وغیرہ اور تصرفات مثل سلب الامراض کو اس سے مس نہیں۔ ریاضت پر اس کا ترتب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کفار بھی اس میں شریک

ہیں۔" (امداد الفتاوی جلد ۲ کتاب الحظر والاباحۃ) اس کا مطلب یہ ہے کہ کشف قبور وغیرہ بھی دلیل ولایت نہیں ہیں۔ کیونکہ ریاضت اور مجاہدہ سے یہ چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں اور کافروں کو بھی کشفِ قبور ہو جاتا ہے۔

(۸) عارف باللہ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور اس کشف قبور کو ناواقف لوگ قربِ الٰہی کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ دوری کا موجب ہے۔" (صراط المستقیم صـ۱۱۷)۔

(۹) سلطان العارفین حضرت سلطان باہو صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: سرود سے کشف القبور اور کشف القلوب حاصل ہوتا ہے۔ مگر مجلسِ محمدی اور وصال اللہ اور مقام فنافی اللہ سے دوری رہتی ہے۔ (گنج الاسرار صـ۵)

اور حضرت سلطان باہو کی بعض تصانیف میں ہے کہ سرود سے کشفِ قبور اور کشفِ قلوب حاصل ہو جاتا ہے لیکن باطن کا نور جل جاتا ہے" اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس کسی کو کشف القبور اور کشف القلوب حاصل ہوتا ہے اس کے باطن کا نور جل جاتا ہے اور اس کو مجلسِ محمدی اور وصال و مقام فنا سے دوری رہتی ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ باطل کو بھی کشف قبور حاصل ہو جاتا ہے اور کشفِ قبور کوئی ایمانی کمال نہیں ہے اور نہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ولایت و مقبولیت کی دلیل ہے۔ لہٰذا ایسی چیزوں کو مقصود بنا کر محنت نہیں کرنی چاہیئے۔ سالک مبتدی کے لیے کشفِ قبور وغیرہ کے لیے محنت و ریاضت کرنا قربِ حق سے دوری کا سبب بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں توجہ الی الخلق ہوتی ہے۔ حالانکہ مقصد سلوک و تصوّف کا توجہ الی اللہ اور اس کی رضا کا حصول ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ کفّار اور اہلِ باطل کو بھی کشف قبور ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ موت کے بعد کے حالات کافر پر کیونکر منکشف ہو سکتے ہیں تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کے جہاں کو برزخ کہتے ہیں اور قبر کے احوال بھی عالم برزخ سے تعلق رکھتے ہیں اور برزخ کا تعلق آخرت سے بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: کہ سوال منکر و نکیر مومناں را و کافراں را در قبر نیز برحق است۔ قبر برزخ است درمیان دنیا و آخرت۔ عذاب او نیز بیک بوجہ مناسبت بعذاب دنیوی دارد و انقطاع پذیر است و بوجہ دیگر مناسبت بعذاب اخروی کہ فی الحقیقت از عذابہائے آخرت است۔" (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۲۶۶)

قبر میں منکر اور نکیر کا مومنوں اور کافروں دونوں سے سوال کرنا برحق ہے۔ قبر برزخ (پردہ) ہے دنیا اور آخرت کے درمیان۔ قبر کا عذاب بھی ایک وجہ سے دنیوی عذاب سے مناسبت رکھتا ہے۔ جو کہ فی الحقیقت آخرت کے عذابوں میں سے ہے) تو جب برزخ کا تعلق اس دنیا سے بھی ہے تو اس کے احوال کا مشاہدہ ایک وجہ سے دنیا کے احوال کا مشاہدہ ہے اس لیے کافروں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور احادیث سے تو ثابت ہے کہ قبر کا عذاب جانور بھی دیکھ لیتے ہیں۔ لہٰذا اگر کافر اور اہلِ باطل قبر کے عذاب کا ریاضت و مجاہدہ کی وجہ سے مشاہدہ کر لیں تو یہ کوئی محال امر نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہٗ کے واقعات کشفیہ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ صرف یہ امور دلیل ولایت ہیں۔ اور اہلِ حق کے ساتھ مختص ہیں۔ یا حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کشف قبور وغیرہ کی وجہ سے اولیاء کاملین میں شمار ہوتے ہیں۔ نہیں نہیں، بلکہ حضرت لاہوریؒ کے کمالات ولایت اور اوصاف مقبولیت دوسرے ہیں جو سنّت و شریعت کی بنار پر آپ کو حاصل ہوئے۔

اگر حضرت لاہوریؒ کی مبارک زندگی میں کشف کا بالکل وجود بھی نہ ملتا تو آپ پھر بھی اولیاءاللہ میں شمار ہوتے۔

خود حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اللہ کے پاک نام کی برکت سے یہ درجہ بھی آتا ہے جس میں حلال و حرام کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ مقصود بالذات نہیں۔"
(مجلس ذکر جلد دہم صہ ۹۱)۔

(ب) خدا تعالیٰ کا فرمان سچا ہے، حضور کا فرمان بھی سچا ہے۔ اللہ والے فرماتے ہیں: اطلبوا الاستقامۃ ولا تطلبوا الکرامۃ لِانّ الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔ یعنی (کرامت نہ طلب کرو بلکہ استقامت طلب کرو، کیونکہ استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔) اللہ تعالیٰ اس مجلس میں شامل ہونے کی برکت سے استقامت عطا فرمائے۔ (مجلس ذکر حصہ نہم صہ ۱۲۸ - ۲۴، اپریل ۱۹۵۸ء)۔

(ج) "استقامت کا درجہ کرامت سے اس لیے بالاتر ہے کہ استقامت صاحب استقامت کو دے دی جاتی ہے۔ کرامت ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی۔" (مجلس ذکر جلد، صہ ۱۵۰)۔

آخر میں حضرت مولانا تھانویؒ کے حسب ذیل ارشاد پر اس موضوع کو ختم کیا جاتا ہے:

"بزرگوں کو جو کشف ہوتا ہے یہ ان کے اختیار میں نہیں (بلکہ) ان کے اختیار سے باہر ہے (یہاں تک کہ) نبیوں کے اختیار میں بھی نہیں۔ دیکھو حضرت یعقوب علیہ السّلام کو مدّت تک حضرت یوسف علیہ السّلام کی خبر نہ ہوئی۔ ——— جبکہ کشف اختیاری چیز نہیں تو یہ بھی ضروری نہیں کہ بزرگوں کو ہر وقت کشف ہوا ہی کرے۔ (بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کشف ہونا کوئی بڑا کمال نہیں۔ اگر کافر بھی مجاہدہ اور ریاضت کرے تو اس کو بھی کشف ہونے لگتا ہے۔ نیز مجنونوں کو بھی کشف ہوتا ہے۔ میں نے خود ایک مجنونہ عورت کو دیکھا کہ اس کو اس قدر کشف ہوتا تھا کہ بزرگوں کو بھی نہیں ہوتا۔ لیکن جب اس کا مسہل ہوا تو مادہ کے ساتھ کشف بھی نکل گیا۔"
(اشرف الطریقۃ فی الشریعۃ والحقیقۃ صہ ۳۹۹)

علمی و اصلاحی خدمات

شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو علم و عمل کی جامعیّت اکابر علمائے دیوبند کے فیضان سے نصیب ہوئی تھی۔ اتباعِ سنت میں آپ راسخ القدم تھے۔ اور توحید کے انوار و آثار آپ کی مبارک زندگی میں نمایاں ہیں۔ آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ممتاز شان رکھتے تھے۔ اور راہ حق میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ شرک و بدعت کی تردید اور توحید و سنّت کی ترویج کے لیے آپ کی زندگی وقف تھی۔ اور بفضلہ تعالیٰ آخری دم تک آپ اسی راہ مستقیم پر ثابت قدم رہے ہیں۔

درسِ قرآن

قرآنِ مجید کلامِ الٰہی ہے۔ جو ساری امّتِ محمدیہ کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ حضرت کو تعلیمِ قرآن کا خاص شغف نصیب تھا۔ گو انگریزی حکومت نے آپ کو بطورِ سزا دہلی سے لاہور لاکر نظربند کر دیا تھا۔ لیکن آپ کی یہی نظربندی رحمتِ خداوندی کی صورت اختیار کر گئی۔ اور تقریباً چالیس سال آپ نے یہاں درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔ جس سے ہر طبقہ کے مسلمانوں نے استفادہ کیا۔ ہزاروں کی اعتقادی اور عملی اصلاح ہو گئی۔ علاوہ ازیں فارغ التحصیل طلبہ کے لیے بھی آپ نے درسِ قرآن کا مخصوص سلسلہ جاری فرمایا تھا۔ جس میں علم و حکمت کا بیان ہوتا تھا۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن اور اس کے حواشی بھی آپ کی قرآنی بصیرت کی یادگار ہیں۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز محدّث حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ نے حضرت لاہوریؒ کے ترجمہ و حواشی کے متعلق اپنی تقریظ میں تحریر فرمایا ہے کہ: "اب چونکہ زمانہ کا اور دور ہے اور تقریر و تحریر کا نیا طریقہ۔ مقاصد قرآن کریم کی خدمت مناسب ضرورت وقت شروع ہوئی ہے۔ جناب مستطاب مولانا احمد علی صاحب لاہوری دام ظلہٗ کی خدمت ظہور میں آئی جو عاجز نے متفرق دیکھی۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ماضی و مستقبل میں اس کی نظیر ناممکن ہے۔ مگر یہ کہنا بیجا نہیں کہ حق تعالےٰ نے ایک بہت بڑی خدمت جناب ممدوح سے لی اور اب انشاء اللہ العزیز عوام خواص دونوں طبقے اس تفسیر سے اپنی تشفی کر سکیں گے۔ اور ترجمہ پڑھانے والے حضرات بہت سی مشکلات سے رہا ہو جائیں گے۔ الخ" ۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۵۱ھ

مجموعہ رسائل کی اشاعت

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدّد عنوانات پر حسب ضرورت چھوٹے چھوٹے رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ جو انجمن خدام الدّین لاہور کی طرف سے ایک ہی جلد میں اکٹھے شائع ہوتے رہے ہیں۔ اور بلا مبالغہ یہ مجموعہ رسائل لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں۔ اس مجموعہ میں حسبِ ذیل ۳۴ رسائل شامل ہیں:

(۱) تذکرۃ الرسوم الاسلامیہ۔ (۲) حرمۃ المزامیر۔ (۳) اسلام میں نکاحِ بیوگان۔ (۴) احکام شب برأت۔ (۵) ضرورۃ القرآن۔ (۶) اصلی حنفیّت (۷) خلق محمدی (۸) مسنون وظیفے۔ (۹) خلاصۂ اسلام۔ (۱۰) احکامِ وراثت بروئے شریعت (۱۱) توحید مقبول۔ (۱۲) فوٹو کا شرعی فیصلہ۔ (۱۳) پیغام رسول۔ (۱۴) تحفہ میلادالنبی۔ (۱۵) تحفہ معراج النبیؐ (۱۶) فلسفہ عیدِ قربان۔ (۱۷) اسلام ہند خطرہ میں۔ (۱۸) شرح اسماء اللہ الحسنیٰ۔ (۱۹) فلسفۂ نماز۔ (۲۰) فلسفۂ روزہ۔ (۲۱) اسلام کا فوجی نظام۔ (۲۲) بہشتی اور دوزخی کی پہچان۔ (۲۳) خدا کی نیک بندیاں۔ (۲۴) مسلمان عورت کے فرائض۔ (۲۵) پیر و مرید کے فرائض۔ (۲۶) گلدستہ صد احادیث۔ (۲۷) فلسفۂ زکوٰۃ۔ (۲۸) اسلام اور ہتھیار۔ (۲۹) علمائے اسلام اور علامہ مشرقی۔ (۳۰) مقصد قرآن۔ (۳۱) خدا کی مرضی۔ (۳۲) نجات دارین کا پروگرام۔ (۳۳) استحکامِ پاکستان۔ (۳۴) مسلمانوں کی مرزائیت سے نفرت کے اسباب۔

علاوہ ازیں حسبِ ذیل پانچ سورتوں کی تفسیر علیحدہ علیحدہ رسائل میں شائع کی گئی ہے:-

سورۃ العلق ، سورۃ العصر ، سورۃ قریش اور سورۃ الکوثر اور معوذتین (یعنی سورۃ الفلق

مندرجہ رسائل کے عنوانات پر ایک نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت لاہوریؒ کی نگاہ امّتِ مسلمہ کی اصلاح کے ہر پہلو پر تھی - اور غالباً کوئی انفرادی اور اجتماعی ایسا مسئلہ باقی نہیں رہا جس پر حضرتؒ نے قلم نہ اٹھایا ہو - اس سے جہاں حضرت شیخ التفسیرؒ کی وسیع علمی نظر کا ثبوت ملتا ہے وہاں یہ حقیقت بھی نمایاں ہوتی ہے کہ حضرت نے اہلِ اسلام کی اعتقادی و عملی ، انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے لیے کس قدر دلسوزی اور تندہی سے کام کیا ؟ بلاشبہ اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حضرت کی دینی زندگی ایک مسلسل مجاہدہ تھی - اور حضرت خلوص و استقامت کا ایک عظیم پیکر تھے - آپ ان عظیم شخصیّتوں میں سے ایک تھے جو کبھی کبھی پیدا ہوتی ہیں -

ہفت روزہ خدّام الدّین

حضرت شیخ لاہوریؒ نے عامۃ المسلمین کی اعتقادی اور عملی اصلاح و تربیّت کے لیے ہفت روزہ خدّامُ الدّین جاری فرمایا تھا - اس میں خطبۂ جمعہ خصوصی توجہ اور محنت سے خود تحریر فرماتے تھے - اور رسالہ کا ہر ہر مضمون خود مطالعہ کر کے شائع فرمایا کرتے تھے - اِلّا ماشاءاللہ - حضرت کی برکت سے یہ ہفت روزہ اتنا مقبول ہوا کہ نہ صرف پاکستان بلکہ بیرون پاکستان دوسرے ملکوں میں بھی یہ اشاعت پذیر ہوا - اور حضرت کے زمانۂ اشاعت میں ہفت روز خدام الدین سب سے کثیر الاشاعت تھا - اور حضرۃ کے خلوص اور للہیّت کی حد یہ ہے کہ وفات سے چند دن پہلے مجھے حضرت کی خدمت میں حاضری کی توفیق ملی - اس وقت آپ کارخانہ میں تشریف فرما تھے - حضرت نے خود ہی یہ بیان فرمایا تھا کہ رسالہ خدّامُ الدّین انگلینڈ میں بھی جاتا ہے اور وہاں کے بعض احباب نے وہاں خدام الدین شائع کرنے کی اجازت طلب کی ہے - لیکن میں نے ان کو اس کی اجازت نہیں دی - کیونکہ آجکل خلوص کم ہے - اور میں چاہتا ہوں کہ خلوص سے اس رسالہ کی اشاعت کی جائے ـــــ یہ ہے حضرت لاہوری کے کاموں میں اخلاص کا ایک نمونہ - حالانکہ کتب و رسائل شائع کرنے والوں کی نظر اس پر ہوتی ہے کہ ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو جائے - لیکن حضرت عارفِ لاہوریؒ کے پیشِ نظر نہ محض اشاعت بلکہ مخلصانہ اشاعت تھی - جس کے بغیر کوئی چیز عنداللہ مقبول نہیں ہو سکتی -

مذہب اہلِ سنّت والجماعت

اسلام کے نام پر اُمّتِ مسلمہ کے اندر جتنے فرقے آپس میں اصولی اور بنیادی اختلاف رکھتے ہیں ان میں صرف ایک ہی فرقہ (گروہ) جنّتی ہو سکتا ہے - جس کا امتیازی نام اہل السنت والجماعت ہے - اور اہلِ السنّت والجماعت کا فرقہ ناجیہ ہونا خود رسول رب العٰلمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس معجزانہ ارشاد سے ثابت ہے جو حضرت لاہوری قدس سرہٗ نے بھی اپنے خطبۂ جمعہ مؤرخہ ۱۵ فروری ۱۹۵۷ء میں نقل فرمایا ہے - یعنی "میری امّت تہتّر ۷۳ فرقوں میں بٹے گی - سوائے ایک فرقہ کے باقی سب دوزخ میں جائیں گے - لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کونسا فرقہ ہو گا - آپ نے فرمایا جس

طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ یہ حدیث لکھنے کے بعد بعنوان اپنے "علماء اور خطباء سے مطالبہ" تحریر فرماتے ہیں :-

برادرانِ اسلام! آپ نے ارشادِ نبوی سُن لیا کہ آپ کی اُمّت میں سے یعنی مسلمان کہلانیوالے اور کلمہ پڑھنے والے فرقوں میں سے ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ اور فقط حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ پر چلنے والا فرقہ بہشت میں جائیگا۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ علماءِ کرام اور اپنی مسجد کے خطیبوں سے پوچھا کریں کہ حضرت جو دین آپ ہمیں سکھا رہے ہیں اور اپنے مخالفین کو کافر فرما رہے ہیں کیا یہ وہی دین ہے جو آج سے ۱۳۷۶ سال پہلے حرمین شریفین سے چلا تھا۔ الخ

تحفہ معراج النبی صہ۳ پر بعنوان "اہل السنت والجماعت" لکھتے ہیں کہ :-

اہلِ سنت والجماعت حقیقت میں مسلمانوں کے اس مقدس گروہ کا نام ہے۔ جس کے اندر اسلام حقیقی (جس کا ذکر فرقہ ناجیہ کی راہ عمل میں ہو چکا ہے) کی جھلک ہو اور مذکورہ الصدر کی ایجادات سے پاک ہو۔"

فرمایا : برادرانِ اسلام! اہلسنّت والجماعت کا لقب اختیار کرنے والوں کا مطلب یہ ہے کہ ہم شفیع المذنبین خاتم النبیّین علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی سُنّت (یعنی طریقہ) کے پابند ہیں اور ہم اسی جماعت کے خلف (یعنی قائم مقام) ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے زمانے میں بنائی تھی۔ جنہیں صحابہ کرام رض کہا جاتا ہے۔" (خطباتِ جمعہ حصہ نہم ص۱۲۵)۔

امامِ ربانی کا ارشاد

امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ۷۳ فرقوں والی پیشگوئی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اس میں کوئی شک نہیں کہ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اصحاب کی پیروی کو لازم پکڑنے والے اہلِ سنّت والجماعت ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ پس اہلِ سنّت ہی نجات پانے والا فرقہ ہے۔ کیونکہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لوگ طعن کرتے ہیں وہ ان کی پیروی سے محروم ہیں۔ اور اصحاب پر طعن کرنا دراصل پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم پر طعن کرنا ہے۔ جس نے اصحاب کی عزت نہ کی وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان نہیں لایا۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اوّل ص۱۰۱)

(۲) چونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بلا استثناء ما انا علیہ کے ساتھ اصحابی کے ارشاد سے تمام صحابہ کرام رض کو نہ صرف جنتی بلکہ ان کے طریقہ کی پیروی کو جنتی ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔ اس لیے جو فرقے یعنی رافضی اور خارجی وغیرہ سارے صحابہ کرام کو برحق اور جنتی قرار نہیں دیتے۔ وہ اہل السنّت والجماعت سے خارج ہیں۔ اور ان ۷۲ ناری فرقوں میں شامل ہیں۔ جن کی خبر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دی ہے۔ اسی لیے امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اہل السنّت والجماعت ہونے کی شرط یہ قرار دیتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام کو ماننے کے ساتھ حضرات شیخین حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض کو تمام اصحاب سے افضل مانا جائے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دامادوں حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض سے محبت رکھی جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :

تفضیل الشیخین و محبت الختنین از خصائص اہلِ السنّت و الجماعت است ـــــــ بضرورت محبّت از جملہ شرائط اہلِ سنّت و جماعت اعتقاد نمودہ اند تا جاہلے ازیں راہ سوئے ظن باصحاب خیر البشر پیدا نکند ـــــ پس محبت حضرت امیر شرط تسنّن آمد و آنکہ ایں محبّت ندارد از اہلِ سنّت خارج گشت و خارجی نام یافت۔ (مکتوبات مجدّد الف ثانی جلد ۲ صفحہ ۵/۵۱)

یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کو تمام صحابہ سے افضل ماننا اور حضور کے داماد حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ سے محبّت رکھنا اہلِ سنّت والجماعت کی خصوصیات میں سے ہے ـــــ حسبِ ضرورت اہلِ سنّت والجماعت ہونے کی شرطوں میں سے داماد رسول حضرت عثمان اور حضرت علی کی محبّت بھی مقرر ہے تاکہ کوئی جاہل رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ میں سے کسی کے ساتھ بدظنی نہ پیدا کر سکے۔ پس حضرت امیر (علی المرتضیٰ) کی محبّت سنی ہونے کی شرط قرار پائی ہے اور جو آپ سے محبّت نہیں رکھتا وہ اہلِ سنّت سے خارج ہو گیا اور اس کا نام خارجی ہو گیا۔

حضرت نانوتوی

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند ارشاد فرماتے ہیں:-

"مذہب اہلِ سنّت بشہادۃ کلام اللہ اور عترتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم صحیح اور مذہب شیعہ بشہادت کلام اللہ اور عترتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سراسر غلط ہے"۔ (ہدیۃ الشیعہ صفحہ ۵)

(ب) نیز فرماتے ہیں :-

"آیات کثیرہ حقیقت مذہب اہلِ سنت اور بطلان مذہب شیعہ پر دلالت کرتی ہیں"۔ (ایضاً صفحہ ۱۳)

(ج) بلکہ اکثر آیات کلام اللہ عقائد و احکام و اصول و فروع مذہب شیعہ کو رَد کرتی ہیں۔ اور مذہب اہلِ سنّت کی حقیقت اور حقانیّت پر شاہد ہیں"۔ (ایضاً صفحہ ۱۱)

بطورِ نمونہ بندہ نے بعض اکابر اسلام کے ارشادات اہلِ سنّت کی حقیقت اور حقانیّت کے ثبوت میں پیش کر دیئے ہیں۔ ورنہ علماءِ حق نے ہمیشہ اہل السنّت و الجماعت کے عنوان پر ہی اسلام کی تبلیغ و اشاعت فرمائی ہے۔ کیونکہ اسلام حقیقی دین ہے۔ جو حضور خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت جامعہ اور حضور کی جماعت مقدّسہ (صحابہ کرام) سے مابعد کی اُمّت کو حاصل ہوا ہے۔ اس لیے صحابہ اور سنّت کو ماننے والے ہی صحیح اہلِ اسلام ہو سکتے ہیں۔ اور اہل السنّت والجماعت کی یہ اصطلاح نہ صرف یہ کہ ما انا علیہ واصحابی اور دیگر آیات و احادیث سے ماخوذ ہے بلکہ انہی الفاظ کے ساتھ حبر امّت عبداللہ بن عباسؓ سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران کی آیت یوم تبیض وجوہٌ وّ تسوَدُّ وجوہٌ کے تحت تفسیر ابنِ کثیر میں ہے۔ یعنی یوم القیمۃ حین تبیضّ وجوہ اھل السنۃ والجماعۃ و تسود وجوہ اھل البدعۃ والفرقۃ قال ابنِ عباس۔ یعنی قیامت کے دن جبکہ اہل السنّت والجماعت کے چہرے روشن ہونگے اور اہل بدعت و فرقہ کے چہرے سیاہ ہونگے۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس کا ہے۔

تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: عن سعید بن جبیر عن ابنِ عباس انّہٗ قرأ ھذہ الآیۃ۔ قال تبیض وجوہ اھل السنۃ و تسوَدّ وجوہٗ اھل البدعۃ حضرت سعید بن جبیر حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے یہ آیت پڑھی اور

فرمایا کہ اہل سنّت کے چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور اہلِ بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

تفسیر درمنثور میں بھی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ حضرت عبداللہ بن عباس کا قول نقل کیا ہے۔ جس میں اہلِ السنّت والجماعت کے الفاظ ہیں۔

بلکہ تفسیر درمنثور کی ایک دوسری روایت میں تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان مبارک سے اھل السنّت کے الفاظ ثابت ہیں۔ عن ابن عمر عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فی قولہ تعالیٰ یوم تبیضّ وجوہٌ وَ تَسْوَدُّ وجوہٌ قال تبیضّ وجوہ اھل السنّت و تسودُّ وجوہ اھل البدع۔ (حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے آیت یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ کے تحت فرمایا کہ اہل سنّت کے چہرے قیامت کے دن روشن ہونگے اور اہلِ بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔)

تاریخ کامل بن اثیر جلد چہارم مطبوعہ بیروت صد ۶۲ میں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا میں اپنے مخالفین سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ: انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لی ولِاخی انتما سیّدا شبابِ اھلِ الجنّہ و قُرَّۃُ عین اَھل السنّۃ (تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ سے اور میرے بھائی حضرت امام حسن سے فرمایا کہ تم دونوں اہلِ جنّت کے جوانوں کے سردار ہو اور اہلِ سنّت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔"

شیعہ مذہب کی مستند کتاب احتجاج طبرسی میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ اہلِ سنّت اور اہلِ بدعت کون ہیں تو آپ نے فرمایا: واما اھل السنۃ فالمتمسّکون بما سنّہُ اللہ ورسولہٗ و اِنْ قَلُّوا ولما اھل البدعۃ فالمخالفون لِاَمْرِ اللہِ ولِکتابہٖ ولرسولہٖ العاملون برأیھم واھواءھم و اِن کثروا۔ اور اہلِ سنّت وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مقرر فرمودہ طریقے کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں۔ اور اہلِ بدعت وہ ہیں جو اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول کے حکم کے مخالف اور اپنی رائے اور اپنی خواہشات پر عمل کرنے والے ہوں اگرچہ وہ زیادہ ہوں۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ اہلِ حق کے لیے اہلسنّت اور اہلِ السنّت والجماعت کی اصطلاح دورِ رسالت اور دورِ صحابہ کرام میں معروف تھی۔ ورنہ شیعہ مذہب کی کتاب میں اہلِ حق کے لیے حضرت علی المرتضیٰ کی زبان سے اہلِ سنّت کی اصطلاح منقول نہ ہوتی۔

عظمتِ صحابہؓ

چونکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ارشاد ما انا علیہ و اصحابی میں اپنی سُنّت کی پیروی کے ساتھ اپنے اصحاب کے طریقہ کی پیروی کو بھی اہلِ جنّت کی نشانی قرار دیا ہے۔ اس لیے علمائے حق اور اکابر اہلِ سنّت ہمیشہ اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شرعی عظمت کی تبلیغ و تعلیم اور اس کی حفاظت و نصرت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اور اسی بناء پر وہ منکرین و مخالفین صحابہ کی تردید کرتے چلے آتے ہیں۔ اور یادگار سلف حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ نے بھی دوسرے اعتقادیات کی طرح عظمت صحابہ کے شرعی مقام کی تبلیغ و حفاظت۔ فرمائی ہے۔ چنانچہ بطورِ نمونہ حضرت کے ارشادات حسب ذیل ہیں:

(۱) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اخلاص و استقامت کی دولت، سیدالمرسلین، خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے وہبی طور پر حاصل تھی۔ جس طرح یہ نفوسِ قدسیہ اہلِ زبان ہونے کی حیثیت سے قواعد صرف و نحو سے بے نیاز تھے، اسی ان حضرات کو اکتساب فضائل کے لیے اپنے اخلاق کی طرح باطنی اشغال و مجاہدات کی بھی حاجت نہ تھی۔ کیونکہ جو حالت آج صوفی پر ذکر و شغل سے طاری ہوتی ہے۔ اصحاب اخیار پر وہی کیفیت بلکہ اس سے بھی کہیں اعلیٰ و ارفع روحانیت کے پیکرِ اعظم سید العرب والعجم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شرفِ صحبت سے از خود حاصل ہوتی تھی ——— سیدالمرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام تعلیم و تزکیہ دونوں کے امام و معلم تھے۔ حضور انور کی صحبت میں صحابہ کرام کے سینے نورِ علم سے منور ہوتے تھے۔ ان پر تزکیہ نفس کا ایسا رنگ چڑھتا تھا کہ ان کا سینہ حسد، کینہ، بغض، جاہ طلبی، زر پرستی، خود پسندی کی کدورتوں سے بالکل پاک ہو جاتا تھا۔ الخ
(رسالہ پیرو مرشد کے فرائض صے ۱۰)

(۲) فرمایا، برادرانِ اسلام! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت (صحابہ کرام) کو بارگاہِ الٰہی سے کامیابی کے دو تمغے ملے ہیں جو ایک لاکھ تیئس ہزار نو سو ننانوے پیغمبروں میں سے کسی کی امّت کو نصیب نہیں ہوئے" ——— حاصل یہ نکلا کہ تمام صحابہ کرام کے اصلی اور سچے اور کھرے مسلمان ہونے کی قرآن مجید میں شہادت پائی جاتی ہے" (خطبات جمعہ حصّہ نہم صے ۱۷۱)

اسی خطبہ میں بعنوان "دربارِ نبوت سے تمام صحابہ کرام کے لیے پہلا تمغہ" یہ حدیث لکھی ہے:

حضرت جابر سے روایت ہے وہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا اس شخص کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا"

دوسرا (تمغہ) انس رضؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امّت میں میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے۔ نمک کے سوا کھانے کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ حسنؒ نے فرمایا، ہمارا نمک تو چلا گیا پھر ہماری کیسے اصلاح ہو"۔

تیسرا (تمغہ): ابن عمر سے روایت ہے، فرمایا۔ رسول اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالی دیتے ہیں۔ تب کہو تم (میں سے) برے پر لعنت ہو" (رواہ الترمذی)

چوتھا (تمغہ): قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی مثل ہیں۔ پھر تم نے جس کی بھی تابعداری کی تم نے ہدا۔ پالی"

حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے درجے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دربار میں، یہ بھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصیات میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سوا یہ نعمت بھی کسی پیغمبر کو نصیب نہیں ہوئی۔ (ایضاً خطبہ جمعہ صے ۱۷۱ تا صے ۱۷۴)

(۳) بعنوان "دربار رسالت سے تمام صحابہ کرام کے احترام کا حکم"۔ تحریر فرمایا کہ:

عبداللہ بن مغفل رضؓ سے روایت ہے۔ کہا، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو نشانہ نہ بناؤ (یعنی ان پر نکتہ چینی نہ کرو) پس جو شخص ان سے محبّت کرے گا تو میری محبّت کے باعث ان سے محبت کرے گا۔ اور جو شخص ان سے بغض رکھے گا

تو وہ بھی میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھے گا۔ اور جس شخص نے انہیں تکلیف پہنچائی تو اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس شخص نے اللہ کو تکلیف پہنچائی پس قریب ہے کہ اللہ اس کو پکڑے گا۔" (رواہ الترمذی)

حاصل یہ نکلا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہر صحابی کا احترام لازمی چیز ہے۔ اور کسی پر بھی نکتہ چینی کرنے سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ناراض ہو جائیں گے۔ اور جس پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ناراض ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا۔ الخ" (حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب صہ ۴۲۰۴۱)

صحابہ کرام کا معیارِ حق ہونا

(۴) فرمایا، انسان بنانے کا نصاب اور دستور العمل قرآن ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث اور اس کے بعد پھر صحابہ کرام بھی معیار ہیں۔

فرمایا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میری امت تہتّر فرقوں میں منقسم ہوگی جن میں سے صرف ایک فرقہ جنّتی ہوگا۔ اور باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ! جنتی فرقہ کونسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: وہ فرقہ جس میں میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔" (مجلسِ ذکر حصّہ نہم صہ ۱۳۶ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۵۸ء)۔

(۵) فرمایا، فرمانِ باری تعالیٰ ہے: "اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ اس پر سیدھی راہ کھل چکی ہو اور سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا ہے۔ اور اسے دوزخ میں ڈالیں گے۔ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کی اُمّت میں صحابہ کرام کے لیے مبارکبادی کے پیغام آسمان سے نازل فرمائے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی صحابہ کرام کو معیاری درجہ دیا ہے۔ جو لوگ صحابہ کرامؓ کو معیار نہیں مانتے وہ گمراہ ہیں۔ خدا تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ (مجلس ذکر حصّہ نہم صہ ۱۵۹)

ایک شبہ کا ازالہ

بعض فرقے اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کو معیارِ حق نہیں مانتے۔ ان میں سے جو العیاذ باللہ سوائے چند صحابہ کے ایمان ہی کے منکر ہیں اور ان کو منافق اور کافر قرار دیتے ہیں وہ تو صحابہ کرام کو معیارِ حق مان ہی نہیں سکتے، کیونکہ وہ ان کو اہلِ حق ہی نہیں تسلیم کرتے۔ لیکن بعض دوسرے لوگ جو بظاہر صحابہ کرام کو مانتے ہیں وہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب صحابہ کرامؓ میں بھی شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ باہمی جنگ و قتال تک بھی نوبت پہنچی ہے تو پھر وہ معیارِ حق کیونکر تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔ اور جب کہ صحابہ میں سے کوئی بھی معصوم نہیں ہے۔ تو اس قسم کے اعتراضات کے جواب میں امام ربانی حضرت مجدّد الف ثانی ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"متابعت جمیع اصحاب در اصول دین لازم است و ہرگز در اصول اختلافے ندارند۔ اگر اختلاف است در فروع است و ایضاً مبلّغان شریعت جمیع اصحاب اِنَّہ، کما مرّ لانّ الصحابۃ کلھم عدول ـــــ اختلافے کہ درمیان اصحاب پیغمبر علیہ و علیہم الصلوٰت والتسلیمات واقع شدہ نہ از ہوائے نفسانی بود۔ چہ نفوسِ شریفہ ایشاں تزکیہ یافتہ بودند واز امّارگی باطمینان رسیدہ۔ ہوائے ایشاں تابع شریعت شدہ بود و آں

اختلاف مبنی بر اجتہاد بود و اعلائے حق ۔ پس مخطی ایشاں نیز درجہ واحدہ دارد ۔ عنداللہ مصیبت راخود دو درجہ است ۔ پس زبان را از جفائے ایشاں باز ایں داشت و ہمہ را بہ نیکی یاد باید کرد ۔ قال الشافعی رحمہ اللہ سبحانہ، تِلکَ دِماءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ عنها ایدینا فَلنُطَهِّر عنها اَلسِنَتَنا ۔

(مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اوّل نمبر ۳۱ ۔)

تمام اصحاب کی پیروی اصولِ دین میں ضروری ہے ۔ اور ہرگز ان کا اختلاف اصولِ دین میں نہیں ہے ۔ اگر اختلاف ہے تو فروع میں ہے اور تمام اصحاب شریعت کے مبلّغ ہیں ۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ۔ کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں ——— اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے درمیان جو اختلاف ہوا ہے وہ نفسانی خواہش کی بناء پر نہ تھا ۔ کیونکہ ان کے شریف نفس پاک ہو چکے تھے اور امارگی سے پاک ہو کر مطمئنّہ بن چکے تھے ۔ ان کی خواہشات شریعت کے تابع ہو چکی تھیں ۔ بلکہ ان کا باہمی اختلاف اجتہاد پر مبنی اور کلمۂ حق کے بلند کرنے کے لیے تھا ۔ پس ان میں سے جس سے اجتہادی خطا صادر ہوئی ہے اس کو بھی اللہ کے ہاں ایک درجہ ملے گا ۔ اور جس کا اجتہاد صحیح تھا اس کو خود دو درجے ملیں گے ۔ پس ان پر جفا اور ظلم کا الزام لگانے سے اپنی زبان کو باز رکھنا چاہیئے ۔ اور سب اصحاب کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہیئے ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے پاک رکھا ہے پس ہمیں چاہیئے کہ اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں۔"

امام ربانیؒ کا یہ مکتوبِ گرامی صحابہ کرامؓ کے بارے میں عقیدہ اہلسنّت والجماعت کے سمجھنے کے لیے پوری رہنمائی کرتا ہے ۔ جس سے مخالفین کے اعتراضات کا قلع قمع ہو جاتا ہے ۔ اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ کتاب و سنّت کی شہادت سے جب تمام اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنّتی ہیں اور ان کو جہنّم کی آگ چھو بھی نہیں سکتی ۔ تو یہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ ہر ہر صحابی کی وفات کامل الایمان ہونے کی حالت میں واقع ہوتی ہے ۔ اگر کسی صحابی سے کبھی کسی گناہ کا ارتکاب ہوا ہے تو موت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے وہ معاف کر دیا ہے ۔ اور ان کو خالص توبہ کی توفیق نصیب ہوئی ہے ۔ اس لیے صحابہ کرامؓ کی توبہ بھی دوسروں کی توبہ کے لیے ایک معیاری حیثیّت رکھتی ہے ۔ اب صحابہ کرام میں سے کسی صحابی پر کسی کو جرح اور تنقید کرنے کا حق نہیں ہے ۔

صحابہ کرام حق کا تھرمامیٹر ہیں

حضرات صحابہؓ کی یہ مخصوص شان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد ما انا علیہ و اصحابی ہی سے واضح ہوتی ہے اور حضرت لاہوری قدس سرہٗ نے اس حقیقت کے اظہار کے لیے حدیث ما انا علیہ و اصحابی کے تحت ارشاد فرمایا کہ :

ما انا علیہ و اصحابی حق کا تھرما میٹر ہے ۔ اس پر ہر جماعت کو پرکھ لیا جاتے ۔ جس جماعت میں یہ رنگ ہو، اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اس کے ساتھ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں ۔ آمین یا الٰہ العالمین ۔

(مجلس ذکر حصّہ پنجم صہ ۱۰۵، ۲۰ دسمبر ۱۹۵۶ء)

(ب) حضراتِ صحابہ کرام کا معیارِ حق ہونا حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے حسب ذیل آیت سے ثابت

فرمایا ہے۔ وَمَنْ یشاقق الرسول من بعد ما تَبَيَّنَ له الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَ سَاءَتْ مَصِیْراً ہ (پ ۵۔ سورۃ النساء رکوع ۱۷)

ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ اس پر سیدھی راہ کھل چکی ہو اور سب مسلمانوں کے خلاف چلے تو ہم اسے اس طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا ہو اور اسے دوزخ میں ڈالیں گے۔ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔"

کمال دیکھئے، اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حضورؐ کے ساتھ مساوی درجہ میں لاکر کھڑا کر دیا۔ اس آیت میں المؤمنین کے مصداق صحابہ کرام ہی ہیں۔ حضور تو پیغمبر ہیں۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام عین حضور کے نقش قدم پر جا رہے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی ہمارے لیے نمونہ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کی تنقیص کرنے والوں کو ہدایت عطا فرمائیں۔ آمین یا الٰہ العالمین۔
صحابہ کرامؓ نے کلمہ تو حضور ہی سے پڑھا تھا۔ آپ کی برکت ہی سے ان کو ایمان اور اسلام نصیب ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور کے ساتھ معیاری بنا دیا۔ ان کی مخالفت کرنے والوں کے لیے فرماتے ہیں کہ ہم ان کو چھوڑ دیں گے۔ کیونکہ دین میں زبردستی نہیں ہے۔ لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ۔ دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے۔" (سورہ البقرہ رکوع ۳۴ پارہ ۳) لیکن ان کی مخالفت کر کے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس کو جنت میں بھیجا جاتے گا۔ نہیں اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ الخ
(مجلس ذکر حصہ دہم صنہ ۱۳۰۔ ۳۱ اگست سنہ ۱۹۶۴ء)

چونکہ صحابہ کرامؓ کا ما بعد کی اُمّت کے لیے معیارِ حق ہونا ایک دینی اور شرعی مسئلہ تھا جو کتاب و سنّت کی نصوص سے ثابت ہے۔ اور بانی جماعتِ اسلامی سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اور ان کی جماعت سوائے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اور کسی کو معیارِ حق نہیں مانتے۔ جیسا کہ مودودی صاحب کی جماعتِ اسلامی کے دستور میں عقیدۂ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے تحت تصریح ہے کہ:

"رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بتائے ہوتے اسی معیارِ کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے۔" (دستور جماعتِ اسلامی پاکستان عقیدہ دفعہ نمبر ۳ دفعہ نمبر ۶) اور یہ عبارت چونکہ عقیدہ کے تحت درج ہے اس لیے مودودی جماعت اسلامی کے ہر رکن کے لیے یہ عقیدہ لازمی ہے۔ چنانچہ اسی دستور میں شرائطِ رکنیت دفعہ ۵ کے تحت نمبر ۱۱ میں لکھا ہے کہ: جماعت کے عقیدے کو اس کی تشریح کے ساتھ سمجھ لینے کے بعد شہادت دے کہ یہی اس کا عقیدہ ہے۔" اور مودودی دستور کا یہ عقیدہ چونکہ اسلامی عقائد کے خلاف ہے۔ اس لیے شیخ الاسلام حضرت مولانا السیّد حسین احمد مدنی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے خلاف ایک مستقل رسالہ بنام "مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت" تصنیف فرمایا۔ جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معیارِ حق ہونا شرعی دلائل سے ثابت کر کے مودودی جماعت پر اتمامِ حجّت کر دی ہے، اور تصریح فرما دی ہے کہ:

"خلاصہ یہ کہ مودودی صاحب کا یہ دستور نمبر ۶ اور اسی کا عقیدہ نہایت غلط اور مخالف قرآن و حدیث اور مخالف عقائد اہل السنّت والجماعت اسلاف کرام ہے۔ جس سے دینِ اسلام کو

انتہائی ضرر اور نقصان عارض ہوتا ہے۔ لوگوں کو اس سے احتراز ضروری ہے۔" (صـ ۶۴)

(ب) حضرت مدنی رح اس کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"مودودی صاحب کا کتاب و سنّت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے۔ وہ نہ کتاب کو کتاب مانتے ہیں۔ اور نہ وہ سنّت کو سنّت مانتے ہیں۔ بلکہ وہ خلاف سلف صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں۔ اور اس پر لوگوں کو چلا کر دوزخ میں دھکیلنا چاہتے ہیں"

شیخ العرب والعجمؒ اور شیخ التفسیر رح

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری کو شیخ العرب والعجم سے جو عقیدت و محبّت تھی وہ غیر معمولی نوعیّت کی تھی۔ جس کا اندازہ حضرت کی حسبِ ذیل تحریروں سے لگایا جا سکتا ہے:۔

(۱) علمی طور پر علماء اور عملی طور پر صوفیاء حامل دین ہیں۔ بعض حضرات جامع بھی ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت مولانا السیّد حسین احمد مدنی رح۔ وہ ظاہر کے فاضلِ اجل اور باطن کے کاملِ اکمل ہیں۔ ان سے پہلے حضرت مولانا انور شاہ رح جامع تھے۔ ان سے پہلے حضرت شیخ الہندؒ جامع تھے۔ ان سے پہلے بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسمؒ جامع تھے۔ اے پنجابیو! تم اندھے ہو۔ تم کیا جانو کہ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رح کیا ہیں۔ الخ۔ (مجلسِ ذکر حصّہ پنجم صـ ۱۲۲، ۲۷، دسمبر ۱۹۵۶ء)

(ب) فرمایا:۔ حضرت صدیقِ اکبر پہلے دن حضور کو پہچان گئے۔ لیکن ابولہب اور ابوجہل آخر وقت تک حضورؐ کا مرتبہ نہ جان سکے۔ میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کو اولیاء اللہ میں سے سمجھتا ہوں۔ میں کہا کرتا ہوں لاہوری اندھے ہیں جو حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح کو نہیں جانتے۔ وہ یقیناً اولیاء کرام میں سے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند کے جلسوں میں شرکت کے لیے جب میں جاتا تھا ہمیشہ ان کے سامنے دو زانو بیٹھتا تھا۔ ماشاء اللہ وہ مجاہد بھی ہیں۔ بعض اوقات تین تین چار چار گھنٹے جلسہ گاہ میں بیٹھے رہتے ہیں اسی ہیئت پر ان کے سامنے بیٹھتا۔ بعض اوقات میری رانوں میں درد ہو جاتا اور کبھی کبھی کافی شدّت اختیار کر جاتا۔ لیکن میں نفس کو کہتا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو تجھے حضرت کے سامنے اسی طرح بٹھانا ہے۔ الخ۔ (مجلسِ ذکر حصّہ ہفتم صـ ۳۳-۳۴ مورخہ ۲۷، جون ۱۹۵۷ء)

(ج) حضرت لاہوری رح نے حضرت مدنی رح کی عظمت بیان کرتے ہوئے عموماً اپنے درس و تقریر میں اس طرح کے الفاظ فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ۱۴ مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری نصیب فرمائی ہے اور وہاں حج کے موقعہ پر اولیاء اللہ موجود ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے اتنے عرصہ میں حضرت مدنی رح جیسا بزرگ نہیں دیکھا۔ (او کما قال رحمۃ اللہ تعالیٰ)

حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کے بنیادی اصولوں اور سنت اور صحابہ کے خلاف جو فتنہ بھی امت میں اسلام کے نام پر اٹھا علمائے حق نے اس کو نظر انداز نہیں کیا۔ اور اس پر سخت نکیر کر کے اہلِ اسلام کو اس فتنہ سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے اور اپنے دور میں شیخ التفسیر عارف باللہ

حضرت اعلیٰ مولانا لاہوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس قسم کے علمائے حق میں سے ایک ہیں۔ جنھوں نے ہر بنیادی فتنہ کا مقابلہ کیا ہے۔ چنانچہ بانی جماعت اسلامی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی تصانیف میں ایسی عبارتیں لکھی ہیں جن میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و توہین پائی جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت لاہوریؒ نے اس فتنہ کو بھانپ لیا اور بلا خوف لومۃ لائم مودودی فتنہ کی تردید میں تقریر و تحریر کے ذریعہ جدوجہد فرمائی۔ چنانچہ رد مودودیت میں حضرت نے ایک کتاب بنام "حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب" تصنیف فرمائی، جس میں پوری وضاحت سے یہ تحریر فرمایا کہ

۱۔ میں نے مودودی صاحب کی کتابوں میں دیکھا کہ وہ قرآن مجید اور سنت رسول کے بعض بنیادی اصول کی توہین کرتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان توہینوں کی اشاعت نوائے پاکستان میں کر دی۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ مودودی صاحب اور ان کے معتقدین کو متنبہ ہو کر توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور باقی مسلمان اس "فتنہ مودودیت" میں مبتلا ہونے سے بچ جائیں۔ دراصل یہ چیزیں اخبار سے پہلے رسالہ میں مرتب شدہ تھیں ـــــ (صد۲)

۲۔ "مودودی صاحب محمدی اسلام کا ایک ایک ستون گرا رہے ہیں"۔ کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا کہ ـــــ برادران اسلام! مودودی کی تحریک کو بنظر غور دیکھا جائے تو ان کی کتابوں سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مودودی صاحب ایک نیا اسلام مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اور نعوذ باللہ من ذالک، نیا اسلام لوگ بہت ہی قبول کریں گے جب پرانے اسلام کی در و دیوار منہدم کر کے دکھا دیے جائیں اور مسلمانوں کو اس امر کا یقین دلا دیا جائے کہ ساڑھے تیرہ سو سال کا اسلام جو تم لئے پھرتے ہو وہ ناقابل قبول، ناقابل روایت اور ناقابل عمل ہو گیا ہے۔ اس لیے اس نئے اسلام کو مانو اور اس پر عمل کرو"۔ (صد۴)

۳۔ مودودی نظریات کو نئے اسلام سے تعبیر کرتے ہوئے حضرت شیخ التفسیر نے اس کتاب میں متعدد دلائل دیے ہیں اور مودودی تصانیف سے صحیح حوالجات پیش کیے ہیں۔ جن میں نہ صرف صحابہ کرام بلکہ حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تنقیص پائی جاتی ہے۔ العیاذ باللہ چنانچہ حضرت نے خود مودودی صاحب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ـــــ مودودی صاحب آپ نے اللہ تعالیٰ کے ہزار ہا مقبول بندوں کی توہین اور بے ادبی کی ہے۔ کیا آپ نے ساڑھے تیرہ سو سال کے تمام محدثین، تمام مفسرین، تمام مجددین حتیٰ کہ صحابہ کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کی توہین نہیں کی ہے اتنے بڑے بڑے مقبولین بارگاہ کی توہین کرنا آپ کیا سمجھتے ہیں۔ یہ کوئی جرم نہیں ہے

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین آپ نے نہیں کی۔ مودودی صاحب ان حرکات سے توبہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ آپ کی توبہ قبول فرمائے۔ اور صراط مستقیم نصیب فرمائے۔ (صد۳۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے سلسلہ میں حضرت لاہوریؒ نے مودودی صاحب کی ایک حسب ذیل عبارت پیش کی ہے، جس سے دجال کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیش گوئی کا غلط ہونا لازم آتا ہے

حضور کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے عہد میں ہی ظاہر ہو جائے

یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو۔ لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضورؐ کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا الخ ماخوذ از ترجمان القرآن ربیع الاول ۱۳۶۵ھ فروری ۱۹۴۶ء ایضاً رسائل و مسائل حصہ اول)

توہین انبیائے کرام

علاوہ ازیں مودودی صاحب کے تنقیدی ذہن و قلم سے بعض اور انبیائے معصومین علیہم السلام کی توہین بھی ثابت ہے اور غالباً اس قسم کی تحریریں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد کی ہیں یا بعض آپ کی حیات ہی میں لکھی گئی ہیں جن کی حضرتؒ کو اطلاع نہیں ہوئی۔ مثلاً:

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ: عصمت دراصل انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالےٰ نے ان کو منصب نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے ورنہ اگر اللہ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لئے بھی ان سے منفک ہو جائے تو جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے اسی طرح انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دی ہیں تا کہ لوگ انبیاؑ کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں، خدا نہیں ہیں''۔ (تفہیمات جلد ثانی طبع دوم صہ ۴۳)

(۲) نیز حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق اپنی تفسیر میں آیت یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض کے تحت لکھتے ہیں کہ: یہ وہ تنبیہ ہے جو اس موقع پر اللہ تعالےٰ نے توبہ قبول کرنے اور بلندی درجات کی بشارت دینے کے ساتھ حضرت داؤد کو فرمائی، اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو فعل ان سے صادر ہوا تھا۔ اس کے اندر خواہش نفس کا کچھ دخل تھا۔ اس کو حاکمانہ اقتدار کے نا مناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا۔ اور وہ ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہیں دیتا تھا''۔ (تفسیر تفہیم القرآن جلد ۴ سورۃ ص صہ ۳۲۷)

(۳) حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ: جب اللہ تعالےٰ انھیں تنبیہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لیے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہارے صلب سے پیدا ہوا ہے۔ محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے''۔ (تفہیم القرآن ج ۲ سورۃ صہ ۳۴۴ طبع یکم مئی ۱۹۷۵) یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جاہلیت سے مراد خلاف اسلام جذبہ ہے۔ چنانچہ مودودی جماعت اسلامی کے دستور میں لکھا ہے کہ؛ دین کا کم از کم اتنا علم حاصل کر لینا کہ اسلام اور جاہلیت (غیر اسلام) کا فرق معلوم ہو اور حدود اللہ سے واقفیت ہو جائے'' (صہ ۱۸)

(۴) حضرت یونس سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر چھوڑ دیا تھا الخ (تفہیم القرآن جلد دوم، سورۃ یونس حاشیہ صہ ۲۱۳/۳۱۳ طبع اوّل)

(۵) حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے: نبی ہونے سے پہلے تو کسی نبی کو وہ عصمت حاصل نہیں ہوتی جو نبی ہونے کے بعد ہوا کرتی ہے۔ نبی ہونے سے پہلے

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا الخ (رسائل و مسائل جلد اوّل ص۳۱ طبع دوم ۱۹۵۴ء و ترجمان القرآن مئی جون جولائی تا اکتوبر ۱۹۴۴ء)

(نوٹ) صحابہ کرام اور انبیائے عظام علیہم السلام کے بارے میں مودودی تحریرات کی تفصیل اور مودودی جماعت کی طرف سے ان کے جوابات اور پھر جواب الجواب کے لیے میری کتابیں مودودی مذہب، اور علمی محاسبہ بجواب "علمی جائزہ" از مفتی محمد یوسف مودودی قابل مطالعہ ہیں یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

خلافت راشدہ اور حضرت لاہوریؒ

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ما انا علیہ و اصحابی سے تمام صحابہ کرام کا مقتدائے امت ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے امتیازی طور پر اہل حق کا نام اہل السنت والجماعت قرار پایا ہے۔ جس میں والجماعۃ سے مراد صحابہ کرام کی جماعت مقدسہ ہے۔ جن کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی فیضان نصیب ہوا ہے۔ لیکن ان تمام اصحاب کرام میں چار وہ حضرات ہیں جن کو حسب وعدہ خداوندی حضور سرور کائنات کی خلافت (جانشینی) کا عظیم شرف نصیب ہوا ہے۔ یعنی امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق رضؓ۔ حضرت عمر فاروق رضؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ ان خلفائے اربعہ کو خصوصیت سے خلفائے راشدین اور چار یار کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ اپنی مشہور عام کتاب تعلیم الاسلام حصہ سوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ان چاروں کو خلفائے اربعہ اور خلفائے راشدین اور چار یار کہتے ہیں" (۲) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے بھی چار یار کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: اور امیر معاویہ رضؓ اور بعضے اور صحابہ گو مخالف حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ رہے لیکن ان کا بگڑنا ایسا تھا جیسا بھائیوں کا بگڑنا کیونکہ وہ اور چار یار اس نعمت خلافت میں بمنزلہ امیر اور غریب بھائیوں کے ہیں الخ (ہدیۃ الشیعہ ص۲۷ طبع جدید ناشران نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور و مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ)

(ب) ایک شیعہ مجتہد کے سوالات کے جواب میں حضرت نانوتوی اہل السنت والجماعت کا عقیدہ خلافت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: خلفائے راشدین تو ان کے نزدیک پانچ ہیں چار یار اور ایک امام حسن علیہم رضوان اللہ تعالیٰ الخ (الاجوبۃ الکاملۃ ص۳۹) اسی رسالہ میں خلفائے اربعہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ: اہل سنت حضرت امیر معاویہ (یعنی حضرت علی المرتضیٰ) کی خلافت کے وقت ان کے خلیفہ برحق ہونے کے دل سے قائل ہیں جیسے خلفائے ثلثہ کی خلافت کی حقیقت کے ان کے ایام خلافت میں قائل ہیں الخ (ص۱۲)

(نوٹ) چونکہ حضرت امام حسن رضؓ صرف ۶ ماہ خلیفہ رہے ہیں پھر بعد میں صلح کر کے حضرت امیر معاویہ رضؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ اس لئے عموماً محققین اہل سنت اصطلاحی معنیٰ میں خلفائے راشدین صرف چار یار کو مانتے ہیں اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خلافت حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کا تتمہ قرار دیتے ہیں۔

(۳) دیوبندی اکابر کے مرشد اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ قدس سرہٗ کے حسب ذیل اشعار بعنوان "در مدح چار یار کرام" اہل سنت کے لیے بصیرت افزا ہیں:-

پڑھ تو امدآد اس پہ صلوٰۃ و سلام　　آل اور اصحاب پر اس کے تمام
چار یار اس کے ہیں چاروں خاص حق　　ساری امّت پر وہ رکھتے ہیں سبق
ہیں ابوبکرؓ و عمرؓ — عثمانؓ — علیؓ　　دوست پیغمبر کے اور حق کے ولی
چاروں پیغمبر کے ہیں برحق وزیر　　ملکِ اسلام ان سے ہے رونق پذیر
زیبِ ایوانِ شریعت ہیں یہ چار　　رونقِ باغِ طریقت ہیں یہ چار
ہیں یہ ملکِ معرفت کے شہر یار　　ہیں حقیقت کے چمن کی یہ بہار
قلعہ دین کی ہیں یہ دیوار چہار　　ملّتِ حق کی ہیں یہ انہار چار
ہیں طریق حق کے چاروں طریق　　ہیں یہ ایوانِ خلافت کے ستون
ہیں یہ ملکِ دین کی سرحد چہار　　جو ہو باہر ان سے ہے مردود و خوار
بحرِ وحدت میں ہیں چاروں غوطہ زن　　ہے حقیقت ایک ظاہر چار تن
جو کہ دو سمجھے انہیں احول ہے وہ　　دو جہاں میں بے شبہ بیکل ہے وہ
جو کوئی اُن سے ہوا بد اعتقاد　　ہے وہ دو عالم میں بے شک نامراد
جو ہیں اہل بیت اور آلِ رسولؐ　　گلشنِ دین کے ہیں سب خوشرنگ پھول
ہے ہر اک ان سب کا بے شک و یقین　　مغزِ ملّت، جانِ ایماں، روحِ دین
جس قدر ہو اُن سے الفت میں کمی　　اس قدر ہے دین ملّت میں کمی
ایک کا بھی ان سے جو بد خواہ ہو　　راہ حق سے بے شبہ گمراہ ہو
جتنے ہیں اصحاب پیغمبر تمام　　ہے ہر اک نجم ہدایت والسلام
اک صحابی سے بھی گر ہو سوئے ظن　　ہے وہ بیشک لائق گردن زدن

بھیج تو ان سب پہ صلوات و سلام
ہر گھڑی، ہر لحظہ ہر دم صبح و شام

(منقول از کلیات امدادیہ صد۱۳۱ ناشر داراشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱ع)

۴- سکندر نامہ فارسی میں حضرت نظامی گنجوی رح فرماتے ہیں:-

بہ از گوہر جاں نثارش کنم
ثنا خوانی چہار یارش کنم

۵- براتے منظوم فارسی مصنفہ ۱۱۲۳ھ میں ہے:-

شکر دیگر کہ آمدم بحساب　　از محبانِ آل و ہم اصحاب
بخصوص آں چہار عنصر دیں　　خلفائے رسول فی بیقین

۶- "نامِ حق" مصنفہ ۶۹۳ھ میں حضرت شرف الدین بخاری فرماتے ہیں:-

شکرم حق را کہ پیشوا داریم　　پیشوائے چو مصطفیٰ داریم
امت او و دوست دارِ وے ایم　　دوست دار چہار یار وے ایم

(نوٹ) "نامِ حق" کی یہ نظم سات سو پانچ سال پہلے کی ہے۔

۷- مغلیہ دور سلطنت میں عموماً ملکی سکوں پر کلمہ طیبہ اور اس کے ارد گرد چاریار کے نام کندہ ہوتے تھے۔ چنانچہ ہمارے پاس اس قسم کے سکوں میں سے ایک سکہ شاہ جہاں بادشاہ غازی کا ہے اور دوسرا سکہ جلال الدین اکبر بادشاہ کا ہے جس

پر ۱۱۹۵ھ لکھا ہے اور ایک کتاب " عہد مغلیہ مع دستاویزات " مؤلفہ صفدر حیات صفدر میں " باب شیر شاہ سوری کا انتظام سلطنت " کے عنوان کے تحت صہ ۲۵۳ پر لکھا ہے کہ سکوں پر دو قسم کی زبان میں الفاظ کندہ ہوتے ہیں ۔ ایک طرف فارسی اور دیو ناگری رسم الخط میں بادشاہ کا نام سن اور ٹکسال کا نام ہوتا تھا ۔ دوسری طرف درمیان میں کلمہ ہوتا تھا ۔ سنی العقیدہ ہونے کے باعث کلمہ کے چاروں طرف خلفائے راشدین کے نام کندہ ہوتے تھے ۔" مندرجہ اشعار اور شاہی سکے صدیوں پہلے کی یادگار ہیں ۔

"جنات کا" ایک عجیب و غریب تازہ واقعہ

شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ قدس سرہ' کے مریدین میں سے ہمارے محترم حکیم امانت اللہ صاحب قادری ساکن ۔۔ ضلع راولپنڈی کی ایک لڑکی ہمارے مدرسہ تعلیم النساء چکوال میں قرآن مجید حفظ کر رہی ہے ۔ اس نے پہلے دینیات کا کورس اس مدرسہ میں پاس کیا ہے ۔ وہ ماہ رجب میں چھٹی پر گئی ہوئی تھی ۔ تعلیمی سال کے اختتام پر ہم تعلیم النساء میں سالانہ زنانہ اجتماع کیا کرتے ہیں جن میں طالبات قرآن مجید حفظ سناتی ہیں ۔ اذان فجر تک یہ اجتماع رہتا ہے ۔ اس سال یہ زنانہ اجتماع شب ۲۰ / شعبان ۱۳۹۸ھ میں ہوا ہے ۔ اس اجتماع میں شرکت کے لیے حکیم صاحب موصوف کی لڑکی بھی دوسری مستورات کے ہمراہ آئی تو اس نے اپنا یہ واقعہ سنایا کہ وہ اس اجتماع سے دو دن پہلے دن کو اپنے گھر میں تھی تو ایک جنی (عورت) کمرے میں اس کے سامنے ظاہر ہوئی اور اس نے کہا کہ تو یہ کلمہ پڑھ : لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل ۔ میں نے کہا کہ میں یہ کلمہ نہیں پڑھتی ۔ میں تو ایسا کلمہ پڑھوں گی : لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ اس کے بعد اس جنیہ نے کچھ ایسا اثر ڈالا کہ میں بے ہوش ہو گئی ۔ اس حالت میں مجھے کچھ اتنا یاد ہے کہ میں نے غیر اختیاری طور پر شیعہ کلمہ کے بعض الفاظ پڑھے ہیں اس کے بعد مجھے ایک دوسری آواز آئی (لیکن کوئی چیز مجھے نظر نہیں آئی) کہ تو یہ کلمہ نہ پڑھ بلکہ تو اپنا یہ کلمہ پڑھ : لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ، اور جب میں ہوش میں آ کر اٹھی تو میرے ہاتھ میں یہ سکہ تھا ۔ حالانکہ یہ سکہ ہمارے گھر میں پہلے بالکل نہ تھا ۔ اس سکہ کی ایک طرف درمیان میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے اور اس کے چاروں طرف خلفاء کے نام ہیں ۔ ابوبکر ۔ عمر عثمان ۔ علی ۔ سکہ کی دوسری طرف مسجد نبوی کا نقشہ ہے جس کے نیچے لفظ مدینہ لکھا ہے اور اس کے سامنے دوسرا لفظ ہے جو پڑھا نہیں جا سکتا ۔ سکہ کا فوٹو یہ ہے :



(ب) اس لڑکی نے بتایا کہ ۱۹ شعبان صبح کو جب ہم گھر سے چلی ہیں تو اڈہ پر پیدل جاتے ہوئے راستہ میں پھر وہ جنی عورت سامنے آئی اور اس نے پھر شیعہ کلمہ پڑھنے کو کہا ۔ تو میں نے جواب دیا کہ میں یہ نہیں پڑھتی ۔ اس کے بعد بس میں جب ہم بیٹھی ہیں تو راستے میں پھر وہ عورت نظر آتی ہے ۔ اور پھر اس نے کہا کہ تو یہ کلمہ پڑھ یعنی شیعہ کلمہ ۔ لیکن میں نے

جواب دیا کہ میں یہ کلمہ نہیں پڑھتی ۔
(نوٹ) اس لڑکی پر پہلے بھی آسیب کے اثرات پائے جاتے ہیں ————
اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے ۔ جب سے شیعوں نے اپنا جداگانہ کلمہ بھٹو دورِ حکومت میں سرکاری نصاب دینیات میں لکھوایا ہے ۔ جو ملّتِ اسلامیہ کے کلمہ اسلام لا الہ الّا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ کے خلاف ہے اور سوائے توحید رسالت کے اقرار کے نبی کریم رحمت للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اسلام میں داخل کرتے وقت کلمہ میں اور کسی شخصیت کا اقرار نہیں کرایا اور حضرات خلفائے راشدین حتیٰ کہ خلیفہ چہارم علی المرتضیٰ رض نے بھی کلمہ اسلام میں توحید رسالت کے علاوہ اور کسی شخصیت کا اقرار نہ خود کیا ہے اور نہ کسی اور سے کرایا ہے اس لیے حضور سرور کائنات صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے تبلائے ہوئے کلمۂ اسلام میں کمی یا اضافہ کرنا کفر ہے ۔
بہر حال جس طرح کلمہ اسلام کے بارے میں پاکستان میں سواد اعظم اہل السنت والجماعت اور شیعہ فرقہ کے مابین بنیادی اور اصولی اختلاف و نزاع پایا جاتا ہے اسی طرح یہ مسئلہ جنّات میں بھی پھیل گیا ہے ۔ اس شیعہ جنّیہ نے اس لڑکی کو بد عقیدہ بنانے کی کوشش کی تو اللّٰہ تعالیٰ کی نصرت سے کسی سُنّی جن نے اس کا دفاع کیا اور لڑکی کے ہاتھ میں وہ پرانا سکّہ دے دیا جس پر نہ صرف کلمہ طیبہ لا الہ الّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ لکھا ہوا ہے بلکہ اس کے چاروں طرف خلفائے راشدین (حضرات چار یار) کے نام لکھے ہوئے ہیں ۔ جس میں سواد اعظم کے عقیدہ خلافت راشدہ کا تحفظ پایا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صدیوں پہلے کے سلاطین اسلام اپنے شاہی سکّہ میں کلمہ اسلام کے چاروں طرف ان چار خلفائے راشدین کے نام کندہ کر کے عقیدہ خلافت راشدہ کے تحفظ کا فریضہ ادا کرتے تھے ۔ اور اس طریق سے وہ بھی حقیقت کا اظہار کرتے تھے کہ صحابہ رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم میں سے خصوصیت سے یہ چار خلفائے راشدین کلمہ اسلام کے مبلّغ اور محافظ تھے اور یہی خلفائے عظام رسول پاک صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور مابعد کی امّت کے مابین ایک مضبوط ترین واسطہ ہدایت ہیں اور ان کی خلافت راشدہ کو تسلیم کئے بغیر کلمۂ اسلام قبول نہیں ہو سکتا ۔ اور اہل حق کا یہ عقیدہ محض اپنے حسن ظن پر مبنی نہیں ہے بلکہ خود رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے اپنے ان چار حضرات کی بذریعہ وحی عظمت بیان فرمائی ہے چنانچہ محدث کبیر حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللّٰہ علیہ نے اپنی کتاب شفاء اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت جابر رض سے مدارج النبوۃ جلد اول صد ۵۲۲ میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے

انّ اللّٰہ اختار اصحابی علی جمیع العٰلمین غیر النبیین والمرسلین و اختار لی منھم اربعۃً ابا بکر و عمر و عثمان و علیاً فجعلھم خیر اصحابی و اصحابی کلھم خیر ————
حضرت جابر رضی اللّٰہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللّٰہ تعالےٰ نے سوائے انبیاء اور رسولوں کے میرے لئے میرے اصحاب کو تمام جہانوں سے چُن لیا ہے اور ان اصحاب میں سے پھر ان چار کو میرے لیے پسند کر لیا ہے ۔ یعنی ابوبکر رض ۔ عمر رض ۔ عثمان رض اور علی رض اور ان (چار) کو میرے تمام اصحاب میں سے بہتر بنایا ہے ۔ اور میرے اصحاب سب بہتر ہیں ۔ اور پھر ان چار میں سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت

عمر فاروق کو افضلیت عطا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ابوبکر و عمر سید اکھول اھل الجنۃ من الاولین والآخرین الا النبیین والمرسلین (مشکوٰۃ شریف میں ہے ابوبکر اور عمر سوائے انبیاء اور مرسلین کے تمام اولین و آخرین میں ادھیڑ عمر کے جنتیوں کے سردار ہوں گے) اور طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقتدوا من بعدی ابی بکر و عمر (میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی پیروی کرنی ہو گی اور پھر ان دو سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مرتبہ نہ صرف حضرت عمر فاروق سے بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد تمام آدمؑ کی اولاد میں سے بڑا ہے۔ آپ افضل البشر بعد الانبیا ہیں۔ شاعر ملت ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

آں امنّ الناس بر مولائے ما   آں کلیم اول سینائے ما
ہمت او کشت ملت را چو ابر   ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو محبوب خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ اول کا منصب عطا فرمایا اور بعد از وفات روضہ مقدسہ میں حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں قیامت تک مجھے آرام کرنے کا شرف عطا فرمایا اور آپ کے بعد خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم کو حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ میں استراحت فرما ہونے کی فضیلت نصیب فرمائی۔ اور یہ وہی روضہ مقدسہ ہے جس میں نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم روح کے ... سے جسم اطہر کی حیات کے ساتھ جلوہ فرما ہیں اور زائرین کے درود و سلام اور عرضداشتیں سنتے ہیں۔ البتہ دور سے امتیوں کا درود و سلام بذریعہ ملائکہ کرام روضہ مقدسہ ( ) میں پیش کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی بعد الموت اپنی اپنی قبور مطہرہ میں روح کے تعلق سے جسمانی حیات اور سماع کے عقیدہ پر اہل حق کا اجماع ہے چنانچہ اکابر علمائے دیوبند کے عقائد کی دستاویز المہند علی المفنّد مؤلفہ مرجع العلماء والصلحاء حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ میں مسئلہ حیات النبی کی تصریح کر دی گئی ہے چند سال پہلے جب بعض علمائے دیو بند نے عقیدہ حیات النبیؐ کا انکار ظاہر کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی حیات کو ہی حیات النبی سے تعبیر کیا اور جسد مع الروح کی حیات اور سماع کا انکار کیا تو شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ نے حیات النبیؐ کے اس سُنی عقیدہ کی پر زور تائید فرمائی۔ ان ایام میں حضرتؒ منکرین کے متعلق عموماً فرمایا کرتے تھے کہ ان کو نہ بصیرت ہے اور نہ عقیدہ۔ اگر بصیرت ہوتی تو حیات النبی کا انکار نہ کرتے اور اکابر کی عقیدت ہوتی تو ان کی تحقیق مان لیتے۔ مسئلہ حیات النبی کی تفصیل اور اس کے دلائل کے لئے حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب شیخ الحدیث نصرت العلوم گوجرانوالہ کی کتاب "تسکین الصدور" کا بھی مطالعہ ضروری ہے جو مولانا موصوف نے ۱۹۶۷ء مطابق ۱۳۸۷ھ میں جمعیت علمائے اسلام کے ارکان شوریٰ کے متفقہ فیصلہ کی بنا پر تصنیف کی تھی۔

بہر حال ان چار یارؓ کی خلافت راشدہ کی اہمیت کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اپنی بے نظیر جامع کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" میں حسب ذیل عبارت میں واضح فرمایا ہے کہ: اما بعد می گوید فقیر ولی اللہ عفی عنہٗ کہ دریں زمانہ بدعت تشیع آشکارش و نفوس عوام بشبہات ایشاں مشرب گشت و اکثر اہل دیں اقلیم در

اثبات خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین شکوک بہم رسانید نہ
نور توفیق الہی در دل این بندہ ضعیف علمے را مشروح و مبسوط گردانید تا آنکہ بعلم الیقین
دانستہ شد کہ اثبات خلافت این بزرگواران اصلے ست از اصول دین تا وقتیکہ این اصل را
محکم را گیرند ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود الخ

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی قدس سرہٗ ازالہ الخفاؒ کے ترجمہ میں لکھتے
ہیں کہ : اما بعد کہتا ہے، فقیر ولی اللہ عفی عنہٗ کے اس زمانہ میں بدعت تشیع آشکار
ہو گئی ہے اور عام لوگوں کے دل ان کے شبہات سے متاثر ہو گئے ہیں۔ اور ملک کے
اکثر لوگ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے ثبوت میں شک کرنے
لگے ہیں۔ لہذا توفیق الہی کی روشنی نے اس بندہ ضعیف کے دل میں ایک علم پیدا کیا۔
جس سے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ خلافت ان بزرگوں کی ایک اصل ہے اصول دین
سے جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے۔ کوئی مسئلہ مسائل شریعت سے مضبوط
نہ ہو گا۔ (ازالہ الخفا مترجم اردو جلد اول صہ ۵ ؛ ناشر نور محمد کارخانہ تجارت کتب
آرام باغ کراچی)

شیعہ عقیدہ امامت اور سُنی عقیدہ خلافت کا فرق

حضرت شاہ ولی محدث دہلوی کے ان الفاظ سے کہ خلافت
این بزرگواران اصلے است از اصولِ دین، کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ
اہل سنت کا عقیدہ خلافت بھی شیعوں کے عقیدہ امامت کی طرح ہے کیونکہ اہل سنت
کے نزدیک خلافت کا عقیدہ مثل توحید و رسالت کے اصول دین میں سے نہیں ہے۔
لیکن بر عکس اس کے شیعوں کے نزدیک عقیدہ امامت مثل عقیدہ توحید و رسالت کے
ہے۔ چنانچہ بھٹو دور حکومت میں جو شیعہ دینیات سرکاری سکولوں میں نافذ کی گئی تھی۔
اس کی کتاب اسلامیات لازمی برائے جماعت نہم و دہم کے حصہ شیعہ میں "اصول دین"
کے عنوان کے تحت یہ لکھا ہے کہ :

دین کی جڑیں پانچ ہیں۔ توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت۔ قیامت"۔ تو ان کے عقیدہ
امامت سے تو یہ لازم آتا ہے کہ توحید و رسالت کی طرح عقیدہ امامت پر ایمان لانا
فرض ہے۔ بلکہ شیعوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ منصب امامت منصب نبوت سے افضل ہے
اس عقیدہ کی بنا پر یہ وہ حضرت علی المرتضیٰ سے لے کر امام غائب حضرت مہدی
تک بارہ اماموں کو انبیائے سابقین علیہم السلام سے افضل تسلیم کرتے ہیں اور یہی وجہ
ہے کہ وہ مثل توحید و رسالت کے اقرار کے کلمہ اسلام میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ
کی خلافت کا اقرار ضروری قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بھٹو دورِ حکومت کی دینیات اسلامیات
لازمی ہے کی کتاب "رہنمائے اساتذہ" میں دو شیعہ مصنفین مولوی محمد بشیر انصاری آف
ٹیکسلا اور مولوی مرتضیٰ حسین فاضل لکھنو نے جو شیعہ کلمہ لکھا ہے اس کی تشریح حسب ذیل
کی گئی ہے :

کلمہ اسلام کے اقرار اور ایمان کے عہد کا کام ہے۔ کلمہ پڑھنے سے کافر مسلمان
ہو جاتا ہے۔ کلمہ میں توحید و رسالت ماننے کا اقرار اور امامت کے عقیدے کا اظہار
ہے ان عقیدوں کے مطابق عمل کرنے سے مسلمان مومن بنتا ہے (صہ ۳۵/۳۶) اور اس کتاب

میں کلمہ کے الفاظ لکھے ہیں : لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل ۔

عقیدہ امامت ختم نبوت کے منافی ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں :

این فقیر از روح پرُ فتوح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرد کہ حضرت چہ می فرمانید درباب شیعہ کہ مدعی محبت اہل بیت اند و صحابہ را بدی گویند آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنوع از کلام روحانی القاء فرمودند کہ مذہب ایشان باطل است و بطلان مذہب ایشاں از لفظ امام معلوم می شود ۔ چوں ازاں حالت افاقت دست داد ۔ در لفظ امام تامل کردم معلوم شد کہ امام باصطلاح ایشاں معصوم مفترض الطاعۃ منصوب للخلق است و وحی باطن در حق امام می نمانید پس در حقیقت ختم نبوت را منکراند گو بزبان آں حضرت را صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء گفتہ باشند و چنانچہ در حق اصحاب اعتقاد نیک باید داشت ہم چناں در حق اہل بیت باید بود و صالحین ایشاں را بجزبہ تعظیم تخصیص باید کرد الخ (تفہیمات الٰہیہ جلد ثانی ص ۲۴۴ مطبوعہ المجلس العلمی ڈھابیل)

اعلان حق چار یار : مذکورہ شرعی حقائق کے پیش نظر دور حاضر کے گونا گوں رفض اور خارجیت سے تحفظ اور اہل حق کے لئے خلافت راشدہ کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اگر پاکستان میں حق چار یار کے اعلان حق کو زور شور سے پھیلایا جائے تو انشا اللہ تعالےٰ اس سے غلبہ حق اور شکست باطل کی راہیں کھل سکتی ہیں ۔ قل جآء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔ حسب اللہ و نعم الوکیل ۔

شیخ التفسیر کے ارشادات

شیخ التفسیر حضرت لاہوری رح ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو امام الاتقیاء و الاولیاء مانتے ہیں (خطبات حصہ نہم ص ۱۲۵) حضرت رحمۃ اللہ علیہ تفسیر قرآن حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تحقیقات کی روشنی میں پڑھایا کرتے تھے چنانچہ اپنے قرآن مترجم کے دیباچہ میں ایک " ضروری گذارش " کے تحت انجمن خدام الدین قائم کردہ ۱۳۴۰ھ کی مطبوعات کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں :

(۱) درس عام جو ہر روز صبح کو ہوتا ہے (۲) نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کا درس جو ہر روز بعد از نماز مغرب ہوتا ہے (۳) فارغ التحصیل علمائے کرام کو قرآن حکیم کی ایسی تفسیر پڑھائی جاتی ہے جس میں اعتقادات ، اعمال ، اخلاق ، اصول ، تدبیر منزل ، قانون معاملات تمدن اسلام ، اسلامی معاشرت اور سیاسیات وغیرہ ، تمام ضروریات کا حل کتاب اللہ سے سمجھ میں آئے ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مسلک سے آدمی باہر نہ جائے ۔ (۴) دورہ تفسیر رمضان ، شوال اور ذیقعد کے تین مہینوں میں ختم کیا جاتا ہے ۔ اس کے بعد اہل علم کو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تجویز کردہ فلسفہ شریعت جو حجۃ اللہ البالغہ میں مذکور ہے پڑھایا جاتا ہے " ۔ اور چونکہ حضرت شیخ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحقیقات سے خصوصی استفادہ کیا ہے اور عقیدہ خلافت راشدہ کے عقیدہ کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء ایک ضخیم کتاب تصنیف فرمائی ہے ۔ اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت راشدہ کی شرعی اہمیت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا ۔ اور مجالس ذکر اور خطبات جمعہ اور اپنی تصانیف

میں خلفائے راشدین کے بلند ترین شرعی مقام کی تعلیم فرماتے رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

۱۔ مشکوٰۃ شریف کے باب الاعتصام بالکتاب والسنت کی ایک حدیث شریف میں ہے کہ تم پر لازم ہے کہ میرے اور خلفائے راشدین کے طریقے کو مضبوط پکڑ لو۔" آج حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو حدیث کہتے ہیں حدیث شریف میں ذکر ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ کب تک تمہارے درمیان رہوں۔ پس تم میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی (مطابقت) کرو، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ شیعہ حضرات کو بھی ان کی عزت و احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جو لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی توہین کریں گے۔ وہ اپنی بھی خیر نہیں منائیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص نے میرے دوست کو اذیت دی میں اس سے لڑائی کا اعلان کرتا ہوں۔ ایک موقعہ پر کے شیعہ امام سے لاہور کے بعض علما نے سوال کیا کہ اہل بیت حضرات کے مزارات کوفہ میں ہیں ان کا کیا حال ہے۔ شیعہ امام نے کہا کہ ان کی برکت سے اتنے اتنے فاصلے پر جتنے مدفون ہیں سب مغفور ہیں، سب جنتی ہیں اس پر اہل السنت والجماعت نے اعتراض کیا، کہ اہل بیت کی اتنی برکت ہے کہ گردا گرد کے تمام مدفون جنتی ہیں اور جنھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلو میں اور بغل میں لے کر سوئے ہوئے ہیں ان کی کوئی برکت نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ انسان جب ضد پر آ جائے تو حق کی مخالفت کرتا ہے۔" (مجلس ذکر حصہ نہم صفہ ۱۵۷ مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۵۸ء)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منکرین زکوٰۃ سے حضرت ابوبکر صدیق کے جہاد کے بارے میں فرمایا کہ: صدیق رضی اللہ عنہ اکبر کی استقامت اسلام کو بچا کر لے گئی ورنہ اسلام مدینہ میں ہی دفن ہو جاتا۔ ایک قبیلہ زکوٰۃ معاف کرا لیتا دوسرا نماز، تیسرا روزہ اور چوتھا حج الخ (مجلس ذکر حصہ ہفتم صد ۱۴۹ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۵۷ء)

۳۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بیان میں فرمایا: تمام انبیاء علیہم السلام میں سے فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا حواری ملا (ب) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہترین آدمی ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ کسی مومن کے دل میں میری محبت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کا بغض جمع نہیں ہو سکتے (خطبات حصہ نہم ص ۱۵۶)

۴۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں فرمایا (ا) سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے بیٹے خطاب کے، اس خدا کی قسم جن کے قبضے میں میری جان ہے تمہیں کبھی راستہ میں شیطان نہیں ملتا مگر تیرا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ سے چل نکلتا ہے (رواہ البخاری والمسلم) ایضاً خطبات ۱۶۱)

۵۔ حضرت شیخ التفسیر کا وہ مضمون جو آپ نے شعبان ۱۳۵۵ھ میں جامعہ ملیہ دہلی میں زیر صدارت مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پڑھا تھا۔ انجمن خدام الدین کے مطبوعہ مجموعہ رسائل میں "مقصد قرآن" کے نام سے شائع ہے۔ اس میں آپ نے سلطنت اسلامی کی وسعت کے تحت سورۃ النور کی آیت یعنی و اِنَّ الذین آمنوا

منکم و عملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم الاٰیۃ سے کیا ہے۔ ترجمہ آیت یہ ہے: "جو تم میں سے ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے۔ ان سے اللہ تعالےٰ نے زمین میں بادشاہت کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس طرح پہلوں کو اللہ تعالےٰ نے بادشاہی عطا فرمائی تھی" اس آیت کے تحت حضرت فرماتے ہیں: چنانچہ عرب ایسے غیر مہذب، غیر متمدن اور سلطنت سے نا آشنا جنھیں متمدن حکومتیں اپنے حلقہ اثر میں لینا بھی پسند نہ کرتی تھیں۔ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے ہی ایک صدی کے اندر اتنے بڑے طاقتور بن گئے کہ دنیا میں ان کی نظیر نہیں ملتی، ایشیا کا بڑا حصہ اور متمدن یورپ کا معتدبہ حصہ ان کے زیر نگین تھا۔ بنی امیہ کی سلطنت ایشیا میں عرب، عراق، افغانستان اور ہندوستان میں ملتان تک وسیع ہو گئی تھی۔ افریقہ میں مصر، طرابلس، تونس، الجزائر اور مراکش ان کے زیر نگین تھا انتہائے یورپ یعنی اندلس میں حکمرانی کر رہے تھے الخ (مقصد قرآن صفحہ ۱۲۱)

۶۔ اس آیت استخلاف کی تفسیر میں شیخ التفسیر نے اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر موضح القرآن سے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: "خطاب فرمایا حضرت کے وقت کے لوگوں کو جو ان میں نیک ہیں، پیچھے ان کو حکومت دے گا اور جو دین پسند ہے ان کے ہاتھ سے قائم کرے گا اور وہ بندگی کریں گے بغیر شرک۔ یہ چاروں خلیفوں سے ہوا۔ پہلے خلیفوں سے اور زیادہ، پھر جو کوئی اس نعمت کی ناشکری کرے ان کو بے حکم فرمایا اور جو کوئی ان کی خلافت سے منکر ہوا۔ اس کا حال سمجھا گیا۔"

۷۔ ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب "تجدید و احیائے دین" میں حضرت عثمان رضؓ ذوالنورین پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے: "دور جاہلیت کا حملہ — مگر ایک طرف حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمان رضؓ جن پر اس کار عظیم کا بار رکھا گیا تھا۔ ان خصوصیات کے حامل نہ تھے۔ جو ان کے جلیل القدر پیش روؤں کو عطا ہوئی تھیں اس لیے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا۔ اس کے جواب میں حضرت شیخ التفسیر لکھتے ہیں کہ:

مودودی صاحب کی سابقہ تحریر میں دو چیزیں مذکور ہیں۔ پہلی حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نظام خلافت کے سنبھالنے کے قابل نہیں تھے یعنی نعوذ باللہ نالائق تھے۔ دوسری یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں جاہلیت (مودودی صاحب کی اصطلاح میں جاہلیت سے مراد کفر ہوتی ہے) کو اسلام میں گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ کیا یہ اس خلافت عثمانیہ کی توہین نہیں ہے۔ جس کی تعریف کئی حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ سن چکے ہیں" (حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب" صفحہ ۲۵، ۲۶)

اس کے بعد حضرت نے "عین اسلام اور اصلی اسلام" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ مودودی صاحب اور ان کے متبعین سے انصاف کی اپیل کرتا ہوں کیا آپ کا یہ دعویٰ صحیح

ہو سکتا ہے کہ :" جو چیز ہم لے کر اُٹھے ہیں وہ عین اسلام اور اصلی اسلام ہے" کیا یہی عین اسلام اور اصلی اسلام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخصیت کی تعریف کریں آپ اس کی توہین کریں اور جس خلافت کے دور کو حضورؐ انور دورِ خلافت اور رحمت فرمائیں ۔ آپ یہ فرمائیں کہ اس خلافت اور رحمت کے دور میں اسلام میں کفر داخل ہو گیا تھا ۔ کیا آپ کے اس بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین بلکہ تکذیب نہیں ہے کہ جس دور کی آپؐ تعریف فرما رہے ہیں اس دور میں اسلام میں کفر د ل گیا تھا الخ (ایضاً صفحہ ۳۶-۳۷)

حضرت لاہوریؒ نے مودودی صاحب کی مندرجہ عبارت پر جو سخت گرفت فرمائی ہے ۔ وہ کتاب و سنت کی مخصوص روشنی میں بالکل حق ہے اور غالباً حضرت نے خدا داد بصیرت کے ذریعہ مودودی کی اس مختصر عبارت میں کی وہ تفصیلی بھی دیکھ لی تھی جو حضرت کی وفات کے بعد مودودی صاحب نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" (مطبوعہ اکتوبر ۱۹۶۶ء) میں حضرت عثمانؓ کے دور خلافت راشدہ پر معاندانہ تنقید کرتے ہوئے بیسیوں صفحات میں درج کی ہے اور جس میں حضرت عثمانؓ کی خلافت پالیسی کو خطرناک اور فتنہ انگیز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ :

اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دور رس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں ۔ ایک یہ کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور کئے رکھا وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ۴ سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آ رہے تھے ۔ حضرت عثمانؓ نے آبلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرۃ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانہ خلافت (۱۲) سال میں ان کو اسی صوبے پر بر قرار رکھا ۔ دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سیکرٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی"۔

(خلافت و ملوکیت طبع اول صفحہ ۱۱۵) حضرت شیخ التفسیر نے مودودی صاحب کا جواب ان کی کتاب " تجدید و احیائے دین " کی عبارت کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ ارشادات کے تحت کافی و شافی دیا ہے ۔ چنانچہ بعنوان " حضرت عثمان کا زمانہ خلافت " فرماتے ہیں : سفینہؓ سے روایت ہے ۔ کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ۔ آپ نے فرمایا : خلافت تیس سال تک رہے گی ۔ اس کے بعد بادشاہی ہو جائیگی ۔ پھر سفینہؓ نے کہا : ابوبکرؓ کی خلافت کے ۲ سال شمار کرو اور عمرؓ کی خلافت کے ۱۰ سال تک اور عثمانؓ کی ۱۲ سال تک اور علیؓ کی خلافت ۶ سال تک" (اسے احمدؒ ترمذی ابو داؤد نے روایت کیا ہے) حاصل یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت علی منہاج النبوۃ کا زمانہ ۳۰ سال فرمایا ہے ۔ اسی زمانہ کے اندر حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ آ جاتا ہے ۔

(۲) ابو عبیدہؓ اور معاذ بن جبل سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ، آپ نے فرمایا یہ (دین کا) معاملہ نبوت اور رحمت کی صورت میں شروع ہوا ہے ۔ پھر خلافت اور رحمت ہو جائے گا ۔ پھر اس کے بعد تشدد پسند بادشاہی ہو

جائے گی۔ الخ ملخصا رواہ البیہقی فی شعب الایمان) حاصل یہ نکلا کہ رحمت للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ نبوت اور رحمت کا تھا اور خلفائے راشدین کا زمانہ خلافت اور رحمت کا تھا۔ اسی خلافت کے زمانہ میں حضرت عثمانؓ کا زمانہ ہے آپ کی خلافت کے زمانہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خلافت اور رحمت کا زمانہ فرما رہے ہیں الخ حضرت شیخ التفسیر کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نبوت اور رحمت کے بعد یعنی دور رسالت کے بعد خلافت اور رحمت کا زمانہ آئے گا اور دوسری حدیث میں ہے۔ الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ یعنی میرے بعد خاص خلافت ۳۰ سال رہے گی اور حضرت عثمانؓ کا زمانہ خلافت انہی ۳۰ سالوں کے اندر آ جاتا ہے تو پھر حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں جاہلیت (خلاف اسلام) کے داخل ہونے کا مودودی نظریہ صاف طور پر ارشاد رسالت کے خلاف ہے۔

بعض شبہات کا ازالہ

(۱) مودودی جماعت کی طرف سے بانی جماعت کے دفاع میں کہا جاتا ہے کہ مودودی صاحب کا یہ لکھنا قابل اعتراض نہیں ہو سکتا کہ: حضرت عثمانؓ ان خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیش روؤں کو عطا ہوئی تھیں کیونکہ اہل السنت والجماعت کے نزدیک بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ دونوں حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں۔" تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ حضرت عثمانؓ سے یہ دونوں خلیفہ افضل ہیں۔ لیکن اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ آپ اپنے زمانہ میں خلافت کا بوجھ پوری طرح سنبھالنے کی قابلیت نہ رکھتے ہوں جبکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کی اتباع کا حکم دیا ہے چنانچہ فرمایا و من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ (مشکوٰۃ شریف) اور تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ تو ان حالات میں تم میرے طریقہ اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کی پیروی لازم ہے اس کو بہت مضبوطی سے پکڑ لینا چاہیے۔" تو جب خلفائے راشدین کے طریقہ کی اتباع حضورؐ نے لازم کر دی ہے۔ اختلاف و انتشار کے زمانہ میں اور حضرت عثمان ذوالنورین بھی یقیناً ان خلفائے راشدین میں شامل ہیں تو اس کے باوجود اگر مودودی صاحب کا یہ نظریہ صحیح ہو کہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں جاہلیت اور ملوکیت شامل ہو گئی تھی تو جاہلیت اور ملوکیت کے طریقہ کی پیروی کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر دے سکتے ہیں لہٰذا یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی۔ کہ حضرت عثمانؓ کا طریقہ خلافت بھی ملوکیت اور جاہلیت سے بالکل پاک تھا اور پہلے دونوں حضرات کی طرح ان کی سنت (طریقے) کی پیروی بھی لازم ہے۔ اسی بناء پر حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قوانین ریاست اور آئین سیاست جو خلیفہ راشد سے ظاہر ہوتے ہیں سنت نبویہ کا حکم رکھتے ہیں، پس خلفائے عظام کا طریقہ بمنزل سنت انبیائے کرام کے ہے۔ فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین الخ (منصب امامت مترجم اردو صد ۹)

اور حدیث فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین خود حضرت شیخ التفسیر نے بھی "حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب" صد ۴۷ پر نقل فرمائی ہے۔ (۲) بعض لوگ مذکورہ

تیس سالہ خلافت کی حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کرتے - اور کہتے ہیں کہ کیا صحیح اسلامی حکومت صرف ۳۰ سال کے لیے تھی - اور بعد میں ساری حکومتیں غیر اسلامی ہی رہیں گی تو اس کا جواب ہے کہ یہ ۳۰ سالہ خلافت جس کو علیٰ منہاج النبوۃ کہا جاتا ہے دراصل وہ خاص خلافت ہے جس کا وعدہ قرآن مجید کی آیت استخلاف میں کیا گیا ہے - اور یہ موعودہ خلافت سورہ الحج کی آیت الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر کے تحت صرف ان مہاجرین صحابہ کے لیے ہے جن کو قریش مکہ نے ان کے گھروں سے نکال دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بطور پیشن گوئی ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ان مہاجرین صحابہ کو ہم زمین (ملک) میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیکیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے منع کریں -

اسی بنا پر مہاجرین صحابہ کرام میں سے خلافت نبوت صرف خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمر فاروق رضؓ حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ اور حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کو نصیب ہوئی ہے - یہ آیت اور سورہ النور کی آیت استخلاف اس بارے میں دلیل ہے کہ یہ چاروں خلفا اپنے اپنے دور خلافت میں خلیفہ راشد تھے اور گو ان میں باہمی فضیلت حسب ترتیب خلافت میں پائی جاتی ہے - لیکن اپنے زمانہ میں وہ خلافت کے پورے اہل تھے اور خلافت کا بار مکمل طور پر اٹھانے کی قابلیت رکھتے تھے - کیونکہ ان حضرات کا انتخاب حسب وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے کیا ہے - اب ان کی اہلیت اور "قابلیت پر اعتراض کرنا ان پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر اعتراض ہے

اور حضرت امیر معاویہ رضؓ چونکہ مہاجرین صحابہ میں سے نہیں ہیں اس لئے وہ اس خلافت راشدہ موعودہ کا مصداق نہیں بن سکتے - البتہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی صلح کے بعد آپ اہل السنت والجماعت کے عقیدہ میں خلیفہ بر حق ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ سے ان کا اختلاف اجتہادی ہے جن کی نوبت قتال باہمی تک پہنچ گئی تھی اور چونکہ حضرت علی المرتضیٰ خلیفہ راشد کی مخالفت انہوں نے ازروئے اجتہاد نیک نیتی سے کی ہے - اس لیے ان کی خطا کو خطائے اجتہادی قرار دیا جائے گا - لیکن بحیثیت جلیل القدر صحابی اور کاتب وحی ہونے کے ان پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے - جیسا کہ شیعہ روافض کرتے ہیں یا مودودی صاحب نے تنقید کے نام پر ان کو ہدف ملامت بنایا ہے - چنانچہ "خلافت و ملوکیت" میں لکھا ہے کہ (ا) مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی" (خلافت و ملوکیت طبع اول صہ۱۷۴) (ب) زیاد بن سمیہ کا بھی حضرت معاویہ رضؓ کے ان افعال میں سے ہے) جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی الخ (ایضاً صہ۱۷۵)

اس کے علاوہ بھی مودودی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ایسے الفاظ لکھے ہیں جو مودودی صاحب ہی لکھ سکتے ہیں - حالانکہ علمائے حق کے نزدیک سوائے اجتہادی خطا کی نسبت کے کسی طرح بھی تنقیص و توہین کے الفاظ نہ حضرت امیر معاویہؓ کے لیے جائز ہیں اور نہ کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے - حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں : قال امام عصرہ ابوزرعۃ الرازی من اجل شیوخ الاسلام اذا رایت الرجل ینتقص احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و الہ وسلم فاعلم انہ زندیق الخ (ترجمہ) اجل شیوخ اسلام امام عصر ابوزرعہ رازی کہتے ہیں کہ جب تم کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کی تنقیص کرتے دیکھو تو جان لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لیے کہ قرآن حق ہے ، رسول حق ہیں اور جو آپ لائے ہیں وہ حق ہے اور یہ سب کچھ ہمیں صحابہ سے ہی پہنچا ہے ، اب ان پر جو جرح کرتا ہے تو وہ گویا کتاب اور سنت کو رد کرتا ہے ، لہٰذا جرح اس پر زیادہ موزوں ہے اور اس پر زندیق گمراہ اور جھوٹا اور ملحد ہونے کا حکم لگایا جائے گا ۔ فرمایا سہل بن عبداللہ رضؓ نے جن کا علم زہد ، معرفت اور جلالت شان محتاج تعارف نہیں کہ جن کو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خوش عقیدگی نہ ہو گویا وہ رسول اللہ پر ایمان نہیں لایا ۔

عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا اور آپ کی ذات بھی علم و جلالت شان میں محتاج بیان نہیں کہ معاویہؓ افضل ہیں یا عمرؓ بن عبدالعزیز ۔ آپ نے کہا کہ وہ غبار جو حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کے ناک میں داخل ہوا جبکہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے بہتر ہے ۔ عمرؓ بن عبدالعزیز سے ۔ گویا آپ نے اس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت اور آپ کی رویت (یعنی زیارت) کا مقابلہ کوئی چیز بھی نہیں کر سکتی الخ (تائید اہل سنت ترجمہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ایم اے ایل ایل بی ، پی ایچ ڈی صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی حیدرآباد مطبوعہ استنبول (ترکی)

پاکستان میں خارجیت کا ظہور

پرانے فتنے نئے نئے روپ میں ظاہر ہو رہے ہیں ، چنانچہ خارجیت کا فتنہ پاکستان میں اہل السنت والجماعت کے عنوان پر پھیل رہا ہے اس فتنہ کی ابتداء تو میاں محمود احمد عباسی کی کتاب " خلافت معاویہؓ و یزید " سے ہوتی ہے لیکن سنی صحیح ذہن کے لوگوں کی وجہ سے کئی اہل علم بھی اس کی لپیٹ میں آ رہے ہیں اور گو اس جدید خارجیت کو قبول کرنے کا باعث حب صحابہؓ کا شدید غلو و فساد بھی ہے ۔ لیکن مسلک حق سے ہٹ جانا خواہ کسی وجہ سے ہی ہو ، خود ضلالت و زندیقیت ہے نہ کہ راست روی و حقانیت ۔ محمود احمد صاحب عباسی کی تصانیف سے یہ واضح ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ کی تنقیص اور حضرت امیر معاویہؓ کی برتری کے لیے کوشاں رہے بلکہ انہوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ ، کے مقابلے میں یزید کو اسلام کا ہیرو منوانے کی کوشش کی ہے مثلاً (۱) خلیفہ راشد حضرت علی المرتضےٰ کے متعلق لکھا ہے کہ : دشمنان دین اور کفار سے تیغ آزمائی کرنے کے بجائے طلب و حصول خلافت کی غرض سے تلوار اٹھائی گئی تھی ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں ولی (علیؓ) برائے طلب خلافت بود نہ باغراض اسلام (ازالۃ الخفا جلد اول صہ ۲۷۰ سطر ۲۰) ترجمہ : علی رضی اللہ عنہ ، کی لڑائیاں ( ) تو بعد (شہادت عثمان) اپنی مہم کی طلب و حصول کے لیے تھیں نہ باغراض اسلام " (خلافت معاویہ و یزید صہ ۵)

اور پھر اس کے بعد اپنے نظریہ کی تائید میں ایک مستشرق کی یہ عبارت پیش کی ہے : حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ (حضرت) علی کو (خلیفہ شہید) کی جانشینی کا استحقاق حاصل نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہے کہ تقدس و پارسائی کا جذبہ تو ان کے (طلب خلافت) میں کار فرما نہ تھا بلکہ حصول اقتدار و حب جاہ کی ترغیب تھی۔ اس لیے معاملہ فہم لوگوں نے اگرچہ وہ (حضرت) عثمان رض کے طرز حکمرانی کی مذمت کرتے تھے مگر علی رض کو ان کا جانشین تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا گیارھویں ایڈیشن ج ۵ ص ۲۰) اس مستشرق کی مندرجہ عبارت پیش کرنے کے بعد کیا کوئی اہل عقل و ہوش انسان اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ عباسی صاحب حضرت علی المرتضی کو مخلص صحابی بھی ماننے کے لیے تیار نہیں چہ جائیکہ خلیفہ راشد مان لیں۔ (ب) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارت کا مفہوم بھی خودساختہ پیش کیا ہے تاکہ یہ فریب دیا جائے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی حضرت علی رض کو اسلام کے لیے مخلص نہیں مانتے۔

حالانکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے یہ عبارت اس بحث میں لکھی ہے کہ سورہ الفتح کی آیت قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونھم او یسلمون (آپ ان پیچھے رہنے والے ان دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں (سے لڑنے) کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے۔ کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جائیں گے الخ (ازالۃ الخفا مترجم جلد دوم فصل ہفتم ص ۳۹۶) اس آیت کا مصداق قرار دیتے ہوئے اس کے بعد حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آیت میں جن دعوت دینے والوں کے متعلق پیش گوئی ہے، اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان اعراب کو قتال کے لیے دعوت دینا حسب آیت لن تقاتلوا ... عدوا ممنوع فرما دیا تھا ــــــ اور یہ مقصد کہ سخت جنگجو قوم کے ساتھ لڑائی ہوگی اور اس میں ان اعراب کو دعوت قتال دی جائے گی" روم و فارس کے سوا اور میں نہیں پائے گئے" و نہ مرتضی زیرا کہ مقاتلات وے رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ اسلام و تقاتلونھم او یسلمون دلالت می کند بر آنکہ آں دعوت کفار است بجہت اسلام و بنو امیہ و بنو عباس دعوت نکردند اعراب حجاز را بقتال کفار کما ہو معلوم من التاریخ الخ

ترجمہ : اور نہ وہ داعی حضرت مرتضی رض تھے۔ کیونکہ آپ کے مقاتلات طلب خلافت کے لیے ہوئے جہت اسلام سے نہیں اور تقاتلونھم او یسلمون اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ قتال کفار کے ساتھ اسلام کی طرف دعوت کے لیے ہو گا اور بنو امیہ و بنو عباس نے اعراب حجاز کو کفار سے قتال کے لیے کبھی دعوت نہیں دی یہ بات تاریخ سے قطعی طور پر ثابت ہے اور صدیق اکبر کی دعوت اہل شام و عراق سے قتال کے لیے تھی اور حضرت فاروق کی دعوت بھی عراق اور شام اور مصر سے قتال کے لیے تھی۔ اور ذی النورین رض کی دعوت اہل خراسان و افریقہ و مغرب سے قتال کے لیے واقع ہوئی، جیسا کہ تاریخ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے تو ان کی دعوت

کی تعمیل کرنا واجب تھا اور یہ صفت خلیفہ برحق کی ہے اور جب ان کی روم و عجم سے جہاد کے لیے دعوت دینے میں ظاہر ہو گی تو ان کے تمام احکام واجب الاطاعت ہوں گے الخ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد دوم صـ۳۹۸) اس مفصل عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب دہلوی مذکورہ آیت کی پیش گوئی کا مصداق حضرت صدیق رضؓ اور حضرت فاروق رضؓ کی خلافت کو قرار دے رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے دور خلافت میں ہی روم و فارس سے قتال ہوا اور اس کے لیے اعراب حجاز کو دعوت دی گئی تھی۔ اس قسم کا قتال و دعوت حضرت علی المرتضیٰ کے زمانہ خلافت میں نہیں ہوا۔ کیونکہ آپ نے کسی غیر مسلم قوم سے لڑائی نہیں کی اور نہ اس کے لیے اعراب حجاز کو دعوت دی ہے۔ یہ مطلب ہے اسلام قتال نہ کرنے کا بلکہ آپ کا قتال ان لوگوں سے ہوا جو اسلام کے قائل (مسلمان) تھے اور ان سے قتال کا مقصد اپنی خلافت منوانے ہی کے لئے ہو سکتا ہے۔ لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت علی رضؓ کی خلافت اسلام کے لیے نہ تھی۔ یا کیا محمود احمد صاحب عباسی یہ چاہتے تھے کہ حضرت علی المرتضیٰ بھی اپنے مخالفین حضرت معاویہ رضؓ اور ان کی جماعت کو غیر مسلم قرار دے کر قتال کرتے اور اس کے بعد آیت یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہٖ فسوف یاتی اللہ ۔۔ الخ

(سورۃ المائدہ) اے ایمان والو جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے، تو اللہ تعالےٰ بہت جلد ایسی قوم کو لے آئے گا جن سے اللہ تعالےٰ کو محبت ہو گی

اور ان کو اللہ تعالےٰ سے محبت ہو گی الخ اس آیت کے تحت حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: و ایں آیت دلالت می کند بر آنکہ جماعت محبوبین کاملین جہاد خوانید کرد بامرتدین و ایں معنی در زمان شریعت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر نہ شد زیرا کہ اسود عنسی خروج نہ کردہ بود آنجناب بطرے وی لشکرے رواں نہ کردہ۔ و نہ در ایام حضرت مرتضیٰ زیرا کہ قتال ایشاں با بغاۃ با خوارج اتفاق افتاد نہ مرتدین و خلفائے بنی عباس و بنی امیہ نیز با ہیچ یکے از مرتدین بطریق فوج کشی قتال نکردند الخ

(ترجمہ) اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ محبوبین کاملین کی جماعت جن سے اللہ تعالےٰ خوش ہوں گے۔ مرتدین کے ساتھ جہاد کریں گے اور یہ بات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں ظاہر نہیں ہوئی۔ اسود عنسی نے خروج نہیں کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف لشکر روانہ نہیں کیا تھا اور نہ حضرت مرتضیٰ کے زمانہ میں کیونکہ ان کو قتال کا اتفاق باغیوں اور خارجیوں کے ساتھ ہوا ہے نہ کہ مرتدین کے ساتھ، اور خلفائے بنی عباس و بنی امیہ نے بھی مرتدین کی کسی جماعت سے بطریق فوج کشی قتال نہیں کیا اور مذکورہ آیت سے لوگوں کا جمع ہونا اور قتال کا قائم ہونا مفہوم ہو رہا ہے تو متعین ہو گیا کہ جن لوگوں کا وصف اس آیت میں مذکور ہے وہ صدیق رضؓ اور فاروق رضؓ اور ان کے لشکر تھے۔ اور عرف عام میں قتال منسوب ہوتا ہے۔ خلیفہ کی طرف اگرچہ وہ موقع جنگ میں موجود نہ ہو الخ تو کیا اس تفصیل کے بعد بھی کوئی اہل علم و دیانت شخص حضرت

شاہ صاحب کی مندرجہ عبارتوں سے وہ مطلب نکال سکتا ہے جو عباسی صاحب پیش کر رہے ہیں ۔ دراصل حضرت شاہ صاحب کی حضرت صدیق رضؓ اور حضرت فاروق رضؓ کی خلافت ان آیات سے ثابت کر رہے ہیں ۔ اور اگر ان آیات کا مصداق حضرت صدیق رضؓ کی خلافت کو نہ قرار دیا جائے تو پھر یہ آئتیں صحیح ہی ثابت نہیں ہو سکتیں کیونکہ اس قسم کی لڑائیوں کا مصداق نہ حضور کا زمانہ ہو سکتا ہے اور نہ حضرت علی المرتضیٰ کا اور نہ ہی بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتوں کا ۔ تو کیا عباسی صاحب اور ان کے مقلدین اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قتال بھی اسلام کے لیے نہیں تھا اور کیا وہ بنی امیہ کے لیے بھی یہ بات تسلیم کر لیں گے کہ ان کی حکومتیں برائے اسلام نہ تھیں ۔

(ب) حضرت شاہ صاحب کی مندرجہ عبارت سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ حضرت علی المرتضیٰ کے خلاف قتال کرنے والوں کو باغی قرار دیتے ہیں ۔ تو کیا عباسی صاحب اور ان کے مقلدین حضرت امیر معاویہ رضؓ کو حضرت شاہ صاحب دہلوی کی عبادت کے تحت باغی ماننے کا نظریہ قبول کرتے ہیں ؟ اور یہاں سے کسی کو حضرت معاویہ رضؓ سے بدظنی نہ پیدا ہونی چاہیئے ۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ صحابی تھے ۔ آپ نے جو کچھ کیا نیک نیتی سے از روئے اجتہاد کیا ۔ چنانچہ خود حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے خلیفہ کے خلاف خروج کرنے کی ۳ صورتوں میں سے آخری صورت یہ لکھی ہے کہ

دین قائم کرنے کی غرض سے لوگ بغاوت کریں اور خلیفہ (کی حقیقت) اور اس کے احکام (کے مطابق اطاعت) میں شبہ بیان کریں ۔ پس اگر (باغیوں کی) یہ تاویل قطعی البطلان ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ۔ جیسے حضرت صدیق اکبر رضؓ کے عہد میں مرتدوں کی اور زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کی تاویل (ناقابل اعتبار تھی) اور تاویل کے قطعی البطلان ہونے کے یہ معنی ہیں کہ (یہ تاویل) نص قرآن یا نص حدیث یا اجماع یا قیاس جلی کے مخالف ہو اور اگر وہ تاویل قطعی البطلان نہ ہو بلکہ قابل تاویل ہو تو وہ گروہ باغی تو ضرور ہو گا مگر قرن اول میں ایسے گروہ کا حکم دیتی ہے جو مجتہد مخطی کا ہوتا ہے کہ اگر وہ گروہ خطا کرے تو اس کے لئے ایک اجر ہے لیکن جب کہ (خلیفہ وقت سے) بغاوت کرنے کی ممانعت کی حدیثیں جو صحیح مسلم وغیرہ میں مستفیض ہیں شائع ہو گئیں اور امت کا اجماع اس پر ہو گیا تو اب اگر کوئی بغاوت کرے تو اس) باغی کے عاصی ہونے کا ہم حکم دیتے ہیں الخ (ازالۃ الخفا مترجم جلد اول صـ ۳۲) اور حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث خلافت راشدہ ہی قرار دیتے ہیں ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

۱۔ اثبات خلافت عامہ برائے خلفائے اربعہ از اجلیٰ بدیہات است (خلفائے اربعہ کے لیے خلافت عامہ کا ثابت ہونا اجلیٰ بدیہات میں سے ہے (ایضاً صـ ۳۳ یعنی ظاہر باہر ہے جس میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا ۔

۲۔ نیز حضرت شاہ صاحب دہلوی فرماتے ہیں : اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مستفیضہ میں اس بات کی خبر دی کہ آپ کی وفات کے بعد خلافت نبوت و خلافت رحمت ہو گی ۔ اور اس کے بعد ملک عضوض (مار کاٹ کی بادشاہت) اور جو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متصل واقع ہوئی وہ خلفائے اربعہ کی خلافت تھی تو ان کی خلافت خلافت نبوت و رحمت ہوئی ۔ اور اگر ان خلفاء کی سیرت انبیاءؑ کی سیرت کے مشابہ نہ ہوتی یا انہوں نے غصب سے خلافت کو لیا ہوتا تو خلافت نبوت و رحمت نہ ہوتی ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مستفیضہ میں یہ علم عطا فرمایا ہے کہ خلافت کا زمانہ ۳۰ سال ہے اور سفینہ رضؓ نے اس کی تفسیر خلفائے اربعہ کی خلافت سے کی ہے اور عقل بھی اسی پر دلالت کرتی ہے ۔ کیونکہ ریاست کی میعاد تو ۳۰ سال نہیں ہے یہ تو خلفاء کی ایسی خلافت سے متصف ہے جو ملک عضوض سے مطابقت نہ رکھتی تھی پس یہ خلافت ممدوح تھی اور جو خلافت غصب و جور کی ہوتی ہے وہ ممدوح نہیں ہوتی ۔ الخ (ازالۃ الخفا مترجم جلد دوم فصل ہفتم صد۴۰۲) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کے تحت حضرت شاہ صاحب دہلوی نے جو تفصیل فرمائی ہے ۔ اور ۳۰ سالہ خاص خلافت میں خلفائے اربعہ حضرت ابو بکر صدیق ۔ حضرت عمر فاروق ۔ حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو شامل کیا ہے ۔ تو کیا اس کے بعد بھی حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو خلافت نبوت اور خلافت رحمت نہ تسلیم کرنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے اور یہاں حضرت شاہ صاحب نے حضرت سفینہؓ صحابی کے جس ارشاد کا ذکر کیا ہے وہ وہی ہے جو شیخ التفسیر حضرت اعلیٰ لاہوریؒ کی کتاب "حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب" کے حوالہ سے سابقہ صفحات میں مذکور ہو چکا ہے ۔

ستم ظریفی

سواد اعظم اہل السنت والجماعت کے نزدیک تو حضرت علی المرتضیٰ چوتھے خلیفہ راشد ہیں اور پہلے خلفائے ثلثہ کے بعد سوائے انبیائے کرام علیہم السلام کے باقی تمام اولاد آدم سے افضل ہیں ۔ لیکن محمود احمد عباسی صاحب کے ایک مقلد ابو یزید بٹ نے لکھا ہے کہ :

۱۔ یہ تاریخی حالات واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ امیر المومنین یزید کی خلافت سیدنا علیؓ کی خلافت سے بوجہ خانہ جنگی کے بدرجہا اولیٰ اور اعلیٰ صفات کی حامل تھی "۔ (رشید بن رشید صد۲۳)

۲۔ اور محمود احمد عباسی کی ایک اور تحقیق بھی ملاحظہ فرمایئے ، چنانچہ لکھتے ہیں کہ :۔ حضرت طلحہ و زبیر کے بیٹوں اور عزیزوں کے بارے میں یہ الفاظ کہیں نہیں ملتے " کہ حضرت عثمان رضؓ کی محصوری کے زمانے میں آپ لوگ مدینہ سے باہر چلے جائیں حضرت علیؓ ہی کے بارے میں ان کے صاحبزادے اور چچیرے بھائی کے منہ سے ملتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی حضرت عثمان سے مخالفت اسی قدر نمایاں تھی کہ ان کے عزیز قریب ان کا مدینہ میں رہنا اس نازک وقت میں مناسب نہ سمجھتے تھے مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ قتل کی سازش میں شریک تھے کوئی ثبوت نہیں ہے (تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید) صد۸۴ طبع اول) کتنا بڑا جھوٹ ہے ۔ یہ قول کہ حضرت علیؓ کی حضرت عثمان رضؓ سے مخالفت اس قدر نمایاں تھی "۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ سے بدظن کرنے کے لئے عباسی صاحب کس قسم کی الزام تراشیاں کرتے ہیں ؟

(ب) اگر ان حضرات کی باہمی مخالفت اس قدر نمایاں تھی تو پھر یہ احتمال مخالف نکال سکتا ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ کے قتل کی سازش میں حضرت علی رضؓ بھی شریک تھے۔ العیاذ باللہ اور جو یہاں عباسی صاحب کہہ رہے ہیں یہی بات تو شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے مخالف تھے نہ کہ موافق اور آپ کی خلافت کو بھی خلافت شیخین (حضرت صدیق رضؓ اور حضرت فاروق رضؓ) کی طرح از روئے تقیہ" مانا تھا نہ کہ رضاء و رغبت سے "

۳۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی عباسی صاحب نے ایک عیسائی مؤرخ کا قول پیش کیا ہے کہ: " حسینؓ کے دور اندیش دوستوں نے لاکھ منت سماجت کی کہ ایسی خطرناک مہم کے اندر ناعاقبت اندیشانہ اپنے آپ کو جوکھم میں نہ ڈالیں مگر حضرت حسین رضؓ نے حبّ جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لا تعداد خطوط کی فخریہ طور پر نمائش کرتے رہے اور جن کی تعداد جیسا کہ شوخی سے کہتے تھے، کہ ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی (خلافت معاویہ و یزید صد ۱۹۴) لیکن سواد اعظم اہل السنت والجماعت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام کو نیک نیت اور مخلص مانتے ہیں جیسا کہ کتاب و سنت کی تصریحات سے ثابت ہے۔ اور حضرت امام حسین رضؓ تو حضرت امام حسن رضؓ کی طرح جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، جیسا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ

(مشکوٰۃ شریف) اور حضرت علی المرتضیٰ ہوں یا حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت حسنؓ ہوں یا حضرت حسینؓ اہل السنت والجماعت کے عقیدہ میں ان حضرات کی محبت ایمان کا جزو ہے کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

حسین منی و انا من حسین احبّ اللّٰہ من احبّ حسینا۔ حسین سبط من الاسباط رواہ الترمذی (حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ جو شخص حسینؓ سے محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے۔ حسین میری بیٹی کی اولاد میں سے ہیں۔"

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ دونوں کے متعلق فرمایا: اللّٰھم انی احبھما و احبھما و احبّ من احبّھما رواہ الترمذی (اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں اور تو بھی ان دونوں سے محبت رکھ اور اس شخص سے بھی محبت رکھ جو ان دونوں سے محبت رکھتا ہے)

۳۔ عن انس قال سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای اھل بیتک احبّ الیک قال الحسن والحسین و کان یقول لفاطمۃ ادعی لی ابنی فیشمھما و یضمھما الیہ رواہ الترمذی (حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کو اپنے اہل بیت (گھر والوں) میں سے کون سب سے زیادہ پیارا ہے؟ تو فرمایا: حسنؓ اور حسینؓ اور حضورؐ حضرت فاطمہ رضؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے دونو بیٹوں کو میرے پاس بلا لو۔ پھر آپ پیار سے ان دونوں کو سونگھتے اور گلے سے لگاتے۔" تو جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دونوں نواسے اتنے پیارے ہیں تو اہل ایمان کو کیوں پیارے نہ ہوں گے اور جب خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ جو شخص ان دونوں سے محبت رکھتا ہے تُو بھی اس سے محبت رکھ، تو پھر کون مومن ایسا ہو سکتا ہے جو ان دونوں کی محبت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا خواہشمند نہ ہو۔

حُبِ اہل بیت اور اکابر کے ارشادات

شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحؒ فرماتے ہیں کہ:

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب ایران فتح ہوا تو وہاں سے کچھ شہزادیاں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہٗ کے حضور میں بھجوا دیں اور فرمایا کہ "یہ شہزادیاں شہزادوں کے لائق ہیں۔" (مجلس ذکر حصہ سوم صد ۱۰۴ مورخہ ۱۷ مئی ۵۶ء)

۲۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابنی ھذا سیّد و لعلّ اللّٰہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین (میرا یہ بیٹا سیّد (سردار) ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دیگا) اور دونو صاحبزادوں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بارے میں فرمایا: سیّدا شباب اھل الجنۃ الحسن والحسین (اہل جنت کے جوانوں کے سردار امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس کی وجہ سے صاحبزادوں کو سیّد کہا جانے لگا، پھر ان کی اولاد

کو بھی یہی لقب دیا گیا۔ جیسے قاضی کی اولاد کو قاضی اور راجاؤں کی اولاد کو راجہ کہا جاتا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ اور قاعدہ ہے ماں باپ کو چھوٹی اولاد سے زیادہ محبت ہوتی ہے، اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ، سے بہت زیادہ محبت تھی جتنی کہ اور صاحبزادیوں سے نہ تھی۔ آپ نے فرمایا ہے کہ فاطمۃ بضعۃ منّی یریبنی ما اراہا و یوذینی ما اذاہا (فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس چیز سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے اور جو چیز اس کو ستاتی ہے مجھ کو بھی ستاتی ہے ——
مسلمان ہمیشہ اسی بنا پر حضرت فاطمہ کی اولاد سے محبت کرتے رہے اور احترام کی نظر سے دیکھتے رہے۔ الخ (ملفوظات شیخ الاسلام مرتبہ مولانا ابوالحسن صد۱۴۳)

۳۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: عدم محبت اہل بیت خروج است و تبرّی از اصحاب رفض و محبت اہل بیت با تعظیم و توقیر جمیع اصحاب کرام تسنن۔ محبت اہل بیت جزو ایمان است —— محبت اہل بیت سرمایہ اہل سنت است، (یعنی جو شخص اہل بیت سے محبت نہیں رکھتا وہ خارجی ہے اور جو صحابہ کرام سے بیزاری اور مخالفت رکھتا ہے وہ رافضی شیعہ ہے اور جو محبت اہل بیت کے ساتھ تمام صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر کرتا ہے وہ سُنّی ہے ——————
اہل بیت کی محبت ایمان کا جزو ہے۔ محبت اہل بیت اہل سنت کا سرمایہ الخ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد دوم)

(ب) نیز حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ: محبت امیر رفض نیست تبرّیٰ از خلفائے ثلثہ رفض است (یعنی حضرت امیر علی المرتضیٰ سے محبت کرنے کا کام شیعیت نہیں ہے بلکہ خلفائے ثلثہ سے بیزاری اور عناد رکھنا ہی رفض اور شیعیت ہے۔ (ایضاً صد۵۲)

حضرت مجدد صاحب کے متعلق حضرت لاہوریؒ کی عقیدت یہ ہے کہ فرمایا:
حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ انسان ہر کافر فرنگ، اور کو اپنے آپ سے بدرجہا بہتر سمجھے، ہم ان کو مجدد مانتے ہیں اور یہ ان کا حال ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد ہو گا جو دین کو زندہ کرے گا۔ ان کے مجدد ہونے پر امت کا اجماع ہے۔" (مجلس ذکر حصہ ہفتم صد۱۲۶ مورخہ ۲۳ اگست ۵۷ء)

۴۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں:۔ اہل بیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے حق میں چشم و چراغ ہیں۔ ہمارے نزدیک اعتقاد اصحاب اور حب اہل بیت دونوں کے دونوں ایمان کے لیے بمنزلہ دو پر کے ہیں

دونوں ہی سے کام چلتا ہے، جیسے ایک پر سے طائر بلند پرواز نصف پرواز تو کیا، ایک بالشت بھی اڑ نہیں سکتا۔ ایسے ہی ایمان بھی ہے ان دو پروں کے سہارے کے موجب مقصود (جس کی طرف اولٰئک ھم الفائزون تا فاز فوزاً عظیماً وغیرہ میں اشارا ہے) نہیں ہو سکتا۔ الخ (ہدیۃ الشیعہ صد۲۲۴ طبع جدید)

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں سورۃ الاحزاب کی آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا ٥ میں اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو فرمایا گیا ہے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کو اہل بیت قرار دینا کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ آیت میں اہل بیت کا خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک کے لیے ہے، لیکن صحیح مسلم اور ترمذی شریف سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ حضرت فاطمہؓ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو اپنی چادر میں لے کر یہ دعا کی تھی : اللھم ھولاء اھل بیتی فا ذھب عنھم الرّجس ۔ الخ

اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں پس تو ان سے ناپاکی کو دور کر دے ۔ الخ

تو جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔ ان چار حضرات کو خصوصیت کے ساتھ اپنی رحمت کی چادر میں لے کر اپنی دعا میں ان کو اہل بیت فرمایا ہے تو ہم اہل سنت ارشاد رسالت کے تحت ۔ کیوں نہ ان حضرات کو اہل بیت کہیں ۔ آیت میں چونکہ حضور کی بیویوں کے بارے میں و یطھرکم تطھیراً فرمایا گیا ہے اس لئے اہل السنت والجماعت ازواج کے مطہرات کا لفظ استعمال کرتے ہیں ۔ اور چونکہ حدیث کے الفاظ میں مذکورہ چاروں حضرات کو بھی اہل بیت فرمایا گیا ہے اس لیے ان کو عموماً اہل بیت سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اور قرآن و حدیث کے مفہوم میں کوئی تضاد نہیں ہے ۔ حضرت نانوتوی فرماتے ہیں کہ :۔ باقی رہیں ازواج مطہرات جو امہات مومنین یعنی سب مسلمانوں کی مائیں ہیں ۔ ان کی نسبت جو کچھ حضرات شیعہ ثنا خواں ہیں سب ہی جانتے ہیں حالانکہ اصل اہل بیت وہی ہیں ۔ کیونکہ اول تو اہل بیت کے معنی بعینہٖ اہل خانہ ہے ۔ (گو کچھ نہ جانتے ہوں) مولوی عمار علی صاحب بھی جانتے ہونگے (یہ وہ شیعہ مولوی ہیں جن کے سوالات کا جواب حضرت نانوتوی دے رہے ہیں) دوسرے لفظ اہل بیت جو کلام اللہ میں واقع ہوا ہے تو ازواج مطہرات ہی کی شان میں وارد ہوا ہے ۔ گو حضرت علیؓ اور حضرت زہراؓ اور حضرات حسنینؓ بھی بوجہ عموم لفظ یا بہ سبب التجا ہیں ۔ حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت ہونے کی فضیلت میں داخل ہو گئے ہیں ۔ الخ (ایضاً صفہ ۲۲۶ / ۲۲۷) نیز فرماتے ہیں کہ :

اس تقریر سے سب پر واضح ہو گیا کہ کلام اللہ سے جو ازواج کا اہل بیت ہونا اور حدیث سے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اجمعین

کا اہل بیت ہونا ثابت ہوتا ہے ، سب صحیح اور درست ہے ۔ اگرچہ شیعوں کی سمجھ میں نہ آتا ہو ۔ الخ (ایضاً صد ۲۲۸) حضرت نانوتویؒ چونکہ ایک شیعہ مجتہد کو جواب دے رہے ہیں اس لیے اہل بیت کے مفہوم کے سلسلہ میں ان پر الزام رکھ دیا ہے ۔ لیکن یہ بھی امر واقع ہے کہ عباسی پارٹی بھی مسلک اہل السنت والجماعت

کے خلاف اہل بیت صرف ازواج مطہرات کو کہتے ہیں اور حضرت علی رضؓ مذکورہ حضرات کو اہل بیت سے خارج کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ محمود احمد عباسی نے ان احادیث کو وضعی (من گھڑت) قرار دیا ہے جن سے ان حضرات کا بھی اہل بیت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔ سیاسی اغراض کی خاطر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی قرابتداروں کو اہل بیت میں شامل کرنے کے لیے حدیثیں وضع ہوئیں ــــ الخ (خلافت معاویہ و یزید مؤلف طبع سوم صد۳۵)

عباسی صاحب کی تصانیف سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کے بارے میں ان کا نظریہ مسٹر غلام احمد پرویز کا سا ہے کہ جو حدیث وہ اپنے مشن کے خلاف پاتے ہیں اس کو بلا تامل وضعی اور من گھڑت قرار دے دیتے ہیں۔ خواہ سارے محدثین امت اس کو صحیح قرار دیں۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ازالۃ الخفاء کی عبارت کا مطلب بیان کرنے میں جس طرح عباسی صاحب نے مہارت دکھائی ہے (جس کی بحث پہلے گزر چکی ہے) حالانکہ حضرت شاہ صاحب نے وہاں بعض قرآنی آیات کی تشریح فرما کر اس کا مصداق متعین کیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تاریخی واقعات کے نقل کرنے اور ان کے مطالب بیان کرنے میں انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا ہوگا اور اس جدید خارجی فتنہ کے اثرات سے بعض علماء بھی محفوظ نہیں رہے اور حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہ رضؓ کے اختلاف و نزاع میں وہ بھی محققین اہل سنت کے مسلک اعتدال سے ہٹ کر افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں چنانچہ ایک مصنف عالم کو حضرت معاویہؓ کی عقیدت میں اتنا غلو ہو گیا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضؓ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرنے کو بھی برداشت نہیں کرتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

۱۔ حضرت معاویہ رضؓ کا یہ موقف تھا جس کی صحت میں شرعاً یا عقلاً کسی طرح کلام کی گنجائش نہیں۔ علمائے سلف ان کے موقف کو سمجھتے تھے۔ لیکن بعد کے سطح بین و مورخین نے ان کے اس موقف کو سمجھے بغیر اس اقدام کو ان کی خطاءِ اجتہادی سے تعبیر کر دیا۔ اس کی شہرت اتنی ہوئی کہ بعض علمائے محققین بھی اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے اور اسے خطائے اجتہادی کہنے لگے حالانکہ کسی دلیل شرعی یا عقلی سے ان کی غلطی ثابت نہیں ہوتی۔ الخ (اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت جلد دوم صد۱۸۸)

۲۔ یہاں اس دستوری نکتہ کی وضاحت لازم ہے، جس کی طرف عام طور پر مورخین اور متاخرین کا نہیں گیا کہ ان سب حضرات کا بیعت سے انکار خلافت مرتضوی تسلیم کرنے سے انکار کے مترادف نہیں تھا۔ الخ (ایضاً حاشیہ صد ۱۸۷)

۳۔ محمود احمد عباسی کی طرح مصنف موصوف بھی حضرت علی رضؓ کی خلافت کو منتقل نہیں سمجھتے بلکہ ہنگامی اور عبوری قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ: ان حالات پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی رضؓ کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق تھے لیکن ان کی خلافت کی نوعیت ہنگامی (EMERGENCY) خلافت کی تھی جس میں پورے عالم اسلام کے

نمائندے شریک نہ تھے۔ اور ان کی اکثریت نے اپنا حق رائے دہی استعمال نہیں کیا تھا۔ اس صورت میں شرعاً و عقلاً ہر طرح لازم تھا کہ مناسب حالات پیدا ہونے کے بعد استصواب رائے عامہ کیا جاتا۔ الخ (ایضاً صـ۱۸۳)

۴۔ حضرت معاویہؓ کی رائے کو بہ نسبت حضرت علیؓ کی رائے کے زیادہ صحیح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: دونو حضرات کی رائے اپنی اپنی جگہ صحیح تھی اور ان کے درمیان صحیح و غلط یا خطاء و صواب کا تقابل نہ تھا لیکن اگر اس وقت سے لے کر موجودہ زمانہ تک کے واقعات اور تبعی کردار سے استفسار کریں تو ان کا متفقہ جواب یہ ہو گا۔ کہ حضرت علیؓ کی رائے صحیح ضرور تھی مگر حضرت معاویہؓ کی رائے یعنی نسبتاً زیادہ صحیح تھا (صـ۲۰۲)

۵۔ حقیقت یہ ہے کہ بظاہر واقعات کو دیکھنے کے بعد ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچیگا کہ حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے میں عجلت فرمانا حضرت علیؓ کی شرعی نہیں بلکہ سیاسی غلطی تھی، لیکن اس سے نہ ان کی دینی عظمت میں فرق آتا ہے نہ ان کے حق ہونے پر کوئی حرف، وہ معصوم نہ تھے اگر ان سے ایک سیاسی غلطی ہو گئی تو نہ یہ لائق تعجب ہے نہ کوئی عیب۔ الخ (ایضاً اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت جلد دوم صـ۱۹۳)

عالم موصوف کی مندرجہ عبارات پر تبصرہ کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے صرف اس لیے یہاں نقل کر دی ہیں کہ حضرات علمائے اہل سنت اس جدید فتنہ کے اثرات کا جائزہ لیں اور ان سے مسلمانان اہل السنت والجماعت کو بچانے کی کوشش کریں۔

حسین و یزید حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے ہیں۔ گزشتہ اوراق میں ان کی محبوبیت و عظمت کے متعلق بعض احادیث نقل کر دی گئی ہیں۔ یزید کے خلاف آپ نے جو اقدام کیا اس میں آپ حق پر تھے اور اپنے موقف پر استقامت کے نتیجہ میں آپ کو مقام شہادت نصیب ہوا ہے، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

حضرت امام حسین کی شہادت کے ثبوت اور مخالفین کے اعتراضات کے جواب میں بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے مفصل محققانہ مکتوب کا مطالعہ ضروری ہے اور امام حسین اور یزید کے مسئلہ پر خود شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ کا مکتوب مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول میں شائع ہو چکا ہے جس میں حضرت نانوتوی کے طویل مکتوب کے بھی اقتباسات درج فرما دیئے ہیں اور حضرت نانوتوی کا یہ مفصل مکتوب گرامی حضرت کے مجموعہ مکاتیب قاسم العلوم میں شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ محمود احمد عباسی اور اظہار حقیقت کے مصنف موصوف یزید کو صالح عادل خلیفہ تسلیم کرتے ہیں اور اس موقف کی تائید میں عباسی نے اپنی تصانیف میں مفصل بحث کی ہے لیکن حضرات اکابر کا موقف ان سے بالکل جدا ہے اور وہ یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بطور نمونہ حسب ذیل عبارات قابل ملاحظہ ہیں:

(۱) امام ربانی حضرت مجدّد الف ثانی فرماتے ہیں :- یزید بے دولت از زمرۂ فسقہ است توقف در لعنت او بنا بر اصل مقرر اہل سنت است کہ شخص معین را گرچہ کافر باشد تجویز لعنت نہ کردہ اند مگر آنکہ بیقین معلوم کنند کہ ختم او بر کفر بودہ کابی لہب الجہنمی و امرأتہ نہ آنکہ او شایان لعنت نیست ۔ الخ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول صد ۲۷۴ مکتوب نمبر ۲۴۹)

یزید بے نصیب فاسقوں کے گروہ میں شامل ہے اس پر لعنت کرنے میں توقف اہل سنت والجماعت کے ایک مقررہ اصول کی بنا پر کیا جاتا ہے کہ جب تک کسی شخص کے متعلق یہ نہ معلوم ہو کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے مثل ابولہب جہنمی اور اس کی عورت کے ۔ اس وقت تک کسی شخص پر لعنت جائز نہیں ہے ، خواہ وہ کافر ہی نہ ہو ، نہ اس وجہ سے توقف ہے کہ وہ لعنت کا مستحق نہیں ہے ۔" (ایضاً جلد اول مکتوب نمبر ۲۶۶ - صد ۳۳۰)

۲ - حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ (جن کے متعلق شیخ التفسیر حضرت لاہوری ؒ فرماتے ہیں کہ :- حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا جامعیت میں کوئی ہم پلّہ نہیں ۔ علمائے کرام اور اولیائے عظام تو بڑے بڑے گزرے ہیں مگر جامعیت میں جو ان کا مرتبہ ہے وہ کسی کو حاصل نہیں (مجلس ذکر حصہ ہشتم صد ۱۰۵ - ۵ دسمبر ۵۷ء) بارہ خلفاء والی پیشن گوئی کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں :- و یزید بن معاویہ خود ازیں میان ساقط است بجہت عدم استقرار او و سوء سیرت او ۔ واللہ اعلم (قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین صد ۲۴۱ - ناشر حاجی فقیر محمد اینڈ سنز قصہ خوانی بازار پشاور) اور یزید بن معاویہ رضؓ ان کے درمیان سے ساقط ہے بوجہ اس کے ، کہ معتدبہ مدت تک اس کی سلطنت مضبوط نہیں ہوئی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ بری سیرت رکھتا تھا (واللہ اعلم) اور یزید کی سلطنت کے عدم استقرار کے متعلق علامہ ابن تیمیہ ؒ بھی فرماتے ہیں :-

ولکنہ مات و ابن الزبیر و من بایعہ بمکۃ خارجون عن طاعتہ لم یقوم علی جمیع بلاد المسلمین ۔ الخ (منہاج السنۃ جلد دوم صد ۲۳۹ مطبوعہ مصر) لیکن یزید اس حالت میں مرا کہ (حضرت) ابن الزبیر رضؓ اور وہ لوگ جنھوں نے مکہ میں آپ کی بیعت کی تھی ۔ یزید کی اطاعت سے باہر تھے ۔ اور مسلمانوں کے تمام شہروں پر اس کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی) ب : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے تحت حضرت شاہ ولی اللہ محدث یزید کو دعاۃ الضلال (گمراہی کی طرف بلانے والوں) میں شمار کرتے ہیں ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :- اور گمراہی کی طرف بلانا ، ان میں سے ملک شام میں یزید تھا اور عراق میں مختار وغیرہ ذلک ۔ الخ (حجۃ اللہ البالغہ مترجم اردو صد ۱۲ از مولانا عبدالحق حقانی)

۳ - محمود احمد عباسی اپنے نظریہ کی تائید میں علامہ ابن تیمیہ ؒ کے اقوال پیش کرتے ہیں حالانکہ علامہ مرحوم یزید کو ایک بادشاہ مانتے ہیں نہ کہ صالح خلیفہ ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :- و نخیر من الحجاج بن یوسف فانہ اظلم من یزید باتفاق الناس یزید و امثالہ من الملوک ان یکونوا فساقاً

الفاسق المعین لست مامورا بها ۔ (منہاج السنۃ جلد دوم ص۲۵۱) یعنی یزید حجاج بن یوسف سے بہتر ہے ۔ کیونکہ وہ یزید سے زیادہ ظالم ہے اور اس پر سب لوگوں کا اتفاق ہے ، علاوہ ازیں یہ کہا جائے گا کہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یزید اور اس کی مثل دوسرے بادشاہ فاسق تھے ۔ لیکن معیّن فاسق پر لعنت کرنے کا شریعت نے حکم نہیں دیا الخ حجاج کو یزید سے زیادہ ظالم کہنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ گو یزید بھی ظالم تھا لیکن حجاج اس سے زیادہ تھا ۔

(ب) اور حجاج کے متعلق علامہ ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں : و کان الحسن البصری یقول ان الحجاج عذاب اللہ فلا تدافعوا عذاب اللہ بایدیکم ولکن علیکم بالاستکانۃ والتضرع (ایضاً ص۲۴۱) اور امام حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ حجاج تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے ۔ اس لئے تم اس کو اپنے ہاتھوں کے ذریعے نہ ہٹاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عاجزی اور زاری کرنے کے ذریعہ اس عذاب کو ہٹاؤ ۔"

(ج) علامہ ابن تیمیہ حضرت امام حسینؓ کو شہید مانتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ :۔ واما مقتل الحسین رضی اللہ عنہ فلا ریب اللہ قتل مظلوماً شہیدا کما قتل اشباھہ من المظلومین الشہداء و قتل الحسین للہ

اصیب بھا المسلمین من اھلہ و

غیر اھلہ و ھو فی حقہ شھادۃ لہ و رفع درجۃ و علو منزلۃ ۔ الخ (ایضاً جلد دوم ص۲۴۷) یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہٗ بلا شک شہید ہیں ، جو ظلماً قتل کئے گئے ہیں ، جیسا کہ آپ کی طرح دوسرے مظلوم شہداء قتل کئے گئے ہیں ۔ اور حضرت حسینؓ کو قتل کرنے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پائی جاتی ہے ۔ ان لوگوں کی طرف سے جنھوں نے آپ کو قتل کیا ہے یا آپ کے قتل پر اعانت کی ہے یا ان کے قتل پر راضی ہوتے ہیں ۔ اور یہ ایک مصیبت ہے جو تمام مسلمانوں کو پہنچی ہے خواہ آپ کے گھر والے ہوں یا دوسرے اور وہ آپ کے حق میں ایک شہادت اور درجہ اور مرتبہ کی بلندی ہے ۔ الخ

(د) نیز علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں : والحسن و الحسین من اعظم اھل بیتہ اختصاصاً بہ کما ثبت فی الصحیح انہ ادار کساءہ علی علیؓ و فاطمہ و حسن و حسین ثم قال اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا (ایضاً ص۲۵۰) یعنی حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے زیادہ عظمت والے اور حضورؐ کے ساتھ خصوصیت رکھنے والے ہیں ۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے ، کہ حضورؐ نے اپنی چادر حضرت علیؓ ، فاطمہؓ ، حسنؓ اور حسینؓ پر لپیٹی اور فرمایا ، اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ، پس تو ان سے رجس (پلیدی) کو دور کر دے اور ان کو بہت زیادہ پاک کر دے ۔" یہ وہی اللھم ھؤلاء اھل بیتی والی حدیث ہے ، جس کو علامہ ابن تیمیہؒ صحیح کہتے ہیں اور محمود احمد عباسی اس کو وضعی (من گھڑت) قرار دیتے ہیں ۔

۴۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں : یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے

دوسرے صحابہ نے جائز سمجھا۔ حضرت امام نے ناجائز سمجھا اور اکراہ میں جائز تھا مگر واجب نہ تھا اور بالحق ہونے کے سبب یہ مظلوم تھے، اور مقتول مظلوم شہید ہوتا ہے، شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہم اسی بنائے مظلومیت پر ان کو شہید مانیں گے۔ باقی یزید کو اس قتال میں معذور نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا ہے خصوصاً جب کہ حضرت امام آخر میں فرمانے بھی لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا۔ اس کو تو عداوت ہی تھی۔ چنانچہ امام حسین رضہ کے قتل کی بنا یہی تھی اور مسلّط کی اطاعت کا جواب الگ بات ہے مگر مسلّط ہونا کیا جائز ہے خصوصاً نا اہل کو، اس پر خود واجب تھا کہ معزول ہو جاتا۔ پھر اہل حل و عقد کسی اہل کو خلیفہ بنا لیتے۔"
(امداد الفتاویٰ۔ جلد ۴ صہ ۶۵)

۵۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی فرماتے ہیں: خلاصہ کلام یہ کہ مورخین میں سے ان لوگوں کا قول کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کے زمانہ حیات میں یزید معلن تھا اور ان کو اس کی خبر تھی اور پھر انہوں نے اس کو نامزد کیا۔ بالکل غلط ہے۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت میں خفیہ طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہو مگر ان کو اس کے فسق و فجور کی اطلاع نہ ہو۔ ان کی وفات کے بعد وہ کھیل کھیلا اور جو کچھ نہ ہونا چاہیئے تھا کر بیٹھا۔" (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول صہ ۲۸۵)

(ب) نیز فرماتے ہیں: علاوہ ازیں فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ اس وقت تک مجمع علیہ نہیں ہوا تھا۔ حضرت امام حسین رضہ اور ان کے متبعین کی رائے یہ تھی کہ وہ معزول ہو گیا اور اس بنا پر اصلاح امت کی غرض سے انہوں نے جہاد کا ارادہ فرمایا پھر باوجود اس کے ... کا مسئلہ تو آج بھی متفق علیہ ہے یعنی اگر خلیفہ نے ارتکاب فسق کیا تو اصحاب قدرت پر اس کو عزل کر دینا اور کسی عادل متقی کو خلیفہ کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے عزل اور .... سے مفاسد مصالح سے زائد نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہٗ اور ان کے اتباع کی رائے میں مفاسد زیادہ نظر آئے وہ اپنی بیعت پر قائم رہے اور اہل مدینہ نے عموماً بعد از بیعت اور واپسی ایسا محسوس نہیں کیا اور سبھوں نے خلع کیا جس کی بنا پر وہ قیامت نیز واقعہ حرّہ نمودار ہوا۔ جس سے مدینہ منورہ اور مسجد نبوی اور حرم محترم کی انتہائی بے حرمتی اور تذلیل ہوئی۔ کیا مقتولین حرّہ کو شہید نہیں کہا جائے گا۔"
(ایضاً مکتوبات شیخ الاسلام صہ ۲۸۷)

۶۔ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحؒ ایک عالم ربّانی ہیں جو اپنے دور میں سنّی شیعہ نزاعی مسائل کی تحقیق میں ایک خاص بصیرت اور اجتہادی شان رکھتے ہیں اور آپ کی تصانیف صدیوں تک ان مسائل میں اہل سنت والجماعت کی رہنمائی کرتی رہیں گی انشا اللہ تعالےٰ۔ مولانا موصوف نے ایک کتاب تطہیر الجنان کا ترجمہ بنام تنویر الایمان لکھا ہے۔ تطہیر الجنان کے مصنف علامہ ابن جوزی شافعی

متوفی ۹۹۰ھ یا بقول بعض ۹۷۵ھ ہیں۔ امام اہل سنت اپنے ترجمہ تنویر الایمان کے دیباچہ میں لکھتے ہیں : اما بعد واضح ہو کہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تطہیر الجنان حضرت معاویہ رضؓ کے مناقب میں ایک مشہور اور بے نظیر کتاب ہے اور اس کتاب کی ضرورت ہندوستان میں اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے بادشاہ ہمایوں کی درخواست پر یہ کتاب "تالیف ہوئی۔ تطہیر الجنان میں ایک جگہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن حزم انصاری سے فرمایا کہ :۔ خلافت کے لئے میرے اور دوسرے صحابہ کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا، اور میرا بیٹا ان کے بیٹوں سے زیادہ مستحق ہے" (تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان صد ۱۰۰) اس روایت کے حاشیہ پر امام اہل سنت نے لکھا ہے کہ : استحقاق کی یہ وجہ نہ تھی کہ خلیفہ کا بیٹا خلافت کا حقدار ہے ورنہ خلفائے راشدین کی اولاد خلافت کی مستحق ہوتی، بلکہ یہ وجہ تھی کہ محبت پدری کے باعث حضرت معاویہؓ کو یزید کے نیت باطن معلوم کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اور وہ اس کو صالح اور متدین سمجھتے رہے"۔

(ب) نیز امام اہل سنت مولانا لکھنوی رح اپنی کتاب ابوالائمہ یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کی مقدس تعلیمات صد ۲۳ پر لکھتے ہیں : حضرت علی رضؓ کے فرزند حضرت حسین رضؓ کا واقعہ کربلا سبق لینے کے لئے کافی ہے کہ ایک فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہ کی، اور اپنی آنکھوں کے سامنے تمام خاندان کو کٹوا دیا اور خود بھی جان دے دی۔ بھلا جس کے بیٹے کی استقامت و حمیّت کا یہ حال ہو اس کے باپ کی نسبت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ اس نے بخوف جان یا . . . دنیا ظالموں غاصبوں کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حاشا وکلاّ "۔

جہاد قسطنطنیہ کی پیش گوئی

عباسی صاحب اور ان کی پارٹی یزید کی حمایت میں صحیح بخاری کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم (بخاری کتاب الجہاد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (یعنی قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گا ان کے لیئے مغفرت ہے"۔ عباسی صاحب اس حدیث کے تحت قسطلانی شرح بخاری کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں :۔

کان اول من غزا مدینۃ قیصر یزید بن معاویۃ و معہ جماعۃ من سادات الصحابۃ بن عمر و ابن عباس و ابن الزبیر و ابی ایوب الانصاری حاشیہ صحیح بخاری (ترجمہ) مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر سب سے اول جہاد یزید بن معاویہ نے کیا اور ان کے ساتھ سادات جملہ شمل ابن عمر و ابن عباس و ابن الزبیر رضؓ اور ابو ایوب انصاری کی ایک جماعت تھی۔ (خلافت معاویہ و یزید صد ۲۹ طبع سوم دسمبر ۱۹۶۰ء) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث حضرت معاویہ اور ان کے فرزند امیر یزید کی منقبت میں ہے۔ ساتھ ہی محدث المہلب کا یہ قول نقل کیا ہے ۔

قال المهلب فی ھذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ لانہ اول من غزا البحر و منقبۃ لولدہ لانہ اول من غزا مدینۃ قیصر (حاشیہ صحیح بخاری جلد ا صد۴۱۰) ترجمہ: اس حدیث کے بارے میں (محدث) المہلب نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے (حضرت) معاویہؓ کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے ان کے فرزند (امیر یزید) کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا (خلافت معاویہ و یزید صد ۳۰)

یہاں پر بھی عباسی صاحب نے اپنی روایتی مہارت کا ثبوت دیا ہے کہ محدث المہلب کا قول تو نقل کر دیا لیکن اس قول کی تردید میں ہی جو عبارت ان شارحین حدیث نے لکھی ہے۔ اس کو ترک کر دیا۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی کے قول کے بعد لکھتے ہیں: و تعقبہ ابن التین و ابن المنیر ما حاصلہ انہ لا یلزم من دخولہ فی ذلک العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذ لا اھل العلم ان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم مغفور لھم مشروط بان یکونوا من اھل المغفرۃ اللہ من غزاھا بعد ذلک یدخل فی ذلک العموم اتفاقاً فعال علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرۃ فیہ (ترجمہ) اور المہلب کا تعاقب کیا ہے۔ ابن التین اور ابن المنیر نے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید کے اس پیشگوئی کے عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی اور خاص دلیل کی بنا پر اس سے خارج نہیں ہو سکتا کیونکہ اہل علم میں سے کوئی بھی اس میں اختلاف نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جہاد قسطنطنیہ میں شامل ہونے والے سب افراد بخش دیے گئے ہیں۔ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ مغفرت کے اہل ہوں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اس کے بعد ان میں سے مرتد ہو جائے تو وہ بالاتفاق اس بشارت میں داخل نہیں رہے گا لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لھم یعنی ان کے بخش دیئے جانے سے مراد وہی لوگ ہیں جن میں مغفرت کی یہ شرط پائی جائے"۔ قسطلانی شرح بخاری اور عمدۃ القاری المعروف بہ عینی شرح بخاری میں بھی یہی جواب لکھا ہے اگر عباسی صاحب فتح الباری کی پوری عبارت لکھ دیتے تو کتاب پڑھنے والوں کے سامنے المہلب محدث کے استدلال کا جواب بھی آ جاتا۔

۲۔ وہ دلیل خاص کیا ہے جس کی وجہ سے محدثین نے قسطنطنیہ والی بشارت سے یزید کو خارج قرار دیا ہے۔ سو بخاری شریف میں ہے:۔ قال ابوھریرۃؓ سمعت الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم ھلکۃ امتی علی ایدی غلیمۃ من قریش (بخاری کتاب) یعنی حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے صادق و مصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند قریش لڑکوں کے ہاتھوں ہو گی۔ حافظ ابن جوزی غلیمۃ کے لفظ کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت یطلق . . . والغلیم بالتصغیر علی الضعیف العقل . . . . . . والدین و لو کان محتلما و ھو المراد ھنا۔ (فتح الباری جلد ۱۳ صد۷) (میں کہتا

ہوں کہ ... اور غلیم (چھوٹا لڑکا) کا لفظ تصغیر کے ساتھ کبھی ضعیف العقل ضعیف اور ضعیف الدین پر بھی بولا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ جوان بھی ہو اور یہاں روایت میں یہی مراد ہے یعنی وہ عقل، تدبیر اور دین کے اعتبار سے کمزور ہوں گے" اور فتح الباری میں ہی حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت درج ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعوذ باللہ من امارۃ الصبیان قالوا و ما امارۃ الصبیان قال ان اطعتموھم ھلکم فی دینکم و ان عصیتموھم اھلکوکم باذھاق النفس او باذھاب المال او بھما (فتح الباری جلد ۱۳ صہ ۸ کتاب الفتن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لڑکوں کی حکومت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ لڑکوں کی حکومت کیا ہے تو فرمایا کہ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہلاک ہو گے۔ دین کے بارے میں اور اگر تم ان کا حکم نہ مانو گے تو وہ تمھیں ہلاک کر ڈالیں گے۔ یعنی تمہاری دنیا کے بارے میں جان لے کر یا مال چھین کر یا جان و مال دونو لے کر) نیز فتح الباری جلد ۱۳ میں ہی ہے: و فی روایۃ ابن ابی شیبۃ ابا ھریرۃ کان یمشی فی الاسواق و یقول اللھم لا تدرکنی سنۃ ستین و لا امارۃ الصبیان۔ اور ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ بازاروں میں چلتے پھرتے فرماتے تھے کہ اے اللہ ساٹھ ہجری کا زمانہ مجھ پر نہ گزرے۔ اور نہ لڑکوں کی حکومت (امارۃ الصبیان) مجھے پائے۔ اور فتح الباری جلد ۸ میں حافظ ابن حجر عسقلانی محدث نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی یہ روایت نقل کی کہ:۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یکون خلف من بعدہ ستین سنۃ اضاعوا الصلوۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میں نے یہ ارشاد سنا ہے کہ ۶۰ھ کے بعد ایسے خلف ہوں گے جو نمازوں کو ضائع کریں گے اور شہوات نفس کی پیروی کریں گے تو ایسے لوگ عنقریب جہنم کی وادی میں ڈال دیئے جائیں گے) اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ان دونوں روایتوں کی مراد بتلاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

و فی ھذا اشارۃ الی ان اول الاغیلمۃ کان فی سنۃ ستین یزید و ھو کذالک فان یزید بن معاویۃ استخلف فیھا و بقی الی سنۃ اربع و ستین فمات۔ اور اس سے اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ ان نوجوان لڑکوں میں پہلا نوجوان لڑکا ۶۰ھ میں یزید تھا اور وہ ایسا ہی تھا۔ کیونکہ یزید بن معاویہ ہی اس سن میں خلیفہ بنایا گیا تھا اور وہ ۶۴ھ تک باقی رہا۔ اس کے بعد فوت ہو گیا (فتح الباری جلد ۱۳ صہ ۹) اور علامہ عینی نے بھی امارۃ الصبیان والی حدیث کی شرح میں لکھا ہے: و اولھم یزید علیہ مایستحق و کان غالباً ینزع الشیوخ من امارۃ البلدان الکبار و یولیھا الاصاغر من اقاربہ (شرح البخاری جلد ۱۱) اور ان لڑکوں میں سے پہلا یزید ہے اس پر وہی پڑے جس کا وہ حقدار ہے وہ اکثر بڑوں کو بڑے بڑے شہروں کی امارت سے ہٹا کر اپنے اقارب میں سے چھوٹوں کو یہ امارت کے عہدے دے دیتا تھا) خلاصہ یہ کہ چونکہ دوسری احادیث کا مصداق یزید بنتا ہے، جن سے اس کی

مذمت پائی جاتی ہے۔ اس کے محدثین نے قسطنطنیہ والی بشارت کی حدیث سے یزید کو خارج کر دیا ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ مندرجہ بشارت والی حدیث اسی بخاری شریف میں ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا محمد حسین صاحب مدنی مدت العمر پڑھاتے رہے ہیں اور اس کی سند طلبا کو دیتے رہے ہیں، لیکن باوجود اس کے یہ حضرات یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس نے قسطنطنیہ کے لشکر میں حضرت عبداللہ بن الزبیر بھی تھے اور بعض روایات کے مطابق حضرت امام حسین رضؓ بھی تھے۔ لیکن باوجود اس کے یہ حضرات یزید کے مخالف رہے ہیں اگر وہ بھی مندرجہ بشارت کا مصداق یزید کو سمجھتے تو اس کی مخالفت کیوں کرتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحیح بخاری کی حدیث کا مندرجہ بشارت یزید کے بارے میں نص نہیں ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی بھی فرماتے ہیں کہ اسی طرح اس کو (یعنی یزید کو) یقیناً مغفور کہنا بھی زیادتی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی کوئی نص صریح نہیں۔ رہا استدلال حدیث مذکور سے وہ بالکل ضعیف ہے۔ کیونکہ وہ مشروط ہے۔ شرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور وہ امر مجہول ہے۔ چنانچہ قسطلانی میں بعد نقل قول مہلّب کے لکھا ہے: و تعقبہ ابن التین و ابن المنیر۔ الخ (امداد الفتاوی جلد پنجم صہ ۴۶۶)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حدیث بشارت کے الفاظ مغفور لہم سے یہ لازم نہیں آتا کہ لشکر کی ہمیشہ کے لئے مغفرت ہو گئی ہے کیونکہ اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے دوام سمجھا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس لشکر میں شامل ہونے والوں کے پہلے گناہ بخش دیئے گئے ہیں اور آئندہ جو کچھ وہ کریں گے اس کا معاملہ جدا ہے۔ برعکس اس کے اصحاب بدر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارت دی ہے۔

دی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم (اب جو چاہو عمل کرو، میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے) اس میں اعملوا ما شئتم اس بات کا قرینہ ہے کہ اصحاب بدر کی ہمیشہ کے لیے مغفرت ہو گئی ہے اور اس سے یہ نہ ہو کہ خواہ وہ گناہ کرتے رہیں۔ کیونکہ جن کے لئے ابدی مغفرت کا وعدہ فرما دیا۔ سے ایسے افعال کا صدور ہی نہیں ہو گا جو مغفرت کے منافی ہوں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح قرآن مجید اہل جنت کے لئے یہ فرمایا گیا ہے۔ ولکم فیہا ما تشتہی انفسکم (اور تمہارے لیے جنت میں وہ سب کچھ ہو گا، جو تمہارے نفس چاہیں گے) اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہ اگر گناہ کا ارتکاب چاہیں تو ان کو اس کی اجازت ہو گی کیونکہ جنت میں اہل جنت گناہ کی خواہش کر ہی نہیں سکیں گے۔

۲۔ قرآن مجید میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے جو رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ فرمایا گیا ہے اور سورۃ الفتح میں اصحاب بیعت رضوان کے لیے جو اعلان فرمایا ہے: لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ (کہ بالتحقیق

اللہ تعالےٰ ان مومنین سے راضی ہو گیا جو ایک درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے) تو اس سے کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیئے، کہ ان اصحاب کے لیئے اللہ تعالےٰ کی رضا مندی صرف اس وقت تک کے لیے تھی لیکن اس کے بعد کا معاملہ جدا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ راضی ہونے کا اعلان بندہ کے آئندہ کے حالات و اعمال کے پیش نظر کرتے ہیں۔ ورنہ اگر آئندہ چل کر انھوں نے اللہ تعالےٰ کی رضا کے خلاف افعال کا ارتکاب کرنا ہوتا تو اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہونے کا پہلے اعلان نہ فرماتے۔ بہر حال اعلان رضا اور وعدہ مغفرت میں بڑا فرق ہے یہاں امام حسین رضؓ اور یزید کی بحث میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ اکابر محققین اہلسنت کا مسلک مختصراً بیان کر دیا گیا ہے تا کہ نا واقف سنی مسلمان جدید خارجیت کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں، واللہ الھادی۔

حضرت لاہوری رحؒ اور سیاسی تحریکات

علمائے حق نے جہاں وراثت نبوی کے تحت دین و شریعت کی تبلیغ کی ہے وہاں دین و شریعت کے تحفظ و استحکام، غلبہ اور عروج کے لیے کفرو باطل کی طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزما بھی رہے۔ انگریزی استبداد کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ حریت جس میں اکابر دیو بند نے مجاہدانہ اور سرفروشانہ حصہ لیا تھا۔ ہمیشہ تاریخ ہند کی زینت رہے گی۔

اس کے بعد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب اسیر مالٹا قدس سرہٗ اور آپؒ کے رفقاء و تلامذہ نے فرنگی کافرانہ اقتدار کو ہٹانے کے لیے جو قربانیاں دی ہیں ہمیشہ صفحات تاریخ پر یادگار رہیں گی۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحؒ بھی انہی علمائے حق کی ایک یادگار ہیں جو ظالمانہ اقدار کے خلاف نبرد آزما رہے۔ دارالعلوم کے تاریخی اسلامی عظیم مرکز سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جو فیضان نصیب ہوا وہ جامعیت کے ساتھ آپ کی مبارک حیات میں پھیلا ہوا ہے۔ دہلی سے لا کر لاہور میں نظر بند کر دینا اور پھر لاہور ہی کو مرکز بنا کر ۴۰ سال سے زائد عرصہ تک دین و شریعت کا علمبردار بننا یہ حضرت کی ان خصوصیات میں سے ہے جس کی وجہ سے آپ کی شخصیت مینار علم و عمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چونکہ اس مقالہ میں حضرت شیخ التفسیر کے عقائد و نظریات، حالات و کمالات کا بیان مقصود ہے اس لیے حضرت لاہوری رحؒ کے اسلاف کرام نے متحدہ ہندوستان اسلام اور ملت اسلامیہ کی خدمت و حفاظت کے لیے جو قربانیاں دی ہیں ان پر مفصل تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ان تفصیلات کے لیے سیرت سید احمد شہید اور علمائے ہند کا شاندار ماضی اور علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے۔ مؤلفہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

حضرات علمائے ہند اور حضرت لاہوری رحؒ

۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیت علمائے ہند

قائم کی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب مراد آبادی مصنف "علمائے ہند کا شاندار ماضی" نے قیام جمعیت العلماء کے وجوہ اور حالات کے تحت جمعیت کی روئداد کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ:

۲۲ر نومبر ۱۹۱۹ء کو جب دہلی میں "خلافت کانفرنس" کا پہلا اجلاس اس غرض سے منعقد کیا گیا تھا کہ اتحادیوں سے عموماً اور حکومت برطانیہ سے خصوصاً ان وعدوں کے ایفاء کا مطالبہ کیا جائے جو مسلمانوں سے جنگ عمومی کے وقت کئے گئے تھے تو خلافت کے اس جلسہ میں علماء نے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ انہیں ایک رابطہ میں منسلک کیا جائے جن کی اجتماعی قوت کو ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے بالکل منتشر کر دیا تھا ہندوستان کی سیاست عمل محض خوشامد، چاپلوسی اور اظہار وفاداری پر محدود ہو چکی تھی گویا کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا سیاست دان وہ شخص سمجھا جاتا تھا جو حکومت مسلطہ کا سب سے بڑا وفادار ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ علمائے مذہب جو طبعاً خوشامدانہ چاپلوسی سے متنفر ہیں اور جو بڑے بڑے جابر بادشاہوں کے مقابلہ میں اعلائے کلمۃ الحق کے عادی رہے ہیں اس سیاست سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے نیز ۱۸۵۷ء میں علمائے حق کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کیا گیا تھا اور جس بے دردی کے ساتھ علمائے ہند کو پھانسی اور جلا وطنی کی وحشیانہ سزائیں دی گئی تھیں اس کا مقتضا قدرتاً یہ ہوتا تھا کہ علماء کو مجبوراً گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرنی پڑی۔ چونکہ مسلمانوں کی سیاست نے ۱۹۱۹ء میں پھر پلٹا کھایا اور خوشامد و چاپلوسی کی پالیسی تبدیل ہوئی تو علمائے امت نے دوبارہ سیاسی میدان عمل میں قدم رکھا اور جمعیت علمائے ہند کو قائم کیا گیا۔"

(جمعیۃ العلماء کیا ہے"۔ حصہ اول حاشیہ ص۹)

جمعیت علمائے ہند کا اصلی مقصد اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ اور دین خداوندی کے نظام حق کا نفاذ تھا۔ چنانچہ جمعیت علمائے ہند کے دستور العمل میں دفعہ ۳ کے تحت یہ لکھا گیا تھا کہ:

مذہبی نقطہ نظر سے اہل اسلام کی سیاسی اور غیر سیاسی امور میں رہنمائی کرنا۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف) اسلام، مرکز اسلام (جزیرۃ الاسلام و مستقر خلافت) شعائر اسلام، اسلامی قومیت کو ضرر پہنچانے والے اثرات کی شرعی حیثیت سے مدافعت کرنا۔ ب۔ مشترکہ مذہبی حقوق کی تحصیل و حفاظت اور مشترکہ مذہبی و وطنی ضروریات کو حاصل کرنا۔ ج۔ علماء کو ایک مرکز پر جمع کرنا۔ د۔ مسلمانوں کی تنظیم اور اخلاقی و معاشرتی اصلاح (ہ) غیر مسلم برادران وطن کے ساتھ ہمدردی اور اتفاق کے تعلقات اس حد تک قائم رکھنا جہاں تک شریعت اسلامیہ نے اجازت دی ہو۔ و۔ شرعی نصب العین کے موافق مذہب و وطن کی آزادی۔ ز۔ شرعی ضرورتوں کے لحاظ سے محاکم شرعیہ کا قیام۔ ح۔ اندرون ہندوستان اور بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کرنا۔ ط۔ بیرونی

ممالک کے مسلمانوں سے اسلامی اخوت و اتحاد کے روابط قائم رکھنا اور مستحکم کرنا۔
(جمعیۃ العلماء کیا ہے، حصہ اول حاشیہ ص۱۱)

چونکہ انگریز اس زمانہ میں سب سے بڑی طاقت رکھتا تھا اور اپنی عیاری اور مکاری سے مسلمانوں کی تقریباً ۸ سو سالہ حکومت کو ختم کر کے اس نے اپنا استبدادی پنجہ ہندوستان پر گاڑ رکھا تھا اور انگریز اسلام کا سخت ترین دشمن تھا اس لیے اس زبردست دشمن سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے جمعیت علمائے ہند نے بے نظیر قربانیاں دیں اور چونکہ انگریز کی غلامی میں ہندوستان کی ساری قومیں مبتلا تھیں اور انگریزی تسلط سے نجات حاصل کرنا اور اپنے ملک کو آزاد کرنا سب اہل ہند کا مشترکہ مقصد تھا اس لیے اس خاص مقصد یعنی آزادی ہند کے لیے جمعیت علمائے ہند نے ہندوؤں اور دوسری غیر مسلم قوموں سے اس حد تک اشتراک جائز رکھا جس سے دین و شریعت کے اصول کو نقصان نہ پہنچے۔ جیسا کہ جمعیت کے دستور العمل کی مندرجہ دفعات میں اس کی تصریح موجود ہے۔ جمعیت العلماء خود مستقل جماعت تھی اور اس کے اغراض و مقاصد بھی سب اسلامی اصول و عقائد کے ماتحت تھے۔ کانگریس سے جمعیت کا اشتراک صرف انگریزی اقتدار کے خاتمہ کے لیے تھا اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کانگرس نے کوئی ایسی قرار داد پاس کی یا کوئی ایسا طرز عمل اختیار کیا جو مقاصد اسلام کے خلاف تھا تو جمعیت علمائے ہند نے بلا خوف اس کی مخالفت کی، جس کی تفصیلات جمعیت العلماء کیا ہے: حصہ اول و حصہ دوم وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

جمعیت علمائے ہند کی شرعی قراردادیں

جمعیت علمائے ہند علمائے حق کی وہ عظیم تنظیم تھی، جس کی تبلیغ، تعلیم تنظیم اور ایثار و قربانی محض رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر تھی۔ اور جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ ارشادات ما انا علیہ و اصحابی اور علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین کی اتباع میں بلا خوف لومۃ لائم جدوجہد کرتی رہی۔ بطور نمونہ حسب ذیل قرار دادوں سے جمعیت العلمائے ہند کے موقف حق کا جائزہ لیا جا سکتا ہے:

۱۔ انگریز گورنمنٹ کی وفاداری اور اطاعت میں مرزا غلام احمد قادیانی دجال کی نبوت کاذبہ کی تحریک اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے لیے بہت خطرناک تحریک تھی جس کے انسداد کے لیے جمعیت علمائے ہند نے ایک سب کمیٹی قائم کی، جس نے ۶ر نومبر ۱۹۲۳ء کو بمقام دہلی یہ قرار داد پاس کی کہ:

انسداد فتنہ قادیانی کی کمیٹی کا یہ جلسہ خاص تجویز کرتا ہے کہ قادیانی جماعت اور لاہوری احمدی جماعت دونوں کا فتنہ اسلام کے لیئے ایک ہی نوعیت رکھتا ہے اور دونوں کے عقائد اسلام کے منافی ہیں۔ ان کے متعلق ایک فتویٰ احکام شرعیہ کی پوری تصریح کے ساتھ مرتب کیا جائے اور جمعیت علمائے ہند کے آئندہ سالانہ اجلاس میں پیش کیا جائے۔ فتویٰ مرتب کرنے کے لئے حضرات ذیل نامزد کئے جائیں: مولانا محمد انور شاہ صاحب۔ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب۔ مولانا

محمد سجاد صاحب۔ (جمعیت العلماء کیا ہے، حصہ دوم صـ۶۶)

۲۔ آریوں نے مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لیے جو شدھی کی کافرانہ تحریک چلائی تھی اس کے خلاف جمعیت علمائے ہند نے یہ تجویز پاس کی کہ:

جمعیت انتظامیہ کا یہ اجلاس آریوں کی تحریک شدھی اور اس کے عملی نظام کو اسلام اور اسلامی قومیت کے خلاف ایک سخت ترین سیاسی حملہ سمجھتا ہے اسلام اور مسلمانوں کے لیے اس سے زیادہ مصیبت نہیں ہو سکتی۔ کہ ایک کلمہ گو مسلمان کے سینے سے توحید و رسالت کا نور نکال کر کفر و شرک کی ظلمت بھر دی جائے۔ پس مسلمانوں کے لیے تحریک ارتداد سے زیادہ کوئی چیز قابل نفرت نہیں ہو سکتی اس لیے ان کا حتمی فرض ہے کہ وہ اس کی مداخلت میں اپنے تمام جانی و مالی ذرائع قربان کر دیں کیونکہ اس وقت کی ذرا سی غفلت بھی ہندوستان میں اسلام اور اسلامی قومیت کے لیے سمّ قاتل ہو گی۔ الخ (جمعیت العلماء کیا ہے، حصہ دوم صـ۶۲)

۳۔ خلافت اسلامیہ کی مرکزیت اور اس کے بقاء و استحکام کے لیے یہ قرار داد پاس کی گئی کہ:

جمعیت العلمائے ہند کا یہ اجلاس اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ حکومت ترکیہ کے انقطاع خلافت کے بعد سے اب تک منصب خلافت افسوس ناک طریقہ پر خالی ہے۔ مسلمانان عالم کی خواہش ہے کہ حکومت ترکیہ خلافت اسلامیہ کا مرکز رہے۔

کیونکہ ان کے خیال میں حکومت ترکیہ ہی اس کے لیے موزوں ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ حکومت ترکیہ خلافت اسلامیہ کا قوانین شرعیہ کے موافق ترکی میں منصب خلافت قائم کرے گی یا صدر جمہوریہ کے لیے حسب قوانین شرعیہ خلافت کا اعلان کرے گی۔ الخ (ایضاً صـ۱۰۴ اجلاس بمقام مراد آباد: مورخہ ۱۱ر جنوری ۱۹۲۵ء)

۴۔ حجاز میں جب سعودی حکومت قائم ہو گئی تو اس کی رہنمائی کے لئے جمعیت علمائے ہند نے حسب ذیل قرار داد پاس کی:۔ (اجلاس کلکتہ بصدارت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۲۶ء)

حکومت حجاز کے متعلق جمعیت علمائے ہند کا مطمح نظر یہ ہے کہ چونکہ حجاز مقدس مرکز اسلام ہے اور اس کے ساتھ تمام عالم اسلامی کا تعلق ہے اور تمام اسلامی طاقتوں کے ذمّہ اس مرکز اسلام کی حفاظت مذہبی فریضہ ہے ان وجوہ کے لحاظ سے ضروری ہے کہ: (الف) حجاز کی حکومت اسلامی اصول کے موافق اور خلافت راشدہ کے نمونہ پر ہو، جس میں استبداد اور کسی خاندان اور نسل کی تخصیص اور وراثت کا اعتبار نہ ہو اور ہر قسم کے غیر مسلم اثر و نفوذ سے پاک ہو۔ الخ (ایضاً صـ۱۱۶)

۵۔ قضیہ فلسطین کے سلسلہ میں حسب ذیل قرار داد (بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند دہلی مورخہ ۳ اگست ۱۹۳۸ء منظور کی گئی:۔

جمعیت علمائے ہند کا یہ جلسہ فلسطین کے جگر خراش اور روح فرسا واقعات اور

برطانوی مظالم کو سخت غم و غصّہ کی نظر سے دیکھتا ہے اور قبلہ اول کی حفاظت اور مسلمانان فلسطین کی امداد و اعانت کے سلسلہ میں مجلس تحفظ فلسطین نے جو حسب ذیل تجویز پاس کی ہے۔ جمعیت عاملہ کا یہ اجلاس اس کی تصدیق و توثیق کرتا ہے اور تجویز کرتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند اپنے تمام ذرائع اس تجویز کو کامیاب بنانے میں بروئے کار لائے اور جمعیت کی صوبہ وار شاخوں اور تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس مقدس مذہبی فریضہ کی ادائیگی میں پورے جوش اور انہماک کے ساتھ قربانی کے لیے کھڑے ہو جائیں۔

تجویز مجلس تحفظ فلسطین مجلس تحفظ فلسطین کا یہ جلسہ فلسطین کے جگر خراش اور روح فرسا واقعات کے پیش نظر مسلمانان ہند پر قبلہ اول کی آزادی اور مسلمان بھائیوں کی نصرت و اعانت کا جو فریضہ عاید ہو رہا ہے اس کی ادائیگی کے لئے تجویز کرتا ہے کہ سول نا فرمانی کی جائے۔ سول نا فرمانی کی تیاری کے لئے تمام ہندوستان میں فوراً جلسے شروع کر دیئے جائیں۔ فلسطین کمیٹیاں قائم کی جائیں۔ رضا کار بھرتی کئے جائیں اور ان کی مضبوط اور منظم جماعتیں بنائی جائیں اور پوری تیاری کے ساتھ سول نا فرمانی کے لئے مستعدی پیدا کی جائے الخ (ایضاً ۲۰۳)

۶۔ تحفظ عظمت صحابہ کے سلسلہ میں جمعیت علمائے ہند کے حسب ذیل قرار داد بمقام مراد آباد مورخہ ۲۷-۲۸-۲۹ مئی ۱۹۳۹ئ پاس کی گئی:

جمعیت علمائے ہند کی مجلس مرکزیہ کا یہ اجلاس لکھنو میں شیعوں کی طرف سے تبرا ایجی ٹیشن کو انتہائی نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس خلاف آئین و انسانیت حرکت کو ملک کے امن کے لیے خطرہ عظیم سمجھتا ہے۔ کسی حالت میں کسی وقت بھی قابل برداشت نہیں ہے نہ اس کو کوئی ذی فہم انسان ایک لمحہ کے لئے جائز قرار دے سکتا ہے۔ اس لئے یہ اجلاس حکومت سے پر زور طریق پر استدعا کرتا ہے کہ وہ اس ہنگامہ شر و فساد کو جلد از جلد ختم کر دے۔ (باتفاق منظور) صد ۲۰۶

۷۔ مدح صحابہ جمعیت علمائے ہند کی مجلس مرکزیہ کا یہ اجلاس مدح صحابہ کے متعلق صوبہ متحدہ کی حکومت کے کمیونک مورخہ ۳۰ مارچ ۳۹ء کو جو سُنیوں کا جائز اور مبنی بر انصاف مطالبات سے بہت کم ہے۔ موجودہ حالات کے پیش نظر غنیمت سمجھتا ہے اور بنظر استحسان دیکھتا ہے اور حکومت یو پی کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اس کمیونک کو جو شیعوں کے ایک مذہبی آئین و شہرہ حق کے استعمال کی آخری حد ہے۔ شیعوں کے امن سوز پراپیگنڈے سے مرعوب ہو کر تبدیل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس ان مساعی کی پر زور مذمت کرتا ہے۔ جو بعض حلقوں کی طرف سے حکومت ہند اور حکومت برطانیہ کو یہ باور کرانے کے لئے کی جا رہی ہیں کہ مدح صحابہ شیعوں کا اخلاقی و مذہبی و آئینی حق نہیں ہے۔ اور یہ کہ اور مدح صحابہ کی حیثیت یکساں ہے اگر حکومت ہند یا حکومت برطانیہ کی طرف سے اقلیتوں کے حقوق کے نام پر شیعوں کے اس مسلمہ حق میں کوئی مداخلت کی گئی تو مجلس مرکزیہ کی رائے میں اس کے نتائج نہایت دور رس اور تباہ کن ثابت

ہوں گے۔ جمعیت مرکزیہ کا یہ اجلاس بعض مخصوص افراد اور جماعتوں کے اس گمراہ کن اور شرارت آمیز پراپیگنڈہ کی پر زور تردید کرتا ہے کہ مدح صحابہ کے ایجی ٹیشن میں حکومت یو پی کا ہاتھ ہے اور اس نے شیعوں کو اس مطالبہ پر جو ایک عرصہ دراز سے مسلسل پیش کیا جا رہا تھا آمادہ کیا۔ اس قسم کا پروپیگنڈہ جیسا کہ ظاہر ہے حکومت یو پی کے خلاف نہیں ہے بلکہ شیعوں کے ایک قدیم مطالبہ کے حصول کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے ہے اور اس کی ذمہ داری اسی جماعت پر عاید ہوتی ہے جو شیعوں کو اپنے حق کے استعمال سے ہر طرح سے روکنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

(الفضا، جمعیت کیا ہے، حصہ دوم ص ۲۰۶-۲۰۷)

(نوٹ) مدح صحابہ کے سلسلہ میں جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا جو اسی زمانہ میں طویل جلا وطنی کے بعد واپس ہندوستان تشریف لائے تھے۔ ان قرار دادوں سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالمی انقلابی علما نے بھی صحابہ کرام اور حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شرعی احکام کے تحفظ کے فریضہ کو کبھی نظر انداز نہیں کیا اور وہ ہر مرحلہ پر اہل سنت والجماعت کے مذہبی حقوق کے تحفظ کے لئے بڑی سے بڑی جابر حکومتوں سے ٹکر لیتے رہے ہیں اس زمانہ میں امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی قیادت میں مدح صحابہؓ کی تحریک میں بلا خوف لومۃ لائم بڑی بے باکی سے حصہ لیا تھا اور اپنی قربانیوں سے تحفظ ناموس صحابہ کی تحریک کو تقویت پہنچائی تھی ۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تقسیم ہند سے پہلے ہمارے ممدوح صاحب سوانح شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ جمعیت علمائے ہند کے ممتاز رہنما رہے ہیں۔ چنانچہ جمعیت علمائے ہند کی ان مطبوعہ قرار دادوں میں حضرت لاہوریؒ کا نام بھی آتا ہے۔ بنگال کے ہولناک قحط اور لاکھوں جانوں کے ضائع ہونے کی وجہ سے جمعیت علمائے ہند کا ایک اہم اجلاس بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند دہلی مورخہ ۲۵-۲۶ اکتوبر ۱۹۴۳ء منعقد ہوا۔ اس زمانہ میں یوروپ کی جنگ شد و مد سے جاری تھی اور جمعیت کے صدر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ ناظم اعلیٰ اور نصف کے قریب ورکنگ کمیٹی کے ارکان مختلف جیلوں میں نظر بند تھے۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر جمعیت علمائے ہند کی صدارت میں مجلس عاملہ کا یہ اجلاس منعقد ہوا۔ جس کی پاس شدہ تجاویز میں تجویز نمبر ۴ کے تحت لکھا ہے کہ :-

جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ بنگال کے لاوارث بچوں کی خدمت کے سلسلہ میں ابتدائی مصارف کے لیے خزانہ الجمعیت سے ایک ہزار روپیہ کی منظوری دیتا ہے۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور نے اس سلسلہ میں ۳ سو روپیہ اور مولانا بشیر احمد صاحب نے مبلغ ۲ سو روپیہ فراہم کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ مجلس ان حضرات کا شکریہ ادا کرتی ہے۔" (جمعیت العلما کیا ہے، حصہ دوم ص ۲۵۷)

حضرت لاہوریؒ کی گرفتاری

۱۳ - ۱۴ جولائی ۱۹۴۰ء کے اجلاس بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند دہلی زیر صدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ صدر جمعیت علمائے ہند کی ایک قرار داد یوں ہے کہ:

جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ اس دارو گیر کو جو ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت صوبجات یو پی، پنجاب، بنگال وغیرہ میں ہو رہا ہے، اور بہت سے ملی و قومی کارکن گرفتار کئے جا چکے ہیں جن میں جمعیت علماء کے کئی مخلص کارکن بھی شامل ہیں (مثلاً مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علمائے صوبہ آگرہ و مولانا احمد علی صاحب صدر جمعیت علمائے صوبہ پنجاب و مولوی محمد قاسم صاحب شاہ جہان پوری وغیرہ) بے جا تشدد اور وقت کے منافی خیال کرتا ہے موجودہ زمانہ اس امر کا مقتضی تھا کہ حکومت آزادی خواہ محبان وطن کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کرتی مگر اس نے گرفتاریوں کی بھرمار کر کے مزید غم و غصے اور بد اعتمادی کی فضا پیدا کر دی جو وطنی و قومی مفاد اور ہندوستان کے امن و امان کے لئے بھی مضر ہے۔" (ایضاً ص ۲۲۵)

تقسیم ہند اور جمعیت علمائے ہند

جمعیت علمائے ہند اور دوسری آزادی پسند جماعتیں کانگرس وغیرہ ہندوستان کو انگریزی اقتدار و تسلط سے آزاد کرنے کی جدوجہد کرتی رہی ہیں۔ جب ہندوستان کی آزادی کا وقت قریب آیا تو مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگرس میں یہ اختلاف پیدا ہو گیا کہ ہندوستان مذہبی بنیاد پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین تقسیم ہونا چاہیئے یا نہیں۔ مسلم لیگ نے پاکستان کا فارمولا پیش کیا اور مطالبہ کیا کہ مسلم اکثریت کے صوبے مسلمانوں کو دیئے جائیں اور ہندو اکثریت کے صوبے ہندوؤں کو۔ اس صورت میں مسلمانوں کو جو حصہ ملے گا اس کا نام پاکستان ہو گا جس میں مسلمان آزادی سے اسلامی حکومت بھی قائم کر سکتے ہیں۔ لیکن کانگرس کا یہ مطالبہ تھا کہ ہندوستان کی تقسیم عمل میں نہ لائی جائے۔ اور متحدہ ہندوستان بلا تقسیم آزاد ہو۔ اس اختلاف کی بنا پر علمائے دیو بند میں بھی نظریاتی اختلاف پیدا ہو گیا۔ جمعیت علمائے ہند نے جس کے صدر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند تھے) تقسیم ہند کی رائے میں قیام پاکستان کے نظریے سے اختلاف کیا اور شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور ان کی جماعت تقسیم ہند میں قیام پاکستان کی حامی بن گئیں۔ جو مسلم لیگ کا نظریہ تھا۔ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور آپ کے متوسلین حضرات کی رائے بھی پاکستان کے حق میں تھی۔ دیو بندی علماء میں اس اختلاف رائے کی وجہ سے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی جمعیت علمائے ہند سے جدا ہو گئے اور آپ نے جمعیت علمائے اسلام قائم کی جس کے صدر بھی علامہ موصوف ہی تھے لیکن جمعیت علمائے ہند اور جمعیت علمائے اسلام کا یہ اختلاف مذہبی اور اعتقادی نہیں تھا بلکہ صرف سیاسی اور ملکی اختلاف تھا اور دونوں حضرات کے سامنے مختلف منافع اور تھے۔ جن کی بنا پر یہ اختلاف ایک قسم کا اجتہادی اختلاف تھا۔ دونو طرف علماء

تھے جن میں سے کسی کی نیت پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت مدنیؒ کا اخلاص

بندہ خادم اہل سنت سے میرے محسن مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور و خلیفہ حضرت تھانویؒ نے ایک دفعہ بیان فرمایا تھا کہ علامہ عثمانیؒ نے مرض الموت میں اس باہمی اختلاف کے متعلق حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بانی مدرسہ خیر المدارس ملتان و خلیفہ حضرت تھانویؒ سے یہ فرمایا کہ مجھے اپنے اخلاص میں تو شبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن مولانا مدنیؒ کے اخلاص میں مجھے کوئی شبہ نہیں ہے۔

۲۔ محدث العصر حضرت مولانا علامہ محمد یوسف صاحب بنوریؒ (بانی جامعہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی) کی روایت ہے کہ دارالعلوم دیو بند کے ایک اجلاس میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی موجودگی میں یہ فرمایا تھا کہ:
"بھائیو! اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ میرے علم میں بسیط ارض پر شریعت و طریقت و حقیقت کا حضرت مولانا مدنی سے بڑا کوئی عالم موجود نہیں"۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۲۸ شائع کردہ جمعیت علمائے ہند (دہلی)

۳۔ مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ کے خطبہ صدارت میں علامہ عثمانیؒ نے حضرت مدنیؒ کے متعلق یہ فرمایا کہ:-
بعض مقامات پر جو ناشائستہ برتاؤ مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اگر اس کے متعلق اخبارات کی روایات صحیح ہیں، تو اس پر اظہار بیزاری کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مولانا کی سیاسی رائے خواہ کتنی ہی غلط ہو ان کا علم و فضل بہر حال مسلّم ہے اور اپنے نصب العین کے لیے ان کی عزیمت و ہمت اور انتھک جدوجہد ہم جیسے کاہلوں کے لئے قابل عبرت ہے۔ اگر مولانا کو اب مسلم لیگ کی تائید کی بنا پر میرے ایمان میں خلل بھی نظر آئے یا میرے اسلام میں شبہ ہو تو مجھے ان کے ایمان اور بزرگی میں کوئی شبہ نہیں۔ الخ (خطبہ صدارت مورخہ ۳۰ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

علامہ اقبال کے اشعار

بعض متعصب اور نا عاقبت اندیش لوگ اب تک حضرت مدنیؒ قدس سرہٗ کے خلاف علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے حسب ذیل اشعار پیش کرتے رہتے ہیں جو مرحوم نے حضرت مدنیؒ کی ایک تقریر کے متعلق کہے تھے ؎

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں، اس موضوع پر حضرت مولانا مدنیؒ اور علامہ اقبال کے مابین خط و کتابت بھی ہوئی تھی جو اخبارات و رسائل میں شائع ہوئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مدنیؒ نے اپنی دہلی کی تقریر میں یہ نہیں فرمایا تھا کہ ملت از وطن است، یعنی ملت کی بنیاد وطن پر ہوتی ہے بلکہ یہ فرمایا تھا کہ: موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں"۔ لیکن علامہ اقبال کو یہ بات پہنچائی گئی کہ آپ نے فرمایا ہے کہ: ملت وطن کی بنیاد پر بنتی ہے"

حالانکہ لفظ ملت دین و شریعت پر بولا جاتا ہے اور قوم مختلف اسباب پر مبنی ہوتی ہے تو جب حضرت مدنیؒ نے ملت وطن پر مبنی ہوتی ہے فرمایا ہی نہیں ہے تو ڈاکٹر اقبال مرحوم کے اشعار حضرت پر چسپاں ہی نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت نے اپنے خط میں اپنی تقریر کی وضاحت کی تو علامہ مرحوم نے اپنے الزام سے رجوع کر لیا۔ چنانچہ علامہ اقبال نے حضرت مدنی کے مکتوب کی بنا پر مولانا طالوت مرحوم کو اپنے خط میں یہ لکھا کہ: خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا لہذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔ میں مولانا کے ان عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں۔ جنھوں نے ایک امر کے توضیح کے صلہ میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں۔ خدا تعالےٰ ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفیض کرے۔ نیز ان کو یقین دلاتا ہوں، کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔" (منقول از نظریہ قومیت اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی و علامہ اقبال مرتبہ طالوت)

علاوہ ازیں یہ مراسلت حضرت مدنی کی کتاب "متحدہ قومیت اور اسلام" مطبوعہ مکتبہ محمودیہ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور میں بھی منقول ہے یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی کا نظریہ متحدہ قومیت یوروپین اقوام کے مروجہ نظریہ قومیت کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جونپور کے اجلاس کے خطبہ صدارت میں اس امر کی وضاحت فرما دی تھی کہ:

اس کے خلاف یوروپین لوگ قومیت متحدہ کے سے معنی جو مراد لیتے ہوں اور جو کانگرس افراد انفرادی طور پر کانگرس کے فنڈ کے مفہوم کے خلاف بیان کرتے ہوں۔ ان سے یقیناً جمعیت العلماء بیزار ہے اور کرنے والی ہے۔"

(ملاحظہ ہو: پاکستان کیا ہے؟ حصہ دوم ص ۴۲)

خلاصہ یہ ہے کہ جمعیت علمائے ہند نے قیام پاکستان کے مسئلہ میں جو اختلاف کیا ہے وہ نیک نیتی پر مبنی ہے اور یہ اختلاف ایک سیاسی نوعیت کا ہے نہ کہ مذہبی، ورنہ جمعیت تو خالص اس اسلام کی داعی اور محافظ تھی۔ جو سنت رسول اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ملا ہے۔ چنانچہ جمعیت علمائے ہند نے جو تحفظ و نفاذ شریعت کے لیے امیر الہند کا منصب تجویز کیا تھا اس میں امیر الہند کے شرائط میں سے یہ تھا کہ:

(الف) مسلم مرد عاقل بالغ آزاد ہو۔ (ب) عالم باعمل ہو یعنی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معانی اور حقائق کا معتد بہ علم رکھتا ہو۔ اغراض و مصالح شریعت اسلامیہ و علم الفقہ وغیرہ سے واقف ہو اور احکام شرعیہ پر عمل کرنا اس کا شیوہ ہو۔ (ج) پس سیاسیات ہند و سیاسیات عالم اسلامیہ سے واقفیت تامہ رکھتا ہو اور حتی الامکان تجربہ سے اکثر صائب الرائے ثابت ہو چکا

ہو۔ الخ اور "فرائض امیر الہند" کے تحت لکھا ہے کہ:

(الف) اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے مناسب تدابیر اختیار کرنا اور اس کے لیے اصلح و مسائل و اسباب مہیا کرنا (ب) عالم اسلامی کے داخلی و خارجی تغیرات احوال کے وقت مذہبی نقطہ نظر سے بمشاورہ اہل شوریٰ ایسے احکام جاری کرنا جس سے مسلمانان ہند اور اسلام کا فائدہ منتصور ہو اور جس کا ماخذ کتاب و سنت و آثار صحابہ کرام و فقہ ائمہ عظام ہو گا۔ الخ (جمعیت العلماء کیا ہے؟ حصہ دوم صہ ۸۴/۸۵)

قیام پاکستان کے بعد

جب ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوا اور مسلم لیگ کا مجوزہ پاکستان قائم ہو گیا تو پھر حضرت مولانا مدنی اور دوسرے اکابر جمعیت علمائے ہند پاکستان کے استحکام کے لیئے دعا نہیں کرتے رہے اور ان کی یہی خواہش رہی کہ جو حصہ ملک کا مسلمانوں کو ملا ہے اس کی بقاء ضروری ہے تاکہ اہل اسلام اس میں اسلامی نظام حکومت قائم کر سکیں، لہذا اب سابقہ سیاسی اختلاف کی بنا پر ان علمائے دیو بند کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا خلاف انصاف و دیانت ہے، جن کو قیام پاکستان سے اپنی صوابدید کے مطابق اختلاف تھا۔ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ماہنامہ الرشید کے دارالعلوم نمبر میں اس حقیقت کی تصریح کی گئی ہے کہ:

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ قیام پاکستان کے بعد اپنے ان لاکھوں متوسلین کو جو پاکستان میں تھے ہمیشہ اس بات کی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ وہ پاکستان کی ترقی و استحکام کے لیے سینہ سپر رہیں اور خود دعائیں کیا کرتے تھے، بلکہ یہاں تک فرمایا کہ:

پاکستان کا مسئلہ اب مسجد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس بات کے گواہ و راوی سینکڑوں لوگ ہیں (حاشیہ میں لکھا ہے کہ: ڈاکٹر عبدالرحمٰن شاہ وہی پیپلز اوپن یونیورسٹی اسلام آباد نے بتایا کہ میں نے حضرت سے یہ فقرہ (یعنی پاکستان کا مسئلہ اب مسجد کی حیثیت رکھتا ہے) پچاسوں آدمیوں کی موجودگی میں دیوبند میں سنا۔" (دارالعلوم دیو بند نمبر، عنوان "فتح باب" صہ)

حضرت لاہوریؒ اور پاکستان

شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ بھی جمعیت علمائے ہند کے نظریہ کے علمبردار تھے، لیکن اکابر حضرات کی خواہش کے مطابق حضرت نے استحکام پاکستان کے لیے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی مساعی کے تحت لیاقت علی خان مرحوم وزیر اعظم پاکستان نے پاکستان دستور ساز اسمبلی میں ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو قرار داد پاکستان پاس کرائی تو شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ نے اس کی مکمل تائید کی اور وزیر اعظم کو اس کارنامہ پر مبارکباد پیش کی۔ چنانچہ آپ کا ایک مضمون "استحکام پاکستان" کے عنوان سے انجمن خدام الدین کے مطبوعہ مجموعہ رسائل میں شائع ہے جو آپ نے انجمن حمایت الاسلام لاہور کے ۵۷ ویں سالانہ جلسہ میں زیر صدارت خان عبدالقیوم خان وزیر اعظم سرحد ۲۶ اپریل ۱۹۴۹ء کو پڑھ کر سنایا تھا اس میں قیام پاکستان پر لاکھوں مسلمانوں کے قتل اور دیگر مصائب کا ذکر کرتے ہوئے بعنوان "گراں قیمت پاکستان کی

قدر و منزلت" فرماتے ہیں کہ: معزز حضرات، جو چیز کس قدر زیادہ گراں قیمت ہو اس کی قدر و منزلت بھی اسی قدر زیادہ ہوتی ہے۔ لہذا ہمارا فرض ہے۔ کہ اس آزاد پاکستان کی پوری پوری قدر کرے اور اسے ایسا بنا دیں کہ تمام ممالک کے لیے بالخصوص اپنے ہمسایہ ملک انڈین یونین کے لیے باعث رشک ہو، ہمارا نظام ان سے اعلیٰ ہو ہماری تنظیم ان سے زیادہ مضبوط ہو۔ الخ (صد۱۳)

۲- ملک کے لئے مادی وسائل کا تذکرہ کرنے کے بعد روحانی وسائل کے بیان میں آپ فرماتے ہیں کہ:

یہ روحانی وسائل ایسے ہیں کہ اگر یہ ہاتھ آ جائیں اور مادی وسائل کمزور ہوں، تو بھی مسلمان سلطنت مادی وسائل والی سلطنت پر یقیناً فتح پا لیتی ہے ــــ

خالدؓ بن ولید نے جنگ مُوتہ میں اپنے سے ۵۰ گنی فوج کو جو سلطنت روما کی قواعد اور آئینی فوج تھی۔ اپنے رضاکاروں کی معیت و معاونت سے شکست دے دی تھی (صد۲۱)

۳- اس مضمون میں آپ بعنوان " زبردست شہادت" فرماتے ہیں کہ: میں اپنی سابقہ کے سچے ہونے میں ایک زبردست شہادت پیش کرتا ہوں"۔ خطاب کا بیٹا عمر فاروقؓ جو باپ کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور پھر بھی باپ کی سخت و درشت سے رہتا تھا۔ اپنی خلافت کے ایام میں ۲۲ لاکھ مربع میل پر حکومت کرتا تھا۔ اس کی گنتری اور عدل پروری رعایا نوازی اور دینداری کا درجہ ہمیشہ ہر ایک کے لیے موجب غبطہ رہا۔ غور کرو کہ حکمرانی کی یہ قابلیت اور کشور کشائی کی یہ اہلیت کہ دنیا کے ۳ بڑے بر اعظم اس کے زیر نگین تھے۔ اسی قرآن پاک کی تعلیم پر عمل کا نتیجہ تھی"۔ بحوالہ رحمت للعالمین جلد سوم۔ (استحکام پاکستان صد۳۲)

۴- نیز اس مضمون میں بعنوان :- سرکاری ملازموں کے لئے حضرت عمر بن الخطاب رضؓ کا فرمان" بحوالہ مشکوٰۃ شریف لکھتے ہیں :- انہ کتب الی عمالہ انّ اھمّ امورکم عندی الصلوٰۃ ۔ من حفظھا و حافظ علیھا حفظ دینہ و من ضیعھا فھو لما سواھا اضیع : (ترجمہ) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے، کہ انھوں نے اپنے تمام سرکاری ملازموں کو حکم بھیجا کہ تمہاری تمام ذمہ داریوں میں سے سب سے بڑھ کر میری نظر میں نماز ہے جس نے خود اس کی پابندی کی۔ اور دوسروں سے بھی پابندی کرائی۔ اس نے اپنے دین کو بچا لیا اور جس نے نماز کو ضائع کیا تو وہ دوسرے کاموں کو زیادہ خراب کرتا ہو گا"۔ (نتیجہ) اس فرمان شاہی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلامی سلطنت کے تمام حکام اپنی مسلمان رعایا کے دین کی حفاظت کے بھی ذمہ دار ہیں ــــ لہذا حکومت پاکستان کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ مسلمانان پاکستان کے لئے نماز کو ضروری قرار دے اور اس کے ترک کرنے کو جرم ٹھہرائے۔ و ما علینا الا البلاغ"۔ صد۳۹/۴۰)

اس مضمون کے آخر میں حضرت نے یہ دعا کی ہے کہ: وزیراعظم پاکستان کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں حق کہنے کی توفیق دی ہے انہیں اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی بھی توفیق دے۔ آمین یا اللہ العالمین۔ الخ

(استحکام پاکستان صد ۴۵)

جمعیت علمائے اسلام کی قیادت

قیام پاکستان کے بعد جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے صدر اور سربراہ شیخ الاسلام علامہ بشیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ رہے ہیں لیکن آپ کی وفات کے بعد جمعیت کی تنظیم کا کام کچھ عرصہ ملتوی رہا۔ اس کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب خلیفہ حضرت تھانوی رح کو جمعیت کا صدر منتخب کیا گیا۔ آپ نے بوجہ بیماری اور بڑھاپے کے یہ کام حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بانی دارالعلوم کراچی خلیفہ حضرت تھانوی کے سپرد کر دیا۔ اور بالآخر مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد ۱۹۵۶ء میں جمعیت علمائے اسلام کے جدید انتخاب کے لئے ملتان میں علماء کا ایک کنونشن منعقد ہوا، جس میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رح کو جمعیت علمائے اسلام کا صدر منتخب کیا گیا اور پھر وفات تک حضرت ہی جمعیت کے صدر رہے ہیں اور جب ۱۹۵۸ء میں صدر ایوب نے مارشل لاء نافذ کیا اور سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی گئی تو علمائے کرام نے مذہبی تنظیم کے لئے نظام العلماء کے نام سے ایک جماعت قائم کر لی۔ اس کے صدر بھی حضرت شیخ التفسیر ہی منتخب کئے گئے۔ اس دوران جب صدر ایوب نے خلاف اسلام عائلی قوانین کا نفاذ کیا۔ تو حضرت لاہوری رح کی قیادت میں علمائے اسلام نے اس کی سخت ممانعت کی۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ میں مارشل لاء کے دوران ایک جلسہ عام باغ بیرون دہلی دروازہ لاہور رکھا گیا جس میں حضرت امیر مولانا لاہوری رح نے صدر ایوب کے خلاف شریعت اقدامات کے خلاف سخت تقریر فرمائی، جس کے نتیجہ میں آپ کو ۶ ماہ کے لیے شہر لاہور کی حدود میں نظر بند کر دیا گیا۔

برکات امیر رح

حضرت اعلیٰ لاہوری قدس سرہ کی قیادت و امارت میں جمعیت علمائے اسلام اور نظام العلماء نے بہت ترقی کی اور یہ ہر ضلع میں جمعیت کی تنظیمیں قائم ہو گئیں۔ بندہ کاتب الحروف کو حضرت نے جمعیت علمائے اسلام ضلع جہلم کا امیر اور مجلس شوریٰ کا ممبر نامزد فرما دیا تھا اس دور میں جمعیت کے اجلاسوں میں بارہا اس امر کا مشاہدہ کیا کہ بعض دفعہ کوئی بڑا مشکل مسئلہ درپیش آ جاتا تھا۔ جس میں ارکان شوریٰ کی آراء میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ لیکن اجلاس کے اختتام پر متفقہ فیصلہ ہوتا تھا اس پر سب ارکان مطمئن ہو جاتے تھے حضرت اجلاس میں بہت کم بولتے تھے البتہ ضروری ارشادات سے اجلاس کو مشرف کرتے رہتے تھے۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ یہ حضرت امیر رح کی برکات تھیں کہ مشکل مسائل بڑی آسانی سے حل ہو جاتے تھے اور حضرت کی امارت کے دوران جمعیت علمائے اسلام مذہبی اور تنظیموں میں سب سے وسیع مضبوط اور مؤثر جماعت تھی جس کے تحت علمائے اسلام پاکستان میں "اسلامی نظام حکومت" کے قیام کے لئے مؤثر جدوجہد کرتے رہے۔ آخر حسب اعلان خداوندی کل نفس ذائقۃ الموت کے تحت شیخ التفسیر قطب زمان مخدوم العلماء والصلحاء قدس سرہ کی وفات سے جمعیت علمائے اسلام کا ایک دور ختم ہو گیا۔

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
ز جام دہر مئے کل من علیہا فان

ایک عظیم الشان کرامت

حق تعالےٰ نے حضرت لاہوریؒ کو حسّی اور معنوی دونوں قسم کی کرامتیں عطا فرمائی تھیں جو آپ کی مبارک حیات میں مشاہدہ کی جاتی رہی ہیں لیکن حسّی کرامت سے معنوی کرامت کا درجہ بلند ہے کیونکہ حسّی کرامت کے مشابہ کفار اور غیر متشرع لوگوں سے بطور استدراج خوارق عادت کا صدور ہو جاتا ہے۔ لیکن معنوی کرامت میں اہل باطل شریک نہیں ہو سکتے۔ اور معنوی کرامت دراصل ان مومنانہ صفات اور صالحانہ اعمال کو کہتے ہیں جو ایمان و تقویٰ پر مبنی ہوتے ہیں۔ حضرت لاہوریؒ کی زندگی میں خلوص و تقویٰ اور اتباع سنت اور تحفظ شریعت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ لیکن حضرت لاہوریؒ کو حق تعالےٰ نے وفات کے بعد ایک عجیب و غریب کرامت عطا فرمائی کہ علوم و اعمال قرآنی کی جو خوشبو آپ کے قلب و روح کو معطر کرتی رہی تھی۔ وہ قدرت خداوندی کے تحت حسّی خوشبو میں جلوہ گر ہو گئی اور آپ کی قبر مبارک کی مٹی سے وہ قدرتی خوشبو تقریباً ایک سال تک پھیلتی رہی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ کاملۃ و اسعۃ۔

الاعتذار

بندہ نے بجائے واقعات کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے حضرت کے عقیدہ، مسلک اور نصب العین کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے مقصد صرف یہ تھا کہ حضور رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ معیار حق ما انا علیہ و اصحابی اور علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین کے نصب العین کے آئینہ حق نما میں حضرت لاہوری کی عظیم شخصیت کو دیکھا جائے اور اس طویل نویسی پر یہ خادم اہل سنت معذرت خواہ ہے، والسلام ۔



حافظ عزیز الرحمن خورشید، بھیرہ

شیخ لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ

اور خدمتِ قرآن

مولانا غلام رسول مہر اپنے ایک مضمون "بزرگان دیوبند" میں لکھتے ہیں :

بزرگان دیوبند میں سے جن مقدس ہستیوں کو اولین درجہ کا احترام و اعزاز حاصل ہے وہ حضرات حاجی امداد اللہ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہم۔ ان کے اسمائے گرامی اس سرزمین کے آسمان پران درخشاں ستاروں کی طرح روشن ہیں جو تاریکی کے وقت صحراؤں میں مسافروں اور سمندروں میں ملاحوں کو راستے بتاتے ہیں۔ وہ اپنی زندگیوں میں علم و ہدایت کے مشعل بردار تھے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوتے تو اپنے پیچھے پاکیزہ عملی نمونے چھوڑ گئے جو دلوں اور روحوں میں برابر دین حق کے ولولے پیدا کرتے رہیں گے۔ خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا رشید احمد کی تو ایک یادگار دار العلوم دیوبند ایسی ہے جو تقریباً ایک صدی سے اس وسیع سرزمین پر دینی علوم کے قیام و بقا کا ایک بہت بڑا سرچشمہ رہی ہے۔ اس کی آغوش میں سینکڑوں ایسی ہستیوں نے تربیت پائی جن کے کارنامے دین و سیاست دونوں کے دوائر میں قابل فخر ہیں۔"

(نئی دنیا۔ مدنی نمبر ۳۳ ۔ دہلی)

انہیں قابل قدر ہستیوں میں سے ایک شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ہے، جن کے علم و فضل کے چرچے آج بھی دنیا کے کونے کونے میں گونج رہے ہیں۔ حضرت اقدس کا شمار ان اکابرین امت میں ہوتا ہے جو عالم باعمل ہونے کے علاوہ درجہ ولائیت میں بھی ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپ نے زندگی بھر جس انداز سے قرآن کا ترجمہ اور تفسیر کا درس دیا اس کی نظیر ماضی قریب میں بہت کم ملتی ہے۔ آپ کے درس میں شامل ہو کر استفادہ حاصل کرنے والے لوگوں میں محض علماء ہی نہیں بلکہ انگریزی دان طبقہ کی بھی ایک بہت بڑی تعداد شامل ہے۔ فرنگی کے زمانہ میں کلمۂ حق بلند کرنا گویا کہ اپنے آپ کو مصائب و آلام میں ڈالنا تھا۔ مگر اس اندھیر نگری میں حضرت لاہور آئے۔ اہلِ لاہور کے دل زنگ آلود ہو چکے تھے۔ قرآن و سنت کے مقابلہ میں رسم و

رواج سے ان کو پیار تھا۔ حضرت لاہوری اس تاریکی میں ٹمٹاتا ہوا چراغ لے کر محض خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے نکلے پھر ہزار آندھیاں چلیں مگر جو چراغ اس مردِ حق کے ہاتھ میں تھا اس کو بجھا نہ سکیں اور وہ چراغ بجھتا بھی کیوں جب کہ فیصلہ خداوندی ہے واللہ متم نورہ۔

لوگوں نے گالیاں دیں احمد علی نے دعائیں دیں۔ لوگوں نے پتھر مارے احمد علی نے قرآن سنایا۔ حضرت نے جن حالات میں قرآن کریم کی تفسیر کا آغاز کیا اس کے بارے میں حضرت کے شاگرد خصوصی مولانا ابوالحسن ندوی کے بیان کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

"مولانا نے تقریباً نصف صدی قرآن مجید کی خدمت و اشاعت اور دینی دعوت و اصلاح کا کام کیا اور اس کام کے سلسلہ میں آپ نے جس طرح ثبات و استقامت کا ثبوت دیا وہ بغیر اعلیٰ درجہ کی عزیمت، یقین اور روحانی قوت کے مشکل ہے۔ جب انگریزی حکومت نے آپ کو دہلی سے جلاوطن کر کے لاہور پہنچایا تو آپ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر درسِ قرآن کا آغاز کیا۔"

اللہ اللہ آپ کے استاذ حضرت شیخ الہند کی تعلیم کا آغاز دیوبند میں انار کے درخت کے نیچے ہوا۔ اور آپ کے پیارے شاگرد نے درخت کے نیچے بیٹھ کر درس کا آغاز فرمایا۔ استاد نے مالٹا کے جیل خانہ میں قید رہنے کے باوجود قرآن کا ساتھ نہ چھوڑا۔ قرآن کا ترجمہ لکھا۔ اور شاگرد نے لاہور آکر بے سروسامانی کے عالم میں قرآن کا درس دیا۔

مولانا ندوی کے الفاظ میں "رفتہ رفتہ آپ کے درس نے شہر میں عام مقبولیت حاصل کرنی شروع کی اور پھر وہ پنجاب کا سب سے بڑا درسِ قرآن بن گیا۔ حضرت کی اس کوشش کی وجہ سے پنجاب میں درسِ قرآن کا ذوق عام ہوا اور جگہ جگہ اس کی بنیاد پڑی۔ درسِ قرآن کا ناغہ یا تو جمعہ کو ہوتا یا جب آپ سفر میں ہوتے۔ اس کے علاوہ کسی صورت میں بھی درس کا ناغہ نہ فرمایا۔ عوام الناس کے واسطے نماز فجر کے بعد اور انگریزی دان طبقہ اور کالجوں کے طلبائے کے لیے مغرب کے بعد اور آخر شعبان میں علمائے کرام کی کلاس ہوتی۔ اس درجہ میں مدارس عربیہ سے فارغ التحصیل اور آخری درجوں کے مستند طلبا کو داخلہ ملتا۔ داخلہ سے قبل حضرت امتحان لیتے اور پھر داخل فرماتے۔ آخر میں امتحان لے کر کسی صاحب نسبت بزرگ کے ہاتھ سے سندیں دی جاتی تھیں۔ اس سند پر حضرت سید انور شاہ کاشمیری۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے دستخط ہیں۔"

مولانا ندوی آخر میں لکھتے ہیں: "مردانِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان سے تعلق پیدا کرنے اور اپنے نفس کی اصلاح کا شوق اس درس سے پیدا ہوا اور یہ اس درس کا احسانِ عظیم ہے۔ بعد میں جب دارالعلوم ندوۃ العلما میں ترجمہ اور تفسیر قرآن کے اسباق سپرد ہوئے تو اس سے مجھے مدد ملی۔" (شیخ التفسیر اور ان کے خلفاء)

سابق رئیس الجامعہ پنجاب علامہ علاؤالدین صدیقی مرحوم اپنی ایک تحریر میں رقمطراز ہیں کہ:

خدام الدین اور مخدومانِ ملت کا ایک روحانی قافلہ ہماری آنکھوں کے سامنے گذشتہ چند برسوں میں جہانِ فانی سے نکل کر راہی ملک بقا ہو گیا۔ عظمت کا ایک دور تھا جسے آنکھیں پھر نہ دیکھ سکیں گی۔ اس مقدس کارواں میں مفسر، محدث، فقیہ، اولیاً، اصفیا سب شامل ہیں۔ ان میں شیخ التفسیر احمد علیؒ اس طرح خصوصاً قابلِ ذکر ہیں کہ ماضی قریب میں اس سرچشمہ فیض سے سیراب ہونے والوں کی وسیع تعداد اطراف و اکناف عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ خدمتِ قرآن کے اعتبار سے اس زمانے میں شاید کسی بزرگ نے اتنی شہرت پائی ہو۔ پاکستان و ہندوستان سے باہر افریقہ، مشرقِ وسطیٰ، انڈونیشیا اور ملائشیا میں خود اس احقر کو ان افراد سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ جنہیں اس چشمۂ فیض قرآن سے فیض یاب ہونے کی عزت ملی بلکہ بعض اوقات اس ذرے (علامہ) کو جو اس آفتاب سے تعلق تھا وہ باہر کے ممالک میں بھی باعث صد عزت و احترام بنا۔ استاذی کی شہرت علم و عمل اقصائے عالم میں پھیلی ہے۔ حضرتؒ نے ایک طویل عرصہ کتاب و سنت کی خدمت کی۔ آپ کے ہاں خصوصی طور پر قرآن کریم کا درس، مشکوٰۃ شریف

کا درس اور حضرت شاہ ولی اللہ مرحوم کی مقبول عام کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیا جاتا تھا۔ قرآن کریم کے حقائق و معارف سے آشنا کرنا آپ کا خاص کمال تھا۔ علوم مغربی کے سینکڑوں عشاق کو آپ نے قرآن کے علوم و معارف پڑھائے، جس کی وجہ سے ان لوگوں کی زندگی میں انقلاب برپا ہوگیا۔ عوام کے دلوں میں قرآن کریم سے وابستگی پیدا کرنے کی خداداد صلاحیت آپ کے اندر موجود تھی۔

۱۔ محدث دوران حضرت سید انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اشاعت قرآن کے کارہائے نمایاں کو اپنے اوپر احسان سے تعبیر فرمایا۔

۲۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح اختتام سال پر دیوبند سے فارغ ہونے والے طلبا کو فرماتے کہ علم آپ نے دیوبند میں رہ کر حاصل کیا ہے اور اس کی تکمیل آپ لاہور جا کر حضرت شیخ التفسیر کے دورۂ تفسیر میں شریک ہو کر کریں۔

۳۔ آپ کے درس قرآن میں قطب دوران حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اکثر و بیشتر شرکت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت میاں صاحب نے بارہا فرمایا کہ احمد علی اللہ کا نور ہے جب میں شیرانوالہ کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ فرش زمین سے لے کر عرش بریں تک نور کی قندیلیں روشن ہیں اور دنیا کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کر رہی ہیں۔ حضرت لاہوری جب بھی شرق پور تشریف لے جاتے تو حضرت میاں صاحب آپ کو حکماً مصلّٰی پر کھڑا کرتے۔ اور خود آپ کی اقتدار میں نماز ادا فرماتے۔

امام انقلاب مولانا سندھی رح کے معتمد اور امین

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ اکثر یہ دعا فرمایا تھے۔ کہ "اے اللہ! میں صبح کی نماز پڑھ کر درس قرآن دوں اور ظہر سے پہلے پہلے مجھے موت عطا فرما۔ تاکہ میری نماز قضا نہ ہو یا پھر کوئی ایک سی نماز ادا کروں اور دوسری سے پہلے تیرے پاس پہنچ جاؤں" اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی جمعۃ المبارک ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ کو صبح کی نماز سے پہلے مرض الموت کا حملہ ہوا۔ عشاء تک نمازیں بیماری کی حالت میں ادا کرتے رہے اگرچہ بے ہوشی طاری ہوگئی تھی لیکن جب نماز کا وقت آتا تو آپ ہوش میں آجاتے تیمم فرماتے اور نماز ادا کرتے پھر بے ہوشی طاری ہو جاتی اس طرح ۹½ بجے شب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں، مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے درس قرآن نے جو باکمال لوگ پیدا کئے مولانا احمد علی کا نام ان میں سر فہرست ہے آپ ضلع گوجرانوالہ موضع بلال میں پیدا ہوئے آپ کے والد سکھ سے مسلمان ہوئے تھے اور مولانا عبید اللہ سندھی کے مرید تھے انہوں نے آپ کو بچپن سے ہی اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا اور مولانا سندھی کے سپرد کر دیا۔

مولانا سندھی کی صحبت اور فیض تربیت کے اثر سے آپ کے جوہر کھلے، مولانا سندھی، شاہ ولی اللہ کی دینی انقلابی تحریک کے اپنے عہد میں امین و معتمد تھے اور فلسفہ ولی اللہی کے سب سے بڑے راز دان، آپ نے مولانا محمود الحسن کی ایماء پر دیوبند میں "جمعیۃ الانصار" قائم کی تھی اس کے بعد دہلی میں "نظارۃ المعارف" کے نام سے درس قرآن مجید شروع کیا تھا مولانا احمد علی صاحب نے انہی مدرسوں سے ظاہری علم و حکمت کا گنج گراں مایہ حاصل کیا ۱۹۱۵ء میں جب حضرت شیخ الہند کے حکم سے مولانا سندھیؒ کابل تشریف لے گئے تو ان کی عدم موجودگی میں مولانا احمد علی ہی اس مدرسہ کے سربراہ مقرر ہوئے پھر مولانا سندھی نے حضرت شیخ الہند کے پروگرام کی تکمیل کے سلسلہ میں جو کچھ کیا اس میں مولانا احمد علی نے بھی برابر کا حصہ لیا

امجد علی شاکر ایم اے

مولانا لاہوریؒ کے تعلیمی نظریات

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ایک معروف محاورے کے مطابق اس زمین پر قدرت کا عطیہ تھے. آپ اس اہلِ حق کے کارواں میں میرِ کارواں کی حیثیت سے شامل ہوئے. جو بطحا کی وادیوں سے چلا اور ہر دَور میں ہر وطن میں اپنی بھرپور توانائیوں کے ساتھ چلتا رہا تاکہ حق و صداقت کا شعلہ جس میں روشنی بھی ہے اور حرکت و توانائی بھی بجھنے نہ پائے.

اہل حق کے اس کارواں کا اگر جہاد مشغلہ حیات ہے تو علم روز مرہ، عمل اس کی عبادت ہے، تو تبلیغ و تلقین اس کی ریاضت، بہرحال یہ کاروانِ حق زندگی کے بوقلموں شعبوں کی طرح بوقلموں خصوصیات کا حامل رہا ہے چونکہ انسان کو اللہ تعالٰے نے علم کی بدولت ہی اس جہان میں فضیلت بخشی ہے اس لئے علم اس کارواں کا طرۂ امتیاز رہا ہے.

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ علم کو انسان کے لئے انتہائی ضروری خیال فرماتے تھے. آپ جب سکول میں داخل ہوئے تھے تو واحد طالب علم تھے. جو اپنے گاؤں میں چل کر دوسرے گاؤں میں تعلیم کے حصول کے لئے جاتے تھے. بعد ازاں جب آپ کے والدین نے آپ کو حضرت سندھیؒ کی خدمت میں پیش کر دیا تو آپ نے حضرت سندھیؒ کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم کو جھکائے رکھا اور کبھی چوں و چرا سے استاد کے حکم کا وقار زخمی نہ ہونے دیا. کبھی انقباض کے داغ سے سعادت کے حسن کو ماند نہ کیا. حصولِ علم کا شوق اس قدر تھا کہ جب بچہ ابھی کھیل کود کو زندگی کا بہترین مصرف خیال کرتا ہے. آپ اپنے استاد کے پاس والدین سے دُور بحر علم میں غواصی میں مصروف تھے. پھر اس پر مستزاد یہ کہ استاد کے گھر سے مدتوں دو روٹیاں آتی رہیں. ایک روٹی خدا کی راہ میں دے دیتے اور ایک روٹی سے گزارہ کرتے اگر کبھی بھوک ستاتی تو جنگلی بیروں سے شکم کی سیری کا اہتمام کر لیتے. آپ نے کبھی کسی سے سوال کر کے خودداری کے ریشم میں حرص کا پیوند نہ ٹانکا اور نہ ہی بے صبری کی تیغ سے استغنا کی گردن کاٹی. آپ اپنے والدِ محترم کی بیدار مغزی اور مآل اندیشی کی توصیف فرماتے.

"راقم الحروف ضلع گوجرانوالہ کا رہنے والا ہے. میرے گاؤں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر دوسرے گاؤں میں سکول تھے. میرے والد صاحب مرحوم علم کے قدر دان تھے. اس لئے انہوں نے مجھے سکول میں داخل کیا. اور تعلیم دلائی. سارے گاؤں میں سوائے میرے اور کوئی سکول نہیں جاتا تھا. میرے والد صاحب مرحوم کی بیدار مغزی اور مآل اندیشی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج صوبائی دارالحکومت لاہور میں اللہ تعالٰے مجھ جیسے گناہگار سے محض اپنے فضل و کرم سے اسلام کی خدمت لے رہا ہے." والحمد للہ علےٰ ذالک.

انگریز نے ایک ایسا نظام تعلیم رائج کیا تھا. جس میں اسلام کا علم ماش کے دانے پر سفیدی کے برابر

بھی نہ تھا اور یہ نظام مسلمانوں کو عیسائی بناتا۔ سہی مسلمان بھی نہ رہنے دیتا، اس لیے علمائے حق نے دین کی حفاظت کے لیے دینی مدارس قائم کئے۔ حضرت دینی تعلیمات کے ساتھ عصری اور فنی تعلیمات کو جاری رکھنے کے خواہاں تھے۔ حضرت مرحوم حضرت سندھیؒ کے نظارۃ المعارف میں پہلے بطور طالبعلم اور پھر بطور پروفیسر پڑھاتے رہے۔ جہاں انگریزی اور دینی تعلیمات بیک وقت رائج تھیں۔ چنانچہ حضرت نے زندگی بھر دین و دنیا کی تفریق پسند نہ فرمائی۔ آپ نے زندگی بھر کالجوں، سکولوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کو قرآن پڑھایا۔ چنانچہ اس مرد قلندر کی اس کاوش کے نتیجے میں وہ کالج جہاں دینی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور شعائرِ دین کو خندۂ استہزا کا ہدف بنایا جاتا تھا۔ وہاں دین کی روشنی کے چراغ جگمگا اٹھے۔ آپ عصری تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر عمر بھر انجمن حمایتِ اسلام کی سرپرستی فرماتے رہے۔ اسی لئے آپ کو بارہا انجمن کی صدارت کی پیش کش کی گئی۔ اگرچہ آپ اپنی مصروفیات کی بنا پر اس منصب پر فائز نہ ہوئے۔ مگر اس کی سرپرستی اور اعانت سے کبھی پہلو تہی نہ کی۔

حضرت نے بارہا واشگاف الفاظ میں ارشاد فرمایا۔

"میں ہمیشہ کہتا رہتا ہوں کہ ہم عصری تعلیم کے مخالف نہیں (تقسیم سے قبل کی بات ہے) اگر ایک ہندو ڈاکٹر آئے تو مقابلہ میں مسلمان ڈاکٹر آئے۔ اگر ادھر سے ایل ایل۔بی آئے تو ادھر سے بھی ایل ایل بی آئے۔ ایم ایس سی آئے تو ادھر سے بھی ایم ایس سی آئے"۔

مگر آپ اس تعلیم کو کافی نہ سمجھتے تھے۔ اسے چراغِ رہگزر خیال کرتے۔ درونِ خانہ کے ہنگاموں سے اس کی نامحرمی کا احساس بھی دلاتے۔ چنانچہ فرماتے۔

"لیکن میرے بھائیو اس دنیاوی تعلیم کو کافی نہ سمجھو۔ اگر اللہ کی بارگاہ میں مردود نہیں مرحوم ہونا ہے تو کچھ نہ کچھ دین بھی سیکھو۔ تمہاری بڑی سے بڑی دنیاوی تعلیم ایل ایل ڈی اور ایل ایم سی، کی اللہ کے دربار میں کوئی پوچھ نہیں"۔ (ملفوظات طیبات صـ۳۲)

آپ عابد سے عالم کو بہتر خیال فرماتے کیونکہ عابد تو صرف دل کی دنیا میں ہی روشنی کرتا ہے اور عالم کائنات کی تیرگی کی قبا چاک کرتا ہے اور جہان کے لئے خورشید جہاں تاب بنتا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ ایک عالم کی مثال ایسی ہے جس طرح ملاح بہت سادے لوگوں کو کشتی میں بٹھا کر دریا کے پار لگا دے اور عابد کی مثال ایسی ہے۔ جس طرح کوئی خود تیر کے پار چلا جائے۔
(ملفوظات طیبات صـ۳۶)

آپ ان فریب خوردہ شاہینوں کو جنجھوڑتے اور ان کی خودی کو بیدار کرتے۔ جو کرگسوں میں رہ کر رہ و رسم شاہبازی بھلا بیٹھے تھے۔ آپ اس مسلم کو بیدار کرتے جو کیٹس اور شیلے سے تو واقف تھے۔ اس کے برٹینڈرسل اور برنارڈشا سے تو آشنائی تھی۔ مگر حضور اکرم اور ان کے رفقاء کی تعلیمات سے بے خبر تھا۔ اس لئے بڑے سوز سے فرماتے۔

"میرے انگریزی دان بھائیو! آپ کے نصاب تعلیم پنجاب یونیورسٹی میں انگریز نے تمہیں پرائمری سے لیکر ایم۔اے یا ایم بی بی ایس یا ایل ایل بی تک کلمہ طیبہ بھی نہیں پڑھایا۔ آپ میں اکثر وہ گریجویٹ ہیں۔ جنہوں نے کالج میں تعلیم پائی اور ہوسٹل میں زندگی بسر کی۔ انہیں کلمہ شہادت بھی پڑھنا نہیں آتا۔ نماز تو علیحدہ چیز ہے۔ بڑے بڑے اعلیٰ تعلیم یافتہ سے جا کر پوچھ لیجئے۔ اسلام کی بنیاد، کلمہ شہادت نہیں آتا۔ (حوالہ ایضاً صـ۳۹) آپ قرآن و سنت کی تعلیم کو فرض اولین سمجھتے تھے"۔

چنانچہ فرمایا!

"ماں باپ کا فرض ہے کہ اولاد کو قرآن مجید اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دلائیں۔ اسی لئے کہا کرتا ہوں کہ دین کی تعلیم دلانا اور دین دار بنانے کی کوشش کرنا ماں باپ کا فرض ہے تاکہ انہیں اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کو راضی رکھنے کا سلیقہ آجائے۔ (حوالہ ایضاً صہ ۴۸)

آپ انگریزی تعلیم کے مخالف نہ تھے۔ مگر انگریزی طریق تعلیم کے ضرور مخالف تھے۔ آپ اس اندازِ تربیت کے سخت خلاف تھے۔ جو شاہینوں کو خاکبازی سکھائے اور شاہینی صفات کی جگہ خاکبازی کی تعلیم دے جو دلوں کو منور کرنے کی بجائے تیرہ وتار کردے جو روح و دماغ کو تقویت دینے کی بجائے ان کے قتل کا سامان کرے۔ خود فرمایا۔ "میں اس تعلیم کا مخالف نہیں ہوں، طریقِ تعلیم کا مخالف ہوں"

آپ انسان کے لئے خالی تعلیم کو ہی کافی نہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ کتابیں ذہن کو ذخیرۂ معلومات تو عطا کردیتی ہیں، مگر آپ علم کے اس چراغ کو روشن کرکے اس سے دل کو منور کرنا بھی ضروری سمجھتے تھے۔ اس لئے فرماتے!

"اولیاءِ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسند نشیں ہوتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔

۱. علماءِ کرام ۲. صوفیائے عظام

علماءِ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم کتاب کا فرض ادا کرتے ہیں۔ وہ بھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسند نشیں ہیں۔ صوفیائے عظام تزکیہ کا فرض ادا کرتے ہیں۔ وہ قرآن کا رنگ چڑھاتے ہیں۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسند نشیں ہیں۔

تزکیہ نفس کے لئے اولیاء کرام کی محبت آپ کے نزدیک انتہائی ضروری تھی کہ ولایت کے نور کے پاس بیٹھ کر تیرہ وتار دل بھی منور ہوجاتے ہیں۔ ان میں بھی نیکی کے پھول مہکتے۔ اخلاص کے غنچے چٹکتے۔ ایثار کی خوشبو لہکتی اور صداقت کے لالہ زار کھلتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا!

مدت مدید تک اولیاء کرام کی صحبت نصیب ہو تو روحانی امراض سے شفا ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداوة والعشى۔ (حوالہ ایضاً صہ۔)

آپ دین کے فری سٹائل مفکروں اور مغرب زدہ پیشواؤں کی طرح دین کو خود بخود ہی سمجھ لینے کو زعم باطل سمجھتے تھے۔ آپ اس کی تعلیم اور اس کو دل میں راسخ کرنے کے لئے علماء و اولیاء کو ضروری خیال فرماتے تھے۔ آپ تیرہ دلوں سے صبح روشن کی ضیا مانگنے کے قائل نہ تھے۔ بلکہ روشن دلوں اور روشن ضمیروں کے پاس رہ کر تنویر حاصل کرنے کے قائل تھے۔ فرمایا۔

"کامل کی صحبت میں مدت مدید تک رہنے سے ان کے کمالات کا عکس پڑتا ہے۔ کوئی فن ایسا نہیں۔ جو ماہرینِ فن کے پاس ایک دو دن بیٹھنے یا کبھی کبھی اس کی ملاقات کرنے سے حاصل ہوسکے کیا درزی، بڑھئی، لوہار، معمار وغیرہ کا کوئی بھی فن ایسا ہے۔ جو مدت مدید کی صحبت استاد کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ آپ جس عقل سے دنیا کے کاموں میں چلتے ہیں۔ اس عقل سے دین کے معاملے میں کیوں کام نہیں لیتے۔ جس کی صحبت میں اصلاح ہوتی نظر آئے۔ اس کی صحبت میں مدت مدید تک رہنے سے رنگ چڑھ جاتا ہے۔ دنیوی علوم وفنون میں بھی یہی ہوتا ہے کہ استاد کچھ زبان سے بیان فرماکر سکھاتا ہے اور کچھ اپنی عقل سے، روحانی تربیت میں بھی یہی ہوتا ہے۔ کامل کبھی کچھ ارشاد

فرما کر اور کبھی اپنے عمل کے ذریعے طالب کی تربیت فرماتے ہیں۔ اسی طرح آہستہ آہستہ انسان من کل الوجوہ سالم ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ کامل کے ساتھ عقیدت ادب اور اطاعت ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ اللعلمین ہیں۔ مگر جن کے اپنے اندر ایمان نہ تھا۔ آنحضرت سے عقیدت نہ تھی۔ ادب اور اطاعت نہیں کرتے تھے۔ آپ کی صحبت بھی ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکی۔

تہیدستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

(حوالہ مذکور صہ۶۱)

مگر کامل سے فیض اٹھانے کا کیا طریق ہے؟ کیا ہر شخص فیض حاصل کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! جب تک انسان مردِ کامل کے حضور پامال نہ ہو جائے۔ کچھ حاصل نہ کر پائیگا اور جو کسی ادب و اطاعت کی متاع لے کر مردِ کامل کے حضور جا پہنچے گا۔ اس کے دل و دماغ علم کا گنجینہ اور معارف کا خزینہ بن جائینگے آپ نے فرمایا۔ ہر کامل سے ہر طالب فیض نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے لئے کہ عقیدت ادب اور اطاعت کی ضرورت ہے۔ ان کے بغیر ساری عمر ان کی صحبت میں رہ کر بھی دنیا سے محروم جانے والے ان گناہ گار آنکھوں نے دیکھے ہیں۔ (حوالہ مذکور صہ۹۳)

اہل ادب اور بے ادبوں کا موازنہ یوں فرماتے۔

"میں نے ان گناہگار آنکھوں سے اپنے دونوں مربیوں کے ہاں یہی دیکھا کہ عقیدت ادب اور اطاعت کرنے والے چند دنوں میں جھولیاں بھر کرلے گئے اور جنہوں نے عقیدت ادب اور اطاعت نہیں کی، وہ ساری عمر صحبت میں رہ کر بھی محروم رہے۔ اینٹ اگر بھٹہ میں ڈالی جائے اور نہ پکے تو وہ پلی کہلاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ پلی سے کچی اینٹ اچھی ہوتی ہے کہ وہ مینہ کا مقابلہ پلی سے زیادہ کرتی ہے۔ اس لئے اگر اللہ تعالےٰ کسی اللہ والے کے ہاں لے جائے تو وہاں سے پک کر نکلنے کی توفیق عطا فرماویں آمین۔ (ملفوظات طیبات صہ۹۲،۹۱)

آپ روح کی حیات کو اصل حیات خیال کرتے تھے۔ لہٰذا اس کی تربیت کو لازمی سمجھتے تھے۔ فرمایا۔ حقیقت میں انسان روح کا نام ہے۔ انسان اگر جسم کا نام ہوتا تو مرنے والوں کا سارا جسم پاؤں کے ناخن سے سر کے بالوں تک موجود ہوتا ہے۔ مگر گھر والے اسکو جلدی قبر تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کون سی چیز گئی معلوم ہوتا ہے کہ اندر جو روح تھی۔ وہی انسان تھا۔ انسان کی لاش تھی۔

حضرت مولانا عبید اللہ انور نے ارشاد فرمایا کہ حضرت" حصولِ علم کے لیئے ۵۰٪ ادب اور ۵۰٪ محنت کو ضروری سمجھتے تھے اور تربیت کرنے کے لئے ۱۰۰٪ ادب کو ضروری خیال فرماتے تھے۔ وہی مولانا روم والی بات ہوئی۔ ع پیش مردے کاملے پامال شو

یک زمانہ صحبتے با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

محمد مقبول عالم بی - اے - لاہور

شیخ التفسیر کا درسِ حکمت ولی اللّٰہی

حضرت شیخ التفسیر سیدنا و مولانا احمد علی رحمتہ اللہ علیہ کا درس قرآن حکیم برائے عوام و برائے علماء کرام ایک مشہور و معروف چیز ہے درس قرآن برائے عوام ہر روز صبح ہوتا تھا تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ حضرات اپنی اپنی استعداد کے مطابق مستفید ہوتے تھے۔ درس قرآن برائے علماء کرام ہر سال رمضان شریف میں شروع ہوتا تھا اور تین ماہ تک جاری رہتا تھا۔ یعنی ذلقیعدہ میں ختم ہوتا۔ علماء کرام کا امتحان لیا جاتا جو پاس ہو جاتے انہیں سند دی جاتی۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے یہ درس کئی سال تک جاری رہے۔ اور ان سے بے شمار حضرات مستفید ہوتے رہے ان میں سے جو حضرات اعلیٰ استعداد کے مالک ہوتے انہیں حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی بلند پایہ اور بے نظیر کتاب "حجتہ اللہ البالغہ" بھی پڑھائی جاتی۔ اس کتاب میں حضرت شاہ صاحب نے فلسفہ شریعت اسلامیہ بیان فرمایا ہے اور حکمتِ اسلامیہ کو منضبط کیا ہے۔ اس سے ایک تو احکام شرعیہ کی حکمتوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور دوسرے وہ بصیرت ملتی ہے اور ان قواعد کا پتہ لگتا ہے جنھیں پیش نظر رکھ کر موجودہ صنعتی اجتماعی دور کے نئے نئے اور پیچیدہ مسائل کے متعلق صحیح اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کتاب کے مطالب کو سمجھنے کے لئے پہلے علوم دینیہ کی تحصیل ضروری ہے اور عربی زبان سے خوب اچھی طرح واقف ہونا لازم ہے یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب صرف چند خاص حضرات ہی کو پڑھائی گئی۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے ماہر استاد کے بغیر حل بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے خود اس کتاب کو ماہر علوم ولی اللّٰہی امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی نور اللہ مرقدہٗ سے ان کے کابل ہجرت کرنے سے پہلے پڑھا تھا اور انہوں نے اپنے استاد گرامی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمتہ اللہ علیہ سے پڑھا تھا۔ یہ سلسلہ حضرت شاہ صاحب تک پہنچتا ہے چنانچہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی سے اس کی سند یوں بیان کی جاتی ہے

عن عبید اللّٰہ بن الاسلام قال اخبرنا شیخ الہند مولانا محمود الحسن
الدیوبندی عن حکیم عصرہ مولانا محمد قاسم الدیوبندی عن الشیخ
عبد الغنی الدہلوی عن الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق الدہلوی
عن جدہ الامام عبد العزیز الدہلوی عن ابیہ الامام ولی اللّٰہ
بن عبد الرحیم الدہلوی بکتابہ "حجتہ اللّٰہ البالغہ"

ہم چند دوست حضرت رحمتہ اللہ کا درس عام و خاص ایک عرصہ سے سنتے آئے تھے اور حضرت نے ہمیں بکمال مہربانی مشکوٰۃ شریف کے درس سے بھی نوازا۔ پھر ہم سب نے درخواست کی ہمیں "حجتہ اللہ البالغہ" بھی پڑھائی جائے۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے کمال

شفقت سے ہماری درخواست منظور فرمائی اور فرمایا کہ اگرچہ تم نے باقاعدہ علماء کرام کا نصاب نہیں پڑھا اور عربی زبان کی بھی بہت زیادہ مہارت نہیں رکھتے۔ لیکن چونکہ تم نے میرا درس قرآن کئی سال سے سُنا ہے اور حضرت شاہ صاحب کے افکار سے کچھ حد تک تم واقف ہو چکے ہو۔ اور پھر تم سب گریجویٹ ہو اس لئے عربی عبارتوں کا ترجمہ میں کر دیا کروں گا اور مطالب سمجھا دیا کروں گا۔ ان مطالب کا سمجھنا تمہارے لئے مشکل نہیں ہو گا۔ چنانچہ ہم سب نے کتابوں کا بندوبست کیا کچھ نسخے دہلی سے منگوائے جو مصر کے چھپے ہوئے تھے۔ ایک نسخہ کم تھا۔ اس لئے قرعہ اندازی ہوئی۔ راقم الحروف کے نام قرعہ نکلا اور اسے بھی ایک نسخہ مل گیا۔ اور اسے اتنی خوشی ہوئی کہ کبھی کسی قیمتی سے قیمتی شے کے ملنے سے بھی نہ ہوئی تھی۔ خدا کا شکر ادا کیا۔

ہماری اس جماعت میں تقریباً گیارہ حضرات شامل ہوئے جن کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:-

۱۔ حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب دامت برکاتہم فاضل دیوبند خلف اکبر حضرت رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۔ علامہ علاؤ الدین صدیقی صاحب ایم اے ایل ایل بی۔

۳۔ چوہدری عبدالرحمان خان صاحب ایم اے ایل ایل بی

۴۔ مولانا بشیر احمد صاحب بی اے۔

۵۔ چوہدری عطاء اللہ خاں صاحب بی۔ اے

۶۔ حافظ فضل الٰہی صاحب ایم اے۔

۷۔ مولانا غازی خدا بخش صاحب منشی فاضل۔

۸۔ مولانا عبدالعزیز صاحب مرحوم مالک الہلال بک ایجنسی۔

۹۔ ڈاکٹر عبداللطیف صاحب ایم بی بی ایس۔ بی۔ ڈی۔ ایس

۱۰۔ مولانا سیف الدین بہاری صاحب فاضل امروہہ۔

۱۱۔ راقم الحروف (محمد مقبول عالم بی اے) منشی فاضل۔

حجۃ اللہ البالغہ کا یہ درس ۲۷ جنوری ۱۹۴۰ء کو شروع ہوا۔ اس سے پہلے مشکوٰۃ شریف کا درس ہم ۱۷ جولائی ۱۹۳۸ء کو شروع کر چکے تھے اور وہ درس ہنوز جاری تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ پہلے ہم قرآن حکیم کا درسِ عام سُنتے پھر مشکوٰۃ شریف پڑھتے۔ اور پھر حجۃ اللہ البالغہ کا درس ہوتا۔ مشکوٰۃ شریف کا درس ۲۰ مئی ۱۹۴۳ء کو ختم ہوا اور ہم اس سے ذرا پہلے ۲۶ اپریل ۱۹۴۳ء کو حضرت شاہ صاحب کی ایک فارسی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" شروع کر چکے تھے۔ یہ کتاب ۸ اپریل ۱۹۴۵ء کو ختم ہوئی لیکن ان کے ساتھ حجۃ اللہ البالغہ کا درس بھی جاری رہا اور اس کی پہلی جلد ۱۲ جنوری ۱۹۴۵ء کو ختم ہوئی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "میں عموماً پہلی جلد ہی پڑھاتا رہا ہوں حکمت ولی اللّٰہی کے قواعد کلیہ کا بیان اسی جلد میں ہے دوسری جلد میں مشکوٰۃ شریف کی حدیثیں ہیں اور ان کی تشریح ان قواعد کلیہ کی روشنی میں کی ہے"۔

ہم نے عرض کیا کہ ہمیں دوسری جلد بھی پڑھائی جائے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے از راہِ عنایت ہماری درخواست قبول فرمالی اور ہم نے دوسری جلد شروع کر لی۔ یہ سلسلہ ۱۵ جنوری ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ اگرچہ ابتداء میں ہماری جماعت کی تعداد خاصی تھی لیکن بعض حضرات اس درس کو جاری نہ رکھ سکے اور بعض بے قاعدگی سے آتے رہے لیکن پھر بھی چھ سات حضرات آخر وقت تک باقاعدگی سے درس میں شامل رہے۔

راقم الحروف کا قاعدہ تھا کہ درسوں کے باقاعدہ نوٹ لیتا اور انہیں ایک جلد میں جمع کرتا جاتا۔ اسی طرح اور حضرات بھی کرتے تھے بعض صرف کتاب پر معانی لکھنے ہی پر اکتفا کرتے تھے۔

ہمارا یہ درس جاری تھا کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ جو ۱۹۳۹ء میں واپس وطن آ چکے تھے ایک دفعہ لاہور تشریف لائے اور

اُنہوں نے خواہش ظاہر کی بلکہ اخبارات میں اعلان شائع کروایا کہ اگر کوئی چاہے تو ان سے "حجۃ اللہ البالغہ" کے مطالب سمجھ سکتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے کوئی شخص بھی اس شوق کو لے کر حاضر نہ ہوا۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے مسلمانوں کی اس بے حسی پر بڑا بڑا افسوس کیا۔ اور انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ اپنی حجۃ اللہ البالغہ کی جماعت میں سے دو آدمی ایسے دو جو بہت ذہین ہوں تاکہ میں ان کو اس کتاب کے مطالب سمجھا دوں اور اس کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کی دوسری کتابوں کے فکر اور فلسفہ سے بھی واقف کرا دوں۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا بشیر احمد صاحب بی اے، اور مولانا غازی خدا بخش صاحب کو (جو اُن دنوں اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ میں ٹیچر لگے ہوئے تھے) منتخب فرمایا اور انہیں فرمایا کہ تم مولانا سندھیؒ کے پاس جاؤ اور جو کچھ وہ تمہیں دیں لے لو۔ اور ان کے بحرِ علم و حکمت سے خوب سیر ہو کر پیو۔ چنانچہ ان دونوں حضرات نے حضرت مولانا سندھیؒ کی صحبت اختیار کی اور ان سے "حجۃ اللہ البالغہ" بدور بازغہ، تفہیمات الٰہیہ سطعات اور دیگر کتابوں کے مطالب سمجھے۔ رفیق محترم مولانا بشیر احمد صاحب کو ان کی صحبت اتنی پسند آئی کہ بالآخر انہوں نے اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ کی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا اور حضرت مولانا سندھیؒ کی پوری مصاحبت اختیار کی بلکہ ان کے معتمد خصوصی کی حیثیت سے ان کے ساتھ آخر وقت تک کام کرتے رہے۔ رفیق مکرم موصوف بڑے زود نویس ہیں ان کا قاعدہ تھا کہ حضرت مولانا سندھیؒ املا کراتے اور وہ لکھتے چلے جاتے تھے۔ ان کتابوں کے مطالعہ کے علاوہ کئی اہم مقالات بھی لکھوائے جن میں مسائل حاضرہ پر خوب بحث کی ہے اکثر قرآنی آیتوں اور سورتوں کے مطالب بھی لکھوائے۔ یہ سارا مواد "امالی عبیدیہ" کے نام سے پانچ موٹی موٹی جلدوں میں جو کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔ رفیق مکرم مولانا بشیر احمد صاحب (۲۲۳ این سمن آباد لاہور) کے پاس محفوظ ہے۔ بعض حصے وقتاً فوقتاً مختلف رسالوں میں شائع کئے جا چکے ہیں اور اکثر قرآن کی سورتیں مثلاً سورۃ مزمل و مدثر، سورۃ فتح، سورۃ محمد، سورۃ عصر سورہ اخلاص و معوذتین بھی کتابی صورت میں شائع کی جا چکی ہیں۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا وصال ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء کو ہوا تو مولانا بشیر احمد صاحب اور مولانا خدا بخش صاحب پھر ہمارے درس "حجۃ اللہ البالغہ" میں شامل ہو گئے اور اس طرح ہم جنوری ۱۹۴۷ء تک حکمت ولی اللٰہی کے اس چشمہ صافی سے سیراب ہوتے رہے اس کے بعد ملکی حالات خراب ہونے شروع ہو گئے اور فسادات کا زمانہ آ گیا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خرابی صحت اور دیگر مشغولات کے پیشِ نظر یہ درس جاری نہ رہ سکا۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنے آخری سال وفات میں ایک سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس کا نام "ولی اللہ سوسائٹی" تجویز کیا تاکہ حضرت شاہ صاحب کے فکر اور فلسفہ کی تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں میں اشاعت کی جائے اور وہ اس فلسفہ سے آگاہ ہو کر قومی و ملّی ترقی کے لئے کامیاب جدوجہد کر سکیں اور اس کے ساتھ وہ یورپ کے اشتراکی یا سرمایہ دارانہ فلسفے سے مرعوب و مشوش نہ ہوں چنانچہ انہوں نے مولانا غازی خدا بخش صاحب کو اس سوسائٹی کا صدر بنایا اور مولانا بشیر احمد صاحب کو سیکرٹری مقرر کیا۔ راقم الحروف بھی بعد میں ان سے مل گیا۔ اس سوسائٹی نے مذکورہ بالا سورتوں کی تفاسیر شائع کیں۔ حجۃ اللہ البالغہ کے مبحث اوّل و دوم کی تشریح شائع کی اور مبحث سوم "مبحث اتفاقات" کا انگریزی ترجمہ اپنے رسالے "دنیو تھاٹ" میں شائع کیا۔ چنانچہ آگے مبحث چہارم "مبحث سعادت" کا ترجمہ کرنا مقصود تھا تو ہم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۹۶۱ء میں پھر درخواست کی کہ حجۃ اللہ البالغہ کے اعادہ کے لئے ہمیں موقع دیا جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ وقت بالکل نہیں ہے۔ لیکن ہمارے اصرار پر اُنہوں نے ہفتہ میں ایک بار بدھ کا دن مقرر فرمایا کہ درسِ عام کے بعد آ جایا کرو۔ چنانچہ اس درس میں مولانا بشیر احمد صاحب، مولانا غازی خدا بخش صاحب، چوہدری عطاء اللہ خان صاحب، مولانا محمد اسحاق صاحب فاضل دیوبند اور راقم الحروف شامل ہوئے اور ہم نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو مبحث چہارم "مبحث سعادت" پڑھنا شروع کر دیا اس مبحث میں سات ابواب ہیں جنہیں ہم نے ۱۰ ستمبر ۱۹۶۱ء کو ختم کر لیا پہلے دو ابواب کا ترجمہ جو انہوں نے خود لکھوایا تھا صاف کر کے دکھا لیا گیا اور اس پر انہوں نے اپنے دستخط کر دیئے۔ پھر مبحث پنجم "مبحث بر واثم" شروع کر لیا اور ہم اس کے تیسرے باب میں پہنچ گئے۔ ہمارا آخری درس ۳۱ جنوری ۱۹۶۲ء بروز بدھ ہوا۔ پھر رمضان شریف کی ابتداء ۷ فروری ۱۹۶۲ء بروز بدھ سے

ہو گئی۔ جب ہم اس دن حسبِ معمول حاضر ہوئے تو حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب علمائے کرام آ چکے ہیں اور درس خاص شروع ہونے والا ہے۔ یہ سلسلہ تین ماہ تک جاری رہے گا اس لئے آپ اس کے بعد تشریف لائیں۔

لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ ۷؍رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء بروز جمعہ سفرِ آخرت درپیش آ گیا اور حضرت رحمتہ اللہ علیہ اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ اور ہم ان کی دائمی مفارقت سے محروم رہ گئے کہ پھر کبھی وہ درس حکمت ولی اللّٰہی نصیب نہیں ہوگا۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی یہ کمال شفقت تھی کہ ہمیں درس عام سے اُٹھ کر اپنے حجرہ خاص میں لے جاتے اور وہاں دروازہ بند کر کے درس دیتے فرماتے تھے کہ یہ کتاب ایسی نہیں ہے کہ عام لوگوں میں بیٹھ کر پڑھی اور پڑھائی جا سکے۔ اور فرمایا کہ ہمیں بھی حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ جنگل میں لے جا کر پڑھایا کرتے تھے۔ ایک میں تھا اور دوسرا ایک بلوچی مولوی وہ فوت ہو گیا ہے۔

حضرت کے وصال کے بعد علمائے کرام کے درس خاص کی تکمیل کا بوجھ حضرت مولاناؒ کے جانشین مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم کے کندھوں پر پڑا۔ اور انہوں نے میعادِ مقررہ میں اس جماعت کو فارغ کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے عرض کیا کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے سارے کام بفضلہ تعالےٰ جاری ہیں پھر حجتہ اللہ البالغہ کا درس کیوں بند ہو جائے چنانچہ ہم نے اس کے بعد حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب کے ساتھ مورخہ ۱۰ مئی ۶۲ء سے یہ درس جاری کر لیا۔ تاکہ ہم سب مل کر اس کتاب کے مطالب کو دہرائیں۔ اب ہم نے کتاب کو ابتدا ہی سے شروع کر لیا۔ خدا کے فضل و کرم سے یہ درس اب تک جاری ہے۔ تمہید اور مقدمہ ختم کرنے کے بعد مبحث اول کے چار ابواب ختم کر چکے ہیں۔ اب رمضان شریف شروع ہو گیا ہے اور علمائے کرام کا درس خصوصی بھی جاری ہو گیا۔ اس لئے مصروفیت کے پیشِ نظر حجتہ اللہ البالغہ کا درس تین ماہ کے لئے ملتوی کر دیا گیا ہے۔

خدا کرے کہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقات اور علمائے کرام میں سے نوجوان حضرات حکمت ولی اللّٰہی کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوں اور ان کی باقاعدہ جماعتیں مدرسہ قاسم العلوم میں شروع ہو سکیں تاکہ وہ پاکستان کے اندر صحیح اسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کا کام باحسن وجوہ سرانجام دے سکیں اور انہیں اس سلسلہ میں کسی غیر اسلامی فکر اور فلسفے سے رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت نہ رہے۔

راقم الحروف کو پورا وثوق ہے کہ اگر وہ حکمت ولی اللّٰہی کا باقاعدہ مطالعہ کریں گے تو وہ دیکھیں گے کہ جملہ معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی اُمور میں یہ فلسفہ انسانیت کی کامل رہنمائی کرتا ہے اگر حکمت ولی اللّٰہی کے درس کا سلسلہ باقاعدہ کلاسوں کی صورت میں جاری ہو جائے اور نوجوان اس سلسلے میں آگے بڑھیں تو ان کی سعادت ہوگی اور وہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی روح مبارک کی خوشنودی بھی حاصل کریں گے۔ واللہ المستعان۔

حرام سے بچنے کے لئے ذکر اللہ کی ضرورت

حضرتؒ کے عام مواعظ میں بھی اس بات پر ضرور زور دیا گیا ہے اور ہم نے خود دارالعلوم نعمانیہ ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک مبارک مجلس کے دوران حضرت سے سنا کہ حرام کھانے کا طبعی یہ اثر ہے کہ اس سے عبادت کی توفیق سلب ہو جاتی ہے ۔۔۔ فرمایا یہ اس کا خاصہ ہے کہ جان کر کھایا جائے یا انجانی سے جس طرح کہ زہر کھانے سے موت کا واقع ہونا یہ اور بات ہے کہ بے خبری میں زہر کھاتے سے گناہ تو نہیں ہوگا لیکن موت ضرور واقع ہوگی حسب عادت اسی طرح حرام کھانے سے دل پر یہ اثر ہونا ضروری ہے کہ عبادت کی لذت سے معاذ اللہ محروم ہو جائے اور اسی طرح رفتہ رفتہ عبادت کی توفیق ہی سلب ہو جائے۔

فرمایا اس لئے کثرت سے ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کی خاصیت ہے کہ اس سے دل میں ایک ایسی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ پھر حرام کھانے کو قبول ہی نہیں کرتا جیسا کہ معدہ مکھی کو قبول نہیں کرتا (ملخصاً)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی



کا

گرامی نامہ

محمد منظور نعمانی
۳۴۔ نیا گاؤں مغربی۔ لکھنؤ

باسمہ تعالیٰ

۱۹ ۶/ ۷۸ء

مکرمی و محترمی جناب مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی صاحب زید مجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ مورخہ ۱۲/۵/۷۸ء موصول ہوا تھا۔ جس میں حضرت لاہوری کے بارے میں لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ اس فرمائش کی تعمیل میرے لیے سعادت تھی، ارادہ بھی کیا کہ ہو سکے تو کچھ لکھ کر ارسال خدمت کر دوں لیکن میں ایسے حالات میں ہوں کہ [illegible] کا جواب دینا بھی میرے لیے مشغلہ [illegible] اس وقت یہی عرض کر پایا تھا ہوں کہ اگر کچھ ہو سکا تو انشاء اللہ لکھ کر ارسال خدمت کر دیا جائے گا ورنہ معذور تصور فرما لیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ [illegible] کا کوئی [illegible] مشغلے کی طرح جاری [illegible] بار بار اس کے بند کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس سے [illegible] تعلق رکھنے والے [illegible] راضی نہیں ہو سکے تو مجبوراً جاری رکھا جا رہا ہے ورنہ [illegible] اب بھی اس بوجھ کے اٹھانے کی طاقت نہیں رہا ہوں۔ فاللہ المستعان۔

مولانا عبید اللہ انور صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔ آپ سے [illegible] کی دعاؤں کا محتاج اور [illegible] کے لیے دعا گو ہوں۔

والسلام

[illegible]

حضرت لاہوری کے خصوصی شاگرد ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ کا مکرمت نامہ

ڈاکٹر صاحب کا مضمون دوسری جگہ موجود ہے (علوی)

فون نمبر : ۵۳۳۵۳/۸۷۱۴۸۱۴

آردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ

وولنر ہال
پنجاب یونیورسٹی (شارع قائداعظم)
لاہور ۱۹ اگست ۱۹۷۸ء
نمبر ۳۸۹



ڈاکٹر سیّد عبد اللہ
ایم اے، ایم او ایل، ڈی لٹ
پروفیسر ایمریطس
(صدر ادارہ)

مکرم و محترم السلام علیکم ـ مزاج شریف

جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا حضرت مولانا احمد علی مرحوم کے سلسلے میں ایک مضمون بعنوان " حضرت مولانا احمد علی ، حکمت ولی اللہی کے ایک نمائندہ عظیم " بھجوا رہا ہوں ـ ادارے کی مصروفیات کی بنا پر مضمون دیر سے بھجوا رہا ہوں جس کے لیے معذرت خواہ ہوں ـ اگر مخصوص شمارے میں نہ چھپ سکے تو کسی دوسرے شمارے میں چھاپ دیجئے ـ

والسلام ـ

نیاز مند

(سید عبد اللہ)

منسلک = مذکورہ بالا

بخدمت شریف
جناب سعید الرحمن علوی صاحب
ایڈیٹر ـ خدام الدین
انجمن خدام الدین شیرانوالہ گیٹ
لاہور ـ

حضرت لاہوریؒ کی مسجد

جامع مسجد شیرانوالہ وہ مسجد ہے جس کی دیواروں نے مدتوں پاکستان کے رجل عظیم پیکر حریت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی مرحوم کی بابرکت آواز سنی یہی وہ جگہ ہے جہاں دین حقہ کے طلاب اور شمع نبوت کے پروانے دور دراز کے علاقوں سے صعوبت سفر برداشت کر کے پہنچتے اور حضرت مغفورؒ ایسے بحر علم سے اکتساب کر کے اپنی علمی تشنگی کو دور کرتے، یہی وہ اعلیٰ وارفع مقام ہے جہاں افغانستان، ملایا، بھارت، مصر، ترکی، انڈونیشیا، پاکستان غرضیکہ عالم اسلام کے کونے کونے سے دارفتگان حق آتے اور حضرت شیخ التفسیر ایسے مرد حق آگاہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کو باعث سعادت سمجھتے۔ ذیل کے مختصر سے مضمون میں اس مسجد کی تاریخ پیش خدمت ہے۔

جس مقام پر آج کل آپ کو یہ رفیع الشان مسجد نظر آتی ہے، کسی زمانے میں اس جگہ اونٹوں کا طویلہ تھا، ارد گرد ہندو سکھ آبادی تھی، بعد ازاں طویلہ منہدم کر کے یہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی، اس مسجد میں قریبی پولیس لائنز کے ملازم آکر نماز پڑھتے تھے چنانچہ اسی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد لائن سبحان خاں تھا "ریشمی خطوط کی سازش" کے سلسلے میں جب حضرت شیخ التفسیر لاہور میں نظر بند ہوئے تو آپ نے فاروق گنج کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں درس قرآن شروع کیا، تھوڑے سے ہی عرصے کے بعد طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ مشتاقان قرآن اتنی تعداد میں آنے لگے کہ مذکورہ بالا مسجد ان کی کثیر تعداد کی متحمل نہ ہو سکی۔ چنانچہ حضرت مولانا نے درس ایک رہائشی مکان پر منتقل کر لیا، کچھ دیر بعد وہ مکان بھی ناکافی ثابت ہوا تو آپ مسجد لائن سبحان خان میں اٹھ آئے یہ ۱۹۱۷ء کا واقعہ ہے۔

حضرت شیخ التفسیر نماز فجر کے ایک گھنٹہ بعد درس شروع کرتے جو تقریباً پون گھنٹہ جاری رہتا، اتوار کو درس کے اوقات میں اضافہ ہو جاتا، چلتے چلتے ایک بات اور سنتے جائیے کہ اس مسجد میں حضرت مولانا نے انگریزی خواں طبقہ کے لئے بھی درس شروع کیا جسے گریجویٹوں کا درس کہا جاتا تھا۔ اس درس میں علامہ علاؤ الدین صدیقی صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی ڈاکٹر سید عبداللہ پرنسپل یونیورسٹی اورنٹیل کالج شیخ عظیم اللہ وکیل سابق سیکرٹری فنانس انجمن حمایت اسلام، پروفیسر ڈاکٹر سعادت ایم۔اے۔ پی ایچ ڈی پروفیسر گورنمنٹ کالج وپرنسپل دیال سنگھ کالج، عبدالمجید مرزا ایم اے مشیر محکمہ تعمیر نو مرکزی حکومت شیخ بشیر احمد لدھیانوی مالک ادارہ کتابستان، ایڈیٹر جریدہ "نیو تھاٹ" اور صدر ولی اللہ سوسائٹی، کیپٹن میر کرامت اللہ اور چوہدری عبدالرحمن ایم۔اے ایل۔ایل۔بی علیگ سابق اسسٹنٹ سیکرٹری حکومت پنجاب کے علاوہ دیگر پڑھے لکھے افراد شامل رہے۔ ۱۹۲۱ء میں جب حضرت مولانا نے افغانستان ہجرت کی تو درس کا سلسلہ کچھ عرصہ معطل رہا لیکن سال ڈیڑھ سال کے بعد جب آپ واپس تشریف لائے تو اس مسجد میں درس کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا گیا، پہلے اس مسجد کے متولی حاجی فضل الدین تھے وہ حضرت مولانا کے موعظہ حسنہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے مسجد آپ کے سپرد کر دی۔

تین دفعہ اس مسجد کی تجدید و توسیع کی گئی اور تینوں دفعہ یہ کام ایک دین دار بزرگ اور اپنے فن کے ماہر مستری عبداللہ کے ہاتھوں انجام پایا۔ مستری صاحب کی عمر اس وقت اکہتر برس ہے آج بھی جب وہ اس مسجد کے متعلق بات کرتے ہیں تو ان کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں عجیب چمک پیدا ہو جاتی ہے پہلی دفعہ مسجد کی چھت اونچی ہوئی، سابقہ کڑیاں اتروا کر نئی کڑیاں ڈالی گئیں۔ باہر کا صحن جو پہلے غیر مسقف تھا مسقف کیا گیا۔ دیواروں میں روشن دان لگوائے گئے۔ دوسری مرتبہ مسجد کی بالائی منزل انجمن خدام الدین کا دفتر اور حضرت مولانا کا بالائی حجرہ تعمیر کیا گیا۔ تیسری مرتبہ مسجد کے زیریں حصہ کی مرمت کی گئی اور یوں یہ مسجد جو کسی زمانے میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی اور مسجد لائن سبحان خان کہلاتی تھی ایک عظیم الشان جامع مسجد کی شکل اختیار کر گئی۔ یہاں ایک بات اور یاد آگئی جو قابل ذکر ہے کہ مسجد شیرانوالہ کا بالائی حصہ کلیتاً مستورات کے جمع شدہ چندے سے تعمیر کیا گیا۔ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی مرحوم تا حیات اس مسجد کے متولی رہے آپ کے وصال کے بعد آجکل آپ کے صاحبزادے جناب مولانا عبید اللہ انور اس مسجد کے متولی ہیں۔

مدارس کی سرپرستی اور حضرت لاہوری

میں نے "جامعہ مدینہ" ... اتفاق ہے ۔ تہ دل سے اور دنیا سے کامیاب جو محض حصول رضاء الٰہی کی

سالانہ درجات	تجوید		صرف	نحو	ادب عروض	معانی	منطق	فلسفہ	کلام
سال اوّل	″	″	میزان علم الصیغہ فصول اکبری	نحو میر شرح مائۃ ہدایۃ النحو	مفید الطالبین	..	مرقات	..	..
سال دوم	″	″	مراح الارواح (اختیاری)	کافیہ شرح جامی بحث فعل	نفحۃ العرب	تلخیص	شرح تہذیب و قطبی	..	..
سال سوم	″	″	..	شرح شامی	محیط الدائرہ	مختصر المعانی	سلم العلوم و ملا حسن	..	..
سال چہارم	″	″	..	..	مقامات	مطول	..	میبذی	شرح عقائد
سال پنجم	″	″	..	..	متنبی	..	..	..	..
سال ششم	″	″	..	..	..	..	..	..	..
سال ہفتم	″	″	..	..	..	..	حمد اللہ	..	..
سال ہشتم	″	″	..	..	حماسہ معلقات	..	..	صدرا	..
سال نہم	″	″	..	..	..	..	قاضی	..	..
سال دہم	″	″	..	..	..	..	..	شمس بازغہ	..

ابھی اس مرتبہ رپورٹ کو بغور پڑھا ہے۔ محترم المقام مولوی حامد میاں صاحب کے پاکیزہ عزائم سے مجھے پورا
دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں تادیر سلامت رکھے۔ تاکہ وہ اپنے پاکیزہ عزائم کو انتہا تک پہنچا سکیں
ہو کر بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہو کر پہنچیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ کہ انہیں مخلص معاون عطا فرمائے
خاطر ان کا ساتھ دیں۔ آمین یا الٰہ العالمین + احقر الانام احمد علی عفی عنہ
٢٣ محرم الحرام ١٣٧٩ھ

ہیات و اقلیدس	تاریخ و جغرافیہ	ریاضی و انگریزی	مضمون نگاری و خوشخطی	طب	فقہ	اصول فقہ	میراث	تفسیر و اصولِ تفسیر	حدیث و اصولِ حدیث	مختلف
..			خوشخطی خارج وقت میں		نور الایضاح					
..					قدوری وکنز	اصول الشاشی				
..					شرح وقایہ	نور الانوار			موطا امام مالکؒ	
..					ہدایہ اوّلین	حسامی			طحاوی شریف	
..					ہدایہ اخیرین	توضیح تلویح مسلم الثبوت	سراجی	جلالین شریف الفوز الکبیر	مشکوٰۃ شریف و نخبۃ الفکر	
..									دورۂ حدیث مکمل	
..	جغرافیہ و تاریخ کی مختلف کتابیں تا معیارِ میٹرک	انگریزی تا میٹرک و حساب بقدرِ ضرورت	مضمون حسبِ ہدایت استاذ					تفسیر بیضاوی	آثار السنن	
..	البدایہ والنہایہ	انگریزی تا بی اے						تفسیر ابن کثیرؒ	..	
تصریح و شرح چغمینی و اقلیدس	″	ایل ایل بی			طب قدیم				..	حجۃ اللہ البالغہ
..	شاندار ماضی اور تاریخ پر تحقیقی مقالہ	ایل ایل بی			تکمیل طب قدیم و ہومیوپیتھک				نصب الرایہ حدیث کے کسی مسئلہ پر تحقیقی مضمون	

(نوٹ) بعد از عصر درس تجویز کی گئی ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات   تا ز بزم عشق یک "دانائے راز" آید بروں

اقتباس

از

"دانائے راز"

زیر سرپرستی:- جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم

تمام محبین و عقیدتمندان حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے پورے دلسوزی سے درخواست کی جاتی ہے کہ ان کے علم میں حضرت الشیخ رح کے بارہ میں کسی قسم کی مفید معلومات ہوں یا حضرت الشیخ رح کے مکاتیب مقدسہ یا دیگر تحریرات مبارکہ ہوں ان سے فوری طور پر احقر کو نوازیں تاکہ سوانح مبارکہ ہمہ پہلو مکمل اور حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے شایان شان مرتب ہو سکے۔ انشاء اللہ حضرت رح روحانی فیض عالی سے معاونین کرام ضرور نوازے جائیں گے۔

اور ساتھ ہی الحاح و زاری سے دعا بھی فرمادیں کہ رب کریم جل شانہٗ پوری نصرت و امداد اور قبولیت عطا فرماویں آمین بحرمت نبی الرحمۃ رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مرتب سوانح مبارکہ   خاکپائے حضرت الشیخ رح

طالب دعا

احمد عبد الرحمٰن صدیقی عفا اللہ عنہٗ

مکتبہ حکمت اسلامیہ - نوشہرہ صدر ضلع پشاور

رب کریم کے فضل و احسان سے بندہ حضرت الشیخ مرشدی و مولائی المفسر العارف المجاہد الامام لاہوری رحمہ اللہ علیہ کی مکمل و مفصل سوانح مبارکہ مرتب کرنے کی سعادۃ جانشین شیخ التفسیرؒ مخدومی حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم کی زیر سرپرستی حاصل کر رہا ہے ۔ اس سوانح کا نام بزرگوں کے مشورہ سے "دانائے راز" تجویز کیا گیا ہے ۔ اس مجوزہ سوانح کے لیے بعض اکابر کے مضامین خدام الدین کے موجودہ خاص نمبر میں آ رہے ہیں ، جسے امید ہے آپ پسندیدگی کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے ۔ اس وقت صرف نمبر خاص میں شمولیت کی سعادۃ حاصل کرنے اور برادرم مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب زید مجدھم و عزیزم میاں محمد اجمل قادری سلمہم کے ارشاد پر چند ضروری چیزیں پیش خدمت کر رہا ہوں جو اس سے پہلے کہیں پر شائع نہیں ہوئیں ۔"

۱ - جب امام الاولیاء ، شیخ العصر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا ۔ بندہ اپنے والد محترم حاجی عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں حرمین شریفین میں حج و زیارت کی نیت سے مقیم تھا ۔ مدینہ منورہ میں عید الفطر ۱۳۸۱ھ کو نماز عید کے فوراً بعد زبدۃ العارفین مرشدِ کامل حضرت مولانا عبدالغفور العباسی المدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جنت البقیع میں نورانی قبور کی زیارت کی سعادۃ ملی ۔ اس کے فوراً بعد واپسی پر حضرت الشیخ عباسیؒ نے اس سیہ کار سے فرمایا کہ " اعتکاف کے دوران میں حضرت عارفِ کامل شیخ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا سن کر بہت افسوس ہوا ۔ اب صرف لاہور ہی خالی نہیں ہوا بلکہ پورا پاکستان خالی ہو گیا ۔ حضرت مولانا بڑے انسان تھے دینِ حق کی بہت خدمت فرمائی ۔ دیوبند و دیگر بڑے مدارس دینیہ سے جب علماء فارغ ہوتے تو ترجمہ پڑھنے کے لیے حضرت مولاناؒ کے ہاں لاہور آتے ۔ ہمیشہ حق فرمایا ۔ حق کہنے والوں کی قبور ہمیشہ منور ہوتی ہیں ۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا مقام عنایت فرمایا ہوگا ۔ مجھ عاجز پر حضرتؒ کی بڑی شفقت تھی ۔ مدینہ پاک میں عام طور پر کسی کی دعوت قبول نہ فرماتے تھے ۔ اس کے باوجود دو مرتبہ حضرت مولانا میرے مکان پر تشریف لائے اور اس شرفِ عظمیٰ سے نوازا ۔ الحمد للہ میرے حضرت قریشی رحمۃ اللہ سے بھی حضرت مولانا کے تعلقات بہت گہرے تھے ۔ حضرتؒ نے دورِ حاضر کے ایک بہت بڑے فتنے مودودیت کا استیصال و ردّ بہت جم کر فرمایا اور صرف یہی نہیں بلکہ ہر فتنے کا حضرت مولاناؒ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور فتنوں کی سرکوبی میں حضرتؒ کی خدمات بہت اعلیٰ ہیں ۔ اور میں نے تو پاکستان میں اپنے احباب و متعلقین سے کہہ رکھا ہے کہ جو حضرت لاہوریؒ فرماویں بس وہی میرا مسلک ہے ۔ اس کو لازم پکڑو ۔"

پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت الشیخ قدس سرہٗ کمالِ شفقت فرماتے ہوئے ہماری قیام گاہ پر رونق افروز ہوئے (جو ان کے معرفت کدہ کے نچلے حصہ میں تھی) اور حضرت لاہوریؒ کی تعزیت و دعا فرمائی اور فرمایا کہ " اس وقت ان سے قریب تر آپ ہیں ، اس لیے آپ سے تعزیت کے لیے آیا ہوں ۔ بہت خوبیوں کے مالک تھے ۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوضات جاری رکھے اور ہم آپ سب کو ہمیشہ نوازتا رہے آمین ۔"

۲ - ۵ ، شوال ۱۳۸۱ھ نماز ظہر سے پہلے محدث شہیر حضرت علامہ مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے ۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا تو فرمایا : " حضرت مولانا صاحبؒ کا پنجاب کے علمائے حق میں پہلا نمبر ہے اور وہاں مولاناؒ کے حلقۂ درس سے کافی نور پھیلا ۔ مولاناؒ میں سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ جو لوگ بدمذہب اور بے دین تھے وہ بہت متاثر ہوئے اور فیض حاصل کیا جتنا مجھے معلوم ہے وہ یہی ہے کہ مولاناؒ کا جو تعلق متحدہ پنجاب کے لوگوں سے فیض رسانی کا تھا ، وہ کسی اور کا نہ تھا ۔ جو بزرگ بھی وفات پاتا ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی جگہ پر ہو سکے گی ۔

اب لاہور میں مولاناؒ کے بعد حضرت مولانا کے جذبات میں تو لوگ ضرور ہوں گے ۔ مگر یہ کہ ان کی جگہ پر ہو سکے محال ہے ۔ جیسا کہ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد دیوبند میں ہیں لیکن وہ حضرت مدنیؒ کے جذبات میں ہیں حضرتؒ کا مقام خالی ہے ۔" پھر فرمایا کہ " حضرت مولانا لاہوریؒ کتنے خوش قسمت تھے ۔ خود بھی مبارک ۔ وفات کا دن بھی جمعۃ المبارک

اور مہینہ بھی رمضان المبارک ۔ سبحٰن اللہ ۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی قبور کو انوار سے بھر دے ۔ آمین ۔

حضرتؒ کے دونوں شیوخ (حضرت دین پوریؒ وحضرت امروٹیؒ) بہت بلند روحانیت کے مالک ۔ بزرگانِ حق اور مجاہدین تھے ۔ یہ ایک سنہری زنجیر ہے"۔

پھر حضرت الشیخ لاہوریؒ کے اخلاف کا دریافت فرمایا جس پر ان کے فاضل عالم اور حضرتؒ سے خلافت کی سعادۃ سے بہرہ ور ہونے کا عرض کیا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا "پھر تو امیدیں قائم ہیں"۔ پھر مولانا ہزاروی مدظلہٗ کے بارہ پوچھا اور فرمایا مولانا بڑے مجاہد ہیں ۔ دین کی بڑی خدمت کر رہے ہیں ۔ ان سے اور مولاناؒ کے صاحبزادگان سے سلام ضرور عرض کر دیں اور تعزیت بھی ۔

پھر مجھ سے فرمایا "کہ دل چاہتا ہے کلامِ الٰہی کو سادہ طریقے سے مطالعہ کروں ۔ کہ براہِ راست حضرت حق جل شانہٗ اپنے بندوں سے کیا فرماتے ہیں ۔ تفاسیر کی تشریحات باوجود مفید ہونے کے بس اب تو یہی دل چاہتا ہے ۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ بہت اچھا ہے ۔ اس وقت میرے پاس نہیں ورنہ اسے میں مطالعہ ضرور کرتا"۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ میرے پاس اس وقت بھی موجود ہے ۔ حضرت میرٹھیؒ نے فرمایا کہ "اس کی رقم ہدیہ لے کر اگر مجھے عنایت کر دیں تو احسان ہوگا"۔ جس پر دوسرے دن میں نے تحفتاً پیشِ خدمت کر دیا ۔ اس پر بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں ۔

۳ ۔ بقیۃ السلف سراج السالکین حضرت رائے پوری قدس سرہ العزیز لاہور میں تشریف لائے ہوئے تھے ۔ اور حضرت الشیخ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فالج کے حملہ کی وجہ سے میو ہسپتال میں داخل تھے ۔ غالباً جنوری ۱۹۶۰ء کا ذکر ہے ۔ ایک سرد شام کو مجاہدِ ملّت حضرت غلام غوث ہزاروی مدظلہم کی معیت میں بندہ پہلے میو ہسپتال میں حضرت الشیخؒ کی عیادت کے لیے حاضر ہوا ۔ اور پھر وہاں سے حضرت رائے پوریؒ کی خدمت بابرکت میں پہنچے ۔ کتاب پڑھی جا رہی تھی ۔ مولانا ہزاروی و ہم سب خاموش بیٹھے تھے ۔ کتاب کے بعد نمازِ مغرب سے ذرا پہلے حضرت رائے پوری نے مولانا ہزاروی مدظلہٗ سے مصافحہ فرماتے ہوئے پوچھا "اب حضرت کی طبیعت کیسی ہے"۔ جس پر مولانا ہزاروی نے قدرے آرام و سکون کا فرمایا"۔ اس پر حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا "الحمد للہ بہت کام کر رہے ہیں ۔ مقبولین بارگاہِ الٰہی میں سے ہیں"۔ پھر فرمایا "ان دنوں چاند کا مسئلہ چلا ہوا تھا ۔ "چاند کا کیا ہوا"؟ اور مولانا ہزاروی نے اس وقت کے حالات بیان فرمائے ۔

۴ ۔ ایک جمعۃ المبارک کو خطیب اسلام حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ بھی شیرانوالہ جامع مسجد میں نمازِ جمعہ کے لیے تشریف لائے ۔ نماز کے بعد کسی نے قاضی صاحب سے دعا کے لیے کہا تو قاضی صاحب نے فرمایا "ارے دعا کی جگہ وہ ہے (حضرتؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو منبر پر رونق افروز تھے ۔) میں خود ان سے دعا کی غرض سے آیا ہوں ۔ اور فرمایا "قدر کرو قدر ۔ ورنہ بعد میں ایسی ہستیاں نہیں مل سکیں گی"۔ اور آبدیدہ ہو گئے ۔

۵ ۔ جامع الصفات حضرت مولانا ابوالحسن ندوی دامت برکاتہم کے حالیہ دورۂ پاکستان کے دوران اسلام آباد میں بندہ نے ان کے زیارت کی دیرینہ خواہش پوری کی اور سوانح مبارکہ کے لیے بھی عرض کیا ۔ تو فرمایا "پرانے چراغ میں تفصیل لکھ چکا ہوں ۔ البتہ حضرت مولاناؒ کے مکاتیب میرے پاس ہیں انہیں لکھنؤ پہنچ کر نقل کرا دوں گا ۔ اور ان پر حاشیہ و مقدمہ لکھ کر بھجوا دوں گا ۔ یہ شمولیت میری سعادۃ ہوگی"۔

ابھی پرسوں ہی حضرت ندوی مدظلہم کا خوش خبری نامہ ملا کہ یہ خطوط نقل کروا کر انہوں نے لاہور حضرت اقدس مولانا عبید اللہ انور کو بھجوا دیے ہیں جو امید ہے اس نمبر خاص میں شامل ہوں گے ۔

۶ ۔ حضرت اقدسؒ کے خلفائے کرام میں سے خصوصاً جناب حضرت مولانا حاجی میر محمد صاحب مدظلہٗ جونگل اور دیگر حضرات نے اپنی سرپرستی سے نوازا ہے ۔ اسی طرح پاکستان کے ایک بزرگ یادگارِ سلف حضرت پروفیسر محمد یوسف سلیم چشتی اور ہندوستان کے بزرگ شخصیت خان غازی کابلی احراروی نے اپنی شفقتوں سے مسلسل نوازا ہے ۔ ان تمام حضرات و اکابر کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور دیگر علماء و اکابر سے بھی عاجزانہ درخواست ہے کہ سوانح مبارکہ کے سلسلہ میں اپنی گراں قدر ، سرپرستی ، تعاون ، توجہ و دعا سے آبیاری فرما دیں ۔ مہربانی ہوگی ۔

شیخ العصر ریحانۃ الہند حضرت قطب العالم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

دامت برکاتہم سہارنپوری کا مدینہ طیبہ منورہ سے مکتوب حبیب

"محترم المقام جناب مولانا صدیقی صاحب مدفیوضکم"

بعد سلام مسنون! حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ ملاقاتیں یا خط وکتابت کبھی نہیں رہی۔ ایک دو مرتبہ لاہور میں ان سے ملنا تو یاد ہے تفصیل یاد نہیں۔ اور نہ ہی میرے حضرت سہارنپوری قدس سرہ سے ان سے تعلق کی کوئی بات یاد ہے۔ البتہ حضرت مولانا رح کے یہاں سے آنے والوں بالخصوص مولانا کے درس میں سے آنے والے طلبائے سے مولانا کی خوبیاں اور صفات بہت کچھ سننے میں آئی تھیں۔ غائبانہ ہم دونوں ایک دوسرے سے واقف خوب تھے ...... حضرت مولانا احمد علی صاحب رح کا ذکر تذکرہ حضرت رائے پوری رح کی مجلس میں بہت کثرت سے ہوتا تھا۔ اور مولانا علی میاں کی زبانی بھی بہت کچھ سنتا رہتا تھا جس کی وجہ سے میں مولانا مرحوم کا بہت زیادہ معتقد تھا۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ بقلم ڈاکٹر اسمٰعیل میمنی غفرلہ ۴ ج ۲ ۹۷ھ / ۲۳ مئی ۱۹۷۷ء

(۲) حضرت اقدس دامت برکاتہم اپنے دوسرے مکتوب گرامی میں ارشاد فرماتے ہیں

" اس سے بہت مسرت ہوئی کہ آپ کو حضرت لاہوری رح کی خدمت میں دو اڑھائی سال شرف حضوری حاصل رہا۔ اللہ تعالیٰ حضرت رح کی برکات سے مالا مال کرے ..... آپ نے حضرت لاہوری رح کے جو معمولات لکھے وہ تو بہت اہم اور قیمتی ہیں۔ میری رائے ہے کہ ان میں ہی زیادہ توغل اور عمل کریں۔ اور حضرت رح کو روزانہ ضرور ایصال ثواب کیا کریں۔"

حضرت شیخ الحدیث بقلم حبیب اللہ ۷۸/۱/۲۴

شمس العلوم والمعارف حضرت علامہ شمس الحق افغانی دامت برکاتہم سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند وحال رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

اپنے مکتوب گرامی میں ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ

عزیز القدر مولانا عبدالرحمان صدیقی سلمہ اللہ

بعد از سلام مسنونہ ودعا فلاح دارین آپکا ہدیہ شرعی ضابطہ دیوانی مجلہ "نطق انور" دیگر رسائل پہنچ کر موجب مسرت ہوئے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو احوال میرے علم اور مشاہدے میں آئے وہ مختصراً درج ذیل ہے۔

(۱) مولانا مرحوم کا یہ وصف کہ دور حاضر میں حُبّ دنیا وجاہ کی تاریکی چھائی ہوئی ہے اور علماء اور اہل دین میں بھی کم ایسے حضرات جو جاہ و مال کی محبت سے محفوظ ہوں لیکن مولانا لاہوری مرحوم کا قلب حب جاہ و مال کی غرض سے محفوظ رہا ذالک فضل اللہ یؤتیہ مَن یَشَاءُ (۲) دوم چیز جو علماء ربانین کا خاصا رہا وہ تواضع ہے جو مولانا لاہوری مرحوم میں بدرجۂ اتم موجود تھا۔ اور ان کی زندگی کا یہ وصف ان کے افعال سے نمایاں تھا۔ ایک بار جب کہ آپ فالج کے مریض تھے اور ڈاکٹروں نے نقل و حرکت اور ملاقات کی

بندش کر رکھی تھی۔ میں لاہور آیا اور چاہا کہ ان سے ملاقات کروں وہ اس وقت اپنے مکان کے بالائی حصہ میں تھے۔ میں نے اطلاع کرائی۔ بندش ملاقات کے خلاف فوراً مجھے اندر بلایا اور حسن چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اس کا سرہانہ میرے لیے چھوڑ کر خود پائنتی بیٹھ گئے۔ اور بہت اصرار کرنے لگے کہ سرہانہ بیٹھ جاؤں۔ لیکن میں نے انکار کیا اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھا دیا۔ اب ایسی مجبوری میں یہ تواضع بے مثال ہے (۳) ردِ بدعات اور اشاعت سنت کے سلسلے میں کثیر تعداد رسائل لکھے اور مفت تقسیم کیے۔ (۴) درس و خدمت قرآن میں آپ کا مقام ممتاز رہا اور کافی علماء و طلباء اور عوام ان کے درس قرآن اور تصنیفات سے مستفید ہوتے رہے ہیں محکمہ اوقاف کی دعوت پر ایک بار لاہور آیا۔ مولانا لاہوری رحؒ وفات پاچکے تھے۔ مولانا عبید اللہ انور نے مجھے کہلا بھیجا کہ آج مولانا رحؒ کی جگہ آپ درس دیں۔ میں نے اولاً انکار کیا لیکن انہوں نے کہا کہ بڑے بھائی مولانا حبیب اللہ مہاجرؒ نے حضرت لاہوری کی وفات طیبہ سے قبل حرم نبویؐ سے ایک خط لکھا کہ دیکھ رہا ہوں کہ حضرت قبلہ رحؒ کی جگہ مولانا افغانی صاحب درس دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کوئی سعادت پیش آیا ہے۔ انہوں نے کہا ایک درس قرآن مولانا مرحوم کی جگہ دیں۔ تاکہ خواب کی تصدیق ہو۔ (۵) معاشرتی مسائل میں اسلام کی پابندی اس قدر تھی کہ قاسم العلوم کے ایک فاضل عالم کو بوجہ دینداری و علم کے اپنی صاحبزادی کو نکاح میں دینے کے لیے منتخب فرمایا اور اس میں مالی حیثیت اور شہرت کا لحاظ نہیں رکھا اور فرمودۂ پیغمبرؐ کے مطابق عمل کیا۔ جو حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ ـــ عام طور پر نکاح میں ان چار چیزوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ یعنی مال۔ جمال۔ نسب اور دین لیکن ان چار صورتوں میں حضور علیہ السلام نے صرف اس نکاح میں برکت کی دعا فرمائی ہے جو دین کے علم و عمل کی بنیاد پر کیا جائے۔

تم نکاح میں ترجیح دو دین والے کو خدا تمہیں کامیابی بخشے۔ خواہ نکاح میں عورت کا انتخاب ہو یا مرد کا۔

(۶) جب میں لاہور آیا اور حضرت لاہوری رحؒ وفات پاچکے تھے۔ تو مولانا لال حسین اختر مرحوم نے مجھے بتایا کہ حضرت لاہوری کی قبر سے اب تک خوشبو مہک رہی ہے۔ میں خود بھی جب اپنے رفقاء کے ساتھ قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے پہنچا۔ تو واقعہ کی تصدیق ہوگئی۔ قبر کے پاس چند دیندار افراد بھی موجود تھے انہوں نے بتایا کہ حکومت ان کی قبر کی مٹی کو لیبارٹری میں تجربہ کے لیے لے گئی کہ یہ خوشبو دنیوی ہے یا غیبی تو معلوم ہوا کہ یہ خوشبو اپنی شان میں نرالی ہے۔ دنیا میں ایسی خوشبو نہیں ہے۔ (۷) اسلام کی سیاسی خدمات کے سلسلے میں کئی بار جیل جانا پڑا۔ لیکن حق گوئی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی اور جیل کی تمام تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور صبر اور استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

فقط والدعا شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ، ترنگ زائی۔ پشاور

حسان الملک ابو الاثر حفیظ جالندھری صاحب مدظلہ

۴۲۔جی ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ۱۴

۳۰ جون ۱۹۷۸ء

مکرم و محترم جناب احمد عبد الرحمٰن صدیقی صاحب میرا سلام مسنون قبول کریں۔

آپ کا مکتوب اور اس سے واصل "مقصود نامہ" جس پر ضم ہیں ۳۰ پیسے کے ڈاک ٹکٹ اور ایک روپیہ کا نوٹ میری عدم حاضری میں آئے رکھے ہیں۔ میں گذشتہ ماہ سعودی عرب کے مقدس مقامات پر سجدہ ریز رہا۔ یہ سعادت اس عدم رسیدگی سے پیشتر مقدر کی رسائی تھی۔ الحمد للہ۔

حضرت مولانا مغفور الشیخ احمد علی لاہوری کے سوانح و مکتوبات آپ مرتب کر رہے ہیں یہ بہت ہی مبارک و متبرک ہمت ہے۔ پروردگار دادرسی کرے گا۔

مجھ سے آپ نے جو استفسار کیے ہیں واجب تو ہیں لیکن جن دنوں مجھے ان سے شرف باریابی حاصل ہوا۔ میں ایک خام طبع شاعر ہی تو تھا۔ البتہ میری جبلت میں حب رحمۃ للعالمین قدرت کاملہ کی طرف سے ضرور ودیعت تھی۔ لاہور میں جالندھر سے میرا ورود بطور نعت

نویس ہی تھا۔ پروردگارِ عالم نے توفیق کو جلا دی۔ اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالے دروازے میں ایک جلسہ کے اندر مجھے چندہ طلب شعر خوانی کے لیے یاد کیا گیا تھا۔ میں نے ان دنوں دوسری اسلامی نظمیات کے علاوہ مدینہ منورہ کی جانب سفر کرنے والے کو مخاطب کرتے ہوئے "میرا اسلام لے جا"۔ ایک نغمہ بھی اس جلسے میں سُنایا۔ صدارتِ اجلاس مولانا ممدوح فرما رہے تھے میں نے تعجب سے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی جاری تھی۔ بہت سا چندہ جمع ہوا۔ دوسرے چند مقرروں کے بعد حضرت نے اپنی تقریر میں جس انداز سے میری تحسین فرمائی۔ وہ انتہائی شفقت اور حوصلہ افزائی تھی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ برخوردار جب کبھی اللہ توفیق دے مسجد میں آکر مجھ سے ملتے رہو۔ چند برس بعد میں نے شاہنامہ اسلام لکھنے کا منصوبہ کیا۔ مجھے اس سلسلے میں اتنے مطالعہ کی ضرورت تھی۔ کہ قرآن کریم کے معانی ہی نہیں حضورؐ کے بارے میں اور صحابہؓ کرام کے بارے میں مختلف عقائد والوں کی حدیث بیانی نے مجھے بوکھلا دیا تھا۔ میں نے لاہور میں مولوی غلام مرشد صاحب اور حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کے حضور حاضری دینا لازم کر دانا۔ یہی نہیں بلکہ دوسرے متعدد فضلاءؒ کے آگے دامن طلب علم لے لیکر جاتا رہا۔ دیوبند کے علما کے حضور بھی سر احتیاج علمی جھکاتا رہا۔ کہنا یہ ہے مجھے حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ سے بھی بہت کچھ ملا۔ آپ نے نہ فقط بارہا مجھ سے شاہنامہ اسلام کے مختلف ابواب میری خوش الحانی سے سنے بلکہ تاکید بھی فرمائی کہ ہزارہا کے اجتماعات کو مخاطب کرنا میرا فریضہ ہے اس لیے کہ میں اس دور میں حضرت حسان بن ثابتؓ کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت حاصل کر چکا ہوں مجھے آج فقط یہی کہنا ہے کہ اپنی آخری زندگی ارذلِ تک ان کی مہربانیاں مجھ عاجز شاعر کو توانائی عطا کرتی رہیں۔

آپ کا دعاگذار حفیظ۔

اسی برس کے بیمار ضعیف سے یہ چند سطور ہی قبول کیجیئے۔

مجاہد فی سبیل اللہ واقفِ اسرارِ خفی و جلی سیدی و مرشدی

حضرت مولانا احمد علیؒ کی مبارک زندگی کی ایک جھلک

پروفیسر محمد یوسف سلیم چشتی

شارحِ اقبالیات

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اپنی ایک مختصر تصنیف موسومہ "مثنوی پس چہ باید کرد مع مسافر" میں مردِ حر یا مردِ مومن کی حسبِ ذیل صفات بیان کی ہیں:

آں مسلمانے کہ بیند خویش را
از جہانے برگزیند خویش را

از ضمیرِ کائنات آگاہ اوست
تیغ "لا موجود الا اللہ" اوست

بندۂ حق وارثِ پیغمبراں!
او نگنجد در جہانِ دیگراں

زندہ مرد از غیرِ حق دارد فراغ!
از خودی اندر وجود او چراغ

پائے او محکم برزم خیر و شر
ذکر او شمشیر و فکر او سپر

فطرتِ او بے جہات اندر جہات
او حریم و در طوافش کائنات

مسافر ص ۷، ۸

مردِ حُر محکم ز وردِ لاتخف
ما بمیداں سر بجیب، او سر بکف

مردِ حر از لا الٰہ روشن ضمیر | می نگردد بندۂ سلطان و میر
بادشاہان در قبا ہائے حریر | زرد رو از سہم آں عریاں فقیر
ما کلیسا دوست ما مسجد فروش | او ز دستِ مصطفےٰ پیمانہ نوش
ما ہمہ عبد فرنگ او عبدہٗ | او نہ گنجد در جہاں رنگ و بو
ما گدایاں کوچہ مست و فاقہ مست | فقر او از لا الٰہ تیغے بدست
محرم او شو ز ما بیگانہ شو! | خانہ ویراں باش و صاحب خانہ شو
شکوہ کم کن از سپہر گرد گرد | زندہ شو از صحبتِ آں زندہ مرد
اے سرت گردم، گریز از ما چو تیر | دامن او گیر و بے تابانہ گیر

می نروید تخمِ دل از آب و گل
بے نگاہے از خداوندانِ دل!

مثنوی ص ۳۳-۳۵

یہ سچ ہے کہ اقبال کو اپنی تمام زندگی میں کسی "مردِ حر" کی صحبت نصیب نہیں ہوئی۔ (ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء) لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ انہوں نے مردِ حر یا مردِ مومن کی جو لفظی تصویر کھینچی ہے۔ وہ بالکل صحیح ہے اور آخر میں انہوں نے جو نصیحت "اقبالیوں" کو فرمائی ہے وہ تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے یہ دوسری بات ہے کہ کسی مداحِ اقبال نے آج تک کسی "زندہ مرد" کا دامن نہیں تھاما ہے۔ اور ان کے ایک نقلی مداح نے تو اپنی ساری عمر مردانِ حر کی صحبت سے گریز کی تعلیم دینے میں گزار دی۔ بہرحال حقیقت اپنی جگہ زندہ و پائندہ ہے۔ کہ کسی مردِ حر (جسے اصطلاح میں شیخِ طریقت کہتے ہیں) کا دامن تھامے بغیر دل کا زندہ ہونا تو خارج از بحث ہے۔ دل پیدا ہی نہیں ہو سکتا اور انسان دل کے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ پھر پڑھو اس شعر کو

می نروید تخمِ دل از آب و گل!
بے نگاہے از خداوندان دل!

یعنی جب خداوندانِ دل کی نگاہ کیمیا اثر تم پر نہیں پڑے گی۔ تمہارا وجود "دل" سے محروم ہی رہے گا۔ کیونکہ قانونِ قدرت یہی ہے کہ تخمِ دل صرف "خداوند دل" کی نگاہ سے اُگ سکتا ہے۔ منطق و فلسفہ اور سائنس پڑھنے سے ایک آدمی منطقی یا فلسفی یا سائنسدان تو بن سکتا ہے مگر "صاحب دل" نہیں بن سکتا اور جس کے سینے میں دل نہیں اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

آمدم بر سرِ مطلب! مجھے اپنی زندگی میں مندرجہ ذیل مردانِ حُر کو دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

(۱) قطب الارشاد ابو خلیفۂ عصر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح ۱۹۰۴ء

(۲) حضرت مولانا حکیم محمد رحیم اللہ صاحب بجنوری رح (خلیفہ حضرت گنگوہی رح) ۱۹۰۸ء

(۳) مجدد صدِ چہار دہم مجاہد اعظم، سر خیل مردانِ حُر، امام الہند و شیخ الہند حضرت اقدس مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رح دشمن فرنگی نابکار، من آیات اللہ الجبار قدس سرہ العزیز ۱۹۲۰ء

(۴) مردِ حق آگاہ، فضیلت پناہ، جامع شریعت و طریقت، ماحیٔ شرک و بدعت شمعِ ہدایت و جانشین شیخ الہند رح حضرت مولانا احمد علی رح (از ۱۹۲۹ء تا ۱۹۶۲ء)

(۵) شیخ الاسلام و مجاہد کبیر و زینت منبر و محراب و حاجل علوم نبوت، واقف اسرار طریقت و نوک سنان در سینۂ ملاعنہ فرنگ مومن روشن ضمیر بادشاہ بے تاج و سریر و مقبول بارگاہ اللہ الصمد سیدی و شیخی حضرت حسین احمد قدس سرہ العزیز ۱۹۵۷ء

(۶) حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی نقشبندی بھوپالی (۱۹۴۴ء تا ۱۹۴۷ء)

(۷) حضرت اقدس چراغ ہدایت جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحؒ ۱۹۵۷ء
(۸) حضرت محترم و شیخ معظم و آفتاب ہدایت و جامع علوم ظاہری و باطنی مجاور روضۂ نبوی مولانا مولوی عبدالغفور صاحب عباسی مہاجر مدنی رحؒ (۱۹۵۸ء)

میں نے ان بزرگوں میں سے سب سے زیادہ صحبت حضرت لاہوری رحؒ کی اٹھائی۔ یعنی ۱۹۲۹ء سے تا دمِ وفات حضرت رحؒ کی خدمت اقدس میں حاضری اور استفادۂ علمی اور استفادہ روحانی کی سعادت نصیب ہوئی اور میں نے انہیں اقبال کے مردِ حرؒ مصداق پایا۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل ؎ کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

یہ عاجز تنگِ خلائق چونکہ مشیتِ ایزدی کے سامنے ہر وقت سرنگوں رہتا ہے اور زبانِ حال و قال دونوں سے یہ کہتا رہتا ہے

بر دُرد و صاف ترا نیست حکم دم درکش ؎ کہ ہرچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

یہ عاجز و کم سواد نامہ سیاہ ہرگز یہ جسارت نہ کرتا کہ حضرت لاہوری (امام مردانِ حُر و سرخیلِ عاشقان اسلام و دشمن ملاعنۂ فرنگ) کے محاسن و کمالات ظاہری و باطنی کے اظہار پر قلم اٹھاتا اگر محترمی مولانا احمد عبدالرحمٰن صاحب صدیقی فاضل حقانیہ ناظم اعلیٰ مدرسہ انوار القرآن و انجمن خدام الدین نوشہرہ نے مجھے جو خط لکھا اس میں از راہِ محبت و عزت افزائی یہ الفاظ بھی لکھ دیئے کہ "آپ چونکہ ایک پورے دور پر وسیع اور عمیق نظر رکھنے والے فردِ فرید ہیں۔ اور حضرت الشیخ رحؒ کے ساتھ آپ کے بہترین تعلقات و مراسم تھے۔ چنانچہ کئی دفعہ بندے نے حضرت اقدس کے دائیں جانب مجلس ذکر میں خود حضرت رحؒ کو آپ کو بٹھاتے ہوئے اور اکرام فرماتے ہوئے دیکھا اسی وجہ سے میرے دل میں آپ کا انتہائی مقام و عقیدت ہے آپ کے اخلاق سے امید ہے کہ آپ حضرت اقدس رحؒ سے (۱) اپنے مراسم و تعلقات کی تفاصیل (۲) حضرت کی دینی و ملی عظیم خدمات (۳) تفسیر و تزکیہ کی مہارت (۴) رد بدعات (۵) نیز ان کے بارے میں اپنی رائے مبارکہ اور خیالات عالیہ سے نوازیں گے"

اس لیے اپنی کوتاہی بے علمی و بے عملی و کم نگاہی اور روسیاہی کے باوجود صدیقی صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں قلم اٹھانے کی جرأت کی اس مضمون سے مقصود اللہ جانتا ہے۔ حصول شہرت نہیں ہے (کیونکہ سالک کے لیے حصول شہرت کا حذر بہ سم قاتل ہے) حضرت لاہوری رحؒ نے مجھ کو وصیت کی تھی کہ سلوک کا مقصد حصولِ کشف و کرامت نہیں ہے بلکہ اس کی راہ میں اپنے آپ کو مٹا دینا ہے صرف یہ آرزو اس مضمون کی محرک ہوئی ہے۔ کہ اس کے ذریعے سے حضرت اقدس رحؒ کی یاد میرے دل میں تازہ ہو جائے گی۔ اور میں بھی لہو لگا کے شہیدوں میں شامل ہو جاؤں گا۔

ع بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

قارئین سے التماس ہے کہ میرے حق میں بھی دعائے خیر کریں کہ میرا خاتمہ حضرت شیخ الاسلام مجاہد اعظم سیدی مولانا حسین احمد مدنی رحؒ اور شیخ التفسیر والحدیث امام مردان حق حضرت مولانا احمد علی صاحب رحؒ کے مسلک و مشرب پر ہو۔ اور میدان حشر میں میرا شمار بھی ان کے ادنیٰ کفش برداروں میں ہو جائے۔ واللہ

بقول حضرت لاہوری رحؒ کہ حضرت مدنی رحؒ کی جوتیاں[1] بھی ملکۂ انگلستان کے تاج سے ہزار گنا زیادہ قیمتی ہیں۔ جس میں دنیا کا سب

---

[1] اللہ والوں کی جوتیوں کے تاج شاہی سے زیادہ قیمتی ہونے کا ثبوت، نظام دو گیتی شمۂ ماؤطین محبوب الٰہی حضرت اقدس سیدی و مولائی سلطان نظام الدین اولیاء رحؒ کے اس ارشاد سے مل سکتا ہے۔ کہ جب امیر خسرو رحؒ حضرت سلطان جی کی جوتیاں اپنے سر پر ایک خاص جذب و مستی کی حالت میں لیے محبوب و مطلوب سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے پوچھا خسرو! یہ پاپوس کس قیمت میں خریدی ہے؟ عرض کیا "دو لاکھ روپے میں" سلطان المشائخ اور جہانگیر عالم نے یہ سنکر فرمایا "خیلے ارزاں خریدہ اے"

سے زیادہ قیمتی ہیرا (کوہ نور) لگا ہوا ہے۔ الحمدللہ یہ سیاہ کار پوری قوت کے ساتھ یہ شعر دنیا کو سنانا چاہتا ہے۔

؎ بگیر راہ حسین احمدؒ اگر خدا خواہی   کہ نائب است نبیؐ را و ہم زآل نبی است   (اقبال سہیل مرحوم)

سنہ ۱۹۲۹ء میں جبکہ میں مرے کالج سیالکوٹ میں لیکچرار تھا۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کی جنرل کاؤنسل نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ تبلیغ و اشاعت اسلام کے لیے ایک مدرسہ تدریب المبلغین قائم کیا جائے۔ جس میں انگریزی دان نوجوانوں کو جو کم از کم میٹرک پاس ہوں۔ داخل کیا جائے۔ اور انہیں دینیات تقابل ادیان، تاریخ اسلام و سیرت النبیؐ اور مسائل حاضرہ پر لیکچروں کے علاوہ خطابت و مضمون نگاری اور مناظرے کی عملی تربیت بھی دی جائے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم اس کالج کے مربی یا سرپرست اور حضرت اقدس مولانا مولوی احمد علی صاحبؒ لاہوری مجلس منتظمہ کے صدر با اختیار منتخب کئے گئے۔ یعنی کالج کے ہر معاملے میں حضرت اقدس کا فیصلہ حتمی اور آخری ہوگا۔ جس کے خلاف جنرل کاؤنسل میں اپیل نہیں ہو سکے گی۔ جب جون ۱۹۲۹ء میں کالج تعطیلات موسم گرما کے لئے بند ہوا تو میں نے وطن مالوف جاتے وقت دو دن کے لیے لاہور قیام کیا تاکہ ڈاکٹر صاحب اور دیگر احباب سے ملاقات کر سکوں اور الٰہی بخش جلال الدین اور اللہ دا اے کی قومی دکان کشمیری بازار لاہور سے اپنے مذاق کی چند کتابیں بھی خرید سکوں۔ بوقت ملاقات ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے کہا کہ کالج کے پرنسپل کی آسامی کے لیے جنرل کاؤنسل کی خدمت میں درخواست دے دوں مرحوم سب سے پہلے میری ملاقات دسمبر ۱۹۲۴ء میں ہوئی تھی۔ جب میں مشن کالج لاہور میں لیکچرار تھا۔ اور ان کی رائے میں میں اس عہدے کے لیے موزوں تھا۔ کالج کی مجلس منتظمہ نے کالج کے اسٹاف کے لیے اشتہار دیا۔ پرنسپل کی آسامی کے لیے تین درخواستیں موصول ہوئیں۔ دو امیدوار عربی میں ایم اے تھے۔ تیسرا یہ راقم الحروف تھا چونکہ اول الذکر تقابل ادیان اور تاریخ اسلام سے نابلد تھے۔ اس لیے قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند۔ میں نے ستمبر ۱۹۲۹ء میں اپنے عہدے کا چارج لیا۔ سید غلام بھیک نیرنگ مرحوم و خان بہادر حاجی رحیم بخش مرحوم خان بہادر شیخ انعام علی مرحوم و خان بہادر شیخ عبدالعزیز مرحوم اور ڈاکٹر اقبال مرحوم نے نصاب تعلیم مدوّن کیا اور کتب نصاب کا انتخاب میرے سپرد کیا اور ہدایت کی کہ نصاب تعلیم اور کتب مجوزہ کی فہرست کالج کمیٹی کے صدر حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کی خدمت میں اصالتاً حاضر ہو کر پیش کروں اور جب تک وہ اضافے کے بعد حضرتؒ منظوری عطا فرما دیں تو اس پر عملدرآمد شروع کیا جائے۔ چنانچہ میں نومبر ۱۹۲۹ء میں حضرت اقدس کی خدمت میں پہلی مرتبہ حاضر ہوا کون سمجھ سکتا ہے مشیئت ایزدی کو اور کون جان سکتا ہے۔ قوانین تکوینی کو۔ کہاں ایک فلسفہ زدہ بلکہ فلسفہ گزیدہ[1] ۳۴ سالہ نوجوان اور کہاں ایک خدا رسیدہ ذوق فنا چشیدہ ۴۴ سالہ مرد مومن جو حکومت برطانیہ سے نبرد آزما ہو چکا تھا۔ اور غیر اللہ کا خوف اپنے دل سے بالکل نکال چکا تھا۔ حضرت اقدس سے مراسم اور تعلقات کا سلسلہ ۱۹۲۹ء سے شروع ہو کر تادم وفات قائم رہا۔ تعلقات کی دو نوعیتیں تھیں۔

(۱) بحیثیت ملازم اشاعت اسلام کالج (۲) بحیثیت معتقد و نیاز مند۔

حضرت کی ہدایت تھی کہ کالج کے متعلق احکام و ہدایات حاصل کرنے کے لئے دس اور گیارہ بجے دن کے حاضر ہوا کروں اس وقت حضرت کوئی ذاتی گفتگو یا نصیحت نہیں فرماتے تھے۔

(۲) جب میں بعد عصر ذاتی ملاقات یا مجلس ذکر میں حاضر ہوتا۔ حضرت کا طرز عمل مختلف ہوتا تھا۔ آپ بالعموم اس عاجز گنہگار بلکہ سیاہ کار ذرہ بے مقدار کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور مصافحہ کے بعد معانقہ بھی فرماتے تھے۔ ذرہ نوازی کا یہ عالم تھا کہ جب سنہ ۱۹۶۰ء میں یہ عاجز مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کی دعوت پر مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسے میں شریک ہوا تو دوسرے دن حضرت اقدس بھی تشریف فرما ہوئے۔ جب مجھے معلوم ہوا تو میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا جب میں کمرے میں داخل ہوا تو آپ اس سیاہ کار کو دیکھ کر حسب معمول کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ علما کا سارا مجمع بھی کھڑا

---

[1] یہ لفظ گاف پر زیر کے ساتھ ہے یعنی جسے فلسفے سے ڈس لیا ہو۔

ہوگیا۔ میں ضبط نہ کرسکا اور جسارت کرکے دریافت کر ہی بیٹھا کہ حضرت! اس ننگِ خلائق کی اس قدر عزت افزائی کا باعث کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت اقدسؒ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور محبت آمیز لہجے میں فرمایا " میں تمہاری تعظیم نہیں کرتا اس شئے کی تعظیم کرتا ہوں جو تمہارے سینے میں ہے "

میں نے پوچھا حضرت! وہ شئے کیا ہے؟ فرمایا "توحید" میں نے پوچھا حضرت آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا تم ۱۹۵۷ء سے مسجد شاہ چراغ میں قرآن مجید کا درس دیتے ہو۔ میرے متوسلین اور معتقدین میں سے جو لوگ بھی تمہارے درس میں شریک ہوتے ہیں وہ مجھ سے یہی کہتے ہیں کہ " اثبات توحید اور ابطال شرک و بدعات میں جو آپ فرماتے ہیں وہی وہ کہتا ہے "، جب میں ان کی یہ گواہی سنتا ہوں تو تمہارے حق میں بے اختیار اعماق قلب سے دعا نکلتی ہے۔ کہ اللہ اپنے فضل سے اس عقیدہ توحید کو تمہارا حال بنا دے۔ (آمین یارب العالمین)

حضرت اقدس نے اپنی وفات سے چند سال پہلے (غالباً ۱۹۵۸ء میں) اپنی مجلس میں فرمایا تھا کہ جس مزار کو (بیرون بھاٹی دروازہ) عوام و خواص، شیخ علی ہجویریؒ کا مزار متعین کرتے ہیں۔ وہ ان کا مزار نہیں ہے۔ ان کا مزار شاہی قلعے کی شمالی دیوار سے متصل واقع ہے۔ جو مرورِ ایام سے عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوگیا ہے اگر کھدائی کی جائے تو ظاہر ہو جائے گا۔ اس پر بعض لوگوں نے حضرت اقدس کے قول کی تردید کی۔ میں نے حضرت اقدسؒ کی تائید میں ایک مضمون لکھا جو آفاق میں شائع ہوا تھا۔ اس میں میں نے لکھا کہ شہزادہ داراشکوہ مرحوم نے لاہور کے اولیاء کرام کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی اس کا صحیح نام اس وقت مجھے یاد نہیں ہے یا تو سکینۃ الاولیاء ہے یا "سفینۃ الاولیاء" ہے۔ اس میں اس نے لکھا ہے۔ کہ شیخ ہجویریؒ کا مزار شاہی قلعے کی شمالی دیوار سے متصل ہے۔ یہ کتاب غالباً ۱۶۵۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ جب حضرتؒ نے یہ مضمون پڑھا تو میرے لیے دعائے خیر کی۔

ایک مرتبہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی مرحوم سے ریلوے اسٹیشن پر ملاقات ہوئی غالباً یہ ۱۹۵۹ء یا ۱۹۶۰ء کا واقعہ ہے۔ مجھ سے بغلگیر ہوئے اور کہنے لگے " اگرچہ تم نے میرے شیخ (حضرت اقدس مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ) کی شان میں گستاخی کی تھی اور اسی لیے میں نے تم سے قطع تعلق کر لیا تھا مگر کل حضرت لاہوریؒ اپنی مجلس میں تمہارے لئے دعائے خیر کر رہے تھے۔ میں نے حیران ہو کر کہا حضرت انہوں نے تو حضرت اقدس مولانا مدنی کی شان میں گستاخی کی تھی۔ وغیرہ وغیرہ تو حضرت لاہوریؒ نے جواب دیا "قاضی صاحب الحمد للہ کہ اس نے میرے سامنے اظہار ندامت کیا اور میرے ہاتھ پر اپنے اس گناہ سے توبہ کر لی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ میرا دل تم سے صاف ہو گیا اور میں تم سے بغلگیر ہوا۔"

یوں تو حضرت اقدسؒ کے میرے سر پر بہت سے احسانات ہیں مگر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ غالباً اکتوبر ۱۹۵۶ء میں جب کہ میں لی مارکیٹ کراچی کے بس اسٹاف پر کھڑا ہوا تھا۔ ایک موٹر میرے پاس آکر رکی، حضرت لاہوریؒ باہر تشریف لائے مجھ سے حسب معمول بغلگیر ہوئے اور فرمایا " میرے ساتھ چلو ایک بہت ضروری بات تم سے کہنی ہے حضرت مجھے لیکر غالباً برنس گارڈن آئے اور ایک بنچ پر بیٹھ کر مجھ سے کہنے لگے " تم مجھے کیا سمجھتے ہو یا میری بابت تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا حضرت میں تو آپ کو صادق القول اور اپنا روحانی پیشوا سمجھتا ہوں (صحیح الفاظ مجھے یاد نہیں مطلب یہی تھا) تو فرمایا " چونکہ مجھے تم سے محبت ہے اس لیے میں گوارا نہیں کر سکتا) تمہاری عاقبت خراب ہو۔ مطلب میرا یہ ہے کہ تم نے حضرت اقدس سیدی و مرشدی شیخ الاسلام مجاہد اعظم حسین احمد مدنیؒ کی شان میں جو گستاخیاں کی تھیں تم ان پر اظہار ندامت کرو اور میرے ہاتھ پر توبہ کرو۔ تاکہ میں حشر میں گواہی دے سکوں اور توبہ نامہ شائع کرو یاد رکھو! جب تک صدق دل سے توبہ نہیں کرو گے تمہارا قصور معاف نہیں ہوگا۔ اللہ

ل قارئین کو معلوم ہو کہ میں یہ مضمون برجستہ اور قلم برداشتہ لکھ رہا ہوں میرے سامنے نہ میری نوٹ بکس ہیں نہ حوالہ جات نہ حضرت اقدس کے سوانح حیات اس لئے ممکن ہے سینین میں کہیں سہو ہو جائے یہ سارا مضمون میں اپنے حافظے پر اعتماد کر کے لکھ رہا ہوں اور الحمد للہ میرا حافظہ بہت قوی ہے۔

اپنی شان میں گستاخی کو معاف کر دیتا ہے مگر اپنے دوستوں کی توہین کے جرم کو معاف نہیں کیا کرتا۔ تم نے سنا نہیں۔

قادل صاحب دلے نامد بہ درد
ہیچ توے را خدا رسوا نکرد!

"میں نے اللہ کے فضل سے بارہ حج کیے ہیں۔ اس موقع پر خانۂ کعبہ (حرم شریف) میں تمام دنیا کے اولیاء اور ابدال جمع ہوتے ہیں۔ میں نے ان کی زبان سے سنا ہے اور اپنے کانوں سے سنا ہے کہ "عالم روحانی میں اس وقت مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے بلند تر مقام کسی ولی کا نہیں ہے"۔ لہٰذا ایسے برگزیدہ فرد فرید کی شان میں گستاخی اور وہ بھی تم جیسے اندھے کی زبان سے ہرگز معاف نہیں ہوگی"۔ میں نے اسی وقت حضرت لاہوری رحؒ کے ہاتھ پر توبہ کی اور انہوں نے میرے حق میں دعا کی کہ "اے اللہ اس اندھے کی دل کی آنکھیں کھول دے تاکہ یہ تیرے برگزیدہ بندے کے مقام کو دیکھ سکے اور اس کے قصور کو جو لاعلمی میں اس سے سرزد ہوا معاف کر دے اور حضرت مدنی کی نسبت خاصہ سے اسے بقدر ظرف حصہ بھی عطا فرمائے اور اس کا خاتمہ ایمان پر کیجیو"۔

یہاں بطور تحدیث نعمت یہ بات لکھنی ضروری سمجھتا ہوں۔ نیز اس لیے کہ معترض زدہ طبقہ عبرت حاصل کر سکے کہ توبہ کے بعد بھی مجھے حضرت اقدس مولانا مدنی رحؒ سے کوئی خاص عقیدت پیدا نہیں ہوئی۔ قلبی رابطہ استوار ہو جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خدا کی ذرہ نوازی دیکھو! ۶ دسمبر ۱۹۵۷ء کو میں مسجد شاہ چراغ میں قرآن حکیم کا درس دے رہا تھا۔ (یہ درس حضرت لاہوری رحؒ کے حکم سے شروع کیا تھا۔ وگرنہ کہاں میں کہاں درسِ قرآن) کسی نے کہا اخبار میں خبر آئی ہے کل حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا وصال ہو گیا۔ یہ سنتے ہی میرے باطن میں معاً ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا جس کی کوئی عقلی توجیہہ میں آج تک نہیں کر سکا۔ (اگرچہ اس واقع پر بیس سال گذر چکے ہیں) جیسے سُیوچ دباتے ہی سارا کمرہ روشن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ سنتے ہی میرا سارا سینہ حضرت مدنی رحؒ کی محبت سے منور ہو گیا۔ اس قلب ماہیت کی عقلی توجیہہ نہ اس وقت کر سکتا تھا نہ آج (دم تحریر ایں بطور) کر سکتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کس طاقت نے یا کس ہستی نے مجھے حضرت مدنی رحؒ کا ویسا ہی دلیا ہی گرویدہ بنا دیا۔ جیسی گرویدگی کسی عاشق کو اپنے معشوق سے ہوتی ہے اس وقت جب کہ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ تصور میں اپنا سر حضرت مدنی کے قدموں میں پڑا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ اور جب بھی حضرت مدنی رحؒ کا تصور دل میں کارفرما ہوتا ہے۔ فوراً رقت طاری ہو جاتی ہے۔ نیز وفات کی خبر سن کر حضرت اقدس مدنی رحؒ سے ایسی بے پناہ عقیدت پیدا ہو گئی۔ جیسی کسی مرید کو اپنے مرشد سے ہوتی ہے۔ بس ایک روحانی کنکشن (CONNECTION) یا ایک روحانی رابطہ قائم ہو گیا۔ اور اس عرصے میں اس رابطے میں شدت ہی رونما ہوئی ہے۔ ضعف رونما نہیں ہوا۔ چنانچہ حضرت کے مکتوبات عرصۂ دراز سے مطالعہ میں رہتے ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ حضرت سے علمی اور روحانی استفادہ کر رہا ہوں۔

میں نے غالباً ۱۹۵۸ء میں حضرت لاہوری رحؒ سے تخلیے میں عرض کی کہ آپ مجھے بیعت کر لیجیے۔ حضرت نے فرمایا۔ میں نے مراقبہ کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ تمہیں مجھ سے فیض مقدر نہیں ہے۔ ورنہ میں تو تمہیں خود بیعت کر لیتا۔ ہاں چند اوراد بتائے دیتا ہوں۔

(۱) رب اغفر وارحم وانت خیرا لراحمین۔

(۲) حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت

(۳) ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

لے میں نے ایک مرتبہ اپنے استاد محترم مولانا نور الحسن خانصاحب پروفیسر اورئینٹل کالج سے (جن سے میں نے مولوی عالم اور مولوی فاضل کلاسز پڑھا تھا) عرض کی کہ مدنی رحؒ کے مزار انوار پر حاضری کی آرزو ہے یہ سن کر انہوں نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا کہ جو تمہارا رابطہ روحانی حضرت اقدس سے استوار ہے وہ بالکل کافی ہے تمہیں مزار پر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یا اللہ! ایں محبت شیخ رحؒ ہموارہ ترقی پذیر باشد تاکہ من فنا فی الشیخ شوم آمین۔

جس طرح شاہ ولی اللہ مجدد دہلی رحؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اس وقت روئے زمین حضرت مظہر جانجاناں شہید رحؒ سے بلند تر مقام کسی ولی کو حاصل نہیں ہے۔

(۴) اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

حضرت اقدسؒ نے ۴۶ سال تک مسلمانانِ لاہور کو توحید کا پیغام سنایا۔ نام کے لاکھوں مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنا دیا۔ اور ہزاروں مسلمانوں کو اللہ سے ملا دیا۔ تردید شرک و بدعت میں ہزاروں تقریریں کیں۔ اور لاکھوں ٹریکٹ اور پمفلٹ شائع کئے اخبار خدام الدین ہمیشہ خرید کر پڑھتے تھے۔

اقبالؔ کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

سرّ دیں، صدق مقال، اکل حلال خلوت و جلوت تماشائے جمال

حضرت لاہوریؒ اس کے مصداق کامل تھے۔ ساری عمر سچ بولا اور ساری عمر لقمۂ حلال کھایا اور یہ دو باتیں سیکڑوں کرامتوں پر بھاری ہیں۔ مجھ سے حضرت اقدسؒ کے ایک مرید نے کہا کہ میں پرانے لوہے کا کاروبار کرتا ہوں۔ حضرت اقدس لاہوریؒ کی جوتیوں کے صدقے میں مجھ میں اس قدر طاقت پیدا ہوگئی ہے۔ میں لوہے کو سونگھ کر بتا سکتا ہوں کہ چوری کا مال ہے یا نہیں (لوکو ورکشاپ لاہور سے آئے دن لوہا تانبا پیتل چوری ہوتا رہتا ہے) ہ اقبالؔ نے لکھا ہے۔

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلّی میں
کہ پائی میں نے استغنا میں معراج مسلمانی!

حضرت لاہوریؒ کی پوری زندگی شان استغناء کی بہترین مثال ہے۔ میرے شناسا عبدالحمید خان صاحب (فیروزسنز) نے عرض کی کہ سواری کے لیے موٹر نذر کرنی چاہتا ہوں۔ ڈرائیور اور پٹرول میرے ذمہ ہوگا۔ مگر حضرتؒ نے انکار فرما دیا۔ ایک شخص نے دعوت کی۔ فرنی سونگھ کر فرمایا "دودھ میں خوشبو کی بجائے بدبو آرہی ہے۔ یقیناً دودھ ناجائز طریقے سے حاصل کیا گیا ہے۔ تحقیق کے بعد حضرت کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ حضرت کی قوتِ قدسی چونکہ شعاع آفتاب مصطفےٰؐ سے مستنیر تھی اس لئے جس کی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر یہ فرمایا "آئندہ مت کٹانا"، اس نے ساری عمر نہیں کٹائی۔ اس کی ایک مثال دینا چاہتا ہوں تاکہ میرا ایمان تازہ ہو جائے۔

کرشن نگر کے بازار میں میرے ایک خواجہ تاش قمرالدین باربر ہیں۔ جب وہ حضرتؒ سے بیعت ہوئے تو حضرت نے ان سے کہا "میاں قمرالدین اب داڑھی مت کٹانا"، وہ دن ہے اور آج کا دن! میرے دینی بھائی قمرالدین نے آج تک اپنی داڑھی نہیں ترشی اور چونکہ حضرت نے اپنے ہاتھ سے ان کی ٹھوڑی سے داڑھی کو مس کر دیا تھا۔ اس لیے ان کی داڑھی بالکل حضرت اقدسؒ کی ریش مبارک سے مشابہ ہے۔ جسے شک ہو ان کی دوکان میں آکر دیکھ لے جو قمرالدین دکان میں صرف آٹھویں دن نماز پڑھتا تھا۔ بیعت کے بعد سے اس میں یہ انقلاب عظیم پیدا ہوگیا کہ پانچوں نمازیں مسجد میں باجماعت پڑھتا ہے۔ اور اس نے مجھ سے کہا میری آمدنی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے اپنے بھائی قمرالدین کی قسمت پہ رشک آتا ہے۔[1]

حضرت اقدس لاہوریؒ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کو کیا سمجھتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنی داڑھی کے وہ بال جو کنگھی کرتے وقت اس میں آجایا کرتے تھے۔ مولوی عبیداللہ انور سلمہ کو دیئے کہ تعطیلات کے بعد جب تم دیوبند جاؤ تو حضرت اقدس مولانا مدنیؒ کی پاپوش کے تلے میں سلوا دینا تاکہ میرے بالوں کو عزت نصیب ہو جائے۔

یہ ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے۔ غالباً دن کے دس یا ساڑھے دس بجے تھے میں کالج کی ڈاک بذات خود لے کر آیا تاکہ معاملات کو ذہن نشین کر کے فوری احکام حاصل کرسکوں۔ دیکھا کہ دروازے کے باہر خلاف معمول ہمسائے جمع ہیں۔ کئی چارپائیاں سڑک پر بچھی ہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی نے مخبری کی تھی۔ کہ حضرتؒ کا تعلق دہشت پسندوں اور انقلابیوں سے ہے اور بھگت سنگھ اور دت کی

---

[1] جب کبھی میں قمرالدین کو دیکھتا ہوں تو تلسی داس جی کا یہ دوہا میرے زبان پر آجاتا ہے۔
جات پات پوچھے نا کوئی! ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے۔

پارٹی نے چند بم حضرتؒ کے گھر میں ایک کوٹھڑی میں چھپا کر رکھے ہیں۔ چنانچہ ایک سکھ انسپکٹر سی۔آئی ڈی اپنے ماتحت اسٹاف کو ساتھ لیکر خانہ تلاشی کر رہے ہیں حضرت لاہوریؒ اپنے فرزند مولوی عبیداللہ انور سلمہ، کو جن کی عمر اس وقت غالباً دو تین سال کی تھی گود میں لیے ٹہل رہے تھے۔ میں نے سلام کیا تو فرمایا تم ذرا بچے کو گود میں لے لو تو میں اندر ہو آؤں۔ میں نے صاحب زادۂ بلند اقبال کو اپنی گود میں لے لیا اور ٹہلنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد حضرتؒ آگے آگے اور سی آئی ڈی کا اسٹاف پیچھے پیچھے مکان سے برآمد ہوئے اور سب لوگ چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔ سکھ انسپکٹر نے حضرتؒ سے کہا مولوی صاحب مجھے ندامت ہے اس مخبر..... نے بالکل جھوٹی اطلاع دی تھی۔ دوبارہ اسے منغلظات دینے کے بعد اس نے کہا آپ مجھے معاف کر دیں۔ حضرت نے فرمایا مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے تم نے تو اپنا فرض منصبی انجام دیا۔ لیکن تمہیں مطمئن کرنے کے لیے کہتا ہوں کہ "معاف کیا" اس پر اس سکھ افسر نے شکریہ ادا کیا اور کہا مولوی صاحب میں آپ سے ایک بات پوچھنی چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا شوق سے پوچھو۔ اس نے کہا میں نے آپ کے سارے گھر کی تلاشی لی ہے۔ اس لیے باورچی خانے کی تلاشی بھی لی ہے۔ نہ تو آپ کے گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز ہے اور نہ باورچی خانے میں نمک و مرچ، ہلدی گرم مصالحہ، ادرک و پیاز یا رات کی باسی روٹی ہے آپ کے گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ (اس نے واقعی تلاشی لی تھی۔ ہر ڈبہ کھول کر دیکھا تھا) تو آپ کھاتے کہاں سے ہیں اور زندگی کیسے بسر کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت مسکرائے اور فرمایا "ہم فقیروں کا قانون حیات یہ ہے کہ اگر اللہ بھیج دیتا ہے تو کھا پی لیتے ہیں ورنہ روزہ رکھتے ہیں۔ ہمارے بچے بھی اس کے عادی ہیں چنانچہ جس دن گھر میں کچھ نہیں ہوتا تو یہ بچہ (عبیداللہ انور) بھی اپنی ماں کی طرح صرف پانی پر گزارہ کرتا ہے۔ فقیر تو آخرت کی فکر کرتا ہے۔ روٹی کی فکر نہیں کرتا۔ ہم تو فقیر ہیں ہمارا رزاق اللہ ہے" یہ سن کر اس سکھ انسپکٹر اور اس کے غیر مسلم سٹاف کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور اس نے اپنے کوٹ کے بٹن کھول کر دس روپے کا نوٹ نکال کر حضرت کے "دیہ چرنوں میں ارپن کر دیا" [1]

حضرتؒ نے مسکرا کر فرمایا "انسپکٹر صاحب! تم نے دیکھ لی میرے اللہ کی کارسازی اور غریب نوازی! یہ کہہ کر آپ نے اپنے مرید سے کہا لو بھائی یہ نوٹ لے جاؤ اور کھانے پینے کا سامان لے آؤ" یہ فرما کر آپ نے یہ شعر پڑھا۔

فکر ما در کار ما آزارِ ما   کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما

"ومن یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب"

ایک دن غالباً ۱۹۶۰/۶۱ء میں مجھ سے فرمایا "اللہ کا معاملہ میرے ساتھ بڑا عجیب ہے۔ میں کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں ۱۳ مرتبہ جیل جا چکا ہوں اور اللہ ۱۳ بار ہی مجھے اپنے گھر (خانہ کعبہ) بلا چکا ہے۔

ایک دن پنجاب پبلک لائبریری میں (جون ۱۹۵۹ء میں) ایک شخص نے میری بہت توہین اور تحقیر کی۔ مجھے فطری طور پر بہت صدمہ ہوا۔ خصوصاً اس لیے کہ وہ شخص عمر کے لحاظ سے میرے بیٹے کے برابر تھا اور علم کے لحاظ سے نہ عربی دان نہ فارسی دان نہ میٹرک۔ چونکہ مجلس احرار میں رہ چکا تھا۔ اس لئے خطابت میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے کہا "آؤ میرے مقابلے میں تقریر کر لو"

بہر حال یہ جمعرات کا دن تھا۔ پانچ بجے میں حسب معمول مجلس ذکر میں شرکت کرنے کے لئے مسجد شیرانوالہ پہنچا۔ حسن اتفاق سے حضرت کے پیچھے صف میں جگہ مل گئی۔ سلام پھیرنے کے بعد حضرت نے مجھے دیکھا۔ میں نے سلام کیا۔ حضرتؒ حسب معمول بغلگیر ہونے کے لیے کھڑے ہو گئے اور مجھے سینے سے لگایا یہ حالت دیکھ کر یک لخت میری آنکھوں میں آنسو رواں ہو گئے کہ اس شخص نے تو میری اس قدر توہین کی اور حضرت نے کہ میں آپ کے آگے طفل مکتب بھی نہیں اور ذرہ بے مقدار بھی، میری اس قدر تعظیم کی۔ سچ مچ مجھ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ یہ حال دیکھ کر حضرت نے فرمایا "یہ بھی اسی کی طرف سے ہے اور جو واقعہ دوپہر کو گذرا

---

[1] یہ اسی کے الفاظ ہیں یعنی یہ رقم آپ کے قدموں میں بطور نذر پیش کرتا ہوں۔

وہ بھی اسی کی طرف سے تھا"۔ پس ساری عمر اس کی مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کئے رہنا وہ مجھ سے ایک دن فرمایا "عقیدت اور اطاعت یہ بجلی کے دو تار ہیں منفی اور مثبت دونوں ہوں تو بلب روشن ہو سکتا ہے اسی طرح عقیدت اور اطاعت دونوں ہوں تو قلب روشن ہو سکتا ہے"۔

ایک دن مجھ سے فرمایا "ذکر اور مراقبہ دو بازو ہیں اور اڑنے کے لیے دونوں بازو لازمی ہیں"، آپ اپنی مجلس میں اکثر فرمایا کرتے تھے "لاہور کی آبادی ۱۴ لاکھ ہے (اس وقت اتنی ہی تھی) اگر مجھے ۱۴ مومن بھی مل جائیں تو انگریز کے خلاف جہاد کا علم بلند کر دوں۔ تن تنہا اعلان کرنا خلاف سنت نبوی ہے حضور نے اس وقت جہاد کیا جب مجاہدین کی ایک جماعت تیار ہو گئی تھی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ حرام کے ایک لقمے سے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اس لئے میں بہت محتاط رہتا ہوں۔ چنانچہ جب آپ نواب مظفر خاں مرحوم کے اصرار پر ان کے یہاں نکاح پڑھا کر فوراً واپس تشریف لے آئے۔ باوجود اصرار نہ کھانا کھایا نہ دوشالہ اور ایک ہزار نذرانہ قبول فرمایا۔ میں نے مدتوں اس بات کا مشاہدہ کیا کہ جب کوئی مرید آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتا۔ حضرت جی! بہت عرصے سے آپ کے بتائے ہوئے اوراد اور وظائف پڑھ رہا ہوں۔ اب اگلا سبق دے دیجئے تو آپ عموماً یہی فرماتے "ابھی تمہارا سبق کچا ہے اسے اور پکاؤ"۔

ایک دن میں نے "پکانے" کے معنی دریافت کئے تو فرمایا "میں اس علاقے (پنجاب) کے باشندوں کو سمجھانے کے لئے انہی کی اصطلاح استعمال کرتا ہوں۔ پکانے کا مطلب یہ ہے جو تم زبان سے کہتے ہو۔ وہ تمہارا حال بھی بن جائے۔[۱] مثلاً ایک شخص اس آیت کا ورد کر رہا ہے۔ "حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو"، تو اسے غیر اللہ سے سوال نہیں کرنا چاہئے۔ خواہ اسے فاقے ہی کیوں نہ کرنا پڑیں۔ اگر وہ اس آیت کا ورد کر رہا ہے اور غیر اللہ (مثلاً کسی انسان) کے آگے ہاتھ بھی پھیلا رہا ہے۔ دولت مندوں کی کوٹھیوں کا طواف بھی کر رہا ہے۔ تو اس کا حال اس کے قال سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ مطابقت تو بڑی چیز ہے۔[۲]

جب آپ تبلیغی اسفار پر دیہات میں تشریف لے جاتے تھے تو ایک تھیلے میں گڑ دوسرے میں چنے اپنے ساتھ لے جاتے تھے تاکہ مشتبہ لقمے سے محفوظ رہ سکیں۔ افسوس کہ ہم لوگ نہ صدق مقال کا خیال رکھتے ہیں نہ اکل حلال کا۔

آپ نے ساری عمر وعظ کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ حد ہے کہ اپنا ہی پرچہ خدام الدین کسی سے عاریۃً لیکر نہیں پڑھا قیمتاً خرید کر پڑھا۔ آپ نے دیہات میں جب تک اطمینان نہ ہو گیا کسی کے گھر قیام نہیں کیا۔ عموماً مسجد ہی میں قیام فرماتے تھے تاکہ مشتبہ غذا سے محفوظ رہیں اور کلمۂ حق بھی کہہ سکیں۔

ہمیشہ ماہ رمضان میں علما کو قرآن مجید کی تفسیر پڑھائی اور ربط آیات آپ کا خصوصی موضوع تھا۔ چنانچہ آپ نے اللہ کے فضل سے جو عکسی قرآن مجید طبع کرایا۔ اس کے حاشیے میں ربط آیات کو بخوبی واضح فرما دیا۔ یہ اللہ نے اپنے کلام مجید کی بہت بڑی خدمت آپ سے لی اور انشاء اللہ اس کا اجر بھی عظیم الشان ہی ملے گا۔ راقم آثم چونکہ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۴۳ء تک انجمن حمایت اسلام کے قائم کردہ تبلیغی کالج کا پرنسپل رہا ہے۔ اس لئے ۱۴، ۱۳ سال تک مسلسل حضرت کی تقریروں سے مستفید ہوتا رہا۔ آپ کے علاوہ کسی مقرر میں کلمۂ حق

---

[۱] اقبال نے بھی یہی بات کہی ہے۔ لا الہ گوئی؟ بگو از روئے جاں | تا ز اندام تو آید بوئے جاں
این دو حرف لا الہ گفتار نیست | لا الہ جز تیغ بے زنہار نیست

[۲] شیخ العرب والعجم ومجاہد اعظم، جملہ اکابر دیوبند کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی م ۱۳۱۷ھ فرماتے ہیں کہ جب میں ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ پہنچا تو کوئی ذریعۂ معاش مدنی نہ تھا۔ صرف زمزم پی کر زندگی بسر کرتا تھا۔ آٹھویں دن جب نماز کے لیے جا رہا تھا تو شدت ناتوانی سے راہ میں غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے اٹھایا زمزم پلایا تو ہوش میں آیا۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا الہام ہوا کہ آخری امتحان ہو چکا۔ چنانچہ فتوحات کی وہ کثرت ہوئی کہ ۴۰، ۵۰ آدمی روزانہ دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے۔ آپ کا وصال ۱۳۱۷ھ میں ہوا جب میری عمر ۵ سال تھی۔

کہنے کی جرأت کا مشاہدہ نہیں کیا۔ آپ ہمیشہ اپنے مواعظِ حسنہ میں شرک و بدعت کا رد فرماتے تھے۔ اور دولت مندوں کے منہ پر کہا کرتے تھے۔ کہ خالی ہاتھ آئے خالی ہاتھ چلے جاؤ گے۔ یہ نوٹوں کی گڈیاں جو تمہاری تجوریوں میں رکھی ہوئی ہیں سب یہیں رہ جائینگی۔ تمہارے بیٹے پوتے بھائی بھتیجے ایک گڈی بھی تمہارے ساتھ کفن میں نہیں رکھیں گے۔ جو اللہ کی راہ میں دے جاؤ گے وہ بھی تمہارے ساتھ جائے گا نیز جو لوگ تبلیغ کر رہے ہیں ان کی امداد تمہارا فرض ہے۔

حرفِ آخر، حضرت کے جنازے کے ساتھ جس قدر آدمی تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ لاہور کی اس صدی کی تاریخ میں غازی علم الدین شہیدؒ کے بعد اس قدر آدمی کسی جنازے کے ساتھ دیکھنے میں نہیں آئے۔ میں نے دونوں جنازے دیکھے ہیں دونوں جنازوں میں آدمیوں کی کثرت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے جب شہید اور حضرتؒ دونوں کے جنازے یونیورسٹی گراؤنڈ میں پہنچ چکے تھے تو جلوس کا پچھلا حصہ لوہاری دروازے کے چوک میں تھا۔ میں بہ چشم دید واقعہ لکھ رہا ہوں۔ مجھے بڑی آرزو تھی کہ حضرت اقدسؒ کا (جنہوں نے میری زندگی میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا) آخری دیدار کر لوں۔ اللہ کی کرم فرمائی دیکھو! میرے محترم مولانا سید محمد داؤد غزنوی مرحوم نے پیغام بھیجا کہ حضرت سے تمہارے تعلقات کے پیشِ نظر میں نے تمہارے لیے انتظام کر لیا ہے تاکہ تم آخری دیدار کر سکو چنانچہ میں یونیورسٹی گراؤنڈ میں پیویلین پر سید صاحبؒ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ غالباً پانچ سوا پانچ بجے حضرت اقدس کا جنازہ اس پیویلین کی پشت سے گذرا اور میں نے بڑے اطمینان کے ساتھ حضرت کا آخری دیدار کر لیا۔ چہرہ مبارک کھلا ہوا تھا اور اس پر عجب نور برس رہا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت سو رہے ہیں موت کے آثار چہرے سے مطلق نمایاں نہیں تھے۔ جب میں نے چہرۂ مبارک دیکھا تو معاً اقبال کا یہ شعر زبان پر آگیا۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

حضرت مولانا عبد المالک صاحب نقشبندی مجدّدی رحمۃ اللہ علیہ

مشہور نقشبندی مجددی شیخ مولانا عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ خانیوال کی خدمت میں سٹلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی میں غالباً ۱۹۶۴ء یا ۱۹۶۵ء میں حاضر ہوا۔ دورانِ ملاقات انہوں نے حضرت الشیخ قطب العالم حضرت لاہوریؒ کے بارہ میں فرمایا کہ "دَورِ حاضر میں ان کی نظیر نہ تھی۔ ان کا قلب مبارک اتنا نورانی تھا کہ اہلِ کشف بھی نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتے تھے اور روحانی کمالات بھی انتہاء پر تھے۔ سب سے بڑا کمال اکل حلال تھا کئی دفعہ ان کی مسجد میں حاضر ہوا۔ ایک مرتبہ اپنے شیخ و مرشد قطب وقت حضرت مولانا و سیدنا فضل علی قریشیؒ کے ساتھ بحیثیتِ خادم شیرانوالہ دروازہ کی جامع مسجد میں پہنچے۔ راستہ میں (غالباً) حضرت قریشیؒ نے مچھلی تناول فرمانے کی خواہش ظاہر فرمائی جب ہم مسجد میں پہنچے۔ تو تھکان کی وجہ سے حضرت قریشیؒ غسل فرمانے کے لئے دفتر خدام الدین کے سامنے غسل خانہ میں تشریف لے گئے اور یہ خادم چھوٹی مسجد میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا کہ اتنے میں حضرت لاہوریؒ مسجد میں تشریف لائے اور بڑے غور سے اِدھر اُدھر دیکھ کر مجھ سے فرمایا کہ کون تشریف لائے ہوئے ہیں؟ مجھے یوں محسوس ہوا کہ حضرت لاہوریؒ اپنی روحانی قوت سے کچھ ادراک فرما رہے تھے۔ میں نے حضرت قریشیؒ کی تشریف آوری کا عرض کیا تو حضرتِ لاہوریؒ نے فرمایا کہ اچھا میں ابھی آیا اور غالباً گھر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر میں ادھر حضرت قریشیؒ غسل سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حضرت لاہوریؒ ایک دستر خوان میں مچھلی اور روٹی لے آئے۔ مجھے بہت حیرانگی ہوئی کہ ان اہل باطن کی دنیا ہی کیا ہوتی ہے!

اس کے بعد بھی کافی وقت حضرت مولانا عبدالمالک صدیقیؒ بزرگوں کے واقعات ارشاد فرماتے رہے

اپنے حافظہ کی بنیاد پر اوپر کے جملے لکھے ہیں۔ البتہ مفہوم بالکل یہی تھا۔

حضرت الشیخ لاہوریؒ قدس سرہ کے پانچ اونچے خلفاء کرام میں سے ایک جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا مفتی بشیر احمد صاحب پسروری رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے ذریعہ حضرت شیخ قدس سرہ کا فیض روحانی بڑی کثرت اور قوت سے پھیلا۔ انہوں نے انجمن خدام الدین رجسٹرڈ نوشہرہ کی سیرت کانفرس میں ایک دفعہ بندہ سے فرمایا کہ "مجھے سلطان العارفین حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہم و برداللہ مضجعھم کی خدمتِ بابرکت میں مسلسل چالیس سال تک حاضری اور استفادہ کا شرف نصیب ہوا۔ لیکن اس پورے عرصے میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ بھی کسی کی غیبت کرتے ہوئے نہیں سنا۔ بلکہ اگر کوئی صاحب کسی کا ذکر اس انداز سے شروع کرتے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو بدلوا دیتے اور فرماتے کوئی اولا بات کیجئے۔ اور اس دَور میں غیبت سے بچ نکلنا اور ساری زندگی حرام اور مشتبہ خوراک و اشیاء سے مکمل اجتناب میرے نزدیک حضرتؒ کی سب سے بڑی کرامت تھی"۔

۶۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں ۵۷-۱۹۵۶ء میں حضرت الشیخ العارف المفسّر لاہوریؒ مہمان خصوصی تھے۔ اور خود اس سیہ کار کو حضرت الشیخؒ کی پہلی مرتبہ زیارت کا شرف اسی جلسہ میں نصیب ہوا تھا۔ رات کی نشست زبردست بادوباراں کی نذر ہو گئی اور ساری رات خوب بارش برسی۔ استاذی المحترم مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ شیخ الحدیث، تمام مدعوین و مہمانان گرامی کے انتظامات میں ہمہ تن متوجہ تھے اور دارالعلوم کی نئی عمارت میں چند زیرِ تعمیر کمروں کے علاوہ سر چھپانے کی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے سخت متفکر۔ خدا خدا کر کے رات گذری۔ صبح اشراق کے بعد حضرت لاہوریؒ نے "وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن"۔ پر عجیب و غریب بابرکت خطاب فرمایا۔ ان کے خطاب کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ کی تقریر شروع ہوئی اور حضرت الشیخؒ اسٹیج سے اترے۔ بندہ اپنے ماموں صاحب و بعض حضرات کے ساتھ جلسہ گاہ سے نکل کر ایک طرف بڑھے۔ جہاں کار کھڑی تھی اور اس میں حضرتؒ نے تحریک آزادی کے رکن جناب خان عبدالغفار خان صاحب کے ہمراہ ان کے گھر دوپہر کے کھانے پر تشریف لیجانا تھا۔ اس وقت عجیب منظر تھا۔ حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتیؒ یادگارِ سلف بھی اور دیگر اکابر و مشائخ نے حضرتؒ کو رخصت کیا۔ اس موقع پر جب بندہ نے دعا کی درخواست کی تو سر پر ہاتھ رکھ کر حضرتؒ نے مختصر سی دعا فرمائی کہ اللہ تعالےٰ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے نقشِ قدم پر چلائے اور ہمیشہ اپنی رضا و محبت سے نوازے۔

۷۔ محترم جناب خواجہ نذیر صاحبؒ خدام الدین رسالہ کے ابتدائی دَور کے منتظمِ اعلیٰ تھے اور محترم جناب چوہدری عبدالرحمٰن صاحبؒ کے ساتھ انہوں نے اس رسالہ کی جو خدمت کی وہ تاریخی چیز ہے۔

میرے زمانہ طالب علمی ۶۰ء تا ۶۲ء میں بھی ان سے مراسم رہے۔ لیکن جب ۱۹۶۴ء میں بندہ جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہ کی خدمتِ اقدس میں دورۂ تفسیر کے لئے حاضر تھا۔ ان دنوں حضرت اقدس دامت برکاتہم نے بکمال شفقت و محبت مجھے اور محترم خواجہ نذیر احمد صاحبؒ کو حضرت الشیخ لاہوری قدس سرہ کے حجرۂ خاص (تالاب مسجد کے غربی جانب) بطور قیام گاہ عطا فرمایا تھا تو ان دنوں محترم خواجہ صاحبؒ حضرت کے بارہ میں پرانے واقعات بتلایا کرتے تھے۔ کاش کہ اس وقت بندہ کو صحیح احساس ہوتا اور قلمبند کر لیتا۔ لیکن ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

ایک واقعہ خود ان کا اپنا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ وہ علامہ اقبال کے خصوصی معتقدین اور پھر ان کے قریبی احباب میں سے تھے۔ ایک دن خواجہ نذیر احمد صاحبؒ نے علامہ اقبال سے کسی مردِ حق آگاہ اور صاحبِ باطن کا پتہ پوچھا تاکہ ان سے بیعت کا شرف حاصل کر سکیں تو علامہ اقبال نے فرمایا کہ "حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں جائیے۔ ان میں جملہ متعلقہ صفات پائی جاتی ہیں" خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے مجھے انشراح و خوشی ہوئی اور حضرتؒ کے قدموں میں آگیا اور پھر ہمیشہ کے لئے ان کا گرویدہ بن گیا۔

خواجہ صاحب نے مزید یہ بتلایا کہ ایک مرتبہ کسی ملک (جس کا نام مجھے اسوقت یاد نہیں رہا) کے کچھ لوگ علامہ اقبال سے ملنے کے لئے بطور وفد آئے۔ دیگر مسائل کے علاوہ جب بعض اسلامی امور پر انہوں نے کچھ مسائل پیش کئے تو علامہ اقبال نے ایک رقعہ حضرت لاہوریؒ کے نام لکھا اور اس وفد کو ایک ترجمان کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں اِس غرض سے بھجوایا کہ حضرتؒ ان کی تشفی فرما سکیں۔ اس کے علاوہ ایک مرتبہ دیارِ غیر سے کسی غیر مسلم نے اشکالات علامہ صاحب کو بھیجے۔ انہوں نے وہ "حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں جواب کی غرض سے بھجوا دیئے تھے۔
(کاش کہ وہ خطوط وغیرہ اب کہیں سے دستیاب ہو سکیں تو نئی پود کے لئے ہدایت کا سبب بن سکے۔)

خواجہ صاحب نے ایک واقعہ اپنے گھر کا بیان کیا کہ ان کی ایک صاحبزادی صاحبہ کی شادی وزارتِ خارجہ میں ملازم ایک عزیز سے ہوئی۔ کچھ مدت کے بعد وہ ماسکو (روس) اپنی ڈیوٹی پر گئے۔ گھر والے بھی ساتھ تھے تو خواجہ صاحب کی صاحبزادی ہفتہ عشرہ کے بعد اپنی خیریت وغیرہ سے مطلع کر دیا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ بہت تاخیر ہو گئی اور خواجہ صاحب کی بیوی صاحبہ نے بہت اصرار کیا اور اس کا صدمہ بھی بہت بڑھا ہوا تھا۔ بہر حال ڈرتے ڈرتے حضرت لاہوریؒ سے عرض احوال کیا۔ حضرتؒ مسکرائے اور آنکھیں بند فرما کر چند ثانیوں کے بعد فرمایا کہ الحمدللہ خیریت سے ہیں اور اپنے گھر میں کپڑا سی رہی ہیں۔ ان کی والدہ صاحبہ نے فوراً ان کو خط لکھا۔ جس میں دیگر امور کے علاوہ اِسوقت اور تاریخ پر "کیا شغل تھا؟" کا استفسار بھی کیا۔ اس کا جو جواب آیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا۔ اس میں لکھا کہ "وہ خیریت سے ہیں۔ ڈاک میں کسی وجہ سے تاخیر ہو گئی ہو گی۔ اس وقت و تاریخ پر وہ ایک کپڑا سی رہی تھیں۔" اللہ اکبر!

کسی نے سچ کہا جو بالکل حضرتؒ کے بارہ میں صحیح عکاسی کرتا ہے۔

مرتباں ورزیدہ ام آفاقہا گردیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

طالب دعا: خاکپائے حضرت الشیخؒ احمد عبدالرحمان صدیقی۔

لہ اس سفرِ مقدسہ پر آتے وقت مولانا عبدالحق شیخ الحدیث مدظلہٗ نے حضرت العباسی المدنی رحمۃ اللہ علیہ کے نام رقعہ عطا فرمایا تھا۔ تاکہ ہمارا قیام مدینہ منورہ حضرتؒ کی مقدس سرپرستی میں رہے۔ تو جب بندہ نے لاہور میں حضرت لاہوریؒ سے اس کا تذکرہ کیا تو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "ہاں

ضرور! وہ اللہ کے نیک بندے ہیں۔ مدینہ پاک میں دو مرتبہ وہ مجھے اپنے گھر لے گئے تھے۔ بہت مخلص ہیں۔" اور پھر فرمایا۔ "ان کے شیخ حضرت مولانا فضل علی قریشی رحمتہ اللہ علیہ اونچے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ مجھ پر بڑی شفقت فرماتے اور کئی مرتبہ یہاں بھی تشریف لائے تھے۔ آپ کو مدینہ پاک میں ان کے ہاں قیام کی اجازت ہے۔ میرا سلام بھی عرض کر دیں۔"

خان غازی کابلی، دہلی

حضرت مولانا فاضلِ حقانی احمد عبد الرحمان صدیقی!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

میں اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حالات نے ہمارے اکابر ومشاہیر کا رخ تجارتی اور دوسرے دنیاوی امور مصروفیتوں کی طرف پھیر دیا ہے اور تقسیم وطن کچھ اس انداز سے ہوئی ہے کہ اس نے پرانے "سروں" خان بہادروں اور "پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے؟" کہنے والے لوگوں کا بول بالا کر دیا ہے۔ اور ان کے بارے میں ہی ہندوپاک دونوں ملکوں میں ریسرچ اور تحقیقاتی کام ہو رہے ہیں اور "شرابیوں" اور بے دین قسم کے لوگوں کو بانس پر چڑھایا جا رہا ہے۔ مجاہدین فی سبیل اللہ اور احرار اسلام و وطن کو نہ صرف غیروں نے ہی نظر انداز کر دیا ہے۔ بلکہ اپنوں کے منہ پر بھی مصلحتوں کے تالے لگا دیئے ہیں لیسے لادینی بے دینی اور مصلحتوں کے دور میں مجاہدینِ دین اور "خدام الدین" کی کیسے پرواہ ہو سکتی ہے؟ "قیاس کن زگلستان من بہار مرا"۔ میں نے پورا ایک ہفتہ "الجمعیۃ" کی پرانی فائلوں کو کھنگالنے میں لگایا اور "تلاش بسیار" کے بعد ۱۹۶۲ء کی فائل ملی تو جنوری فروری، مارچ، اپریل کے مہینوں کی فائل ندارد تھے۔ اسی طرح "برہان" کے فائل بھی "کوششِ بسیار" کے باوجود نہیں مل سکے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانی کراچی کی اسلامی کانفرنس سے مراجعت فرمائے دہلی ہوئے تو میں نے نہایت سختی سے مطالبہ کیا کہ زیادہ نہیں تو چند سطریں ہی مولانا احمد علی لاہوری کے بارے میں تحریر کر دیجیے۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے محترم غازی! آپ مجھے دیکھ رہے ہیں کہ میری حالت کیا ہے۔ سر کھجانے اور مرنے کے لئے فرصت نہیں اور "روشنی طبع بر من بلا شدی" میں اسیر و گرفتار ہوں کراچی سے آیا تو میرٹھ گیا اور اب اسی کلکتہ کے لئے "پابہ رکاب" ہوں۔ جس کے لئے کہا گیا ہے۔

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر مرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

میں نے عرض کیا کہ آپ زبانی ہی کچھ فرما دیجیے۔ میں انہیں "آویزہ گوش ہوش" کر کے پھر سپرد قرطاس کر دوں گا۔ اور فاضل حقانی جناب صدیقی صاحب کو بھیج دوں گا۔ اس پر انہوں نے فرمایا۔

مفکرِ ملت مفتی عتیق الرحمن صاحب

"مولانا احمد علی لاہوریؒ مرحوم کا تعلق علمائے حق کے اس گروہ سے تھا۔ جن کا روشن کردار تاریکیوں کے دور میں ہم لوگوں کے لئے ہمیشہ روشنی کا "قطب مینار" رہا ہے۔ انہوں نے ہمیشہ ذاتیات کی بحثوں سے خود کو بچائے رکھا۔ تلخیوں اور گندگیوں سے اپنے دامن کو پاک وصاف رکھا۔ کبھی کسی سے نہ الجھے اور نہ ہی کسی تلخ گفتگو سے اپنی زبان کو خراب کیا۔ ہمیشہ "کم گو خوش گو" کے مقولے پر عمل پیرا رہا کرتے تھے۔

انہوں نے اپنی زندگی کو دین کی خدمت اور قرآن مجید کی تعلیمات کو فروغ دینے اور اشاعت کے لئے وقف کیا تھا۔ ان کے درسِ قرآن کی شہرت اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ان کی تقلید میں

ہندوستان بھر کے تعلیمی اداروں، مذہبی جماعتوں اور مسجدوں میں درس قرآن شروع ہو گئے تھے۔ لیکن اس بات کے باوجود مولانا احمد علیؒ کے درس کی یہ امتیازی خصوصیت اپنی جگہ پر قائم رہی کہ اس میں کشمیر سے راس کماری اور خلیج بنگال و ڈھاکہ سے کابل و قندھار تک کے عربی مدرسوں کے طلبار شریک ہوتے تھے اور فیض یاب ہو کر اپنے وطن میں جا کر فخریہ انداز میں کہتے تھے کہ ہم مولانا احمد علیؒ کا درس سُن کر آئے ہیں اور ان سے "دین حق" کی روشنی حاصل کئے ہوئے ہیں۔"

"ملک میں اِن دنوں جتنے نامور اسلام کے مفکر مذہبی اور دینی اکابر و اصاغر افق شہرت پر جگمگا رہے ہیں۔ ان سب کا کسی نہ کسی رنگ میں مولانا احمد علیؒ لاہوری سے تعلق رہا ہے۔ اور ان میں سے بعض نے مولاناؒ کے درسِ قرآن سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ ان میں ندوۃ العلمار کے سربراہ اور بین الاقوامی شہرت کے مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔"

"حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے درسِ قرآن کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ وہ جہاں دینی نکات و معارف کے دریا بہایا کرتے تھے۔ وہاں تاریخی اور جغرافیائی حالات بھی بیان فرماتے تھے اور قرآنِ مجید کی سورتوں اور آیتوں کا شانِ نزول بھی نہایت دِل آویز انداز میں اس طرح بیان فرماتے تھے کہ سُننے والے عَش عَش کر اُٹھتے تھے۔ بہت سے لوگ جو ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ان کا یہ تاثر بھی تھا کہ مولانا احمد علی لاہوریؒ درسِ قرآن اور تفسیر میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے نوٹوں سے بھی لوگوں کو مستفید کرتے ہیں۔"

حضرت مفکرِ ملت مولانا مفتی عثمانی صاحب کا بیان جاری تھا کہ اُن کے کچھ دوست تشریف لائے۔ اور ؎

آنکھوں آنکھوں میں ہی وہ ان کو اُڑا کر لے گئے
پاسبانی رہ گئی اور پاسباں رکھا گئے

میں نے عرض کیا کہ باقی کلکتے سے واپسی پر۔ انھوں نے فرمایا۔ خدا جانے کب واپسی ہو۔ یہی مرتب کر کے فاضلِ حقانی صدیقی صاحب کو بھیج دیئے۔

گھر بارش میں بھیگتا ہوا آیا تو چوہدری محمد شفیع صاحب سابق ممبر بھارت پارلیمنٹ کا بیان موجود پایا۔ الگ ملاحظہ ہو۔

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی

رات کو سخت بارش ہو رہی تھی کہ اوپر ایک طاقچہ سے پرانے کاغذات کا ایک پلندہ سر پر آن گرا۔ اسے صبح کو دیکھا تو بے انتہا مسرت ہوئی کیونکہ ان میں "برہان" ۱۹۶۲ء کا اپریل کا پرچہ نظر امروز ہوا۔ جس میں "نظرات" کے تحت مولانا سعید اکبر آبادی کا ذیل کا شذرہ تھا۔ ملاحظہ ہو۔

"افسوس پچھلے دنوں مولانا احمد علیؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور رہگرائے عالمِ جاودانی ہو گئے"

"حضرت مولانا احمد علیؒ حلقہ دیوبند کے اکابر و مشائخ میں سے تھے۔ بلند پایہ عالم وسیع النظر مفکر اور درویش صفت بزرگ ہونے کے علاوہ اونچے درجے کے صاحبِ معرفت اور باعمل بھی تھے۔ قرآنِ مجید کی تفسیر اور اس کی تعلیم و تدریس سے خاص شغف تھا اور اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل طلبار اس غرض سے لاہور جاتے اور چند ماہ قیام کرکے مولانا

کے مخصوص درسِ قرآن سے مستفید ہوتے تھے۔ پنجاب کے انگریزی تعلیم یافتہ حضرات بھی موصوف کے زیر اثر تھے۔ اور ان کی اچھی خاصی تعداد اس درس میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتی تھی۔ پنجاب میں مولانا کی ذات جو احیار دینی روحانی و اخلاقی تعلیم و تربیت اور نشر و تبلیغ، علوم و معارف قرآنیہ کے لئے وقف تھی۔ مرجع عوام و خواص تھی۔ تقریر مؤثر اور دلپسند ہوتی تھی۔ مگر مجلس میں کم سخنی اور کم گوئی ان کی نوبھی زندگی بڑی سادہ تھی۔ تکلف و تصنع اور مادی آرائش و زیبائش سے نفرت تھی۔ ان خوبیوں کے علاوہ مجاہد فی سبیل اللہ بھی تھے۔ تحریکِ خلافت اور اس کے بعد جدوجہد آزادی میں ہمیشہ جمعیۃ العلمار ہند کے ساتھ رہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد تھے۔ اس تعلق سے ان کو مولانا سے زیادہ استفادہ کا موقعہ ملا تھا۔ اور اس کا اثر اُن کے درسِ قرآن میں اور عام تقریروں اور گفتگوؤں میں بھی ظاہر ہوتا تھا۔"

"قیام پاکستان کے بعد بڑے بڑے اہم مسائل رونما ہوئے اور بعض اوقات علمار کے لئے سخت ابتلاء و آزمائش کے مواقع پیدا ہوئے۔ مگر مولانا نے اعلانِ حق اعلائے کلمۃ الحق میں بھی کبھی کوتاہی یا پہلوتہی سے کام نہیں لیا۔ ان کو اس کی سزا بھی بھگتنی پڑی۔ مگر انہیں اس کی کبھی پرواہ نہیں ہوئی۔ اب ایسے علمار حق کہاں ملیں گے؟ جو جاتا ہے۔ اپنا صحیح جانشین قائم مقام چھوڑ کر نہیں جاتا۔"

'برہان' اپریل ۱۹۶۲ء دہلی بھارت۔

○ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان راولپنڈی

ایک مسلّمہ حقیقت

بعض حقائق اس قدر اٹل، حتمی، ٹھوس، محکم اور غیر متبدل ہوتے ہیں کہ مسلمان تو کیا کٹر سے کٹر کافر بھی اس کا ابار و انکار نہیں کر سکتا۔ ان میں سے ایک 'موت' ہے۔ آپ کو دینِ اسلام کے منکر ملیں گے۔ حضرت رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا تمسخر و استہزار کرنے والے پائیں گے۔ اللہ رب العزت کی وحدانیت والوہیت کے خلاف طرفہ تماشہ دکھانے والے ملیں گے۔ حتیٰ کہ خالقِ کائنات کے وجود کا بھی بڑی سخاوت سے انکار کرنے والوں کی ایک پوری ٹیم اس دنیا میں موجود ہے۔ مگر چیلنج کے طور پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ موت ایک ایسی اٹل اور انمٹ حقیقت ہے۔ جس سے بڑے بڑے کافر کو بھی انکار کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ موت ایک تجرباتی و مشاہداتی چیز ہے۔ جس سے ہر شخص کو آئے دن واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ مشاہدہ کا انکار صرف وہی نادان و احمق کر سکتا ہے کہ جس کے دماغ کی چولیں یا تو سرے سے مفلوج و ماؤف ہو گئی ہوں۔ یا اتنی کمزور و ناتواں ہو گئی ہوں کہ ان میں تفکّر و تدبّر کی صلاحیتیں یکسر معدوم و معطّل ہو چکی ہوں۔

موت ہے ہنگامہ آرار قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موت کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقتِ گفتار ہے،
زندگانی کیا ہے اک طوق گلو افشار ہے

اثراتِ اموات بحسب المراتب

بعض اموات ایسی ہوتی ہیں. جنکا صدمہ اندرونِ خانہ تک محدود ہوتا ہے. بعض ایسی ہیں. جن کا حزن و ملال ملکی سطح تک حاوی ہوتا ہے. لیکن بعض اموات ایسی جانگسل و جان گداز ہوتی ہیں. جن کو پورا عالم حادثۂ جانکاہ اور سانحۂ فاجعہ سے تعبیر کرتا ہے. جن کی ٹیس، جنکا درد و کرب اور جن کا رنج وملال اور اضطراب و اضمحلال ابدانِ ظاہریہ سے تجاوز کر کے ارواح کی گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے اور پورا عالم غم و اندوہ کی تصویر بن جاتا ہے. یہ دل آزار و دلفگار صورتحال صرف اور صرف ایک مفسّر و محدّث فقیہہ و لبیب اور متدین و متشرع عالمِ ربّانی کی موت پر ہی منظرِ عام پر آتی ہے اور یہی معنی ہے. موت العالِم موت العالَم کا. یعنی ایک عالمِ ربانی کی موت گویا کہ تمام عالم کی موت ہے.

فما کان قیس هلکه هلک واحد ولکنّه بنیان قوم تهدّ ما

شبہ بمعہ ازالہ

یہاں ایک شک وشبہ کا ازالہ کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا. وہ یہ کہ عالمِ دنیا میں صرف فرزندانِ اسلام ہی تو نہیں بستے. یہاں تو یہود و نصاریٰ بھی ہیں اور مشرک و ملحد اور زندیق و بے دین بھی، دہریت و اشتراکیت کے دیوانے بھی ہیں اور ہندو مت، جین مت، بدھ مت اور کیتھولک و پروٹسٹنٹ مسلک کے پیروکار بھی. تو ایک عالمِ ربّانی کی موت سے عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے لیے تو ایک عظیم رنجدہ کی صورتحال پیدا ہو سکتی ہے. کیونکہ ان کے دل اسلام اور اہل اسلام کے صنادید و اساتین کے لئے دھڑکتے ہیں. ملت کافرہ اور طائفہ زنادقہ و ملاحدہ کو کیا پڑی ہے کہ وہ ایک عالمِ ربانی کی موت پر کبیدہ خاطر ہو جائیں اور سراپا غم و ہم کی تصویر بن کر خون کے آنسو بہائے. بلکہ اسلام کے متوالوں کے ایسے دلدوز و دلسوز حادثات و واقعات پہ کفار ناہنجار اور فساق و فجار کے گھروں میں تو گھی کے چراغ جلائے جاتے ہیں. خوشیوں کے شادیانے بجائے جاتے ہیں اور اُن کی رنگین محافل و مجالس کی رونق وبہجت دوبالا ہو جاتی ہے. تو موت العالِم، موت العالَم چہ معنیٰ دارد، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی دین معتبر و معتمد ہے تو وہ صرف دینِ اسلام ہے. اِنَّ الدین عِندَ اللّٰہِ الاِسلام. اور اللہ تعالےٰ کے ہاں بحیثیتِ ملت کسی چیز کا وجود ہے تو صرف مسلمانوں کا. ماسوائے ملتِ اسلامیہ سب کی سب ملل باطلہ ہیں. اور اللہ تعالےٰ کے ہاں مردود و مطرود ہیں. "وَمَن یبتغ غیرَ الاسلام دِینا فلن یقبل منہ" جو شخص بحیثیت دین اسلام کے سوا کسی اور دین کا متلاشی ہو گا تو وہ ہر گز قابلِ قبول نہیں. پھر ملل کفریہ و باطلہ کے پیروکاروں کا وجود بھی اللہ تعالےٰ کے ہاں کالمعدوم ہے. ارشادِ باری تعالیٰ ہے. "اولئک کالانعام بل ھم اضل" وہ کافر و نافرمان مثل ڈھوروں اور ڈنگروں کے ہیں. بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں. معلوم ہوا کہ دنیا میں کوئی وجود "من حیث الوجود" اللہ تعالےٰ کے ہاں معتبر ہے. تو وہ صرف امُتِ مسلمہ کا اور باقی ملل کے افراد کی حیثیت بتانِ آزری سے زیادہ نہیں گویا کہ امتِ مسلمہ کی ٹیس تمام عالم کی ٹیس ہے اور مسلمانوں کے دِل و دماغ کا ماتم. تمام عالم کا ماتم ہے. تو اس کا منطقی نتیجہ یہی نکلا کہ "موت العالِم موت العالَم" کا فارمولا، قاعدہ کلیہ اور ضابطہ اپنی جگہ محقق محکم اٹل اور حتمی ہے. فللہ الحمد. عالمِ ربانی کا دنیا سے اٹھ جانا کچھ ایسا ہی ہے. ؎

رفتم و از رفتن من عالم تاریک شد
من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

حضرتِ انسان کی بیچارگی

موت کے آہنی پنجہ نے کتنے مردانِ حق آگاہ کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کی جرأت و بسالت کا اظہار انگریز مؤرخ اس انداز میں کرتا ہے "کہ اگر اس شخص کی بوٹی بوٹی بھی کر دو، تو ہر بوٹی سے انگریز کی مخالفت کی آواز آئے گی۔ شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے کون ناواقف ہے۔ جنہوں نے عزیمت و ہمت کا پیکر بن کر انگریز کے خلاف مسلمانوں کے خون کو گرمایا اور برٹش گورنمنٹ کے عروج میں یہ نعرۂ مستانہ لگایا کہ" اے ہندوستان والو۔ تم سب مِل کر اگر موت بھی کرو تو انگریز بہہ جائے گا اور جس نے انگریز جج کی آنکھ میں آنکھ ملا کر عالمِ اسلام پر اپنی شہامت و جرأت کا سکہ یہ کہہ کر بٹھایا" کہ میں پہلے مسلمان ہوں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ میرے گلے میں اللہ و رسول کی غلامی کا طوق ہے۔ اس کے مقابلے میں برٹش گورنمنٹ کی اطاعت حاشیہ خیال میں بھی نہیں آ سکتی۔ اور یہی وہ دعوت و عزیمت کا مرحلہ تھا۔ جس سے متاثر ہو کر مولانا محمد علی جوہر نے حضرت مدنی کے قدم چوم لئے تھے۔ خطیبِ اسلام حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی حق گوئی و بے باکی اور دلیری و جواں مردی کی داستانیں زبان زدِ عام ہیں اور جس کی خطابت کے طنطنے، ہمہمے اور غلغلے سے آج بھی برِصغیر کے دَر و دیوار جھوم رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنی قلندرانہ آواز سے بڑے بڑے فراعنہ و نمارده کا غرور خاک میں ملا دیا۔ لیکن جب ان فرزندانِ اسلام کا موت سے تصادم ہوا تو سب نے سپر انداز ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور سارے عالم پر صفِ ماتم بچھا کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

ولی کامل

انہیں قلندرانہ صفات کے حامل، عارفِ کامل اور عالم عامل حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری جیسے اسلام کے بہادر اور ناقابلِ تسخیر سپوت نے بھی موت کے ساتھ مصالحت کر لی۔ اور سب عقیدت مندوں اور نیاز کیشوں کو دیدۂ گریاں اور قلب بریاں کی کیفیت دیکھ عالمِ جاودانی کو سدھار گئے اور فانی و ناپائیدار زندگی پر "والاخرۃ خیر" والبقی" کو ترجیح دی۔

لوگ کہتے ہیں کہ مظہر مرگیا
اور مظہر درحقیقت گھر گیا

معیار ولائیت

ادوار کے انقلاب و اختلاف سے چیزوں کی اقدار بدل گئیں۔ اطوار بدل گئے اور اچھی اور بری چیزوں کے امتیاز کے معیار بدل گئے۔ شراب کو مشروب کا نام دے کر شیرِ مادر سمجھ کر لذتِ کام و دہن کا سامان مہیا کیا گیا۔ جوئے کو سکنڈل گیم کا نام دے کر جواز کی راہیں نکالی گئیں۔ حالانکہ قرآن مجید نے ان دونوں کو "رجس من عمل الشیطان" (یہ شیطان کی غلاظت ہے) کے نام سے یاد کیا ہے۔ سود کو پرافٹ کا نام دے کر حلال و حرام میں امتیاز کو ختم کیا گیا۔ حالانکہ قرآن مجید نے اُسے اللہ و رسولؐ کے ساتھ جنگ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ

"فأذنوا بحرب من اللہ و رسولہ" (لے سود خورو۔ اگر تم سود خوری سے باز نہیں آتے۔ تو اللہ و رسولؐ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ) سے عیاں ہے۔ رشوت کو چائے پانی کا نام دیکر لقمۂ تر بنایا گیا۔ حالانکہ رہبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔" الراشی والمرتشی کلاھما فی النار" کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں دوزخی ہیں۔ رقص و سرور کو ثقافت کا نام دیکر بے حیائی، فحاشی اور زناکاری کے لئے راہیں ہموار کی گئیں۔ حالانکہ قرآن مجید نے ان افعال قبیحہ و شنیعہ کو لھوالحدیث اور فاحشہ کا نام دیا ہے سمگلنگ بلیکنگ کو تجارت کا نام دے کر قوم کی معیشت کو تباہ کیا گیا۔ حالانکہ سیدالرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔" المحتکر فی النار" کہ ناجائز ذخیرہ اندوزی کرنے والا دوزخی ہے۔ دین کے اندر ایجاد و اختراع اور احداث و ابداع کو بدعت حسنہ و بدعت سیئہ جیسی تاویلات سخیفہ کا سہارا لیکر فروغ و رواج دیا گیا۔ حالانکہ سیدالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔" کل محدثۃ بدعتہ و کل بدعتہ ضلالۃ" کہ دین کے اندر ہر نئی چیز پیدا کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور فرمایا: کل ضلالۃ فی النار، کہ ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔ اور فرمایا" من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھورد" کہ جس نے بھی ہمارے دین کے اندر ایسی چیز پیدا کی۔ جو ہمارے دین میں نہیں ہے۔ تو وہ مردود و مطرود ہے۔ توحید کی جرنیلی سڑک کو چھوڑ کر شرک و بدعت کی پگڈنڈیوں کو اپنایا گیا اور اس کو عشق و محبت کا جامہ پہنا دیا گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔" من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ" کہ جس نے اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرایا۔ اس پر اللہ ربّ العزت نے جنت کو حرام کر دیا ہے۔

ولی کامل کا حقیقت افروز جملہ

"اس سلسلہ میں حضرت لاہوریؒ کا ارشاد بلاشبہ حق و صداقت کی ترجمانی کرتا ہے۔ کہ ہر خبیث چیز کے ساتھ شریف کا لفظ لگا دیا جائے۔ تو وہ شریف تو نہیں بن جاتی۔"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت لاہوریؒ نے اس ایک جملہ کے اندر معاشرہ کی خرابیوں، عقائد کی زبوں حالیوں اور غلط کاروں کی کج فہمیوں کی عکاسی و نشاندہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ واقعی

ع قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔

جہال کا ذہنی تنزل و تسفل

اس طرح آج کل ولایت کے معیار کی بساط کو بھی یکسر الٹ دیا گیا ہے۔ عوام الناس نے مشرک و بدعتی پیروں اور سجادہ نشینوں اور برٹش گورنمنٹ کے حاشیہ بردار، کاسہ لیس اور کفش بردار ٹوڈیوں کو اولیاء اللہ میں شمار کر لیا ہے اور یہ امتِ مسلمہ کے لئے ایک عظیم حادثہ سے کم نہیں۔ گو وقت کے ہر اہل حق نے اس تلبیس ابلیس کا پردہ چاک کیا ہے۔ لیکن اہواء و خواہشات کے پتلے جہال و حمقاء کو احساسِ زیاں تک بھی نہ ہوا۔

اہلِ حق کا اظہارِ حق

خطیب اِسلام حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے انہیں خوشامدی اور تملق پسند سجادہ نشینوں اور انگریزوں کے جوتے چاٹنے والے جاگیرداروں کا نقشہ اپنے ہی اشعار میں عجیب پیرایہ میں

کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ؎

چہ پیرانش مریدان فرنگی | لقب کافور ذات پاک زنگی
نواب و رئیس نش چہ پرسی | سگ و سگ زادگاں کرسی بہ کرسی

علامہ اقبالؒ کا تخیل

پاکستان کے عظیم مفکر و فلسفی شاعر علامہ اقبال مرحوم نے بھی ان غلط کار رہنماؤں اور نام نہاد پیشواؤں کی غلط روی، کج ذہنی اور نفاق پروری کو شدت سے محسوس کیا اور وہ یہ کہنے سے نہ رہ سکے۔ ؎

ہم کو تو میسّر نہیں مٹی کا دیا بھی | گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو دیہاتی ہو مسلمان ہے سادہ | مانند بتاں پجتے ہیں کعبہ کے برہمن
میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد | زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اور ایک جگہ ان مبتدعین مجاورین کا نقشہ کچھ ان الفاظ میں کھینچا۔ ؎

رمز و ایمار اس زمانے کے لئے موزوں نہیں | اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن
قم باذن اللہ جو کہتے تھے وہ رخصت ہو گئے | خانقاہوں میں مجاور رہ گئے اور گورکن

اور ایک جگہ ببانگِ دہل اور ڈنکے کی چوٹ اظہارِ حق کا اعلان ان الفاظ میں کیا۔ ؎

ہوئے نکو نام تم قبروں کی تجارت کر کے | کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

مولانا حالیؒ کی حقیقت پسندی

اس سلسلہ میں مولانا حالی نے تو احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے فریضہ کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور جب وہ اپنی مسدّس میں مسلمانوں کی اس حالتِ زار کا نقشہ کھینچتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی والہانہ و قلندرانہ حق گوئی کو دیکھ کر بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر | جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر | کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں | پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبیؐ کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں | اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں | مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے | نہ ایمان بگڑے نہ اسلام جائے
نبی اور صدیق مجبور ہیں واں | مہ و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں واں
نہ پرسش ہے احبار و رہباں کی واں | خرد اور ادراک رنجور ہیں واں
مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی | نہیں اس کے آگے کسی کی بڑائی

حقیقت اصلیہ

آیئے ہم دیکھیں اور ان واہی تباہی خرافات و قیاسات اور دور از کار تاویلات سے ہٹ کر

دیکھیں. کہ آیا اللہ کا قرآن ہمیں اس بارے میں کیا رہنمائی فرماتا ہے. اور اللہ تعالٰے کی کلامِ مقدس نے ولائیت کا کیا معیار بتلایا ہے؟ اور کونسے نفوسِ قدسیہ اس منصب جلیلہ کے اہل والیق ہیں.

ارشاد باری تعالٰے ہے." الا ان اولیار اللہ لاخوف علیہم ولا ھم یحزنون ط الذین آمنوا وکانوا یتقون" خبردار. اللہ کے ولیوں کو کوئی خوف اور غم وحزن نہیں. اولیار اللہ وہ ہیں. جو ایماندار ہوں اور تقویٰ اختیار کرنے والے ہوں.

حضرت جنیدؒ کا ایمان افروز ارشاد گرامی

اس ضمن میں اگر ہم سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک ارشادِ گرامی نقل کر دیں تو خالی از فائدہ نہ ہو گا. جس کا پس منظر یہ ہے.

"ایک شخص نے آ کر حضرت کی بارگاہ میں عرض کیا کہ حضرت جی! مسلمانوں کے اندر ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو کہتا ہے." نحن وَصَلنا فلا حاجۃ لنا الی الصلوۃ والصیام". ہم پہنچے ہوئے ہیں. اَب ہمیں نماز، روزوں کی ضرورت و حاجت نہیں. حضرت جنیدؒ یہ سُن کر آپے سے باہر ہو گئے. اور چہرہ حمیت و غیرتِ دین کی وجہ سے انار کی طرح سرخ ہو گیا اور فرمایا." صدقوا فی الوصول لکن الی سقرٍ" ہاں وہ پہنچ گئے ہیں. لیکن جہنم میں پہنچ گئے ہیں. پھر جلال میں آ کر فرمایا." واللہ لو عشت الف سنۃ ما ترکتُ اورادی" خدا کی قسم. اگر اللہ تعالٰے مجھے ہزار سال کی زندگی بھی دے تو میں فرائض و واجبات کو ترک تو کجا. اپنے اختیاری اوراد و وظائف کے اندر بھی کوتاہی نہیں کروں گا. اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے. کہ حضرت جنیدؒ کے پاس ایک شخص تزکیۂ نفس کے لئے حاضر ہوئے. کچھ عرصہ رہنے کے بعد کہنے لگا. میں جاتا ہوں. حضرت نے فرمایا. کچھ عرصہ اور ٹھہریے. تاکہ مزید فائدہ ہو. جواب میں کہنے لگا کہ حضرت مجھے آپ سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں اور میں آپ کو ایک ولی کامل سمجھ کر آیا تھا. لیکن میں نے اس عرصہ میں آپ کی ایک کرامت بھی نہیں دیکھی. حضرت نے فرمایا کہ آپ یہ بتائیں کہ آپ نے اس عرصہ میں مجھے قول و فعل کے اندر سنتِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پایا. کہنے لگا. نہیں تو حضرت نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کرامت کیا ہو سکتی ہے اور فرمایا الاستقامۃ فوق الکرامۃ کہ سنت کی اتباع و اطاعت کے اندر استقامت و صلابت کرامت سے بھی بڑھ کر ہے

واقعی ع قدرے زر زرگر بداند قدرے جوہر جوہری

ولی را ولی مے شناسد

اور یہی معنیٰ ہے ولی را ولی مے شناسد کا. جو خود ولایت کے تقاضوں کو نہ سمجھتا ہو ولایت کے آداب و اقدار سے ناواقف و نابلد ہو. وہ ولایت کے منصبِ اعلےٰ پر خود فائز المرام ہونا تو کجا. ولی کی پہچان سے بھی عاجز ہے. حضرت لاہوریؒ صرف عالم باعمل اور عارفِ کامل ہی نہیں تھے. بلکہ صاحبِ کشف و کرامات بھی تھے. لیکن انہوں نے کبھی کشف و کرامات کو اپنے لئے شہرت و ناموری کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ جہاں خود قول و فعل سے سنت کی پاسداری اور علمبرداری فرمائی.

وہاں اپنے متوسلین و معتقدین کو بھی اسی راہِ حق پر گامزن کرنے کی سعی بلیغ فرماتے رہے۔

ع میری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو   کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنا بندی

ولی کامل کا قرآن سے عشق

حضرت لاہوریؒ کا قرآنِ مجید کے ساتھ عشق و جذب اور شوق و شغف بھی قابلِ رشک تھا آپ نے ساری زندگی قرآنِ مجید کی اشاعت و اذاعت اور ابلاغ و تبلیغ میں گزاری اور منصبِ انذار و تبشیر کو پوری ثقاہت و وجاہت سے نبھایا۔

خوشہ چینی

بندۂ ہیچداں جب قطب زمان، مفسر قرآن حضرت الاستاذ مولانا حسین علیؒ سے دورۂ تفسیر اور حدیث شریف کی چند کتابیں پڑھ کر رئیس المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کاشمیریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے استفادہ کی غرض سے عازم ڈابھیل تو لاہور میں حضرت لاہوریؒ کی زیارت و ملاقات کا شرف بھی نصیب ہوا۔ وہاں میں نے حضرت شیخ التفسیرؒ کے معمولات کا عجیب و غریب روح پرور منظر دیکھا۔ حضرتؒ کے ہاں دورۂ تفسیر شروع تھا۔ طلبائے کرام کا جم غفیر کی مسجد تنگ دامانی کی شکایت کر رہا تھا۔ بندہ نے بھی اس موقعہ کو غنیمت جانا اور حلقہ درس میں شریک ہو کر خوشہ چینی کی سعادت و شرف حاصل کیا۔ سورۃ لقمان کا درس سُنا تو یہ استفسار بھی کیا۔ کہ حضرت "ووصینا الانسان بوالدیہ سے ماقبل ومابعد" حضرت لقمان علیہ السلام کا بیان ہے۔ لہٰذا اس آیت کا ماقبل ومابعد سے کیا ربط ہے؟ جسکا حضرت شیخ التفسیرؒ نے بہت دلنشیں جواب دیا تھا۔

ولی کامل کا ترجمۃ القرآن الحکیم

حضرتؒ نے قرآن مجید کا جو با محاورہ سلیس ترجمہ فرمایا، یہ اپنی مثال آپ ہے۔ ترجمہ کے اندر ہی کئی اشکالات کو رفع فرما دیتے ہیں۔ یہ ان کی قرآن دانی اور قرآن فہمی کی روشن دلیل ہے۔ اور اس قابل ہے کہ سکولوں اور کالجوں کے اندر اس کو نصاب میں شامل کیا جائے۔ لیکن۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

ولی کامل کا ولی کامل سے باہم ربط و تعلق

میرے حضرت الشیخ مولانا حسین علیؒ کو حضرت لاہوریؒ سے فریفتگی و شیفتگی کی حد تک محبت تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت لاہوریؒ کے دورۂ تفسیر سے فارغ ہو کر جو طلبائے کرام حضرت الشیخؒ کی خدمت میں آتے تھے تو حضرت الشیخؒ گھنٹوں کے گھنٹے حضرت لاہوریؒ کے حالات و واقعات اور درس و تدریس کے مشاغل و معمولات کے بارے میں استفسار فرماتے رہتے تھے۔ اسی طرح ایک دن یہ تذکرہ خیر جو چھڑا۔ آدھی رات بیت گئی۔ لیکن یہ ایمان افزا تذکرہ جاری رہا۔ حضرت لاہوریؒ کو بھی حضرت الشیخؒ سے والہانہ محبت و عقیدت اور ارادت تھی۔

استفادہ

ایک موقعہ پر فرمانے لگے کہ میں دوسرے علماء کو لوگوں کے استفادہ کے لئے بلاتا ہوں. لیکن حضرت مولانا حسین علیؒ کو اپنے اور علماء کرام کے استفادہ کیلئے قدم رنجہ کی تکلیف دیتا ہوں. کیا الفتیں تھیں کیا محبتیں تھیں اور کیا بہاریں تھیں. کاش کہ ہم اصاغر بھی ان اکابر کے نقشِ پا کو اور ان کی مقدس روایات کو قائم رکھتے. اور اشداء علی الکفار رحماء بینھم کا مصداق بنتے. لیکن اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے.

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

سلف صالحین کا قول حضرت حسن بصریؒ سے

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے۔ "قال کانوا یقولون موت العالم ثلمۃ فی الاسلام لایسدھا شیء مااختلف الیل والنہار" اکابرین فرمایا کرتے تھے. کہ ایک عالم کی موت اسلام کے اندر ایک ایسی دراڑ ہے کہ جس کو زمانہ کی کوئی چیز پُر نہیں کر سکتی. جب تک لیل و نہار کا یہ سلسلہ قائم ہے. یہ خلاء پُر ہونا مشکل ہے.

ولی کامل کی حق گوئی و بے باکی

حضرت لاہوریؒ نے لاہور میں جب دین کا کام شروع کیا تو شرک و بدعت کی دیویاں تلملا اٹھیں اور آپ کے خلاف افتراء پردازی اور فتنہ پروری کا ایک طوفان کھڑا کر دیا. لیکن حضرت لاہوریؒ چٹان بن کر باطل کے خلاف برسرِپیکار رہے. یہاں تک کہ آپکی حق کی تائید و تشہیر میں دلائل و براہین سے شرک و بدعت کے اجارہ دار بوکھلا گئے اور پھر اپنی موت آپ ہی مر گئے.

آئینِ جواں مردی، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

پیکرِ اخلاص

حضرت لاہوریؒ نے اپنی تقریر و تحریر میں ہمیشہ عوام الناس کی اصلاح کو پیشِ نظر رکھا اور حتی المقدور لفاظی سے اجتناب کیا. حالانکہ آپ ایک قادر الکلام، فصیح اللسان شیریں زبان مقرر تھے اور الفاظ آپ کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوتے تھے. لیکن انہوں نے اپنی تحریر و تقریر کو ہمیشہ تکلف و تصنع کے بکھیڑوں سے پاک رکھا اور مخلوقِ خدا کی اصلاح کو اپنا مقصود فکر اور مطمعٔ نظر بنایا. اگر آپ حضرتؒ کے تقریباً ان چونتیس ۳۴ رسالوں کی تحریر کو دیکھیں گے تو جو حضرت نے عوام کی اصلاح کے لئے سپرد قلم فرماتے ہیں. میری بات کو محض خیالی و قیاسی ہونے پر گمان

نہیں کریں گے۔ بلکہ اسس کو ایک نفس الامر کا واقعہ سمجھیں گے۔ آپ نے شرک و بدعت کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا۔ دہریت و نیچریت کے دانت کھٹے کئے۔ مودودیت و شیعیت کی حتی المقدور حوصلہ شکنی کی۔ مرزائیت و قادیانیت پر ایٹم بم بن کر برسے۔ غرضیکہ جس فتنہ نے بھی سر اٹھایا حضرت لاہوریؒ مردِ مجاہد کی طرح جرأت و عزیمت کا پیکر بن کر میدان میں اتر آئے اور اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے ہر محاذ پر باطل پرستوں کو دندان شکن شکست دی۔ انہوں نے اپنے علم کے اسلحہ و بارود سے صرف باطل قوتوں کے محلات کو خاکستر کرنے کا ہی کام لیا اور اس متاع عظیم کو جلب منفعت اور دفع مضرت کا ذریعہ نہیں بنایا۔

علم را برتن زنی مارے بود
علم را بر جان زنی یارے بود

ولی کامل کا زہد و تقویٰ اور شانِ استغنا

حضرت لاہوریؒ کا زہد و تقویٰ اور استغنار مثالی تھا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے مجھے علم نہیں کہ حضرتؒ نے کبھی کسی تقریر یا خطاب کا حق الخدمت یا عوضانہ بھی لیا ہو۔ جب بھی کسی نے وقت لینے کی خواہش ظاہر کی تو جواب میں یہی فرمایا کہ اگر خدا نے چاہا تو آ جاؤں گا۔ ایک موقعہ پر لاہور کے کسی آدمی نے تقریر کا اہتمام کیا۔ حضرت کے لئے بھی کھانا تیار کروایا لیکن کھانے کے وقت حضرت تشریف نہ لائے۔ تلاش بسیار کے بعد ایک تھرڈ کلاس کے ہوٹل میں دال چپاتی کے ساتھ اپنے پیٹ کو دلاسا دے رہے تھے۔ دنیا میں علمار و فضلار کی کمی نہیں۔ مبلغین و پیشہ ور واعظین کی کمی نہیں۔ تنخواہ دار و وظیفہ خوار مدرسین و متعلمین کی کمی نہیں۔ لیکن جن بے مثال روایات و معمولات کے نقوش حضرت لاہوریؒ چھوڑ گئے ہیں۔ کیا ان کا کوئی حامل فی زماننا ایک شخص بھی مل سکتا ہے۔ دنیا کے بارے میں ہمیشہ کاملین کا یہی مشرب و مسلک رہا ہے کہ

صدا دی جب دردِ دِل پر یہ دنیا نے کہ حاضر ہوں
ندار آئی پلٹ جا تیری گنجائش نہیں دِل میں

ولی کامل کا عظیم کارنامہ

پنجاب کے شرک و بدعت کے رسیا مولویوں اور پیروں نے حق و باطل کے امتیاز کو بھی مشکل بنا دیا تھا۔ اس وقت قدرت نے حضرت لاہوریؒ سے ایسا کارنامہ سرزد کرایا کہ جو تمام اہل حق پر ایک احسانِ عظیم سے کم نہیں۔ آپ نے مادرِ علوم اسلامیہ دارالعلوم دیو بند کے اجلّہ اکابر کو بلایا۔ جن میں حضرت الشیخؒ، حضرت الاستاذ انور شاہ کاشمیریؒ اور حضرت شبیر احمد عثمانیؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ایک جلسہ منعقد ہوا۔ صدارت کاشمیریؒ کی ہو۔ خطابت عثمانیؒ کی ہو روحانیت حضرت مولانا حسین علیؒ کی ہو توکیوں نہ اللہ تعالےٰ کی رحمتوں کی بارش ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی سینکڑوں رحمتیں سمٹ کر لاہور میں آگئی ہیں۔ حضرت عثمانیؒ نے اپنی خطابت کے جوہر دکھلائے۔ فصاحت و بلاغت کی پھلجھڑیاں اڑائیں۔ حقائق و دقائق کے دریا بہائے۔ اسرار و معارف کے جام لنڈھائے اور مسلک علمائے دیو بند کو ایسی وضاحت و ثقاہت سے بیان کیا

کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ اپنے تو اپنے رہے۔ غیروں نے بھی ان کے علم کا لوہا مانا اور برملا اعتراف کیا اس جلسہ میں بریلوی مکتب فکر کے مولوی دیدار علیشاہ بھی موجود تھے۔ کسی نے حضرت عثمانیؒ کے چیلنج کو قبول کرنے کی ترغیب و تحریص دلائی تو کہنے لگے کہ چٹان کے ساتھ سر مارنا اپنے سر کا ہی نقصان کرنا ہے۔ اس جلسہ کے بعد لاہوریوں پر حقیقتیں کھلتی گئیں۔ ظلمتیں مٹتی گئیں اور حضرت شیخ التفسیرؒ "المطلق اذا یطلق ینصرف الی الفرد الکامل" کے مصداق بن گئے۔ آج بھی کوئی "حضرت لاہوریؒ" کے الفاظ زبان پر لاتا ہے تو فوراً ذہن کی رسائی حضرت مولانا احمد علیؒ تک ہوتی ہے۔ حضرت خود فرمایا کرتے تھے کہ دلجمعی اور مستقل مزاجی سے قرآنِ مجید بیان کرتے جاؤ۔ قرآن مجید کی برکت سے فتنے خود بخود دریا برد ہوتے جائیں گے۔

ولی کامل کی منکسر المزاجی

خیال تو فرمائیں کہ اہل اللہ کی زندگی کے خدّو خال اتباع شریعت میں کس طرح نمایاں ہوتے ہیں۔ آپ مفسر قرآن تھے۔ محدثِ زمان تھے۔ فقیہہ بے مثال تھے۔ تصوف و سلوک کے اندر صرف سالک ہی نہیں تھے۔ بلکہ قدوۃ السالکین تھے۔ لیکن اس کے باوجود سادگی، فروتنی و عاجزی و منکسر المزاجی اور کسر نفسی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ چوہڑکانہ میں ہبالیکہ کے مقام پر حضرت لاہوریؒ کی صدارت تھی اور میری تقریر۔ حضرتؒ نے صدارتی تقریر میں فرمایا کہ دس احمد علی ہوں تو وہ کام نہیں کر سکتے۔ جو ایک غلام اللہ خان کر رہا ہے۔ یہ محض ان کی حوصلہ افزائی، کرم گستری اور قدر شناسی کا ایک ادنیٰ سا چھینٹا تھا۔ وگرنہ من آنم کہ دانم۔ اگر مجھے ان کی خاکِ پا میں بھی جگہ مل جائے تو زہے قسمت زہے نصیب۔ اب بھی جب اُن کا یہ جملہ یاد آتا ہے تو بلا اختیار آنکھوں سے آنسو رواں دواں ہو جاتے ہیں اور دِل تڑپ کے رہ جاتا ہے۔ ؎

گریۂ بے اختیار را از من پذیر ____ نذرِ اشک بیقرار از من پذیر

حضرت نانوتویؒ کا مثالی زہد

اس شعر پر قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ایک واقعہ یاد آیا۔ تبرک کے طور پر وہ سُن لیں۔ حضرت نانوتویؒ مدرسہ میں طلبار کو سبق پڑھا رہے تھے۔ ایک صاحب ثروت شخص آیا اور آپ کو دراہم کی ایک تھیلی پیش کی کہ حضرت جی یہ مدرسہ کے لئے قبول فرمائیے۔ حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ ہمارے پاس مدرسہ کا تقریباً سالانہ خرچ موجود ہے۔ ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ آپ کسی اور مدرسہ یا رفاہی ادارے میں لگا دیں۔ جب کافی اصرار و تکرار کے بعد بھی نہ مانے تو اس شخص نے واپس جاتے ہوئے حضرت نانوتویؒ کے نعلین مبارک میں وہ دراہم بھر دیئے۔ اور چلتا بنا۔ حضرت نانوتویؒ تعلیم و تدریس میں محو و مگن تھے۔ جب فارغ ہوئے تو اٹھے اور جوتا پہننے کی کوشش کی۔ لیکن ایسا معلوم ہوا کہ کسی سنگِ گراں نے آپ کے قدموں کا راستہ روک دیا ہے۔ دیکھا تو جوتے دراہم سے بھرے پڑے ہیں۔ حضرت نانوتویؒ فرمانے لگے کہ یا اللہ! جو لوگ دنیا کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں۔ دنیا آگے ہوتی ہے اور وہ پیچھے ہوتے ہیں۔ لیکن ہم نے دنیا کو تین

طلاقیں دے دیں ہیں۔ یہ کم بخت ہمارے جوتوں میں آتی ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی بصیرت ہو تو دیکھ ان کو
یہ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اولٰئک آبائی

کافر گری کا گر اپنا کر اور انگریز کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال کر ان مردان حق آگاہ کی کردار کشی کرنا اور اپنے خبث باطنی کے چھینٹے اُڑا کر ان کی عفت مآبی کی چادر داغدار کرنا تو آسان ہے۔ لیکن کیا ہے کوئی ماں کا لال۔ جو ہمارے اکابر کے علم و عمل، زہد و تقویٰ، فقر و استغناء تعلق باللہ، اتباع سنت، جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کی مثال دکھا سکے۔

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

یا

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں

صدائے قلندرانہ

حضرت لاہوریؒ کے فقر و استغنا اور شانِ بے نیازی کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے اور پھر دل کی گہرائیوں سے سوچیے کہ ہمارے اکابر کی روایات کیا تھیں اور ہم نے کس روش اور ڈگر کو اپنایا ہے۔ ایک تقریب سے فراغت کے بعد حضرت لاہوریؒ سے ایک وزیر نے عرض کیا۔ حضرت جی میری کار حاضر ہے۔ فرمانے لگے کہ آپ کی کار میں بیٹھنے سے میرے جوتوں کی توہین ہوتی ہے۔ اللہ کیا مقام ہے! استغنا و بے باکی کا۔

نہ تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
وہ بات جو مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

اور پھر قلندر بھی وہ نہیں۔ جس کو عوام کالانعام قلندر کا خطاب دیں کہ مونچھیں داڑھی صاف نہ نماز کا اہتمام، نہ روزوں کا پاس، نہ فریضۂ حج کا فکر اور نہ ہی اتباع سنت کا ذوق۔ بلکہ قلندر بھی وہ جو علامہ اقبالؒ کا قلندر ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن!!!

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

کمترین و خاکسار کی حضرت لاہوریؒ کے ساتھ کئی باتیں اور کئی یادیں وابستہ ہیں۔ اگر ان کا بالاستیعاب اظہار کیا جائے تو پورا ایک دفتر تیار ہوتا ہے۔

نہ زِفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا ایں جا است

حضرت لاہوریؒ اور بندۂ ہیچداں

میرے شیخ کے ساتھ تعلق اور مجھ ناچیز پر حضرتؒ کی شفقت و مہربانی کا اندازہ آپ ان واقعات سے لگا سکتے ہیں کہ جب سلانوالی میں اہل بدعت کے ساتھ مناظرہ طے پایا۔ تو میرے حضرت الشیخؒ نے فرمایا کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو بھی بلایا جائے۔ چنانچہ حضرت لاہوریؒ سلانوالی تشریف لے آئے اور پھر جب خانقاہ ڈوگراں میں حضرت لاہوریؒ کو ایک جلسہ میں مدعو کیا گیا تو حضرت نے فرمایا کہ اس جلسہ میں غلام اللہ کو بھی ضرور بلایا جائے۔ چنانچہ یہ نیاز کیش بھی اس جلسہ میں شریک ہوا اور تقریر کی۔ تقریر کے بعد حضرت نے لوگوں کو بیعت کی سعادت سے نوازا۔

اب ان کی زیارتیں، ملاقاتیں، یادیں اور باتیں دل و دماغ پر تیرتی ہیں تو دل ان کی زیارت و ملاقات کے لئے بے چین ہو جاتا ہے اور دل سے یہی آواز نکلتی ہے کہ یا اللہ توفنی مسلماً والحقنی بالصلحین۔ اکابر کی مفارقت کے زخم تو مرورِ زمانہ سے کچھ محو ہوتے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں بھی اس کبرسنی میں یہ منزل قریب تر نظر آرہی ہے۔ لیکن حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت لاہوریؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی جدائی و مفارقت کے زخم تازہ تبازہ ہیں زندگی میں ان تازہ زخموں کا رفو ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

صبت علیّ مصائب لو انہا
صبت علی الایام صرن لیا لیا

لیکن موت سے کس کو مفر ہے۔ جب سید الرسل، سید البشر، سید المرسلین، خاتم النبین، حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لامحالہ اس مرحلہ سے گزرنا پڑا تو اور کون کل نفس ذائقۃ الموت کے ضابطہ سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔

ہر آنکہ زیست بنا چار بایدش نوشید
زجامِ دھر مئے کل من علیھا فان

ولی کامل کا اجمالی تعارف

یہ بات بلاشک و ارتیاب کہی جا سکتی ہے۔ کہ حضرت لاہوریؒ وقت کے ایک مفسّر، محدث فقیہ، مجاہد اور عارفِ کامل تھے۔ ان کی شخصیت پر اسلاف و اخلاف، اکابر و اصاغر سب کو ناز ہے۔ آپ توحید و سنت کے ایک پر جوش علمبردار تھے۔ شرک و بدعت کے لئے سراپا یلغار تھے۔ الحاد و زندقہ کے لئے تلوار کی تیز دھار تھے۔ اپنے اسلاف کی روایات کے حامل و امین تھے۔ اعدائے دین کے لئے تکلیف دہ کنک تھے۔ اہل اسلام کے لئے سراپا خیر و برکت تھے۔ ان کی وفات عالم اسلام کے لئے ایک عظیم حادثہ و رنجدہ سے کم نہیں۔ مجھے جب اس کربناک و المناک حادثہ کی خبر ٹیلیفون پر دی گئی تو بندہ کے لئے کچھ وقت کے لئے اوسان خطا ہو گئے۔ بہر حال بذریعہ ہوائی

جہاز پہنچ کر حضرت اقدس کے جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ جنازہ کا منظر انتہائی رقت آمیز اور عبرت انگیز تھا۔ عقیدتمندوں کا ایک سیلاب بے کراں امنڈ آیا تھا اور ہر فرد اپنی جگہ حضرت کے آخری دیدار کے لئے بے چین و مضطرب تھا۔ آخر کار اس علم وعمل کے پہاڑ کو سپرد خاک کر دیا گیا اور لاکھوں و کروڑوں عقیدتمندوں کو داغ مفارقت دیکر اور اشک بار چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالے حضرت لاہوریؒ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کو جنت الفردوس کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
گلدستۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

عذرِ محرمانہ

میں اس قابل نہیں کہ ادیبوں کے قلم کی آب و تاب سے حضرتؒ کے کارناموں اور ان کے علمی و عملی پہلوؤں پر روشنی ڈالوں کیونکہ صرف اکابر کے تذکار سے ہی میری طبیعت غیر ہو جاتی ہے۔ لیکن عزیزم مولانا صدیقی صاحب کے اصرار پر چند گلہائے عقیدت حضرت لاہوریؒ کی بارگاہ میں پیش کر دیئے ہیں۔ جو ان کی شانِ ارفع سے یقیناً فروتر ہیں۔ میں اس کوتاہی کی معذرت اس شعر سے کرنا پسند کرتا ہوں کہ

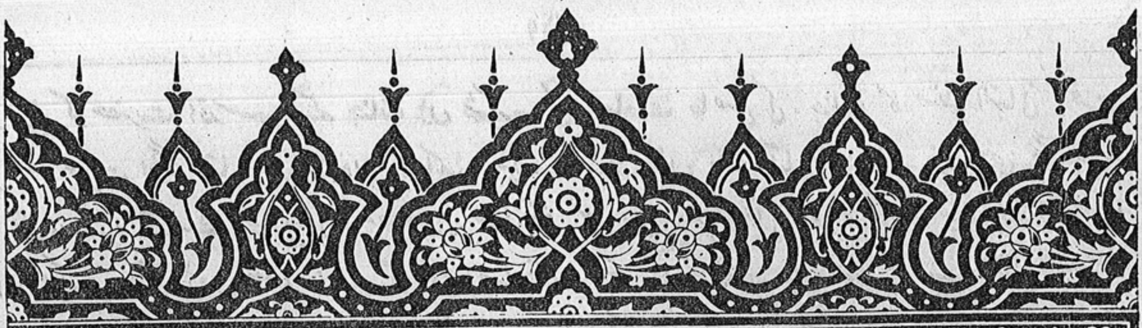
ہمی شرم دارم کہ پائے ملخ را
سوئے بارگہ سلیمان فرستم

یا آسان الفاظ میں :

میں نے اپنے آشیانہ کے لئے
جو چبھے دل میں وہ تنکے چن لئے

خدا کے لیے دو تو اچھی چیز

ایک صاحب مسجد میں آئے ان کا تہبند پھٹا ہوا تھا۔ حضرت نے خادم عبدالغنی صاحب کو پیسے دیئے کہ بازار سے ایک دھوتی لاؤ۔ وہ بازار سے بڑی اچھی قسم کی دھوتی لاتے۔ حضرت نے ان کو فرمایا کہ یہ فلاں صاحب کو دے دو اور انہی صاحب کی طرف اشارہ فرمایا۔ خادم عبدالغنی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں تو سمجھا تھا کہ اپنی ضرورت کے لیے منگوا رہے ہیں اس لیے بہت اچھی دھوتی لایا، انہیں دینی تھی تو مجھے فرمایا ہوتا تاکہ میں ذرا ہلکی قسم کی دھوتی لاتا۔ لیکن حضرت نے فرمایا کہ "اللہ کے راستے میں چیز دینی ہو تو اچھی قسم کی دینی چاہیئے" اور دھوتی ان صاحب کے سپرد کردی۔ (روایت چودھری محمد رفیع صاحب)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

يا عليم — يا خبير

سند تفسير القرآن العزيز من مدرسة قاسم العلوم المتعلقة بجمعية خدام الدين

الحمد لله الّذی خلق الانسانَ وعلّمه البيانَ ❊ ثمّ جعله خليفة فی الارض ❊ حاكمًا على الطول والعرض ❊
والّذی وضع الميزان وانزل الفرقان ❊ ليحيٰی من حَیَّ عن بيّنة ❊ ويهلك من هلك عن بيّنة ❊
وليُفرِّق بين اولياء الرّحمة واولياء الخذلان ❊ الّذين عدلوا عن سنّة الله وتنكّبوا عن الفرض ❊
والصّلٰوة والسّلام علٰی خير خلقهٖ وخِيَرَة خليقته ❊ عبده ورسوله الهادی لطريقته ❊
نبیّ الانبياء وخطيبهم وخاتَمهم وعاقِبهم وحاشرهم ❊ اٰلّذی بيده لواءُ الحمد ومقامُه المحمود
كان اَوّلَ النبيّين وبُعث فی اٰخرهم ❊ متمّمًا لمكارم الاخلاق ومحاسن الافعالِ ❊ ومختتِمًا
لمظاهر الجمال والكمال ❊ وعلٰی اٰلهٖ واصحابهٖ كلّما ذكره الذاكرون صلٰوةً دائمةً الی اليوم الموعود ❊
امّا بعد فانّ من اٰيات الله البيّنات فی بسيط الارض كتابه المنير ❊ ووحيه البشير النّذير ❊ و
هو قراٰنه المجيد ❊ وفرقانه الحميد ❊ الّذی لا تنقضي عجائبه ❊ ولا تنفد رغائبه ❊ الا وهو واسطة بينه
وبين مخلوقه ❊ ورابطة الٰی حضرته وحظيرة قدسه ❊ وهو انفاسه الرّحمانية من غيبه واُنسه ❊ و
كان خيرَ النّاس بنصّ خيرِ النّاس من علّمه وتعلّمه وخدمه ❊ وكان من منن الله ان وفق اخانا
فی دين الله المولوی لاخذ ترجمته وتفسيره ❊ فی
جمعيّة خدّام الدّين التی نشأت فی بلدة لاهور لخدمته ❊ وظهرت بركاته ❊ وبهرت ثمراته ❊
ووقع العزم الآن علٰی اعطاء السند والاسناد لمن وفق لتحصيل تفسير القراٰن من خيار العباد ❊
ووجدناه اهلًا لذٰلك وخليقًا له ❊ نشرًا للمعارف وبسطًا للعوارف ❊ ونوصيه بتقوی الله فی
السّر والعلانيه ❊ وان ينصح له وللدّين ولعامّة المسلمين وللامّة والملّة السّنيّة ❊ وان
يدعولنا فی اوقاته الصّالحة ❊ والله الموفق وبهٖ نستعين ❊

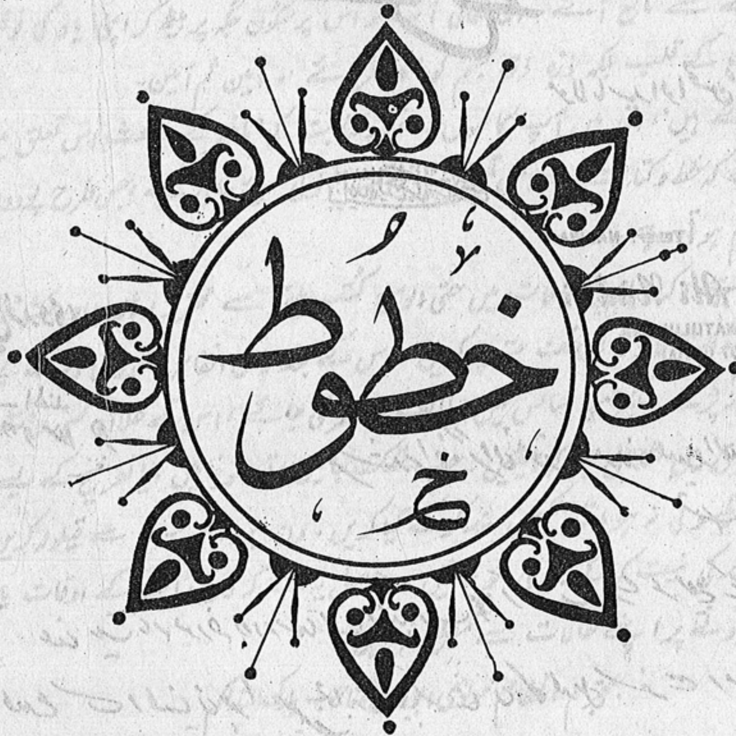
مؤرخه سنة ۱۳ھ

امضاءات العلماء
محمد انور شاہ عفا اللہ عنہ
شبیر احمد عثمانی دیوبندی عفا اللہ عنہ

امضاءات العلماء
ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
احقر الانام احمد علی عفی عنہ

عبید اللہ سندھی عفی عنہ
محمد... دار العلوم دیوبند
عبید اللہ الانور

(مطبوعہ ... لاہور)


خطوط

شیخ طریقت حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے خطوط

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

PHONE { 22948 29174

TELE. : NADWA

Abul Hasan Ali Nadwi

DARULULOOM NADWATULULAMA
LUCKNOW—226007 (INDIA)

ابو الحسن علي الحسني الندوي

ندوة العلماء - لكهنؤ — الهند

۱۵ شوال المکرم ۱۳۹۳ھ

برادرزادۂ گرامی قدر مولانا عبید اللہ انور صاحب زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۵ رمضان المبارک ۹۳ھ ۲ اگست میرے عریضے کے جواب میں ملا، اپنے بخیریت
پہنچنے کی اطلاع سے اطمینان ہوا۔ میں حجاز و پاکستان کے طویل سفر سے رمضان المبارک کی آمد سے اتنا
تھا جمع ہو گیا تھا الحمد للہ اس کو مکمل کر کے ادھر دار العلوم ندوۃ العلماء کا تعلیمی سال شروع ہو گیا، امراض
بڑی گرانباری ہے، لکھے ہوئے مسودے پر دوبارہ نظر ڈالنے کے لئے مشکل ہوتا ہے، اس کی نظر ثانی کر کے درخواست کہ
خطوط کی نقل اسی طرح بھیجئے، جو بھیجے ہوئے ہیں وہ بھی ان کی رسالے میں اشاعت و شاید مکمل ہو گی
آپ کے مطالعہ کے لئے بھیج رہا ہوں امید ہے کہ محظوظ و مستفید ہوں گے، البتہ جب پرانے چراغ کا
دوبارہ طبع و اشاعت کی نوبت آئے گی تو اس مضمون میں اضافہ کی کوشش کروں گا۔ گرامی قدر
الحاج ... اور اکمل میاں کی خدمت میں سلام، ایک دوست عازم پاکستان ہیں، ان کے ہاتھ یہ چیزیں
بھیج رہا ہوں وہ بھی آپ کی زیارت کر سکیں گے

والسلام

دعاگو ابوالحسن علی ندوی

حضرت مولانا عبد الہادی صاحب دینپوری کی وفات پر دلی تعزیت قبول فرمائیے ہم سب کو تعزیت کا مستحق سمجھیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعزیز القدر محترم المقام مولوی ابوالحسن صاحب بارک اللہ لکم

(از احقر الانام احمد علی عفی عنہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، آج ۴ رجون ۱۹۴۲ء کے دن آپ کا مراسلہ وصول پایا۔ حالات مندرجہ سے اطلاع پاکر قلب میں اطمینان اور طبیعت میں سرور حاصل ہوا۔ آپ کا فقرہ "ندی کے کنارہ ایک بستی جو شہر سے دور اور نہایت پرسکون جگہ ہے" پڑھ کر میرے دل میں فوراً خیال آیا، کہ میں بھی ایسی جگہ جاکر رہوں، جہاں اطمینان سے خداتعالی کی یاد ہوسکے۔ مگر جب ڈائری میں دیکھا تو تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد کئی جلسوں کی شرکت کے وعدے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے سے مانع آتے۔ اللہ تعالی آپ کو اس پرسکون جگہ پر بیٹھ کر اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائے، اور ذکرالٰہی کے انوار سے آپ کے قلب بلکہ ذرہ ذرہ جسم کو منور فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

آپ میرے ہیں، اور میں آپ کا ہوں۔ خط وکتابت کی تاخیر کے باعث اس تعلق میں کوئی فتور نہیں آسکتا۔ البتہ یہ ضروری چیز ہے کہ خط وکتابت سے اس تعلق میں ایک تازگی سی آجاتی ہے، جس طرح پودوں پر بارش ہونے کے باعث ایک تازگی معلوم ہوتی ہے۔

میرا خیال ہے، کہ ایامِ تعطیلات میں حتی الوسع کتب بینی سے محترز رہیں، اور اکثر اوقات میں تخلیہ میں بیٹھ کر زبان بند کرکے اسم ذات کا ذکر لطائف ستہ پر کریں۔ اس کے بعد پاس انفاس تھوڑی دیر کے لیے کریں۔ اس میں یہ خیال رہے کہ دماغ پر دباؤ نہ پڑے، بلکہ طبعی سانس میں لطائف پر نظر کی جائے، اس کے علاوہ کسی وقت اِرّہ، اور کسی وقت سبعہ صفات میں استغراق میں شاغل ہوکر بیٹھیں۔ جب تھک جائیں، تو سوجائیں، یا تفریح کے لیے چلے جائیں۔ اگر آنکھیں کھول کر ذکر کرنے سے یکسوئی نہ ہو، تو آنکھیں بند کرکے کیا کریں۔ دن میں اس نیت سے قیلولہ کریں کہ رات کو تہجد کی توفیق ہو۔ عشا کے بعد تہجد کی نیت کرکے جلدی سو جائیں۔ حاصل یہ ہے کہ دن رات کے اوقات یادِ الٰہی میں صرف ہوں، کم ازکم تعطیلات ختم ہونے پر اپنے حالات سے مطلع فرمائیں۔

بمحترم المقام مولوی ابوالحسن صاحب بارک اللہ لکم

(از احقر الانام احمد علی عفی عنہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، بندہ چند روز سے ایبٹ آباد ضلع ہزارہ میں تبدیلیٔ آب وہوا کے لیے آیا ہوا ہے۔ آپ کا مرسلہ کارڈ لاہور سے ہوکر ایبٹ آباد ملا۔ حالات خیریت آیات سے اطلاع پاکر سرور حاصل ہوا۔ بارگاہِ الٰہی میں ملتجی ہوں کہ جس طرح اس نے علمِ ظاہر سے آپ کو کامل کرکے دوسروں کے مکمل کرنے کا شرف عطا فرمایا ہے، اسی طرح تزکیہ نفس کرکے آپ کے باطن کو اس قدر منور فرمائے، کہ اس جسدِ عنصری کے اندر کی شعاعیں دوسروں کے قلوب پر پڑتی نظر آئیں اور آپ خیار عباد اللہ اذا رأوا ذکر اللہ کی فہرست میں شامل ہوجائیں۔ آمین یا الٰہ العالمین آپ کا اس درجہ پر پہونچنا میری عین سعادت ہے۔ اللہ تعالی اس درجہ پر پہنچنے کے وسائل کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین

چند روز لاہور سے باہر جو تفریح کے لیے نکال سکتا تھا، وہ ایبٹ آباد میں گذار رہا ہوں۔ اسی لیے بالفعل آپ کے ہاں حاضر ہونے سے معذور ہوں۔ والسلام ۲۹ رجون ۱۹۴۲ء

بمحترم المقام مولوی ابوالحسن صاحب بارک اللہ فی اخلاصکم واعمالکم

(از احقر الانام احمد علی عفی عنہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا ملفوف وصول پایا۔ حالات سے اطلاع پاکر سرور حاصل ہوا۔ آپ کا خط پڑھ کر ایک حدیث شریف یاد آئی۔ اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیراً۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ

آپ کی تحریر سے اس حدیث شریف پر عمل کی توفیق کی خوشبو آ رہی تھی - چونکہ میں آپ کو اپنا سمجھتا ہوں، اس لیے مجھے اس خوشبو سے بے حد سرور حاصل ہو رہا تھا - میرے دل میں جو آپ کی عزت ہے، اسے ضبطِ تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں سمجھتا - اسی محبّت اور عزّت کا یہ نتیجہ ہے کہ میں نے حج کی رات مسجد خیف میں آپ کے درجات کی ترقی کے لیے بارگاہِ الٰہی سے استدعا کی اور الحمدللہ اس نے بارگاہِ الٰہی میں قبولیت پالی - میں آپ کی اور زیادہ خدمت کرنی چاہتا ہوں - خدا کرے کہ میری یہ آرزو پوری ہو جائے - اپنے حالات سے وقتاً فوقتاً مطلع فرماتے رہیں - فقط

محترم المقام مولانا سید ابوالحسن علی صاحب زید شرفکم وعزکم (۲۴ر فروری ۱۹۴۷ء)

(از احقر الانام احمد علی عفی عنہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ - آپ کا ۱۲ر مئی کا مکتوب کل ۲۰ر مئی ۱۹۴۷ء کے دن وصول پایا - کیونکہ لاہور میں فرقہ وارانہ فسادات کے باعث ڈاک کی تقسیم کا کوئی انتظام نہیں ہے، یہ خط بھی بڑے ڈاکخانہ سے کسی دوست نے اٹھا کر لا دیا ہے ورنہ ڈاک وہیں پڑی رہتی ہے - ملفوف کے پڑھنے سے مجھے اس لیے بڑی تکلیف ہوئی کہ آپ کو مع چند احباب کرام کے اسٹیشن پر تشریف لانے کی بلا وجہ تکلیف ہوئی - میں نے آپ کی اسی تکلیف کا سدّباب کرنے کے خیال سے سوموار کے دن خاص طور پر اسٹیشن لاہور کے ڈاک خانہ میں عریضہ ڈلوایا، تاکہ وہاں سے یقیناً روانہ ہو جائے گا اور آپ کو منگل کے دن پہنچ جاتے گا - اگر منگل نہیں، تو بدھ کے دن یقیناً وصول ہو جائے گا - اور اگر بدھ کو بھی نہ پہنچا، تو جمعرات کی صبح کو تو ضرور ہی پہنچ جائے گا - لیکن گورنمنٹ کی ڈاک کی بے انتظامی کہ بجائے منگل کے وہ ہفتہ کے دن وصول ہوا - اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے احباب کرام کو اس تکلیف کا اجر عطا فرمائے - آمین یا الٰہ العالمین - سفر مبارک حج کی توفیق مبارک ہو - اللہ تعالیٰ حج مبرور کی توفیق عطا فرمائے - آمین ثم آمین - اپنی تشریف آوری سے چند روز پہلے مطلع فرمائیں - ایسا نہ ہو کہ ان دنوں کہیں سفر پر جاؤں -

عزیز القدر حافظ مولوی حبیب اللہ سلمہ سے سلام مسنون معروض ہو - (۳۰ر جمادی الثانی ۱۳۶۶ھ یوم الاحد)

مشاغلِ ذکر الٰہی کا اہتمام فرمائیں - تاکید شدید ہے اور بندہ بھی آپ کے حق میں دعاگو رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا مخلص اور مقبول بندہ بنائے اور زیادہ سے زیادہ پیغام حق پہنچانے کی اپنی مرضی کے مطابق توفیق عطا فرمائے - آمین یا الٰہ العالمین -

لاہور میں فرقہ وارانہ فسادات دراصل ۴ر مارچ ۱۹۴۷ء سے شروع ہیں - درمیان میں تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لیے مدھم ہوتے رہے ہیں - مگر اب ۱۴ر مئی سے جو فسادات شروع ہوئے ہیں آج ۲۱ر مئی ۱۹۴۷ء تک مسلسل کشت وخون کا بازار گرم ہے - علاوہ کشت وخون کے مسلمانوں نے ہندوؤں کے محلوں کے محلے نذرِ آتش کر دیے ہیں - مسلمانوں کا غالباً ایک مکان بھی نہیں جلا، اور ہندوؤں کے سینکڑوں جل چکے ہیں - اور دن رات آگ کے شعلے بھڑکتے رہتے ہیں -

محترم المقام مولوی ابوالحسن علی صاحب زیدت معالیکم

(از احقر الانام احمد علی عفی عنہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ - ملفوف وصول ہوا - اس مبارک سفر میں قیام حرمین شریفین میں جو رحمتیں آپ پر نازل ہوئی ہیں، ان کا بارگاہِ الٰہی میں شکر ادا کیا گیا - الحمدللہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ - چونکہ آپ میرے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا جو فضل بھی آپ پر ہو، وہ میرے لیے صد فخر ہے - مجھے جس طرح مولوی حبیب اللہ سلمہ کی ترقی سے فرحت ہو سکتی ہے - اسی طرح بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر اس سے زیادہ خوشی اور سرور آپ کے درجات کی ترقی سے ہوتا ہے - اب یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت عطا فرمائے اور موجودہ دور فتن میں تمام مصائب و آلام سے مامون رکھے - آمین یا الٰہ العالمین - اوراد و اشتغال طریقہ کو بالالتزام تادم زیست نباہیں تاکید ہے - مولوی حبیب اللہ سلمہ اور مولوی محمد انور سلمہ دونوں کراچی رہتے ہیں - مولوی حبیب اللہ سلمہ وہاں عربی مدرسہ

میں مدرس ہے اور مولوی محمد انور شیخ خلیل صاحب عرب سے پڑھتا ہے اور حافظ حمید اللہ علیل ہے۔ اس لیے اسے کراچی ابھی تک نہیں بھیجا گیا۔ دیوبند تو جا ہی نہیں سکتا، کیونکہ راستہ پرخطر ہے۔ والسلام۔

حافظ حمید اللہ سلمہٗ سے سلام مسنون۔

۲۷ر فروری ۱۹۴۸ء

پاکستانی کارڈ ارسال کیا جاتا ہے، تاکہ میرے اس خط کی رسید واپس آ جائے۔

انجمن خدام الدین، شیرانوالہ دروازہ۔ لاہور

۲۹ر اگست۔ ۱۹۵۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام، فضیلت مآب، صلاحیت شعار مولوی ابوالحسن علی صاحب اعلی اللہ درجاتکم

(از احقر الانام احمد علی عفی عنہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کے ایک دوست کی وساطت سے دستی والا نامہ وصول پایا، کھولا، تو اس کے پھٹے ہوئے کئی ٹکڑے تھے۔ جب تک اسے بڑی محنت سے جوڑا نہ جائے، پڑھنے کے قابل نہ تھا۔

کچھ تساہل اور کثرتِ مشاغل کے باعث کئی دنوں کے بعد میں نے منشی سلطان احمد صاحب کو دیا کہ اسے جوڑیں جوڑنے کے بعد پڑھا تو اس میں آپ نے اپنی شرافت خداداد اور سعادت ازلی کے وہ موتی الفاظ کی لڑیوں میں پروئے ہوئے تھے، جنہیں پڑھ کر بے ساختہ آپ کی صلاحیت، شرافت اور سعادت کی دل نے داد دی اور دل سے دعا نکلی کہ اے اللہ! مولوی ابوالحسن صاحب کو اور زیادہ ادراک صحیح، اور فہم سلیم عطا فرما اور ان کی ہستی کو اپنی رضا میں فنا کرکے دین کی خدمت کا بہت بڑا کام لے اور انہیں تا دیر سلامت رکھ کر دین کی تبلیغ اور خلق اللہ کی باطن کی تربیت کی توفیق عطا فرما اور انہیں اخلاص اور استقامت کے عطیات سے سرفراز فرما۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ آپ مطمئن رہیں، مجھے آپ کے متعلق محمودہ معاملہ میں کوئی غلط فہمی نہیں رہی۔ مولوی محمد انور سلمہٗ، مولوی حمید اللہ سلمہٗ سے تسلیماتِ مسنونہ معروض ہوں۔

انجمن خدام الدین، شیرانوالہ دروازہ، لاہور۔

محترم المقام فضیلت مآب، صلاحیت شعار، ناشر حق، ماحی باطل، عزیز القدر مولوی ابوالحسن علی صاحب زیدت معالیکم

(از احقر الانام احمد علی عفی عنہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا مرسلہ ہدیہ "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" وصول ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور آئندہ بھی مسلمانوں کی صحیح راہ نمائی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کتاب و سنت کی تحقیق میں حضرات دیوبند کے مسلک سے ہرگز نہ ہٹنے پائیں اور مسلک تصوف میں اپنے خاندانِ قادریہ کے طریقہ کے پابند رہیں۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بیش از بیش اخلاص عطا فرمائے۔ آمین

اپنی تمام خدمات دینیہ کو فضلِ الٰہی خیال فرمائیں اور اپنے آپ کو کالمیت فی ید الغسال تصور کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

۲ر مارچ ۱۹۵۵ء

عزیز القدر، محترم المقام، سعادت شعار، صلاحیت مآب مولوی ابوالحسن علی صاحب زیدت معالیکم

(از احقر الانام احمد علی عفی عنہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا ۲۷ر رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ کا مرسلہ ملفوف مجھے ۴ر شوال مطابق ۱۵ر مئی ۱۹۵۶ء وصول ہوا، جس کے پڑھنے سے آنکھوں میں ٹھنڈک اور دل کو سرور حاصل ہوا۔ آپ کو من جانب اللہ اس توفیق کے حاصل ہونے کی مبارک باد دیتا ہوں۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ اور آپ کے لیے تہ دل سے اخلاص اور استقلال مزید کی دعا کرتا ہوں۔ اذکارِ الٰہیہ جو خاندان کے ہیں، ان پر التزام سے

مداومت رہے۔ جو خوش کن تفصیلی حالات آپ نے بیان فرمائے ہیں، ان میں زیادہ تر اسم ذات کی مزاولت[1] کا بہت بڑا اثر ہے۔ مثلاً اللہ کے مبارک اسم میں انقطاع عن الخلق اور احتیاج الی اللہ کا زبردست اثر ہے، ورنہ آپ جانتے ہیں کہ بارہ تیرہ سو روپیہ کی ماہوار رقم کا حسبتہً للہ چھوڑ دینا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ اس پاک نام کی ہزاروں برکتوں میں سے ایک برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مبارک نام کی اور برکتوں سے بھی آپ کو مالا مال فرمائے۔ آپ کی ہر کامیابی میں جتنا میرے دل میں سرور اور فرحت حاصل ہوتی ہے۔ غالباً دنیا میں اور کوئی نہیں، جسے اس درجہ کی راحت حاصل ہو۔ میرا دل آپ کی ترقی دارین کے لیے بارگاہِ الٰہی میں ملتجی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عمر دراز عطا فرمائے اور اپنی مرضی کے مطابق عمر بھر اشاعت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ عزیز القدر مولوی محمد انور سلمہٗ، مولوی حمید اللہ سلمہٗ اور چوہدری عبدالرحمٰن خاں صاحب سے سلام مسنون معروض ہے۔ ۸ رشوال ۱۳۷۵ھ۔ ۱۹ رمئی ۱۹۵۶ء

عزیز القدر، سعادت شعار، شرافت مآب، ناشر دین اللہ تعالیٰ لحصولِ رضاء اللہ تعالیٰ مولوی ابوالحسن علی صاحب زیدت معالیکم

(از احقر الانام احمد علی عفی عنہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا بغداد سے ۲۴ر ذلقعدہ ۱۳۷۵ھ کا تحریر شدہ مکتوب مجھے ۲۹ر ذلقعدہ کی ڈاک میں پہنچ گیا ہے۔ آپ کے حالات خیریت آیات معلوم ہونے سے دل کو سرور حاصل ہوا۔ والحمد للہ علی ذلک

آپ کے وہاں کے حالات کے متعلق مجھے اس وقت تک کوئی اطلاع نہیں ہے۔ اگر کوئی چیز معلوم ہوئی تو انشاءاللہ تعالیٰ آپ کے مشورہ ہی پر عمل کیا جائے گا، مطمئن رہیں۔

آپ کی دینی خدمات سے جتنا مجھے سرور حاصل ہوتا ہے غالباً اتنا دنیا میں کسی اور کو نہیں ہوتا ہوگا۔

بارگاہِ الٰہی میں مستدعی ہوں کہ آپ کو اپنے قرب کے اعلیٰ مقام پر پہنچائے اور دینِ الٰہی کی خدمت میں اخلاص اور استقامت عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین

مولوی محمد انور سلمہٗ، مولوی حمید اللہ سلمہٗ اور چودھری عبدالرحمٰن خاں صاحب سے تسلیمات مسنونہ معروض ہوں۔

(۱۱ر جولائی ۱۹۵۶ء)

۱۲

لاہور

۲۷۔ جنوری ۱۹۶۲ء

۷۸۶

بعزیز القدر مولوی ابوالحسن علی سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، آپ کا مرسلہ دستی خط ملا۔ خیریت معلوم ہوئی۔ مجھے بیماری اور کمزوری کے باعث اکثر باتیں یاد نہیں رہتیں۔ آپ کے خطوط آتے ہوں گے، جو اس وقت مجھے یاد نہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو دین کی خدمت خلوص اور للہیت کے ساتھ کرنے کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے آمین۔

(احمد علی بقلم خود)

شیخ التفسیر کے ایک مکتوب کا عکسِ جمیل

الرحمٰن الرحیم۔

میری سعادت مآب۔ شرافت پناہ۔ صلاحیت شعار بیٹی اکبر جان دامت صلاحیتک

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بیٹی کل ۹ر جولائی ۱۹۵۸ء کے دن صبح

کو خواجہ نذیر احمد صاحب نے مجھے تمہارا خط دیا۔ بیٹی میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کرتا

ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میری بیٹی کو اس درجۂ صلاحیت پر پہنچایا ہے جسے دیکھ کر مجھے

بے حد سرور حاصل ہوتا ہے۔ بیٹی تمہارے حق میں دل سے دعا کرتا ہوں۔ کہ تمہاری یہ روحانی

حالت قائم رہے۔ بلکہ اس میں اور زیادہ ترقی ہوتی جائے۔ تمہارا خاتمہ ایمان کامل

پر ہو۔ اور قبر بہشت کا باغ بن جائے۔ اور تمہیں قیامت کے دن جنت کا ٹکٹ مل جائے

آمین یا الٰہ العالمین۔ بیٹی بی بی صاحبہ اور خواجہ صاحب سے سلام مسنون عرض کر دیں۔

عزیزہ شگفتہ سلمہا سے بھی سلام مسنون کہہ دیں

بیٹی اب کریمہ جس طرح چاہو۔ کھلی پڑھتی رہو۔ جب تک کہ مقدار معینہ ختم ہو

محمودہ بیگم سلمہا ملے۔ تو اسے بھی سلام مسنون کہہ دیں ۱۰ ربیع الاول ۱۹۵۸ء

شیخ التفسیر کا عکس تحریر

بعزیز القدر سعادت اثر عبدالحمید سلمہ اللہ

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آنعزیز کا کارڈ ملا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عالم باعمل

بنائے۔ آمین۔ بیٹا تکلیفیں اٹھا کر ہی انسان کمال حاصل کرتا ہے۔ مجھے بھی ماں باپ نے بچپن ہی میں

سندھ بھیج دیا تھا۔ سالہا سال تک ماں باپ اور بھائی بہنوں کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کا نتیجہ

دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ کا فضل کتنا اور احسان ہے۔ تم تو ابھی عید الضحیٰ کے بعد گھر سے گئے ہو۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ

شعبان میں آجاؤ گے۔ تمہیں تو باقاعدہ خرچ گھر سے ملتا ہے۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔

فقر و فاقہ ہی میں زندگی بسر ہوتی تھی۔ مجھے تو ایک پائی بھی روزانہ خرچ کے لئے نہیں ملتی تھی۔ تمہیں

تو چار پیسے روز ملتے ہیں۔ مجھے تو طالب علمی میں دو وقت دال بھی میسر نہیں تھی۔ تم تو روزانہ

گوشت کھاتے ہو۔ بیٹے خدا تعالیٰ کا شکر کرو۔ اور محنت کر کے پڑھو۔ کامیاب ہو جاؤ گے۔ زندگی

سنور جائیگی۔ دیندار ہو جاؤ گے۔ دین کی سمجھ ہوگی۔ دنیا میں عزت سے رہو گے۔ آخرت میں دوزخ

سے بچ جاؤ گے۔ دیکھو مولوی حبیب اللہ سلمہ اب عالم ہے۔ لیکن یہ کمال گھر میں بیٹھ کر حاصل نہیں ہوا کرتے۔

سال دیوبند میں رہے - تم بھی کوئی تکلیف آئے - تو گھبرایا نہ کرو - بہادر کبھی نہیں گھبراتے ہیں - بزدل

گھبرا جاتے ہیں - بہادر کامیاب ہوتے - بزدل ناکام رہ جاتے ہیں - لہذا اگر کوئی تکلیف ہو - تو حضرت

مولانا ظہور الحق صاحب دام مجدہم کے مشورے سے کسی طبیب سے علاج کراؤ - جو خرچ ہو گا اس سے مجھے اطلاع دو

وہ انشاء اللہ تعالیٰ الگ بھیج دونگا - بھائی محمد اسحاق سلمہ کو علاج کی تجویز کرانے کیلئے ساتھ لے جانا -

تمہاری والدہ اور حمید اللہ اور رقیہ بی بی اور دوسرے سب عزیز واقارب خیریت سے ہیں - سب سلام مسنون -

بخدمت حضرت ناظم صاحب دام مجدہم و حضرت مولانا ظہور الحق صاحب دام مجدہم بہدیہ سلام مسنونہ معروض باد -

بعزیز القدر محمد اسحاق سلمہ

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ - السلام علیکم ورحمۃ اللہ - الحمد للہ کہ آنعزیز بخیریت مع سامان

کے پہنچ گئے - عزیز القدر عبید اللہ سلمہ کی دلجوئی کا خیال رکھیں - سیر کیلئے بھی ضرور جایا کرو - ہو سکے

تو ورزش بھی ضرور کیا کرو - تاکید ہے - تاکہ صحت بحال رہے - جسکی صحت ٹھیک نہ ہو - وہ علمی کمالات بھی

حاصل نہیں کر سکتا - اس لئے تینوں بھائی - (محمد اسحاق - عبید الرزاق - عبید اللہ) سیر کیلئے نماز عصر

بعد ضرور جایا کرو - عزیز القدر عبید الرزاق سلمہ اور حمید اللہ کیلئے ہدیہ سلام مسنون -

ماشاء اللہ حمید اللہ سلمہ روزانہ امیر پہلوان کے اکھاڑے میں جاتا ہے - اسکی صحت بڑی اچھی ہے -

شیخ التفسیرؒ کے دو مزید خطوط کا عکس

پہلا خط ان کی ایک روحانی بیٹی کے نام اور دوسرا بورسٹل جیل کے ماسٹر کے نام ہے

بری سعادتمند شرافت پناہ تعالیٰ محبتہ اللہ بیٹی اکبر جان سلمہا اللہ تعالیٰ

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ - السلام علیکم ورحمۃ اللہ - بیٹی میرے حقیقی بھائی

مولوی محمد علی صاحب کی تعزیت کا خط تمہاری طرف سے وصول ہوا

اسکے بعد مولوی محمد انور سلمہ کے ہاں لڑکا پیدا ہونے پر مبارک باد کا تار پہنچا - بیٹی

اللہ تعالیٰ تمہیں اس ہمدردی کی جزائے خیر عطا فرمائے - بیٹی الحمد للہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے کا

جو تعلق اس عاجز سے ہے - وہ للّٰہی محبت تمہارے اندر درجہ جنون تک پہنچی

ہوئی ہے۔ انشاءاللہ تعالٰی بیٹی تمہاری یہی محبت تمہاری بارگاہِ الٰہی میں نجات کا

ذریعہ بن جائیگی۔ اللہ تعالٰی سے دعا کر رہا ہوں۔ کہ تمہیں یادِ الٰہی کرنے اور ارکان

اسلام کی پابندی کی توفیق کے بعد اس محبت کو قائم رکھے۔ اور نظرِ بد سے

بچائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ الحمدللہ۔ یہاں ہر طرح سے خیریت ہے آج خواجہ

صاحب درس پر تشریف لائے تھے۔ انہوں نے بتلا دیا۔ کہ ابھی صبح عزیزہ حسینہ بی بی

اور بلقیس سلمہا سرگودہا روانہ ہوگئی ہیں۔ کل نمازِ جمعہ کے بعد مجھ سے رخصت

ہوگئی تھیں۔ عزیزہ حسینہ بی بی کے بچے سب خیریت سے تھے۔ حسینہ کی نانی صاحبہ

بھی کل جمعہ پر آئی تھیں، وہ بھی خیریت سے تھیں خواجہ محمد لطیف صاحب سے سلام مسنون عرض

کردیں۔ انیس، رجبیں، مریم بی بی، عائشہ بی بی کے لئے ہدیہ دعوات و افیہ متحد اور

بی بی صاحبہ سے ملاقات ہو۔ تو انہیں بھی سلام مسنون عرض کردیں۔

۱۲ ارمضان المبارک ۷۶ھ ۱۳ اپریل ۱۹۵۷ء

مولوی محمد انور سلمہ۔ مولوی محمد عبیداللہ سلمہ۔ طاہرہ بی بی۔ زکیہ بی بی سے سلام مسنون

محترم المقام حافظ محمد امین صاحب

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

انشاءاللہ تعالٰی کل صبح ۱۷ ستمبر ۱۹۵۹ء کو صبح ۸ بجے

ڈسٹرکٹ جیل کی ڈیوڑھی پر پہنچ جاؤنگا

۱۶-۹-۵۹

انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے ہاں فقط ایک گھنٹہ زیادہ سے زیادہ ٹھیر سکونگا۔ چاء وغیرہ کا کوئی انتظام نہ کریں۔ فقط احباب سے کچھ تعالیم عرض کر کے واپس آجاؤنگا۔ فقط

شیخ کا خط
مرید کے نام

[illegible]

برخوردار نور حسین مولانا صاحب

السلام

[illegible]



۲ صفر ۱۳۷۴ھ

مخدومی و مخدوم العلماء والفضلاء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب۔ دامت برکاتکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ الحاد اور زندقہ کا طوفان پاکستان میں بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے۔ اس کا سد باب فقط مضبوط اور علماء کرام کی متحدہ جمعیۃ علماء اسلام ہی سے ہو سکتا ہے۔

اور حکومت بھی ایسی ہی جمعیۃ علماء اسلام کو قابل اعتبار سمجھیگی۔ اور عام مسلمانوں میں بھی یہی جمعیۃ مقبول ہوسکتی ہے۔ اسلئے مجھے آپ کی معاملہ فہمی اور اخلاق حمیدہ سے امید واثق ہے۔ کہ ہمارے پنجاب کے وفد کو جو حضرت مولانا خیر محمد صاحب اور حضرت مفتی مولانا محمود صاحب پر مشتمل ہے۔ کامیاب و سرفراز فرماکر واپس فرمائینگے۔

فقط

نمبر ۔۔۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدومی و مکرمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ دستور ساز اسمبلی کا اجلاس کراچی میں ۱۰ مارچ سے شروع ہو کر ۲۸ دن تک جاری رہیگا۔ آپ صدر دستور ساز اسمبلی کراچی کے نام ذیل کا تار ارسال فرمائیں

لیکن ۸ مارچ سے ۱۲ مارچ تک بھیجوادیں۔

مضمون تار

"حکومت پاکستان کا مذہب اسلام اور قانون قرآن ہو"

Islam should be the state religion.
The Holy Quran the law in Pakistan.

نوٹ: تاروں کی نقول بھیجدیں

احقر الانام محمد ابراہیم

صدر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

مولانا عبید اللہ سندھی کے مکتوب کا عکس

عزیز محترم

آج ایک نوجوان ڈاکٹر صاحب ملنے کو آئے تھے۔ وہ اپنی تکلیف بتلانے کیلئے آپ سے استفادہ چاہتا ہے۔ اسکے حال پر توجہ کریں۔

تمہاری بیماری عرصہ دراز کی ہے۔ اگر طبیعت صبر کرسکتی ہے۔ تو اسے مکفر سیئات و ذریعہ ترقی درجات سمجھیں۔ اور اگر طبیعت عاجز آگئی ہے تو کوئی امر مقرب الی اللہ بطور نذر اپنے اوپر لازم کرلیں۔ جیسے یعقوب علیہ السلام نے لحم ابل ترک کیا تھا۔ وہ غذا انہیں مرغوب تھی اسکو وہ فقراء کو کھلاتے اور خود نہ کھاتے تھے۔ اسی طرح اپنی مناسب حال کوئی نذر مقرر کرلیں تو اللہ کے فضل سے امید ہے۔ کہ مرض دور ہوجائیگا۔

اللہ رب العزۃ تمہیں اپنی کتاب کے پڑھانے پر فہم وسیع عطا فرمائے اور استقامت بخشے

واللہ ولی التوفیق

عبید اللہ

۱۰ رکنومبر ۱۹۴۲
دین پور

شیخ التفسیرؒ کے نام

— مولانا عبید اللہ سندھی کا خط —————

عزیزم

آج ہی ایک خط ڈاک میں ملا حامل رقعہ
آپ سے ملنے کے لئے آ رہا ہے — وہ اپنی تکلیف قلب کے
لئے آپ سے استفادہ چاہتا ہے — اس کے حال پر
توجہ کریں —

تمہاری بیماری عرصہ دراز کی ہے — اگر طبیعت صبر
کر سکتی ہے — تو اسی کو مکفر سیئات و ذریعہ ترقی
درجات سمجھیں — اور اگر طبیعت عاجز آ گئی ہے
تو کوئی امر مقرب الی اللہ بطور نذر اپنے اوپر لازم
کر لیں — جیسے یعقوب علیہ السلام نے لحم ابل
ترک کیا تھا — وہ غذا انہیں مرغوب تھی اس کے بعد
وہ فقراء کو کھلاتے اور خود نہ کھاتے تھے —
اسی طرح اپنی مناسب حال کوئی نذر مقرر کر لیں
تو اللہ کے فضل سے امید ہے — کہ مرض دور
ہو جائیگا —
اللہ رب العزۃ تمہیں اپنی کتاب کے پڑھانے میں
فہم وسیع عطا فرمائی اور استقامت بخشے
واللہ ولی التوفیق والسلام

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ
دین پور

عبید اللہ

حضرت علامہ تاج محمود امروٹی کے خط کا عکس

یہ خط شیخ التفسیر کے صاحبزادے کے نام ہے

بسم اللہ

برخوردار نیک بخت سعادت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامہ شما رسید فرحت قلبی گردید و خاطر
خرسند شد باجابت آمدہ برخوردار
... درسال حاضر ... مقدس
... ونگاشتہ ... سعادت
... ز ... انشاءاللہ
... سند ...
بتاشد خوب واللہ ... نعیم
... والسلام ... الہدی

(مہر) ... تاج محمود

حضرت علامہ انور شاہ کی تحریر فرمودہ سند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی رفع اعلام العلم واعلی آثاره، واعزه فی کل فن حتی تفرق ... واضاء ما حوله بسواطع انواره، وجعل آدم وبنیه خلیفة فی بسیط الارض حاکما علی الطول والعرض کیفما دار الزمان ادواره، والصلوة والسلام علی النبی الامی العربی الهاشمی الذی کشف عن استاره وابان اسراره، والصحب من کل حق وحقیقة مما بهر افکار العالم ... اما بعد فان علم الحدیث القائم بالنبوة ... وهو ... الدنیا والدین و ... وهو اشرف ما توسل به العبد الی ... النبی الامین وهو ... واشرف ما یشتغل به الطالب ... فی الدنیا وفی الآخرة ... فمنهم الحفاظ ... الابل والوالسین ... فمنهم اخونا فی اللہ المولی العلامة احمد علی ... المحدث المفسر ممن ... من الناس ... کتب الحدیث والتفسیر والفقه اولا علی العلامة الشهیر والمحدث المفسر الکبیر مولانا عبید اللہ ادام اللہ فیضه ... شیخنا ومولانا محمود حسن الدیوبندی رحمه اللہ فاجازه ... فیها ان ... الزمان ... مخصوصة ... زماننا ... فاستجازنی من ... ولا من ذلک فی ... الحدیث ... فاجزته بکل ما یجوز لی اجازته من الکتب الستة وغیرها مما هو فی الاثبات مذکور وفی الاجازات مسطور بالاسناد المذکور فی کتاب الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی کما اجازنی بها شیخی اجلهم الشیخ محمود حسن رحمه اللہ شیخ الهند ... الآفاق واللہ تعالی اسأل ان یوفقه لما یحب ویرضی وان یجعل آخرته خیرا من الاولی. آمین

وانا العبد الاحقر محمد انور الکشمیری عفا اللہ عنه
۲۲ صفر ۱۳۴۳ھ ...

حضرت مولانا حبیب اللہؒ کا عریضہ ابّا بزرگوار کے نام

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — ۳۰ مئی ۱۹۵۲ء یوم الجمعہ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

بہ پیش گاہ عالی جاہ فیض پناہ وسیلتنا فی الدارین اعلیٰحضرت قبلہ ابا جان دامت برکاتہم

سلام مسنون۔ مزاج اقدس۔ حبیب اللہ از مکہ مکرمہ

الحمد للہ بخیر اور ہر طرح سے خوش وخرم ہوں۔ رحمت خداوندی سے قوی توقع ہے کہ آپ سب حضرات بھی بفضل ایزدی مع العافیت ہونگے

بحمد للہ رمضان اپنی برکات و فیوضات سمیت بڑی خیر و خوبی سے گذر رہا ہے ماشاءاللہ موسم رمضان شریف کی برکت سے بہت خوشگوار ہو گیا بالخصوص شب گذشتہ اتنی خنکی تھی کہ اندر موٹا کپڑا الیکر سونا پڑا حالانکہ آج ۳۰ مئی ۵۲ء ہے۔ موسم کی خلاف توقع غیر معمولی تبدیلی کی وجہ سے آج جمعہ کا غسل بھی نہیں کر سکا۔ کعبۃ اللہ شریف میں دن کو روزہ۔ بعد عصر قبیل مغرب طواف۔ اور بعد عشا امام صاحب کے ساتھ دنیا کی سب سے بڑی جماعت کثیرہ کے ساتھ نماز تراویح وہ اپنے اندر کیف و سرور رکھتا ہے جسکا اندازہ دور رہنے والوں کو نہیں ہو سکتا۔ سو عرفی شراب ذوق ایں بادہ نہ دانی تا نہ چشی

آپ حضرات والدین ماجدین کی نیک خواہشات اور مقبول دعاؤں کی برکت سے مجھ گنہگار کو حق تعالےٰ نے یہ سعادت عطا فرمائی ہے

ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

ایں سعادت بزور بازو نیست۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کرم بالائے کرم کہ درس قرآن حکیم و سبق حجۃ اللہ البالغہ بھی بدستور جاری ہے۔ ماشاءاللہ حجۃ اللہ کے تینوں ابتدائی مباحث ختم ہو چکے ہیں مبحث چہارم حنیفیت سعادت کا سعادت جاری ہے

اس کے پڑھنے والے انتہائی فہم سلیم رکھنے والے بہت ذی استعداد ملے ہیں۔ عربی ادب کا نہایت ہی پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں وہ دو بابوں کا مطالعہ کر کے تمام مفہوم خود حل کر لاتے ہیں۔ مجھے انکی برکت سے بہت محنت کرنی پڑتی ہے تب کہیں ان کو مطمئن کر سکتا ہوں۔ اگر خدا نے اپنے فضل

وکم سے دو چار مرتبہ مجنبہ الله پڑھا ہیکا اسطرح ہو تسح دیا تو تمام کتاب انشاء الله حفظ ہو جائیگی

حرم مکی میں ایک عالم حبشی حدیث کا درس دیتے ہیں پہلے حرم مدنی اور مدرسہ علوم شرعیہ میں درس دیتے تھے - مرحوم و مغفور مولانا عبید الله صاحب سندھی رحمۃ الله کے شاگرد ہیں - الشیخ عمر فاروق نام ہے جناب مدینہ منورہ میں میرے پاس ملے تھے - پھر اپنے مکان پر بھی لے گئے تھے بہت یاد کرتے ہیں اور بہت بہت سلام فرماتے ہیں

شیخ اسماعیل صاحب گجرات والے مکہ معظمہ پہنچ گئے ہیں - کہتے ہیں کہ عجلت میں آیا ہوں ورنہ مولانا صاحب نے فرمایا تھا کہ گھڑی اور چند کتب دونگا -

آپ سب حضرات کیلئے بڑے ہی خلوص قلب سے مبارک اوقات و متبرک مقامات پر دعا کرتا ہوں - اور اس سے زیادہ طالب دعا ہوں حضرت مخدومہ والدہ ماجدہ صاحبہ و برادران عزیز مولوی محمد اتو ... مولوی حمید الله سلمہا و حمیدہ بی بی و ہمشیرہ صاحبہ ... راقم ... کو سلام

محترم المقام ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب زیدت معالیکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ - السلام علیکم و رحمۃ الله - آپکے رسلہ دونوں خطوط چودہری عبد الرحمٰن خان صاحب اور مولوی مقبول عالم صاحب کو پہنچا دئے گئے تھے - میں بفضلہ تعالیٰ صحت یاب ہو کر ہسپتال سے واپس آ گیا ہوں -

ذکر الٰہی جو بتلایا ہوا ہے - اسے التزام سے نباہیں کم از کم دو ہزار مرتبہ روزانہ ضرور کریں - ۲۰ تسبیحات

حاضر ہو لینا کوئی مشکل بات نہیں ہے - خواہ متعدد اوقات میں کر لیا کریں -

مشکوٰۃ شریف کے اختتام کی مبارک ہو - میں اس سے متفق ہوں - کہ ترجمہ قرآن مجید با قاعدہ کسی صاحب کو سنا دیں اور صرف و نحو کو اور زیادہ پختہ کر لیں - مظہر لطیف سلمہ نے حفظ قرآن مجید کرنے کی مبارک ہو - الله تعالیٰ اسے آپکا خلف الرشید بنائے - آمین یا الٰہ العالمین

اپنے مسلک کو جو لاہور میں دیکھ گئے ہیں - اسے ہرگز نہ چھوڑیں اور کسی جماعت میں ہرگز ہرگز شامل نہ ہوں -

الله تعالیٰ آپکو اپنی جماعت میں شامل رکھے - اور استقامت عطا فرمائے - آمین یا الٰہ العالمین

اذکار الٰہیہ کا ایک مفصل اور لمبا پروگرام ہے - الله تعالیٰ آپکو اسے اختتام تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے - اور اسکے فیوضات و برکات سے مستفید فرمائے - آمین

مظہر لطیف سلمہ کیلئے ہدیہ دعوات والفیہ متحف ہو -

۱۳۶۸ھ

۳۰ / رمضان المبارک یوم الاربعاء

حضرت العلامہ استاذی المحترم مولانا عبد الحق صاحب

امیر انجمن خدام الدین نوشہرہ و مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ مطابق ۶ جنوری سنہ ۱۹۶۷ء بروز جمعۃ المبارک تکیہ مسجد نوشہرہ صدر میں

دار العلوم انوار القرآن

شعبۂ انجمن خدام الدین نوشہرہ

کا افتتاح فرما کر اپنے دستِ حق پرست سے درجِ ذیل کلماتِ مبارکہ بطور یادگار زیبِ قرطاس فرمائے۔ دعا ہے کہ اللہ جل شانہٗ اپنے فضل و کرم اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اپنے اکابرین بالخصوص حضرت الشیخ امام الاولیاء قطب العالم حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک طریقے پر خدمتِ دین کی توفیق عطا کرے

احقر الانام احمد عبد الرحمٰن الصدیقی عفی عنہ
ناظم اعلیٰ انجمن خدام الدین و مہتمم دار العلوم انوار القرآن نوشہرہ

بحمد اللہ کہ آج انجمن خدام الدین نوشہرہ کے اہتمام کے سلسلہ میں مسجد تکیہ نوشہرہ صدر میں حاضری نصیب ہوئی۔ انجمن خدام الدین دراصل اسی انجمن خدام الدین کی شاخ ہے جس کی بنیاد اخلاص اور للّٰہیت کی اساس پر خداوند کریم کے ایک مخلص بندہ اور برگزیدہ عالم قرآن مجید کے شیدائی اور مفسر

صاحب نسبت و طریقت بزرگ عارف وقت مقتدائے اولیائے عصر حضرت سیدنا و مولانا
احمد علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لاہور میں رکھی تھی۔ جس کا فیض و برکت اب چار سو پھیل رہا ہے
اور حضرت ممدوح قدس سرہ کا لگایا ہوا باغ چار دانگ عالم کو معطر کر رہا ہے۔ لاہور شہر کے چند مخلصین نے اپنے
ہاں اسی مبارک انجمن کی شاخ کھولی اور مختلف شکلوں میں دین کی خدمت ہو رہی ہے اسی وقت اس
انجمن کے تحت بچوں کی دینی تعلیم اور قرآن مجید کی تعلیم و تعلم کیلئے المنوّر القرآن نامی ایک درسگاہ کا آغاز بھی کر دیا
اللہ تعالیٰ اس درسگاہ اور حضرت لاہوریؒ کی اس یادگار انجمن کو اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی سے نوازے اور اس
کے منتظمین بالخصوص عزیزی مولانا حافظ احمد عبد الرحمن صاحب اور ان کے رفقاء کو ترقیات عطا کرے اور دین متین
کی بیش از بیش خدمات سے نوازے۔ قرآن مجید کا تعلیم و تعلم افضل عبادۃ اور اہم ترین ضرورت ہے جس پر ترقیات دارین
کا مدار ہے خیرکم من تعلم القرآن و علمہ خداوند کریم مسلمانوں کو قرآن مجید کا مقلدہ بنائے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین

عبد الحق عفی عنہ
مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
۲۴ رمضان المبارک ۸۶

شعراء کا نذرانۂ عقیدت

نذرِ شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ

علامہ انور صابری

اے کلام اللہ کے دانائے اسرار و رموز
منکشف تھے ذہن پر تیرے مشیّت کے کنوز

بابِ علمِ مصطفیٰ تیرا دلِ آگاہ تھا
تو صراطِ مستقیمِ حق کا خضرِ راہ تھا

تیری پیشانی تھی "انور شاہ" کی آئینہ دار
دیں پوری کا فیض تھا تیری جبیں سے آشکار

تجھ سے ملتا تھا نبوّتؐ کے حقائق کا سراغ
رہنمائے فکر تھا محمودؒ و قاسمؒ کا دماغ

تو قرونِ اوّلین کا پیکرِ تفسیر تھا
خوابِ ماضی کی مجسّم دل نشین تعبیر تھا

تیرے اندازِ بیاں میں جذبۂ ایثار تھا
عشق تیرا گوھرِ گنجینۂ کردار تھا

حکمت و دانش کو تو نے صاحبِ عرفاں کیا
زندگی کو ہم مزاجِ مقصدِ قرآں کیا

بربطِ جبریلؑ کے نغمے تیرے کانوں میں تھے
ولولے ایماں کے رقصاں تیری شریانوں میں تھے

تجھ کو "سندھیؒ" نے سکھائے تھے رموزِ انقلاب
تھی خرد آموز تیرے واسطے اُمّ الکتاب

درس نے تیرے کئے پیدا وہی خدّامِ دیں
جن کی ہستی دولتِ ختمِ رسالتؐ کی امیں

فلسفہ اسلام کا تا زیست سمجھاتا رہا
فقر کو آدابِ سلطانی کے سکھاتا رہا

تو رہا لاہور میں اور دل مدینے میں رہا
بن کے اک موتی محمّدؐ کے خزینے میں رہا

تھی دلیلِ زندگیٔ عصرِ نو تیری حیات
رُوح کا پیمانہ تھا یا بحرِ تقدیسِ صفات

انورِ خورشید نسبت جاودانی بن گیا
نُور آنکھوں کا تری خود تیرا ثانی بن گیا

بایزیدِ دورِ حاضر کا تجھے زیبا خطاب
تھا ترا ذوقِ عبادت اولیاء کا ہم رکاب

گلشنِ فردوس کے سانچے میں ڈھلتی جائے گی
تیری تربت سے سدا خوشبو نکلتی جائے گی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر

اے دِل یہ ہے کس خیال میں غلطاں اِدھر تو دیکھ
اک عاشقِ رسولؐ کی شانِ سفر تو دیکھ

سُوئے جناں رواں ہے وہ خُلدِ دل و نگاہ
سینہ تھا جس کا کارگہِ ضربِ لَآ اِلٰہ

بڑھ کر سمُومِ مرگ، لطافت کو لے گئی
مسند نشینِ رُشد و ہدایت کو لے گئی

خاموش ہے وہ شمعِ سعادت بُجھی ہُوئی
جس سے دُھواں کبھی نہ اُٹھا، روشنی ہُوئی

بزمِ چمن میں اب وہ گُلِ خندہ رُو نہیں
گوشِ آشنا وُہ مُژدہ لَاتَقنَطُوا نہیں

اب میرِ انجُمن جو نہیں انجُمن کہاں؟
جو پتھّروں کو موم بنا دے وُہ فن کہاں؟

ہر آنکھ اشک ریز ہے ہر دل ہے داغ داغ
گُل ہو گیا ہے زُہد و عبادت کا اک چراغ

ذوقِ طلب کا شُعلۂ بیتاب بُجھ گیا
فانُوسِ حُسنِ منبر و محراب بُجھ گیا

کل تک تو ایسی تشنہ لبی میں نہ تھی زمیں
آج ایک بحرِ علم و عمل پی گئی زمیں

اک شمعِ فراست و تبلیغ رُک گیا
اک پرچمِ متانت و تسلیم جُھک گیا

آنکھیں تو ہیں، مگر وُہ حسیں خواب ہی نہیں
مسجد تو ہے وُہ جلوۂ محراب ہی نہیں

اب وہ مشیرِ شرع کہاں ہے نگاہ میں
دیوار تھا جو شِرک و معاصی کی راہ میں

وُہ جُود، وُہ سخا، وُہ تدبّر کہاں نصیب
وُہ حِلم، وُہ صفا، وُہ تفکّر کہاں نصیب

مہتاب ریز آج وُہ ماہِ مُبیں کہاں؟
اب پُرسکُوں اِدارۂ خُدّامِ دیں کہاں؟

وُہ پیکرِ خلُوص و وفا آہ چل بسا
وُہ نائبِ رسُولِ خُدا آہ چل بسا

ایسا عظیم صاحبِ ایماں کہاں سے آئے
اس شان کا مُفسّرِ قُرآں کہاں سے آئے

یہ وجہِ اِلتفات ہے یہ ہے برکتِ علُوم
شاہوں کی موت کو بھی یہ مِلتا نہیں ہجُوم

سینوں میں سوزِ عشق و وفا عام کر گیا
تفویض جو ہُوا تھا اُسے کام کر گیا

ایسا فریدِ شُعلہ بیانی نہ آئے گا
کوہِ سُخن سے سیلِ معانی نہ آئے گا

مانا کہ اِس میں خار و خسِ زندگی نہیں
اِس راہ سے کسی کو مگر آگہی نہیں

ہر چند زندگی میں بڑے کام کر گئے
ماتھے پیمبروں کے پسینے میں تر گئے

اللہ اُس پہ لُطف و عطا و کرم کرے
اُس کے سکُونِ رُوح کا ساماں بہم کرے

جناب لقمان دانش

سید نفیس

سیّد نفیس الحسینی

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ

اہلِ علم و فضل کے سرتاج ، ولیوں کے ولی
اللہ اللہ ایک نومُسلم کا فرزندِ جلیل
تربیت دی تھی عُبید اللہ سندھی نے اُسے
مُرشدِ امروٹ سے اور عارفِ دیں پُور سے
اُن کی رگ رگ میں تھا فکرِ دیوبندی موجزن
کون تھا اس دور میں انگریز کا پکّا حریف
کس نے للکارا فرنگی جبر و استبداد کو
مجمعِ اوصاف تھی لاریب اُن کی شخصیت
اُن کی بزمِ فقر تھی اِس بات کی زندہ دلیل
یہ حقیقت ہے کہ اُن کے قلبِ نُور افروز سے
اللہ اللہ ، جس کے حق میں اُٹھ گئے دستِ دُعا
عشق تھا اُن کو جو مولانا حُسین احمد کے ساتھ
زندہ جاوید ہیں اُن کے نقوشِ زندگی
جانشین اُن کے ہیں مولانا عبید اللہ آج

عارفِ لاہور یعنی حضرتِ احمد علی
شرک کے ماحول میں جس نے مچا دی کھلبلی
اِنقلابی فکر و حکمت جن کے سایے میں پلی
زندگی پائی تھی نُورِ حق کے سانچے میں ڈھلی
اُن کے خُونِ دل سے شاخِ حُریّت پھُولی پھلی
جانتی ہے خُوب یہ لاہور کی ہر ہر گلی
سر اُٹھانے کی یہاں رسمِ جُنوں کس سے چلی؟
وُہ مفسّر ، وہ مُصنّف ، وُہ مجاہد ، وُہ ولی
شاہِ ہفت اقلیم سے درویش کی صُحبت بھلی
خطّۂ پنجاب میں ایمان کی مشعل جلی
عُمر بھر کی تیرہ بختی کی بلا سر سے ٹلی
اس کی وجہِ خاص تھی عشقِ نبیؐ کی بے کلی
نام نامی ثبت ہے اُن کا بعُنوانِ جلی
لوگ کہتے ہیں بجا ان کو ولی ابنِ ولی

مَیں نے مولانا کو دیکھا وقتِ رخصت اے نفیسؔ
چہرۂ انور تھا جیسے خُلد کی کھلتی کلی



حضرت لاہوریؒ

آزاد شیرازی مدیر "تذکرہ" لاہور

شیخ لاہوریؒ مرے مُرشد بھی تھے اُستاد بھی
ان سے جو دولت ملی — مجھ کو رہے گی یاد بھی

والدِ مرحوم تھے اُن کے مُریدِ اوّلیں
جُھک گئی میری بھی اُن کے آستانے پر جبیں

والدِ مرحوم کو فقر و غنا حاصل ہُوا
مجھ کو ان سے زندگی کا مُدّعا حاصل ہُوا

فقر کی دولت سے مَیں نے بے نیازی سیکھ لی
مُرغکِ بے پَر نے رسمِ شہبازی سیکھ لی

عمر بھر مَیں پادشاہوں سے رہا جنگ آزما
اہلِ زر سے، کجکلاہوں سے رہا جنگ آزما

مَیں صحافت سے طبابت تک پھرا ہوں کُو بکُو
آج تک محفوظ ہے میرے قلم کی آبرو

تذکرہ آزاد کا ہو یا قلم آزاد کا
یہ قصیدہ لِکھ نہیں سکتا کسی شدّاد کا

اہلِ حق کے تذکرے میرا قلم لکھتا رہا
اہلِ دل کے مرثیے میرا قلم لکھتا رہا

یہ قلم لکھتا رہا حمد و ثناء اللہ کی
اور نعتیں سرورِ عالم رسول اللہ کی

منقبت اصحابؓ احمدؐ کی اور ان کی آل کی
اس میں گنجائش نہیں یاروں کو قیل و قال کی

میرے "ہیرو" ہیں وہی دشمن تھے جو افرنگ کے
یاد ہیں انگریز کو حالات مجھ سے جنگ کے

مَیں کسی فرعون کو سجدہ کروں — ممکن نہیں
اور کسی نمرود کے آگے جھکوں — ممکن نہیں

شیخ لاہوریؒ کی گُھٹّی کا اثر اس تن میں ہے
اُن کی خاکِ پا کا سُرمہ آنکھ میں ہے، مَن میں ہے

شیخ لاہوریؒ تھے سرتاجِ گروہِ اولیاء
خوفِ باطل، حزنِ دولت سے تھے وہ ناآشنا

شِرک و بدعت کے جہاں میں نعرۂ توحید تھے
وہ جہالت کی اندھیری رات میں خورشید تھے

ایک مدّت وُہ اسیرِ قیدِ افرنگی رہے
ملک و ملّت کے مگر ساتھی رہے، سنگی رہے

کاروانِ عزم و ہمّت ان کا رُک سکتا نہ تھا
کٹ تو سکتا تھا مگر سر ان کا جُھک سکتا نہ تھا

قرض ہے تاریخ پر، حق ریشمی رومال کا
یوں ملا ہے سلسلہ ماضی سے استقبال کا

واقعہ ہجرت کا ہو یا ہو خلافت کا سوال
ہم کو لکھنا ہی پڑے گا شیخ لاہوریؒ کا حال

اہلِ زر سے، اہلِ سرمایہ سے ڈرتے ہی نہ تھے
اُن کے نقشِ پا کسی رہ پر پھسلتے ہی نہ تھے

ہاں کسی کے سامنے وہ ہاتھ پھیلاتے نہ تھے
اہلِ زر کے مکر کی چالوں میں وہ آتے نہ تھے

تھا تعلق اُن کا اللہ سے رسول اللہ سے — بادشاہوں سے نہ رشتہ تھا، نہ اہلِ جاہ سے
عمر بھر کھدّر رہا زیبِ بدن، اُن کا لباس — کبر و نخوت زہد و تقویٰ کے، نہ پھٹکے اُن کے پاس
مشرقی ہو کوئی مودودی ہو یا پرویز ہو — ٹوک دیتے تھے عمل جس کا ہلاکت خیز ہو
بر سرِ منبر پڑھاتے تھے شریعت کے رموز — اور خلوت میں سکھاتے تھے طریقت کے رموز

شیر انوالہ میں تھے، اِک شیرِ خدا —— احمد علی

منبع و سرچشمۂ رُشد و ھُدا —— احمد علی

وہ طریقت میں شریعت کے علمبردار تھے — شرک و بدعت کے ہر اک انداز سے بیزار تھے
قوم نے افسوس اب تک ان کو پہچانا نہیں — اِس ہجومِ مومنیں میں، ایک بھی دانا نہیں؟
جو مُرید ان کے ہیں وہ اس وہم میں محصور ہیں — اُن کے مُرشد مولوی احمد علی مغفور ہیں
روزِ محشر وہ جہنّم سے بچا لیں گے ہمیں — اپنے "دامانِ شفاعت" میں چھپا لیں گے ہمیں
دوستو! اس وہم سے جلدی کرو حاصل نجات — یہ مُریدی ہو نہیں سکتی جوابِ الصلوٰۃ
جب تلک حاصل نہیں کرتے ہو تم رزقِ حلال — ان نمازوں، ان زکاتوں، ان حجوں کا کیا مآل
چور بازاری کرو، رشوت بھی لو، حج بھی کرو — اور مُریدِ مولوی احمد علی خود کو کہو؟
دوستو! جھانکو ذرا اپنے گریباں میں کبھی — روشنی ڈھونڈا کرو آیاتِ قرآں میں کبھی
جو مسلماں ہے، ہے اس کا عہدِ بیعت کے عِوض — مال و جاں بیچے خدا کے ہاتھ جنّت کے عِوض
ملّتِ اسلامیہ میں فرد کوئی شے نہیں — انفرادی مِلکیت اسلام میں تو ہے نہیں[1]
مال و زر، فرزند و زن، ہر شے امانت ہی تو ہے — ان کے بدلے میں مسلمانوں کو جنّت ہی تو ہے
مفت میں جنّت کوئی مرشد دِلا سکتا نہیں — راہ دکھلاتا ہے، منزل سے مِلا سکتا نہیں

شیخ لاہوریؒ کے یارو! تم عقیدت مند ہو؟

اُن کی بیعت کر کے، اپنے عہد کے پابند ہو؟

[1] اس تصوّر سے ہمارا اتفاق ضروری نہیں۔ (ادارہ)

سب کو یہ مسلّم ہے کہ معبُود وہی ہے
کم ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے



بیادِ حضرت مولانا احمد علی نوّر اللہ مرقدہٗ

مولانا عبدالغفور صاحب ریاض
فورٹ سنڈیمن، بلوچستان

لئے ساقی صبوحی موت کی محوِ خرام آیا
تری باری تھی پہلے پہل جب گردش میں جام آیا

مرتّب ان دنوں جب موت کے اسما ہوئے ہونگے
سرفہرست شاید حضرت اقدس کا نام آیا

تجھے ہمراہ لے کر چل دیا کتنی خموشی سے
نئے انداز سے اس بار تو ماہِ صیام آیا

ابھی زخمِ بخاریؒ مندمل ہونے نہ پائے تھے
دلِ مہجور کی راہوں میں پھر مشکل مقام آیا

رواں بحرِ طریقت ہو گیا اس دارِ فانی سے
ہمیشہ تشنگانِ علم و عرفاں کے جو کام آیا

یہاں فرقت میں دل بے تاب و اشک آلود ہیں آنکھیں
فرشتے خوش وہاں ہوں گے محمّدؐ کا غلام آیا

ریاضؔ اس وقت کی عظمت بیاں کرنے سے قاصر ہے
ترے اعزاز میں جس وقت رحمت کا پیام آیا

خدائے پاک نے بخشی تجھے اقلیمِ روحانی
تری دولت سے ہو کر مستفیض ہر خاص و عام آیا

بڑی جرأت سے کاٹیں شرک و بدعت کی جڑیں تُو نے
یہ ایسے معرکے میں بن کے تیغِ بے نیام آیا

فرنگی چیرہ دستوں نے بہت سے جال پھیلائے
مگر شاہینِ کافوری نہ ہرگز زیرِ دام آیا

"جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"
یہی مقصود تھا جو کہ زباں پر صبح و شام آیا

کسی نے سچ کہا ہے مرگِ عالَم موتِ عالِم کی
نہیں دنیا میں گرچہ کوئی بھی بہرِ قیام آیا

ریاضِ خُلد ہے دو گز زمین لاہور کی یارو!
جہاں آرام کی خاطر زمانے کا امام آیا

مرے مولا تری رحمت ہو اُس خاموش بستی پر
خصوصاً حضرت احمد علیؒ کی پاک ہستی پر

سید امین گیلانی

شیخ التفسیر رحمہ اللہ

رہبرِ راہِ ھُدیٰ، پیکرِ ایماں تھا وُہ شخص
جس میں اوصاف ملائک تھے وُہ انساں تھا وُہ شخص

اس میں کچھ شک نہیں میں تم سے اگر یہ کہہ دُوں
وقت کا بوعلیؒ و شبلیؒ دَوراں تھا وُہ شخص

شاخِ گل بن کے رہا محفلِ اہل حق میں
اہلِ باطل کے لئے خنجرِ بُرّاں تھا وُہ شخص

خواہشِ نام و نمود و ہوسِ درہم و دام
سب سے آزاد مگر بندۂ یزداں تھا وُہ شخص

ناز ہو جس کو فقیری پہ وُہ تھا ایسا فقیر
اصل میں مملکتِ فقر کا سُلطاں تھا وُہ شخص

کورچشموں کو نظر آئے نہ اُس کے اوصاف
اہلِ دل اہلِ نظر، صاحبِ عرفاں تھا وُہ شخص

مِرا مُرشد تھا وُہی ناز ہے مجھ کو یہ امینؔ
عاشقِ سنّت و دیوانۂ قُرآں تھا وُہ شخص



شیخ التفسیر

قاضی عبدالحلیم، کلاچی

ش — شیر تھا تُو بیشۂ اسلام کا — چل رہا تھا سکّہ تیرے نام کا

ی — یوں تو چمکا زیست کے ہر موڑ پر — دن کا سورج تھا تُو تارا شام کا

خ — خدمتِ قرآں میں چھانا خاک کو — مِل رہا ہو گا صِلہ ہر گام کا

ا — آج بھی بارش ہے تیری قبر پر — چُن لو پھولوں کو ہر اک ہے کام کا

ل — لاکھ دنیا بیر میں آئے مگر — ہو گا چرچا پھر بھی تیرے جام کا

ت — تُو نے دنیا کو مئے توحید دی — کیا مزہ تھا تیرے در اور بام کا

ف — فی البدیہہ انکار ہے تیرے بغیر — باغ سیبوں کا ملے یا آم کا

س — سرمہ بیچا تھا بصیرت کا بہت — کام پُختہ کر دیا ہر خام کا

ی — یہ جہاں میں تم تھے واحد حکمراں — جیت کر دل تم نے خاص و عام کا

ر — ریب اس میں کچھ نہیں، تھا رازداں — تُو قرآں کے ہر الف اور لام کا

بیادگار

شیخ التفسیر مولانا احمد علی قدس سرہٗ العزیز

محمود احمد عارف ہوشیارپوری، خازن جامعہ مدنیہ لاہور

وارثِ علمِ نبوّت، سیّدی احمد علیؒ
شیخِ عالم، قطبِ ملّت، حق تعالیٰ کے ولی

عاملانِ دینِ قیّم کے امیرِ کارواں
رحمتِ عالم ﷺ سے رکھتے تھے بڑی نسبت قوی

مطلعِ لاہور پر برسوں رہے جلوہ فگن
آفتابِ علم و حکمت، ماہتابِ آگہی

شیخِ امروٹیؒ کے فیضانِ نظر کا شاہکار
مشعلِ راہِ ہدیٰ جن کی تھی ساری زندگی

گلشنِ دین پور کی رنگینیٔ فصلِ بہار
جانِ اربابِ بصیرت، قاسمِ فیضِ نبی ﷺ

مکتبِ فکرِ ولی اللہؒ کا وہ خوشہ چیں
عظمتِ اخیار کا عارف نشانِ آخری

وہ چہیتا "حضرتِ سندھی" "عبید اللہؒ" کا
خاص شفقت کی نظر جس پر تھی شیخ الہندؒ کی

حضرتِ مدنیؒ و انور شاہؒ کا وہ دستِ راست
اہلِ حق میں جن کی قائم آج تک ہے برتری

حق کی خاطر جو رہا سینہ سپر ہر حال میں
جس سے پائندہ رہی رسمِ وفائے یوسفی

دَور میں اپنے رہا سرتاجِ بزمِ اولیاء
زہد و تقویٰ ہیں کٹی جس کی مثالی زندگی

جان و دل سے جاں نثارِ سیّدِ کونین ﷺ تھا
حلقۂ عشّاق کی زیبا تھی اس کو سروری

صدقِ دل سے قدرداں تھا عارفِ گنگوہؒ کا
اس کا مسلک تھا یقیناً مسلکِ نانوتویؒ

جس کو حق نے پسر بھی بخشا حبیب اللہ سا
اسم جس کا با مسمّیٰ، پاک جس کی زندگی

حضرتِ انور ہوئے بعد اُن کے جانشیں
وارثِ علم و فیوضِ حضرتِ احمد علیؒ ہے

عصرِ حاضر میں وہ اِک اسلاف کی تصویر ہے
اہلِ حق کے واسطے وہ مطلعِ تنویر ہے

اللؤلؤ والمرجان

سرور میواتی - واہگہ بارڈر

حال و حاضر کو تو کر لیتا ہے یہ فوراً قبول   غائب و ماضی کو ورنہ جلد یہ جاتا ہے بھول
ہے مگن دنیا پہ عقبیٰ کو سمجھتا ہے فضول   حضرت انسان کا ہے عام دستور و اصول
گاہ مسرور و شگفتہ گاہ غمگین و ملول

صدہا دانش ور ادیب و عالم و جنگ آزما   چار سُو عالم میں ڈنکا جن کی شہرت کا بجا
شاعر و عابد مُفسّر حکمران و پارسا   ہو گئے آخر شکارِ نیزۂ و تیرِ قضا
مرضیٔ مولا کے آگے پیش جاسکتی ہے کیا؟

تھے اسی زمُرہ میں اِک مردِ خدا احمد علیؒ   جس نے بدعت کی قلمرو میں مچادی کھلبلی
کی عقائد کی درستی، باطنی اصلاح کی   چور ہے پر کر دئے ننگے فرنگی مولوی
روز ہوتے ہیں بھلا پیدا کہیں ایسے ولی

قُطبِ عالم غوثِ دوراں اے اماموں کے امام   کر دیا بدعات کا تو نے تہ و بالا نظام
چوٹیاں سرکیں طریقت کے ہمالہ کی تمام   ہے حریفوں کی نگاہوں میں بھی تیرا احترام
ہم بصدقِ قلب تجھ کو پیش کرتے ہیں سلام

شبلیؒ و عطارِؒ دوراں بو ذرِؓ برِصغیر   صوفیؒ و شیخ الحدیث و رہنمائے بے نظیر
دیدہ ور شیخُ الشیُوخ و مُرشد روشن ضمیر   تیری تبلیغی مساعی سے بہ تعدادِ کثیر
راستی پر آگئے صدہا لکیروں کے فقیر

کتنے مسلم، نام تھے جن کے عمرؓ حیدرؓ، بلالؓ   تھے مگر شکل و عمل میں روپ سنگھ و ہردیال
بچ نکلنا اِن کا تحریک شدھی سے بال بال   تھا فقط یہ آپ کی جہدِ مُسلسل کا کمال
کر گئے سب آنے والوں کیلئے قائم مثال

دین پہ فتنوں نے جب ہر سمت سے یلغار کی   کاذبِ ربوہ نے اک جانب سپہ تیار کی
سندھ کی سرحد اُدھر پرویزیوں نے پار کی   تھی کمک اچھرہ کو حاصل مشرقی سالار کی
تو نے ہر فتنے کی سرکوبی سرِ بازار کی

منتخب ہوں حضرتِ سندھیؒ کے جو قائم مقام   بزمِ شیخ الہند سے جس نے پیئے وحدت کے جام
دین پور امروٹ سے جن کو ملا ہو فیضِ عام   عمر گزری خدمتِ قرآن میں جن کی تمام
اُن کے زہد و اتّقا پر کس کو ہے تابِ کلام

حفظِ دیں کے واسطے جتنی بھی تحریکیں اٹھیں
آپ نے بڑھ چڑھ کے سب میں خدمتیں انجام دیں
ہو خلافت یا شدھی یا انجمن خدام دیں
مسئلہ ختم نبوت کا ہو یا تبلیغ دیں
آپ نے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی کہیں

اب وہ ذکر و کیف کی سی مجلسیں باقی نہیں
مجلسیں باقی ہیں پر اس شان کا ساقی نہیں
کشف و جذبِ دل کی کیفیات آفاقی نہیں
پھر بھی لیکن فرض سے غافل نیا ساقی نہیں
نام کو بھی آشنائے رمزِ قزاقی نہیں

ہیں عبیداللہ انور آپ کے قائم مقام
سرپرستی میں انہی کی چل رہا ہے سب نظام
مے کشوں سے حسبِ سابق پر ہے مے خانہ تمام
ہے اسی صورت نئے ساقی کا جاری فیضِ عام
حق تعالےٰ اپنی رحمت سے اسے بخشے دوام

قطبِ عالم کو رہا سرور سدا کرتا تلاش
کیا خبر تھی ہے اسی بستی میں ان کی بود و باش
آپ کی رحلت سے پہلے مجھ پہ کھل جاتا یہ کاش
تربتِ اطہر کی خوشبو نے کیا جو راز فاش
دل اسی افسوس و غم سے ہو رہا ہے پاش پاش



حافظ نور محمد انورؔ

عالم دینِ خدا تھے حضرت احمد علیؒ
ہادیٔ راہِ ہدیٰ تھے حضرت احمد علیؒ

اہلِ حق کے ہم نوا تھے حضرتِ احمد علیؒ
اہلِ بدعت سے خفا تھے حضرت احمد علیؒ

خدمتِ دینِ نبیؐ میں عمر دی ساری گزار
دینِ قیّم پر فدا تھے حضرت احمد علیؒ

آفتابِ علم تھے جو عصرِ نو میں بالیقین
وہ سراپا باصفا تھے حضرت احمد علیؒ

رات دن جس نے دیا ہم کو سبق توحید کا
وہ مجسّم باوفا تھے حضرت احمد علیؒ

کیوں نہ ان ذات پر ملّت کو فخر و ناز ہو
عاشقِ ربُّ العلاء تھے حضرت احمد علیؒ

جو بھی آیا ان کی صحبت میں یہی اس نے کہا
نیک، مخلص، پیشوا تھے حضرت احمد علیؒ

کفر کی تاریکیوں میں بالیقیں اس دور میں
دین کا روشن دیا تھے حضرت احمد علیؒ

کیوں نہ انورؔ اس لحد کی خاک عنبر بیز ہو
بندۂ حق باخدا تھے حضرت احمد علیؒ

رثا الشیخ العلّامۃ شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

مولوی رضا الحق، مروانی

خلت الدیار من الحبیب واظلمت لم یبق عند الناس بدر منیّر

گھر محبوب سے خالی ہو گئے اور گھروں میں اندھیرا پڑا۔ لوگوں کے پاس چودھویں کا نورانی چاند نہیں رہا

اسف عظیم للانام بفقدھم نورًا کبیرًا للعوام مسفر

بہت بڑا افسوس ہے کہ لوگوں نے نور عظیم کھو دیا۔ جو دنیا کو روشن کرنے والا تھا

حزن یھزّ جبال ارض کلھا وکآبۃ وسآمۃ وتحیّر

ایسا غم ہے جس نے زمین کے پہاڑوں کو ہلا کر رکھ دیا اور غم اور حیرانگی اور سراسیمگی ہے

نبأ عظیم مقلق لقلوبنا لحدیقۃ الدین المعظم صرصر

موت کی عظیم الشان خبر نے ہمارے دلوں کو پریشان کر دیا جو دین کے عظیم الشان باغیچے کے لیے بادِ صرصر ثابت ہوئی

فوفاۃ شیخ لیس فوت الواحد موت المفسّر فی الحقیقۃ اکبر

شیخ التفسیر کی وفات ایک شخص کی وفات نہیں، کیونکہ مفسرؒ کی موت حقیقت میں بہت بڑی ہوتی ہے

فاصبر ولا تجزع علی امر قدر ان الحمام من القدیر مقدر

خدا کی طرف سے جو امر مقدر ہو اس پر صبر کرو زیادہ نہ کرو بے شک موت اللہ قدیر کی جانب سے مقدر ہے

حاز الکمال ولا یدانیہ الوریٰ بوجودہ الغبراء دومًا تفخر

موصوف نے ایسے کمالات جمع کئے تھے جن کے قریب بھی لوگ پہنچ سکتے زمین اس کی شخصیت پر ہمیشہ فخر کرے گی

عجز البرایا عن دراک کمالہ ونطاق نطق الناطقین تقصر

لوگوں کی عقلیں ان کے کمالات سے عاجز ہیں اور گفتگو کرنے والوں کی گفتگو کا کمربند تنگ ہے

کم صاد شردًا فی صحاری معطب بذکاءہ بطن المعارف یبقر

ہلاکت کی صحراؤں میں کتنے گمراہوں کو شکار کیا۔ علوم و معارف کے پیٹ اپنی حکارت سے شق کرتے رہے

رفع الستائر عن جمال عرائس بعلومہ قبب الصدور تنوّر

(علوم) کی دلہنوں کے کمروں سے پردے ہٹائے ان کے علوم سے سینوں کے گنبد منور ہیں

قبر عجیب لیس یبلغ قامۃً جبل المعارف کیف فیہ یقبر

عجیب قبر ہے جو ایک قامت بھی نہیں تعجب ہے اس نے علوم کا پہاڑ کیسے اپنے اندر سمو دیا

یا قلب من ترثی و تذکر باکیا   بحر العلوم محدث و مفسر

اے دل تو کس کا مرثیہ لکھتے ہو اور کس کو روتے ہوئے یاد کرتے ہو وہ علوم کا دریا محدث اور مفسر ہے

ما خاف لومة لائم فی سنة   بَطَلٌ یسول فی النهاکة جهور

وہ سنت کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے سے نہیں ڈرا بہادر تھے اور بہادری میں شیر تھے

احیا القلوب بنفخ روح تلاوة   کشف الظلام من البلاد

جس نے قلوب کو اپنی تلاوت کی روح پھونکنے سے زندہ کیا اندھیروں کو وطن سے ختم کرکے وطن جگمگا اٹھا۔

فکانما قبر بکومة عنبر   حیث الولی یفوح منه العنبر

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قبر عنبر کے ٹیلوں پر ہے اس ولی اللہ کی قبر سے عنبر کی خوشبو مہکتی ہے

واهاب عصبة بدعة فکانما   هو فی المعارك والمخاوف عسکر

اہل بدعت کو ڈرایا میدان جنگ میں انہوں نے ایک لشکر کا کام دیا

من عندنا یروی غلیل صدورنا   من ذا علی قید الشوار و یقدر

کون ہے ان کے بعد ہمارے پاس جو سینوں کی پیاس کو بجھائے اور کون ہے جو مشکل مسائل کو مقید کرنے پر قادر ہو

قد کنت ماحی بدعة فی ارضنا   فالارض من نور القرآن تبختر

بے شک آپ اس سرزمین میں بدعت کو مٹانے والے تھے اور یہ زمین قرآن کی روشنی سے ناز کرتی ہے

کم کان طالب رشدة ارشدته   کم کان من صعب المسائل تنحر

بہت سے طالب رشد و ہدایت کو آپ نے ہدایت کی بہت مشکلات کو حل کیا

و نظمت آیات الکتاب دلیلنا   قد فقت فی هذا یصنع فتبهر

قرآن شریف کی موتیوں کو جو ہماری دلیل ہے آپ نے پرویا آپ اس کام میں ہمسروں سے اونچے تھے

والله نسأل ان یدیم لنفعنا   خلفاً عبید الله ذالك انور

خاص اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے فائدے کے لیے خلف الرشد مولانا عبید اللہ انور صاحب کو ہمیشہ رکھے

حبر تقی مرشد و مکافح   فجار دهر عالمٌ متبحرٌ

صالح عالم متقی مرشد ہے زمانے کے فساق کا مقابلہ کرنے والے اور متبحر عالم ہیں

توحید کی شمشیر

(شورش کاشمیری مرحوم)

عمر بھر قرآن کا پیغام پھیلاتا رہا   ہر گھڑی اسلام کی تبلیغ فرماتا رہا
دوستداران جنوں کا دل بڑھانے کیلئے   اپنے تلوے راہ کے کانٹوں سے سہلاتا رہا
گوشۂ زنداں میں کیا دار و رسن کے ساز پر   داستان جرأت اسلاف دہراتا رہا
سید خیر البشر کے خلق کی تصویر تھا   اس صنم آباد میں توحید کی شمشیر تھا

قطب الاقطاب شیخ التفسیر حضرت لاہوری کی بارگاہ میں

عقیدت کے چند پھول

—— جناب عبداللطیف چشتی، جامعہ رشیدیہ منٹگمری ——

اس دور میں اللہ تعالیٰ کی تلوار وہی تھا
ہاں! دینِ محمد ﷺ کا رضا کار وہی تھا

جب دینِ محمد ﷺ کے خلاف اٹھتی تھی آواز
میدان میں اک برسرِ پیکار وہی تھا

آئینِ شریعت پہ وہ لبیک تھا کہتا
انگریز کے آئین سے بیزار وہی تھا

وہ علم کی مجلس میں تھا شمعِ درخشاں
منبر پہ سدا صاحبِ گفتار وہی تھا

حق کیش سمجھتے تھے اسے آنکھ کا تارا
میدانِ عمل میں ہمہ کردار وہی تھا

بوبکرؓ کا سا صدق عطا اس کو ہوا تھا
فاروقؓ کے سے عدل کا سالار وہی تھا

عثمانؓ کا سا حلم و حیا اس کو ملا تھا
مانندِ علیؓ علم کا دربار وہی تھا

چشتی! کہاں اس شیخ کو ہم ڈھونڈنے جائیں
اس دور میں اسلاف کا شاہکار وہی تھا

حافظ نور محمد انورؔ

حضرت امام الاولیاءؒ

اے علومِ دین کے ماہر، اے طریقت کے امام
اے سراپا اتقا، اے عاشقِ خیر الانامﷺ
تُو نے بے شک علم و حکمت کے کیے روشن چراغ
اہلِ بدعت کے دلوں سے مِٹ گئے بدعت کے داغ
عالمِ دینِ خدا، اے پیکرِ صدق و صفا
تُو تھا مخلص باوفا و بے ریا و باخدا
تیرے سینے میں نہاں تھا اس قدر عشقِ نبیﷺ
سنّتِ نبویﷺ نہ چھُوٹی عمر بھر تجھ سے کبھی
تُو مفسّر، تُو مقرّر، تُو درخشاں آفتاب
تیرا سینہ نورِ ایماں سے منوّر بے حساب
تجھ سے لاکھوں گمرہوں نے پائی راہِ مستقیم
بے گماں اللہ کا تجھ پر رہا لطفِ عمیم
زندگی بھر درسِ قرآں تُو ہمیں دیتا رہا
اور بلا خوف و خطر حق بات تُو کہتا رہا
ہے تری لبریز زرّیں کارناموں سے حیات
تجھ پہ راضی مصطفیٰﷺ ہے، خالقِ کل کائنات جل جلالہٗ
ہے دعا انورؔ کی اے کامل ولی قطبِ زماں
جنّت الفردوس میں ہو روح تیری شادماں

○

شیخ طریقت
حضرت مولانا احمد علی لاہوری

شیخِ تفسیر، مردِ حقانی — مظہرِ لطف ذاتِ ربّانی

علم و حکمت میں منفرد بکمال — اہلِ دانش میں شمسِ عرفانی

زہد و تقویٰ میں مقتدائے زماں — فقر میں ان کے شانِ سلطانی

ذاتِ مطلق کے والا و شیدا — تھے سراپا، نورِ ایقانی

ہر عمل میں تھا اتباعِ رسولؐ — اور لب پر رموزِ قرآنی

نادرِ روزگار تھے ایسے — جن پہ نازاں تھی خود مسُلمانی

دیکھ کر اُن کی جرأت و ہمّت — رقص کرتی تھی حبِ ایمانی

شیرانوالہ میں آ رہتے تھے — مردِ درویش شیرِ ربانی

تاجِ محمودؒ کے چہیتے تھے — وہ غلامِ غلامؒ لاثانی

شیخِ عالم سے رشتۂ تلمیذ — یہ بھی تھا خاص فضلِ رحمانی

اک مربّی تھے حضرت سندھیؒ — پیکرِ سوز و دردِ پنہانی

وہ رفیقِ حسین احمدؒ تھے — عصرِ حاضر میں جو تھے لاثانی

وقتِ رحلت عجب سماں دیکھا — ابرِ رحمت نے کی دُر افشانی

لوگ سمجھے نہ مرتبہ ان کا — بعد مردن ہی قدر پہچانی

مثلِ ابرِ کرم سدا برسے — وہ تھے میزابِ فیض ربانی

مثلِ عنبر تھی خاکِ تربت کی — جس کی خوشبو میں تھی فراوانی

جانشین ان کے حضرتِ انورؔ — قاسمِ فیضِ ظلّ نورانی

یا خدا تا ابد رہے قائم
سلسلہ آپ کا یہ روحانی

محمود احمد
ہوشیارپوری

سید امین گیلانی

سیّد الاحرار



وہ پیکرِ تسلیم و رضا سیّد الاحرار
وہ صاحبِ حق، صاحبِ دل، صاحبِ کردار

یہ دور کہ جس میں ہے اندھیرا ہی اندھیرا
واللہ! وہ تھا اس دور میں اک نُور کا مینار

یہ کیف تھا توحید رسالت کے بیان میں
انسان تو کیا جھوم اٹھیں سُن کر در و دیوار

وہ علم کی مجلس میں تھا گلدستۂ معنیٰ
میدانِ عمل میں تھا وہ اللہ کی تلوار

وہ زیست کی ہر راہ سے تھا واقف و آگاہ
ہر موڑ پہ کرتا تھا وہ مِلّت کو خبردار

اپنوں کے لیے نرم تھا وہ موم کی مانند
دشمن کے مقابل تھا وہ فولاد کی دیوار

کھلتی تھی زباں اس کی تو ہوتی تھی گل افشاں
چلتا تھا قلم اس کا تو ہوتا تھا گہر بار

پوشیدہ تھا دل سینے میں یا طُور کا شعلہ
چہرہ تھا مرے شیخ کا اک مطلعِ انوار

افسوس! کہ ہم سے جُدا ہو گیا یارو
دل وقفِ غم و رنج و بلا ہو گیا یارو



شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں

احمد بخش ریاض سرگودھا

اے مفسرؒ، شیخ کامل، سیدی احمد علیؒ
عاشقِ ذاتِ محمدؐ حق تعالےٰ کے ولی

تھی بھری دل میں تیرے الفت رسولِ پاکؐ کی
کی اشاعت عمر بھر دینِ شہِ لولاکؐ کی

ولولہ دل میں تھا تیرے خدمتِ قرآں کا
تو نے دکھلایا نظارہ گلشنِ ایمان کا

رہروانِ راہِ حق کی رہنمائی خوب کی
کشتیٔ دینِ نبیؐ کی ناخدائی خوب کی

عاملِ سنت تھا اور تو ناشرِ توحید تھا
نورِ حق سے قلب تیرا، روکشِ ناہید تھا

تو سدا تخریبِ باطل پر کمربستہ رہا
زینتِ محفلِ حقیقت، مثلِ گلدستہ رہا

دل گرفتہ، غمزدہ بیٹھا ہوں تیری یاد میں
اک برس سے خیمہ زن ہوں عالمِ فریاد میں

خاکِ مرقد بھی تیری لاریب عنبر بار ہے
یہ خدا کا فضل ہے اور رحمتِ غفار ہے

ہو ریاضِ خلد میں تیرے لیے قصرِ بلند
اے خطیبِ نامور، اے پیشوائے ارجمند

نصرت قریشی

احمد علی
رحمتہ اللہ علیہ

صاحب دل پیکر ایثار تھے احمد علی
زندگی کی دولتِ بیدار تھے احمد علیؒ

عشقِ مذہب کی لگا دیتے تھے آگ
وہ خطیبِ آتشیں گفتار تھے احمد علیؒ

جس کو چھانا تھا عمامے میں عبید اللہؒ ¹ نے
اس لئے توحید سے سرشار تھے احمد علیؒ

ہو گیا قرآن کی تفسیر سے سب پر عیاں
ترجمانِ احمدؐ مختار تھے احمد علیؒ

ہے یہ ظاہر ریشمی رومال کی تحریک سے
حریت کے قافلہ سالار تھے احمد علیؒ

علمِ ظاہر کی متاعِ بے بہا سے فیضیاب
علمِ باطن کے امانت دار تھے احمد علیؒ

سرنگوں تھی جن کی چوکھٹ پر کلاہِ افتخار
وہ غلامِ سیّد الابرار تھے احمد علیؒ

جس نے بے دینی کے طوفانوں کو پسپا کر دیا
دین کی وہ آہنی دیوار تھے احمد علیؒ

اک طرف تھے وہ امیرِ مجلسِ خدام دین،
اک طرف منجملہ احرار تھے احمد علیؒ

جس کا لوہا مانتا ہے آج بھی برطانیہ
قوم کی وہ تیغ جوہر دار تھے احمد علیؒ

میں بھی اے نصرت انہیں کے کفش برداروں میں ہوں
جن بزرگانِ وطن کے یار تھے احمد علیؒ

۱ : مولانا عبید اللہ سندھی

ماسٹر لال دین اخگر

بیادِ شیخ التفسیر

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

اے شہیدِ درسِ قرآنِ مبین ڈھونڈتی ہیں تجھ کو آنکھیں ہر کہیں
آج ہے تیرا مکان خلدِ بریں ہائے تجھ سا مہربان ملتا نہیں

تیری صورت یاد آتی ہے ہمیں!
تیری فرقت خوں رلاتی ہے ہمیں!

سب کی آنکھیں تیرے غم میں اشکبار سب کے دل تیری جدائی میں فگار
تو نہیں تو کس طرح آئے قرار جس کو دیکھیں پھر رہا ہے سوگوار

آہ و زاری میں اثر کوئی نہیں
اس شبِ غم کی سحر کوئی نہیں

تیری مرقد مطلعِ انوار ہے تیری تربت مرجعِ اخیار ہے
تیری منزل منزلِ احرار ہے تیری خلوت مخزنِ اسرار ہے

وارثِ پیغمبراں تھی تیری ذات
اللہ اللہ بندہ مولےٰ صفات

اے امامِ اتقیائے ایں زماں اے امیرِ لشکرِ روحانیاں
قلبِ تو شرع مبیں را رازداں جانِ تو با قدسیاں است ہم زباں

ہم نشینِ انبیاء قدسی نہاد
منزلت در جنتِ فردوس باد

ذوقِ قرآن تیری الفت کا ثمر علم و عرفاں تیری صحبت کا ثمر
اے خوشا تیری زیارت کا ثمر مل گیا دنیا میں جنت کا ثمر

تیری سیرت عارفوں میں لاجواب
تیری ہستی رہنمائے شیخ و شباب

اے کہ سب یُمن و سعادت تجھ سے تھی — اے کہ سب حُسنِ مروت تجھ سے تھی
لاکھ انسانوں میں الفت تجھ سے تھی — سب کے ایماں میں حرارت تجھ سے تھی۔

ہم یتیموں سے بھی ابتر حال ہیں
ہائے ہم پامال ہیں پامال ہیں

حریت تھی تیری فطرت کا خمیر — مردِ حق، درویش رو، روشن ضمیر
پدرِ مشفق ، نرم خو ، مثلِ حریر — سرتاپا شفقت ، محبت کا سفیر

بایزیدِ عصرِ دوراں بالیقیں
قطبِ دوراں، ہادیِ روشن جبیں

درسِ قرآں رحمتِ حق کا نشاں — چہرہ تاباں اور الہامی زباں
روحِ قرآں اور ترا حُسنِ بیاں — سُن رہے ہیں شوق سے کرّوبیاں

آج یزدانی نوا خاموش ہے
آج نورانی فضا مدہوش ہے

الوداع اے سیدِ والا گہر — رو رہے ہیں گو تجھے دیوار و در
متفق ہیں اس پہ سارے ہم عصر — مدنیؒ و شاہ جیؒ تھے تیرے ہم سفر

اس لئے رضوان سے دعوت آگئی
اپنے حق میں اک قیامت آگئی

مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی

کیا کیف کا عالم ہوتا تھا کیا لطف کی بارش ہوتی تھی
جب خطبہ و درس میں ہوتا تھا حق حق کی ہدایت فرمانا
کیا عشق کی گرمی تھی کیا فیض کی عام ارزانی تھی
ہر وعظ میں شعلہ بیانی سے افسردہ دلوں کو گرمانا
ہر ایک پہ مستی سرشاری ہر ایک کے دل کی سیرابی
وہ وجد میں ڈوبے لفظوں سے اک کیف کی بارش برسانا
اب نظریں ڈھونڈتی پھرتی ہیں اور کان ترستے رہتے ہیں
وہ شکل، نہ وہ الفاظ، نہ وہ اللہ کے گھر کا دیوانا!
وہ فضل گیا، وہ فیض گیا، وہ بزم گئی، وہ رنگ گیا
تاریخِ وفات اس طرح کہو صَاتِ بخَیرِ مولانَا

۱۳۸۱ھ

تاریخہائے وفات

جناب اختر واصفی نے مبلغ اسلام حضرت مولانا احمد علی کی وفات پر تاریخہائے وفات رقم کی ہیں جنہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

آج کیوں خورد و کلاں مغموم ہیں — کیوں ہے پژمردہ ہر اک دل کی کلی
چلا افسوس وہ عالم کہ تھا — واقفِ اسرارِ مخفی اور جلی!

کہہ دیا اختر نے اس کا سالِ وفات
وائے "خوابِ راحت احمد علی"

کیا ہوا ہے آج ہر برنا و پیر — کس کے دردِ ہجر سے رنجور ہے
ملک و ملت کا خطیب احمد علی — ہوگیا افسوس ہم سے دور ہے

غیب سے آئی ندا اختر کہو
"پاک تن احمد علی مغفور" ہے ۱۹۶۲ء



۱۔ درویش صف مولانا احمد علی۔
۲۔ لوحِ مزار پُرانوارِ طالب رسول مولانا احمد علی۔
۳۔ ہزار داغِ احمد علی۔
۴۔ جائے پاک عابد خدا پرست۔
۵۔ عابد خدا پرست بیابید۔
۶۔ حامی مذہب عالم باعمل مولانا احمد علی۔
۷۔ نیک اوصاف احمد علی گزر گئے۔

۱۹۶۲ء

۱۔ تاریخہائے مرگ نیکو قلب مولانا احمد علی
۲۔ تاریخہائے وصالِ پاک مولانا احمد علی مرحوم
۳۔ موت العالم دین پرست موت العالم



انور صابری حضرت لاہوریؒ کے مزار پر

یہ فضا اللہ کی رحمت میں ڈھلتی جائے گی
خاکِ مرقد سے تری خوشبو نکلتی جائے گی

جو تیرے الفاظ سے روشن ہوئی تھی دہر میں
آندھیوں میں بھی تری وہ شمع جلتی جائے گی

ہر نظر کو کیف تیرے دم سے ملتا جائے گا
روح تیرے سایۂ ایمان میں پلتی جائے گی

جس زمین کو تو نے سینچا ہے اپنے خون سے
وہ زمیں تفسیر کا سونا اگلتی جائے گی

ذہن سے تا عمر جا سکتا نہیں تیرا خیال
یاد تیری حشر تک دل میں مچلتی جائے گی

ربط باہم کے مبلغ، تیرے فیض روح سے
ہند و پاکستان کی دنیا بدلتی جائے گی

حق پرستوں کو محمدؐ سے جو ورثے میں ملی
گردنِ باطل پہ وہ تلوار چلتی جائے گی

قصرِ دین کی تجھ سے جو دیوار مستحکم ہوئی
زلزلوں کی زد میں آکر بھی سنبھلتی جائے گی

ہے یقین انور کو تیرے ذکر کی برکات سے
جو بلا بھی سر پہ آئے گی وہ ٹلتی جائے گی

ڈٹ کر مصائب کا مقابلہ کرنا آخر فتح تمہاری ہوگی

میں نے دس سال حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے قرآن مجید پڑھا اور انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں ساری عمر قرآن میں صرف کروں گا اور اسی کو اپنا نصب العین بناؤں گا۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اس وعدہ کے نبھانے کی توفیق بخشی۔

جوانی سے اب بڑھاپے تک بس یہی مشغلہ رہا اور یہ امانت آپ کے سپرد کر رہا ہوں تاکہ میرے دنیا سے جانے کے بعد بھی یہ سلسلۂ خیر جاری رہے۔ یہ سندیں اسی لئے دی جاتی ہیں کہ اب آپ میں صلاحیت پیدا ہو چکی ہے۔ اب آپ پر قرآن مجید کا گھر گھر پہنچانا ضروری ہو گیا ہے۔ اگر آپ نے اس فریضہ کو ادا نہ کیا تو یاد رکھیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ گرفت فرمائے گا کہ جب تمہیں میں نے قرآن کی سمجھ دی تھی تو تم نے کوتاہی کیوں کی؛ اور لوگوں تک حق کیوں نہ پہنچایا۔

جب آپ دینِ حق کی آواز اٹھائیں گے تو لوگوں کی طرف سے مخالفتیں ہوں گی۔ طعنے دیے جائیں گے۔ تکالیف پہنچیں گی مگر یاد رکھو کہ ڈٹ کر مصائب کا مقابلہ کرنا آخر فتح تمہاری ہوگی باطل دُم دبا کر بھاگے گا۔ میری زندگی تمہارے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کس طرح کامیاب بنایا۔ میرے مقابلہ میں بڑے بڑے آئے مگر سب کو منہ کی کھانی پڑی۔

(آخری دورۂ تفسیر کے طلبہ سے حضرت شیخ التفسیر لاہوریؒ کا خطاب)

شیخ لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ

محب محترم مولوی احمد عبد الرحمٰن صدیقی نوشہرہ کے ارسال کردہ دو انتہائی اہم خطوط ان کے مسودہ "دانائے راز" کے ساتھ نہ لگ سکے جو یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔ یہ خطوط کشمیر کی دو نامور شخصیتوں کے ہیں۔ جن سے حضرت لاہوری قدس سرہ کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے (ادارہ)

مولانا سعید مسعودی اور مولانا احمد علی لاہوری

"وادی نیلم" یا "وادی نیلاب" کے مسعودیوں میں مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، مسعودی مظفر آبادیؒ کے علاوہ ایک اور مشہور قومی شخصیت مولانا سعید محمد سعید مسعودی کی ہے جو ہندوستان کی پہلی پارلیمنٹ کے ممبر رہ چکے ہیں اور ان دنوں گاندھربل کشمیری میں سکونت رکھتے ہیں اور اس وقت کشمیر میں جنتا پارٹی کے صدر رہیں۔ انہوں نے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے بارے میں ذیل کا بیان عنایت فرمایا ہے۔

۷۸۶

بزرگ محترم اور مجاہد آزادی خان غازی کابلی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ۱۹۲۰ء میں جب لاہور میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آیا تو ان دنوں عربی کی تعلیم کیلئے لاہور میں "دارالعلوم نعمانیہ" کے نام سے ایک مشہور مدرسہ تھا جس میں داخلہ تو لے لیا لیکن تجربہ کے بعد احساس ہوا کہ ہم ایک ذہنی قید خانہ میں پھنس گئے ہیں۔ مدرسہ کے چند ایک بزرگ منتظم تھے جو شدید قسم کی بریلویت کا شکار تھے۔ ان دنوں دارالعلوم نعمانیہ میں صدر مدرس مولانا غلام مرشد صاحب تھے اور مدرس دوم مولانا شاہ رسول صاحب ہزاروی تھے۔ ۱۹۲۳ء تک تنگ نظری کے ماحول میں جوں توں کرکے وقت کاٹا۔ اس کے بعد نعمانیہ سے اورنٹیل کالج میں داخلہ لے لیا، جس میں مولانا نجم الدین صاحب

سینئیر پروفیسر تھے جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے شاگردوں میں سے تھے اور پھر سید طلحہ ٹونکی تھے جنہوں نے مولانا سید انور شاہ کشمیری سے فیض حاصل کیا تھا - ادب کے استاد مولانا عبد العزیز میمن راج کوٹی تھے - جن کی وسیع المشربی مسلمات میں سے تھی - یہاں ذہنی آزادی کی جو فضا میسر ہوئی تو متذکرہ بالا بزرگوں کے مشورے سے شیرانوالہ کا رخ کرنے لگے - جہاں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن اور خطباتِ جمعہ سے فائدہ اٹھایا اور یہ سلسلہ ۱۹۲۵ء تک جاری رہا - چونکہ ۱۹۲۴ء میں اورنٹیل کالج سے فراغت حاصل کر لی تھی - اس لیے ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۵ء تک میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے بنا کردہ مدرسہ قاسم العلوم میں فیض حاصل کرنے کے کچھ زیادہ ہی مواقع ملے - ان دنوں اس مدرسہ میں ایک دیوبندی فاضل مولانا شمس الحق افغانی حدیث کا درس دیتے تھے - مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن سے جو وقت بچ جاتا تھا وہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی سے فیض حاصل کرنے میں صرف ہو جایا کرتا تھا - لاہور کے اس زمانے پر پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے - مفصل اور جزوی واقعات کی یادیں ذہن سے اتر گئی ہیں - اتنا ہی یاد پڑتا ہے کہ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن کی وجہ سے شہر کے مختلف طبقات میں قرآن پاک کی اہمیت کا ایک احساس پیدا ہو گیا تھا جو اس سے پہلے نایاب تھا - مولانا کا درسِ قرآن عربی دانوں اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں اور بقدرِ ذوق ہر طبقے میں مقبول تھا اور مولانا احمد علی کی کوششوں کا یہ تاثر پیدا ہوا کہ مولانا غلام مرشد صاحب نے مسجد اندرون بھاٹی دروازہ لاہور میں اور مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب نے مسجد وزیر خاں میں اور اسی طرح کئی دوسرے علماء جو مختلف مدرسۂ خیال سے تعلق رکھتے تھے اپنے یہاں مسجدوں میں درسِ قرآن دینے لگے - درسِ قرآن کا یہ رواج لاہور کی خصوصیات بن کر رہ گیا تھا - لیکن اس کا سہرا ہر مکتب خیال لوگوں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے سر ہی باندھا تھا -

فرمودہ - محمد سعید مسعودی - گاندھی بل - کشمیر

بقلم اسعد رضا خاں - نواسۂ علامہ انور شاہ کشمیری -

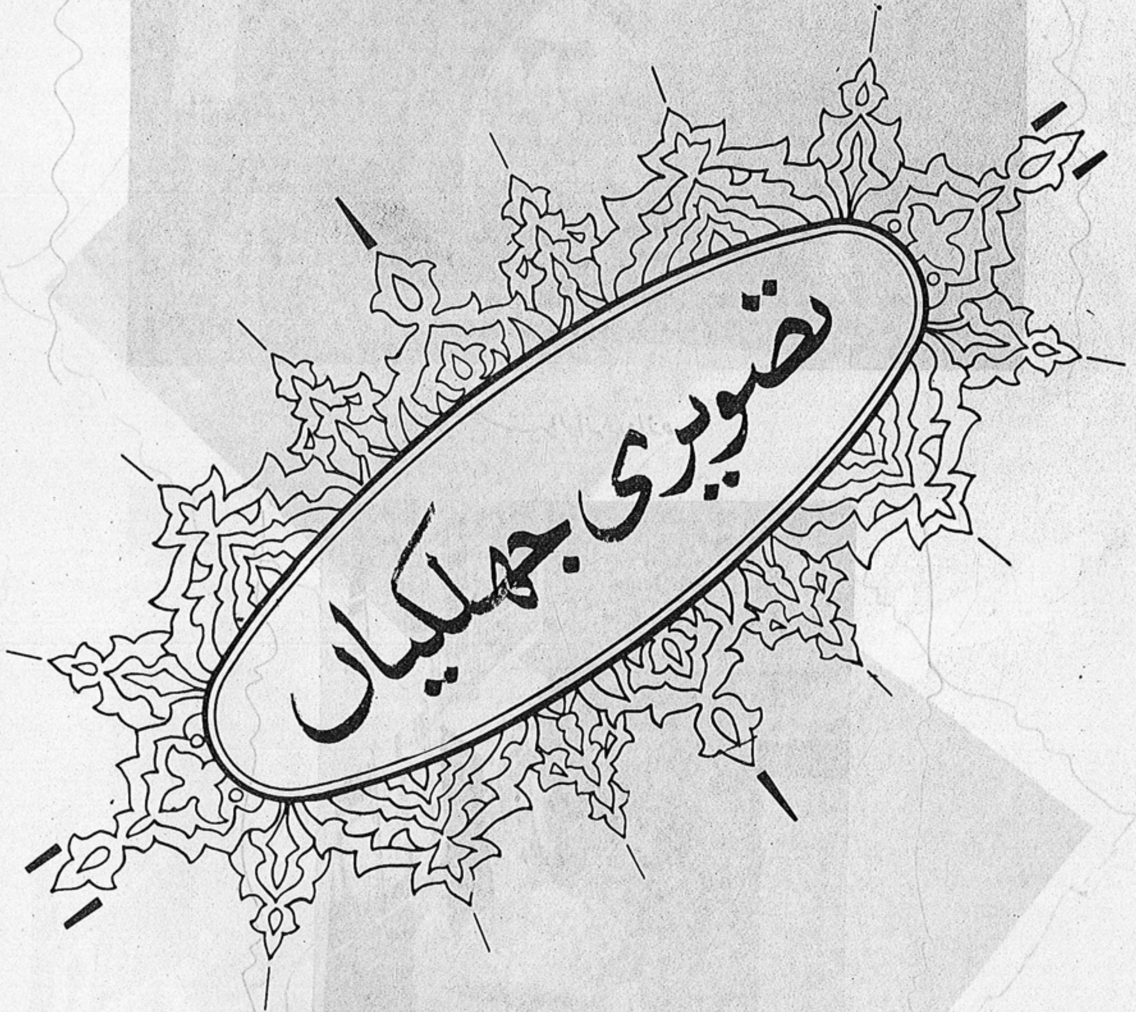
۱۶ / مئی - بمقام ۳۰ - سی - اردن روڈ - دہلی -

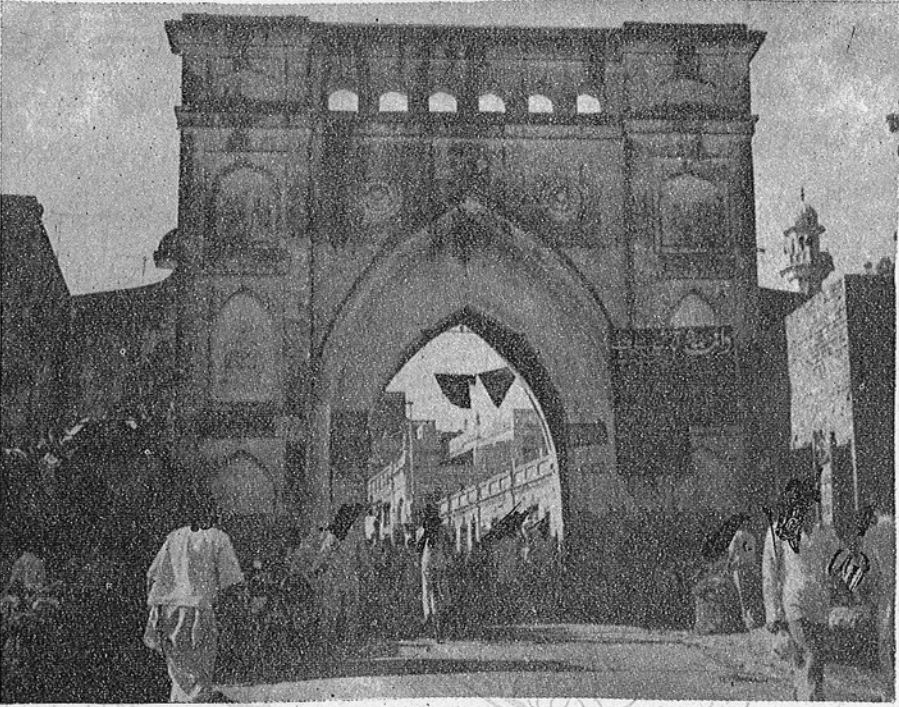
اسعد رضا خاں علامہ انور شاہ مظفر آبادی عرف علامہ کشمیری کے نواسہ ہیں اور مولانا احمد رضا خاں بجنوری کے سب سے چھوٹے فرزند ہیں -

چوہدری محمد شفیع میرپوری کا بیان | چوہدری محمد شفیع بی اے میرپوری سابق ممبر بھارت پارلیمنٹ میرے خط کے جواب میں لکھتے ہیں :

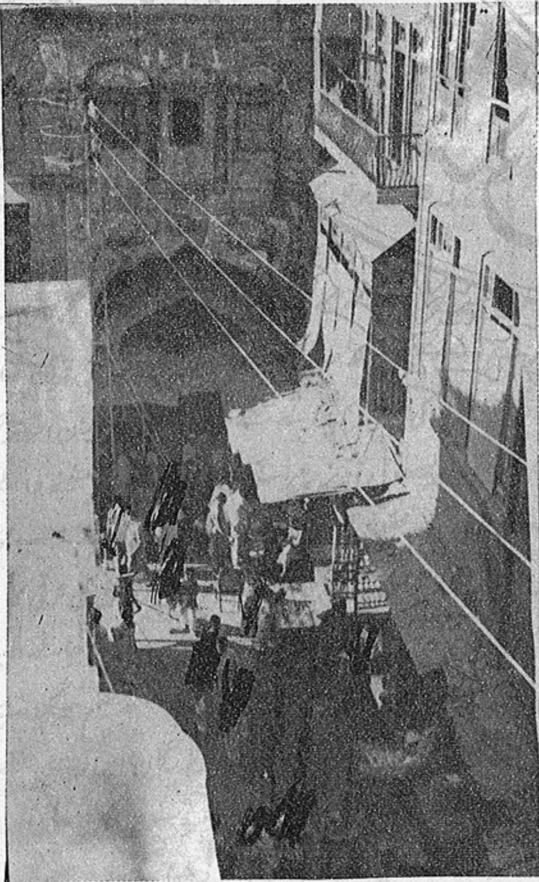
" خان والا شان " میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں مجھے یاد فرمایا ہے - جواب میں مختصر طور پر عرض ہے کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا درسِ قرآن نہایت ہی بصیرت افروز ہوا کرتا تھا اور علاوہ ترجمہ کے جب وہ کسی آیت کی تفسیر کیا کرتے تھے تو نہایت ہی ایمان افروز نکات بیان کیا کرتے تھے - اور دین و دنیا دونوں کے مسائل ایسے دل آویز پیرائے میں بیان کرتے کہ سننے والے عش عش کرتے تھے - میں نے ان کے درسِ قرآن کے مخالفوں اور عقیدت مندوں دونوں کو دیکھا ہے - سب کو یہ کہتے سنا ہے کہ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا درسِ قرآن گمراہوں کو صراطِ مستقیم دکھاتا ہے اور اہلِ ایمان کی ترقی کا باعث ہوا کرتا ہے - میں نے آزادی اور مذہب کا عشق ان کے درسِ قرآن سے حاصل کیا ہے - خدا جانے ان کے بعد ان کے میرِ کارواں اور شاگردوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا ہے یا اب ان کی وفات کے ساتھ ختم ہو گیا ہے - اگر ختم ہو گیا تو یہ بے حد افسوس اور شرم کی بات ہے - میں جب کبھی میرپور سے لاہور بزرگانِ احرار سے ملنے جایا کرتا تھا - تو شیرانوالہ دروازہ میں جا کر حضرت مولانا احمد علی صاحب کے درس میں ضرور شریک ہوا کرتا تھا - اور میں نے بچشمِ خود ان کے درسِ قرآن میں ہر دیار اور شہر کے تشنگانِ علم دین کو بیٹھے دیکھا ہے -

آپ کا محمد شفیع - جامع مسجد پارلیمنٹ - نئی دہلی - ۱۹ / مئی ۱۹۷۸ء


تصویری جھلکیاں



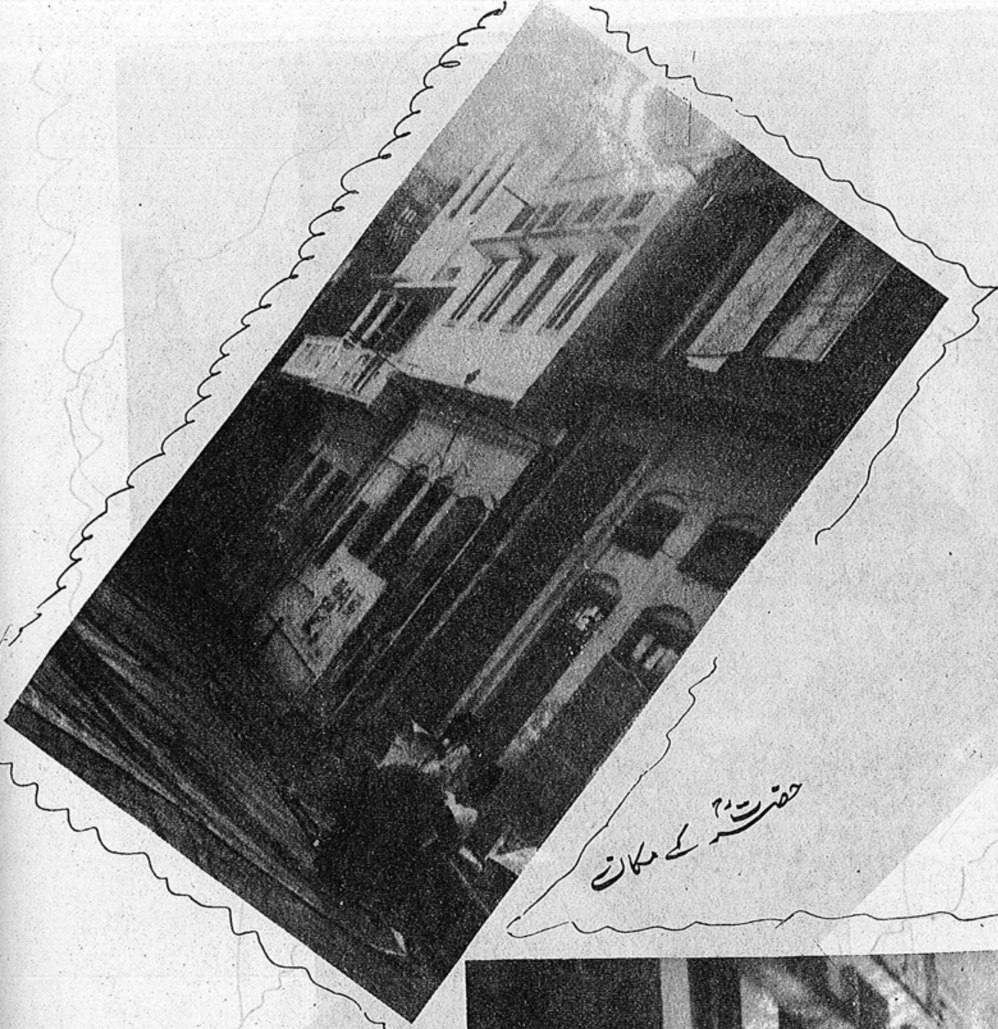
شیرانوالہ دروازہ

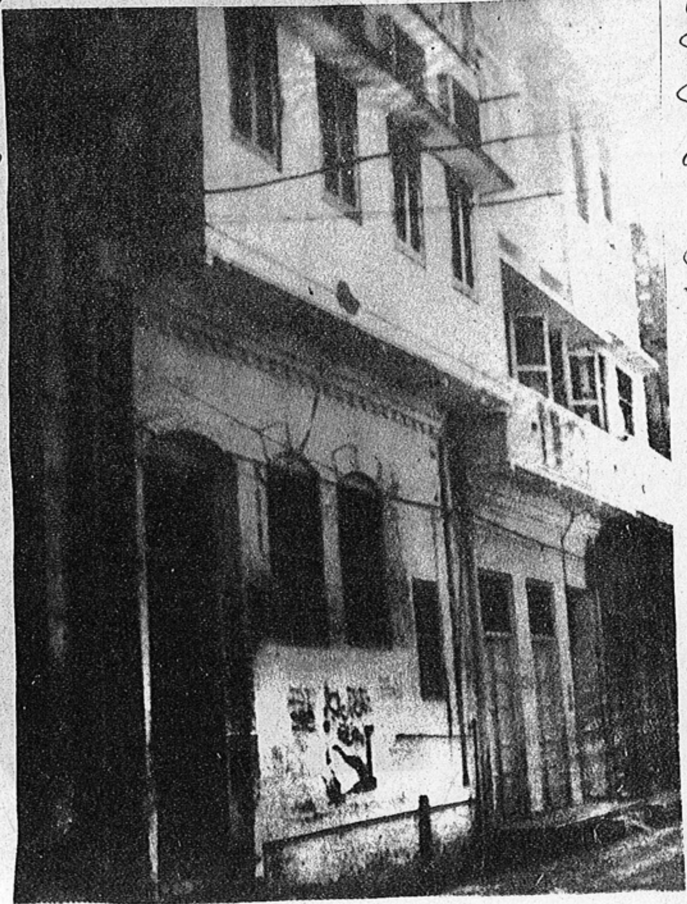


شیرانوالہ بازار کا ایک منظر

مدرسہ قاسم العلوم کے قریب بازار کا منظر

مولانا احمد علیؒ سٹریٹ کی ابتدائی نکڑ



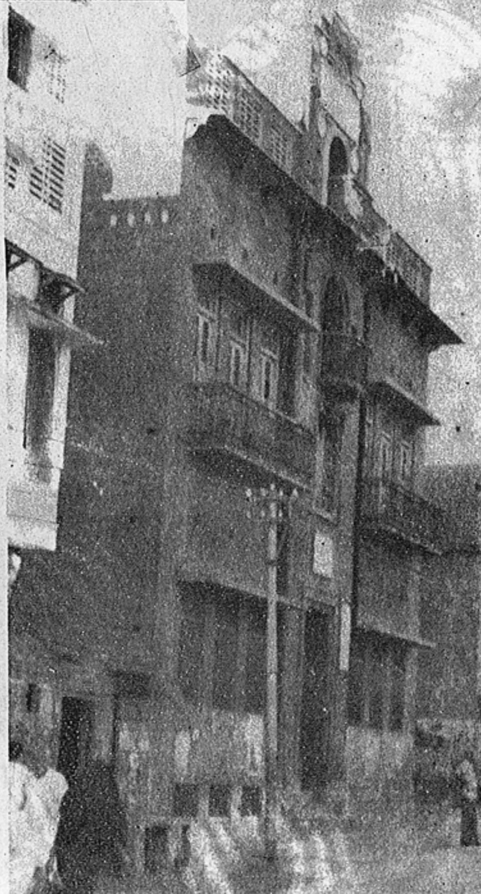


حضرتؒ کے مکان کے دو مناظر

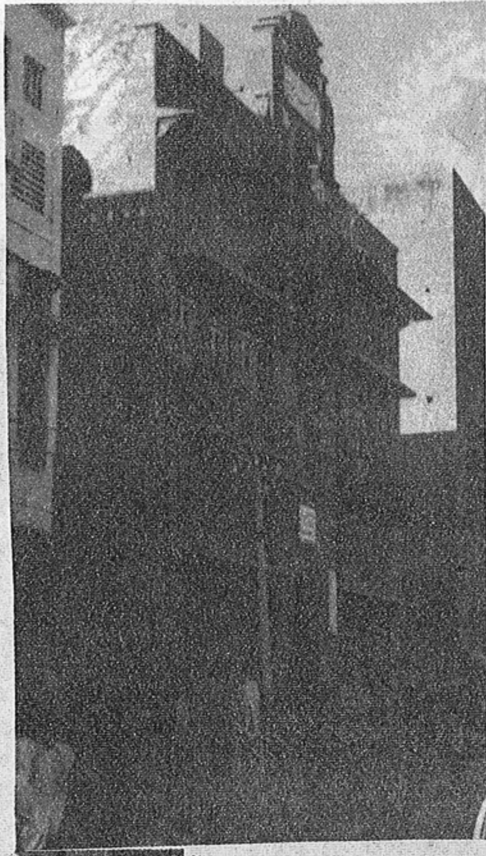




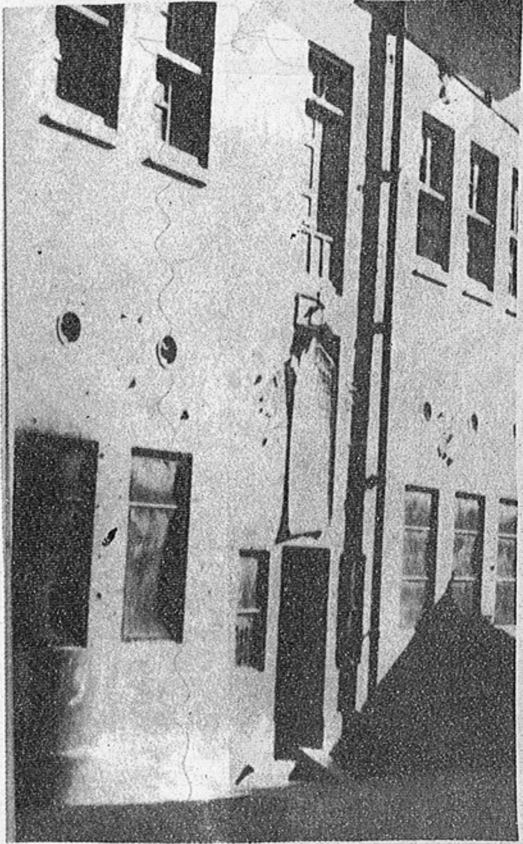
مین گیٹ ــــــ مدرسہ قاسم العلوم



مدرسہ قاسم العلوم
ایک پہلو زاویہ

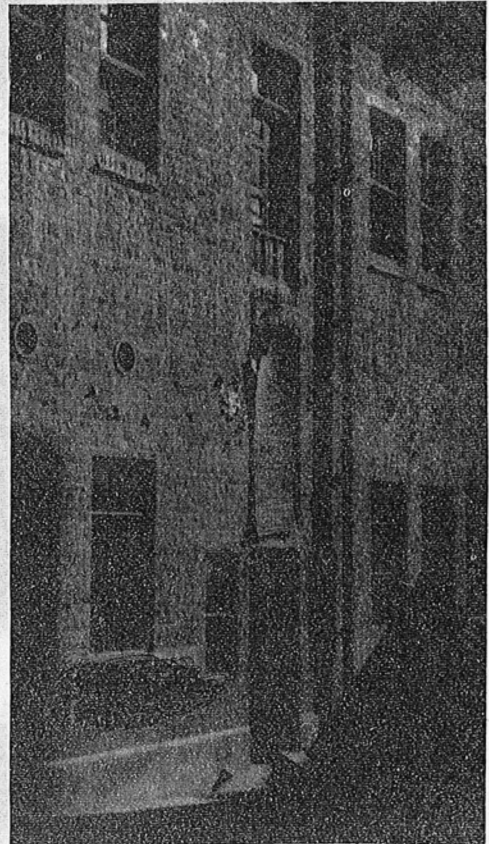


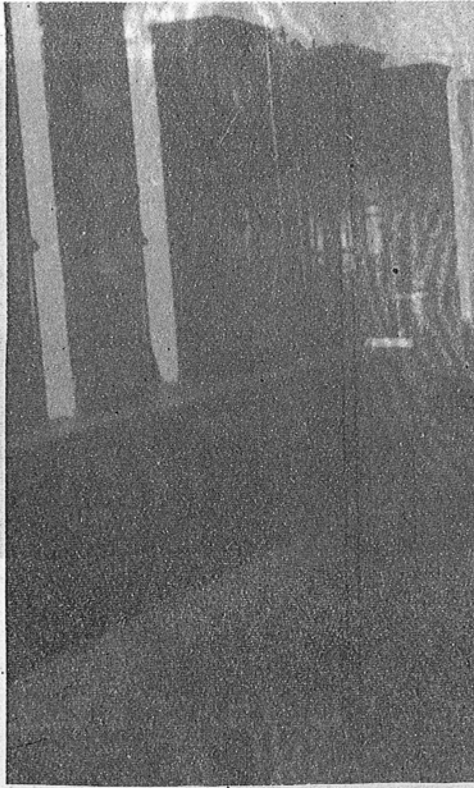
قاسم العلوم



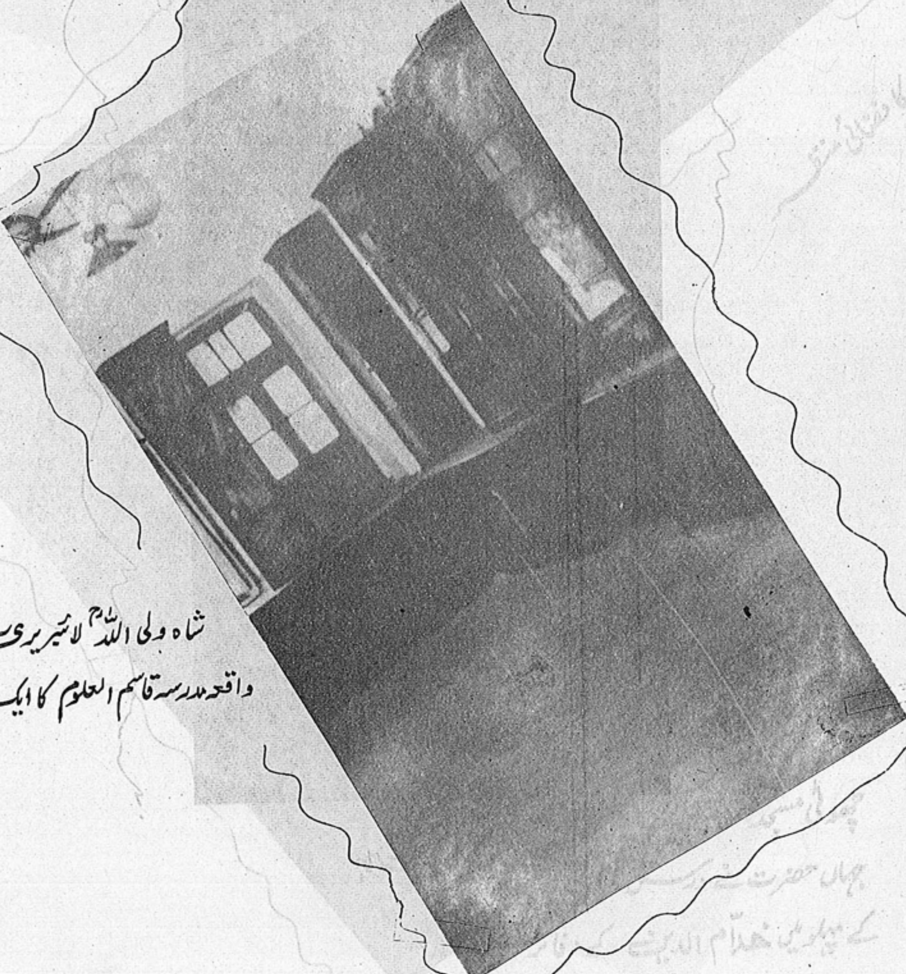
عقبی حصہ

قاسم العلوم کا عقبی حصہ

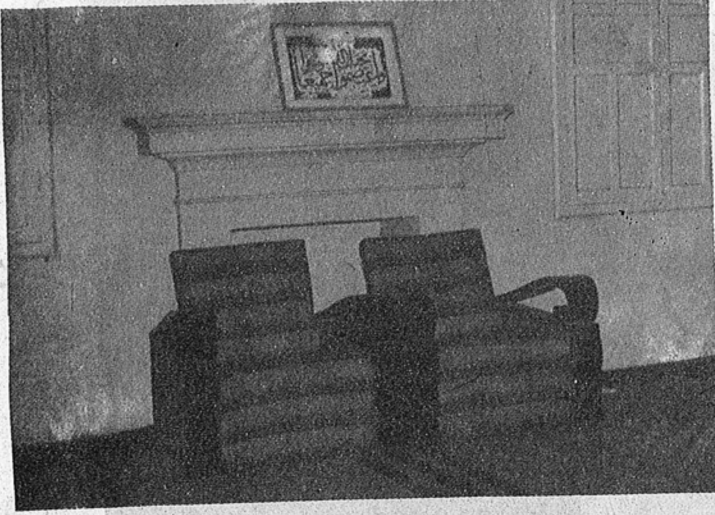




لائبریری کا ایک منظر



شاہ ولی اللہؒ لائبریری
واقعہ مدرسہ قاسم العلوم کا ایک منظر



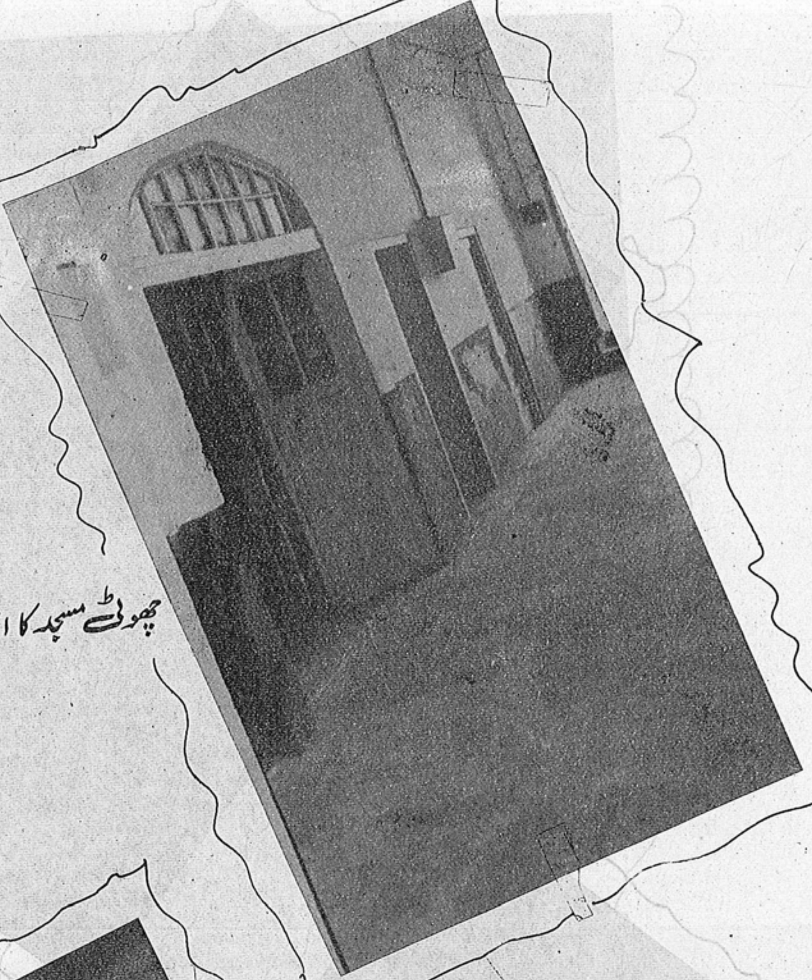
حضرتؒ کے ذاتی مہمان خانہ کی نشست گاہ



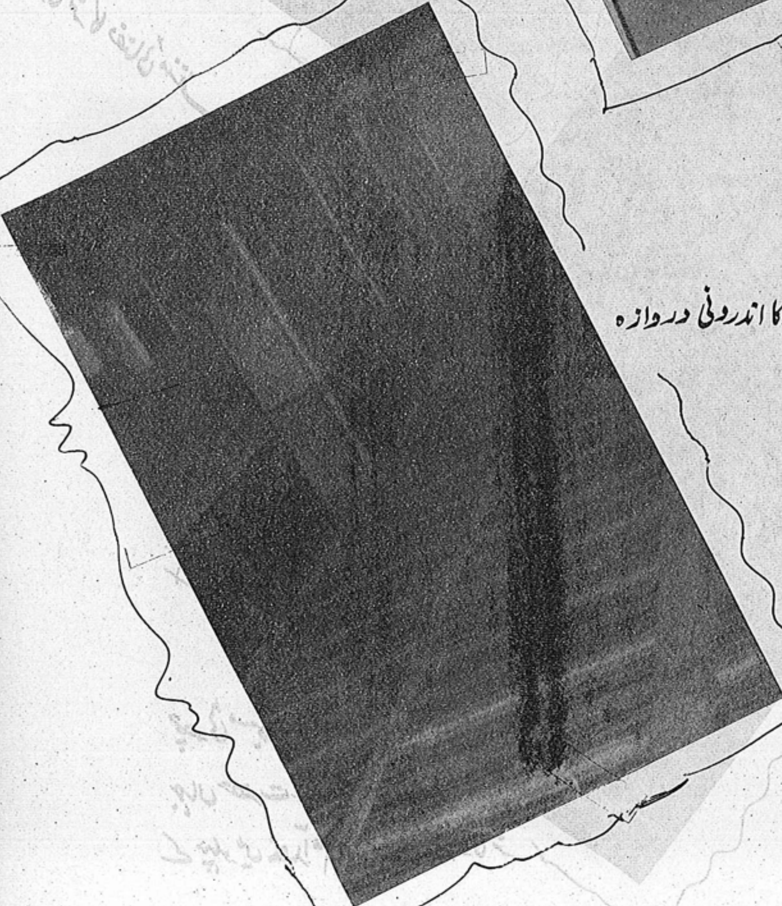
مہمان خانہ کا ایک حصہ

دفاتر کا فضائی منظر

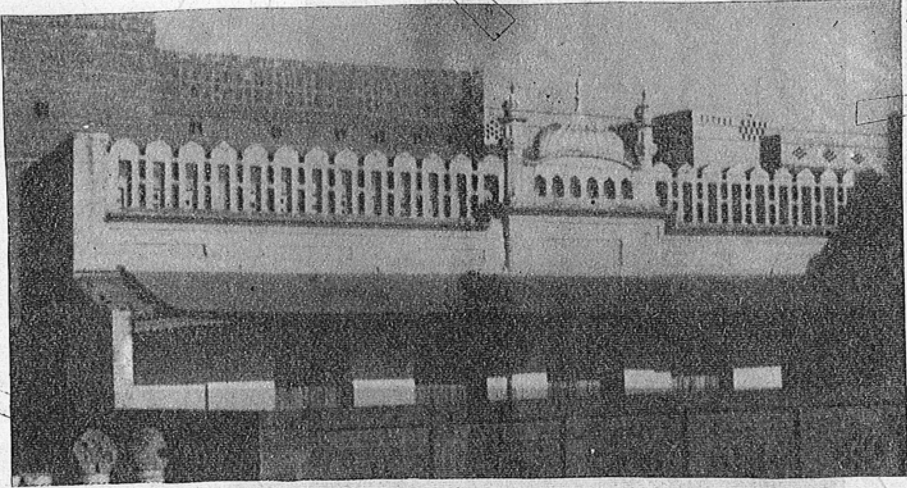
چھوٹی مسجد ——
جہاں حضرت نے درس دیا،
کے پہلو میں خدام الدین کے دفاتر



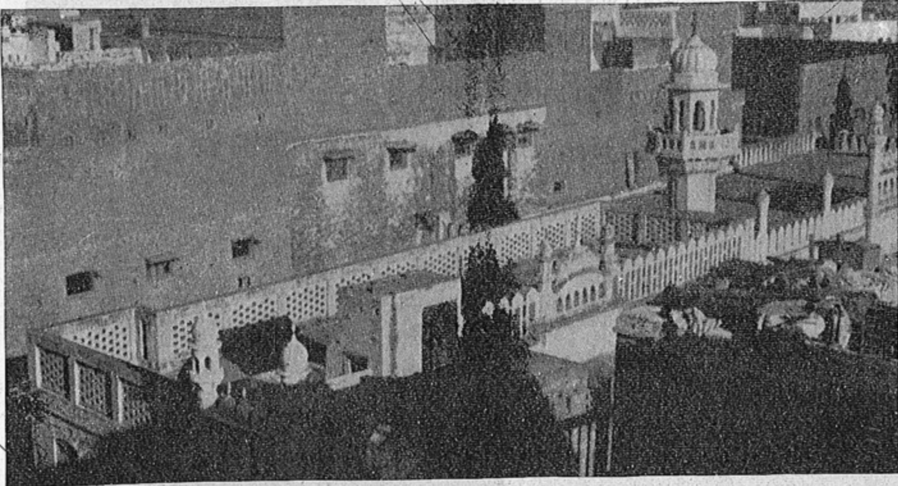
چھوٹی مسجد کا اندرونی منظر



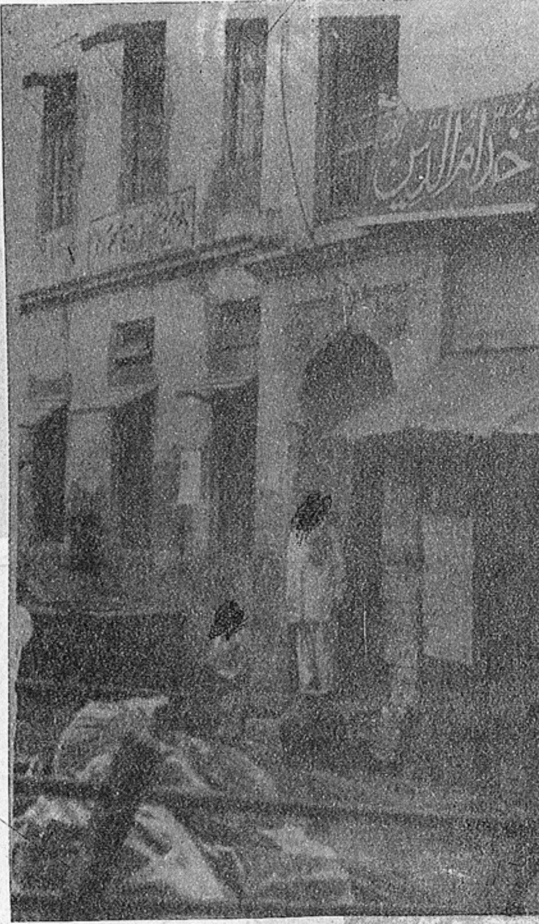
چھوٹی مسجد کا اندرونی دروازہ



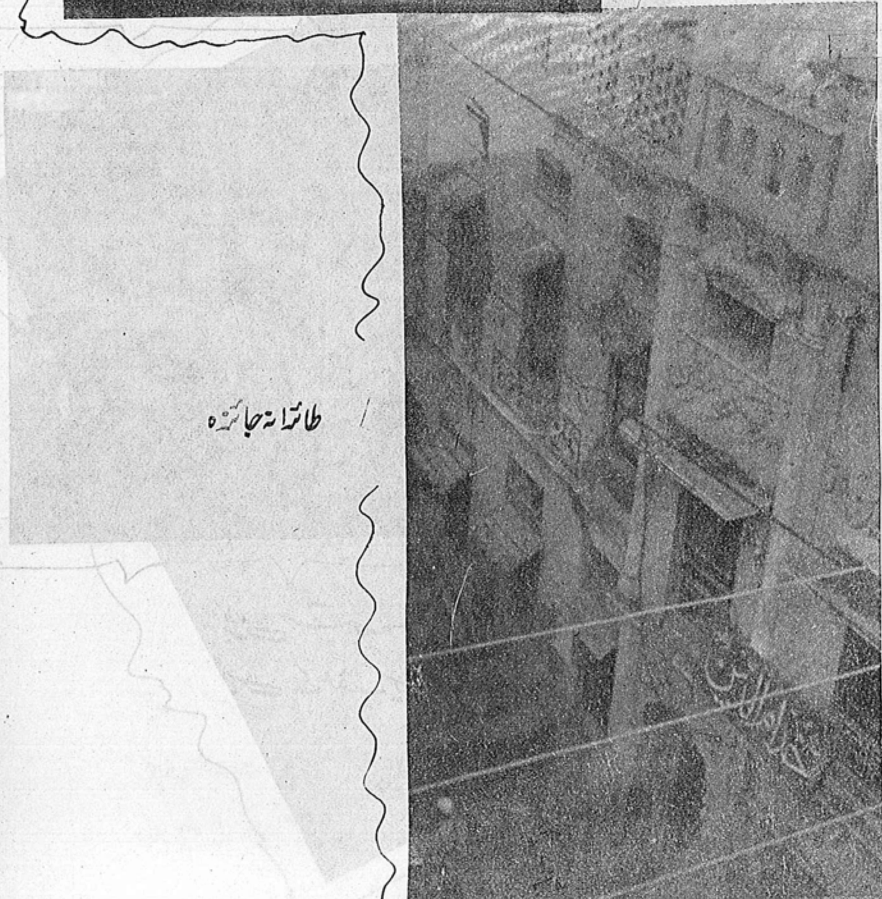
چھوٹی مسجد کا بالائی حصّہ
جس کی تعمیر مستورات کے چندہ سے ہوئی



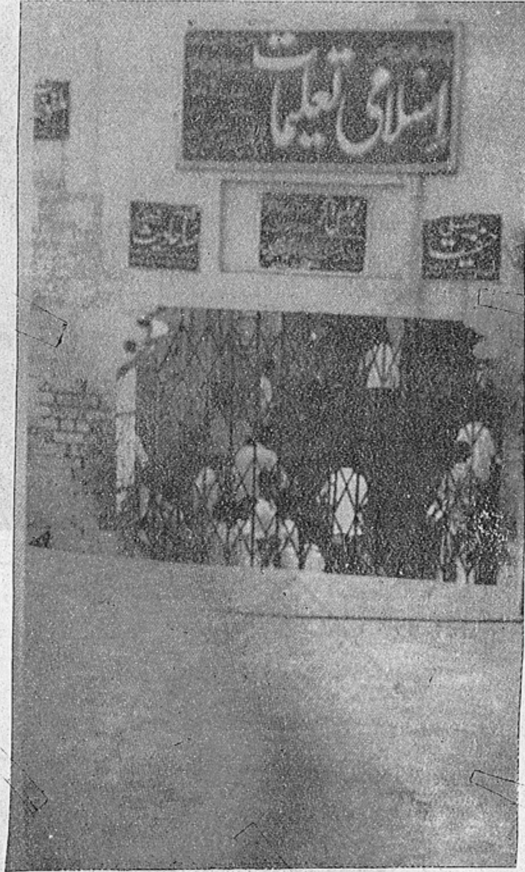
بڑی مسجد
جس کے عقب میں مدرسۃ البنات نظر آ رہا ہے!



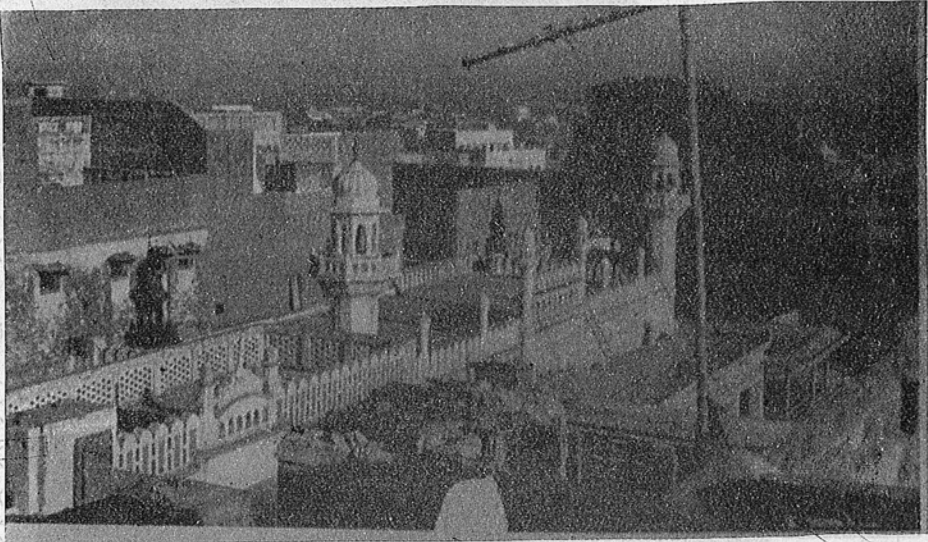
انجمن کے دفاتر



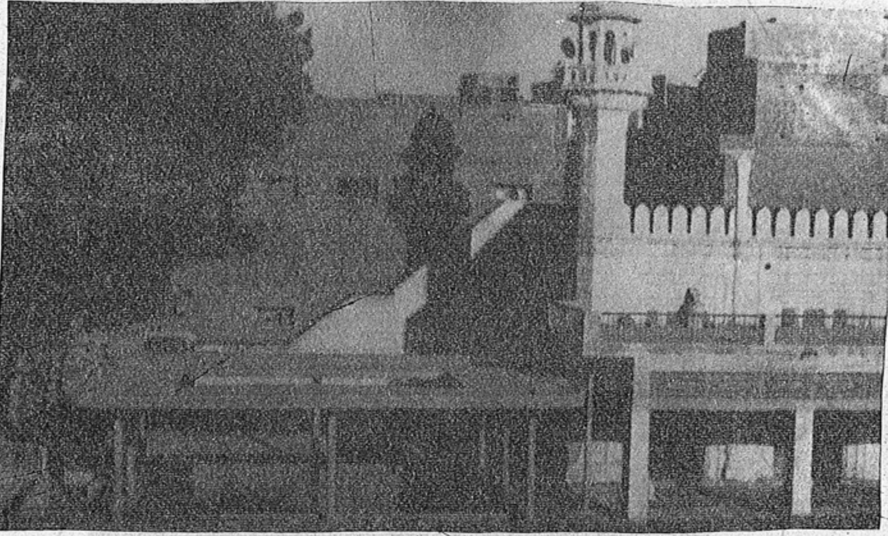
طائرانہ جائزہ

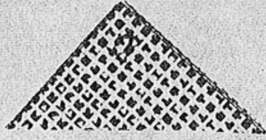


مین گیٹ ـــــ بڑی مسجد کا اندرونی منظر

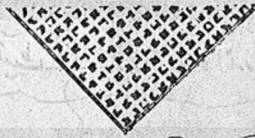


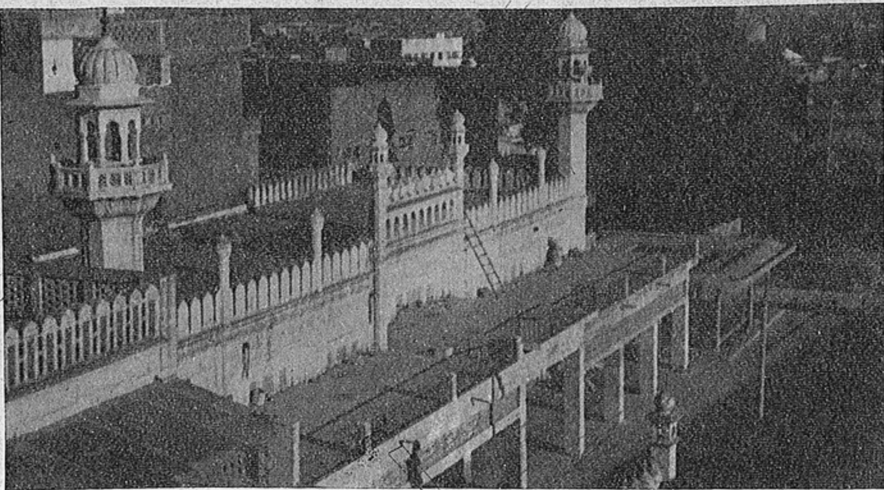
بڑی مسجد کا فضائی جائزہ

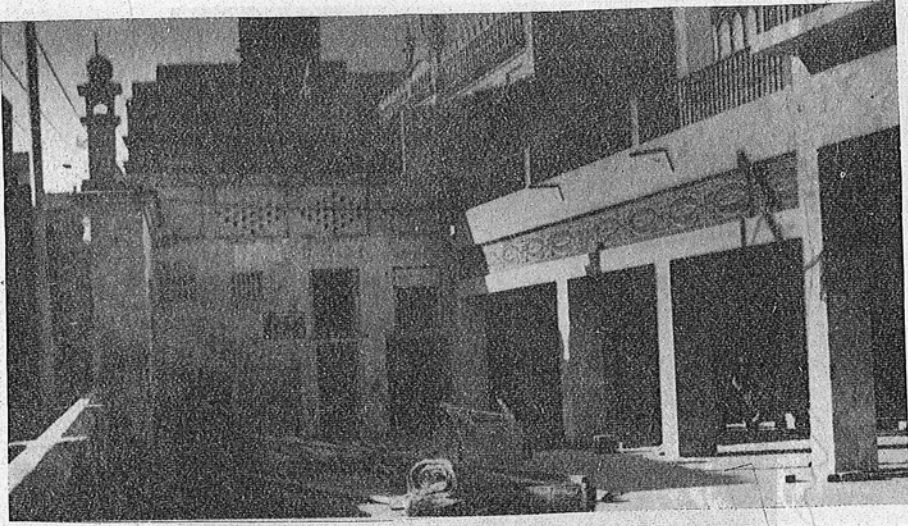




بڑی مسجد ــــــ دو مختلف مناظر



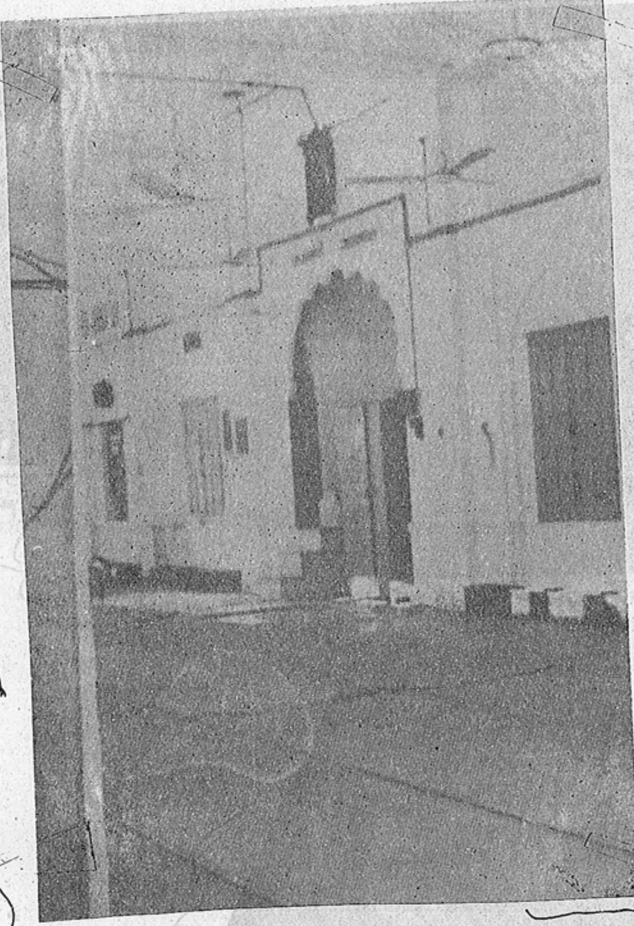




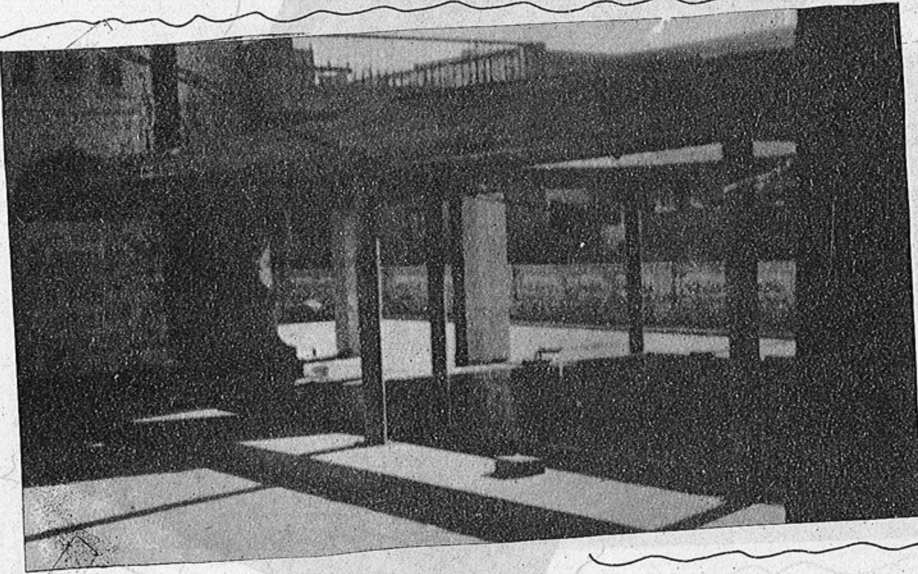
برآمدہ اور بائیں جانب چھوٹی مسجد کا ایک منظر



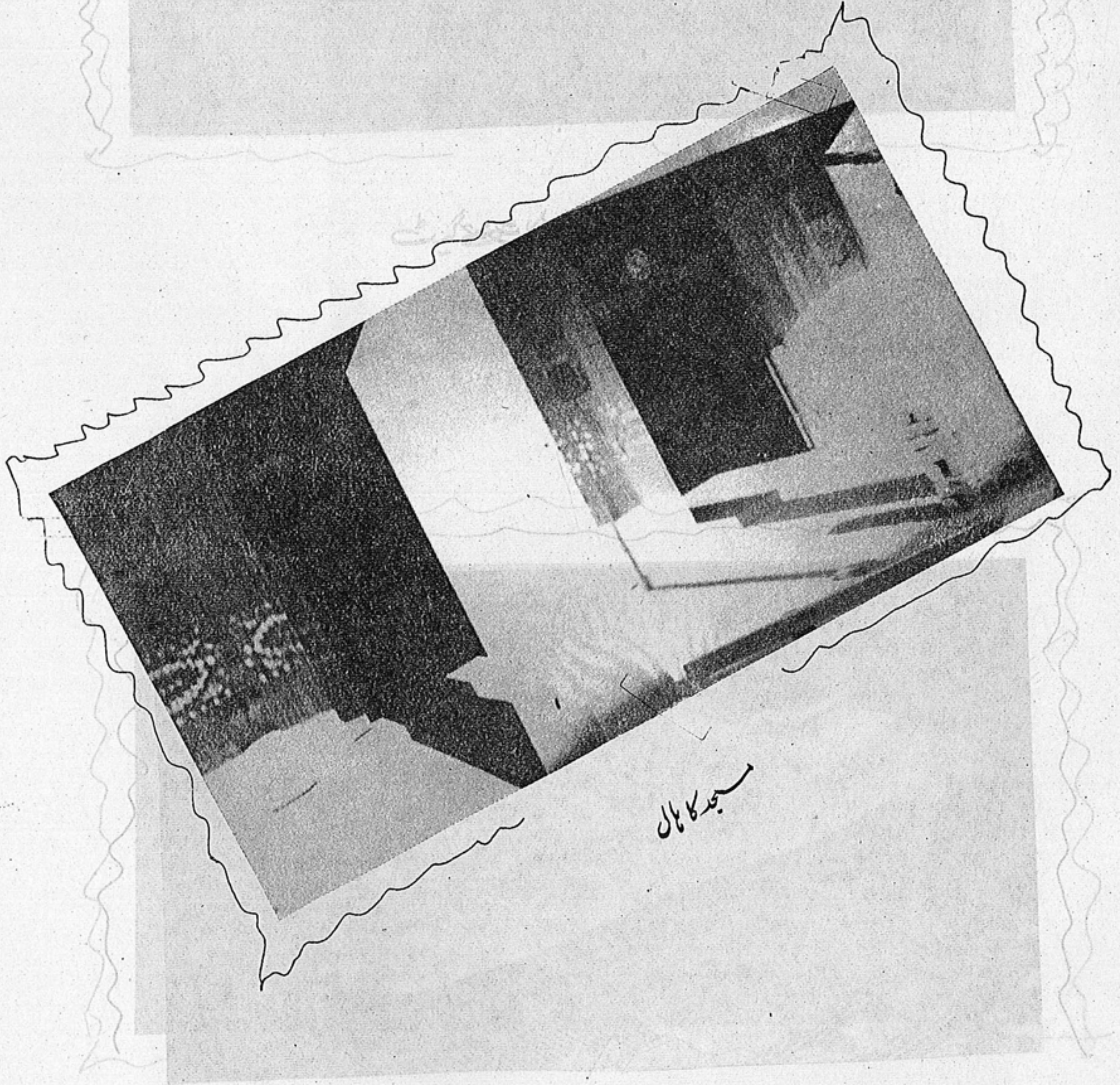
ھال کا ایک منظر



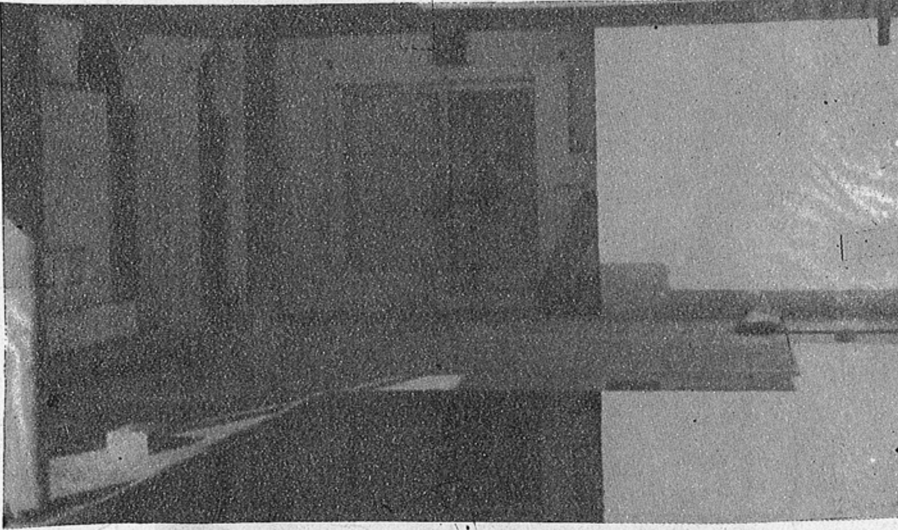
مسجد کے بڑے ہال کی محراب



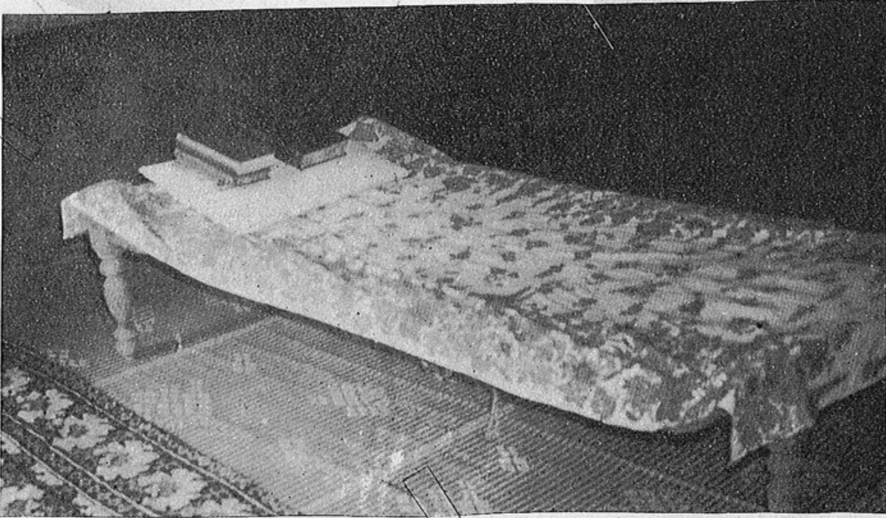
وضو گاہ اور تالاب



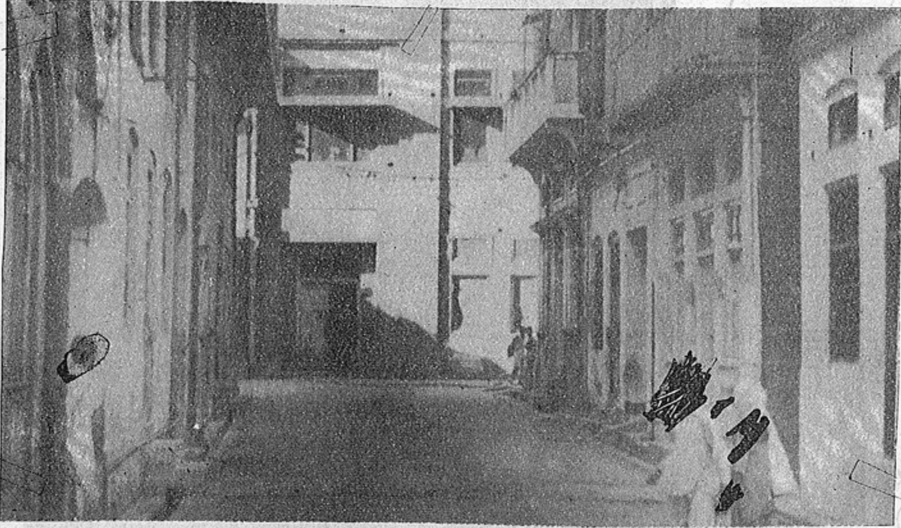
مسجد کا ہال



حضرتؒ کے حجرہ کا ایک منظر



حجرہ کا اندرونی منظر ــــــ چارپائی نظر آرہی ہے ۔



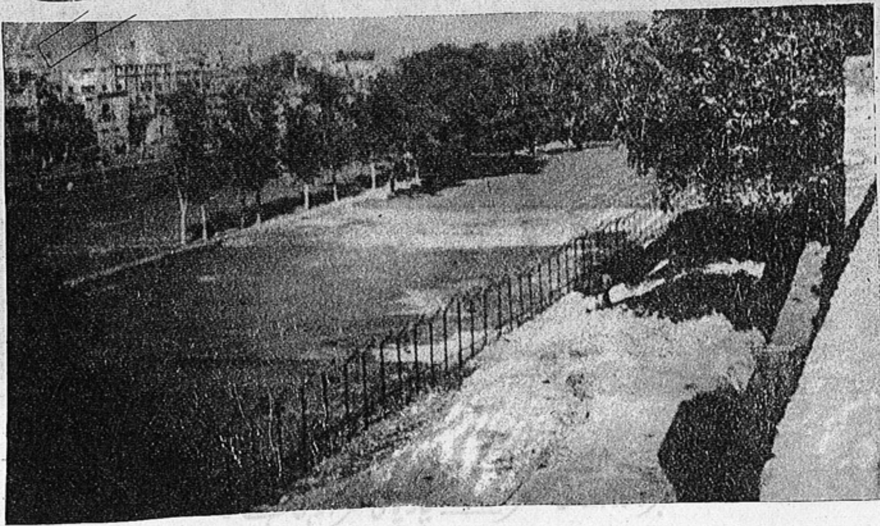
مدرسۃ البنات کا مین گیٹ



مدرسۃ البنات



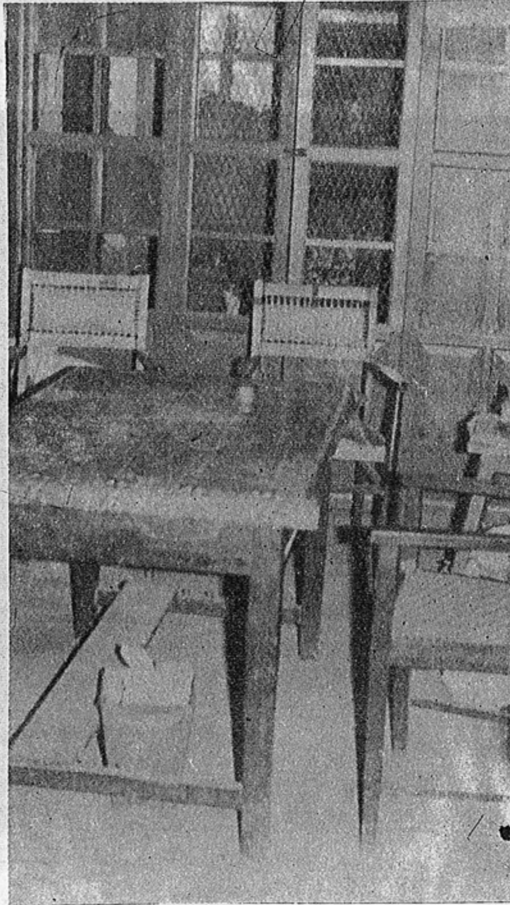
مدرسۃ البنات کا اندرونی منظر



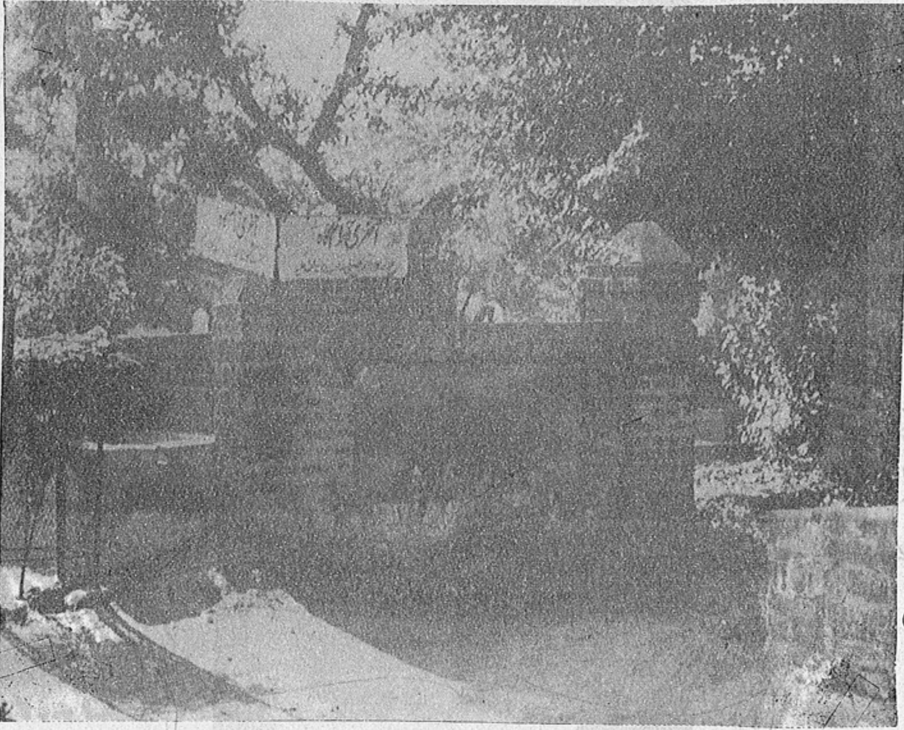
مدرسۃ البنات کے عقب میں واقع شیرانوالہ باغ کا ایک منظر



چھوٹی مسجد کا ایک پہلو، جس میں مکتبہ خدام الدین واقع ہے



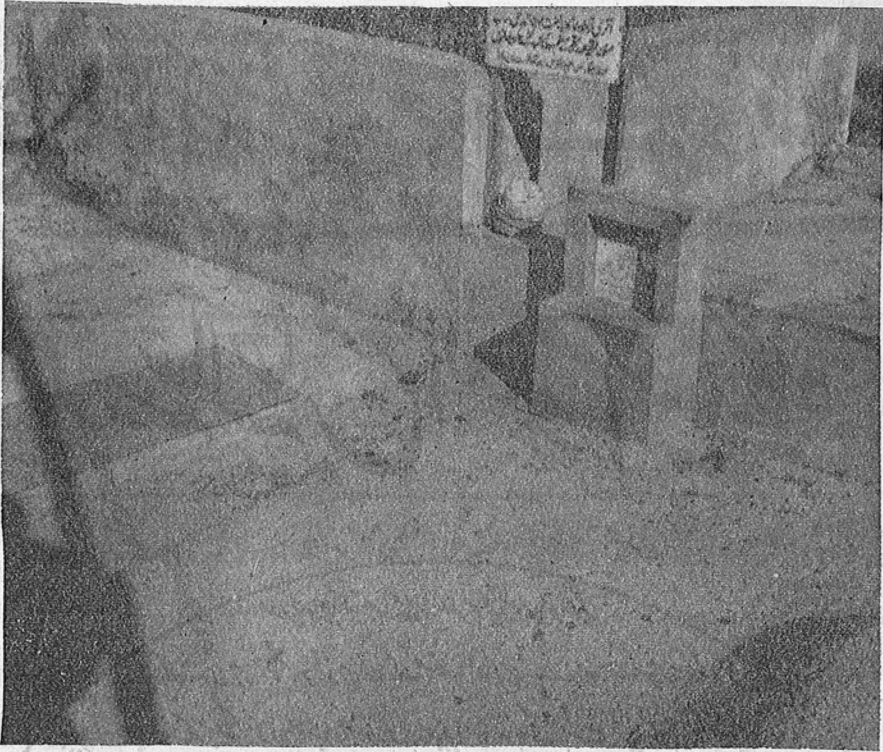
خدام الدین کا دفتر
اندرونی حصہ



حضرتؒ کے مزارِ اقدس کو جاتے والا راستہ



مزار شریف کا ایک طائرانہ جائزہ



آخری آرام گاہ



آخری آرام گاہ کا ایک منظر

ضلع بہاولنگر کی مشہور و معروف دینی درسگاہ

مدرسہ عالیہ جامع العلوم عیدگاہ

مدرسہ عالیہ جامع العلوم عیدگاہ بہاولنگر

پاکستان میں علوم و فنون کا ایک منفرد ادارہ ہے اس مدرسہ میں ملک و بیرون ملک کے سینکڑوں طلباء مستند و جیّد اساتذہ کرام سے زیور علوم نبویہ سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ شعبہ حفظ القرآن والتجوید دارالافتاء اور دیگر شعبے قائم ہیں جن میں فارسی صرف و نحو سے لے کر دورۂ حدیث تک تعلیم کے علاوہ منطق اور فلسفہ اقلیدس علم وراثت اور علم تفسیر خصوصی توجہ کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں طلباءِ جامع العلوم کے مصارف قیام و طعام و درسی کتب ادویہ وغیرہ کا خود کفیل ہے جامع العلوم کے جملہ تنظیمی و تعمیری اخراجات درد دل رکھنے والے اہل خیر مسلمانوں کے تعاون سے پورے ہوتے ہیں۔ مدرسہ جامع العلوم کے انتظامات کی نگرانی ایک با اختیار مجلس شوریٰ کے سپرد ہے۔ اس قلیل عرصہ میں سینکڑوں طلباء فارغ ہو کر ملک اور بیرون ملک مختلف دینی تبلیغی و ملّی مشاغل میں مصروف ہیں۔ لہٰذا مخلصانہ گذارش ہے کہ اس دینی انحطاط کے دور میں جبکہ مغربیت اور لادینیت کے سیلاب نے پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے مدرسہ جامع العلوم کو زیادہ سے زیادہ زکوٰۃ خیرات صدقات و چرم ہائے قربانی کی امداد سے نواز کر اس دینی قلعہ کے استحکام اور ترقی کا باعث بنیں۔ خود بھی اور اپنے حلقۂ رسوخ میں بھی اس گلستان نبویؐ کی آبیاری میں شریک ہو کر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔



ادارہ کو دئے جانے والے عطیات انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں

منجانب

مولانا نیاز محمد صاحب } مہتمم مدرسہ عالیہ جامع العلوم عیدگاہ بہاولنگر

مدرسہ عربیہ خیر العلوم رجسٹرڈ خیر پور ٹامیوالی ضلع بہاولپور

○ سابق ریاست بہاولپور کا قدیم ترین تعلیمی ادارہ ہے۔

○ خیر پور ٹامیوالی کے مشہور دینی و علمی بزرگ حضرت سید غلام محی الدین شاہ صاحب ہمدانی رحمۃ اللہ اور ملک کے عظیم عالم دین حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ نے اس مدرسہ کا سنگِ بنیاد ۱۹۳۵ء میں رکھا۔

○ اس وقت مدرسہ کے سرپرست حضرت سید عباس علی شاہ صاحب ہمدانی اور مہتمم حضرت مولانا سید محمد منظور الحسن شاہ صاحب ہمدانی ہیں جبکہ مدرسہ کے تعلیمی اور انتظامی امور میں بہاولپور ڈویژن کی مشہور علمی شخصیت حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب کی سرپرستی مدرسہ کو حاصل ہے۔

○ مدرسہ میں اس وقت درجہ حفظ القرآن و ناظرہ اور ابتدائی کتب عربی و فارسی کے درجات میں تعلیم ہو رہی ہے۔ درجہ حفظ میں ۵ - درجہ ناظرہ میں ایک اور درجہ کتب میں ایک استاد تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

○ مدرسہ میں تعلیم پانے والے طلبہ کی تعداد ۱۷۵ ہے جن میں سے ۷۰ کے قریب طلبہ ایسے ہیں جن کے قیام و طعام، لباس و کتب وغیرہ کا مدرسہ کفیل ہے

○ مدرسہ کے تمام اخراجات عوامی عطیات سے پورے ہوتے ہیں۔

○ مدرسہ کی اہم ضروریات میں تقریباً ۳۰۰ من گندم سالانہ کا خرچ ہے۔ اس کے علاوہ کتب خانہ میں موجود تقریباً ۳۰۰۰ کتب کی جلد بندی اور جدید کتب کی خریداری ہے۔

المشتہر

سیّد محمد یحییٰ، نائب ناظم مدرسہ عربیہ خیر العلوم خیر پور ٹامیوالی ضلع بہاولپور

حضرت لاہوریؒ

معالج روحانی

مولانا ظفر احمد قاسم، مدرس دار العلوم عید گاہ، کبیر والہ۔ ضلع ملتان

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ او کما قال علیہ السلام

شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا جب نام مبارک آتا ہے تو ایک عظیم جامع شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے، جو بیک وقت تفسیرِ قرآن کے جواہر ہیں، رازیؒ وقت ہیں، تشریح حدیث میں علامہ ابن حجرؒ و ملا علی قاریؒ کا عکس ہیں۔ روحانی علاج میں غزالیؒ عصر، ملکی و ملی ہمدردی میں صاحب کردار، عزم و ثبات میں ہمالیہ، پاکی و صفائی میں آبِ زمزم، رفعت و بلندی میں آسمانی ہدایت، فکری روانی میں دریا، وسعتِ علم میں سمندر، لذت کلامی میں شہد، شگفتگیٔ مزاج میں پھول، عقدہ کشائی میں حکیم العصر ہیں۔ میرے جیسا فقط گفتار کا شیفتہ اس عظیم کردار کے غازی پر کیا کچھ عرض کرے۔ تاہم محبت و عقیدت اپنے اظہار میں ذرائع و اسباب کے فقدان کو رکاوٹ نہیں سمجھتی۔ اس پر تو کوئی صاحب قلم مجاہد ہی لکھے گا کہ حضرت شیخ نے اس ملک پاکستان میں مقامِ نبوت، کلامِ نبوت اور نظامِ نبوت کے تحفظ کے لیے کون کون سی قربانیاں دیں۔

مقامِ نبوت کے تحفظ کے لیے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ملک کی مختلف جیلوں خصوصاً ملتان کی جیل کے در و دیوار سے شہادت لی جا سکتی ہے۔ کلامِ نبوت کے تحفظ کے لیے کون نہیں جانتا کہ جب فتنہ انکارِ حدیث نے سر اٹھایا اور غلام احمد پرویز نے اپنے عقائد فاسدہ کو ملتِ اسلامیہ میں ذہنی انتشار پیدا کرنے کے لیے پھیلانا چاہا تو ملک میں سب سے پہلی اٹھنے والی آواز حضرت لاہوریؒ کی تھی کہ حجیتِ حدیث کا منکر منکرِ حدیث ہے اور منکرِ حدیث منکرِ قرآن ہے اور منکرِ قرآن، کافر ہے۔

اس شیرِ خدا کا گرجنا تھا کہ یہی آواز مسلمانانِ پاکستان کا نعرہ بن گئی تا آنکہ ملتِ اسلامیہ کے نمائندہ علمائے کرام نے غلام احمد پرویز کو متفقہ طور پر کافر قرار دیا۔

نظامِ نبوت کے نفاذ کے لیے خلافت کے پُر جلال ایوان سطوت کے مکینوں سے پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ کونسا مردِ فقیر تھا کہ جذبۂ ایمان سے مملو خطابات کے ولولہ انگیز دھاکوں سے ایوانہائے سلطنت کانپ اٹھتے تھے اور مکینوں کے قلوبِ قاسیہ کی سنگلاخ وادیاں دہل جاتی تھیں۔

عنوان کی مناسبت سے ایک چشم دید واقعہ عرض کرنا ہے۔ غالباً جون ۱۹۵۹ء میں حضرت شیخ لاہوریؒ کی کبیر والا، مملال اور ہمارے گاؤں کرم پور میں تشریف آوری کا غلغلہ بلند ہوتا ہے۔ غائبانہ عقیدت کی بناء پر جذبات میں تلاطم پیدا ہوتا ہے۔ اپنے گنبدِ دستار کی تعمیر کیلئے خانۂ شرع کی دیواروں کو نقب لگانے والے، ہوا پرستوں، اہلِ زیغ و بدعت کے حلقوں میں پریشانی کے بادل چھا جاتے ہیں۔ بدعت و ضلال کے پرستاروں کی جانب سے پروپیگنڈا ہو رہا ہے کہ اولیاء کرام کو نہ ماننے والے آ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ دن آ گیا، سخت گرمی کے ایام ہیں تاہم ایمان کے موسم میں بہار ہے، گرمی کی تپش سے دنیوی پھول کملائے و مرجھائے ہوئے ہیں لیکن قلبی و اعتقادی چمنستان کے پھول کھل رہے ہیں۔ انسانوں کا سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے، موافق تو پروانہ وار جمع تھے ہی مخالف بھی روحانی کیفیات کا تماشہ دیکھنے کے لیے جمع ہیں۔ ہلکے سبز رنگ کی لمبی سی کار میں ایک شخصیت سوار ہے۔ آنکھوں میں ایمان کا نور، چہرے پہ شرافت کا عکس، سینہ میں محبت کی آئینہ بندی ہے ارد گرد حضرت مولانا حق نواز صاحب رحمتہ اللہ علیہ (حضرتؒ کے شاگرد اور اس پروگرام کے داعی) اور حضرت مولانا محمد حیات صاحبؒ خانیوال والے جمع ہیں۔ مخلوق دیوانہ وار مصافحہ کیلئے مصروف ہے۔ مردِ قلندر سنتِ نبوی پر عمل کرتے ہوئے تبسم کناں ہیں، ہلکی سی مسکراہٹ نجانے کتنے دلوں کیلئے کشش کا باعث ہے۔ احقر بھی شیشم کے درخت کے نیچے حضرت والدِ محترمؒ کے ساتھ کھڑا ہے کہ اچانک چند اہلِ بدعت آگے بڑھتے ہیں اور نگاہِ تجسس و عنوانِ امتحان سے کہتے ہیں کہ دیکھیے "ہم نے سنا ہے کہ ولی اللہ وہ ہوتا ہے کہ جب سو رہا ہو اور اس کے قریب درود شریف آہستہ سے پڑھا جائے تو وہ اٹھ بیٹھتا ہے" لہٰذا آج ہم تمہارے پیر و مرشد کا امتحان لیں گے۔

میرا تو سر چکرا گیا کہ یا اللہ یہ کونسا معیارِ ولایت ہے، خدایا لاج رکھنا، ان بے اصولوں اور ظاہر بینوں کو کیا جواب دیں۔ اتنے میں حضرت لاہوریؒ مصافحہ سے فارغ ہو کر ایک کنوئیں کے قریب شیشم کے درختوں کے نیچے آرام کرنے کا فرماتے ہیں۔ چارپائی و بستر بچھ جاتا ہے۔ احقر سمیت چند افراد حضرتؒ کے جسم کو راحت پہنچانے کے لیے دستی پنکھے ہلا رہے ہیں۔ حضرتؒ گہری نیند میں ہیں۔ اچانک وہی چند حضرات آ جاتے ہیں۔ میرے جسم میں کپکپاہٹ سی پیدا ہو جاتی ہے۔ یا اللہ یہ کیا بنے گا۔ میں پریشانی میں پسینہ پسینہ ہوتا جا رہا تھا کہ اچانک حضرت لاہوریؒ اٹھ بیٹھتے ہیں اور فوراً فرماتے ہیں کہ بھائی درود شریف کو ادب و احترام سے با وضو پڑھنا چاہیے۔ وہ چند حضرات حیرت و تعجب میں ڈوب جاتے ہیں۔ دل کے ساتھ ساتھ ان کی زبان بھی گواہی دیتی ہے کہ واقعی یہ اللہ والے ہیں۔ الحق ما شھدت بہ الاعداء۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور خوشی سے رونے لگتا ہوں۔ آج وہ پُر کیف وقت یاد آتا ہے تو زبان بے اختیار پکار اٹھتی ہے ؎ خدایا وہ ہستیاں کس دیس میں بستی ہیں ٭ کہ جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں ؏

عمر سعید دارالعلوم کبیر والہ

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی رحمۃ اللہ تعالےٰ کی خوبیاں بیان کرنے کے لیے کئی دفتر درکار ہیں۔ اور مجھ جیسا نااہل ایسی بلند مرتبت۔ منبع کمالات ہستی کی خوبیاں کیا ہی بیان کر سکتا ہے۔ جن کی پوری زندگی اللہ اور رسول اللہ صلعم کے احکامات کی تبلیغ و تعمیل میں گذری ہو۔ اور جن کی قبر سے خوشبوئے جنت آتی ہو اور لاہور اور اس کے خوش نصیب مضافات اس پاک خوشبو سے معطّر ہوئے۔ ان کے بارے میں مجھ جیسا گنہگار اگر کچھ لکھنے کی جسارت کرے تو یہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہو گا۔ بہرکیف ادارہ "خدام الدین" نے شیخ التفسیر نمبر شائع کرنے کا اعلان فرمایا۔ تو طبیعت میں شوق پیدا ہوا اور یہ جسارت کی گئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان چند الفاظوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمان جب مستقبل کے افق پر سیاہ گھٹائیں اور تاریک آندھیاں دیکھ رہے تھے۔ یورپین اقوام ان کو غلامی کے طوق میں پوری طرح جکڑ چکیں تھیں۔ ہر طرف مایوسی اور خوف و ہراس کا دور دورہ تھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ ان کی منزل کیا ہو گی۔ وہ اپنے ارد گرد ان فرنگیوں کا گھیرا تنگ ہوتے دیکھ رہے تھے۔ جنہوں نے یروشلم اور سپین کے معرکوں میں مجاہدین اسلام کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔ فرزندان توحید جنہوں نے صدیوں برصغیر پر اسلام کی عظمت کا پرچم بلند کیے ہوئے تھے۔ المناک مصیبتوں سے دوچار تھے وہ اس بھنور سے نکلنا چاہتے تھے۔ لیکن ایسے تنکے کی تلاش میں تھے۔ جو ان کا سہارا بن سکے۔ جو ان کے دل میں امید کی ایک نئی کرن پیدا کر سکے۔ وہ اب بھی اسلام کی خاطر جینا اور مرنا جانتے تھے۔ لیکن انہیں رہنمائی کی ضرورت تھی۔ عین اسی وقت اسلام کے مشعل برداروں کا ایک گروہ نمودار ہوا۔ جس نے خلق خدا کی آنکھوں کو دوبارہ روشنی بخشی۔ شیخ التفسیرؒ انہی مشعل برداروں میں سے ایک تھے۔

حضرت شیخ التفسیرؒ ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ میں قصبہ جلاں ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ وہ بڑے ہوئے تو والدہ سے قرآن مجید پڑھا حضرت سندھیؒ آپ کے رشتہ دار تھے۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے حضرت سندھیؒ آپ کو گوٹھ پیر جھنڈا ضلع نواب شاہ لے گئے۔ گوٹھ پیر جھنڈا میں علمائے علم دور دور سے دینی تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ یہاں مولانا سندھیؒ نے ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ مولانا احمد علیؒ نے یہاں ان کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی وقت گذرتا گیا۔ آپ کی تربیت ہوتی رہی دس بارہ سال اور بیت گئے

اس زمانے میں پوری دنیا پر انگریز کا طوطی بول رہا تھا اور ان کو اپنی طاقت و قوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ برصغیر میں انگریزی استعماریت مسلمان کے ذہن کو بدلنے کا تہیہ کر چکی تھی۔ انگریز علماء کو سب سے خطرناک طبقہ قرار دیتا تھا۔ لیکن ان حالات میں ضرورت اس امر کی تھی۔ کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی روایات کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور ایسا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ایسے باشعور علماء کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے جو دین فطرت کے انقلابی رجحانات سے کماحقہٗ واقف ہوں۔ اور اپنی زندگی اس نصب العین کے لیے وقف کرنے کی جرأت رکھتے ہوں۔

انہی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے یہ مدرسہ قائم کیا گیا اور حضرت لاہوریؒ یہاں سے فارغ ہونے والے پہلے پانچ طلباء میں سے ہیں۔ ۱۳۱۳ھ میں جب آپ کی عمر نو برس کی ہوئی تو آپ کے والد فوت ہو گئے باپ کی وفات کے بعد آپ کی والدہ سے حضرت سندھیؒ نے عقد کر لیا۔ مولانا سندھیؒ کی پہلی بیوی فوت ہو چکیں تھیں۔ ماں کی محبت بھی زیادہ دیر نصیب نہ ہوئی۔ قدرت نے کم سنی ہی میں وہ تمام مراحل طے کروا دیئے جو عظیم شخصیتوں کی زندگیوں سے متصف ہیں۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت سندھیؒ کی پہلی اہلیہ سے ان کی ایک صاحبزادی تھی۔ جو حضرت لاہوریؒ کے نکاح میں آئیں۔ مگر زیادہ

دیر زندہ نہ رہ سکیں۔ آپ کی دوسری شادی مولانا سندھیؒ ہی کے ایک ہم سفر مولانا ابو محمد احمد کی صاحبزادی سے انجام پائی شیخ التفسیرؒ کی نکاح خوانی کی رسم شیخ الہندؒ نے ادا کی اس قربت داری کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا احمد علیؒ کا باہمی تعلق اور نظریاتی ہم آہنگی واضح ہوسکے۔ جب قدرت اپنے کسی بندے کو کسی عظیم کام پر مامور کرتی ہے۔ تو اسکیلئے ماحول بھی ویسا ہی پیدا کر دیتی ہے۔

آپ نے اپنی زندگی خدمت خلق اور عظمت اسلام کے لیے وقف کردی تھی۔ انہوں نے نور ایمانی کی شمع روشن کر کے نہ صرف برصغیر کے کروڑوں عوام کو صراطِ مستقیم دکھانے کی کوشش کی۔ بلکہ اس کی کرنوں نے معاشرے کے تمام براعظموں میں بسنے والے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ انہوں نے معاشرے کو جھنجوڑنے کے لیے حق کا جو نعرہ لگایا۔ اس کی آواز دنیا کے کونے کونے میں گونجنے لگی۔ ان کی شخصیت نے لاکھوں انسانوں کے قلوب فتح کیے۔ اور بیشتر غیر مسلم آپ کے دستِ حق پرست پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

حضرت سندھیؒ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے شاگردوں میں سے تھے ہمیشہ انگریزی حکومت کے خاتمہ کی فکر میں رہتے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کے کہنے پر ۱۹۰۹ء میں جمعیتہ الانصار کی بنیاد ڈالی۔ یہ ادارہ ایک تاریخی، دینی تنظیم کا حامل تھا۔ بعد میں اس کے اثرات برصغیر کے علاوہ افغانستان، بخارا، ترکیہ، ایران اور سعودی عرب میں بھی محسوس کیے گئے۔ ادھر ۱۹۱۲ھ میں فتحپوری کی مسجد میں مدرسہ ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' قائم کیا گیا۔ اس مدرسہ کے قیام کا مقصد اولین جہاد و غزا کے لیے مجاہدین تیار کرنا تھا۔ اس ادارے کی سرپرستی کے فرائض ڈاکٹر انصاری کو سونپے گئے۔ ان اداروں میں حضرت شیخ الہندؒ کی سوچی سمجھی سکیم کے تحت قرآن مجید کی انقلابی تفسیر کا آغاز ہوا۔

جمعیتہ الانصار میں پڑھانے کا کام جید علماء اور گریجویٹوں کی ایک جماعت کے سپرد ہوا۔ مدرسہ نظارۃ المعارف کے قیام کے ساتھ ہی حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت لاہوریؒ کو نواب شاہ سے دہلی طلب کرلیا۔ اور وہاں کا مدرسہ بند کر دیا گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی۔ کہ تمام ہم خیال علماء اور سیاسی معاونین حسن اتفاق سے دیوبند اور دہلی میں اکٹھے ہوگئے تھے۔

''مرد مومن'' میں حضرت سندھیؒ کی ذاتی ڈائری سے لکھا ہوا ہے۔ کہ یہ مدرسہ نظارۃ المعارف انگریز کی نظر میں کھٹکتا ہوا کانٹا تھا۔ اسی لیے رولٹ ایکٹ کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق مدرسہ نظارۃ المعارف کے قیام کا مقصد ہندوستانی مسلمانوں میں مذہبی ولولہ اور جنگی شوق پیدا کرنا اور ان کو فریضہ جہاد کی ادائیگی کے لیے تیار کرنا تھا۔ اس رپورٹ کے مطابق حضرت شیخ الہندؒ کا اصل پروگرام یہ تھا کہ اسلامی طاقتوں کا ہندوستان پر حملہ ہو اور ہندوستانی مسلمان اسے اندرونی بغاوت سے تقویت پہنچائیں۔ اور یہ بات بالکل درست تھی کہ دونوں مدرسوں کے قیام کے پس منظر میں۔ حضرت شیخ الہندؒ ایک اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ حضرت عبیداللہ سندھی اور حضرت احمد علی لاہوریؒ ان کے دست راست تھے۔ اس کام کا مرکز دہلی تھا۔ اور اس کی شاخیں ملک کے تمام شہروں اور قصبوں میں قائم کر دی تھیں۔ اس کام کو منظم کرنے کے لیے تبلیغی جماعتیں تیار کی گئیں۔ جو مسلمانوں کو اپنے مشن سے آگاہ کر کے آنے والے وقت کے لیے تیار کر سکیں۔ آگرہ اور اس کے آس پاس کے لیے جن تین علماء کو مقرر کیا گیا۔ حضرت احمد علیؒ لاہوری سرفہرست تھے۔ انگریزوں نے ۱۹۱۲ء میں بلقان کے عیسائیوں کو مسلمانوں اور ترکوں کے خلاف اکسایا اس وقت یورپ کی تمام قوتیں انگریزوں کا ساتھ دے رہی تھیں۔

ادھر ہندوستان میں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک پاؤں جما چکی تھی۔ ان حالات میں ہندوستانی مسلمان اپنے ترک بھائیوں کو کیسے نظر انداز کر سکتے تھے۔ مسلمان اپنے ناموس کے لیے ڈٹ گئے۔ اور جہاد کا مکمل منصوبہ بنالیا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے خفیہ خطوط کی نقول تمام حکومتوں کو فراہم کرنے کا اہتمام کیا جس میں انقلابی حکومت اور ترکی افغانستان اور سعودی عرب کی حکومتوں کے درمیان معاہدات کی تفصیلات تھیں۔ تو اس سلسلے میں حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت سندھیؒ کو کابل بھیج دیا۔ تو انہوں حضرت شیخ الہندؒ کے مشورہ سے حضرت احمد علی لاہوری کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر کیا۔

حضرت شیخ الہندؒ خود حجاز روانہ ہوگئے اور مولانا محمد میاں انصاری کو رابطہ آفیسر مقرر کیا گیا۔ انگریزوں پر یلغار کرنے کا یہ منصوبہ جسے تحریک ریشمی رومال سے یاد کیا جاتا ہے یہ نام دپیام زرد رنگ کے ریشمی رومال پر لکھا جاتا تھا۔ جو جانبین کو تسلیم ہوتا تھا۔

حضرت شیخ الہند کے پروگرام سے حجاز کے گورنر متفق ہوگئے۔ افغانستان اور آزاد قبائل سے اپیل کی گئی کہ وہ انگریزی حکومت کو ختم کرنے میں ہاتھ بٹائیں۔ ان دنوں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک اور مختلف اسلامی ممالک کے مابین تمام تر خفیہ رپورٹ ۔ رومالوں پر ہوتی تھی۔ تحریک کے اہم کارکنوں میں خفیہ رپورٹ کے طور پر اس قسم کے ریشمی رومالوں کا اکثر تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔

ادھر حضرت سندھیؒ اور افغانستان کے نصر اللہ خان نے مل کر ریشمی رومال اس طرح بنایا کہ اس قیادت میں معاہدہ کی پوری عبارت اور تاریخ حملہ کی منظوری کی عبارت درج تھی۔ عبارت عربی زبان میں تھی اور اس پر دونوں لیڈروں کے دستخط تھے۔ یہ رومال ایک نو مسلم نوجوان عبدالحق نے مختلف ذرائع سے ریاست بہاول پور میں دین پور میں دین پور شریف کے سجادہ نشین خواجہ غلام محمد کو پہنچا دیا۔ اور بعد ازاں مسٹر کرپلانی کے چھوٹے بھائی شیخ عبدالرحیم کو پہنچا دیا گیا۔ جو حضرت سندھیؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ برطانوی انٹیلی جنس نے کسی طرح چھاپہ مار کر ان سے ریشمی رومال حاصل کر لیا۔ اور یہ رومال حضرت شیخ الہندؒ کو نہ مل سکا۔

حضرت سندھیؒ روپوش ہو کر روس چلے گئے۔ اس طرح یہ سرگرمیاں منکشف ہو گئیں:

بہرحال تحریک کے طشت ازبام ہونے سے وسیع پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں۔ حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے ساتھیوں کو جو حجاز میں شریک سفر تھے۔ گرفتار کر کے مالٹا میں قید کر دیا گیا۔ اور جہاں کہیں بھی اس تحریک کے برگ و بار تھے۔ انہیں ختم کرنا شروع کر دیا۔ حضرت شاہ سیّد تاج محمودؒ امروٹی، حضرت دین پوریؒ اور دیگر تمام رفقاء کو نظر بند کر دیا گیا۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو بھی مسجد فتحپوری سے گرفتار کر لیا گیا۔ تمام گھر کی تلاشی لی گئی۔ ایک شریک درس عقیدت مند کی مخبری پر چھت میں لٹکی ہوئی نلکی پر قبضہ کر لیا گیا۔ جس کے متعلق شبہ تھا۔ کہ اس میں ریشمی رومال ہوں گے۔ لیکن اس میں حضرت انور شاہ کشمیریؒ کی ایک دستخطی سند تھی۔ جو آپ کو طالب علمی سے فراغت کے بعد دی گئی تھی۔ آپ کو گرفتار کرنے کے بعد مختلف جیل خانوں میں پھرایا گیا۔ جالندھر شملہ اور آخر میں راہوں کے تھانے میں بند کر دیئے گئے وہاں سے لاہور لایا گیا۔ آخر کار کٹھن مرحلوں کے بعد آپ کو رہا کر دیا گیا۔ پھر آپ نے مستقل طور پر لاہور میں سکونت اختیار کر لی۔ قید و بند کے ایام میں آپ کو انگریز حاکموں نے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ لیکن آپ اپنے تبلیغی مشن کو نہ بھولے۔ اور آپ نے بازار سریانوالہ میں ایک چھوٹی سی مسجد میں درس دینا شروع کر دیا۔ سامعین کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ تو آپ نے درس فاروق گنج کی مسجد میں "منتقل" کر دیا۔ اور بعد میں مسجد سبحان لائن شیرانوالہ میں درس دینے لگے۔

۱۹۱۵ء میں فریضہ حج پہلی بار ادا کیا۔ واپسی پر تحریک خلافت شروع ہو چکی تھی۔ اور برصغیر کے مسلمان خلافت کے تحفظ کے لیے ہر قسم کا ایثار کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ وہ افغانستان ہجرت کرنے لگے۔ آپ بھی پنجاب کا ایک قافلہ لیے ہجرت کر گئے۔ کابل میں مولانا سندھیؒ پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے رہائش کا بندوبست کر دیا۔ ابھی کابل میں قیام کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔ کہ افغانستان اور انگریزوں کے درمیان ایک معاہدے کی رو سے تمام مہاجرین کو ہندوستان واپس آنا پڑا۔ آخر مولانا احمد علیؒ بھی ۱۹۲۰ء میں لاہور لوٹ آئے۔ اور پھر درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تقریباً پانچ سال بعد تفسیر لکھنے کا شوق ہوا۔ تو یکسوئی کے لیے واہ چلے گئے۔ اور دو سال کے مختصر عرصے میں یہ عظیم کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

حضرت مولانا احمد علیؒ کے ایمان کو تیز و تند آندھیاں۔ خوفناک طوفان بھی متزلزل نہ کر سکے تھے۔ اس ضمن میں سب سے اہم مثال ختم نبوت کی پیش کی جا سکتی ہے۔ اس عقیدہ کی تبلیغ اور حفاظت کے لیے ہمیشہ جہاد کرتے رہے۔ آپ نے ان گنت تکلیفیں برداشت کیں۔ کئی دفعہ جیل کی بند کال کوٹھڑی میں قید کیے گئے۔ لیکن شمع محمدی کے اس پروانے کے پاؤں کبھی نہ ڈگمگائے۔ اتباع سنت میں حضرت کا قدم بہت راسخ تھا۔ انتہائی ضعف و پیرانہ سالی میں بھی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سنن و آداب کی آپ نے سختی سے پیروی کی۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے بعد باوجود تبلیغی و اجتماعی مشاغل کے اتباع سنت میں اتنا مجاہدہ حضرت لاہوری کے وجود میں ہی دیکھنا نصیب ہوتا تھا۔ باوجود فالج جیسے خطرناک مرض کے حضرت نے پاکستانی دینی و ملّی سیاست میں نمایاں حصّہ لیا۔ اور ہمیشہ جمعیتہ علمائے اسلام کی قیادت و رہنمائی فرماتے رہے۔ پاکستان میں اسلامی نظامِ حق کے قیام کی طرف آپ کو بہت زیادہ توجہ رہی۔ اور برسرِ اقتدار طبقہ کو ہمیشہ داعیانِ حق اور مجاہدین علماء کے لہجہ میں تنبیہہ فرماتے رہے۔

حضرت دین پوریؒ کے جمال حضرت امروٹیؒ کے جلال مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی فکر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی جامعیت کا صوری و معنوی مرقع اگر کوئی اس دھرتی پر ہو سکتا ہے تو وہ حضرت شیخ التفسیر کی ذات گرامی تھی۔ اگر آپ ایک طرف شب زندہ دار صوفی عارف کامل مفسرِ قرآن محدث فقیہہ اپنی خلوتوں اور جلوتوں کو یادِ الٰہی سے آراستہ کرنے والے درویش گوشہ نشین تھے۔ تو دوسری طرف دینِ حق کی ننگی تلوار حق و بےباکی کا پیکر متحرک اور جہاد فی سبیل اللہ کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ تحریک ریشمی رومال کشمیر ایجی ٹیشن میکلیگن انجینئرنگ کالج کا قضیہ تحریک ختم نبوت، تحریک آزادی ہند اور دیگر ملکی و ملّی تحریکوں میں آپ نے نمایاں حصّہ لیا۔ اس پرفتن زمانے میں اور خاص طور پر لاہور کی اس علمی گمراہی کے زمانہ میں جو "اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ" کا ایک عجیب مصداق بن چکا تھا۔ شیخ التفسیر قدس سرہٗ العزیز کا انداز درس و تفسیر خالص عربی اسلام کا ترجمان تھا۔ جس میں تکلف اور "تصنع" کا نام تک

نہ تھا۔ مرادات قرآنی نہایت سادہ، عام فہم اور قابل عمل انداز میں سامنے آتیں۔ کہ سننے والوں کا جذبۂ عمل بیدار ہوتا۔ نورِ معرفت دل میں اترتا۔ اور حضرتؒ قرآن کو اس قطعیت کے ساتھ پیش کرتے کہ قرآنی جلال کے سامنے کسی احتمال کی کسی "لچک" کو کوئی جگہ نہ ملتی۔

آپ نے دین کی نشر و اشاعت کے لیے انجمن خدام الدین قائم کی۔ موجودہ مسجد کی تعمیر و وسعت اور انجمن خدام الدین کا قیام و استحکام تمام تر حضرت کی مساعی مشکور کا معجزہ ہے۔ واقفانِ حال کا بیان ہے۔ کہ جہاں آج کل بڑی مسجد ہے۔ یہاں بھی سرکاری اونٹوں کا طویلہ تھا۔ جہاں انجمن کا مدرسۃ البنات ہے۔ وہاں پولیس کی چاند ماری کے لیے جگہ تھی۔ مسجد میں اکا دکا شخص ہی نماز پڑھتا تھا۔ گرد و پیش صرف دو تین مسلمانوں کے مکان تھے۔ تمام محلہ ہندؤں اور سکھوں سے آباد تھا۔ یا پھر اِدھر اُدھر کوٹھی خانے تھے۔ مولاناؒ کے قدوم میمنت لزوم کا یہ فیض تھا۔ کہ دنوں میں ہی کایا پلٹ گئی۔ رفتہ رفتہ نہ صرف یہ علاقہ ہی مسلمانوں کا ہوگیا۔ بلکہ شیرانوالہ کی یہ مسجد علم و نظر کا مرکز بن گئی۔ حریّت و استقلال کے معرکوں کو یہاں سے غذا ملنے لگی۔

آپ نے دین کی نشر و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ تبلیغی رسالے لاکھوں کی تعداد میں ہند اور دیگر ممالک میں مفت تقسیم فرماتے رہے قرآن کریم کا اردو و سندھی میں ترجمہ کیا اور ہزاروں کی تعداد میں دختران اسلام نے دینی تعلیم اور اسلامی تربیت حاصل کی۔

رسالہ خدام الدین کے ذریعے سے لاکھوں انسانوں تک پیغام حق پہنچ رہا ہے۔ یہ تمام خدمات حسبتاً للہ کی گئیں۔ اور ان کی آمدنی میں سے حضرت کچھ حصہ نہ لیا کرتے تھے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الیٰ من اساء





شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ

شفقت، اصابتِ رائے، سلوک و ارشاد کے آئینہ میں ایک آپ بیتی

حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ کی زیارت سے میں لاہور ہی میں مشرف ہوا ہوں۔ اس سے پہلے اپنی تعلیم کے زمانے میں مراد آباد ہی سے اسم گرامی سنتا آیا تھا وہاں کے طلبہ جو دور دراز کے (صوبہ بہار وغیرہ کے تھے) دورۂ تفسیر پڑھنے لاہور آیا کرتے تھے۔

دیوبند میں حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انور مدظلہم سے پہلی بار ملاقات ہوئی پھر لاہور میں ۱۹۵۳ء میں بتوسط مولانا حمید اللہ صاحب رحمہ اللہ حضرت اقدس مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

میں حضرت کی خدمت میں اور حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں صرف دعا کی درخواست کے لیے معمولاً حاضری دیتا رہتا تھا۔ اور بحمد اللہ آخر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ چونکہ حاضری کا مقصد صرف یہی ہوتا تھا۔ اس لیے ان دونوں گرامی قدر حضرات کے متوسلین کرام سے ان حضرات کی رحلت کے بعد مراسم ہوئے۔ ان کی خدمت میں حاضری دے کر فوراً ہی واپس چلا جاتا تھا۔

حضرت لاہوری قدس سرہٗ کی خدمت میں شروع میں زیادہ تر حاضری تو جامعہ مدنیہ کے لیے رہنمائی کے سلسلہ میں ہوتی رہی جس کی ایک خاص وجہ جامعہ کا ایک تاریخی موڑ تھا کہ اس کے لیے جگہ کی تلاش تھی۔ ہمارے کچھ مرحوم دوستوں نے ماڈل ٹاؤن میں جگہ کی پیش کش کی جو ہمارے اراکین نے مان لی۔

یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ جامعہ مدنیہ کی ابتداء اس طرح اور اس غرض سے ہوئی تھی کہ عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کو انگریزی زبان حساب۔ سائنس، جغرافیہ اقتصادیات، ایل ایل۔ بی کا کورس پڑھا کر کمیونزم کے مقابلے میں اور دنیا کے تمام قوانین کے مقابلہ میں اسلامی قوانین کا موازنہ کرنے کے لیے مبلغ تیار کئے جائیں۔ انھیں امتحانات نہ دلائے جائیں تاکہ ملازمتوں میں مصروف نہ ہوں اور فریضۂ تبلیغ سے جس کا اہل بنایا جا رہا ہے۔ غافل نہ ہونے پائیں اس کے لیے چار سالہ نصاب تجویز کیا۔ نیز اس دوران اس خیال سے کہ وہ علوم عربیہ دینیہ سے بے بہرہ نہ ہونے پائیں۔ ان کے لیے نہایت قابل عربی علوم کے مدرّس رکھے گئے اور چار سالہ ایک خاص نصاب تجویز کیا گیا۔

جن دوستوں نے ماڈل ٹاؤن میں جگہ تجویز کی تھی وہ جامعہ کے بنیادی مقصد کو نہ سمجھ سکے۔ میں ہندوستان گیا وہاں تقریباً ایک ماہ کا عرصہ ٹھہرا۔ واپس آیا تو ان حضرات نے اراکین کی بہت بڑی نئی باڈی تشکیل کر لی اور انہوں نے جو تجاویز طے کیں ان میں شروع سے طالب علم کو انگریزی تعلیم دلانا کر دیا ثانوی درجہ میں عربی تعلیم کر دی۔

میں نے یہ صورتِ حال حضرت کی خدمت میں رکھی ساتھ میں کچھ ممبران بھی تھے۔ خاص طور پر جناب غلام دستگیر صاحب تو ہر ملاقات میں لازماً ہوتے تھے۔ حضرت لاہوری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیں۔ مدرسہ ماڈل ٹاؤن نہ لے جائیں اور ان سے کہہ دیں کہ وہ اپنا مدرسہ خود ہی جدا نام سے چلائیں۔

ہم نے عرض کیا کہ یہ بات ان لوگوں سے جناب کا نام لے کر عرض کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرا نام لے کر صاف

کہہ دیں۔ جو صاحب ہمیں وہاں لے گئے تھے وہ مرحوم
حضرتؒ سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔ ان سے ہم نے یہ کہا
اور بالآخر ان کی کارروائیاں رک گئیں۔ رسید بکیں وغیرہ
روک دی گئیں۔ انہوں نے اپنے مدرسہ کا نام جامعہ سعیدیہ
رکھا۔ اس میں ہمیں بھی ممبر رکھا اور ہم نے جامعہ کو علیحدہ کر
لیا۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ حضرت لاہوریؒ کی اصابت رائے
کے ساتھ صلابت کی بھی بات تھی۔

ہمدردی میں آپ نے یہیں بس نہیں کیا بلکہ آپ نے
ارشاد فرمایا کہ مدرسہ کا نظام امارت پر مبنی ہونا چاہیئے
آپ نے فرمایا کہ میرا چالیس سالہ تجربہ ہے کہ یہ لوگ جب کوئی
کام چلنے لگتا ہے تو اس میں دخل اندازی کرتے ہیں اور
وہ کام ختم ہو جاتا ہے انہیں تجربات کی بناء پر میں نے
انجمن خدام الدین کی بنیاد امارت پر رکھی ہے۔ میں نے
آپ کے ارشاد کے مطابق اپنے اغراض و مقاصد اور
اصول و ضوابط ترتیب دیئے۔ اور پیش کئے۔ آپ نے اپنے
دست مبارک سے ان کی اصلاح فرمائی اور جہاں ضوابط میں
اس نقطۂ نظر سے غلطی ہوئی تھی وہاں تبدیلی فرمائی۔ ان
میں ضوابط کو رجسٹرڈ کرایا گیا اور ان ہی پر اب تک جامعہ کا
نظام چل رہا ہے۔ جزاہ اللہ خیراً واعظم اجرہ
اور یہ تحریر بفضلہ میرے پاس موجود ہے۔

یہ سب کام آپ نے کئے۔ اور پوری توجہ فرمائی تو ہم نے
درخواست کی کہ سرپرستی قبول فرمائیں لیکن آپ نے رسمی سرپرستی
کے بارے میں معذرت فرمائی۔ اگرچہ عملاً جو کچھ کوئی سرپرست کرتا
ہے وہ آپ ہمیشہ کرتے رہے۔ آپ کے لیے جامعہ کی شوریٰ کے
اجلاس وغیرہ میں شرکت متعذر تھی۔

خدام الدین کا کام بہت زیادہ تھا۔ واردین و صادرین کی
کثرت تھی جن میں سالکین زیادہ ہوتے تھے۔ اسفار بھی ہوتے
تھے اور عمرہ کا سفر بھی فرماتے تھے۔

خدام الدین کی طرف اتنی توجہ تھی فرماتے تھے کہ
میں خود مضامین انتخاب کرتا ہوں اور غیر معیاری مضامین
کے بارے میں ایک دفعہ فرمایا کہ میں صفحہ کے صفحے قلمزد کر
دیتا ہوں توجہ اس طرف تھی کہ مضمون بہت سادہ زبان
میں ہو جسے کم سے کم پڑھا لکھا آدمی بھی پڑھے اور سمجھے اور
عورتیں بھی گھروں میں پڑھیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ وقت کی اس قدر پابندی فرماتے
تھے کہ منٹوں اور سیکنڈوں کا بھی فرق نہیں آنے دیتے تھے
ہر نماز کے وقت دروازہ کھلتا تھا اور جماعت سے پہلے صف
اوّل میں امام کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے۔ پابندی اوقات کا
مشاہدہ روزمرہ کے معمولات میں ہوتا رہتا تھا۔ اور یہ سب ملنے
والے اور وابستگان جانتے ہیں۔ ایک دفعہ مولانا سید داؤد غزنوی
صاحب کے یہاں ایک میٹنگ تھی میں نے دیکھا کہ آپ وہاں
میٹنگ کے وقت سے پانچ یا سات منٹ پہلے پہنچے۔ مولانا
ابوالحسنات رحمۃ اللہ بھی تشریف لانے والے تھے لیکن وہ
بہت بعد میں تشریف لائے اسی طرح بعض اور بھی شرکاء
آئے اور میٹنگ ان کی آمد تک موقوف رہی۔"

آپ کی پابندی اوقات بھی ہم سب کے لیے ایک درس ہے
آپ خدام الدین کا کام یکسوئی سے انجام دینے کے لیے حاجی
دین محمد صاحب کے برف خانہ میں تشریف لے جاتے تھے،
انہوں نے آپ کے لیے ایک کمرہ مختص کر دیا تھا اور
اس کے برابر والا کمرہ نماز با جماعت کے لیے۔ وہاں ملاقاتی
لوگ نہیں جاتے تھے۔ ہم نے بارہا ایسا کیا کہ وہاں ملنے کے
لیے گئے۔ اور ملاقات سے مشرف ہوئے البتہ ہم خود بھی
ایسا کرتے رہے کہ نماز کے وقت جاتے تھے اور جماعت
کے بعد ضرورت کی بات کر لیتے تھے آپ نے ہمیں وہاں
پہنچنے سے اور ملنے سے کبھی اشارۃً بھی منع نہیں فرمایا۔

ہم نے بھی ضرورت سے زیادہ کبھی بات نہیں کی اور
کبھی فقط زیارت ہی کے لیے جانا ہوا تو فقط ملاقات و
مصافحہ اور خیریت دریافت کرنے ہی پر اکتفاء کیا۔ بہرحال
یہ معاملہ بھی آپ کی مرحمت و شفقت ہی میں داخل ہے
ورنہ اس قدر اصول کی پابند شخصیت ایسی حرکت کی
اجازت نہیں دے سکتی۔

جمعیۃ علماء اسلام کے اس موجودہ شکل میں احیاء
کا کام حضرت مفتی صاحب کے ہاتھوں اس طرح ہوا ہے
کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں احتشام الحق تھانوی
کے حکمران ٹولہ کے ساتھ اتنے زیادہ قریبی اور گہرے
تعلقات تھے کہ جن کی وجہ سے ان کی ذات بڑی طرح
مجروح ہو گئی اور جمعیۃ علماء اسلام کا قدیم ڈھانچہ بے جان
ہو گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مفتی محمود

صاحب مدظلہم کو توفیق مرحمت فرمائی

انہوں نے معارف کا انتظام کیا اور حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ کی اعانت سے ملتان میں پہلی بار مغربی پاکستان کی سطح پر علماء کے بہت بڑے اجتماع کا انتظام فرمایا۔ اس پر مجھے بھی مدعو فرمایا تھا۔

علماء کی از سر نو تنظیم پر سب کا اتفاق تھا البتہ اس کے نام پر بہت بحث ہوتی رہی بالآخر "جمعیۃ علماء اسلام" ہی نام تجویز ہوا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی۔ مولانا عبدالحنان صاحب ہزارویؒ اور مولانا محمد نعیم صاحب لدھیانوی جو قدیم جمعیۃ علماء ہند کے ناظم وغیرہ رہتے آئے تھے وہ بھی شریک تھے اور عہدہ دار بھی ہوئے۔ بہرحال جمعیۃ علماء اسلام کا از سر نو انتخاب عمل میں آیا اور حضرت لاہوریؒ امیر قرار پائے۔

اس کے بعد بھی جمعیۃ کی مجالس میں شریک ہوتا رہا حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم بھی شرکت فرمانے لگے۔ اور بالآخر حضرت لاہوریؒ کی وفات کے بعد آپ امیر قرار پائے۔

اس اجمالی تاریخ کے ذکر کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جمعیۃ کی مجالس میں بسا اوقات اختلاف رائے ہو جاتا تھا ایک دفعہ ایسے ہی اختلاف کے وقت حضرتؒ نے فرمایا کہ میں ساتھیوں کے سامنے اپنی رائے رکھ دیتا ہوں لیکن اگر ان کی رائے مجھ سے مختلف ہو تو جو طے ہو جاتا ہے پھر میں اس کی پوری طرح پابندی کرتا ہوں" حضرت نے یہ بات یوں ہی نہیں فرما دی تھی بلکہ حقیقتاً آپ کا یہی طریق تھا۔

آپ کے اس ایک اصول میں غلام غوث ہزارویؒ صاحب اور ان جیسے مزاج والوں کے لیے عظیم درس ہے۔ اور یہی اصول اسی آیت مبارکہ میں تعلیم فرمایا گیا ہے۔ وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین

اور "اعجاب کل ذی رائی برایہ" کہ ہر صاحب رائے کو اپنی ہی رائے سب سے اچھی لگنے لگے۔

حدیث پاک میں اسے سامان بربادی قرار دیا گیا ہے۔ والعیاذ باللہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت اقدس مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے جیسا والہانہ تعلق تھا اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ ہفتہ میں دو ایک بار بھری مجلس میں ضرور تذکرہ فرماتے تھے وہ بھی ایسے عجیب انداز سے کہ جو ان کا ہی حق تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ جمعیۃ علماء ہند کی مجالس شوریٰ میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سامنے میں چار چار گھنٹے دو زانو بیٹھا رہتا تھا حالانکہ آپ کو جوڑوں کی تکلیف کا عارضہ تھا۔... اور سچ پوچھ... ایسی محبت وعقیدت رکھنے والا شاید ہی کوئی اور ہو کہ اپنے صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب سے فرمایا کہ میری ڈاڑھی کے بال حضرت مدنیؒ کی جوتیوں میں سلوا دینا اور جلسۂ عام میں فرمانا کہ جو علم حسین احمد مدنی کی جوتیوں میں ہے وہ احمد علی کے دماغ میں نہیں ہے۔ پاکستان بننے کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ کا جو گرامی نامہ آیا تھا وہ آپ نے فریم کرا کر رکھا تھا۔

کیوں کہ آپ نسبت قادریہ کے اثرات میں سے کشف کی حالت کا غلبہ تھا اور اس میں بھی اظہار غالب تھا اس لیے آپ کشفی حالات برملا بتلاتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ شوریٰ کے اجلاس میں فرمایا کہ "مجھے اولیاء اللہ کے باطن دیکھنے کا شوق ہے اور میں حج کے موقع پر ایسا کرتا رہتا ہوں میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ حضرت مدنیؒ جیسا دنیا میں، میں نے کوئی نہیں دیکھا ان جیسا کوئی صاحب باطن نہیں ہے۔"

ایک مرتبہ آپ نے ایک صاحب کو بیعت فرمایا۔ انھیں جو نصیحت فرمائی وہ نہایت قیمتی تھی مجھے اتنی اچھی لگی کہ آج تک یاد ہے کہ" اگر دوسرے کو نفع نہ پہنچا سکو تو اس بات کا پورا لحاظ رکھو کہ کم از کم تم سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔"

حدیث شریف میں ارشاد ہے

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

کامل مسلمان وہی ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان کے ضرر سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ایک دفعہ آپ نے ایک سالک کو ھو الاول و الاخر والظاھر والباطن کا مراقبہ تعلیم فرمایا۔ تو اس میں تشریح کرتے اور سمجھاتے وقت عارفانہ انداز میں یہ کلمات نئی ئیرِ ارشاد

فرمائے کہ یہ خیال کرو کہ کوئی چیز نہیں ہے" نہ میں ہوں نہ زمین ہے نہ آسمان نہ شیطان نہ کچھ اور"

ایک دفعہ رات کا وقت تھا جب مجلس برخاست ہوئی تو مصافحہ کے وقت ارشاد فرمایا کہ جامعہ مدنیہ چلے گا۔ میرے ہاتھ مصافحہ ہی میں ۔ ، اور میں نے فوراً نظر اُٹھا کر چہرہ کی طرف دیکھا تو مسکراتے ہوئے مصافحہ ہی میں ہاتھوں کو خفیف جھٹکا دیتے ہوئے اور غالباً میرے استعجاب کو بھانپتے ہوئے فرمایا میں کہتا ہوں چلے گا۔" میں سمجھتا ہوں کہ آپ یہ کشف آنا تھا فرما رہے تھے،

ایک دفعہ حاضری کے وقت آپ نے اپنے کچھ حالات سنائے جو نہایت درجہ عسرت کے زمانہ کے تھے ان میں اس تنگی کے دور کے حالات بھی بتلائے جن کا ذکر مناسب نہیں معلوم ہوتا اور یہ کہ پھر آپ نے حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹی قدس سرہ' کو عریضہ تحریر فرمایا۔ اور جو عمل انہوں نے تحریر فرمایا تھا وہ بھی تبلایا اور مجھے بھی اس کی اجازت عنایت فرمائی۔ اور بھی باتیں اسی قسم کی ارشاد فرمائیں۔

رحمہ اللہ و رفع درجاتہ ۔ آمین





ایک ناقابل فراموش واقعہ

فضل حق فاروقی، سانده کلاں لاہور

یہ واقعہ دسمبر ۱۹۷۷ء میں پیش آیا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۷۷ء نماز عصر کے بعد میں اور میری اہلیہ جس کا نام ارشاد بیگم ہے۔ اپنے گھر کے بالائی کمرے میں اپنی اپنی چارپائیوں پر بیٹھے تھے۔ اور گھریلو معاملات پر مصروف گفتگو تھے۔ کہ میری اہلیہ کے بائیں ہاتھ کے انگوٹھا اور ساتھ والی انگشت میں کھچاوٹ سی شروع ہوئی۔ وہ اسے بار بار مسلنے لگی اور پریشان ہونے لگی۔ میرے دریافت کرنے پر اس نے اپنی اس اضطرابی کیفیت کا اظہار بایں الفاظ کیا۔ کہ میرے ہاتھ کے اعصاب میں کھچاوٹ ہو گئی ہے۔ اور انگلیاں اکٹھی ہو رہی ہیں۔ میں نے خود اٹھ کر زیتون کا تیل جو گھر میں موجود تھا اس کے ہاتھ پر مالش کر دی۔ موسم چونکہ سرد تھا۔ اس لیے کمرہ گرم کرنے کے لیے ہیٹر جلا دیا۔ تاکہ وہ تھوڑی دیر کے لیے رضائی میں لیٹ جائے۔ اور اس کو رضائی اڑھا کر لٹا دیا۔ اسی دوران نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ اور اذان کی آواز بلند ہوئی۔ اور میں اسی کمرہ میں نماز مغرب ادا کرنے لگا۔ جب فارغ ہوا تو میری اہلیہ بدستور لیٹی ہوئی تھی۔ اور منہ بھی رضائی کے اندر تھا۔ میں نے آواز دی۔ کہ نماز مغرب کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ اُٹھ کر نماز ادا کرو مگر میری آواز کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ مجبوراً میں اس کی چارپائی کے قریب گیا۔ اور رضائی چہرہ سے ہٹائی۔ تو دیکھ کر چیخ نکل گئی کہ اس کا چہرہ ٹیڑھا ہو گیا تھا اور آنکھیں بھی کھچی ہوئی تھیں یعنی شدید قسم کا لقوہ ہو گیا تھا۔ میں نے نبض پر ہاتھ رکھا۔ تو وہ بھی معلوم نہ ہوئی میں بہت گھبرا گیا۔ جملہ افراد خانہ اس کمرہ میں آ گئے۔ اور رونے لگے میں نے اپنے لڑکے کو کہا۔ کہ فوراً کسی قریبی ڈاکٹر کو لائے۔ چنانچہ سانده کلاں سے قریبی ڈاکٹر حکیم محمد اقبال صاحب تھوڑی دیر کے بعد آ گئے۔ انہوں نے بعد معائنہ بتایا کہ بائیں جانب فالج آ گیا ہے۔ اور ساتھ ہی لقوہ ہے فالج کا حملہ شدید ہے۔ اور جسم کا نصف حصّہ بالکل بیکار ہو چکا ہے۔ اور حالت خطرناک ہے اور کہا۔ کہ آپ تمام رات مریضہ کے پاس جاگ کر گزار دیں۔ اور ادویات بھیجتا ہوں وہ دیتے رہیں۔ اگر رات نکل گئی۔ تو صبح پھر دیکھ کر مناسب علاج شروع ہو گا ڈاکٹر صاحب یہ کہہ کر چلے گئے۔ اور ادویات جو انہوں نے ارسال کیں۔ وہ دینے کی کوشش کی۔ مگر منہ ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے دوائی کا استعمال مشکل ہو رہا تھا۔ اور شہد سے بنایا ہوا پانی جب چمچہ سے منہ میں ڈالتے۔ تو وہ بجائے اندر جانے کے منہ سے باہر نکل جاتا بہر کیف رات جاگ کر گزار دی۔ مریضہ ہوش میں نہ آتی تھی۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بول نہ سکتی تھی۔ صبح پھر ڈاکٹر صاحب کو بلایا گیا۔ انہوں نے ایک ٹیکہ لگایا۔ اور کہا کہ مریضہ کو جنگلی کبوتر کے گوشت کی یخنی دیتے رہیں۔ یادوا المسک بھی دے دیا کریں کمرہ میں اندھیرا رکھیں۔ بتی نہ جلا دیں۔ خوراک وغیرہ کچھ نہ دیں اور ٹیکہ ہر روز لگواتے رہیں۔ یہ ہدایات دے کر ڈاکٹر صاحب واپس چلے گئے اور متذکرہ بالا علاج کئی دن جاری رہا۔ تیسرے دن کے بعد مریضہ بولنے کی کوشش کرتی۔ تو بات سمجھ میں نہ آتی۔ اور پھر وہ خاموش ہو جاتی اس ناگفتہ بہ حالت میں ۱۱ دن گزر گئے۔ کوئی افاقہ نہ تھا نصف حصہ جسم بالکل بیکار تھا۔ اور میں نہایت پریشان تھا۔ رات ۱۲ بجے کا وقت تھا اور میں اپنی چارپائی پر لیٹ ہی رہا تھا۔ کہ میری اہلیہ جو رضائی میں منہ لپیٹے پڑی تھی۔ میں نے اس کی آواز سنی۔ کہ وہ کسی سے باتیں کر رہی ہے۔ میں اُٹھ کر اس کی چارپائی کے قریب گیا۔ اور اس کے منہ سے رضائی ہٹائی۔ تو دریافت کیا کہ کس سے باتیں کر رہی ہو۔ تو اس نے جواب دیا۔ کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب میرے پیر و مرشد تشریف لائے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ تو میری روحانی بیٹی ہے۔ تیری خبر گیری کو آیا ہوں۔ تو جو روزانہ کلام اللہ پڑھ کر العیال ثواب کرتی تھی وہ نہ پہنچ رہا تھا۔ اس

لیے پتہ کرنے آیا ہوں۔ اور کہا بیٹی بالکل نہ گھبراؤ تم صحت یاب ہو جاؤ گی۔ اور جو علاج بتاؤں وہ کرو۔ باقی سب علاج چھوڑ دو میں نے کہا۔ حضرت صاحب نے کیا علاج بتایا ہے تو میری اہلیہ نے جواباً کہا۔ کہ حضرتؒ نے فرمایا ہے۔ کہ ایک گلاس گائے کے خالص دودھ میں ایک ٹکڑہ دارچینی جس کا کوئی وزن نہ بتایا ڈال کر دو تین ابال دے دو۔ اس دودھ پر ایک بار (سورہ یٰسین) پڑھ کر دم کرو سات عدد قرنفل (لونگ) پیس کر ایک پڑیا بنالو۔ یہ پڑیا منہ میں ڈال کر دودھ پی کر لیٹ جایا کرو۔ انشاء اللہ سات یوم میں خدا تعالیٰ شفا عطا کرے گا۔ میں نے اگلے روز سے ہی حضرت صاحب کے فرمودہ علاج پر عمل شروع کر دیا۔ باقی سب علاج ترک کرائے تیسرے دن کے استعمال سے کثرت سے پسینہ آیا۔ کہ کپڑے تر ہو گئے۔ اور پسینہ کے دوران ہی بیکار حصّہ جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ حالانکہ دوسرے دائیں حصہ میں جو تندرست تھا۔ پسینہ بالکل نہیں آیا اور اس طرح سات یوم کے اس روحانی علاج سے خدا تعالیٰ نے صحت کاملہ عطا فرمائی اور میری اہلیہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی اب وہ پہلے کی طرح بالکل صحت مند ہے اور فالج وغیرہ کا کوئی اثر نہیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ یاد رہے۔ کہ میری اہلیہ نے سال ۴۳-۱۹۴۲ء میں بمقام ڈیرہ افغاناں تحصیل شکرگڑھ ضلع سیالکوٹ میں جبکہ حضرت صاحب ایک تبلیغی جلسہ پر جو موضع لنگاہ میں تھا۔ تشریف فرما تھے اور وہاں سے فارغ ہو کر ڈیرہ افغاناں تشریف لائے تھے۔ میری اجازت سے شرف بیعت حاصل کیا تھا۔ بوقت بیعت آپ نے فرمایا تھا۔ کہ آج سے تم میری روحانی بیٹی ہو پنجگانہ نماز میں کبھی کوتاہی نہ کرنا۔ اور ہر نماز کے بعد استغفار اور درود شریف پڑھنے کی تلقین کی۔ جس پر وہ آج تک کاربند ہے اور روزانہ کچھ حصّہ کلام اللہ سے پڑھ کر العیال ثواب بھی کرتی رہتی ہے۔ ناچیز بندہ کو بھی متعدد بار حضرت صاحب نے شرف ملاقات بخشا اور روحانی فیض سے تسکین قلب حاصل کرتا رہا۔ اور ان کے فرمودہ وظائف سے بہرہ مند ہوتا رہا ہے۔ پیش آمدہ واقعہ میری زندگی کا ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے۔ جو من وعن تحریر کر کے ارسال خدمت ہے۔ اگر مناسب خیال فرمادیں۔ تو کسی مناسب رسالہ میں شائع کرا دیں۔ ممکن ہے کسی اور صاحب کے لیے بھی تقویت ایمان کا باعث ہو سکے۔ اور شائع ہونے کے بعد ایک کاپی بطور یادگار اس ناچیز کو بھی ارسال فرمادیا

ابوالحسن ہاشمی، تاندلیانوالہ

میں حضرت لاہوریؒ سے کس طرح متاثر ہوا؟

بندہ نے ایک دن اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں عرض کی کہ میں بیعت کس سے کروں۔ آپ نے فرمایا کہ تم عاقل بالغ ہو جس سے جی چاہے۔

بعد میں میرے والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری (دروازہ شیرانوالہ لاہور) کو میں نے کسی حالت میں دیکھا ہے کہ قادری خاندان میں اس علاقہ میں اُن کا ہم پلہ کوئی نہیں ہے۔ اس سے پہلے میں آپ کے نام سے تو واقف تھا لیکن آپ کی ذات سے واقف نہ تھا۔ اور والد صاحب نے کچھ استخارہ کرنے اور کلمہ کا ذکر کرنے کو فرمایا۔ ایک دن بندہ خواب میں حضرت کی خدمت میں جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک مجذوبہ کے پاس ٹھہرا تو اس نے چائے کا پیالہ عنایت فرمایا۔ طبیعت چاہتی نہ تھی لیکن پی لیا۔ جب میں نے پی لیا تو مجذوبہ کہتی ہے کہ جاؤ چلے جاؤ جہاں تمہارا ارادہ ہے۔ میری اجازت کے بغیر کہاں جا سکتے تھے۔

میں سال بھر سے استخارہ کر رہا تھا باوجود اشاروں کے مطلب حل نہ تھا۔ صبح یکم جنوری ۱۹۵۲ء بروز جمعرات لاہور پہنچا اور رات کو مجلس ذکر کے بعد بیعت کے لئے عرض کی۔ کیونکہ مجلس ذکر کے بعد جو تقریر تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں سوال کرتا گیا ہوں اور آپ جواب دیتے گئے ہیں۔

بیعت کے وقت آپ نے فرمایا کس ترغیب سے بیعت پر آمادہ ہوئے ہو۔ میں نے عرض کی کہ آپ کے رسالہ جات پڑھنے سے آپ نے فرمایا۔ سمجھ میں نہیں آیا پھر میں نے عرض کی کہ میرے والد صاحب نے ترغیب دی ہے۔ آپ نے فرمایا تمہاری بات کی سمجھ نہیں آتی۔ پھر میں نے مجذوبہ کا خواب عرض کیا۔ آپ خاموش ہو گئے اور بیعت سے نوازا۔

ایک دن میں حاضر خدمت ہوا اور آپ اپنے حجرہ میں داخل ہو رہے تھے زیارت کے لیے دل ترس رہا تھا۔ دن کے گیارہ بجے کے لگ بھگ وقت تھا اور بھوک بھی لگی ہوئی تھی۔ اور دروازہ پر لکھا ہوا تھا کہ دروازہ مت کھٹکھٹائیں اگر یہاں ہوا تو نماز کے وقت ملوں گا۔ دل میں آیا کہ روٹی کھانے کو جاؤں تو شاید آپ نکل کر چلے جائیں گے لیکن جلدی سے شیرانوالہ دروازہ سے مٹھائی لینے کا ارادہ کیا۔ باوجود تین چکر کاٹنے کے مٹھائی لینے کی جرأت نہ ہوئی اتنے میں حضرتؒ حجرہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ سبق میں لذت پیدا ہوتی ہے میں نے عرض کی کہ گاہے ہوتی ہے گاہے نہیں آپ نے فرمایا کہ بازار سے مٹھائی نہ کھانا اس میں بلیک کی کھانڈ ہوتی ہے—— میں گاؤں کا ڈپو ہولڈر تھا اللہ تعالےٰ نے توفیق دی اور ڈپو کا استعفےٰ دے دیا۔

ایک دن بندہ حاضر خدمت ہوا تو دل میں آیا کہ یہاں بڑے بڑے علماء اور صلحا آتے ہیں۔ تم کس گنتی میں ہو نہ تو کبھی آپ نے نام پوچھا ہے نہ قوم نہ ہی مقام وغیرہ میں یہ بڑی مسجد میں بیٹھ کر خیال دوڑا رہا تھا۔ اچانک آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو دروازہ پر جوڑا مبارک پڑا تھا میں اٹھا کہ ہمراہ چلا آپ استنجا کرنے جا رہے تھے آپ نے فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ قوم

ا؎ یعنی کشفی

کیا ہے کتنے بھائی ہو کیا کام کرتے ہو کہاں رہتے ہو۔ فراغت کے بعد آپ حجرہ میں تشریف لے گئے۔ میں مسجد میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اتفاقیہ پوچھ لیا ہے کب یاد رہے گا تو مولوی صاحب صاحب نے آکر آواز دی کہ ابوالحسن کہاں ہو۔ میں حاضر ہوا تو عرض کیا۔ کیا بات ہے۔ جواب دیا کہ ویسے حضرت نے یاد فرمایا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے چوٹ لگتی ہے۔ اب میں نے محسوس کیا یہاں سب کا خیال ہے۔ پھر دل میں کہا میں تو مفت کی تکلیف دیتا ہوں روٹی بستر وغیرہ کی تو رات کو آپ نے مجلس کے بعد فرمایا کہ کوئی اللہ والوں کے ہاں اللہ کا نام پوچھنے آتا ہے اللہ والے اس کا بوجھ محسوس نہیں کرتے صاف الفاظ میں فرمایا چاہئے روٹی بستر وغیرہ کی جو خدمت کرتے ہیں اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے کرتے ہیں بلکہ آنے والے کا احسان سمجھتے ہیں جو اللہ کے نام کی امانت تھی اس کا حق ادا ہوا۔

ایک دن مجھے ایک لمبے خواب میں بلندی کی طرف سے پستی کی طرف اشارہ ہوا تو میں ایک بڑی رام کہانی لکھ کر خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجلس ذکر میں میرا تمام حال بیان فرما کر فرمایا کہ طالب مانند بوٹے کے ہے اور شیخ مانند مالی کے، جس مالی کو باغ کے بوٹوں کی بیماری کا علم نہیں وہ مالی نہیں جس شیخ کو طالب کی بیماریوں کا علم نہیں وہ شیخ نہیں اور علاج بتا دیا۔

ایک دن آپ نے فرمایا اگر کسی کو ایک مسئلہ بھی یاد ہے تو دوسرے تک پہنچا دے۔ اور اردو پڑھ سکتا ہے تو ہمارا ترجمہ قرآن عزیز لے جائے اور ترجمہ پڑھ کر سنا دے۔ بندہ نے آپ کا ترجمہ قرآن شریف خریدا۔ اور گاؤں میں جا کر ترجمہ سنانا شروع کر دیا۔

تفسیر اور خطبہ جمعہ المبارک بھی کام چلتا رہا۔ ایک دن خدام الدین میں پڑھا آپ نے خطبہ جمعہ میں فرمایا جو کتاب و سنت کا عالم نہیں ہے اس کو منبر پر بیٹھنا بھی گناہ ہے۔

بندہ نے ایک عریضہ پیش خدمت ارسال کیا۔ عرض کی کہ بندہ نے استاد سے ترجمہ بھی نہیں پڑھا نہ ہی عربی زبان سے واقف ہے۔

(۱) بندہ آپ کا ترجمہ پڑھ کر سناتا ہے۔	(یہ ٹھیک ہے)
(۲) تفسیر محمدی سناتا ہے۔	(یہ ٹھیک ہے)
(۳) تفسیر مواھب الرحمن لفظ بہ لفظ سناتا ہے۔	(یہ ٹھیک ہے)
(۴) آپ کا خطبہ جمعہ سناتا ہے۔	(یہ ٹھیک ہے)

آپ نے ہر سوال کے سامنے سرخی سے نوٹ دیا۔ اور تحریر فرمایا کام کرتے رہیئے اللہ تعالےٰ توفیق مزید عطا فرمائے۔

بندہ نے مرد مومن کی تیاری کے وقت وہ سند اور ایک حضرت کا اور عنایت نامہ تھا ارسال کیا تھا۔ دفتر خدام الدین کو لیکن واپس نہ ہوا۔ میری سند تھی جو کہ گم ہو گئی بلکہ نجات نامہ تھا۔ ہمارے گاؤں کے چند لوگ ایک وجودی پیر صاحب کے ہاں جانے کی ترغیب دیتے ہیں صاف انکار کر دیتا کہ کہتا کہ اللہ تعالےٰ اس کی شکل بھی نہ دکھائے۔ آخر جانے کا ارادہ کیا تو ایک دن حضرت رح خواب میں میرے گھر تشریف لائے میں گھر موجود نہ تھا گھر آیا تو حضرت انتظار میں تھے مجھے محسوس ہوتا تھا کہ حضرت نے مجھے مقرر وقت دیا تھا میں کیوں غیر حاضر ہوا دیکھتے ہی فرماتے ہیں آؤ چلیں۔ ایک جنگل میں جا کر فرمایا تم واپس چلے جاؤ رات کا وقت ہے میں نے عرض کی حضرت آپ کہاں جائیں گے آپ نے اس پیر صاحب کے ہاں جانے کو فرمایا میں نے عرض کی یا حضرت آپ کو وہاں کیا کام ہے فرمایا وہاں شرک کی نہر چل رہی ہے اور آنکھ کھل گئی اور توبہ کی۔

ایک دن بندہ صبح سنتیں (فجر) پڑھنے کے بعد سو گیا۔ جماعت کی ذمہ داری مجھ پر تھی کیا دیکھتا ہوں حضرتؒ نے میری چادر اوپر سے کھینچ لی ہے جاگا تو حضرت سامنے کھڑے ہیں لیکن وہ ایک چمکارا تھا۔ اٹھا وضو کیا مسجد گیا تو جماعت کا وقت پورا تھا۔ ہمارا ایک برادری کا جھگڑا تھا ہمارے چچا صاحب نے ہم پر بہت زیادتیاں کیں ہم بھی بدلہ پر تل گئے انکو تنگ کرنا شروع کر دیا تو بذریعہ خدام الدین آپ کی مجلس ذکر میں پڑھا آپ نے فرمایا، جن کا عنوان تھا رشتہ داروں سے حسن سلوک، صلہ رحمی یہ ہے کہ توڑنے والے سے جوڑے نہ کہ توڑنے والے سے جوڑے وہ توڑے پھر جوڑے۔ یہ رسالہ میں نے والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پیش کر کے عرض کی کہ میں تو یا شیخ سے کٹا یا والد سے کٹا۔ پہلے تو فرمایا تم بزدل ہو، پھر فرمایا چچا سے صلح کر لیں اب دل میں آیا کہ زیادتی ان کی ہے ہم صلح کیلئے کس طرح کہیں۔ تو رات کو چچا صاحب برادری لے کر معافی مانگنے آ گیا، صلح ہو گئی یہ تھی میرے شیخ کی کرامت۔

جب میری شادی کا وقت آیا آپکی مجلس ذکر اور خطبہ جمعہ رسومات شادی پر تھا۔ ستمبر ۵۵/۵۶ء پڑھ کر دیکھیں۔ انہی دنوں حافظ حمید اللہ صاحب مرحوم کی شادی تھی۔ اللہ تعالٰے نے رسومات سے بچایا۔ ہماری برادری رسومات کا مرکز تھی۔ اللہ تعالٰے نے سنت کے مطابق توفیق دی۔

غالباً حضرت رحمۃ اللہ علیہ فروری ۱۹۵۷ء کو داؤآنہ چک ۲۸۲ حکیم علی محمد صاحب کے ہاں تشریف لائے بندہ بھی ہمراہ چند ساتھیوں کے اسٹیشن روڈالہ روڈ پر حاضر ہوا۔ حکیم بابا سلطان یہ علاقہ کے زمینداروں کا پروردہ ڈاکو تھا اس کی قسمت جاگی اسٹیشن سے ہمراہ چوروں کے ڈاکہ کے ارادہ سے جا رہا تھا۔ جب ہجوم دیکھا معلوم ہوا کہ لاہور سے ایک مولوی صاحب آ رہے ہیں کہا دیکھیں چشم دید واقعہ ہے کہ نظر پڑتے ہی پہلی دنیا بدل چکی تھی اور تانگہ کے ساتھ دوڑ لگا رہا تھا اور چک میں جا کر سب سے پہلے بیعت کی۔ داؤآنہ سے واپسی پر ایک جگہ تھوڑا سا کیچڑ تھا۔ سب نے کہا حضرت یہ تو کوئی خاص کیچڑ نہیں ہے۔ حضرت اصرار کے ساتھ تانگہ سے اتر گئے ایک حافظ صاحب محمد عیسٰے صاحب تانگہ میں رہ گئے جب تانگہ چلا تو الٹ گیا۔ استاذیم حافظ صاحب کیچڑ سے لت پت ہو گئے سب نے کرامت مانی۔

اب ایک دو واقعے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مدظلہ؛ حضرت کمالیہ تشریف لے گئے بندہ بھی حاضر خدمت ہوا۔ واپسی پر بندہ نے تاندلیانوالہ آنا تھا ہمراہ سفر کیا آپ ریل میں سو گئے بندہ نے موقعہ غنیمت سمجھ کر آپ کا جوتا مبارک اٹھا کر سر داڑھی، آنکھوں اور تمام جسم پر ملنا شروع کیا کیونکہ بندہ بالچھڑ کی مرض میں کئی سالوں سے مبتلا تھا اب تمام بال صحیح سلامت ہیں مونہہ پر پوری ڈاڑھی وغیرہ ہے۔ کئی حکیموں سے علاج کرا چکا تھا۔ یہ اس لئے کہ حضرتؒ فرماتے تھے کہ اللہ والوں کے جوتوں کی خاک میں وہ موتی ہوتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے۔

غالباً جولائی ۱۹۶۵ء کو حضرت مولانا عبیداللہ انور احقر کے غریب خانہ پر رونق افروز ہوئے بندہ پر کسمپرسی کی حالت تھی بمشکل تین سیر چینی ۲۰ سیر آٹا کچھ گوشت دال میسر آئی۔ اور کسی کو اطلاع تک نہ دی کہ حضرت دعا کر کے چلے جائیں گے۔ لیکن آپ کا پروگرام خدام الدین میں چھپ گیا صبح سویرے عقیدتمند علاقہ ساہیوال وغیرہ سے آنے شروع ہو گئے بندہ بیمار تھا مہمان نوازی بھی نہ کر سکتا تھا بہر حال رشتہ داروں نے مہمانوں کو کھانا پلانا شروع کیا حضرت ۴ بجے شام پہنچے رات ٹھہر کر صبح واپس تشریف لے گئے تو میں نے بھائی سے پوچھا کہ آٹا چینی وغیرہ کس سے لائے ہو، پیسے ادا کرنے کا انتظام کریں انہوں نے کہا کہ سب کچھ تمہارے گھر پڑا تھا دیکھا تو ابھی ۳ سیر چینی سے ۲ پاؤ باقی پڑی ہے اور آٹا بھی باقی ہے کم و بیش مہمان سو کے لگ بھگ تھے ہر ایک کو دو دو تین دفعہ چائے پلائی ______ الحمد للہ گاؤں کے لوگوں نے بھی کھایا۔ واپسی پر آپ نے مجلس ذکر میں فرمایا کہ جسمانی طور پر

بڑی تکلیف ہوئی اور روحانی طور پر بڑی مسرت ہوئی۔
ایک دن حضرت مولانا عبید اللہ انور کی خدمت میں بندہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی تو حضرت نے وظیفہ یا بدیع العجائب کا ورد کرنے کی تلقین کی۔ جمعہ المبارک کی نماز کے بعد فرمایا گھر چلیں لکھ کر دیں گے۔ اور ترکیب سمجھا دی اور فرمایا بارہ دن حرام مشتبہ مال سے پرہیز کرنا۔ تمام سائلوں کے بعد بندہ گھر کے دروازہ پر انتظار کرتا رہا۔ عصر کی نماز بھی دیر سے دوڑ کر مسجد میں پڑھ کر پھر آستانہ مبارک پر جا کر بیٹھ گیا۔ اب دل میں خیال کر رہا تھا کہ حضرت سے عرض کروں گا کہ ۱۲ دن کی خوراک بھی آپ عنایت فرمائیں۔ شاید میرا حال کیسا ہے۔ آپ کی خادمہ نے ایک لفافہ لا کر مجھے دیا۔ جب کھولا تو وظیفہ بھی لکھا ہوا تھا اور ایک معذرت نامہ کہ مجھے بخار ہو گیا اس لئے دیر ہو گئی۔ ایک لفافہ میں پانچ روپے اور لکھا تھا کہ یہ حقیر ہدیہ قبول فرمائیں۔ یہ تو ہے اللہ والوں کی کسر نفسی۔ افسوس کہ حضرت کے وہ عنایت نامے جیب تراشوں کی نظر ہو گئے کیونکہ بندہ نے کئی سال وہ نامے بٹوا میں ڈال کر ساتھ رکھے۔ باعث برکت تھے۔



زیر سرپرستی:- پیر طریقت حضرت مولانا محمد شعیب صاحب مدظلہ خلیفہ مجاز حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ عربیہ اسلامیہ، محلہ درس والا، چوہڑ کانہ منڈی

تاسیس:- ۱۶ شوال ۱۳۸۴ھ بحکم شیخ الحدیث مولانا محمد رفیق کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔ قیام شاخ رفیق الاسلام رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ
مہتمم:- محمد یعقوب ربانی فاضل دار العلوم ربانیہ، فاضل عربی۔ مسلک اہل السنۃ والجماعت
اغراض و مقاصد:- اصاغر و اکابر کی دینی تعلیم سے روشناس کرنا اور ہر طرح سے مشرب دار العلوم ہند اور ریاست اسلامی نظام کا نفاذ، دینی تعلیمات کو عام کرنا
عملہ:- ۹ افراد پر مشتمل ہے۔ طلباء ۲۰۰ جن میں سے مسافر طلبا ۳۲۔ بالغ مرد ۱۰ عورتیں ۴۔
اوقات تعلیم:- صبح نماز فجر تا ۱۱½ بجے۔ بعد ظہر تا عصر، بعد مغرب تا ۹ بجے شب۔
تربیت تعلیم، امتحان:- اکابرین دار العلوم دیوبند کے طریق پر تعلیم کتاب و سنت ہیں ہر قسم کے تعصب سے پاک ہر مکتب فکر کے طلبا زیر تعلیم ہیں۔ تربیت کا خاص خیال اور طلباء کی ہر وقت نگرانی کی جاتی ہے۔ سال میں تین امتحان جو عموماً باہر سے ممتحن بلا کر دلائے جاتے ہیں۔ **اعزاز**۔ تقریباً چار دفعہ شہر اور ضلعی سطح پر دینی مدارس کے طلبا میں حسن قرأت کا مقابلہ ہوا اور تین مرتبہ مدرسہ نے اول انعام حاصل کیا **داخلہ** محنتی طلبہ کیلئے ہر وقت کھلا ہے۔ بالغ حضرات کے لیے بعد مغرب تا ۹ بجے شب وقت مقرر ہے۔ **مسجد** زیر تعمیر ہے صرف چھت پڑی ہے باقی تمام کے لیے کسی اہل خیر کی منتظر ہے
ضروریات: صدر دروازہ، درسگاہوں، رہائشی کمروں، دفتر، کتب خانہ، بیت المال، مسجد کی تعمیرات، روشنی، پنکھوں کا مستقل انتظام، کتب خانہ میں درسی و دینی کتب، طلبا و مہمانوں کے لیے چارپائیاں، مدرسہ رفیق الاسلام کے لیے اندرون شہر جگہ۔ **مالیات**: تخمینہ اخراجات سالانہ پچیس ہزار روپے علاوہ تعمیرات۔

تمام مسلمانوں سے عموماً اور اہل علاقہ سے خصوصاً التماس ہے کہ مسجد و مدرسہ کی تعمیر کے لیے لکڑی، لوہا، سیمنٹ و دیگر ضروریات یا مدرسہ کے لیے صدقات و عطیات اور چرمہائے قربانی وغیرھم کے موقعہ پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ منڈی چوہڑ کانہ ضلع شیخوپورہ کو یاد رکھیں۔

۱۲/ بارہ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ ہجری

کے موقعہ پر اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں جن اقدامات کا اعلان

کیا گیا، ہم اسے قابلِ قدر جانتے ہوئے قائدِ اسلامی انقلاب مولانا مفتی محمود مدظلہ

اور جنرل محمد ضیاء الحق کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں!

نیز

مطالبہ کرتے ہیں کہ

۱- اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں ان اعلانات کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

۲- دینی علوم کے ماہرین کو ان کا صحیح مقام دلایا جائے۔

۳- قادیانیت اور دیگر ملحدانہ فتنوں کے زہریلے پروپیگنڈہ پر مستقل پابندی عائد کی جائے۔

۴- قرآن کریم اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں طرزِ حکومت کی اساس مغربی جمہوریت کی بجائے،

خلافتِ راشدہ

کے محمدی طریقہ پر رکھی جائے۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ (القرآن)

ہم مملکتِ خداداد پاکستان میں ۱۲ ربیع الاوّل کے موقعہ پر اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں اعلانات کرنے پر اسلامیانِ پاکستان کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ پاکستان کی سالمیت اور خوشحالی و ترقی صرف اسلامی نظام میں ہے اور

خلافتِ راشدہ ہی اسلامی نظام کی عملی تعبیر ہے!

مجلس تحفظ حقوقِ اہلسنت

اس جماعت کا ساتھ دیں جو حکومتِ الٰہیہ کے لیے کوشاں ہے۔ ہمیں اپنے اکابرین حضرت درخواستی اور مفتی اعظم پر مکمل اعتماد ہے جب تک خلافتِ راشدہ کا نظام مکمل طور پر نافذ نہیں ہوجاتا ہماری جدوجہد جاری رہیگی

اور

ہم اس موقعہ پر ولیٔ کامل مرشدنا حضرت لاہوری قدس سرہٗ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں!

(مولانا) عبدالشکور دینپوری صدر

(مولانا) عبدالمجید ندیم ناظمِ اعلیٰ

مجلس تحفظ حقوقِ اہلسنت پاکستان

مرکزی دفتر، بیرون لوہاری گیٹ، ملتان

مدرسہ عربیہ نعمانیہ (رجسٹرڈ) کمالیہ ضلع فیصل آباد

* پُرسکون ماحول، محنتی اساتذہ، اعلیٰ اخلاق، معیاری تعلیم، مدرسہ کا امتیاز ہے۔
* وفاق المدارس العربیہ سے منسلک یہ مدرسہ علاقہ کی مشہور و معروف دینی درس گاہ ہے۔
* حفظ و ناظرہ قرآن مجید سے موقوف علیہ تک کے طلبہ کو سات محنتی مستند اساتذہ تعلیم دے رہے ہیں۔
* طالبات کے لیے دینی تعلیم کا الگ انتظام ہے۔
* بیرونی طلبہ کو اعلیٰ رہائش، عمدہ غذا، ستھرے لباس کے علاوہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔
* مدرسہ کا سالانہ خرچ تقریباً ستّر ہزار سے زائد ہوتا ہے۔ مدرسہ کی باقاعدہ آمدنی یا کوئی سفیر نہیں ہے۔
* کام سے لگن، تعلیم کی فکر، سوال سے بے نیازی، فقط ذاتِ صمد پر بھروسہ ہمارا سرمایۂ افتخار ہے۔

اکابرین فرماتے ہیں

قطبِ دوراں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ میں تشریف لائے اور اپنے دستِ مبارک سے مدرسہ کو دو صد روپیہ عطیہ عطا فرماتے ہوئے فرمایا کہ "مدرسہ میں آکر مجھے سکون و سرور حاصل ہوا ہے۔"

مفکرِ اسلام مجاہدِ ملّت مفتی اعظم، صدر پاکستان قومی اتحاد معائنہ کے بعد فرماتے ہیں:

"مولانا محمد اختر صدیقی مہتمم مدرسہ کے حسنِ انتظام اور باسلیقہ نظم و نسق کا میں عرصہ سے معترف ہوں۔ مدرسہ ہذا مولانا موصوف کے زیرِ اہتمام یقیناً تعلیم و تدریس کے لحاظ سے رُو بہ ترقی ہے۔"

جسٹس محمد افضل چیمہ حال چیئرمین اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان فرماتے ہیں کہ:

"اس درس گاہ کا وجود فی الحقیقت کمالیہ شہر کے لیے باعثِ فخر ہے۔"

استاد العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا خیر محمد جالندھری سابق مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان فرماتے ہیں کہ:

"طلبہ، اساتذہ، مہتمم صاحب میں شرعی وضع و اخلاص کی جھلک دیکھ کر دعا نکلی۔"

حضرت مولانا محمد شریف کشمیری مدظلہ شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان فرماتے ہیں:

"قلیل عرصہ میں مدرسہ کا عروج، طلبہ کی کتابوں میں امتیازی کامیابی، طلبہ کی کثرت، عمدہ ماحول، تہذیب و اخلاق، مہتمم مدرسہ اور معاون اساتذہ کی محنت کی بیّن دلیل ہے۔"

شعبہ نشر و اشاعت

مدرسہ عربیہ (رجسٹرڈ) نعمانیہ، کمالیہ، ضلع فیصل آباد

مختصر تعارف — مدرسہ تعلیم النساء (رجسٹرڈ) چشتیاں — قائم شدہ ۱۹۳۶ء

مدرسہ کے قیام کا مقصد مسلمان لڑکیوں اور خواتین کے لیے اسلامی ماحول میں اعلیٰ دینی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا ہے، چنانچہ مدرسہ میں نورانی قاعدہ سے دورۂ حدیث تک علوم اسلامیہ کی تکمیل کرائی جاتی ہے۔ پرائمری پاس طالبات کے لیے سات سالہ تعلیمی مراحل کی ترتیب درج ذیل ہے:۔

جماعت راشدہ ۳ رسال ۔ جماعتِ عالمہ ۲ رسال ۔ جماعتِ فاضلہ کی تعلیمی مدت ۲ رسال ہے۔

تکمیل علومِ اسلامیہ کے علاوہ مدرسہ میں حفظ قرآن و تجوید و قرأت کے شعبے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں ۔

مدرسہ میں طالبات کیلئے عملی تربیت و تہذیب اخلاق کو اوّلیت حاصل ہے۔ طالبات کو دعوتِ تبلیغِ دین کی تربیت بھی دی جاتی ہے اور ان کیلئے لائبریری و دار المطالعہ بھی قائم ہے جہاں دینی و اصلاحی کتب، مفید رسائل و اخبارات فراہم کیے جاتے ہیں۔ مدرسہ کے درجہ پرائمری میں نصاب محکمہ تعلیم کیساتھ ساتھ کلامِ پاک با تجوید اور ادارہ کا مجوزہ اضافی نصاب بھی پڑھایا جاتا ہے۔ مدرسہ میں کم فرصت خواتین کیلئے سہ ۳ سالہ نصاب تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ خواہشمند طالبات کو السنہ شرقیہ (ادیب عربی، عالم عربی، فاضل عربی) کے امتحانات بھی دلوائے جاتے ہیں۔ امسال ۱۳۹۹ھ (۱۹۷۹ء) آٹھ سو ۸۰۰ سے زائد طالبات کو جوبیس معلمات زیورِ تعلیم سے آراستہ کر رہی ہیں (مزید معلومات کیلئے مدرسہ کے دفتر سے رجوع کریں) اگر آپ اس پُرفتن دور میں زنانہ دینی تعلیم و تربیت سے کامل اتفاق رکھتے ہیں تو اس مرکزی اور شمالی زنانہ ادارہ تعلیم النساء کی دل کھول کر امداد فرمائیں اور اپنے صدقات، زکوٰۃ و خیرات نکالتے وقت ادارہ ہذا کو نہ بھولیں۔ (مہتمم مدرسہ تعلیم النساء رجسٹرڈ چشتیاں)

یادگار سید المحدثین سید محمد انور شاہ محدث کاشمیری قدس سرہ — بانی حضرت مولانا محمد شاہ صاحب فاضل دار العلوم دیوبند

جامعہ انوار العلوم جو تاریخی جامع مسجد تلمبہ

سنگِ بنیاد از دست حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ مدرسہ سنہ ۱۹۲۰ء سے علومِ قرآنیہ کی تعلیمات کی درسی خدمات سرانجام دے رہا ہے ۔

۲۔ مولانا عبد القادر صاحب کی زیرِ نگرانی طلبہ قرآنِ پاک کی تعلیمات سے استفادہ کر رہے ہیں ۔

۳۔ جملہ اہم بزرگانِ کرام نے اپنے اپنے وقت میں تشریف لا کر اپنی گرانقدر آراء سے نوازا ۔

۴۔ جنرل سوار خان صاحب نے اپنے دورۂ تلمبہ کے دوران جامع میں تشریف لا کر اپنے گرانقدر عطیہ سے جامع مسجد کی خدمت میں حصہ لیا ۔

۵۔ قاسم العلوم ملتان کے فاضل اور پنجابی کے مقبول انقلابی شاعر مولانا محمد شریف ماہی مہتمم کے طور پر اعزازی خدمات سرانجام دے رہے ہیں ۔

۶۔ جامعہ مسجد کی مرمت کے لیے کم از کم پچاس ہزار روپے درکار ہیں ۔ اہلِ خیر مہتمم کے پتہ پر ترسیلِ زر کریں ۔

اراکین انجمن جامعہ انوار العلوم تاریخی جامع مسجد، تلمبہ شہر ضلع ملتان





فیصل آباد کی تعلیمی و تربیتی مثالی درسگاہ مدرسہ ام المدارس گلبرگ اے فیصل آباد

مدرسہ ہذا تشنگان حفظ قرآن پاک کے لیے چشمہ ہے۔ سینکڑوں غریب الدیار طلبا کا ماویٰ و ملجا ہے۔ فیصل آباد اور ملک کے گوشے گوشے سے آنے والے سینکڑوں طلبہ و طالبات اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں اور ہو چکے ہیں جن کی کارکردگی کی وجہ سے مدرسہ کو فیصل آباد میں مرکزیت اور کافی شہرت حاصل ہے۔ گذشتہ سال ۱۹، ۲۰، ۲۱ جولائی ۱۹۷۸ء کو مدرسہ کا ایک عظیم الشان جلسہ ہو چکا ہے جس میں فارغ التحصیل ۶۸ حفاظ کرام کی دستار بندی کا اہتمام ہوا۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:

فارغ التحصیل حفاظ کرام

نمبر شمار	نام طلبہ معہ ولدیت و پتہ
۱-	حافظ عبدالمجید ولد عبدالرشید چک ۶۲/گ ب، فیصل آباد
۲-	" شفقت علی " محمد علی گوبند پورہ "
۳	" شوکت علی " " " "
۴	" عبدالرحمٰن ولد فتح شیر چک نمبر ۴-۱ "
۵	" محمد اشرف " غلام محمد بیتوں سے
۶	" عبدالمالک " عبدالرشید، سعودی عرب
۷	" محمد یونس " دین محمد چک نمبر ۱۱۷/ج ب۔ فیصل آباد
۸	" سعید الرحمٰن " عبدالرحمٰن، بستی شاہ جمال مظفر گڑھ
۹	" مطیع الرحمٰن " " " " "
۱۰	" عبدالمجید " عبدالقادر " " " "
۱۱	" عبدالرحیم " " " " "
۱۲	" محمد اشفاق " مقبول احمد چک نمبر ۲۵۰/ر ب۔ فیصل آباد
۱۳	" محمد اسحاق " دوست محمد، بستی شاہ جمال۔ منظفر گڑھ
۱۴	" جان محمد " اختیار احمد، چک نمبر ۴۵۔ ہڈھانہ قصور
۱۵	" محمد عبداللہ " محمد عیسٰی۔ بستی لنڈی، مظفر گڑھ
۱۶	" عبدالحلیم " عبدالقادر، بستی شاہ جمال "
۱۷	" قطب الدین " جمیل احمد۔ چک نمبر ۴۷، قصور
۱۸	" محمد اعظم " احمد دین، طارق آباد۔ فیصل آباد
۱۹	" ظفر اقبال " محمد یعقوب، نگہبان پورہ "

نمبر شمار	نام طلبہ معہ ولدیت و مقام
۲۰	حافظ محمد اشرف ولد عبدالغنی چک نمبر ۲۴۳/ر ب، روشن والا فیصل آباد
۲۱	" محمد شفیع " راج محمد براڑی گالہ، آزاد کشمیر
۲۲	" محمد فاروق " عبدالحکیم، چک نمبر ۲۴۳/ر ب، روشن والا۔ فیصل آباد
۲۳	" محمد ادریس " عبدالرشید، سنت پورہ "
۲۴	" حبیب الرحمٰن " خادم حسین، ستیانہ روڈ "
۲۵	" منیر احمد " جان محمد، چک نمبر ۲۵/ر ب "
۲۶	" عبدالغفور " بشیر احمد مظفر گڑھ
۲۷	" عبدالرشید " سراج دین، کچی آبادی۔ فیصل آباد
۲۸	" عبدالکریم " عبدالغفور، غلام محمد آباد "
۲۹	" محمد صادق " خوشی محمد۔ کبیر والا، ملتان
۳۰	" مختار احمد " غلام محمد، گورو نانک پورہ۔ فیصل آباد
۳۱	" عبدالخالق " محمد صاحب، آزاد کشمیر
۳۲	" عبدالخالق " محمد ابراہیم، ہارون آباد۔ بہاول نگر
۳۳	" منظور احمد " محمد بوٹا۔ رسول پورہ، شیخوپورہ
۳۴	" منظور احمد " احمد بخش، بستی مہر پور مظفر گڑھ
۳۵	" محمد عارف " عاشق حسین، سانگلہ ہل۔ فیصل آباد
۳۶	" حفیظ الرحمٰن " محمد حسین، گلبرگ بی "
۳۷	" عبداللطیف " عبدالکریم۔ چک نمبر ۴۷، قصور
۳۸	" عبدالسلام " اللہ دیا۔ چک نمبر ۲۷۵/گ ب۔ فیصل آباد

نمبر شمار	نام طلبہ معہ ولدیت و مقام
۳۹	حافظ محمد زبیر ولد عبدالجبار، گوبند پورہ فیصل آباد
۴۰	" عبدالحفیظ " عبدالکریم، چک نمبر ۴۷ ۔ قصور
۴۱	" عبدالرشید " عبدالرحمٰن، چک نمبر ۲ ۔ ون ایل ساہیوال
۴۲	" محمد ابراہیم " نواب دین، گوبند پورہ ۔ فیصل آباد
۴۳	" محمد اسلم " محمد شفیع، چک نمبر ۱۷۶/گ ب "
۴۴	" عبدالحی " عبدالقادر ۔ بستی لنگڑیں، مظفر گڑھ
۴۵	" محمد ایوب " عبدالسبحان، شام کوٹ قصور
۴۶	" عبدالصمد " غلام علی ۔ علی پور، مظفر گڑھ
۴۷	" محمد عبداللہ " صالح محمد ۔ شاہ جمال "
۴۸	" محمد انور " محمد اسماعیل، چک نمبر ۱۹۸/ او ۔ بی ۔ فیصل آباد
۴۹	" احمد یار " اللہ بخش، موضع ڈگری جھنگ
۵۰	" ظہور احمد " " " "
۵۱	" محمد جمیل " عبدالرشید، لالہ پور گوجرانوالہ
۵۲	" محمد ندیم " محمد حسین، محمد پورہ ۔ فیصل آباد
۵۳	" محمد عالم " عبید محمد، دتوٹ ۔ آزاد کشمیر

نمبر شمار	نام طلبہ معہ ولدیت و مقام
۵۴	حافظ محمد قاسم ولد محمد شفیع ۔ ریلوے روڈ ۔ ملتان
۵۵	" محمد رفیق " محمد علی دیوان والہ، بہاولنگر
۵۶	" عبدالمجید " نور محمد کلے والہ، قصور
۵۷	" محمد شریف " نذر خاں " "
۵۸	" محمد سلیم " محمد شفیع چک نمبر ۴۸۶/گ ب فیصل آباد
۵۹	" عطا محمد " احمد خان چک نمبر ۱۰۶ "
۶۰	" اشتیاق احمد " غلام حیدر، دائرہ دین پناہ مظفر گڑھ
۶۱	" عبدالجلیل " رشید احمد، کوثر آباد ۔ فیصل آباد
۶۲	" عبدالحلیم " عبدالکریم ۔ چک نمبر ۴۷، قصور
۶۳	" خالد جاوید " دوست محمد، محمد پورہ ۔ فیصل آباد
۶۴	" عبدالمجید " شہاب الدین ۔ چک نمبر ۲۴۳/ر ب فیصل آباد
۶۵	" عبدالرؤف " عبدالحکیم، نثار کالونی ۔ "
۶۶	" محمد اسماعیل " محمد داؤد، چک نمبر ۴۷، قصور
۶۷	حافظہ زینب بی بی بنت فتح شیر، چک نمبر ۱۰۴ ۔ فیصل آباد
۶۸	" شاہدہ پروین " عبدالرشید، سنت پورہ "

اس مدرسہ کی کوئی مستقل آمدنی کا ذریعہ نہیں، محض توکلاً علی اللہ اور برادرانِ اسلام کے تعاون سے چل رہا ہے۔ لہذا تمام مسلمانوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ زکوٰۃ و صدقات عطیات دیتے وقت اس مرکزی درسگاہ کو یاد رکھیں جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اس وقت مدرسہ کے ناظمِ اعلیٰ اور صدر مدرس قاری محمد ابراہیم صاحب ہیں۔

منجانب: انجمن اُم المدارس (حقیقی) رجسٹرڈ، فیصل آباد

مسلک علماء دیوبند کی ترجمان • پاکستان کی عظیم دینی درسگاہ

مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاولنگر

قیام ادارہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء - ابتدا ایک چھوٹی سی کچی مسجد سے ہوئی۔ اس وقت عمارات مدرسہ تقریباً ۲۴ کنال رقبہ پر پھیلی ہوئی ہیں - ایک عظیم کتب خانہ جس میں تقریباً دس ہزار کتب ہیں۔ دفتر اہتمام، دفتر محاسبی، دارالضیوف، دفتر نظامت، غسل خانہ، ایک خوبصورت مسجد، بارہ درسگاہیں، طلباء کے لیے پچاس رہائشی کمرے، اساتذہ کی رہائش کے لیے ۲۰ باپردہ مکانات، ایک باورچی خانہ، ایک سٹور، ایک بیت المال۔ تعداد طلبہ: ساڑھے چار سو، بورڈنگ میں قیام پذیر طلباء جن کے جملہ اخراجات بذمہ مدرسہ ہیں ۲۵۰ - سالانہ اخراجات تین لاکھ روپے سے متجاوز ایک ہزار من گندم اس پر مستزاد، مستقل آمدنی کوئی نہیں۔ تعلیم ابتدائی عربی سے لے کر دورہ حدیث شریف۔ حفظ و ناظرہ اور تجوید القرآن کا بہترین انتظام، مڈل تک کلاسوں کا انتظام، علمی ماحول کے مناسب دستکاریاں مثلاً جلد سازی، کرسی بافی، ٹائپ وغیرہ بھی بچوں کو سکھلائی جاتی ہے۔ دارالافتاء جس سے ہر سال سینکڑوں فتوے جاری کیے جاتے ہیں۔ دارالتصنیف جس سے ہر سال متعدد اصلاحی رسائل و پمفلٹ شائع کیے جاتے ہیں۔ دارالتبلیغ جس کے تحت باقاعدہ تین مبلغین ملک کے کونے کونے میں تبلیغی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے سلسلے میں جن دنوں مرزا ناصر احمد کے بیان پر جرح ہو رہی تھی تو مرزائیوں کی بعض ایسی کتب جو کہیں سے دستیاب نہیں ہو رہی تھیں بحمد اللہ ادارہ ہذا کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے سید محمد رفیق شاہ صاحب سابق ایم۔ این۔ اے کے ٹیلیفون کرنے اور آدمی بھیجنے پر یہ کتابیں اسلام آباد بھجوائیں۔

واردین و صادرین:

مولانا قاری محمد طیب، مولانا احتشام الحق صاحب، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی، حضرت مولانا مفتی محمود صدر پی۔ این۔ اے، حضرت رائے پوری، کمشنر صاحبان مدرسہ میں تشریف لا چکے ہیں۔ جناب ہاشم رضا، مسرت حسین زبیری، میر عجم خاں، اے کے خالد، رانا سلیم اختر۔ علاوہ ازیں بہت سے دیگر افسران بالا بھی تشریف لا چکے ہیں۔

ادارہ ہذا کو دئے جانے والے عطیات ۷۱-۷۳ آئی ٹی پی ۶۴ انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۲۲ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔

○

صالح محمد حضروی، مدیر معاون

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال رح

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی زندگی میں جن مشاہیر امت سے تعلق رہا ان میں ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم بھی شامل ہیں۔ حضرت شیخ التفسیر اور علامہ موصوف رح کے تعلقات کی وجوہات کیا تھیں؟ ان میں سے چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

- **توحید**، جو اسلامی عقیدہ کی اساس ہے، حضرت شیخ التفسیر کے درسِ قرآن کا مرکزی نقطہ تھی۔ حضرت کو جب لاہور میں نظر بند کیا گیا تو اس زمانہ میں لاہور شرک و بدعت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ آپ نے بندگانِ خدا کو پیغامِ توحید سنایا تو مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا، لیکن حضرت لاہوری رحمہ اللہ تعالےٰ نے ان تمام مصائب کو خندۂ پیشانی سے برداشت کیا اور جادۂ حق سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔

علامہ اقبال مرحوم کا توحیدِ باری تعالےٰ سے والہانہ لگاؤ اظہر من الشمس ہے۔ علامہ مرحوم نغمۂ توحید کو فصلِ گل و لالہ کا پابند نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس بات کے قائل تھے کہ لا الٰہ الا اللہ کے ابدی و سرمدی پیغام کو بہار و خزاں، ہر حال میں عام کیا جائے۔ دونوں حضرات کا مقصدِ وحید عوام کے قلوب و اذہان کو نغمۂ توحید سے سرشار کرنا تھا، جب مقصد مشترک ہو تو انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر خود بخود ایک دوسرے کے قریب ہو جاتا ہے۔ توحیدِ باری کے مشترکہ مقصد ہی نے دونوں حضرات کو ایک دوسرے کے قریب کیا۔

- ڈاکٹر علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالےٰ انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے صدر تھے۔ آپ کے زمانۂ صدارت میں انجمن نے خوب ترقی کی۔ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ انجمن کے نائب صدر تھے اور تا دمِ زیست اس عہدہ پر فائز رہے۔ انجمن کے مختلف اجلاسوں اور مشاورتی مجلسوں میں کثرت سے باہمی ملاقات کے مواقع میسّر آتے، جہاں دونوں دردِ دل رکھنے والے حضرات انجمن

کی تعمیر و ترقی کے ساتھ ساتھ اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود سے متعلق امور پر بھی باہمی دلچسپی کا اظہار کرتے۔ (تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو "مکاتیبِ اقبال" سید نذیر نیازی۔

- عقیدہ ختمِ نبوت مسلمانوں کا سرمایۂ حیات ہے۔ قادیانی تحریک سے علامہ اقبال مرحوم ابتداء میں مولوی چراغ علی جیسے لوگوں کی شمولیت سے متاثر تھے، لیکن بعد میں آپ کو قادیانیت سے انتہائی نفرت پیدا ہوئی۔ آپ اپنے خطبات اور بیانات میں برملا اس خیال کا اظہار کرتے کہ قادیانی، اسلام اور مسلمان دونوں کے غدار ہیں۔ قادیانیت کی ریشہ دوانیوں سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے پہلے علامۃ العصر مولانا سید انور شاہ صاحب کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آگاہ کیا تھا۔ جس کی تفصیلات "نقشِ دوام" سوانح حیات حضرت شاہ صاحب مصنفہ سید انظر شاہ کاشمیری اور "اقبال کے ممدوح علماء" میں موجود ہیں۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ سے علامہ اقبالؒ کا تعارف حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ۱۹۲۶ء میں انجمن خدام الدین کے سالانہ اجلاس کے موقع پر کرایا تھا جس وجہ سے ڈاکٹر مرحوم تاحینِ حیات حضرت لاہوریؒ کے احسانمند رہے۔

- علامہ مرحوم کے بعض اشعار پر جب مسجد وزیر خان لاہور کے خطیب مولوی دیدار علی شاہ صاحب نے فتویٰ کفر صادر کیا تو علامہ نے فتویٰ اور صاحبِ فتویٰ کی خوب خبر لی، جس کا ذکر "روزگارِ فقیر" میں موجود ہے۔ علامہ، حضرت لاہوریؒ اور اکابرؒ دیوبند کے پہلے ہی قریب تھے، ان کفر کے فتوؤں سے بیزار ہو کر اور قریب ہو گئے۔

- یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ علامہ کی نظر عالمی سیاسیات پر بہت گہری تھی۔ آپ کا یہ پختہ یقین تھا کہ اگر ہندوستان آزاد ہو جائے تو مصر و ترکی وغیرہ دیگر اسلامی ممالک بھی آزاد ہو جائیں گے۔ آپ ان علماء اور قائدینِ قوم کی ہمیشہ تعریف کرتے جو انگریز کے جور و ستم کے خلاف قلمی اور عملی جہاد میں مصروف تھے۔ مرزا قادیانی کی جہاد کے خلاف تحریرات جب سامنے آئیں تو اس کے الہامات کو "الحاد" قرار دیا۔ احمد رضا خان بریلوی نے جب "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" اور "الامارۃ والجہاد" نامی کتابیں لکھیں، جن میں واضح طور پر لکھا کہ اس وقت انگریز کے خلاف جہاد کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ہندوستان دارالحرب نہیں دارالاسلام ہے، تو اقبال تڑپ اٹھے اور کہا:

پوچھے کوئی اس شیخِ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ ہے شر، تو مغرب میں بھی شر

حضرت لاہوریؒ کی سیاسی خدمات سے علامہ مرحوم آگاہ تھے اور انہیں معلوم تھا کہ حضرت لاہوریؒ انگریز کے خلاف جہاد کو ضروری سمجھتے ہیں جس کا بیّن ثبوت انگریز کا حضرت لاہوریؒ کو دہلی سے لاہور میں نظر بند کرنا تھا۔ اس نظریہ کے اتحاد کی بناء پر بھی حضرت لاہوریؒ سے علامہ کو تعلقِ خاطر تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرکز علوم ربانی مخزن فیض روحانی

بیادگار حضرت بہلوی رحمۃ اللہ کا تعارف

مدرسہ عربیہ اشرف العلوم (رجسٹرڈ) حبیب آباد شجاع آباد

بانی مدرسہ ہذا قطب العارفین رئیس السالکین مجدد الملت شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بہلوی جنہوں نے دورۂ حدیث جناب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامۃ العصر محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا۔ تکمیل علوم ظاہری کے بعد مختلف بزرگوں کے آستانوں پر حاضری دیتے رہے اور علوم باطنی میں کمال حاصل کیا۔ اس صدی کے مجدد مانے جاتے تھے کیونکہ حضرت ممدوح دونوں علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے۔ ادھر تشنگان علوم ظاہری کو نظام درسی پڑھاتے جو ہزاروں کی تعداد میں علماء تبلیغ دین میں مصروف ہیں اور دوسری طرف علوم باطنی کا کام شروع کیا تو پاکستان بھر میں کوئی ضلع اور تحصیل ایسی نہیں ہے جہاں آپ کے عقیدت مند نہ ہوں۔ ہزاروں کی باطنی اصلاح کی اور تصوف و سلوک میں نمایاں خدمت کی اور کئی رسالے تصنیف فرمائے۔ نیز حضرت کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ چار سلاسل میں بیعت لیتے رہے، نقشبندی، قادری، چشتی اور سہروردی ذکر و اذکار کی تعلیم عام دیتے رہے۔ یہ مدرسہ ان کی عظیم نشانی ہے۔

سرپرست مدرسہ ہذا حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب دامت برکاتہم درخواستی امیر مرکزیہ جمعیۃ العلماء اسلام مہتمم حضرت موصوف کے صاحبزادے مولانا حاجی عزیز احمد صاحب ہیں۔ جو خادم لنگر و خانقاہ اور مدرسہ کے اہم استاد ہیں۔

- مدرسہ اشرف العلوم اپنے ہم عصر مدارس میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔
- 〃 کی شوریٰ تیرہ ارکان (علمائے دیوبند) پر مشتمل ہے۔
- 〃 لبعد نماز صبح درس قرآن دیا جاتا ہے اور نماز ظہر کے بعد درس حدیث دیا جاتا ہے۔
- 〃 اخلاقی و روحانی تربیت گاہ ہے۔
- 〃 پانچ محنتی اساتذہ کرام اور ایک صد بارہ مسافر طلبہ زیر تعلیم ہیں اور ماہانہ طلبہ کو وظیفہ بھی دیا جاتا ہے اور ایک سبعہ عشرہ کے قاری مصروف تدریس ہے اور ایک لاکھ سے زائد سالانہ خرچہ ہے۔

خصوصیات مدرسہ ھذا

طلبہ میں تعلیم کا ذوق و شوق پیدا کرنا اور محنت کرا کر لائق بنانا بالخصوص ابتدائی تعلیم میں جذبۂ محنت پیدا کرنا و شعبان و رمضان المبارک میں دورۂ تفسیر اور پاس شدہ طلبہ کو سندات دینا۔

اپیل ضروریات مدرسہ

- مزید پانچ کمروں اور ایک دار الحدیث کی فوری ضرورت ہے اور کتب نظام درسی کی بھی • اہل ثروت حضرات کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ اس عظیم یادگاری مدرسہ کی ہر ممکن مدد فرمائیں تاکہ کامل بزرگوں کی رکھی ہوئی بنیاد آئے دن ترقی سے مالامال ہو۔

المشتہر: عبد الحمید ناظم اعلیٰ مدرسہ اشرف العلوم حبیب آباد، شجاع آباد۔ (ضلع ملتان)

* ملک میں تعلیمِ موجودہ کا جو آئین ہے
ہو چکا اب تک جو فرزندانِ ملّت کے لیے
کر دیا لڑکوں کو تُم نے اس قدر روشن خیال
تم نے جن آقاؤں کا ان کو بنایا تھا غلام
کیا یہی تعلیم دو گے دخترانِ قوم کو؟
کیا خدا کے فضل سے تم ہو چکے ہو نا اُمید؟
دوستو اللہ کا پیغام زندہ ہے ابھی

دخترانِ ملّتِ بیضا کی یہ توہین ہے
وہ بہت کافی ہے اس ملّت کی ذِلّت کے لیے
دیدۂ افلاس کی زینت ہے اب ان کا جمال
اب وہ آقا بھی نہیں لیتے غلاموں کا سلام
کیا اسی اُلجھن میں اُلجھاؤ گے جانِ قوم کو؟
کیا پیمبر سے بھی اب ملتی نہیں تم کو نوید؟
مر رہے ہو تم مگر اسلام زندہ ہے ابھی

حضرت کے پسندیدہ اشعار

مرسلہ: چوہدری محمد رفیع صاحب
شیرانوالہ گیٹ لاہور

* سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا
سُرخ و سپید مٹی کی مورت ہوئی تو کیا

* نہ خاتونوں میں رہ جاتے گی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہوں گے

* نہ تھی حال کی اپنے جب کہ خبر، نظر آتے تھے سب کے عیب و ہنر
پڑی حال پہ اپنے جب کہ نظر، کسی کا کوئی عیب ہی نہ رہا

* خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

* بگذار قال را و نگہ کن بسوئے حال
بر اشہدِ تو خندہ زند اسہدِ بلال رضؓ

علمی کتابیں

تاریخ التفسیر والمفسرین	غلام احمد حریری	۴۵۔۰
حدیث رسول کا تشریعی مقام	غلام احمد حریری	۳۶۔۰
علوم القرآن	صبحی صالح	۳۶۔۰
علوم الحدیث	صبحی صالح	۳۶۔۰
اسلامی مذاہب	ابو زہرہ	۱۸۔۰
معرکہ ایمان و مادیت	ابوالحسن علی ندوی	۹۔۰
تزکیۂ نفس	مولینا امین احسن اصلاحی	۱۸۔۰
عربی بول چال	سجاد میرٹھی	۱۲۔۰
اسماء الحسنیٰ کی برکات	مولینا انظر شاہ صاحب	۹۔۰

ناشران ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد

دار العلوم عثمانیہ (رجسٹرڈ)

۸۵ رسول پارک لاہور میں امسال داخلہ انشاء اللہ سات شوال سے بیس تک جاری رہے گا مدرسہ ہذا ایک دینی و علمی درسگاہ ہے جو ایک عرصہ سے علوم دینیہ کی تعلیمی و تدریسی خدمات حسب استطاعت سرانجام دے رہا ہے دار العلوم میں حفظ و ناظرہ قرأت و تجوید سے قرآن مجید پڑھنے والے طلبہ کے علاوہ درس نظامی پڑھنے والے طلبہ کو بھی ہر سال داخل کیا جاتا ہے دار العلوم میں اب تک سینکڑوں بچوں اور بڑوں نے ناظرہ قرآن مجید مع تجوید پڑھا اور کئی طلبہ حفظ قرآن کریم سے فارغ ہوئے اور بہت سے طلبہ نے کتب درس نظامی علاوہ دورۂ حدیث کے پڑھیں جنمیں کتب تفسیر حدیث۔ فقہ۔ اصول فقہ۔ بلاغت۔ منطق۔ فلسفہ۔ ادب عربی و فارسی۔ صرف و نحو وغیرہ شامل ہیں بفضلہٖ تعالیٰ مدرسہ ہذا کو قابل و محنتی اساتذہ کی خدمات حاصل ہیں۔ بیرونی و مقامی مستحق طلبہ کو رہائش و کتب خواندگی کے علاوہ مناسب ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔

خواہشمند طلبہ بروقت ناظم دار العلوم سے رابطہ قائم کریں:-

منجانب، غلام مصطفےٰ ناظم دار العلوم عثمانیہ ۸۵ رسول پارک لاہور

*

وضع و روش اطفال کی ہے قوم پر بار گراں

رسموں کا شکوہ اک طرف مذہب کا رونا اک طرف

کہتے ہیں لڑکے بھی مُلّا کام سے فرصت کہاں

* * *

مشکلے نیست کہ آساں نشود

مرد باید کہ ہراساں نشود

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد

اگر خارے بود گلدستہ گردد